اسم تاریخی

اَشْرَفُ التَّفَاسِیْر

١٣ ھ ٦ ٣

تَفْسِیْرِ نَعِیْمِی

(پارہ دوم)

مُصنّف

حکیم الامّت مُفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبۂ اسلامیہ

٣٠، اردو بازار ★ لاہور

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ دوم)

مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات ——— ۵۲۸

کمپوزنگ ——— لیزر کمپوزنگ ان' ستار سائنس مارکیٹ'

تکیہ اہلی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور

پرنٹر ——— پیر بھائی پرنٹرز

ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ' 40 اردو بازار' لاہور۔

قیمت ———

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک
یارسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست تفسیر نعیمی پارہ سیقول جلد دوم

انگلیاں میری ہیں اور ان میں قلم ہے تیرا

ہاتھ میرا ہے مگر اس پر کرم ہے تیرا

حکیم الامت

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا

عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے کس نے پھیر دیا ان کو قبلہ سے اُن کے وہ جو تھے اوپر

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو اُن کے اس قبلہ سے جس پر تھے

عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

اس کے فرمادو اللہ کے واسطے ہے پورب اور پچھم ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے طرف

تم فرما دو کہ پورب اور پچھم سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

راستہ سیدھے کے

سیدھی راہ چلاتا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیتوں میں یہود کے ان اعتراضوں کا ذکر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر تھے اب ان کے اس اعتراض کا ذکر ہے جو انہوں نے اسلام پر کیا اس کے نہایت نفیس جوابات دیئے جا رہے ہیں۔ دوسرا تعلق اب تک دستور یہ تھا کہ کفار نے اعتراض کیا اور قرآن کریم نے جواب دیا۔ اب ان کے اعتراض سے پہلے ہی مسلمانوں کو جواب کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ کفار یہ اعتراض کریں گے اور تم ان کے یہ جوابات دے دینا۔ تیسرا تعلق اس سے پہلے اہل کتاب کی چند بے وقوفیوں کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے بزرگوں کی نیکیوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اب ان کی ایک بڑی بے وقوفی کا ذکر ہے کہ وہ اس تبدیلیء قبلہ پر اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی حقانیت پر کھلی ہوئی دلیل ہے۔

شان نزول : تفسیر خزائن عرفان میں ہے کہ یہ آیت یہود یا مشرکین مکہ یا منافقین یا ان سب کے جواب میں نازل ہوئی جن کو تبدیلی قبلہ پر اعتراض تھا اور جنہیں یہ تبدیلی ناگوار تھی۔

تفسیر : **سیقول** بعض علماء نے کہا کہ یہ آیت تبدیلی قبلہ کے بعد اتری اور **قد نری تقلب** نزول میں اس سے پہلے ہے اور ترتیب میں اس کے بعد یعنی اے نبی علیہ السلام ہم نے قبلہ تو تبدیل کر دیا مگر اب عنقریب مخالفین یہ اعتراض کریں گے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا نزول تبدیلی قبلہ سے پہلے ہے یعنی ہم آپ کی مرضی کے موافق قبلہ تبدیل تو کر دیں گے لیکن یہ بھی خیال رہے کہ کفار اس پر یہ اعتراض کریں گے اور آپ اس کا جواب یہ دیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں پر کفار کا یہ اعتراض گراں نہ پڑے۔ تفسیر کبیر نے یہ بھی کہا کہ اعتراض کفار کے بعد یہ آیت اتری اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسا بیہودہ اعتراض کر بھی چکے اور آئندہ بھی کریں گے مگر دوسرا قول صحیح ہے اور اس میں ایک غیبی خبر ہے۔ خیال رہے کہ ہماری اردو میں اچھی بات کو فرمانا بری بات کو بکنا جائز بات کو کہنا کہا جاتا ہے۔ مگر عربی میں ہر بات کے لئے قول استعمال ہوتا ہے۔ اب اس کے معنی

فاعل اور اس کی گفتگو کے لحاظ سے ہوتے ہیں اگر رب تعالیٰ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قول منسوب ہو تو اسی کے معنی ہوں گے۔ فرمایا اگر کفار یا شیاطین کا قول ہو تو معنی ہوں گے بکواس کی یا کریں گے۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ خیال رہے کہ زبان ریڈیو کی پیٹی ہے اور دل اس کی سوئی جس سے دل کا تعلق ہو گا۔ اسی کی سی بات زبان سے نکلے گی۔ **السفہاء** جمع سفیہ کی ہے جو سفہ سے بنا جس کے معنی ہیں عقل کا ہلکا ہونا اسی لئے نا سمجھ بچوں اور دیوانوں کو سفیہ کہا جاتا ہے **ولا تؤتوا السفہاء اموالکم**۔ یہاں یا تو منافقین مراد ہیں کہ قرآن کریم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے **الا انہم ہم السفہاء** یا یہود مشرکین کیونکہ یہ دین ابراہیمی سے دور ہیں اور جو اس سے دور ہے وہ بے وقوف ہے **الا من سفہ نفسہ** یعنی سارے کفار یہ اعتراض نہ کریں گے کیونکہ علماء اہل کتاب جانتے ہیں کہ نبی آخر الزمان کی پہچان توریت میں یہ بیان کی گئی کہ وہ صاحب قبلتین ہیں معترض وہ ہی بے عقل ہوں گے جو صرف ظاہری صورت میں **من الناس**' انسانوں میں سے ہیں ورنہ بے عقلی اور بے وقوفی میں جانوروں سے بدتر کیونکہ جانور بھی اپنے برے بھلے کی تمیز رکھتا ہے۔ ان میں یہ بھی نہیں **ما ولہم** یا استفہام انکاری ہے یا تو حیرت سے یا دل لگی کرتے ہوئے تبدیلی قبلہ پر اعتراض کر رہے ہیں **ولی تولی** سے بنا جس کے معنی ہیں دور ہونا یا پھر جانا۔ اسی لئے منہ موڑنے اور پیٹھ پھیرنے کو **تولی** کہتے ہیں یعنی ان مسلمانوں کو کس چیز نے پھیر دیا **عن قبلتہم** ان کے اس قبلہ سے جس پر اب تک تھے قبلہ بروزن فعلہ' سامنے کی چیز یا سامنے کی جہت یا اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی کے سامنے ہونے سے پیدا ہو۔ اسی لئے پیشوائی کرنے کو استقبال اور دشمن کے سامنے آنے کو مقابلہ کہتے ہیں۔ قبلہ کو قبلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہما) قبلہ کی اضافت مسلمانوں کی طرف اسی لئے ہے کہ وہ تقریباً" سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ اور یہاں قبلہ سے مراد بیت المقدس ہی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا **التی کانوا علیہا** وہ جس پر اب تک تھے یعنی یہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کیوں پھر گئے۔ یہاں تک تو ان کے سوال کا ذکر تھا اب اس کے نہایت نفیس جواب بتائے جا رہے ہیں کہ **قل** یا تو یہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے اس کے معنی یہ نہیں کہ کہہ دو کیونکہ ابھی یہ اعتراض ہوا ہی نہیں بلکہ یہ کہ اے نبی علیہ السلام یا اے قرآن کے پڑھنے والے جب بھی یہ اعتراض کیا جائے تو کہہ دینا کہ ہم تعصب' جانبداری یا جہت پرستی کی وجہ سے نہیں پھرے بلکہ صرف اس لئے کہ **للہ المشرق والمغرب** ہماری عبادت اللہ ہی کے لئے ہے اور مشرق و مغرب یعنی سارا جہاں اسی کا ہے ہم سے جدھر چاہے اپنے لئے ادھر ہی سجدہ کرائے اور جس جگہ کو چاہے ہمارا قبلہ بنا دے اور جس قبلہ کو چاہے موقوف کر دے۔ اس کی وجہ ہم سے پوچھنا بے وقوفی ہے۔ غلام سے نہ پوچھو کہ تو پہلے یہ کیوں کرتا تھا اب کیوں نہیں کرتا وہ تو اپنے مولیٰ کا تابع ہے۔ وہ جب جو کام چاہے لے نیز تمہیں یہ بھی اختیار نہیں کہ رب سے پوچھو کیونکہ **لا یسئل عما یفعل** اس قادر مطلق کے افعال پر کون جرح کرے اس کی شان تو یہ ہے کہ **یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید** جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنے ارادہ پر فیصلہ کرتا ہے یہ تو تھا اصل جواب۔ اب اگر حکمت پوچھنا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ قبلہ اصل عبادت نہیں بلکہ راہ عبادت ہے اور رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مختلف راہیں دکھائیں کسی کو کسی راہ سے اور کسی کو کسی طور (تفسیر عزیزی) اور **یہدی من یشاء الی صراط مستقیم** جس بندہ کو چاہتا ہے دور کے ٹیڑھے راستوں سے اپنی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے براہ راست قریبی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ چنانچہ عبادت کے لئے مشرق یا مغرب کی سمت مقرر کرنا دور کا راستہ ہے اور کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کرا

کر پھر کعبہ کو پھیرو بنا لو قریب (روح البیان) کہ اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔ تبدیلی کعبہ اور اس کی حکمتیں انشاء اللہ خلاصہ تفسیر کے بعد بیان ہوں گی۔

خلاصہ تفسیر: عبادات میں بدنی عبادت سب سے افضل ہے اور بدنی عبادات میں نماز اور نماز میں سجدہ سب سے اعلیٰ جیسا کہ قرآنی آیات سے ثابت ہے قیامت کے دن کوئی عبادت نہ ہوگی مگر رب کے جمال کا مشاہدہ کر کے اسے سجدہ مسلمان کریں گے رب فرماتا ہے **یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود** بقیہ عبادات ہر وقت ہر جگہ ہر طرح ہو سکتی ہیں مگر نماز و سجدہ کے لئے جگہ اور وقت مقرر ہے اسی کے لئے سمت بھی اسی سمت کو جس طرف نماز و سجدہ ہو قبلہ کہا جاتا ہے۔ روزہ، زکوۃ حج میں قبلہ رو ہونا یا رہنا ضروری نہیں مگر نماز میں رو بقبلہ ہونا لازم ہے تمام انبیاء کا قبلہ ایک ہی رہا مگر اسلام میں قبلے دو ہوئے کہ ہجرت سے پہلے اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا جس پر مشرکین مکہ کو اعتراض تھا کہ یہ اپنے کو ابراہیمی کہتے ہیں مگر قبلہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہجرت کے بعد سترہ ماہ تک وہی قبلہ رہا تو یہود اور عیسائیوں کا بھی یہی اعتراض رہا کہ نبی آخر الزمان علیہ السلام ہر بات میں ہماری مخالفت کرتے مگر ہمارے ہی قبلہ کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ ہمارا قبلہ کعبہ ہو رب نے حضور کی مرضی کے موافق قبلہ کی تبدیلی فرمائی مگر اس سے پہلے بطور تمہید فرمایا گیا کہ اس تبدیلی پر یہ اعتراض ہو گا کہ مسلمانوں نے اپنے قبلہ کو کیوں بدل دیا اگر بیت المقدس ناقص تھا تو اب تک ادھر نمازیں کیوں پڑھیں اور وہ نمازیں ناقص ہوئیں یا کامل اور اگر وہ کامل تھا تو اسے کیوں چھوڑ دیا اور ناقص کیوں اختیار کر لیا اور اب نمازیں ناقص ہوں گی یا کامل۔ نیز مشرکین مکہ یہ اعتراض کریں گے کہ لوگوں کی مخالفت کرنا ان کا کام ہی ہے۔ مکہ مکرمہ میں رہے تو ہم کو جلانے کے لئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے اور جب مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں اہل کتاب کو چڑانے کے لئے ان کے معظم گھر بیت المقدس کو چھوڑ دیا تو تم ان عقل کے اندھوں کے جواب میں کہہ دینا کہ ہمارے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہم متعصب ہیں نہ خوشامدی نہ قوم پرست نہ یہودی اور عیسائیوں کی طرح پورب پچھم کے پجاری کہ یہودیوں نے تو صرف اس لئے پچھم کو اپنا قبلہ بنایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر پہلی وحی مغربی جانب میں آئی جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر** اور عیسائیوں نے اس خیال پر مشرق کو قبلہ اختیار کیا کہ حضرت مریم پر مشرقی حصہ میں جبریل علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری لائے۔ **اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا** پھر فرماتا ہے **فارسلنا الیھا روحنا** (تفسیر روح البیان) غرض کہ یہ مشرق مغرب کے پجاری اور ہم ان کے خالق کے عابد ہیں اگر ہم میں ریاکاری ہوتی تو مکہ معظمہ میں مشرکین کو خوش کرنے کے لئے کعبہ کو قبلہ بناتے اور مدینہ پاک میں اہل کتاب کی رضا کے لئے بیت المقدس کو مگر ہوا اس کے برعکس ہماری اس پر نظر ہے کہ سب رب کا ہے اور اس کو راضی کرنا منظور وہ جس طرف چاہے اپنے کو سجدہ کرائے یہی راہ مستقیم ہے اور رب جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ یعنی ہدایت اپنی رائے سے نہیں ملتی بلکہ رب کے کرم سے۔

قبلہ کی تبدیلی

پارہ الم میں آپ تاریخ کعبہ معلوم کر چکے۔ اب یہ سمجھئے کہ عبادت کے لئے کوئی سمت ضرور چاہئے، جیسا کہ ہم آئندہ

بیان کریں گے۔ ملائکہ اور جن و انس سب کی عبادتوں کے لئے سمتیں مقرر ہیں جسے ان کا قبلہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حاملین عرش کا قبلہ عرش اعظم اور ملائکہ بررہ کا قبلہ کرسی اور ملائکہ سفرہ وغیرہ کا قبلہ بیت المعمور ہے (کبیر) ضرورت تھی کہ فرشیوں کا بھی کوئی قبلہ ہو۔ ان کے لئے از آدم تا موسیٰ علیہم السلام کعبۃ اللہ قبلہ رہا۔ جس کی حکمت ہم آئندہ بیان کریں گے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک بیت المقدس قبلہ بنا۔ مگر یہودیوں نے اس کا غربی حصہ اور عیسائیوں نے شرقی حصہ اختیار کیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم معراج اور موجودہ نماز کی فرضیت سے پہلے بھی رب کے عابد و ساجد تھے۔ مگر آپ کی وہ عبادت موجودہ نماز سے مختلف تھی بلکہ حق یہ ہے کہ بچپن ہی سے رب کی عبادت کا ذوق شوق تھا مگر چونکہ آپ کسی وقت بھی کسی پیغمبر کے امتی نہ ہوئے۔ اس لئے آپ کی عبادت کسی دین کی اتباع میں نہ تھی بلکہ اپنے کشف سے اور یہ کشف قدرتی طور پر شریعت ابراہیمی کے مطابق تھا۔ چنانچہ نبوت سے چھ ماہ پیشتر جو غار حرا میں عبادت فرمائی وہ بھی اپنے کشف کے مطابق تھی (شامی شروع کتاب الصلوٰۃ) عطاء نبوت کے بعد اور معراج سے پہلے جو سجدے اور سجود کئے وہ بیت اللہ ہی کی طرف شب معراج میں جب بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی تو یہ نماز بیت المقدس کی طرف ہوئی۔ یہاں حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان و تکبیر کہی (در مختار باب الاذان) رب جانے یہ اذان اور نماز کیسی تھی کیونکہ یہ فرضیت نماز سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب معراج میں نماز فرض ہوئی تو بیت المقدس ہی قبلہ مقرر ہوا کیونکہ یہاں سے ہی آسمانی سفر شروع ہوا تھا اور وہاں ہی انبیاء کرام کا اجتماع اور وہاں ہی حضور علیہ السلام کی سلطنت کا ظہور گویا یہ ان واقعات کی یادگار تھی۔ معراج کے بعد جب تک کہ مکہ مکرمہ میں قیام رہا بیت المقدس ہی کی طرف نماز ہوتی رہی مگر کعبہ معظمہ کو سامنے لے کر یعنی بیت المقدس کی طرف اس طرح منہ کرتے کہ کعبہ معظمہ بھی سامنے آجاتا (عزیزی و تفسیر احمدی) مدینہ منورہ پہنچ کر اس طرح دو قبلوں کا اجتماع ناممکن تھا لہٰذا بیت المقدس کی طرف نماز ہوتی رہی مگر حضور کو شوق یہ ہی تھا کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو چنانچہ ہجرت سے ایک سال ساڑھے پانچ مہینے کے بعد پندرھویں رجب پیر کے دن مسجد بنی سلمہ میں آپ نماز ظہر پڑھا رہے تھے دو رکعتیں بیت المقدس کی جانب ہو چکی تھیں کہ عین نماز کی حالت میں جبریل علیہ السلام یہ آیت لائے **قد نری تقلب وجھک فی السماء** الخ۔ فوراً آپ مع صحابہ کرام جانب کعبہ پھر گئے یہ نماز نماز قبلتین ہوئی اور مسجد جامع قبلتین (تفسیر احمدی و عزیزی) یہ مسجد اب تک موجود ہے اور اس کا یہ ہی نام ہے۔ اس میں جنوباً شمالاً دو محرابیں بھی ہیں میں نے اس کی زیارت کی۔ مسلم کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی قبلہ کی آیت ظہر عصر کے درمیان آئی مگر ہو سکتا ہے کہ یہ وقت ظہر و عصر کے مابین ہو اور اسی وقت نماز ہو رہی ہو ورنہ پھر مسجد قبلتین کے کیا معنی قبا میں رہنے والے صحابہ کرام کا بھی ایسا ہی واقعہ ہوا کہ انہیں تبدیل قبلہ کی خبر نہ تھی درمیان نماز میں کسی نے خبر دی اور اسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئے۔ مگر قبا دوسری طرف واقع ہے۔ واللہ اعلم۔ اس پر مشرکین منافقین اہل کتاب نے بہت شور مچایا جس کی خبر مع جواب اس آیت میں پہلے ہی دی جا چکی تھی۔

قبلہ اور تبدیلی قبلہ کی حکمتیں

اب ہم تفسیر کبیر و عزیزی وغیرہما سے قبلہ مقرر کرنے اور تبدیل کرنے کی حکمتیں بیان کرتے ہیں نماز کے لئے قبلہ مقرر

کرنے میں چند حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ کہ انسان میں قوت عقلیہ بھی ہے اور قوت خیالیہ بھی اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ساتھی۔ اسی لئے کوئی عقلی بات سمجھاتے وقت کوئی خیالی صورت سامنے رکھ لی جاتی ہے تاکہ عقلی معنی جلد سمجھ میں آجائیں۔ اقلیدس والے مثلث، مربع کے خطوط کھینچ کر ضلع اور زاویہ وغیرہ سمجھاتے ہیں۔ علم ہیئت والے کرہ سامنے رکھ کر آسمانی خطوط معدل النہار اور منطقۃ البروج وغیرہ بتاتے ہیں۔ رعایا بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے عرض معروض کرتی ہے تاکہ خیال نہ بٹے جب رب کے بندے اس کی عبادت کریں تو چونکہ وہ سامنے ہونے اور دنیا میں نظر آنے سے پاک ہے تو چاہئے کہ خیال جمانے کے لئے کسی طرف منہ کر لیا جائے اسی جہت کا نام قبلہ ہے۔ دوسری حکمت۔ نماز میں دل کی حاضری ضروری ہے اور یہ سکون سے حاصل ہوگی اور سکون جب ہی ہوگا کہ کسی طرف دھیان نہ ہو اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک ہی طرف رخ رہے۔ اسی طرف کا نام قبلہ ہے۔ تیسری حکمت۔ مسلمانوں میں اتفاق و محبت رب کی بڑی نعمت ہے اگر ہر شخص علیحدہ جہت پر نماز پڑھے تو اختلاف ظاہر ہوگا۔ ضروری تھا کہ ایک اللہ کے بندے اور ایک نبی کے امتی ایک ہی طرف نماز پڑھیں کہ ظاہری اتفاق سے دلی اور روحانی اتفاق بھی پیدا ہو۔ چوتھی حکمت۔ بعض جگہ بعض سے افضل ہے۔ جن سے لوگ فیض پاتے ہیں قبلہ زمین کے دوسرے حصوں سے بہتر ہے جہاں رب کی خاص تجلی ہے۔ اسی طرف نماز پڑھنے میں انوار الٰہی حاصل ہوں گے۔

تبدیلی قبلہ کی حکمتیں : قبلہ بدلنے میں صدہا حکمتیں ہیں جن میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔ پہلی حکمت۔ پچھلی کتابوں میں حضور علیہ السلام کا لقب نبی القبلتین ہے۔ یعنی دو قبلوں والے پیغمبر گذشتہ پیغمبروں نے بھی خبر دی تھی کہ نبی آخر الزمان نبی الحرمین اور امام القبلتین ہوں گے یعنی ان کی ایک حرم یعنی مکہ میں تو پیدائش ہوگی اور دوسرے حرم یعنی مدینہ طیبہ میں رہائش و وفات اور ان کی ابتداء ایک قبلہ یعنی بیت المقدس پر ہوگی اور انتہاء دوسرے قبلہ یعنی کعبہ پر یہ تبدیلی آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی علامت ہے۔ دوسری حکمت۔ بعض پیغمبروں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور بعض نے کعبہ کی طرف حضور علیہ السلام میں سارے انبیاء کرام کے کمالات ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ دونوں طرف نماز پڑھیں۔ تیسری حکمت۔ قبلہ سے حضور علیہ السلام کی عظمت نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے قبلہ کی عزت ہے مرضی الٰہی یہ تھی کہ دونوں قبلوں کو حضور کے سجدوں سے عزت دی جائے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کو کعبہ میں بھی امام بنایا گیا اور معراج کی رات بیت المقدس میں بھی۔ چوتھی حکمت۔ یہود اور عیسائی مشرق یا مغرب پر اڑ گئے۔ اس تبدیلی سے پتہ لگا کہ مسلمان کسی سمت کے پجاری نہیں بلکہ رب کے عابد ہیں کہ اس کے حکم پر جھک جاتے ہیں۔ پانچویں حکمت۔ تبدیلی قبلہ سے عزت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہے کہ انہی کی خواہش سے کعبہ، قبلہ بنا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں معلوم ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ بغیر تبدیلی یہ عظمت کیسے ظاہر ہوتی اب معلوم ہوا کہ رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو عالم کا سجدہ الیہ بنا دیا۔

کعبہ معظمہ کی خصوصیات : کعبہ شریف چند وجہ سے بیت المقدس سے افضل ہے۔ ایک یہ کہ یہ تعمیر ابراہیمی ہے بلکہ تعمیر دیگر انبیاء بھی اور بیت المقدس جنات کی تعمیر اس کی زیادہ تحقیقات ان اول بیت کی تفسیر میں آئے گی۔ دوسرے یہ کہ کعبہ بیت اللہ ہے مسلمان عباد اللہ نماز عبادت اللہ ان کے پیغمبر حبیب اللہ اور ان کا قرآن کلام اللہ تو گویا جب اللہ کے بندے رسول اللہ کے فرمان سے اللہ کی عبادت میں کلام اللہ پڑھیں تو بیت اللہ کو منہ کریں تاکہ ان نسبتوں سے ان کا قلب اللہ کی

طرف رہے۔ تیسرے یہ کہ مشرق مطلع انوار ہے کہ اوھر سے سورج نکلتا ہے اور مکہ معظمہ مطلع سید الانوار یعنی جائے ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہئے کہ بجائے مشرق کے نماز میں اوھر منہ کیا جائے۔ چوتھے یہ کہ کعبہ معظمہ وسط زمین میں ہے تو چاہئے کہ نماز میں اوھر ہی منہ ہو تاکہ معلوم ہو کہ مسلمان امت وسطا یعنی درمیانی امت ہیں۔ پانچویں یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور کعبہ معظمہ حضور کا محبوب لہذا کعبہ رب کا محبوب۔ تو چاہئے کہ نماز اس کی طرف ہو تاکہ ہمیں بھی محبوبیت ملے۔ نیز رب نے دنیا میں حضور کو راضی کیا کہ فرمایا قبلۃ ترضھا یہ نہ کہا کہ ارضھا اور آخرت کے متعلق فرمایا ولسوف یعطیک ربک فترضی کہ رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ سارا جہان تو میری رضا چاہتا ہے اور میں کونین میں تمہاری رضا (تفسیر کبیر) چھٹے یہ کہ اخیر پارہ الم میں معلوم ہو چکا کہ خانہ کعبہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بنا۔ طور سینا' طور زیتا' جودی' لبنان اور حراء گویا جو اوھر نماز پڑھے یا کعبہ کا حج کرے وہ اگر گناہوں کے پہاڑ بھی لے کر آئے سب مٹا دیئے جائیں گے۔ ساتویں یہ کہ کعبہ معظمہ کی زمین ساری زمین کی اصل ہے کہ اسی جگہ زمین کا جھاگ پیدا ہوا اور اس سے زمین پھیلی نیز انسان کی بھی اصل ہے کہ اسی جگہ جسم حضرت آدم خشک کیا گیا۔ چاہئے کہ نماز میں اپنے اصل مبدا کی طرف رخ ہو تاکہ دل کا رخ اصل خالق کی طرف رہے۔ آٹھویں یہ کہ روایت میں ہے کہ جب رب تعالیٰ نے زمین آسمان کو حکم دیا کہ ائتیا طوعا و کرھا کہ حاضر ہو میری بارگاہ میں خوش یا ناخوش تو سب سے پہلے اس جگہ سے ذرات محمد نے یہ حکم قبول کیا اور اس کے مقابل کے ساتوں آسمان کے حصوں نے اس کی موافقت کی اور عرض کیا کہ اتینا طائعین کہ مولیٰ ہم خوشی سے حاضر ہیں جس سے معلوم ہوا کہ رب کی اطاعت کرنے والی پہلی یہ زمین ہے چاہئے تھا کہ مسلمان بھی اطاعت میں اسی طرف جھکیں (تفسیر عزیزی) نویں یہ کہ بیت المقدس کا حج کبھی نہ ہوا۔ حج ہمیشہ سے کعبہ ہی کا ہوا تو بہتر تھا کہ مسلمانوں کا حج اور نماز ایک ہی طرف ہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ بڑا بے وقوف وہ ہے جو دینی باتوں پر اعتراض کرے اگرچہ دنیوی کاروبار میں بڑا ماہر ہو۔ دیکھو رب نے تبدیلی قبلہ پر اعتراض کرنے والوں کو سفہاء فرمایا۔ حالانکہ وہ دنیا میں عقلمند مانے جاتے تھے کیونکہ جب مال برباد کرنے والا بے وقوف کہلاتا ہے تو اعمال بلکہ عمر اور ایمان کی دولت برباد کرنے والا بے وقوف کیوں نہ ہو گا۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے محبوب ہیں کہ رب انہیں دشمنوں کے مقابل جوابات سکھاتا ہے۔ تیسرا فائدہ جن اہم کاموں پر مخالفین کے سخت اعتراضات پڑیں ان کا رب تعالیٰ براہ راست حکم دیتا ہے تاکہ حضور کی ذات پاک ان اعتراضات سے محفوظ رہے جیسے کہ تبدیلی قبلہ وغیرہ ورنہ بہت سے وہ احکام ہیں جو حضور علیہ السلام نے بغیر انتظار وحی خود ہی جاری فرمائے اس کی تحقیق کے لئے دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ ان جیسے کاموں میں وحی کے انتظار سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ مختار نہیں۔ اعتراض : پہلا اعتراض آپ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ ایک بار ہوئی اور بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ دو بار ہوئی۔ جواب انہیں دھوکہ ہو گیا معراج سے پہلے حضور علیہ السلام نے اپنے کشف سے کعبہ کو قبلہ بنایا اور معراج کے بعد بیت المقدس ہی قبلہ تھا مگر کعبہ کو اس طرح سامنے رکھا گیا جیسے حاجی طواف کے نفلوں میں مقام ابراہیم کو سامنے رکھتا ہے کہ سجدہ کعبہ کی طرف ہے اور مقام درمیان میں اور کشف کا نسخ وحی سے نہیں ہوتا۔ جب مدینہ منورہ میں بلاواسطہ کعبہ

بیت المقدس کو منسوخ کیا گیا تو لوگ اس کو حج سمجھ گئے تھے حالانکہ فیانت فقط۔ دوسرا اعتراض۔ آپ کی تفسیر سے معلوم کہ سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز ہوئی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سولہ مہینے۔ جواب یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں شروع ربیع الاول میں ہجرت ہوئی اور پندرہ رجب کو تبدیلی قبلہ تقریباً ساڑھے سولہ مہینے بیت المقدس قبلہ رہا۔ تیسرا اعتراض اس آیت میں اعتراض سے پہلے کیوں جواب سکھایا گیا کہ کفار یہ اعتراض کریں گے اور تم یہ جواب دینا۔ جواب اس میں غیب کی خبر ہے مسلمانوں کی عزت افزائی اور حضور علیہ السلام کی تسلی و تشفی کہ اچانک مصیبت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موحد اور مشرک میں یہ فرق ہے کہ مشرک توجہات کا پجاری ہے اور موحد رب کا عابد۔ مشرک کی عقل پردوں تک پہنچتی ہے۔ موحد کی پردے دار تک۔ جھگڑے جب ہی تک ہیں جب تک حقیقت سامنے نہیں حجاب کا اٹھنا جھگڑے مٹا دیتا ہے اہل کتاب مشرق و مغرب پر اسی لئے اڑے ہوئے تھے کہ حق ان سے چھپا تھا انہیں یہ خبر نہ تھی کہ توحید کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر جہت میں اس کو دیکھیں۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

جہاں مرآت حسن شاہد ما است — فشاهد وجهه فی کل ذرات

یوں تو عالم کے ہر ذرہ میں رب کی جلوہ گری ہے مگر مومن کا ادھر ادھر جھکنا بند ہو فرمایا کیونکہ مومن خود بھی اس کی تجلی گاہ ہے یوں سمجھو کہ مشرک مخلوق کا مقید ہے اور موحد جہات کی قیدوں سے آزاد بلکہ اس کے حکم کا پابند اسی لئے جب قبلہ معلوم نہ ہو تو جدھر دل جھکے ادھر ہی قبلہ ہے ہر جہت حق میں ہے حق کی ہے حق کے لئے ہے فاینما تولوا فثم وجه الله (تفسیر روح البیان و ابن عربی)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ

اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو گروہ درمیانی تاکہ ہو تم گواہ اور لوگوں کے اور

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں پر افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ

الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

ہوں یہ رسول اوپر تمہارے گواہ

ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پہلے تبدیلی قبلہ کی تمہید فرمائی گئی اب اس کی چند حکمتیں بتائی جا رہی ہیں کہ تم چونکہ بہترین امت ہو اور تمہارے پیغمبر اور کتاب سب نبیوں اور کتابوں میں افضل تو چاہئے کہ تمہارا احکام بھی افضل ہو اور قبلہ بھی۔ کمال تو یہ کہ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھو اور آخری قبلہ کعبہ۔ دوسرا تعلق کفار کے

اعتراض کا پچھلی آیت میں جلالی رنگ میں جواب دیا گیا کہ مشرق و مغرب اللہ کا ہے جدھر چاہے نماز پڑھائے تم اعتراض کرنے والے کون؟ اب برنگ جمال جواب ہے کہ چونکہ تم درمیانی امت ہو تمہارا قبلہ بھی کعبہ چاہئے جو درمیان زمین میں ہے یا جو مدینہ منورہ میں مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت سے مسلمانوں کی اطاعت شعاری اور کفار کی سرتابی معلوم ہوئی تھی کہ مسلمان تو بے حجت ادھر پھر جائیں گے مگر بے وقوف حجت بازی کریں گے۔ اب مسلمانوں کے انعام کا ذکر ہے کہ اے بلا حجت پھر جانے والو ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں پر خاص انعام کا ذکر ہوا کہ ہم تمہیں کعبہ عطا فرماتے ہیں اب دیگر نعمتوں کا ذکر ہے کہ ہم نے تمہیں اور بھی بہت سے فضائل عطا فرمائے ہیں۔

تفسیر : **وکذلک** یہاں کا "ک" تشبیہ کا ہے اور ذالک اسم اشارہ اس میں بہت گفتگو ہے کہ تشبیہ کس سے دی جارہی ہے اور ذالک سے کدھر اشارہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے **یهدی** کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جیسے کہ تمہیں ہدایت دی ایسے ہی تم کو بہتر بنایا بعض نے کہا کہ **ولهم** کی طرف یعنی جیسے تمہیں درمیانی قبلہ کی طرف پھیرا ایسے ہی تمہیں افضل کیا۔ بعض نے کہا کہ **اصطفینا** کی طرف یعنی جیسے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بزرگی دی ایسے ہی تمہیں امت وسط بنایا۔ بعض نے کہا کہ پورے جملے **لله المشرق** الخ۔ کی طرف ہے۔ یعنی جیسے کہ مشرق مغرب سب ہی اللہ کا ہے۔ لیکن بعض جگہ کو عزت دی ہے کہ اسے قبلہ بنایا ایسے ہی بندے سب اللہ کے ہیں لیکن تمہیں یہ عزت دی کہ سب سے افضل کیا اور سب کا گواہ بنایا کہ تمہاری گواہی پر ان کا فیصلہ ہو۔ بعض نے کہا کہ یہ اشارہ غیر مذکور چیز کی طرف ہے جیسے کہ کبھی ضمیر بغیر ذکر مرجع آجاتی ہے (تفسیر کبیر) مگر ان سب میں بہتر ترجمہ اعلیٰ حضرت کا ہے کہ **کذالک** ایک پوشیدہ لفظ کی مبتداء یا خبر ہے اور **ذلک** سے آئندہ کلام کی طرف اشارہ یعنی بات یہ ہی ہے کہ ہم نے تمہیں افضل کیا اس لئے کہ اس میں محذوفات بھی کم ہیں اور کلام بھی نیا۔ گذشتہ صورتوں میں پورا جملہ محذوف ماننا پڑتا ہے **جعلنکم** ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب ساری امت سے ہے کیونکہ آئندہ اوصاف بھی سب ہی کے ہیں اور **جعل** بنانے کے معنی میں ہے کیونکہ اس کے دو مفعول آرہے ہیں یعنی اے مسلمانوں ہم نے تمہیں بنایا نیز **جعلنا** میں دو معنی کا احتمال ہے ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تھا یا بنایا ہے۔ یعنی جیسے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے افضل الرسل ہیں ویسے ہی تم اول ہی سے خیر الامم ہو کہ عرش و کرسی کی پیدائش سے پہلے تم کو ان محبوب کی امت ہونے کے لئے چن لیا۔ تم اول ہی سے ہمارے انتخاب میں آچکے ہو نیز گذشتہ کتابوں و صحیفوں میں تمہارے فضائل و مناقب تفصیل وار مذکور تھے۔ رب فرماتا ہے **ذلك مثلهم فى التورته و مثلهم فى الانجيل** یا اے مسلمانوں ہم نے تمہیں تا قیامت بہترین امت بنایا کہ تمہیں قرآن دیا تم میں اولیاء و علماء رکھے پہلی صورت میں رب کے انتخاب کا ذکر ہے اور اس صورت میں انتخاب کے ظہور کا تذکرہ **امة وسطا** " درمیانی امت۔ وسط سین کی حرکت سے مستقل اسم ہے یعنی درمیانی چیز اور اسی کے سکون سے ظرف جیسے وسط البیت گھر کے بیچ میں۔ یہاں پہلے معنی میں ہے اس میں چند احتمال ہیں ایک عادل و منصف کیونکہ انصاف افراط اور تفریط کے بیچ میں ہے رب فرماتا ہے **قال اوسطهم** اوسط بمعنی عادل دوسرے بہتر کیونکہ رب فرمارہا ہے **کنتم خیر امة** وہ آیت اس کی تفسیر ہے نیز بہتر چیز درمیان میں رہتی ہے۔ مجلس کا صدر بیچ میں اور تسبیح کا امام درمیان ہی میں رہتا ہے۔ تیسرے بیچ کی چیز یعنی افراط و تفریط سے خالی اس لئے کہ کناروں میں کوتاہی اور کمی رہتی ہے اور بیچ

کا حصہ پر نیز کنارے بیچ کی طرف رجوع کرتے ہیں دائرے کا مرکز بھی بیچ ہی میں ہوتا ہے یعنی اے مسلمانوں ہم نے تمہیں انصاف کرنے والا یا بہتر یا بیچ کی امت بنایا کہ تمام لوگ تمہاری طرف رجوع کریں۔ جیسے کہ مرکز کی طرف دائرہ **لتکونوا شهداء علی الناس** تاکہ تم لوگوں کے مقابل گواہ ہو۔ شہداء جمع شہید کی ہے۔ جس کے معنی ہیں حاضر۔ گواہ کو شہید اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر ہوتا ہے اگر یہاں آخرت کی گواہی مراد ہے تو ناس سے گذشتہ امتوں کے کفار مراد ہیں اور اگر دنیا کی گواہی مراد ہے تو ناس سے سارے انسان مراد جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں معلوم ہوگا یعنی تمہیں یہ صفات اس لئے دیئے ہیں کہ ایک بڑا کام یعنی گواہی تمہارے سپرد کی گئی اور اے مسلمانوں تم اپنی عظمت قائم رکھنا کیونکہ تمہاری شان یہ بھی ہے کہ **ویکون الرسول علیکم شهیدا** اور یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نگہبان اور گواہ۔ یہاں الرسول سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور علی یا تو لام کے معنی میں ہے اور یا شہید میں رقیب کے معنی کا لحاظ یعنی تم تو اور امتوں کے خلاف گواہی دو گے اور نبی علیہ السلام تمہاری تائید و تصدیق فرمائیں گے کہ یہ سچے ہیں یا نبی علیہ السلام تمہارے عادل ہونے کی گواہی دیں گے کہ یہ فاسق فاجر نہیں قابل گواہی ہیں کیونکہ وہ دنیا میں تم میں سے ہر ایک کے سارے حالات سے پورے واقف ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں جیسے ہم نے تمہیں بہتر قبلہ بہتر پیغمبر بہتر کتاب عطا فرمائی ایسے ہی تم پر یہ بھی کرم فرمایا کہ تمہیں عقائد و اعمال کے لحاظ سے درمیانی امت بنایا کہ نہ تم یہودیوں کی طرح انبیاء کے دشمن اور نہ عیسائیوں کی طرح ان کو خدا کو نہ دہریوں کی طرح خدا کے منکر اور نہ مشرکین کی طرح چند معبودوں کے قائل نہ جبریوں کی طرح بندے کو بالکل مجبور مانو اور نہ قدریوں کی طرح تقدیر کا انکار کرو غرضیکہ تمہارا عقیدہ درمیانہ ہے یہی اعمال کا حال کہ نہ تو تم عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں کی طرح تارک الدنیا اور نہ دیگر دنیاداروں کی طرح آخرت سے غافل۔ بلکہ تمہارے ایک ہاتھ میں دنیا ہے اور دوسرے ہاتھ میں دین بلکہ تمہاری دنیا بھی دین بنا یہ کہ ہم نے تمہیں ساری امتوں کا صدر اور سردار بنایا کہ جیسے مجلس کے بیچ میں سردار اور بہار کے بیچ میں بڑا موتی یا شہر کے بیچ میں بڑی عمارت یا دائرے کے بیچ میں مرکز یا صف کے بیچ میں امام یا دیوار قبلہ کے بیچ میں محراب ایسے ہی تمام امتوں میں تم صدر نشین ہو کہ سب تمہاری پیروی کریں اور تم سب کے استاد یا ہم نے تمہیں سب سے بہتر امت بنایا کہ تمہیں شریعت بھی دی اور طریقت بھی اور تم میں قیامت تک کے لئے علماء اور اولیاء چھوڑے۔ تمہارا کام تھوڑا اور ثواب زیادہ۔ تم اس بارش کی طرح ہو جس کا اول بھی بہتر اور اخیر بھی تمہارے اول صحابہ تمہارے درمیان اولیاء و علماء تمہارے اخیر میں امام مہدی و عیسیٰ علیہم السلام یا تمہیں عادل امت بنایا کہ تمہاری گواہیوں سے مقدمات میں فیصلے ہوں اور تمہاری گواہی سب پر جاری ہو اور تم پر کسی کی نہ ہو یہ فضائل تمہیں اس لئے دیئے تاکہ تم دنیا میں لوگوں پر گواہ ہو اس طرح کہ تمہاری گواہی کافر پر بھی معتبر ہو اور اس طرح کہ تم جس کو ولی اور جنتی کہہ دو وہ حقیقت میں ولی ہی ہو اور جسے تم برا اور جہنمی کہہ دو وہ ایسا ہی ہو اور اس طرح کہ جس کام کو تم جائز اور مستحب کہہ دو وہ ایسا ہی ہو اور جس چیز کو تم بہتر جانو وہ بہتر گویا تمہاری زبان حق کا قلم ہے اور اس طرح کہ تمہارا اجماع شرعی دلیل ہے یعنی جس چیز کے حلال و حرام ہونے پر تم متفق ہو جاؤ وہ یقیناً ویسی ہی ہو یا تاکہ تم پچھلے کفار کے خلاف گواہ ہو۔ جب کہ قیامت میں گذشتہ پیغمبروں کی نافرمان امتیں انبیاء کی تبلیغ کا انکار کریں گی اور انہیں رب کے سامنے اتہام لگائیں گی کہ مولیٰ ہم تک تیرے احکام انہوں نے پہنچائے ہی نہیں۔ انبیاء عرض کریں گے کہ یہ جھوٹے ہیں ہم نے

تبلیغ کی انہوں نے نہ مانی- پیغمبروں کو حکم الٰہی ہوگا کہ آپ تبلیغ کے مدعی ہو اور یہ لوگ انکاری اپنے گواہ پیش کرو وہ اس امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کریں گے- مسلمان انبیاء کی گواہی دیں گے جس پر کفار جرح کریں گے کہ تم پیچھے آئے بغیر دیکھے گواہی کیونکر دے رہے ہو ' مسلمان عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم نے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا- تب حضور علیہ السلام کی طلبی ہوگی اور آپ مسلمانوں کے متعلق دو گواہیاں دیں گے- ایک یہ کہ یہ سچے ہیں ہم نے واقعی ان سے فرمایا تھا کہ اگلے پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان کی قوم نے سرکشی کی- دوسرے یہ کہ خدایا یہ مسلمان گواہ فاسق فاجر نہیں بلکہ پرہیزگار اور قابل گواہی ہیں- تب انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ہوگی اور اے مسلمانوں ہمارا یہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بھی تمہارا گواہ ہے کہ اس نے فرمادیا کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا (مشکوٰۃ) اور اس نے فرمایا کہ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو جسے تم جنتی کہو وہ جنتی اور جسے دوزخی کہو وہ دوزخی (مشکوٰۃ باب المشی الجنازۃ) اور انہوں نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور انہوں نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی وغیرہ نیز آخرت میں بھی وہ تمہارے عیب چھپائیں گے اور تمہاری خوبیوں کی گواہی دیں گے- خیال رہے کہ قیامت میں چار گواہیاں ہوں گی ایک کاتبین اعمال فرشتوں کی قرآن کریم فرماتا ہے- **وجاءت کل نفس معها سائق و شهيد** دوسرے انبیاء کرام کی رب فرماتا ہے- **فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد** تیسرے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کا یہاں ذکر ہوا- چوتھے مجرم کے ہاتھ پاؤں کی **وتكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم** نوٹ- یہ تمام تفسیر' تفسیر کبیر و عزیزی و خزائن العرفان و روح البیان و احادیث صحیحہ سے لی گئی-

امت مصطفیٰ علیہ السلام کی خصوصیات : مسلمانوں میں رب کے فضل سے بہت سی خصوصیتیں ہیں جن میں سے کچھ یہاں بیان کی جاتی ہیں- ایک یہ کہ یہ امت سب سے پچھلی ہے تاکہ اگلی امتوں کی طرح اس کی بدنامی نہ ہو اور اس کے عیب نہ کھلیں- گزشتہ امتوں کے عیوب قرآن کریم نے بیان کئے جس سے وہ قیامت تک بدنام ہو گئیں- ہمارے بعد نہ کوئی آسمانی کتاب آئے گی اور نہ ہمارے عیب کھلیں گے- دوسرے یہ کہ یہ امت سب سے پچھلی ہے تاکہ سب کی گواہی دے سکے کیونکہ گواہی واقعہ کے بعد ہوتی ہے نہ کہ پہلے- تیسرے یہ کہ خدا کے فضل سے یہ امت یہود کی تفریط اور عیسائیوں کی افراط سے پاک ہے اس کے عقائد و اعمال درمیانی- چوتھے یہ کہ انشاء اللہ اس میں ہمیشہ علماء اور اولیاء رہیں گے- پچھلی امتوں کی طرح سب گمراہ نہ ہو جائیں گے- پانچویں یہ کہ ان کے جسم شریعت سے اور ان کے قلب طریقت اور معرفت سے منور رہیں گے- چھٹے یہ کہ ان کی زبان حق کا قلم ہے جس چیز کو یہ اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو برا کہیں وہ بری- ساتویں یہ کہ یہ امت سارے نبیوں کی گواہ اور ظاہر ہے کہ گواہ مدعی کو بڑا پیارا ہوتا ہے کہ وہ گواہی سے مقدمہ جیتے گا لہٰذا یہ سب پیغمبروں کے محبوب- آٹھویں یہ کہ سب لوگ مسلمانوں کے حاجتمند ہیں مسلمان کسی قوم کے محتاج نہیں- اسی لئے دنیوی حکومتیں اسلام سے قوانین لیتی ہیں اور کفار قرآن سے فائدے اٹھاتے ہیں مگر افسوس کہ مسلمان اس سے بے پرواہ ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے- نویں یہ کہ اسی امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح دین کے مددگار ہیں- انہیں میں مفسرین' محدثین' فقہاء ہوئے اور تا قیامت ہوتے رہیں گے- دسویں یہ کہ اسی امت میں تا قیامت اولیاء غوث و قطب و ابدال ہوتے رہیں گے- گیارہویں یہ کہ

اسی امت کے نبی کی سوانح عمریاں بے شمار لکھی گئیں۔ قرآن کریم کی بے اندازہ تفسیریں ہر زبان میں ہوئیں۔ حضور کی زندگی کا ایک ایک حال حدیثی شکل میں دنیا کے سامنے آگیا کسی نبی کی امت کو یہ خوبیاں میسر نہ ہوئیں۔ یہ فضائل تو دنیا کے تھے آخرت میں بھی یہ امت تمام امتوں سے افضل و بہتر ہوگی کہ تمام جنتیوں کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی باقی چالیس صفیں تمام دیگر امتوں کی۔ اس امت کے گناہوں کا حساب خفیہ ہو گا نیکیوں کا علانیہ اس امت کے لئے حوض کوثر کی نہر میدان محشر میں بھی آوے گی۔ پہلے یہ امت جنت میں جاوے گی پیچھے دوسری امتیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ گواہی لینا اور واقعہ کی تحقیقات کرنا علم غیب کے خلاف نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ علام الغیوب ہے مگر گواہی اور تحقیقات کے بعد فیصلہ فرمائے گا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے جو عائشہ صدیقہ کی تہمت یا دیگر واقعات کی تحقیقات فرمائیں اس سے آپ کی بے علمی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ دشمن کا منہ بند کرنے کے لئے ہے کہ کوئی طرفداری کا الزام نہ لگائے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے واقعات کی خبر ہے اور آپ سب پر مطلع اور حاضر و ناظر ہیں اس لئے کہ قیامت میں سنی گواہی تو مسلمان بھی دے چکے تھے۔ اگر حضور کی گواہی سنی ہوئی ہوتی تو کفار اس پر بھی جرح کر دیتے نیز **علیکم شهیدا** سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ شہید بمعنی مطلع بھی آتا ہے **واللہ علی کل شیء شهید** نیز تفسیر ابن عربی و عزیزی و روح البیان وغیرہ نے اسی آیت میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت سے ہر شخص کی ایمانی حالت اس کا دینی درجہ اور اس کی محجوبی اور غیر محجوبی اور نیک و بد اعمال اور اخلاص و نفاق اور تمام صفات جانتے ہیں اسی لئے آپ کی گواہی دنیا اور آخرت میں معتبر بلکہ حضور علیہ السلام کے بعض امتی بھی حضور ہی کے نور سے یہ ساری باتیں جانتے ہیں اور کیوں نہ ہو حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا کخردلۃ علی حکم اتصالی

اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔ اس آیت سے حضور کا یہ بھی کہ علم غیب کلی ثابت ہوا۔ ویسے ہی آپ کا حاضر و ناظر ہونا بھی اس کی زیادہ تحقیق **انا ارسلنک شاهدا** کی تفسیر میں ہوگی اور "جاء الحق" میں بھی دیکھو۔ تیسرا فائدہ میلاد شریف، گیارہویں، عرس وغیرہ سارے امور خیر مستحب ہیں کیونکہ عرب و عجم کے مسلمان علماء و مشائخ اسے مستحب جانتے ہیں اور چونکہ یہ خدا کے گواہ ہیں اس لئے یہ چیزیں اللہ کے نزدیک بھی مستحب جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو چکا۔ چوتھا فائدہ مسلمانوں کا اجماع شرعی دلیل ہے۔ پانچواں فائدہ حضور علیہ السلام دنیا اور آخرت میں مسلمانوں کے گواہ ہیں لہذا صحابہ کرام اہل بیت عظام یا اویس قرنی اور امام مہدی وغیرہم یقیناً "جنتی ہیں کیونکہ ان کے جنتی ہونے کی حضور نے گواہی دی ہے جو اس میں شک کرے وہ خود اس آیت کا منکر اور بے دین جہنمی ہے۔ چھٹا فائدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار اور تمام نبیوں سے افضل و اشرف ہیں کہ جب ان کی نسبت سے ان کی امت تمام امتوں سے افضل ان کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے افضل ان کے اہل بیت تمام نبیوں کے اہل بیت سے افضل ان کے شہر مکہ و مدینہ تمام نبیوں کے شہروں سے افضل تو جن کے دم کی یہ ساری بہاریں ہیں خود ان کی افضلیت کا کیا پوچھنا ساتواں فائدہ گواہی عملی بھی ہوتی ہے اور قولی بھی رب تعالیٰ کا نبیوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمانا رب کی عملی گواہی ہے اور ان کی نبوت کا کتاب میں ذکر فرمانا قولی گواہی۔ قیامت

کے دن یہ امت انبیاء کرام کی قولی گواہ ہوگی۔ مگر دنیا میں یہ امت عملی گواہ بھی ہے اور قولی گواہ بھی مسلمانوں کا کسی کو ولی اللہ سمجھنا یا کسی کار خیر کو اچھا سمجھنا اس کی ولایت کی عملی گواہی ہے اور قدرتی طور پر ان کا کسی کو ولی اللہ کہنا' کسی کار خیر کو اچھا کہنا قولی گواہی ہے۔

پہلا اعتراض : کیا یہ امت پچھلے پیغمبروں سے افضل ہے کہ رب نے قیامت میں ان کی تو نہ مانی اور اس امت کی مان لی (آریہ) جواب افضل تو وہ ہی ہیں مگر چونکہ وہ اس مقدمہ میں ایک فریق ہیں اس لئے گواہی دوسرے کی چاہئے۔ اگرچہ وہ ان سے اونچے ہوں جیسے کہ تحصیلدار پر چمار دعویٰ کردے تو اگرچہ تحصیلدار حاکم ہے مگر اس مقدمہ میں اپنا گواہ کسی اور ہی کو بنائے گا اگرچہ وہ گواہ کوئی معمولی آدمی ہی ہوں۔ دوسرا اعتراض جب حضور علیہ السلام کی گواہی ہی پر فیصلہ ہونا تھا تو مسلمانوں کو درمیان میں کیوں رکھا گیا۔ جواب فیصلہ تو مسلمانوں کی گواہی پر ہوا۔ حضور علیہ السلام کی گواہی تو مسلمانوں کی توثیق کے لئے ہے اور اس میں مسلمانوں کی خاص عزت افزائی۔ تیسرا اعتراض مسلمانوں میں تو فاسق فاجر اور بدکار بھی ہیں کیا حضور علیہ السلام ان سب کی وہاں تعریف کردیں گے اگر تعریف کردیں تو غلط بیانی ہے اور اگر ان کے عیب کھول دیں تو ان کی بدنامی بھی ہے اور گواہی بھی رد ہوتی ہے۔ جواب آخرت میں شہادت کے لئے متقی اور پرہیزگار مسلمان ہی پیش ہوں گے۔ جھوٹے اور وعدہ خلاف لوگ لعن طعن کرنے والے نہ کسی کی شفاعت کریں اور نہ گواہی دیں (خزائن العرفان) نیز صحاح کی روایت بھی اس پر شاہد ہے اسی لئے قرآن کریم نے یہاں فرمایا کہ تم کو امت وسط بنایا تاکہ تم گواہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کی گواہی ہے نہ کہ ہر ایک کی۔ دوسرا جواب فاسق فاجر گواہ تو بن سکتا ہے مگر گواہی دے نہیں سکتا۔ اسی لئے فاسقوں کی موجودگی میں نکاح جائز ہے اگرچہ بعض مسلمان دنیا میں فاسق فاجر ہیں مگر یہ گواہ بننے کا وقت ہے لیکن آخرت میں بخشش یا عذاب پاکر سب بے گناہ ہوں گے۔ تو ممکن ہے کہ بعض گنہگار بھی معافی پاکر گواہوں میں شامل ہو جائیں۔ چوتھا اعتراض اگر مسلمانوں کی گواہی سے کاموں کی خوبی ثابت ہو تو ڈاڑھی منڈانا شراب پینا چوری کرنا سب ہی جائز ہونا چاہئے کیونکہ بعض مسلمان اسے اچھا سمجھتے ہیں۔ جوب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی گواہی اللہ و رسول کے خلاف معتبر نہیں چونکہ ان چیزوں کو شریعت نے صراحۃ" حرام کردیا لہٰذا تمام جہان کی گواہی سے بھی اچھی نہیں ہو سکتیں۔ گواہی تو سکوتی احکام میں ہے۔ جیسے محفل میلاد شریف۔ دوسرا جواب۔ کوئی مسلمان بھی انہیں اچھا سمجھ کر نہیں کرتا اپنے کو گنہگار ہی جانتا ہے اور جو اچھا سمجھنے لگے وہ کافر ہو گیا۔ مسلمان ہی کہاں رہا تاکہ اس کی گواہی معتبر ہو۔ پانچواں اعتراض قادیانی مرزا غلام احمد کے اور دیوبندی مولوی اشرف علی کے جنتی ہونے کے گواہ ہیں تو کیا یہ لوگ جنتی ہوگئے۔ جواب اس کا جواب چوتھے اعتراض و جواب میں سمجھ لو۔ چھٹا اعتراض مسلمان سب سے اخیر میں آئے پھر انہیں بیچ کی امت کیوں کہا گیا۔ جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں بیچ سے درمیانی عقائد و اعمال والے یا عادل یا بہتر مراد ہیں نہ کہ زمانے کے لحاظ سے بیچ۔ ساتواں اعتراض رب کو تو علم تھا کہ اس امت میں بڑے بڑے گنہگار و بدکار بھی ہوں گے۔ دیکھو آج مسلمان ایسے جرم کر رہے ہیں۔ جو پچھلی امتیں نہ کرسکیں پھر اس امت کو بہترین امت کیوں فرمایا۔ جواب اس لئے کہ اس امت میں تاقیامت اولیاء و حقانی علماء ہوتے رہیں گے نیز اس امت جیسے اولیاء کسی امت میں نہ ہوئے گذشتہ امتوں میں غوث پاک و خواجہ اجمیری وغیرہم جیسے اولیا کہاں ہوئے اشرف افراد کی وجہ سے قوم اشرف ہو جاتی ہے۔ اگرچہ قوم میں بدلوگ بھی ہوں۔ انسان کو اشرف المخلوق قرار دیا ولقد کرمنا بنی ادم حالانکہ بعض انسان وہ

جرم کر لیتے ہیں جو انہیں سے نہ ہو سکیں۔ سارا مکہ معظمہ ایک بیت اللہ کی وجہ سے اشرف ہو گیا اگرچہ وہاں پاخانہ اور ردّیاں بھی ہیں۔ خیال رہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل میں حضرت مریم اصحاب کہف آصف بن برخیا جریج جیسے اولیاء اللہ پیدا ہوئے مگر ان سے وہ فیضان جاری نہ ہوئے جو خواجہ اجمیری یا حضور غوث پاک سے جاری ہوئے ان کی ولایتیں وقتی تھیں کیونکہ ولایت دیوار نبوت کا سایہ ہوتی ہیں۔ دیوار گئی سایہ بھی گیا اولیاء آفتاب نبوت کے ذرے ہوتے ہیں جب سورج غروب ہو گیا تو ذروں کی چمک بھی جاتی رہی۔ چونکہ ہمارا مدینہ والا سورج کبھی غروب ہونے والا نہیں لہٰذا امت محمدی کے اولیاء کی چمک بھی ختم ہونے والی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ دوربین کے ذریعے آنکھ دور تک کی چیز محسوس کر لیتی ہے ایسے ہی نبوت اور ولایت بلکہ ایمانی دوربین سے ظاہر و باطن دور و نزدیک ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ مسلمان کی دانائی سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ کامل مومن کی آنکھ اور کان ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے قیامت میں اسی دوربین سے حضور علیہ السلام تمام کی حالت کی گواہی دیں گے بلکہ دنیا میں بھی تجربہ ہے کہ نیک کار کے لئے قدرتی طور پر مسلمانوں کے منہ سے تعریف نکلتی ہے اور بدکار کی برائی یہ نور ایمانی ہی کی برکت ہے۔

حکایت : جب ہم پہلے حج کو گئے تو مکہ معظمہ میں عجیب واقعہ درپیش آیا کہ حرم شریف کا نجدی امام جو جامع ازہر مصر کا تعلیم یافتہ تھا وعظ کہہ رہا تھا اس نے اولیاء اللہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ جنہیں لوگ ولی کہتے ہیں ان کے ایمان کا بھی یقین نہیں کیا خبر کہ وہ کافر مرے ہوں۔ ہم نے کہا کہ مسلمانوں کا انہیں ولی جاننا ان کی ولایت کا ثبوت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے انتم شهداء الله فی الارض وہ تھیر کر بولا کہ یہ صحابہ کرام کے لئے تھا کہ جسے وہ جنتی کہیں وہ جنتی ہو کیونکہ اس میں انتم ہے ہم نے کہا غلط ہے۔ قرآن کریم کے سارے مخاطب بھی کے ہیں۔ اقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة مگر قیامت تک کے مومنوں پر سارے احکام جاری ہیں۔ پھر بولا کہ اگر سب مسلمان جنتی کہیں تو جنتی ہے ہم نے کہا یہ بھی غلط۔ یہاں انتم ہے نہ کہ کلکم مسلمانوں کا عام طور پر کسی کو جنتی کہنا کافی ہے اور جس موقعہ پر یہ حدیث آئی ہے وہاں میت کو سب نے جنتی نہ کہا تھا بلکہ عام نے اس پر وہ خاموش ہو گیا اس آیت سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ

اور نہیں بنایا ہم نے قبلہ کو وہ جو کہ تھے آپ اوپر اس کے مگر تاکہ جانیں ہم کہ کون پیروی کرتا ہے رسول

اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی

مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى

کی ان میں سے جو پھر جاتا ہے اوپر ایڑی اپنی کے۔ اگرچہ تھا وہ بھاری مگر اوپر ان لوگوں کے کہ

کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بے شک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنہیں اللہ نے

اللّٰهُ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

ہدایت دی اللہ نے اور نہیں ہے اللہ کہ ضائع کرے ایمان تمہارے تحقیق اللہ ساتھ لوگوں کے البتہ رؤف و مہربان ہے۔
ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان مہر والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** گذشتہ آیتوں میں تبدیلی قبلہ کی نہایت باریک حکمتیں بیان کی گئیں۔ اب اس کی ظاہر حکمتیں بیان ہو رہی ہیں۔ **دوسرا تعلق** پہلے تبدیلی قبلہ پر کفار کے اعتراضات کا جواب دیا گیا اب اسی کے متعلق مسلمانوں کے خطرات دور کر کے ان کی تسکین فرمائی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پہلے تبدیلی قبلہ کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ درحقیقت قبلہ کی تبدیلی نہیں بلکہ مسلمانوں کو عارضی قبلہ سے اصلی قبلہ پر لایا گیا ہے۔

شان نزول : بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانہ میں جن صحابہ نے وفات پائی ان کے رشتہ داروں نے تبدیلی قبلہ کے بعد دریافت کیا کہ ان نمازوں کا کیا حکم ہے اس پر **وما کان اللہ** کا جملہ نازل ہوا جس میں اطمینان دلایا گیا کہ ان کی نمازیں برباد نہیں ان پر ثواب ملے گا (تفسیر خزائن العرفان) نوٹ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت تبدیلی قبلہ کے بعد کی ہے۔

تفسیر : **وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا** اس جملہ کے چند معنی ہیں ایک یہ کہ جعل کے معنی بنانا ہے اور التی اس کا دوسرا مفعول اور کنت میں گذشتہ واقعہ کی حکایت اور التی سے بیت المقدس مراد ہو یعنی نہیں بنایا تھا ہم نے قبلہ اس بیت المقدس کو جس پر آپ اس سے پہلے تھے اور جدھر نمازیں پڑھتے تھے یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر تفسیر عزیزی و کبیر وغیرہ کا اتفاق اور اسی پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ۔ دوسرے یہ کہ **جعل** کے معنی بنانا ہوں مگر یہ موجودہ وقت کا ذکر ہو اور التی سے کعبہ معظمہ مراد ہو اور **کنت علیھا** سے گزشتہ واقعہ کی حکایت یعنی اے نبی اب ہم نے اس کعبہ کو جس پر آپ ہجرت سے پہلے تھے کہ اس کو سامنے لے کر نماز پڑھتے تھے قبلہ نہیں بنایا مگر اسی لئے کہ الخ۔ خلاصہ یہ کہ مکہ مکرمہ میں جو آپ کے کشف وغیرہ سے قبلہ تھا یعنی کعبہ معظمہ اب اسی کو بذریعہ وحی قبلہ اس لئے بنایا خیال رہے اس توجیہ کی وجہ سے تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ تبدیلی قبلہ دوبار ہوئی۔ اس کی تحقیق ہم پہلی آیت میں کر چکے۔ تیسرے یہ کہ جعل کے معنی مقرر کرنا ہوں جیسے کہ **ما جعل اللہ من بحیرۃ** الخ۔ اور قبلہ سے مراد کعبہ معظمہ ہو اور التی قبلہ کی صفت اور کنت صرت کے معنی میں جیسے **کنتم خیر امۃ** (تفسیر کبیر) یعنی نہیں مقرر اور مشروع کیا ہم نے اس کعبہ کو جس پر اب آپ نے رجوع کیا **الا لنعلم** مگر تا کہ ہم جان لیں علم کے معنی جاننا بھی ہیں پہچاننا بھی اور کبھی دیکھنا اور الگ الگ کرنا تمیز دینا کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض لغات میں ہے کہ جہاں علم کے بعد من آئے وہاں اس کے معنی چھانٹنا اور الگ الگ کرنا ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ من ہے اس لئے یہ معنی بخوبی بن سکتے ہیں یعنی تا کہ ہم دیکھ لیں یا ظاہر کر کے جان لیں یا الگ کر دیں۔ چونکہ مدینہ منورہ میں چار قسم کے لوگ تھے کھلے کافر (مجاہرین) خالص مومن (**مخلصین**) چھپے کافر کھلے مومن (منافقین) اور **ضعفاء** جن کے دل میں نور ایمانی پورا پورا رچا نہ تھا۔ منافقین و مخلصین کی چھانٹ کے لئے رب کی طرف سے کبھی کچھ مصیبتیں آتی تھیں۔ کبھی خلاف عقل کھلے احکام کہ ان موقعوں پر مخلص تو بے تامل ہر بات بخوشی قبول کر لیتے تھے اور منافق فوراً بکواس بکنے لگتے تھے جس سے ان کے دل کا چھپا نفاق ظاہر ہو جاتا تھا **ضعفاء**

کفار کے اعتراض سن کر گھبرا کر مسلمانوں سے جواب پوچھ کر تسلی کر لیتے تھے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تبدیلی قبلہ بھی کھرے کھوٹے
مخلص منافق میں چھانٹ کے لئے ہے حضور کو محض دلائل سے نہ مانو عشق سے مانو دلائل والا ایمان ٹوٹ جاتا ہے۔ عشق والا
ایمان کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ممن یتبع الرسول کہ کون تو رسول کی پیروی کرکے ان کی ہدایات پر سر جھکا دیتا ہے ممن ینقلب علی
عقبیہ ینقلب قلب سے بنا جس کے معنی ہیں لوٹنا اور پھرنا کھوٹے روپے کو اسی لئے قلب کہتے ہیں کہ وہ ہر جگہ سے واپس ہوتا
ہے۔ عقب کے لفظی معنی ہیں پیچھے والی چیز مگر اصطلاح میں ایڑی کو کہتے ہیں کہ یہ بھی قدم کے پیچھے ہوتی ہے ایڑی کے بل
پھرنے سے مراد اسلام سے پھر جانا ہے اور دین حق سے باطل کی طرف لوٹ جانا مراد ہے یعنی یہ معاملہ اس لئے ہوا کہ منافقین
اور مخلصین ملے جلے تھے اس سے چھٹ جائیں گے کہ منافقین تو اعتراض کریں گے اور مومنین اطاعت وان کانت
لکبیرۃ یہ واؤ حالیہ ہے جس کے معنی ہیں اگرچہ اور کانت کی ضمیر یا تو قبلہ کی طرف لوٹ رہی ہے یا ماولٰی کے مصدر تولیۃ کی
طرف یا اس پورے معاملہ کی طرف۔ کبیرۃ۔ بھاری" کے معنی میں ہے جیسے کبرت کلمۃ تخرج (کبیر) یعنی وہ بیت
المقدس کا قبلہ ہونا قریش پر بھاری تھا قبلہ کی تبدیلی اہل کتاب وغیرہ پر بھاری اور ناگوار ہے کہ مانوس چیز کو چھوڑنا گراں گزرتا
ہے الا علی الذین ھدی اللہ مگر ان پر بھاری نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور وہ قبلہ اور تبدیلی قبلہ کے راز کو سمجھ
گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ ہمارا کام تو اللہ و رسول کا فرمان ہے جس میں وہ راضی وہی ہمارا قبلہ بلکہ بعض تو اس پر خوش
ہو گئے ہوں گے کہ یہ بھی آخر زمان نبی کی ایک علامت کا ظہور ہے اور گزشتہ پیغمبروں کی تصدیق اور جب تبدیلی قبلہ میں یہ راز ہے
وما کان اللہ لیضیع ایمانکم اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان برباد کر دے۔ لیضیع ضیع سے بنا جس کے معنی ہیں
بربادی۔ منقول سامان کو بھی ضیاع اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ جلد ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ ایمان سے وہ نمازیں
مراد ہیں جو بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں کیونکہ نماز ایمان کا نشان ہے نیز اس کا نزول بھی نماز کے سوال پر ہوا اگرچہ
مردوں کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تھا مگر سب کی نمازوں کا ذکر فرمایا گیا کہ ان کی اور تمہاری نمازیں برباد نہ گئیں بلکہ زیادہ
قابل قبول ہیں کہ تمہیں کعبہ پیارا تھا مگر ہمارے فرمان سے اپنے پر جبر کرکے تم نمازیں پڑھتے رہے (روح) اور ممکن ہے کہ
ایمان سے عقیدہ ہی مراد ہو کہ تمہارا اب تک بیت المقدس کو قبلہ ماننا رائیگاں نہ جائے گا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے ان اللہ
بالناس لرءوف رحیم اللہ تو لوگوں پر بہت مہر والا اور مہربان ہے۔ رءوف رافت سے بنا اور رحیم رحمت سے۔ رافت خاص
اور اعلیٰ درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں۔ یعنی مصیبت دور کرنا جیسے لا تاخذکم بھما رافۃ اور رحمت عام فضل و کرم کو (کبیر)
یعنی رب تعالیٰ مسلمانوں سے مصیبتوں کو دفع فرمانے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اسی لئے ان کو اچھے احکام سے بہت اچھے
احکام کی طرف منتقل کرتا ہے بیت المقدس اچھا تھا اور کعبہ معظمہ بہت اچھا۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کی چند تفسیریں ہیں جیسا کہ ہم تفسیر میں بتا چکے زیادہ مشہور یہ ہے کہ عرب میں عام طور سے بنی
اسرائیل اور بنی اسمٰعیل تھے بنی اسرائیل تو بیت المقدس سے قدرتی طور پر محبت کرتے تھے مگر بنی اسمٰعیل کعبۃ اللہ کی تعظیم
کے عادی تھے اور اس کی خدمت گزاری پر فخر کرتے تھے انہیں یہ کبھی گوارا نہ تھا کہ بیت المقدس کو قبلہ مانیں۔ منظور الٰہی یہ تھا
کہ بیت المقدس کی بھی عظمت ان کے دل میں قائم کی جائے کہ وہ بھی قبلہ انبیاء رہا ہے نیز اس کے قبلہ بننے سے کھرے

کھوٹے مسلمانوں کا امتحان بھی ہو جائے گا کہ کون تو اخلاص سے مسلمان ہوا ہے اور کون قومی حمیت سے لہٰذا کچھ روز کے لئے بیت المقدس ہی قبلہ بنا اس کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو تمہارا اصلی قبلہ تو کعبہ ہی ہے جس پر تمہیں قیامت تک رہنا ہے بیت المقدس تو عارضی طور پر اس لئے قبلہ بنایا گیا تھا کہ ہمارے ملائکہ اور رسول علیہ السلام اور مسلمانوں کو کھوٹے کھرے نظر آجائیں گویا یہ ذریعہ امتیاز تھا ہم یہ جانتے ہیں کہ بیت المقدس کا کعبہ ہونا لوگوں پر بھاری اور ناگوار تھا کیونکہ ان کے دل میں کعبہ کی محبت تھی ہاں وہ لوگ جو اس راز سے واقف تھے وہ بالکل خوش تھے اور اے مسلمانو یہ بھی نہ ہو گا کہ تمہاری اور تمہارے اگلوں کی وہ نمازیں ضائع ہو جائیں جو ادھر پڑھی گئیں وہ تو تمہارے لئے زیادہ باعث ثواب ہیں کہ تم نے خلاف طبیعت اس پر عمل کیا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے نسخ کا یہ مقصد ہی نہیں ہوتا اس میں پچھلے اعمال برقرار رہتے ہیں اللہ تو رءوف رحیم ہے پڑھی ہوئی نمازیں برباد کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ رب کے کام حکمت سے خالی نہیں۔ ہاں غرض سے پاک۔ غرض تو اپنے فائدے کو کہتے ہیں اور حکمت اوروں کی مصلحت پر بولا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ اپنے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ مخلوق کے فائدے کے لئے احکام بھیجتا ہے۔ دوسرا فائدہ نسخ اور تبدیلی میں مخلص اور منافق کا امتحان ہے کہ نسخ پر اعتراض کرنے والا منافق اور بے چون و چرا مان لینے والا مخلص ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ نسخ سے گذشتہ اعمال ضائع نہیں ہوتے بلکہ اس وقت وہ صحیح تھے اور اب دوسرے۔ چوتھا فائدہ نفس کے خلاف کام کرنا ثواب ہے اسی لئے جاڑوں کا وضو اور عشاء اور فجر کی نمازیں زیادہ باعث ثواب کہ ان میں نفس پر جبر زیادہ ہے۔ دیکھو بیت المقدس کی طرف نمازوں کا ثواب اس لئے بڑھ گیا کہ اس میں مسلمانوں کے نفس پر جبر تھا۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ کی صرف اطاعت واجب ہے اس کی اتباع نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی ہے اتباع بھی رب فرماتا ہے **واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** اور فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** اطاعت فرمان ماننے کو کہتے ہیں اتباع کسی کے نقش قدم پر چلنے کا نام ہے یعنی اس کی دیکھا دیکھی اس کا سا کام کرنا۔ قرآن کریم کی نہ اطاعت ہے نہ اتباع اس پر عمل ہے وہ بھی حضور کے فرمان کے ماتحت۔ جس آیت پر عمل کرنے سے حضور منع کر دیں اس پر عمل نہ کرو جس پر عمل کا حکم دیں جس طرح حکم دیں اس پر عمل کرو کعبہ معظمہ کی ان تین چیزوں میں سے کچھ نہیں اس کا صرف احترام و تعظیم لازم ہے لہٰذا ایمان میں ہی اہم چیز حضور کی ذات گرامی ہے اسی لئے یہاں **من یتبع الرسول** ارشاد ہوا نہ رب کا ذکر ہے نہ قرآن کا نہ کعبہ کا یعنی تبدیلی قبلہ آپ کی سچی اور بناوٹی اتباع دکھانے کے لئے ہے کہ کون آپ کا سچا متبع ہے کون بناوٹی۔ چھٹا فائدہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ایمان و اتباع کا امتحان تین طرح لیتا ہے۔ مصیبتیں بھیج کر کہ لالچ سے اتباع کرنے والے چھٹ جاویں ' راحتیں دے کر کہ ڈر سے اتباع کرنے والے الگ ہو جاویں ' جب بے خوفی و آرام دیکھیں کہہ دیں کہ ہمارا منشا پورا ہو گیا۔ خلاف عقل و خلاف طبع احکام بھیج کر کہ صرف دلائل سے ماننے والے حیران ہو کر پھر جاویں صرف وہ متبعین رہ جائیں جن کے اتباع کی بنیاد عشق پر ہے۔ عاشق کسی حال میں محبوب کو نہیں چھوڑتا ماں کسی حال میں بچہ کو نہیں چھوڑتی۔ موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو جناب خضر نے آپ کا تیسری قسم کا امتحان لیا کہ وہ کام کر کے دکھائے جو عقل کے بھی خلاف تھے اور دلائل کے بھی ۔

کا مشاہدہ کرتی تھیں۔ منظور الٰہی یہ تھا کہ بصارت اور بصیرت والوں میں فرق پیدا کیا جائے۔ بلکہ یوں کہو کہ بصارت والوں کو بھی بصیرت حاصل کرنے کی رغبت دی جائے لہٰذا قبلہ قالب میں انقلاب کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کو بخوشی قبول کرنے والے قبلہ قلب تک پہنچے ہوئے ہیں اور شک، تردد کرنے والے قبلہ قالب میں پھنسے ہوئے رب تعالیٰ ہم کو کعبہ ذات کی طرف توجہ کی توفیق عطا فرمائے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪

تحقیق دیکھتے ہیں ہم پھرنا چہرہ آپ کا بیچ آسمان کے۔ پس البتہ پھیرتے ہیں ہم آپ کو اس قبلہ پر کہ راضی ہوتے

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْ

ہیں آپ اس سے۔ پس پھیرو چہرہ اپنا طرف مسجد حرام کے۔ اور جہاں کہیں ہو تم پس پھیرو منہ اپنے طرف

تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی

هَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اس کی اور تحقیق وہ لوگ جو دیئے گئے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ تحقیق وہ حق ہے طرف سے

کی طرف کرو اور جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ اُن کے رب

رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

رب اُنکے کی اور نہیں اللہ بے خبر اُس سے جو وہ کرتے ہیں۔

کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ اُن کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی چند آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق اب تک تبدیلی قبلہ کی تمہید تھی اور آئندہ ہونے والے اعتراضوں کے جوابات کا بیان۔ اب اس کے اصل حکم کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق اب تک تبدیلی قبلہ کے اسباب بعیدہ اور باریک حکمتوں کا ذکر تھا اب اس کے سبب قریب اور سب سے بڑی وجہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو اس میں صدہا حکمتیں ہیں مگر اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تمہاری خوشی ہے اور چونکہ تم اس خواہش میں بار بار چہرہ انور آسمان کی طرف اٹھاتے ہو ہم تمہارے اشارے جانتے اور تمہاری مرضی چاہتے ہیں اس لئے تمہارے چہرہ کو ادھر ہی پھیرتے ہیں جدھر تمہارے دل کی خوشی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیتوں میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا ایک وہ جنہوں نے تبدیلی قبلہ بخوشی قبول کر

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

تبدیلی قبلہ میں یہ تیسرا امتحان تھا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی قبلہ کے بعد کی آیت ہے اور قدنری تقلب وجہک اس سے پہلے آچکی تھی کیونکہ یہاں جعلنا اور کنت ماضی ہیں۔ جواب بعض علماء تو یہ ہی کہتے ہیں مگر بعض نے فرمایا کہ یہ آیت تبدیلی قبلہ سے پہلے آئی اور یہاں آئندہ باتوں کو ماضی سے تعبیر کیا گیا کیونکہ وہ یقینی ہیں جیسے کہ قرآن کریم نے قیامت کے واقعات کو ماضی سے تعبیر کیا۔ دوسرا اعتراض الا لنعلم سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیشہ سے عالم نہیں بلکہ واقعہ ہو چکنے کے بعد اسے جانتا ہے (آریہ) جواب اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک یہ کہ علم الٰہی دو قسم کا ہے ایک معلوم کے موجود ہونے سے پہلے وہ قدیم اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں دوسرا چیزوں کے موجود ہونے کے بعد جس کا نام ہے علم ظہور اس میں چیزوں کے ہونے اور مٹنے سے علم میں فرق ہوتا رہتا ہے یہاں دوسرا علم مراد ہے یعنی تاکہ ہم ظاہر کر کے دیکھیں اور مشاہدہ سے معلوم کریں بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ جو عمارت بنانا چاہتا ہے وہ پہلے اس کا نقشہ اپنے ذہن میں لیتا ہے پھر کاغذ پر کھینچتا ہے پھر اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے دیکھ کر علم تو بننے کے بعد ہی ہوا مگر اس سے پہلے بھی بغیر دیکھے جانتا تھا ایسے ہی رب ہمیشہ سے ہر چیز کو جانتا ہے پھر لوح محفوظ پر اس کا نقشہ قائم کیا پھر اس کے مطابق عالم بنایا مشاہدہ کا علم ظہور کے بعد ہی ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تاکہ رسول اور مومنین جان لیں جیسے بادشاہ کہتا ہے کہ ہم نے فلاں شہر فتح کیا حالانکہ لشکر نے فتح کیا تیسرے یہ کہ ہمارے کارکن فرشتے پہچان لیں تاکہ ہر ایک کو عمل کے مطابق جزا دو سزا دیں۔ چوتھے یہ کہ ہم ان سب کو چھانٹ دیں اور الگ الگ کر دیں۔ تیسرا اعتراض۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کا قبلہ بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے تھا کیونکہ وحی الٰہی سے کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے کنت علیہا جس قبلہ پر آپ تھے یہ نہ فرمایا کہ اس پر ہم نے آپ کو رکھا تھا جواب۔ بعض علماء نے یہ ہی کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا وحی الٰہی تھا کیونکہ یہاں فرمایا جا رہا ہے وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا کہ ہم نے اس قبلہ کو اسی لئے مقرر کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مقرر کرنے والا رب اور اس پر عمل کرنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ چوتھا اعتراض کیا تبدیلی قبلہ سے کچھ لوگ مرتد بھی ہو گئے تھے جیسا کہ ممن ینقلب علی عقبیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جواب۔ تفسیر روح البیان نے تو یہ ہی کہا ہے مگر صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں مفسرین نے یہاں انقلاب کے معنی ارتداد نہیں کئے بلکہ شبہات میں پڑ جانا یعنی بعض کے دل میں اس سے کچھ شبہات پڑ گئے جو بعد میں جاتے رہے اور بعض نے بلا شبہ اسے مان لیا۔ جیسے کہ بعض مریض طبیب کامل کا نسخہ بلا شک و شبہ استعمال کرتے ہیں اور بعض کچھ شک شبہ سے یا انقلاب سے مراد ہے منافقوں کے نفاق کا کھل جانا چونکہ منافقین پہلے بظاہر مسلمان ہو چکے تھے مگر دل میں کافر تھے اب تبدیلی قبلہ پر اعتراضات کر کے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے یعنی اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ گئے اس لئے اسے انقلاب فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا میں ظاہر باطن کا آئینہ ہے اور آخرت میں باطن بلا واسطہ ظاہر ہو گا۔ یہاں قلب کی کیفیت قالب پر نمودار ہوتی ہے۔ قالب کا قبلہ کبھی بیت المقدس کبھی کعبہ لیکن قلب کا قبلہ وہ جس کے قبضہ میں یہ دونوں قبلے ظاہر پرست قبلہ قالب میں ہی پھنس کر قبلہ قلب تک نہ پہنچے۔ مگر حقیقت بین نگاہیں بصارت سے ظاہری قبلہ کا اور بصیرت سے حقیقی قبلہ

لی وہ تو ہدایت پر ہیں دوسرے وہ جنہیں اس میں تردد اور شبہ ہوا۔ وہ ضعیف الاعتقاد۔ اب اس ذات کریم کا ذکر ہے جو ہدایت کا سرچشمہ ہے اور چونکہ وہ خود کامل اسی لئے کامل ہی کو چاہتی ہے یعنی آپ کے کمال نبوت کا تقاضا یہ تھا کہ کامل قبلہ کی خواہش کریں۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت میں رب کی رحمت کا ذکر ہوا اب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی رحمتیں ان کی طفیل آتی ہیں کہ ان ہی کی برکت سے تمہیں بہتر قبلہ نصیب ہوا اور انہیں کی طفیل تمہارے گذشتہ اعمال بربادی سے محفوظ رہے۔

شان نزول : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کا قبلہ بنایا جانا پسند خاطر تھا اور حضور اس امید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نمازہی کی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اس طرف رخ کیا (خزائن العرفان) تفسیر روح البیان و کبیر نے فرمایا کہ آپ نے حضرت جبریل سے فرمایا تھا کہ میری خوشی ہے کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں تو مامور ہوں آپ رب کے بندۂ محبوب۔ آپ دعا فرمائیں یعنی میں تو رب کی صرف ماننے والا ہوں آپ ماننے والے بھی ہیں منوانے والے بھی ہیں رب تعالیٰ آپ کی رضا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر آسمان پر گئے حضور علیہ السلام ان کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ تب یہ آیت آئی۔

تفسیر : **قدنری** یا تو یہ **قد** تحقیق کے لئے ہے یا کمی بیان کرنے کے لئے یعنی بے شک دیکھ رہے ہیں ہم یا کبھی کبھی دیکھا کرتے ہیں یعنی آپ جو کبھی کبھی چہرہ انور آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں وہ ہم دیکھتے ہیں لہذا دیکھنے میں کمی نہیں ہے بلکہ چہرہ اٹھانے میں (تفسیر کبیر) پہلے معنی زیادہ قوی ہیں اور اس پر مفسرین کا اتفاق اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ انور اٹھاتے وقت یہ کلام ہو رہا ہے کہ اے پیارے ہم تمہاری اس محبوبانہ ادا کو دیکھ رہے ہیں۔ خیال رہے کہ تحقیق اور قسم کے کلمات غیروں سے تو اعتبار دلانے کے لئے کہے جاتے ہیں مگر پیاروں سے اظہار کرم کے لئے جیسے پیارے تیری جان کی قسم رب فرماتا ہے **فلا وربک لا یئومنون** اس آیت میں خطاب چونکہ صرف محبوب سے ہے لہذا یہ **قد** اظہار محبت کے لئے ہے نیز رب کا دیکھنا آنکھ سے نہیں کیونکہ وہ آنکھ وغیرہ اعضاء سے پاک ہے ہم بھی خواب و خیال اور کشف میں بغیر آنکھ دیکھ لیتے ہیں۔ رب تمام خلق کو دیکھتا ہے مگر کفار کو غضب سے ہم گنہگاروں کو رحم سے اور حضور کو محبت سے جیسے شکاری نشانہ تاکتے وقت شکار کو بھی دیکھتا ہے اور خیرات کرتے وقت فقیر کو بھی اور اپنے پیارے بچوں کو بھی یہاں محبت و کرم کا دیکھنا مراد ہے اللہ تعالیٰ حضور کی ہر ادا کو محبت سے دیکھتا ہے بلکہ خود حضور کو بھی فرماتا ہے **الذی یرٰک حین تقوم و تقلبک فی السٰجدین** اور فرماتا ہے **فانک باعیننا** جو حضور کے دامن سے وابستہ ہو جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نظر محبت میں آجاوے گا جب تم کسی کو دیکھو تو اس کے کپڑے جوتے بھی دیکھ لیتے ہو۔ حضور انور وہ عید کا چاند ہیں کہ انہیں خدا بھی دیکھتا ہے اور ساری خدائی بھی لہذا جو چاہے کہ رب کا منظور نظر ہو جائے وہ حضور کے دامن سے وابستہ ہو جائے۔ خیال رہے حضور کو کافر مومن سب ہی دیکھتے ہیں مگر جو للہ والی محبت کی نظر اور صدیقؓ والی عقیدت کی آنکھ سے دیکھے وہ صحابی بن جاتا ہے اور جو شیطانی نظر اور بوجہلی آنکھ سے دیکھے وہ پکا کافر ہو جاتا ہے غرضکہ چہرہ ایک ہے مگر نظریں علیحدہ **تقلب وجهک فی السماء** یہاں باب تفعل تکرار کے لئے ہے اور وجہ سے مراد چہرہ ہے اور بعض علماء نے کہا کہ لفظ **فی** الی کے معنی میں ہے یعنی ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے چہرہ انور کا آسمان کی طرف بار بار پھرنا اور اس سے آپ

کی مرضی جان گئے۔ آپ کی آرزو قبول کرنے کے قابل ہے اور تمنا پوری کرنے کے لائق۔ فلنولینک بعض علماء نے فرمایا کہ یہ مضارع حال کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا کہ بمعنی استقبال نیز بعض نے کہا کہ یہاں تولیۃ کے معنی پھیرنا ہیں۔ بعض نے کہا کہ والی بنانا یا قریب کرنا (روح البیان و عزیزی) یعنی ہم آپ کو پھیرے دیتے ہیں یا عنقریب پھیریں گے یا ہم آپ کو والی بنائے دیتے ہیں یا بنادیں گے یا ہم آپ کو قریب کردیتے ہیں یا کردیں گے۔ خیال رہے کہ تبدیلی قبلہ کو اس تمہید کے ساتھ بیان فرمانے میں اشارۃ" بندوں کو تعلیم ہے کہ جب ہم نے رب ہو کر ان محبوب کو راضی کرنے کے لئے وہ قبلہ تبدیل کردیا جو قبلہ انبیاء اور مسجود انبیاء سجدہ گاہ نماز معراج رہ چکا تھا تو تم بھی اپنے اس محبوب کو راضی کرنے کے لئے اپنے کسی قبلہ کو بدل دو کسی کا قبلہ مال بنا ہوا ہے کسی کا قبلہ عزت کسی کا قبلہ سلطنت کسی کا قبلہ گناہ و معاصی ان قبلوں میں تبدیلی کرکے اللہ رب العلمین کی رضا کو قبلہ بناؤ تاکہ تم سے حضور راضی ہوں اگر تم نے حضور کو راضی کرلیا تو ہم تم کو ہمیشہ راضی کرتے رہیں گے قبلۃ ترضھا اس قبلہ کے جس سے آپ راضی ہیں۔ خیال رہے کہ یہ رضا خوشی اور محبت کے معنی میں ہے ناراضی کا مقابل نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بیت المقدس سے ناراض تھے۔ رب کے حکم سے ناراضی کیسی۔ آپ بیت المقدس سے بھی راضی تھے مگر کعبہ سے زیادہ خوش (کبیر) فول وجھک یہ گزشتہ وعدہ کا پورا کرنا ہے ابھی کہا تھا کہ ہم پھیرے دیتے ہیں اب فرمایا کہ پھیر لیجئے وجہ کے معنی صرف چہرہ ہیں مگر یہاں پورا جسم مراد کیونکہ قبلہ کی طرف تمام جسم چاہئے نہ کہ صرف چہرہ۔ چونکہ چہرہ ایک بہتر عضو تھا اس لئے اسی کا ذکر کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وجہ سے مراد ذات ہو جیسے فثم وجہ اللہ یعنی اپنے کو پھیر لو شطر المسجد الحرام شطر کے معنی جانب اور طرف کے بھی ہیں اور آدھے اور نصف کے بھی۔ یہاں پہلے معنی ظاہر ہیں مسجد سے یا تو وہ مسجد شریف مراد ہے جس کے درمیان میں کعبہ شریف ہے اور حرام یا حرمت سے بنا یا حلال کا مقابل ہے۔ یعنی حرمت والی مسجد یا وہ مسجد جس میں شکار و قتل وغیرہ حرام ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اپنا منہ مدینہ سے مسجد حرام کی طرف پھیرو کیونکہ اس طرف کرنا گویا کعبہ ہی کو منہ کرنا ہے یا اس سے خاص کعبہ ہی مراد ہے اور مسجد کے معنی سجدہ کی جگہ نہ کہ سجدہ گاہ اور حرام بمعنی محترم ہا یہ کہ وہاں کی بے ادبی حرام ہے۔ یعنی کعبہ کی طرف منہ پھیرو۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں شطر کے معنی نصف بھی ہو سکتے ہیں اور مسجد حرام سے مسجد ہی مراد ہے جس کے بالکل درمیان میں کعبہ ہے۔ یعنی اس طرف منہ پھیرو جو مسجد حرام کے بیچوں بیچ ہے اور یہ حکم صرف آپ کے یا مدینہ پاک کے لئے نہیں بلکہ اے مسلمانو وحیث ما کنتم تم جہاں کہیں بھی ہو دریا میں یا خشکی پر زمین میں یا پہاڑ پر مشرق میں یا مغرب میں، جنوب میں یا شمال میں اور نماز پڑھنا چاہو تو فولوا وجوھکم شطرہ اپنا منہ اسی کی طرف کیا کرو۔ خیال رہے کہ نماز میں قبلہ کو رخ کرنا اکثر فرض ہے اس کے سوا قربانی تلاوت قرآن اور مرنے کے وقت ادھر منہ کرنا مستحب۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر وجوبی ہے اور نماز کے متعلق اگرچہ جہلا اس پر اعتراض کریں مگر وان الذین اوتوا الکتب وہ یہ ہے کہ جنہیں آسمانی کتاب ملی۔ یہاں کتاب سے علم کتاب مراد ہے کہ عوام اہل کتاب اس واقعہ سے بے خبر تھے اور ان کتابوں پر ان کی نظر ہی نہ تھی یعنی یہود اور عیسائیوں کے علماء لیعلمون انہ الحق من ربھم جانتے ہیں کہ وہ کعبہ معظمہ یا تبدیلی قبلہ یا ان نبی مکرم کا دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنا حق اور صحیح ہے اور ان کی رائے سے نہیں بلکہ ان کے رب کی طرف سے ہے کیونکہ پچھلی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی یہ علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ امام القبلتین ہیں اور گزشتہ انبیاء کرام نے بھی یہ خبر دی تھی مگر

راہب اور پادری جان بوجھ کر چھپاتے ہیں۔ لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ سچے نبی ہوتے تو ایک ہی قبلہ پر قائم رہتے۔ مگر خیال رہے کہ وما اللہ بغافل عما یعملون اللہ ان کی ان حرکتوں سے غافل نہیں انہیں سخت سزا دے گا۔ کچھ روز کی ڈھیل ہے۔

خلاصہ تفسیر : بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے تقریباً سترہ مہینے ہو گئے تھے مشرکین عرب کو تو یہ شکایت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل ہو کر بیت المقدس کی طرف نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ یہود کا یہ طعنہ تھا کہ مسلمان ہماری تو مخالفت کریں اور ہمارے ہی قبلہ کو منہ کریں اگر ہم لوگ برے ہیں تو ہمارا قبلہ کیوں اختیار کیا گیا اور یہ بھی شیخی مارا کرتے تھے کہ اگر ہم نہ ہوتے تو مسلمانوں کو قبلہ کی بھی خبر نہ ہوتی۔ ہماری امداد سے ان کی نمازیں درست ہوتی ہیں اور جیسے کہ قبلہ میں یہ ہماری اطاعت کر رہے ہیں عنقریب ہماری ساری باتیں مان لیں گے ان وجوہ سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ ہمارا قبلہ کعبہ ہو جائے۔ پندرھویں رجب دوشنبہ کے دن ظہر کے وقت جبریل امین حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے جبریل ہمارا دل چاہتا ہے کہ اللہ ہمیں کعبہ معظمہ کی طرف پھیر دے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ رب کی بارگاہ میں بڑی عزت والے ہیں دعا فرمائیں۔ یہ کہہ کر حضرت جبریل تو آسمان پر چلے گئے اور آپ نے ظہر کی نیت باندھ لی۔ مگر اللہ جانے آج اس نماز میں کیا راز ہے اور کس ناز کا اظہار کہ محبوب علیہ السلام انتظار وحی میں آسمان کو بار بار تک رہے ہیں اسی حال میں یہ آیت کریمہ آئی۔ جس میں آپ کے اس انداز اور محبوبانہ ناز کا ذکر فرمایا گیا کہ اے محبوب ہم آپ کا یہ بار بار آسمان کو دیکھنا دیکھ رہے ہیں اچھا آپ یہی تو چاہتے ہیں کہ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ جس قبلہ سے آپ راضی ہیں ہم اسی طرف آپ کو پھیرے دیتے ہیں لہذا آپ سلام کا بھی انتظار نہ کریں اسی وقت اور اسی حال میں کعبۃ اللہ یا مسجد حرام یا مکہ معظمہ کی طرف پھر جائیں اور اے مسلمانوں یہ حکم خاص محبوب علیہ السلام یا خاص اس وقت کے لئے نہیں بلکہ تم سب کو ہمیشہ کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ سفر و حضر بحر و بر خشک و تر مشرق و مغرب جہاں کہیں بھی ہو ان نبی مختار کی متابعت میں بوقت نماز کعبہ ہی کو منہ کیا کرو اور خیال رہے کہ اہل کتاب تم پر اعتراض کریں گے مگر ان کے علماء یقیناً جانتے ہیں کہ یہ تبدیلی قبلہ برحق اور رب کے حکم سے ہے مگر نفسانیت اور ضد سے حق ظاہر نہیں کرتے اور اپنی کتابوں کی خبریں چھپاتے ہیں یہ بھی نہ سمجھنا کہ رب ان کی نفسانیت سے راضی یا بے خبر ہے ناراض بھی ہے خبردار بھی مگر سزا کے لئے وقت مقرر ہے ابھی کچھ انہیں مہلت ہے۔ مسلم شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ تبدیلی قبلہ نماز ظہر کے بعد ہوئی اور تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ عین نماز میں ہوئی دونوں روایتیں یوں جمع ہو سکتی ہیں کہ فرض ظہر کے بعد سنت ظہر میں ہوئی نہ کہ خارج نماز ورنہ یہ نہ فرمایا جاتا فول وجھک منہ پھیر لو اگر حضور اس وقت نماز میں نہ ہوتے تو یہ نہ فرمایا جاتا کہ ادھر منہ پھیر لو کیونکہ کعبہ کو منہ کرنا صرف نماز میں فرض ہے تلاوت قرآن، وضو، قربانی وغیرہ کے وقت سنت۔ خطبہ جمعہ، رمی جمار وغیرہ کے وقت مکروہ اور پیشاب پاخانہ کی حالت میں حرام یہاں فول فرضیت کے لئے ہے تو نماز ہی کی حالت چاہئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ کعبہ معظمہ کا تاقیامت قبلہ ہونا حضور علیہ السلام کی خوشنودی کے لئے ہے کیونکہ قبلہ کی صفت ترضھا ہے اور اس ترضھا کے بعد فول میں ترتیب کی فا ہے یعنی چونکہ آپ کعبہ سے راضی ہیں اس لئے ادھر آپ منہ کر لیں جس سے معلوم ہوا کہ سب تو قانون کے پابند ہیں اور قانون مرضی محبوب کا

خنجر بلکہ ان کی مرضی ہی قانون ہے۔ دوسرا فائدہ۔ کعبہ معظمہ کو حضور علیہ السلام سے یہ عزت ملی کہ وہ تاقیامت سارے مسلمانوں کا سجدہ گاہ بن گیا۔ انہیں کی مرضی نے کعبہ کو قیامت تک کے لئے قبلہ بنایا ورنہ ہو سکتا تھا کہ پچھلے پیغمبروں کی طرح شروع سے آپ کا قبلہ کعبہ ہی ہوتا یہ سب کچھ اسی لئے ہوا تاکہ معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں اسی لئے آپ کی ولادت پاک پر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے مکان یا مقام ابراہیم کی طرف سجدہ کیا (مدارج وغیرہ)۔

جن کے سجدہ کو محراب کعبہ جھکی! ان بھنوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

اسی لئے نمازی کو حضور علیہ السلام کے بلانے پر نماز ہی کی حالت میں خدمت اقدس میں حاضر ہونا ضروری ہے اور اس آنے جانے اور کلام وغیرہ کرنے سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ دیکھو مشکوٰۃ بحوالہ بخاری کتاب فضائل قرآن اور اس کی شرح مرقاۃ اور دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر اور نمازی کیوں جائے کہ اگرچہ وہ کعبہ سے پھر اگر کعبہ کے کعبہ کی طرف اور اگرچہ کلام کیا مگر ان سے کیا جنہیں نماز میں سلام کرنا واجب ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن دیکھو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو جو رب کی نعمت ملی حضور کے طفیل ملی۔ اور حضور دور سے بھی فیض دیتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حضور جلوہ گر ہیں اور یہاں سے ان کے طفیل کعبہ کو قبلہ بنایا جارہا ہے۔ سورج چوتھے آسمان میں رہ کر گندی زمین کو پاک کرتا ہے۔ بادل دور سے خشک زمین کو سرسبز کرتا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی درجہ میں پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جس کو جو عظمت ملے گی حضور سے ملے گی دیکھو کعبہ بیت اللہ اور تعمیر خلیل ہونے کے باوجود حضور کی نگاہ کرم سے قبلہ بنا لوگ کہتے ہیں کہ حضور کچھ نہیں دیتے مگر حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر واسطہ حضور کسی کو کچھ نہیں دیتا دیکھو ہم کو کلمہ، قرآن، ایمان، نماز جو کچھ ملا دیا رب نے مگر ملا حضور کے ہاتھ سے رب نے بلاواسطہ کسی کو کچھ نہ دیا جب کعبہ معظمہ حضور کے بغیر بتوں سے پاک نہ ہو سکا تو ہمارے دل بھی حضور کی نگاہ کرم کے بغیر کفر، شرک، حسد، کینہ کے بتوں سے پاک نہیں ہو سکتے۔ تیسرا فائدہ کعبہ کو منہ کرنے میں حضور علیہ السلام کی عزت کا اظہار ہے کہ یہ اس واقعہ کی یادگار۔ حق تو یوں ہے کہ ساری عبادات میں ان کی تعظیم بلکہ قیامت کے دن بھی ان کی سلطنت کا ظہور ہے قبر میں انہیں کے نام پر بیڑا پار لگے قیامت میں انہیں کی تلاش ہو انہیں کی جستجو میں خلق ماری ماری پھرے انہیں کے فرمان پر حساب کتاب شروع ہو انہیں کے ہاتھوں شفاعت کا دروازہ کھلے۔ انہیں کے جنبش لب پر ہم جیسے سیاہ کاروں کا چھٹکارا ہو۔ خدا کرے کہ انہیں کے نام پر ہماری زندگی گزرے اور انہیں کا نام لیتے ہوئے ہماری زبان بند ہو۔ چوتھا فائدہ حضور علیہ السلام کعبہ معظمہ سے افضل ہیں کبھی سجدہ کرنے والا مسجود الیہ سے اعلیٰ ہوتا ہے جیسے یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اگرچہ ان سے اعلیٰ تھے۔ پانچواں فائدہ مسجد حرام والوں کے لئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے اور مکہ والوں کو مسجد حرام کی طرف۔ دیگر ملک والوں کے لئے کعبہ کی جہت کو رخ کرنا کافی ہے جیسے ہندوستان والوں کے لئے مغرب۔ اسی لئے آیت میں فرمایا گیا شطر المسجد الحرام۔ چھٹا فائدہ۔ حضور کو راضی کرنے کے لئے اچھے اعمال کرنا شرک نہیں دیکھو رب نے جو کعبہ کو قبلہ بنایا جو تمام نیکیوں کی اصل ہے حضور کی رضا کے لئے بنایا لہٰذا اللہ رسول کو راضی کرنے کے لئے نماز، روزہ، حج ادا کرنا ان عبادات کو کامل کرے گا رب فرماتا ہے۔ واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ۔ ساتواں فائدہ قرآن شریف سے حدیث کا نسخ ہو سکتا ہے دیکھو بیت المقدس کو رخ کرنے کی کوئی آیت نہیں وہ حضور کے عمل

سے ثابت تھا جسے قرآن شریف کی اس آیت نے منسوخ کیا۔

مسئلہ : کعبہ کو منہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ کعبہ معظمہ بالکل ناک کی سیدھ میں رہے بلکہ پیشانی کا کوئی حصہ اس طرف ہونا کافی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص نصف زاویہ قائمہ یعنی 45 ڈگری سے کم کعبہ سے ہٹ کر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ مسئلہ! کعبہ عمارت کا نام نہیں بلکہ زمین سے آسمان تک کی فضا کا نام ہے اسی لئے گہرے تہ خانہ اور اونچے پہاڑ پر بھی نماز جائز ہے۔ مسئلہ۔ مسافر نفل کی نماز شروع تو کعبہ کی طرف کرے پھر جدھر بھی سواری کا رخ ہو جائے پڑھتا رہے۔ مسئلہ۔ جب جنگل میں قبلہ کا پتہ نہ لگے تو جدھر دل گواہی دے ادھر ہی نماز پڑھے وہ ہی اس کا کعبہ ہے اور اگر نماز میں اپنی غلطی معلوم ہو تو گذشتہ رکعت درست ہے اور اب اس وقت سے رخ بدل لے۔ مسئلہ۔ لیٹ کر نماز پڑھنے والا کعبہ شریف کی طرف پاؤں کرے اور تکیہ پر سر رکھے تاکہ اس کا منہ کعبہ کی طرف ہو جائے کیونکہ لیٹ کر نماز میت کو غسل دیتے وقت اور میت کو مشرقی قبرستان کی طرف لے جاتے وقت کعبہ کو پاؤں کر دینا جائز ہے۔ مسئلہ۔ تلاوت قرآن شریف اور قربانی اور وضو کرتے وقت کعبہ پاک کو منہ کرنا مستحب ہے اور خطبہ جمعہ اور جمرہ کی رمی کے وقت ادھر پیٹھ کرنا سنت باقی مسائل کے لئے کتاب بہار شریعت دیکھو۔

پہلا اعتراض : کعبہ کی طرف نماز پڑھنا بت پرستی ہے کیونکہ بت پرست بت کی طرف منہ کر کے خدا کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ بت کی اور تم کعبہ کو منہ کر کے تو تم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب۔ اس کا جواب ہم بارہا دے چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ بت پرست کا سر بت کا تابعدار ہے کہ جدھر بت ادھر ہی اس کا سر مسلمان کا سر کعبہ شریف کے پتھروں کا تابعدار نہیں اگر کوئی ساری عمارت کعبہ کو اٹھا کر اور جگہ رکھ دے تو کوئی بھی ادھر نہ جھکے بلکہ صرف اس جگہ کی طرف رخ کیا جاتا ہے خواہ وہاں عمارت ہو یا کوئی کپڑے کا نشان یا کچھ بھی نہ ہو۔ نیز ہر بت پرست بت کو سامنے رکھ کر سجدہ کرتا ہے مسلمان کے لئے کعبہ کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہندوستان سے مکہ شریف ہزاروں میل ہے مگر سجدہ یہاں سے ہو رہا ہے۔ نیز مسلمان نماز کی نیت ہی ایسے باندھتا ہے کہ نماز واسطے اللہ کے منہ کعبہ شریف کی طرف۔ اگر یہ کعبہ کا پجاری ہوتا تو یوں کہتا کہ نماز واسطے کعبہ کے مگر بت پرست کہتا ہے کہ مہادیو کی پوجا۔ کالی کی پوجا۔ وہ پوجا اور عبادت کو بتوں کی طرف نسبت کرتا ہے ہر ایک کا کام نام سے ہی ظاہر ہے نیز بت پرست بتوں کے ذریعہ دیو یا کالی وغیرہ کو ہی پوجتا ہے نہ کہ رب کو کہ وہ ان ہی کے نام پر چڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہادیو کا بت ہے یہ کالی کا کعبہ رب ہی کے نام کا ہے بیت اللہ کہا جاتا ہے نیز بہت صورتوں میں کعبہ کی طرف منہ نہیں کیا جاتا جیسے سواری کے نفل یا سخت خوف کی نماز کہ جدھر منہ ہو ادھر ہی پڑھ لو۔ مگر پنڈت جی کی پوجا آگ پتھر کے بغیر نہیں ہو سکتی کعبہ کی طرف منہ کرنے میں وہ حکمتیں ہیں جو ہم آیت **سیقول السفهاء** کی تفسیر میں بتا چکے۔ دوسرا اعتراض حضور علیہ السلام نے نماز کی حالت میں آسمان کی طرف کیوں دیکھا وہاں تو سجدہ گاہ کی طرف نظر چاہیے۔ جواب وحی الٰہی کے شوق میں اور اس وقت ادھر دیکھنا ہی اعلیٰ عبادت تھی۔ صحابہ کرام تو کبھی بجائے سجدہ گاہ کے نماز میں حضور کو دیکھا کرتے تھے۔ دیکھو وفات شریف کے دن فجر کی جماعت ہو رہی تھی کہ حضور علیہ السلام نے دروازہ کا پردہ اٹھا کر جماعت پر نظر کی صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہماری خوشی کی یہ کیفیت ہوئی کہ قریب تھا ہم نماز توڑ دیں انہیں حضور کا دیکھنا محسوس کیسے ہوا۔ آپ کا دولت خانہ تو بائیں ہاتھ پہ تھا نہ کہ سامنے کبھی ایسا بھی ہوا کہ عین جماعت کی حالت میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ اسی وقت سے حضرت صدیق اکبر مقتدی ہو گئے اور حضور امام تشریف آوری پیچھے سے ہے نمازیوں کو احساس کیسے ہو لیہ ہی کہا جائے گا کہ وہ چھپی نگاہوں سے قبلہ

نماکو دیکھتے تھے اور کیوں نہ دیکھتے مسجد حرام کا نمازی نماز میں کعبہ کو دیکھے اگر یہ قبلہ کعبہ کو دیکھیں تو کیا حرج ہے۔ تیسرا اعتراض نمازی کی حالت میں وحی آنے سے نماز کیوں نہ گئی۔ جواب اس لئے کہ وہ رب سے ہمکلامی ہے نہ کہ معمولی بندہ سے جب التحیات میں حضور کو سلام کرنے سے نماز نہیں جاتی تو رب سے کلام کرنے سے نماز کیا جائے۔ چوتھا اعتراض تبدیلی قبلہ بعد ہجرت کیوں ہوئی اور اس کا حکم دوسرے احکام کی طرح کیوں نہ دے دیا گیا یہاں حضور کی خواہش بلکہ آپ کا آسمان کی طرف چہرہ اٹھانا اور اس قبلہ پر آپ کی رضا کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ جواب اس لئے کہ رب جانتا تھا کہ محبوب کی امت میں قریب قیامت ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کہیں گے حضور کے وسیلہ یا مدد کی ضرورت نہیں سب کچھ براہ راست خدا سے ملتا ہے یا کہیں گے کہ حضور دور سے کچھ نہیں دے سکتے یا ہم بڑے نمازی و عالم ہیں ہم کو حضور کے توسل کی ضرورت نہیں۔ ان تینوں باتوں کی تردید اسی واقعہ سے کی گئی کہ کعبہ معظمہ کو یہ عظمت حضور کے وسیلہ سے ہم نے دی نیز مدینہ منورہ سے حضور کی مدد کعبہ معظمہ کو ملی یعنی تین سو میل دور سے نیز کعبہ معظمہ بھی حضور سے بے نیاز نہیں کہ انہیں کی طفیل وہ قبلہ بنا اور ان ہی کے ہاتھوں بتوں سے پاک ہوا۔ خیال رہے اسلام آخری دین ہے کہ قیامت تک نہ کوئی نبی آوے گا نہ نیا دین لہٰذا رب نے اور اس کے حبیب نے تا قیامت ظاہر ہونے والے فتنوں کا انتظام فرمایا حضور نے دجال منکرین حدیث وغیرہ کے نام لے کر ان کے فتنوں سے آگاہ کیا اور رب نے وہابیوں کے فتنوں سے ہم کو خبردار فرمایا دیکھو معراج کی رات نمازیں پچاس فرض کرکے موسیٰ علیہ السلام کے توسل سے پانچ کیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مقبول بندے بعد وفات مدد نہیں کرتے۔ پانچواں اعتراض حیث ما کنتم سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہر حالت میں ہر جگہ سے ہر زمانہ میں قبلہ رو نمازیں پڑھا کریں کیونکہ حیث ما سے اے جگہ کا عموم معلوم ہوا اور کنتم سے وقت کا عموم معلوم ہوا تو بحالت خوف اور سواری پر نفل اور اندھیرے جنگل میں نماز غیر قبلہ کو کیوں جائز کردی گئی۔ جواب ان تمام صورتوں میں بھی قبلہ کعبہ ہی ہے مگر اس طرف منہ کرنے کا طریقہ اور ہو گیا ہے اسی لئے وہاں بھی نیت میں یہی کہا جاوے گا منہ طرف کعبہ شریف کے۔ جیسے نماز کے لئے وضو بھی شرط ہے اور سجدہ و رکوع بھی فرض مگر بعض صورتوں میں وضو تیمم کے ذریعہ کرا دیا جاتا ہے اور رکوع سجدہ محض اشاروں سے لیٹ کر نماز پڑھنے والا زمین پر سر نہیں لگاتا مگر سجدہ ادا ہو جاتا ہے تو وہاں سجدہ یا وضو معاف نہیں ہو گیا بلکہ طریقہ ادا میں وسعت ہو گئی ایسے ہی یہاں توجہ الی القبلہ میں دل کی توجہ کافی مان لی گئی معاف نہیں ہوئی ان حالات میں نمازی نیت کعبہ ہی کی کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق میں رہ کر خالق میں مشغول تھے اور تبلیغ اور دعوت آپ کو وحدت سے کثرت کی طرف نہیں پھیر سکتی تھی۔ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کا آسمان روح کی طرف متوجہ ہونا ہم پر مخفی نہیں ہم آپ کا سینہ پاک کھول کر آپ کو قبلہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو ہمارا خاص تجلی گاہ ہے۔ لہٰذا آپ اس مسجد قلب کی طرف متوجہ ہوں جس تک نفس اور خواہشات نفس اور شیطان کا پہنچنا حرام ہے اور اے اہل توحید تم خواہ مشرق روح کی طرف ہو یا مغرب نفس کی جانب مگر اپنے کو قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہمیشہ متوجہ رکھنا کہ وہ تمہارا قبلہ ایمان اور کعبہ عرفان ہے خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام کا کعبہ آپ کا قلب پاک ہے جہاں رب کی تجلی ہے اور شیطان وغیرہ کی رسائی نہیں اور سارے عالم کا قبلہ ایمان ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔

سر تو سوئے حرم جھکا دل سوئے کوئے مصطفیٰ ‏ ‏ ‏ دل کا خدا بھلا کرے یہ نہیں اختیار میں

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے ۔۔۔ اللہ جانتا ہے نیت یہ کدھر کی ہے

رموز قرآن سمجھنے والے اور صاحب اسرار جانتے ہیں کہ یہ کعبہ ایمانی حق ہے اور رب کی طرف سے مقرر کیا ہوا اور اللہ ان کے ظاہری اور باطنی اعمال سے بے خبر نہیں (ماخوذ از تفسیر ابن عربی) لطف تو جب ہے کہ کعبہ سر میں قبلہ دل نظر آئے اور قبلہ دل میں کعبہ سر کی جلوہ گری ہو۔ اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا شعر

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا ۔۔۔ میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

کعبہ کا پرنالہ بالکل روضہ مطہرہ کے مقابل ہے اور جس کی دوکان گلی میں ہو اس کا اشارہ کرنے والا سائن بورڈ سڑک پر ہوتا ہے۔ جو انگلی سے ادھر رہبری کرتا ہے اور پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اس پر دوکاندار کا پتہ بھی لکھا ہوتا ہے تو گویا یہ کعبہ عرفان کا سائن بورڈ ہے جو بے پڑھوں کو ہاتھ سے اور آنکھ والوں کو زبان سے بتا رہا ہے کہ اے لوگو! اپنا دھیان اس طرف رکھنا۔ دیکھو کعبہ ایمان وہ ہرے گنبد میں آرام فرما رہا ہے۔ اب یہ آیت پڑھو وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ خواہ تم کعبہ کی محراب میں ہو یا حطیم میں میزاب کے نیچے صفا مروہ پر ہو یا مزدلفہ منیٰ اور عرفات میں جہاں بھی ہو فولوا وجوھکم شطرہ اپنی توجہ اس شہنشاہ مدینہ کی طرف ہی رکھنا اور الحمد للہ ہر مسلمان ہر جگہ سنت ہی پر نظر رکھتا ہے یہ اس آیت پر عمل ہے اور کیوں نہ ہو۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ ۔۔۔ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

نیز صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ اکثر شرعی احکام اصل میں ہم پر فرض ہیں اور ہمیں سکھانے سمجھانے اور عادی بنانے کے لئے حضور پر فرض جہاز میں مسافروں کو سوار کرنا مقصود ہے مگر مسافروں کو پار لگانے کے لئے کپتان بھی جہاز میں سوار رہتا ہے اسی لئے دوسرے احکام میں براہ راست ہم سے خطاب ہے تم لوگ نماز قائم کرو زکوٰۃ دو وغیرہ مگر تبدیلی قبلہ میں اصلی مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم حضور کے طفیل۔ اسی لئے رب نے پہلے اپنے حبیب کو اس کا حکم دیا پھر ہم کو نیز فرماتے ہیں شرعی احکام دو قسم کے ہیں بعض جو عارضی تھے بعد کو منسوخ ہو گئے بعض وہ جو اٹل و محکم ہیں جن میں تبدیلی ناممکن جن احکام کی بنا کسی عارضی وجہ پر تھی وہ احکام بھی عارضی تھے۔ وجہ گئی احکام بھی گئے اور جن کام کی بنا کسی اٹل اور نہ مٹنے والی وجہ پر تھی وہ احکام بھی محکم ہوئے۔ چونکہ کعبہ کے قبلہ ہونے کی وجہ محبوبیت جناب مصطفیٰ ہے یعنی حضور رب کے محبوب اور کعبہ حضور انور کو پیارا اور پیارے کا پیارا اپنا پیارا ہوتا ہے اور یہ دونوں محبوبیتیں اٹل ہیں نہ کسی وقت حضور کی محبوبیت ختم ہو سکتی ہے نہ کعبہ کی مقبولیت لہٰذا کعبہ کا قبلہ ہونا محکم و اٹل ہوا اسی لئے ارشاد ہوا وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ اسی طرح دیکھو دنیاداروں کی عزتیں عارضی ہیں۔ مال، دولت، وعہدہ اگر وہ فنا ہو لیے عزتیں بھی فنا ہو گئیں مگر اولیاء اللہ کی عزتیں دائمی باقی کیونکہ ان کی بنا مضبوط ہے یعنی غلامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب فرماتا ہے۔ العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین مولانا فرماتے ہیں۔

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقائش ۔۔۔ بشنو اے غافل کم از جوئے بہائش

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ

اور البتہ اگر لائیں آپ ان کے پاس جو دیئے گئے کتاب ہر نشانی تو نہ پیروی کریں گے وہ قبلہ تمہارے کی

اور اگر تم ان کتابیوں کے پاس ہر نشانی لے کر آؤ وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے۔ اور نہ تم ان کے قبلہ

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ

اور نہیں ہیں آپ پیروی کرنے والے قبلہ انکے کی۔ اور نہیں ہے بعض ان کا پیروی کرنے والا قبلہ بعض کا۔

کی پیروی کرو اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں اور (اے سننے والے کسے باشد)

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا

اور البتہ اگر پیروی کی تم نے خواہشوں ان کی بعد اس کے کہ آگیا تمہارے پاس علم تو تحقیق

اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اس وقت

لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

تم اس وقت ظالموں میں سے ہو۔

تو ضرور ستمگار ہوگا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پہلے تو کتابیوں کے اعتراضات کے جواب سکھائے گئے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس سے تمہاری تسلی اور ان کا منہ بند کرنا مقصود ہے تم یہ امید نہ رکھنا کہ وہ ان جوابات سے ایمان لے آئیں کیونکہ وہ تو غلط فہمی سے نہیں بلکہ محض ضد سے مخالف ہیں جس کا کوئی علاج نہیں۔ دوسرا تعلق پہلے فرمایا گیا تھا کہ علماء اہل کتاب تبدیلی قبلہ کو حق جانتے ہیں عناداً منکر ہیں اب بتایا جارہا ہے کہ یہ آئندہ بھی ایسے ہی ضدی رہیں گے یعنی پہلے ان کی موجودہ حالت کا ذکر ہوا اور اب آئندہ کی خبر۔ تیسرا تعلق اس تبدیلی قبلہ سے شاید کوئی بے وقوف امید کرتا کہ گزشتہ کی طرح پھر بھی بیت المقدس قبلہ اسلام بنے گا۔ اس آیت میں اس امید کو منقطع کیا جارہا ہے کہ قیامت تک کے لئے قبلہ کعبہ بن چکا۔ اب کبھی تبدیلی نہ ہوگی لہٰذا یہ آیت محکمات سے ہے۔

تفسیر : **ولئن اتیت الذین اوتوا الکتب** یا تو اہل کتاب سے ان کے علماء مراد ہیں جیسے کہ پچھلی اور اگلی آیتوں میں ہے یا اس سے کتابیوں کی خاص وہ جماعت جن کا بے دین رہنا علم الٰہی میں آچکا اگر ان کے پاس آپ لے آئیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں لفظ **اوتوا الکتب** تین قسم کے لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے ایک توریت و انجیل کے ماننے والے اہل کتاب یعنی عام عیسائی یہودی۔ دوسرے توریت و انجیل کے جاننے والے یعنی ان کے پوپ پادری وغیرہ تیسرے توریت و انجیل کے رموز و اسرار سے خبردار جن کے اللہ نے سینے کھول دیئے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ علماء یہود جو مسلمان ہوئے یہاں **اوتوا الکتب** دوسرے معنی میں ہے یعنی جنہیں توریت و انجیل کا علم دیا گیا مگر حسد کی وجہ سے یہ علم انہیں ایمان سے روکے

رہا۔ انہیں مفید نہ ہوا لہٰذا آیت واضح ہے **بکل اٰیۃ** ہر قسم کی عقلی اور نقلی قوی دلیل اور ان کی کتابوں توریت انجیل میں بھی دکھاویں کہ تبدیلی قبلہ حق ہے۔ خیال رہے کہ آیت کے معنی دلیل 'برہان' علامت ذات اور جماعت ہیں اس کی اصل **ایۃ** بروزن **فعلۃ** ہے۔ ی کو الف سے بدلا گیا۔ قرآن کے جملہ کو اس لئے آیت کہا جاتا ہے کہ وہ رب کی دلیل یا حضور علیہ السلام کی نبوت کی علامت یا حروف کا مجموعہ یا اگلے کلام سے اور یا انسانی کلام سے علیحدہ ہونے کی پہچان ہے (تفسیر کبیر) اور **کل ایۃ** سے یا تو ہر قسم کی دلیل یا ہر ایک دلیل مراد ہے یعنی بے شمار دلائل ہم نے آپ کو بتا دیئے لیکن اگر اس کے علاوہ سارے دلائل بھی آپ ان کے سامنے پیش کردیں تو بھی **ما تبعوا قبلتک** یہ یہود و نصاریٰ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے کیونکہ دلائل شبہات کو دفع کرسکتے ہیں نہ کہ ضد کو یہاں قبلہ کی اتباع نہ کرنے سے مراد اسلام قبول نہ کرنا ہے کیونکہ ہر مسلمان کعبہ کو منہ کرکے نماز پڑھتا ہے اور مسلمانوں کے سواء کوئی قوم اپنی عبادات میں کعبہ کو رخ نہیں کرتی یہ توجہ الی الکعبۃ مسلمانوں کی خاص نشانی ہے یہ ضدی ہیں اور اگر انہیں امید ہو کہ آپ پھر ان کے قبلہ کی طرف رجوع فرمائیں گے تو انہیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ **وما انت بتابع قبلتھم** کہ آپ بھی کبھی ان کے قبلہ کو رخ کرنے والے نہیں۔ تفسیر کبیر اور روح البیان نے کہا کہ اہل کتاب نے آپس میں مشورہ کرکے لوگوں سے کہا کہ اگر یہ نبی ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ شائد وہی نبی ہوں گے جن کی توریت و انجیل نے خبر دی۔ اب جبکہ وہ اس پر قائم نہ رہے تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کا انتظار ہے وہ چاہتے یہ تھے کہ شائد آپ یہ سن کر ہمارے ایمان کے لالچ میں پھر بیت المقدس کو منہ کرلیں۔ اس جملہ سے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ قبلہ حکم الٰہی سے بدلتا ہے نہ کہ لوگوں کی امیدوں سے۔ اور ہمارا حکم تو تبدیل ہوگا نہیں لہٰذا قبلہ بھی نہ بدلے گا۔ تفسیر عزیزی اور تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرسکتے ہی نہیں کیونکہ ان کا قبلہ مختلف ہے کہ یہود نے **صخرہ** (جو پتھر بیت المقدس میں لٹکا ہوا ہے) کو اور نصاریٰ نے بیت المقدس کے شرقی حصہ کو جہاں حضرت مریم حاملہ ہوئیں اپنا اپنا قبلہ بنا رکھا ہے پھر ان دونوں قبلوں کی پیروی کیونکر ممکن۔ ان کا تو خود یہ حال ہے کہ **وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض** ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرسکتے کہ عیسائی تو **صخرہ** کی طرف اور یہودی مشرقی حصہ کی طرف منہ نہیں کرسکتے جب وہ آپس میں جمع نہیں تو تیسری جماعت ان دونوں کے قبلوں کو کیونکر جمع کرسکتی ہے یا یہ مطلب کہ وہ دونوں جھوٹے ہو کر بھی اپنے غلط قبلوں پر جمے ہوئے ہیں تو مسلمان اپنے سچے قبلہ پر کیوں نہ مضبوطی سے قائم رہیں۔ یا یہ مطلب کہ پہلے **صخرہ** قبلہ تھا پھر وہ منسوخ ہو کر مشرقی حصہ قبلہ بنا جب قبلہ منسوخ ہوسکتا ہے بلکہ ہو بھی گیا جس کا ثبوت ان کے آپس کی مخالفت ہے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں قبلے منسوخ ہو کر کعبہ **معظمہ** قبلہ بن جائے اور جب یہ کعبہ قبلہ مقرر ہو چکا تو اہل کتاب کا اس پر جمارہنا صرف خیال شیطانی اور ہوائے نفسانی ہے۔ لہٰذا اے قرآن پڑھنے والے **ولئن اتبعت اھواءھم** اگر تو نے ان کی نفسانی خواہش کی پیروی کی بعض نے کہا کہ **اتبعت** میں حضور علیہ السلام سے خطاب ہے۔ بعض نے کہا کہ نبی اور امت دونوں سے ایک قول یہ ہے کہ اس خطاب سے صرف امت ہی مراد ہے نہ کہ نبی (تفسیر مدارک و کبیر) اور یہ تیسری وجہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ کعبہ کا قبلہ ہونا حضور علیہ السلام کی خوشی پر ہی تو ہوا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود چاہ کر کعبہ کو قبلہ کرائیں اور پھر خود ہی اس سے پھر جائیں اسی پر اعلیٰ حضرت قبلہ کا ترجمہ ہے **اھواء** ہوی کی جمع ہے الف مقصورہ سے ہوی کے معنی ہیں ارادہ و محبت

اور نفسانی خواہش اور الف ممدودہ سے یہ چلنے والی ہوا اور ان دونوں کو ہوی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہوی سے بنا جس کے معنی ہیں گرا دینا چونکہ وہ ہوا اعمارتوں اور درختوں کو نیچے گرا دیتی ہے اور نفسانی خواہش جہنم میں گراتی ہے اس لئے انہیں ہوا کہتے ہیں یہ بھی خیال رہے کہ اصطلاح میں ہوا وہ عقیدہ کہلاتا ہے جسے انسان باطل سمجھتے ہوئے اختیار کرے اور اگر باطل بات کو حق سمجھ کر مانتا ہے تو اسے کفر یا ضلالت تو کہا جائے گا۔ ہوی نہیں چونکہ یہ لوگ جان بوجھ کر قبلہ کے مخالف تھے اس لئے **اھواء** کہا گیا **من بعد ما جاءک من العلم** یہاں بھی کاف سے قرآن پڑھنے والا مراد ہے اور علم سے کعبہ معظمہ کا ہمیشہ کے لئے قبلہ ہونا یعنی اگر یہ سمجھتے ہوئے کہ کعبہ دائمی قبلہ ہے اہل کتاب کو خوش کرنے کے لئے ادھر سے روگردانی کی تو **انک اذا لمن الظلمین** تو بھی ان کی طرح ظالم ہو گا ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو بے محل صرف کرنا یا کسی کی چیز بے اجازت خرچ کرنا۔ نفس کی مخالفت کرنا چاہئے اب جو اس کی پیروی کرے وہ اسے بے موقع استعمال کرتا ہے چونکہ یہ فعل قیامت میں ظلمت یعنی تاریکی میں لے جائے گا اس لئے اسے ظلم کہا جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ ان دلائل اور سوال جواب سے یہ ضدی پادری اور ہٹ دھرم یہودیوں کے راہب ایمان لے آئیں گے یہ تو فقط ان کی زبان بندی کے لئے ہے ان کے دل کا تو یہ حال ہے کہ اگر آپ انہیں ہر قسم کی قوی سے قوی دلیل اور مضبوط سے مضبوط برہان سنائیں بلکہ خود توریت و انجیل سے بھی نکال کر دکھا دیں تو بھی اس قبلہ کو نہ مانیں کیونکہ دلیل سے شبہات دور ہوتے ہیں نہ کہ حسد اور اب وہ بھی کان کھول کر سن لیں کہ آپ کچھ اسرار کی بنا پر بیت المقدس کی طرف رخ کئے رہے۔ اب قیامت تک کبھی بھی ادھر نہ پھیرے جائیں گے اور نہ یہ قبلہ منسوخ ہو گا۔ وہ آپ کی تو کیا مانیں آپس ہی میں ایک دوسرے کے قبلہ کے قائل نہیں آپ کی مخالفت میں ان کی زبانیں متفق ہیں لیکن ان کے دل بکھرے ہوئے اور اے مسلمانو تم بھی خیال رکھنا کہ جو انہیں راضی کرنے یا ان کی خوشامد کی غرض سے جان بوجھ کر ان کے قبلہ کو رخ کرے یا ان کی کوئی بات مانے تو وہ بھی ان کی ہی طرح بے دین اور ظالم ہے۔ سب کو راضی نہ کرو رب کو راضی کرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ مسلمانوں کے فرقے آپس میں بہت مخالف ہیں مگر پھر بھی اہل کتاب سے کم کیونکہ یہ سب توحید' رسالت' قرآن مجید' قبلہ قیامت وغیرہ پر متفق ہیں ان کا تو قبلہ بھی ایک نہ ہو سکا۔ ہندوؤں کے ہاں اب تک یہ بھی فیصلہ نہ ہوا کہ وید کتنے ہیں اور کس پر آئے ان میں کوئی کہتا ہے کہ چار انسانوں پر۔ اور کوئی کہتا ہے کہ آگ و پانی وغیرہ پر۔ سناتنی بتوں کو پوجیں آریے انہیں توڑ کر آگ کا ہون کریں۔ عیسائیوں میں یہ ہی فیصلہ نہ ہو سکا کہ عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ خدا کے بیٹے ہیں یا تیسرے خدا یا خدائی نے ان میں حلول کیا۔ اگر تحقیقات کی جائے تو سارے کفار کا یہ ہی حال ہے کہ وہ اصل الوہیت اور کتاب میں ہی ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر لطف یہ ہے کہ ڈھول جوتی مسلمانوں میں زیادہ یعنی یہاں اختلاف کم اور شور زیادہ اور ان میں اختلاف زیادہ اور شور کم۔ وہ ہمارے مقابل ایک۔ ہم ان کے مقابل بھی ایک نہیں۔ ایسا دیکھا گیا کہ اہل سنت کا آریوں سے مناظرہ ہوا تو بعض دیوبندیوں نے در پردہ آریوں کو اعتراض سکھائے۔ خود مراد آباد میں میرا کلی چرن دھرم بھکشو آریوں سے مناظرہ ہوا جس میں مجھے یہ تلخ تجربہ ہوا اللہ رحم کرے۔ دوسرا فائدہ جن صحابہ کرام نے تبدیلی قبلہ کے بعد بھی بے خبری میں کوئی نماز پہلے قبلہ کی طرف پڑھ لی یا اب جو مسلمان غلطی سے ادھر نماز پڑھ لے وہ

اس آیت کی وعید میں داخل نہیں کیونکہ یہاں وہ قیدیں ہیں ایک جان بوجھ کر دوسرے ان کی اطاعت کی غرض سے ایسی حرکت کرنا۔ تیسرا فائدہ ضد اور حسد کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی سے شیطان مارا گیا۔ اسی سے قابیل تباہ ہوا۔ اسی سے کنعان برباد ہوا۔ اسی سے برادران یوسف علیہ السلام مصیبت میں پھنسے اگرچہ بعد میں توبہ کر کے چھوٹ گئے۔ اسی سے یہود و عیسائی گمراہ رہے۔ غرضیکہ اس آگ نے بہت خاندان تباہ کر دیئے اسی کی برکت سے آج مسلمانوں میں خانہ جنگیاں جاری ہیں۔ چوتھا فائدہ معرفت ایمان وہدایت خاص عطیہ ربانی ہے جو اس کے کرم سے نصیب ہوتا ہے محض علم و دلائل سے ایمان نہیں ملتا دیکھو علماء یہود کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگر آپ انہیں ہر قسم کے قولی، عملی، علمی دلائل سنائیں، دکھائیں معجزات ظاہر کریں اور ان کے پاس بھی توریت و انجیل کا علم ہے مگر ان سب کے باوجود یہ ایمان نہ لائیں گے۔ جو معجزات دیکھ کر صحابہ ایمان لائے وہ معجزات ابوجہل وغیرہ نے بھی دیکھے تھے مگر ایمان نہ لائے۔ دلائل مضبوط ستون کی طرح ہیں جو آفتوں، ہتھیاروں اور دوسرے آلات سے ٹوٹ سکتے ہیں اگر ایمان کی چھت محض دلائل کے ستونوں پر قائم ہو تو گر جانے کا اندیشہ ہے اس چھت کو عشق کے ستونوں پر قائم کرو یہ دلائل غذا، دوا کی طرح اگرچہ مفید تو ہیں مگر مستقل مفید نہیں اصل شے رب کا کرم ہے دیکھو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے چار سو دلائل توحید ابلیس نے توڑ دیئے۔ پانچواں فائدہ جس دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد یا عناد ہو اس میں کوئی روشنی نہیں پہنچ سکتی دیکھو علماء یہود کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگرچہ تمام دلائل انہیں بتائے جاویں ایمان نہ لائیں گے کیونکہ وہ حضور کے حاسد ہیں چھٹا فائدہ۔ شرعی حکم منسوخ ہونے سے پہلے علم یعنی ہدایت رہتا ہے مگر منسوخ ہونے کے بعد ھوی یعنی نفسانی خواہش بن جاتا ہے دیکھو رب نے اب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو اھواءھم فرمایا۔ ساتواں فائدہ اسلام میں کفار کی رعایت کرنا ظلم و کفر ہے دیکھو رب نے فرمایا کہ اب جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھے یہود وغیرہ کو راضی کرنے کے لئے وہ ظالم ہے لہذا کفار کی تعظیم ہولی دیوالی کے دن کا احترام کرنا کفر ہے۔ ہندوؤں کو خوش کرنے کو گائے کا ذبیحہ بند کرنا ظلم ہے اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو کفار کی صورت و سیرت اختیار کرتے ہیں انہیں خوش کرنے کو۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں اہل کتاب کے کافر رہنے کی پیشین گوئی ہے حالانکہ بہت سے اہل کتاب بلکہ یہودیوں کے بڑے عالم عبداللہ ابن سلام اور کعب احبار اور عیسائیوں کا بادشاہ نجاشی اسلام سے مشرف ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ یہ پیشین گوئی درست نہ ہوئی۔ جواب اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد سارے اہل کتاب ہیں یعنی یہ سب ایمان نہ لائیں گے اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس سے علماء مراد ہیں اور عبداللہ ابن سلام وغیرہ اس سے پہلے ایمان لا چکے تھے اس آیت کے بعد کوئی ان کا عالم ایمان نہ لایا۔ تیسرے یہ کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جیسے تم نے مسلمان رہ کر ان کے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھیں یہ کبھی ایسا نہ کریں گے کہ کبھی تمہارے کعبہ کی طرف نماز پڑھ لیں جس کی حقانیت کا انہیں بھی علم ہے۔ معلوم ہوا کہ تم میں نفسانیت نہیں۔ ان میں ہے۔ چوتھا جواب وہ بھی ہو سکتا ہے جو تفسیر میں گزرا کہ اس سے وہ خاص کتابی مراد ہیں جن کا گمراہ رہنا خدا کے علم میں آ چکا تھا۔ دوسرا اعتراض۔ اہل کتاب کی خواہش تو ایک ہی تھی کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف پھر جائیں۔ پھر یہاں اھواء یعنی بہت سی خواہشیں کیوں فرمایا گیا جواب۔ اس کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کی خواہش تھی کہ مسلمان صخرہ کی طرف اور عیسائیوں کی خواہش تھی کہ مشرق کی طرف پھریں۔ یہ دو خواہشیں ہوئی اور عربی میں کبھی دو کے لئے بھی جمع کا صیغہ بول دیا جاتا ہے۔ جیسے قلوبکما دوسرے یہ کہ ان میں سے ہر شخص کی یہ تمنا

تھی یعنی ایک چیز کی بہت لوگوں نے خواہش کی لہٰذا خواہشات بہت ہوئیں تیسرے یہ کہ اس ایک خواہش میں ان کی بہت سی دیگر خواہشات مضمر تھیں مثلاً مسلمانوں کو طعنہ دینا۔ بیت المقدس کی عظمت کا اظہار۔ اپنی سرداری کی برقراری مسلمانوں کو بہکانا کہ اسلام اصولاً دین ہے کہ اس کا قبلہ کا بھی ٹھیک نہیں وغیرہ وغیرہ گویا یہ ایک خواہش مجموعہ خواہشات ہوئی۔ اس لئے اسے **اھواء** جمع فرمایا گیا (عزیزی) **تیسرا اعتراض**۔ رب نے یہاں فرمایا اے محبوب تم ان کے قبلہ کے تابع نہیں تو کیا تبدیلی قبلہ سے پہلے حضور اس میں یہود کے تابع تھے یہ بات تو شان نبوت کے خلاف ہے۔ **جواب**۔ پہلے حضور نے محض رب کے حکم سے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھی تھیں نہ کہ ان کفار کی خوشی سے کیونکہ مکہ معظمہ میں تو یہ یہود وغیرہ تھے ہی نہیں لیکن اب یہود و نصاریٰ کی خواہش تھی کہ حضور پھر ادھر ہی نمازیں پڑھیں اب اگر ادھر نمازیں ہوتیں تو ان کی اتباع لازم آتی پہلے اور نوعیت تھی اب دوسری نوعیت لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : ترقی دینا رب غفور کا دستور ہے۔ کسی کا تنزل بلا قصور ناممکن۔ مسلمانوں کا کعبہ کو رخ کرنا ان کی ترقی تھی فرما دیا گیا کہ اب تمہیں اسی قبلہ پر قائم رکھا جائے گا۔ تمہارا تنزل نہ ہو گا اور جیسے کہ پورب پچھم دو متضاد سمتیں ہیں کہ پورب کا جانے والا پچھم نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے ہی **ھدی** اور **ھوی** (ہدایت و خواہشات نفسانی) قلب کی مختلف جہتیں **ھوی** کا پابند **ھدی** تک نہیں پہنچ سکتا اور **ھدی** والا **ھوی** کا پابند نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ اے مسلمانوں تم **ھدی** پر ہو اور اہل کتاب **ھوی** پر اگر تم نے یہ جہت بدلی تو تم بھی انہیں کی طرح ہو گے اگر منزل پر پہنچنا ہے تو یہ راہ نہ چھوڑنا اور اپنی سمت نہ بدلنا۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا
وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب پہچانتے ہیں اُنہیں جیسا کہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنے کو
جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے
مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ (۱۴۶) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ
اور تحقیق ایک گروہ اُن میں سے البتہ چھپاتے ہیں وہ حق کو حالانکہ وہ جانتے ہیں حق جانب
اور بے شک اُن میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں (اور سننے والے) یہ حق ہے
مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ (۱۴۷)
رب تیرے کے ہے پس ہرگز نہ ہونا تو شک کرنے والوں سے
تیرے رب کی طرف سے (یا حق وہ ہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو) تو خبردار تو شک نہ کرنا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پہلے مسلمانوں کو اہل کتاب کی پیروی کرنے سے ڈرایا دھمکایا گیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم کیسے قبلہ وغیرہ میں شک کر سکتے ہو۔ خود اہل کتاب کا یہ حال ہے کہ تمہارے پیغمبر اور ان کی ساری صفات کو دل سے جان کر زبان سے انکار کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ وہ تمام علامات و آیات

دیکھ کر بھی تمہارا قبلہ نہ مانیں گے۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ پہلے ہی سے جانتے پہچانتے ہیں۔ ضد و حسد سے منکر ہیں پھر آیات سے کیسے قبول کریں۔ حسد نے ان کے دل و دماغ اور ظاہری اعضاء کو ایسا بیگانہ کر دیا کہ اب نہ یہ دلائل سمجھ سکیں نہ معجزات دیکھ کر ان میں غور کر سکیں نبی سے حسد کی آگ نے بہت سے باغ اجاڑ دیئے ہیں دیکھو ابلیس نے آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان الٰہی سنا فرشتوں کو سجدہ کرتے دیکھا انہیں جنت میں نہایت عزت سے رہنے سہنے کا مشاہدہ کیا مگر صرف حسد کی وجہ سے ان کے آگے نہ جھکا یہ ہی ان یہود کا حال ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اہل کتاب تبدیلی قبلہ کو حق جان کر منکر ہیں اب فرمایا کہ وہ صرف قبلہ ہی کو نہیں بلکہ خود صاحب قبلہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہچانتے ہیں۔ **چوتھا تعلق** پہلے مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اگر تم نے حق کو جان پہچان کر اہل کتاب کی پیروی کی تو تم ظالمین میں سے ہو گے اور ظالم تو صدہا قسم کے تھے مشرکین کفار' رب کے منکر اب ظالم کی تعین کی جا رہی ہے کہ اس قسم کے ظالموں میں تمہارا شمار ہو گا۔

تفسیر : الذین اتینھم الکتب یہاں کتاب سے آسمانی کتاب یعنی توریت و انجیل مراد ہیں کہ مدینہ منورہ میں انہی کے ماننے والے یعنی یہود و نصاریٰ تھے اور کتاب دینے سے علم کتاب کی عطاء مراد یعنی جن علماء یہود و نصاریٰ کو توریت و انجیل کا علم عطا ہوا وہ **یعرفونہ** انہیں پہچانتے ہیں۔ رہے ان کے جاہل وہ اپنی کتاب ہی سے بے خبر ہیں تو اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پہچانوں اور علامتوں کو کیا جانیں جو ان میں بیان ہوئیں خیال رہے کہ تفسیر مدارک نے فرمایا کہ **الذین** سے آخر جملہ تک ظالمین کی صفت ہے جو پہلی آیت میں گزرا یعنی تم ان ظالموں میں سے ہو جاؤ گے جن میں یہ عیوب ہیں۔ سیاق مفسرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علیحدہ جملہ ہے کہ **الذین** مبتدا اور **یعرفونہ** خبر یہ بھی خیال رہے یہ ضمیر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے کہ آپ کا ذکر **وما انت بتابع** میں ہو چکا ہے یا کعبہ معظمہ کی طرف یا تبدیلی قبلہ کی طرف مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے (تفسیر کبیر) کیونکہ آئندہ بیٹوں سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ یعنی علماء اہل کتاب کعبہ معظمہ کے قبلہ ہونے یا تبدیلی قبلہ یا اس پیغمبر آخر الزمان کی صرف صورت پاک ہی دیکھ کر ایسا پہچانتے ہیں **کما یعرفون ابناءھم** جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ اگر ہزار بچوں میں بھی کھڑا ہو تو پہچان جاتے ہیں کہ میرا بیٹا وہ ہے اور کسی وقت بھی تردد نہیں کرتے کہ شاید یہ میرا بچہ نہ ہو کوئی اور ہو بلکہ دور سے اس کی آواز سن کر چال ڈھال دیکھ کر بھی پہچان لیتے ہیں کہ یہ میرے بچے کی گفتار ہے یا اسی کی سی رفتار ایسے ہی اس پیغمبر کی شکل و شباہت' رفتار و گفتار بلکہ ہر ہر ادا سے ان کی نبوت ظاہر ہو رہی ہے ان کے یہ سارے صفات پچھلی کتابوں میں موجود ہیں ان کے ظہور کا تو یہ کمال مگر ان کا یہ حال کہ ان میں ایک گروہ تو ایمان لے آیا جیسے عبداللہ ابن سلام اور کعب احبار وغیرہ۔ خیال رہے کہ ہم کو بھی کچھ لوگ جانتے پہچانتے ہیں اور حضور کو بھی مگر ان دونوں پہچانوں میں چار طرح فرق ہے ایک یہ کہ ہم کو ہماری پیدائش سے پہلے کوئی نہ پہچانتا تھا۔ حضور انور کو ہمیشہ سے سب پہچانتے تھے۔ پہلے انسان' آدم علیہ السلام نے پیدا ہو کر پہلے حضور کا نام ساق عرش پر رب کے نام کے ساتھ پڑھا۔ دوسرے یہ کہ ہم کو مرنے کے کچھ بعد کوئی نہ پہچانے گا مگر حضور کے چرچے قیامت بلکہ ابد الآباد تک ہوتے رہیں گے ان کی دھومیں مچی رہیں گی۔ تیسرے یہ کہ ہم کو پیدائش کے بعد بھی صرف انسان ہی پہچانتے ہیں مگر حضور کو ساری خدائی پہچانتی ہے اور حضور کی اطاعت کرتی ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم کو انسان بھی تھوڑے پہچانتے ہیں مگر حضور کی ولادت کی خبر سارے جہان میں ایسی دیدی گئی کہ سبحان اللہ شکم مادر میں آتے ہی عالمگیر بارش

ہوئی پارسیوں کا پرانا آتش کدہ بجھ گیا قصر کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے وغیرہ وغیرہ غرضیکہ ساری دنیا میں ان کی تشریف آوری کی اطلاع دے دی گئی اور وان فریقا منھم ان علماء کا دوسرا گروہ جو ہٹ دھرم اور ضدی ہے جس نے دنیا کو دین پر مقدم رکھا ہوا ہے وہ لیکتمون الحق حق پر خوب پردہ ڈالتے ہیں اور اچھی طرح اسے چھپاتے ہیں پھر بھولے سے نہیں بلکہ وھم یعلمون وہ خوب جانتے ہیں یعنی خوب جان کر خوب چھپاتے ہیں کہ ان کی حقانیت اور اپنی نفسانیت دونوں سے باخبر ہیں پھر دونوں ہی کو چھپاتے ہیں کہ اپنے ناحق کو حق اور اس حق کو ناحق بتاتے ہیں یہاں حق سے مراد حضور کے وہ اوصاف حمیدہ ہیں جو توریت و انجیل میں مذکور تھے چونکہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے تھے بناوٹی یا جعلی نہ تھے نہ نفسانی تھے نیز وہ حق تعالیٰ کے ظاہر کرنے والے تھے جنہیں جان کر رب یاد آتا تھا نیز ان اوصاف میں سے ہر وصف حق تھا باطل کوئی نہ تھا اس لئے انہیں حق فرمایا گیا اس حق کو چھپانے کی دو صورتیں تھیں لوگوں سے بیان نہ کرنا اور ان میں تبدیلی کر دینا یا ان کے کلمات کی ایسی تاویلیں توجیہیں کرنا جس سے کمال کمال نہ رہے الحق من ربک بعض قرات میں حق کو زبر ہے اور یہ پہلے حق سے بدل یعنی وہ اس حق کو خوب جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے ہے اور عام قرات میں پیش لہٰذا الحق مبتدا اور من ربک خبر یا الحق ھذا کی پہلی خبر اور من ربک دوسری خبر اور الحق میں الف لام عہدی یا جنسی (تفسیر کبیر) یعنی یہ تبدیلی قبلہ یا یہ کعبہ یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں آپ کے رب کی طرف سے یا یہ حق چیز یعنی کعبہ یا تبدیلی قبلہ یا یہ نبی رب کی طرف سے ہیں اور یا حق وہ ہے جو رب کی طرف سے ہو نہ وہ جو نفس و شیطان کی طرف سے ہو۔ بعض لوگوں نے کہا کہ من ربک وغیرہ میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہے نہ کہ آپ سے کیونکہ یہاں حق سے مراد حضور علیہ السلام ہیں یا ان کے صفات تو آپ کے متعلق لوگوں کے شبہات دور کئے جا رہے ہیں آپ کو تو اپنے بارے میں شک ہونا عقلاً محال ہے۔ حضور کے اسماء طیبہ میں سے ایک نام شریف حق بھی ہے صادق وہ ہے جو واقع کے مطابق ہو اور حق وہ ہے کہ واقع اس کے مطابق ہو کہ خود وہ کہہ دے ویسا ہی ہو جاوے حضور بذات خود سراپا حق ہیں کہ جو ان کے منہ سے نکلے وہ ہو جاتا ہے ؎

تیرے اشارہ سے سب کی نجات ہو کے رہی	تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا کہ دن ہے تو دن نکل آیا	جو دن کہہ دیا سب ہے تو رات ہو کے رہی

یعنی اے مسلمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں فلا تکونن من الممترین جب حق یہ ہے تو تم اس میں شک کرنا تو کیا شک کرنے والی جماعت میں سے بھی نہ ہو یعنی خواہ اس قبلہ یا صاحب قبلہ کی اہل کتاب تصدیق کریں یا نہ کریں اس کی موافقت کریں یا مخالفت۔ اے مسلمانوں تم کسی قسم کا تردد نہ کرنا کیونکہ ان کی نبوت معجزات اور بعض علماء اہل کتاب کے اقرار سے ثابت ہو چکی اور تبدیلی قبلہ کے راز تمہیں بتا دیئے گئے نیز عبداللہ ابن سلام وغیرہ نے بھی اس کی تائید کر دی۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانوں ان دلائل سے اہل کتاب کے ایمان کی امید نہ رکھو کیونکہ وہ شک سے نہیں بلکہ حسد سے انکاری ہوئے ورنہ ان کا حال یہ ہے کہ اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں اور موجودہ معجزات سے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف صورت پاک سے ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے لڑکوں کو پہچان لیتے ہیں کہ اس کی صورت دیکھ کر اس کی آواز سن کر اس کی

چال ڈھال ملاحظہ کر کے بے تردد کہہ دیتے ہیں کہ یہ میرا بچہ ہے لاکھوں بچوں میں اس کی شناخت کر لیں بلکہ اس کے کپڑے کو بھی پہچانیں اس کی چیزوں کو بھی جانیں کہ یہ میرے بچے کی ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کے تین گروہ ہو گئے" ایک منصف علماء جو ایمان لے آئے۔ دوسرے جہلا جن سے آسمانی کتابیں چھپالی گئیں۔ تیسرے ضدی اور ہٹ دھرم پادری و راہب۔ وہ حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہیں لہذا اے قرآن پڑھنے والے تو ان کی تائید یا تصدیق پر موقوف نہ رہ حق تو وہ جو رب کی طرف سے ہو نہ وہ جسے ان کے دل پسند کریں تم ان کا انکار یا تردد دیکھ کر خود شک نہ کرنا بلکہ شک والی جماعت سے نہ ہونا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عبداللہ ابن سلام سے پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جانتے ہو اور اس آیت یعرفونہ میں جو معرفت بیان کی گئی اس کی کیا شان ہے انہوں نے فرمایا کہ میں حضور پر اپنے فرزند سے بھی زیادہ یقین رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے عرض کیا کہ حضور کے اوصاف ان کے معجزات ان کی علامت ہماری کتابوں کی گواہیاں آپ پر یقین دلا رہی ہیں اپنے فرزند پر یہ یقین کہاں نہ معلوم کہ اس کی ماں نے کیا کیا ہو دوسرے کے فرزند کو میرا کہہ دیا ہو۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا سر چوم لیا (تفسیر کبیر و عزیزی و خزائن العرفان)

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ علم و معرفت میں بہت فرق ہے۔ اوصاف جاننے کو علم اور ذات پہچاننے کو معرفت کہتے ہیں۔ کلیات یا جزئیات کا اجمالی جاننا علم ہے اور جزئیات کی تفصیل کو جاننا معرفت ہے۔ جانی ہوئی چیز جو خیال سے اتر جاوے اس کو پھر جاننے کو معرفت اور بلا قید جاننے کو علم کہتے ہیں۔ اختیاراً" جاننا جس کے ساتھ اقرار بھی ہو علم کہلاتا ہے اور بلا اختیار جاننا جس کے ساتھ اقرار کی قید نہ ہو معرفت (از عزیزی وغیرہ) لہذا حضور کا یہ علم ایمان ہے مگر ان کی محض معرفت ایمان نہیں اس لئے یہ کفار معرفت کے باوجود بھی کافر ہے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان علم پر موقوف نہیں ہے۔ جیسے ہر جاہل و عالم اپنے فرزند کو بلا دلیل پہچانتا ہے ویسے ہی ذرا سے غور پر ہر شخص حضور کو پہچان سکتا ہے۔ اسی لئے یہاں بیٹوں کی معرفت سے تشبیہ دی گئی بلکہ ان کو بے عقل جانور، سوکھی لکڑیاں، کنکر بلکہ چاند و سورج "کافر و مومن سارا عالم پہچانتا ہے کہ جانور انہیں سجدے کریں لکڑیاں فراق میں روئیں۔ کنکر ان کا کلمہ پڑھیں۔ ڈوبا ہوا سورج اشارے پر واپس ہو۔ پورا چاند اشارہ پر پھٹ جائے۔ بادل ان کے اشارہ ابرو پر آکر برس بھی جاویں اور واپسی کے حکم پر برس کر لوٹ بھی جاویں۔ آج بھی اگر ذرا سا غور کر لیا جاوے تو حضور کی نبوت ظاہر و باہر ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسلام کی سلطنت اور ربانی اسلام کی بادشاہت ہے اگرچہ مسلمان دوسروں کے غلام بن گئے۔ گورنمنٹ نے ٹیکس وصول کرنے اپنے قوانین چلانے کے لئے جیل، جرمانہ، پھانسی گھر وغیرہ رکھے ہیں تو بھی قوانین پر پورا عمل نہیں ہوتا مگر یہ سرکاری ٹیکس، زکوۃ، قربانی، فطرہ وغیرہ لاکھوں روپیہ ہر سال مسلمانوں سے بہت آسانی سے وصول ہو رہا ہے اور سخت سے سخت حکم پر عمل جاری ہے معلوم ہوا کہ وہ دلوں کے بادشاہ ہیں۔ تیسرا فائدہ ہر شخص اپنے فرزند کی چیزوں اس کے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانتا ہے اسی طرح سارا عالم حضور کے غلاموں اور دشمنوں کو اسی طرح مدینہ پاک اور ان کے تبرکات کو جانتا ہے۔ حضرت سفینہ نے شیر سے کہا کہ میں حضور کا غلام ہوں تو وہ کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا آگے ہو لیا۔ ابولہب کے بیٹے عتبہ نے گستاخی کی تو شیر نے اس کو سوتے ہوئے منہ کی بو سونگھ کر پھاڑ ڈالا اور گوشت بھی نہ کھایا کہ گستاخ کا گوشت جانور بھی نہیں کھاتے۔ دیکھو

ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن- چوتھا فائدہ اپنے پیارے کی پیشانی و سر محبت میں چومنا جائز ہے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوا بشرطیکہ وہ محل شہوت نہ ہو- پانچواں فائدہ وحی کے بعد کسی تائید کی ضرورت نہیں مگر کشف و الہام ولی بغیر تائید وحی قابل قبول نہیں (عزیزی) یعنی اولیاء اللہ کا وہی کشف و الہام معتبر ہے جو خلاف شرع نہ ہو اور پیغمبر کی وحی و کشف وغیرہ بہر حال قبول جیسا کہ یہاں فرمایا گیا- الحق من ربک ساتواں فائدہ حضور کے اوصاف چھپانا بھی ان کا ذکر نہ کرنا بد ترین گناہ ہے جس میں علماء یہود گرفتار تھے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج حضور کے اوصاف بیان نہیں کرتے اور حضور کی نعت خوانی سے لوگوں کو ہزار حیلوں بہانوں سے روکتے ہیں ان کے اوصاف بیان کرنا بہترین عبادت ہے۔

جی باقی جس کی ثنا مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا ایسے پیارے سے محبت کیجیے-

پہلا اعتراض : جب حضور علیہ السلام کو ہر شخص بلکہ ہر چیز پہچانتی ہے تو یہاں علماء اہل کتاب کا خصوصیت سے کیوں نام لیا گیا کہ وہ پہچانتے ہیں- جواب- اس لئے کہ بیٹے کی پہچان کی طرح تشریف آوری کو پہلے سے وہی جانتے ہیں دوسروں نے تو تشریف آوری کے بعد معجزات وغیرہ دیکھ کر ہی پہچانا یا اگلی کتابوں کی بشارت سے صرف یہ علماء ہی پہچانتے ہیں دوسرے لوگ دوسری علامات سے یا تبدیلی قبلہ کی حقانیت کعبہ معظمہ کی حرمت علماء ہی جانتے ہیں- نیز یہاں جان کر پہچان کر انکار کرنے اور نہ ماننے کا ذکر ہے یہ کام صرف علماء یہود ہی کا تھا تمام مخلوق جانتی پہچانتی بھی ہے اور حضور کو مانتی بھی ہے- دوسرا اعتراض یہاں بیٹوں کا ہی ذکر کیوں فرمایا گیا یا تو لڑکیوں کا بھی ذکر ہوتا یا اولاد فرمایا جاتا جو سب کو شامل تھا- جواب اس لئے کہ بیٹے کو باپ کے سواء دوسرے بھی پہچانتے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے اگر یہ اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے تو سب گواہی دینے کو تیار ہوں- بیٹی کو دوسرے نہیں پہچانتے ایسے ہی علماء اہل کتاب کے علاوہ دوسرے بھی نبوت سرکار کے دل سے اقراری تھے- نیز بیٹا قریباً" ہر دم باپ کے ساتھ رہتا ہے بیٹی برسوں غائب- لہٰذا بیٹی بھولی جاسکتی ہے نہ کہ بیٹا- تیسرا اعتراض- یہاں یہ کیوں نہ فرمایا گیا کہ **کما یعرفون انفسھم** جیسا کہ وہ اپنے آپ کو جانتے ہیں اپنی پہچان زیادہ قوی ہے- جواب- اس لئے کہ اپنی پہچان دنیا میں آکر کچھ ہوش سنبھال کر ہوتی ہے- ماں کے پیٹ اور شروع ولادت میں اپنی خبر نہیں ہوتی مگر بیٹے کے نطفہ قائم ہوتے ہی باپ اس کو پہچانتا ہے اور بچپن سے اس کے نام و اوصاف سے واقف ہوتا ہے علماء اہل کتاب بھی حضور علیہ السلام کو ولادت سے پہلے جانتے اور لوگوں کو خوشخبریاں دیا کرتے تھے بلکہ ان کے نام و کام سے باخبر تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے ہی فرما گئے تھے **اسمہ احمد**- چوتھا اعتراض- نبی امت کے والد کی مثل ہوتے ہیں یہاں اولاد کی معرفت سے کیوں تشبیہ دی- یوں کہا ہوتا کہ جیسے اپنے باپ کو پہچانتے ہیں- جواب- باپ کی پہچان سے بیٹے کی پہچان تین وجہ سے قوی ہے ایک یہ کہ بیٹا اپنے باپ کو صرف لوگوں کے کہنے سے پہچانتا ہے نہ کہ دلائل سے مگر باپ دلائل سے کہ اس کی ماں سے اس کا نکاح' قرار نطفہ' پیدائش' پرورش وغیرہ بھی جانتا ہے- دوسرے یہ کہ بیٹا باپ کو ہوش سنبھالنے پر جانتا ہے اس سے پہلے نہیں مگر باپ بیٹے کو قرار نطفہ کے وقت سے- تیسرے یہ کہ باپ بیٹے کو قرار نطفہ سے پہلے بھی اجمالاً" جانتا ہے کہ میرے کوئی بچہ ہو گا- اہل کتاب کو حضور علیہ السلام کا علم پیدائش سے پہلے دلائل سے تھا لہٰذا اپنے بیٹے کے علم سے تشبیہ دینا زیادہ بہتر ہوا- پانچواں اعتراض نبی کی پہچان بیٹے کی پہچان

سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا۔ پھر اعلیٰ کو ادنیٰ سے کیوں تشبیہ دی۔ جواب۔ نبوت کی پہچان یقیناً" زیادہ قوی ہے کہ معجزات وغیرہ سے اس کا پتہ لگتا ہے مگر صورت پاک دیکھتے ہی بلا تامل نبی کو پہچان لینا یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ بیٹا پہچانا جاتا ہے یا صرف شہرت کی بنا پر تشبیہ ہے۔ چھٹا اعتراض۔ نبی کی معرفت ہی ایمان ہے چاہئے کہ پہچاننے والے کفار مومن ہوں کہ وہ حضور کو پہچانتے ہیں۔ جواب۔ اس کا جواب تفسیر میں ہی گذر گیا۔ تصدیق و اقرار کا نام ایمان ہے نہ کہ فقط غیر اختیاری قلبی پہچان کا۔ اگر کسی کی قابلیت و کمال بلا اختیار کسی کے دل میں بیٹھ جائے مگر وہ اس کی مخالفت ہی کرتا رہے تو یہ مومن نہیں دوست وہ جسے دلی گرویدگی اور زبانی اقرار ہو اسی گرویدگی کا نام تصدیق ہے اور یہ ہی ایمان ہے کفار کو یہ حاصل نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ : علم دو ہیں اضطراری اور اختیاری مگر حسد و عناد ان دونوں کا حجاب۔ جو نفسانی ظلمات میں گرفتار اور حسد و عناد کے حجاب میں محجوب ہے وہ ان دونوں علموں کے فوائد سے محروم نہ تو اس کو کسی کا کلام مفید نہ لوم ملام۔ پھر عالم تین گروہ ہیں۔ مقلد جن کا علم تقلیدی ہے یہ عوام کو حاصل۔ محقق جن کا علم تحقیق۔ یہ شریعت و طریقت کے مجتہدین کا حصہ۔ مشاہد جن کا علم مشاہدہ و معائنہ ہے یہ عارفین کاملین کا نصیب۔ جب تک انسان نفسانی خواہشات اور اغواء شیطانی سے پاک و صاف نہ ہو کیسا ہی عالم و عاقل ہو معرفت کے پھل نہیں کھا سکتا۔ شیطان کو کامل علم و عقل حاصل تھے مگر طغیان ہی ہاتھ آئی۔ یہ ہی علماء اہل کتاب کا حال ہوا کہ ان کو معرفت حاصل تھی مگر اس کے فوائد سے محروم رہے۔ لہٰذا علم سے پہلے تزکیہ نفس چاہئے۔ علم بغیر تزکیہ نفس نقصان دہ ہے جیسے کہ دیوانہ کی تلوار جس سے وہ خود اپنے کو ہی ہلاک کرتا ہے (روح) صوفیاء فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں حق سے مراد حضور کے اوصاف ہیں اور دوسری آیت میں حق سے مراد حضور انور کی ذات بابرکات حق مقابل باطل کا بھی ہوتا ہے اور مقابل زائل کا بھی حضور انور کی ذات ان کی ہر ادا حق ہے باطل کوئی نہیں لہٰذا آپ کا نام حق ہے ہمارے سر سے پاؤں تک ہر عضو سے حق کام بھی صادر ہوتے ہیں باطل بھی۔ نیز ہمارے نام و کام وغیرہ سب فانی ہیں۔ حضور انور کی ذات نام کام تمام باقی غیر فانی ہیں بحکم الٰہی سب کو بقا ہے لہٰذا حضور حق یعنی غیر زائل ہیں دیکھو حضور کا دین کلمہ نبوت عزت کسی کے لئے فنا نہیں نیز حضور کی ذات حق و باطل کی پہچان کا معیار ہے جسے وہ حق کہہ دیں وہ حق ہے جسے باطل فرمادیں وہ باطل ہے ہماری عقلیں حق و باطل کی پہچان میں ناکام ہیں۔ لہٰذا حضور کا نام حق ہے خیال رہے کہ دنیا میں برا بھلا ملا جلا ہے جسمانی برے بھلے کی پہچان آنکھ ناک کان زبان سے ہوتی ہے اور جہاں یہ حواس چھانٹ نہ کرسکیں تو حکومتوں نے کچھ ایسی مشینیں ایجاد کی ہیں جن سے کھرے کھوٹے میں چھانٹ ہو جاتی ہے اور روحانی برائی بھلائی یعنی حق و باطل کی چھانٹ نہ تو ہمارے اعضاء ظاہری کرسکیں نہ عقل انسانی نہ کوئی انسانی آلہ ضرورت تھی کہ رب تعالیٰ بندوں کی اس مجبوری پر رحم فرما کر کوئی چھانٹ کرنے والا بھیجے اسی چھانٹ کرنے والے کا نام حضور محمد مصطفیٰ ہے جس کی یہاں اور دوسری آیات میں خبر دی گئی ہے جیسے آنکھ سے اچھے برے مزے محسوس نہیں کرسکتے اس کے لئے ناک زبان کی مدد چاہئے ایسے ہی انسانی عقل سے حق و باطل نہیں پہچان سکتے اس کے لئے فرمان مصطفوی درکار ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا
اور واسطے ہر ایک کے ایک سمت ہے کہ وہ منہ کرنیوالا ہے اُدھر پس بڑھو بھلائیوں کی طرف جہاں کہیں ہو گے تم
اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی طرف منہ کرتا ہے تو یہ چاہیے کہ نیکیوں میں اوروں سے آگے
يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾
لائے گا تم کو اللہ اکٹھا۔ تحقیق اللہ اوپر ہر چاہنے کے قدرت والا ہے
نکل جائیں تو کہیں ہو اللہ تم سب کو اکٹھا لے آئے گا۔ بے شک اللہ جو چاہے کرے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پہلے تبدیلی قبلہ کی کچھ حکمتیں بیان ہو چکیں اب ان کے علاوہ ایک اور حکمت بیان ہو رہی ہے کہ عادت الٰہی یہ ہے کہ اس نے ہر دین و ملت کے لئے کوئی قبلہ مقرر فرمایا اسی طرح اگر تمہارے لئے بھی کعبہ قبلہ بن گیا تو کیا حرج ہوا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اس قبلہ کو کبھی نہ مانیں گے اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہر قوم کی توجہ علیحدہ ہے ان سب کا اتفاق ناممکن لہٰذا اے مسلمانو تم انہیں متفق کرنے کی کوشش میں اپنا کام نہ چھوڑ دو تم خیر کی طرف دوڑو۔ تیسرا تعلق پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہوا کہ وہ نبی علیہ السلام کو پہچان کر نہیں مانتے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہر نفس کا رخ علیحدہ ہے۔ ولا کل سے نفس کا رخ نہیں پلٹتا۔ تو اے مسلمانو! تم اپنی منزل مقصود کی طرف دوڑے جاؤ۔ جب وہ غلطی پر ایسے اڑے ہوئے ہیں تو تم کو چاہیے کہ حق پر جمے رہو۔

تفسیر : **ولکل وجھۃ** وجہ اور وجہۃ قصد و ارادہ کو اور وجہۃ اور وجہۃ مقصد کو کہا جاتا ہے۔ جس کی طرف قصد کیا جائے۔ یہاں وجہۃ دوسرے معنی میں ہے۔ یعنی جہت و سمت اور مقصد۔ اس جملہ کی دو قراتیں ہیں ایک وجہۃ کا پیش اور لکل کی تنوین سے۔ اس صورت میں کل کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے یا تو دین ہے یا قوم یا امت یعنی نصرانیت و یہودیت وغیرہ ہر دین کے لئے کوئی نہ کوئی جہت و قبلہ ہے جدھر رخ کر کے وہ عبادت کرتے ہیں یا ہر شخص اور ہر نفس کا کوئی منزل مقصود ضرور ہے یا مسلمانوں میں سے ہر قوم کے لئے قبلہ کی ایک خاص جہت ہے کہ ہر جماعت کعبہ ہی کو منہ کرے گی مگر ہر ملک کے لحاظ سے ان کی سمتیں مختلف ہوں گی کسی کی جنوبی کسی کی شمالی کسی کی شرقی کسی کی غربی۔ (تفسیر کبیر) لہٰذا وجہۃ سے سمت یا رائے یا دین یا قبلہ مراد ہے دوسری قرات میں وجہۃ کو زیر ہے۔ کل کا مضاف الیہ اس صورت میں اس کا تعلق **مولیھا** سے ہے یعنی ہر جہت کی طرف **ھو مولیھا** ھو کا مرجع یا رب تعالیٰ ہے یا کل یعنی وہ اللہ ہر ایک کو اس کی جہت کی طرف پھیرنے والا ہے کہ جس کے لئے ازل میں جو کچھ مقرر کر دیا اُدھر ہی اس کی رغبت بھی دے دی یا اہل کتاب میں سے جس کے لئے جو قبلہ مقرر کر دیا اُدھر ہی اسے پھیر دیا یا وہ شخص اور وہ جماعت اُدھر اپنا رخ کئے ہوئے ہے۔ ممکن ہے کہ مولیٰ بمعنی محب ہو یعنی ہر شخص اپنے ہی دین اور اپنی ہی رائے کو پسند کر رہا ہے (کبیر) ایک قرات میں مولیٰ ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے دین و قبلہ کی طرف پھیر دیا گیا ہے جب ہر شخص کو اپنا دین پسند ہے تو اے مسلمانو! **فاستبقوا الخیرات** تم بھلائی حاصل کرنے میں سب سے آگے بڑھ جاؤ۔ خیرات خیرۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں بہتر

اور فاضل چیز یا تو اس سے ہر بھلائی مراد ہے یعنی ہر نیکی میں تم سب سے آگے رہو اور یا کعبہ معظمہ کیونکہ وہ صدہا بھلائیوں کا ذریعہ ہے او ھری نماز ہو وہاں ہی حج ہو اور وہاں سے ہی رب کی رحمت ہر طرف جائے یعنی اے مسلمانو تم اس کعبہ کی طرف حج کے لئے دوڑو جو ہزارہا بھلائیوں کی اصل ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی لوگ ایسے ہی مختلف رہیں گے نہیں بلکہ **این ما تکونوا** اس میں یا تو صرف مسلمانوں سے خطاب ہے یعنی تم مشرق و مغرب کہیں بھی ہو اور تمہاری سمت قبلہ کوئی سی بھی ہو یا ہر دین والے سے خطاب ہے یعنی اے لوگو تم کدھری رخ کرو اور کوئی بھی دین اختیار کرو جہاں بھی اور جس حال میں ہو گے **یات بکم اللہ جمیعا** قیامت میں حق تعالیٰ تم سب کو جمع فرمائے گا اس طرح کہ سارے ایک میدان میں ہوں گے اور ہر ایک کو دوسرے کے کفر و اطاعت سے نقصان یا فائدہ بھی پہنچے گا کہ کفار کے سردار تو اپنے معتقدین کے باعث سخت سزا پائیں گے اور مشائخ و علماء اپنے معتقدین اور مریدین کے ذریعے بڑے مراتب حاصل کریں گے اسی طرح ناقص لوگ کاملوں کی برکت سے کامل ہو جائیں گے (عزیزی) اور ان بکھروں کا جمع کرنا اور ناقصوں کو کامل فرمانا رب کے نزدیک کوئی مشکل نہیں کیونکہ **ان اللہ علی کل شیء قدیر** اللہ ہر چاہے پر قادر ہے جو چاہے وہ کر سکتا ہے تم کو چاہئے کہ ہمیشہ اس سے ڈرتے رہو۔

خلاصہ تفسیر : ہر شخص اور ہر قوم اور ہر ملک کی کوئی سمت' جہت یا قبلہ یا دین و رائے ضرور ہے جس طرف اس کا دلی رجحان ہے تم سب کو ایک رائے پر متفق کرنے کا خیال دل سے نکال دو اور کسی کے اعتراض کی پروا نہ کرو بلکہ اپنی فکر میں رہو کہ بھلائیوں کی طرف سب سے آگے بڑھو۔ نماز و روزہ' ذکر خدا' اچھے اخلاق نفسانی خواہشات سے دوری شیطان سے نفرت اور رحمٰن سے محبت میں سرگرم رہو اور اس کعبہ ابراہیمی پر جمے رہو جو سب سے اعلیٰ و افضل ہے اور یہ بھی خیال رکھو کہ یہ جہتوں کا اختلاف اور ایک دوسرے سے دوری اسی عالم میں ہے ورنہ آخرت میں تو سب کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جہت اور ایک ہی روش پر جمع فرمائے گا اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسی کے تخت کو قبلہ بنائے کھڑے ہوں گے۔

دوسری تفسیر : اے مسلمانو تم سے پہلے ہر قوم کے لئے ایک خاص جہت مقرر رہی اور تم میں بھی ہر ملک والے کے لئے علیحدہ سمت قبلہ ہے کسی کا شرقی کسی کا غربی کسی کا جنوبی کسی کا شمالی تمہارے واسطے ہر جہت نیک بختی حاصل کرنے کا میدان ہے تم بھلائیوں کی طرف دوڑو اور یہ خیال نہ کرو کہ تم اس میدان میں اودھر اودھر ہو جاؤ گے اور تمہارا ایک دوسرے میں اتفاق نہ ہو گا اور کسی کو کسی سے فیض نہ ملے گا۔ نہیں بلکہ رب تم سب کو اپنی بارگاہ خاص میں جمع فرمائے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تیسری تفسیر : اے مسلمانو تم دنیا کے مسلمانو کا تو قبلہ ایک کعبہ ہی ہے مگر ہر ملک والے کے لئے سمت قبلہ علیحدہ علیحدہ ہے جدھر وہ نماز وغیرہ میں رخ کرتا ہے ہر سمت والا نیکیوں میں جلدی کرے نہ معلوم موت کب آ جاوے یا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔

چوتھی تفسیر : اے لوگو تمہارے دل' دماغ' نفس' روح' خیال' اعمال کا الگ الگ قبلہ ہے۔ نفسانی قبلہ دنیا اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ ہے۔ شیطانی قبلہ گناہ و بدکاری۔ قلبی قبلہ ایمان' دینداری۔ روحانی قبلہ اطاعت پروردگار ہے۔ لہذا تم دل و روح کے قبلہ پر رہو اور نیکیوں میں جلدی کرو۔

پانچویں تفسیر : اے لوگو تمہاری ہر ساعت کا قبلہ علیحدہ چاہئے تمہارا اول "آنا" "فانا" پلٹ جاتا ہے صبح متقی دوپہر کو بدکار شام کو اور حال لہٰذا جب نیکی کا ارادہ ہو تو جلدی کر لو۔

چھٹی تفسیر : نیک بخت و بدبخت میں سے ہر ایک کا قبلہ الگ ہے۔ جس پر نور کا چھینٹا پڑ گیا ہے اس کا قبلہ سعادت ہے اور جو اس چھینٹے سے دور رہا اس کا قبلہ شقاوت و بدبختی ہے سعید اگر بت خانے میں بھی جائے گا تو وہاں بت پرستوں بلکہ بتوں کو کلمہ پڑھائے گا۔ بدبخت اگر مسجد میں بھی پہنچے گا تو جوتیاں چرائے گا ہر قسم کا آدمی ہر جگہ اپنے قبلہ پر رہتا ہے اس سے ہٹتا نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ ایک دوسرے پر دینیات میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنا بہت بہتر ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ جیسے ہر ملک کی سمت قبلہ علیحدہ مگر کعبہ سب کا ایک لہٰذا ان سب کی نماز قبول اور یہ سب اللہ کے مقبول۔ ایسے ہی طریقت میں ہر جماعت کا طریقہ ذکر علیحدہ اور شریعت میں حنفی 'شافعی' مالکی' حنبلی مذاہب کے اعمال کچھ مختلف لیکن قبلہ مقصود سب کا ایک یعنی حبیب رب ودود صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا یہ سب اللہ کے پیارے ہاں جو ان سے الگ ہو کر خواہشات نفس پر چل دیا وہ ضدی اہل کتاب کی طرح مردود خیال رہے کہ شریعت و طریقت کے چاروں سلسلوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح گھیر لیا ہے جیسے روئے زمین کی چار سمتوں نے کعبہ معظمہ کو یا جیسے چار شیشہ والی لالٹین کے شیشوں نے اندرونی شمع کو کہ کوئی ان سے علیحدہ رہ کر نہ کعبہ کو رخ کر سکتا ہے نہ شمع کا فیض پا سکتا ہے اسی طرح کوئی ان سلسلوں سے علیحدہ ہو کر فیضان نبوی حاصل نہیں کر سکتا آج منکرین تقلید بھی ہر مسئلہ میں کسی نہ کسی امام کا ہی نام لیتے ہیں ان کے پاس علیحدہ کوئی چیز بھی نہیں جو ان چاروں سلسلوں سے حقیقتاً الگ رہے وہ کعبہ ایمان یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ **تیسرا فائدہ**۔ ازل میں جو جس کے لئے لکھ دیا گیا اس کو ادھر ہی راغب کر دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ**۔ انسان کو چاہئے کہ ہر کام میں رضاء الٰہی تلاش کرے جیسا کہ **فاستبقوا الخیرت** سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ**۔ دنیاوی حرص بری چیز ہے مگر دینی حرص نہایت اعلیٰ عبادت ہے صحابہ کرام ہمیشہ نیکیوں میں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر رہنے کی کوشش کرتے تھے رب نے ہم کو بھی حکم دیا کہ **فاستبقوا الخیرت** نیکیوں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تا کہ خدا کا شکر کرو دینی کاموں میں اپنے سے اعلیٰ کو دیکھو تاکہ اپنی عبادات پر فخر نہ ہو اور زیادہ عبادت کرنے کا شوق ہو۔ **چھٹا فائدہ**۔ قیامت میں تمام امتیں اور ان کے اولیاء و علماء جمع ہوں گے۔ ان کے اعمال پیش ہوں گے لہٰذا امت محمدیہ کو چاہئے کہ ان سب امتوں سے زیادہ نیکیاں کریں تاکہ حضور انور خوش ہوں۔ اسی لئے رب نے فرمایا **این ما تکونوا** ۔الخ۔

پہلا اعتراض : عربی قاعدہ کے مطابق وجہۃ کی واؤ گر جانی چاہئے۔ جیسے کہ زنۃ اور عدۃ سے گر گئی۔ یہاں واؤ کیوں باقی رہی۔ **جواب** اس لئے کہ واؤ یا تو فعل سے گرتی ہے یا فعل کی اتباع میں مصدر سے اور یہ نہ مصدر ہے نہ فعل بلکہ اسم تام ہے اور زنۃ و عدۃ مصدر (عزیزی) **دوسرا اعتراض** مذہب شافعی میں عشاء کے سوا ہر نماز اول وقت پڑھنا بہتر ہے مگر مذہب حنفی میں مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا ہر نماز دیر سے پڑھنا مستحب۔ اس آیت میں بھلائی کی طرف جلدی کرنے کا حکم ہے اور نماز بھی تو بھلائی ہے۔ چاہئے کہ اس میں بھی جلدی کی جائے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ تین کاموں میں دیر نہ کی جائے

نماز میں جب اس کا وقت آجائے۔ نماز میت میں جب جنازہ تیار ہو جائے اور بیوہ کے نکاح میں جب اس کا کفو مل جائے نیز نماز میں دیر لگانا کسل اور سستی ہے اور سستی خدا کو ناپسند نیز زندگی کا اعتبار نہیں ممکن ہے کہ نماز کے آخر وقت تک عمر وفا نہ کرے۔ ان دلائل کے ہوتے ہوئے حنفی مذہب میں تاخیر نماز کیوں مستحب ہے۔ جواب وقت نماز آتے ہی اس کی تیاری کرنا دنیوی کاروبار چھوڑ دینا ضروری ہے اور سبقت خیرات کے یہ ہی معنی ہیں پھر نماز کے انتظار میں بیٹھنا زیادہ ثواب۔ جلدی نماز پڑھنے والے انتظار کے ثواب سے محروم ہیں۔ حنفی دو ثواب پاتے ہیں۔ اولاً انتظار کا پھر نماز کا آپ کی پیش کردہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں وقت مستحب سے نماز مؤخر کرنا واقعی منع ہے اور اس وقت مستحب تک تاخیر کرنا دیر میں داخل نہیں اگر کوئی شخص وقت کے اندر نماز بغیر پڑھے مر جائے تو گنہگار نہیں کیونکہ وہ نماز کا ارادہ کر رہا تھا آپ لوگ بھی نماز عشاء دیر سے ہی پڑھنے کا حکم دیتے ہیں نیز ہر نماز کی تاخیر کا احادیث میں حکم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ فجر اجالا کرکے پڑھو اس میں ثواب زیادہ ہے دوسری حدیث میں ہے کہ ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھو کیونکہ دوپہری کی گرمی جہنم کی بھڑک ہے۔ تیسری روایت میں ہے کہ اگر امت پر مشق کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم انہیں حکم دیتے کہ عشاء میں تہائی رات تک دیر لگائیں۔ دیکھو مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ اور طحاوی شریف وغیرہ جن روایتوں میں اول وقت نماز پڑھنے کا حکم ہے وہاں وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ پورے وقت کا۔

تفسیر صوفیانہ : دینی اور دنیاوی لحاظ سے ہر جماعت کی سمت اور قبلہ علیحدہ ہے دینی لحاظ سے تو اس طرح کہ ملائکہ مقربین کا قبلہ عرش اعظم اور روحانین کا قبلہ کرسی کروبین کا قبلہ بیت المعمور قبلہ دعا آسمان قبلہ انبیاء بنی اسرائیل بیت المقدس اور آدم و نوح و ابراہیم علیہم السلام اور اسی طرح نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کعبہ اور قبلہ ارواح سدرۃ المنتہیٰ ہے (کبیر و عزیزی وغیرہما) دنیا میں اس طرح کہ کوئی تو کھیتی کرتا ہے کوئی کپڑا بنتا ہے کوئی روٹی پکاتا ہے غرضیکہ مختلف قوم کے مختلف پیشے ہیں۔ شریعت میں اس طرح کہ کوئی قرآن حفظ کر رہا ہے کوئی حدیث کا جامع کوئی فقہ کی طلب میں ہے اور کوئی اصول فقہ کی جستجو میں۔ راہوں میں اس طرح کہ کوئی بت کا عاشق ہے کوئی قصہ کوئی پر فریفتہ کوئی بت خانہ جا رہا ہے کوئی مسجد کی طرف دوڑ رہا ہے۔ یہ لوگ بظاہر مختار اور حقیقت میں حکم پروردگار کے تابعدار ہیں (روح المعانی) دنیوی کاروبار اور دینی مشاغل میں کامیاب وہ ہے جو ہر جگہ رہ کر رب کو تلاش کرے ھو مولیھا میں ظاہری اختیار کا اظہار ہے اور یات بکم اللہ جمیعا میں قدرت ربانی کا ظہور اور فاستبقوا الخیرات میں ہر جگہ اسی کا شہود۔ یا یوں سمجھو کہ ہر عضو اپنے محبوب کا طالب ہے آنکھ جمال کی جویاں ناک خوشبو کی تلاش میں جسم راحت کی جستجو میں تو چاہیے کہ روح رب کی جستجو میں رہے۔ اس جگہ روح المعانی نے فرمایا کہ ہر ایک کا قبلہ علیحدہ ہے ملائکہ کا قبلہ عرش انبیاء کا بیت المقدس حضور کا قبلہ، جسم کعبہ معظمہ اور آپ کا کعبہ، روح رب تعالیٰ اور خود رب کا قبلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی رب تعالیٰ کی نظر کرم ہر وقت اپنے نبی پاک پر ہے اور مثنوی میں تو اس کا فیصلہ ہی فرمادیا کہ فرماتے ہیں۔

قبلہ شاہاں بود تاج و کمر — قبلہ ارباب دنیا سیم و زر
قبلہ صورت پرستاں آب و گل — قبلہ معنی شناساں جان و دل
قبلہ زہاد محراب قبول — قبلہء بد سرتاں کار فضول

قبلہ تن پر وراں خواب و خورش — قبلہ انساں بدانش پرورش
قبلہ عاشق وصال بے زوال — قبلہ عارف جمال ذوالجلال

رب تعالیٰ ہمیں صورت سے سیرت کی طرف ظاہر سے باطن کی جانب اور لفظ سے معانی کی جانب منتقل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ
اور جس جگہ سے نکلو تم بس پھیرو منہ اپنا طرف مسجد حرام کے اور تحقیق وہ البتہ
اور جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور وہ ضرور تمہارے
لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾
حق ہے طرف رب آپ کے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو کرتے ہو تم
رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پہلے معلوم ہوا تھا کہ ہر ملک والے کی سمت علیحدہ ہے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ سمت خواہ کوئی ہو مگر منہ کعبہ ہی کو ہونا چاہئے۔ اختلاف سمت صرف اس لئے ہے کہ کعبہ کا رخ مختلف ہے۔ یعنی اہل کتاب سمت کے پابند مگر تم سمت سے آزاد اور کعبہ معظمہ کے پابند۔ دوسرا تعلق پچھلی آیتوں میں تبدیلی قبلہ کا واقعہ بیان ہوا۔ اب اس حکم کی تعمیم فرمائی جارہی ہے کہ یہ حکم صرف آج یا اس مسجد کے لئے خاص نہیں بلکہ جہاں جاؤ وہاں سے کعبہ ہی کو رخ کرو۔ تیسرا تعلق پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ آپ کی رضا کے لئے یہ تبدیلی ہوئی۔ اس پر سوال پڑ سکتا تھا کہ کعبہ کا قبلہ ہونا بھی حضور کی ذاتی خواہش پر ہے تو اہل کتاب کے قبلہ اور اس قبلہ میں کیا فرق ہوا اس آیت میں جواب دیا جارہا ہے کہ **وانہ للحق** یہ قبلہ حق اور مرضی الٰہی کے مطابق ہے۔ حضور علیہ السلام کے دل میں ہم نے ہی تو یہ خواہش پیدا کی اور پھر ہم نے ہی تبدیلی کی۔ لہٰذا یہ واقعہ ان کی خواہش اور ہماری رضا سے ہوا۔ چوتھا تعلق۔ پچھلی آیت میں خاص اس مسجد نبی سے کعبہ کو منہ کرنے کا حکم ہوا اب ہر جگہ سے اودھر رخ کرنے کا فرمان ہے۔ پانچواں تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم کہیں رہو کہیں مرو کہیں دفن ہو اللہ تم سب کو قیامت میں ایک ہی جگہ جمع فرمادے گا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ قیامت کا کچھ نقشہ بعض اسلامی احکام میں بھی دکھایا گیا ہے کہ ہر جگہ سے ہر قسم کے لوگ ہمیشہ نماز کے وقت ایک ہی کعبہ کو منہ کر کے ایک ہی زبان میں ایک رب کی ایک سی عبادت کریں جیسے آج کعبہ جامع الناس ہے ایسی ہی کل میدان قیامت جامع الناس ہو گا۔

تفسیر : **ومن حیث خرجت فول وجھک** یا تو علیحدہ جملہ ہے اور من زائدہ اور لفظ حیث خرجت کا ظرف مگر چونکہ اس

میں شرط کی بو ہے اس لئے فول میں ف آئی یعنی اس مسجد سے نکل کر آپ جہاں کہیں بھی جائیں اور وہاں نماز پڑھیں تو رخ کعبہ کو کریں یا من ابتدائیہ ہے یعنی جہاں سے نکل کر کہیں جاؤ منہ کعبہ کو کرو یا یہ جملہ فاستبقوا پر معطوف ہے۔ اس صورت میں من ابتدائیہ ہے اور حیث خرجت کا ظرف اور ترکیب میں فول کے متعلق اور ف صلہ کی یعنی جہاں کہیں جائیں وہاں سے رخ کعبہ کو کریں یا یہ کہ ہر وہ جگہ جہاں آپ چل کر پہنچیں اور نماز پڑھیں تو وہاں سے اپنا منہ کعبہ کو ہی کرلیں (روح المعانی) خیال رہے کہ نماز میں قبلہ رخ ہونا فرض ہے اس کے سوا تلاوت قرآن و قربانی وغیرہ میں استحبابی اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز کی حالت مراد ہے اور یہ امر وجوبی اور ہو سکتا ہے کہ ساری عبادتیں مراد ہوں اور یہ امر ارشادی ہو۔ اگرچہ نماز میں سینہ بھی کعبہ کو ہوتا ہے مگر چونکہ چہرہ اصل ہے کہ اسی سے انسان سامنے اور پیچھے ہوتا ہے اس لئے صرف چہرے کا ذکر ہوا اور ممکن ہے کہ وجہ سے مراد ذات ہو جیسے فثم وجہ اللہ اس صورت میں کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اگرچہ سجدہ اور رکوع میں کعبہ کو منہ نہیں رہتا مگر سیدھ اوھری کی رہتی ہے شطر المسجد الحرام یہاں انی پوشیدہ ہے اور مسجد حرام سے یا تو کعبہ معظمہ مراد ہے یا حرم شریف یا پورا مکہ معظمہ کیونکہ وہ سب حرم ہے اور اسی میں بیت اللہ واقع یعنی یہاں سے باہر جاکر اپنا رخ اس مسجد کی طرف نہ کرنا جہاں تبدیلی قبلہ کا حکم ہوا بلکہ ادھر کرنا جس میں کعبہ ہے۔ شطر فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دور سے بالکل کعبہ کا مقابل ہونا ضروری نہیں صرف سمت کعبہ کا پالینا کافی ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ یہ سب کچھ صرف آپ کی رائے سے ہے "نہیں بلکہ وانہ للحق یہ کعبہ یا تبدیلی قبلہ یا ہر جگہ سے ادھر رخ کرنا عین حق اور حکمت کے موافق ہے یہ عبارت حصر کا فائدہ دے رہی ہے یعنی یہ ہی قبلہ حق ہے باقی سب باطل اور ہو سکتا ہے کہ للحق میں الف لام عہدی ہو یعنی یہ وہی حق ہے جس کا ذکر توریت و انجیل میں ہوا۔ یا حق زائل کا مقابل ہے یعنی اب تک جس قبلہ کی طرف تمہیں رکھا گیا وہ قابل نسخ تھا مگر یہ قبلہ حق یعنی ابد الاباد تک باقی ہے کبھی زائل یا منسوخ نہ ہو گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک میں کعبہ کا شوق پیدا ہونا نفسانی خواہش یا شیطانی وسوسہ نہیں بلکہ من ربک آپ کے رب کی طرف سے ہے کہ اس کی مرضی ہی یہ تھی کہ آپ کعبہ کو چاہیں اور پھر وہ قبلہ بنے تاکہ نمازی کا سر کعبہ اور آپ کی رضا کی طرف جھکے اور کعبہ کی عظمت کے ساتھ تمہاری محبوبیت کا سارے عالم میں ڈنکہ بج جائے اور اے مسلمانو یا اے لوگو یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے پچھلے یا موجودہ اور آئندہ عمل بیکار جائیں گے یا بیت المقدس کی طرف نمازیں فائدہ مند نہ ہوں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وما اللہ بغافل عما تعملون اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور باطنی اعمال سے بے خبر نہیں وہ جانتا ہے کہ تم پہلے بھی اس کے مطیع تھے اور اب بھی۔ تمہیں تو اطاعت کا ثواب ملے گا اور وہ ہر وقت موجود ہے یہ تبدیلی ہماری طرف سے ہے نہ کہ تمہاری لہٰذا تمہارے ثواب میں کیوں فرق آئے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو یہ حکم قبلہ اس جگہ کے لئے ہی نہیں اور تم کسی سمت کے پابند بھی نہیں۔ جہاں جاکر نماز پڑھو وہاں سے اپنا رخ کعبہ معظمہ کی طرف ہی کرو اور یہ نہ سمجھنا کہ کعبہ بھی یہود و نصاریٰ کے قبلہ کی طرح نفسانی خواہش کا نتیجہ ہے نہیں یہ تو بالکل حق ہے اور تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ جس کا ذکر گزشتہ کتابوں میں بھی ہے اور حضور علیہ السلام کے دل میں یہ خواہش پیدا ہونا بھی رب کی طرف سے تھا اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ رب تعالیٰ تمہیں نیکیوں کی جزا اور مذاق اڑانے والوں کو سزا نہ دے گا یا تمہاری ان نمازوں کا ثواب کم عطا فرمائے گا جو بیت المقدس کی طرف ہوئیں۔ یہ نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ تمہارے

ظاہری و باطنی اعمال سے بے خبر نہیں تم نے ہمیشہ اس کی اطاعت کی چونکہ تمہاری اطاعت ہروقت یکساں رہی لہٰذا ثواب بھی یکساں ہوگا۔ خیال رہے کہ پچھلے دین بالکلیہ قابل نسخ تھے اس لئے منسوخ ہوتے رہے دین اسلام بالکل ناقابل نسخ ہے مگر اسلامی احکام بعض شخصی تھے بعض ملکی اور بعض عالمگیری نیز بعض ہنگامی حالات کے احکام تھے اور بعض دائمی ہنگامی حالات کے احکام قابل نسخ تھے اور دائمی احکام ناقابل نسخ بعض قرآنی آیات اور بہت سی احادیث ہنگامی حالات بیان کررہی ہیں جو منسوخ ہوچکیں مگر قرآن مجید میں اور کتب احادیث میں موجود ہیں رب فرماتا ہے زانیہ سے زانی یا مشرک نکاح کرے مومنوں پر حرام ہے اور فرماتا ہے بیوہ عورت ایک سال تک عدت کرے متاعا" الی الحول غیر اخراج" حضور فرماتے ہیں جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہوگیا یا حضور نے فرمایا جس گھر یا قوم میں کھیتی باڑی کے آلات ہوں گے وہ ذلیل ہوجاوے گی یا پختہ مکان بنانے سے پختہ قبریں بنانے سے منع کیا یہ سب موقع و محل کے لحاظ سے احکام تھے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اہل کتاب کی سمت مقرر ہے عیسائیوں کی مشرق یہود کی مغرب مشرکین کی نہ سمت مقرر اور نہ ان کا کوئی قبلہ مگر مسلمانوں کی سمت تو مقرر نہیں قبلہ معین حاجی جہاز میں مختلف سمتوں پر نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ جہاز کا رخ بدلتا ہے ویسے ہی ان کا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان حکم الٰہی کے پابند ہیں نہ کہ مخلوق کے۔ اسی لئے اسلامی مہینوں کے نہ تو دن مقرر ہیں نہ موسم۔ ماہ رمضان کبھی 29 کا کبھی 30 اور کبھی سردی میں کبھی گرمی میں۔ دوسرا فائدہ۔ انبیاء کرام کی خواہشات رب کی رضا سے ہیں دوسرے میں یہ وصف نہیں دیکھو بظاہر تبدیلی قبلہ حضور کی مرضی سے ہوئی مگر حق تعالیٰ نے فرمایا من ربک یہ سب کچھ آپ کے رب کی طرف سے ہوا بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان حضرات کی خطائیں بھی اگرچہ بظاہر امر الٰہی کے خلاف ہوں مگر رضاء الٰہی کے خلاف نہیں اسی لئے ان کی خطا پر ہزاروں رحمتیں نازل ہوتی ہیں دیکھو آدم علیہ السلام کا گندم کھانا بظاہر حکم **ولا تقربا هذه الشجرة** کے خلاف تھا اور خطا مگر اس خطا پر ہی عالم انسانی کی بنیاد قائم ہوئی اور رب کا منشاء ہی یہ تھا اس نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ **انی جاعل فی الارض خلیفة** انہیں زمین ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا اسی لئے جو کچھ انہیں خطا پر عتاب ہوتا ہے وہ بظاہر قہر در حقیقت مہر یعنی محبت ہے لطف تو دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جس پر عتاب آیا مگر ساتھ میں یہ بھی حکم آیا کہ جو کفار سے مال لے لیا ہے وہ کھاؤ اور آئندہ بھی فدیہ لے کر چھوڑ دیا کرنا رب جانے یہ کیا راز ہے کہ جس کام پر عتاب ہے وہی قانون بنادیا گیا۔ وہاں گندم کھانے پہ عتاب تھا مگر پھر سارے جہان کو ہزار طریقوں سے گندم ہی کھلایا گیا۔ تیسرا فائدہ۔ سواری کے نفل میں بھی نماز کی نیت باندھتے وقت منہ کعبہ کو رکھنا چاہئے بعد میں خواہ کدھر ہو جائے کیونکہ **فول وجهک** ہر حالت کے لئے ہے اسی طرح لیٹ کر نماز پڑھنے میں بھی چہرہ ضرور کعبہ کو ہو۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں **خرجت** اور **فول** واحد حاضر کے صیغے ہیں اور **تعملون** صیغہ جمع اس فرق کی کیا وجہ۔ جواب۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم ہر مسلمان کو ہے اور چونکہ مسلمان بڑی جماعت ہیں لہٰذا اول میں ہر شخص کے لحاظ سے صیغہ واحد فرمایا گیا اور آخر میں جماعت کے لحاظ سے جمع اور ہو سکتا ہے کہ اولا" حضور علیہ السلام سے خطاب ہو اور آخر میں عام لوگوں سے جیسے کہ **یا ایها النبی اذا طلقتم النساء** دوسرا اعتراض۔ حکم اول میں کچھ تفصیل نہیں تو چاہئے کہ ہر نماز میں ہروقت

منہ کعبہ کو رہے مسافر کی نفل میں اس کی معافی کیوں ہو گئی۔ جواب۔ ہر حکم ہمیشگی اور تکرار نہیں چاہتا۔ اس آیت سے صرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔ کب تک منہ رہے اس سے سکوت ہے۔ حدیث نے اس کی تفصیل کی کہ شہر میں تو پورے قیام اور قعود میں اوھر منہ ہو اور سواری کے نفل میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت وہ حدیث اس آیت کی ناسخ نہیں بلکہ تفسیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : مومن کا دل مسجد حرام ہے اور اس کے حواس اور دنیوی کاروبار مختلف راستے چونکہ قلب تجلی گاہ الٰہی ہے اور وہاں شیطان کی گذر حرام۔ اس لئے اسے مسجد حرام قرار دیا گیا تو فرمایا یہ جارہا ہے کہ ظاہری حواس اور دنیوی کاروبار کے راستے سے جہاں کہیں آپ آئیں اپنی توجہ قلب کی طرف ہی رکھئے جو کہ حق کی تجلی گاہ اور تمام اعضاء کا سجدہ گاہ ہے ہر حال میں وہاں رب کا مشاہدہ فرمایئے تاکہ تمہارے سارے کام اللہ سے ہوں نہ کہ نفس سے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہاری ہر بات حق اور تمہارا ہر کام جانب رب سے ہو گا۔ اپنے حرکات اور کلمات کے مظہر تم ہو گے اور فاعل تمہارا خالق۔ مولینا فرماتے ہیں۔

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است ہرچہ گوید نیست از حق کافر است

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا
اور جہاں کہیں سے نکلیں آپ پس پھیر دیجئے منہ اپنے طرف مسجد حرام کے اور جہاں کہیں
اور اے محبوب جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اے مسلمانو تم
كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا
ہو تم پس پھیرو چہروں اپنے کو طرف اس کے تاکہ نہ ہو واسطے لوگوں کے اوپر تمہارے حجت
جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہے
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ
مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو تم مجھ سے
مگر جو اُن میں ناانصافی کریں تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور یہ اس لئے
وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
اور تاکہ پوری کروں میں نعمت اپنی اوپر تمہارے اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔
ہے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور کسی طرح تم ہدایت پاؤ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں تبدیلی قبلہ کی چند حکمتیں بیان کی گئی تھیں۔ حضور علیہ السلام کا پسند فرمانا گزشتہ کتابوں میں نبی آخر الزمان کی یہ علامت ہونا۔ علماء اہل کتاب کا اس کو حق جاننا۔ اب اس کی دو حکمتیں اور بتائی جارہی ہیں۔ کفار کا اعتراض اٹھانا اور نعمت کا پورا فرمانا۔ دوسرا تعلق۔ پہلے حکم قبلہ کو مکان کے

لحاظ سے عام فرمایا گیا۔ اب زمانہ کے لحاظ سے عام فرمایا جارہا ہے (کبیر و روح المعانی) یعنی ہمیشہ جہاں بھی نماز پڑھو منہ کعبہ کو کرلیا کرو۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں حضری حالتوں کو عام کیا گیا یعنی اس مسجد سے نکل کر مدینہ کے جس گلی کوچہ اور گھر میں جاکر نماز پڑھو منہ کعبہ کو کرلو۔ اب مقامات سفر کی تعمیم کی جارہی ہے یعنی مدینہ سے نکل کر عالم کے جس خطہ میں جاکر نماز پڑھو رخ کعبہ ہی کو کرنا (کبیر) **چوتھا تعلق** ۔ گزشتہ آیتوں میں وہم ہوسکتا تھا کہ حکم قبلہ صرف وطن کے لئے ہو سفر میں جیسے کہ بجائے چار فرضوں کے دو پڑھے جاتے ہیں یا روزہ رمضان رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار ہوتا ہے قبلہ میں بھی ایسی ہی آسانی کردی گئی ہو کہ یا تو مسافر بیت المقدس کو رخ کرے یا اسے ہر طرف کا اختیار ہو۔ اب یہ وہم دفع فرمایا جارہا ہے کہ نہیں حکم قبلہ سفر و وطن میں نماز فرض کے لئے یکساں ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر : **ومن حیث خرجت فول وجھک** گزشتہ آیت کی طرح اس کی بھی تین ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ من زائدہ ہو اور حیث خرجت کا ظرف یعنی مدینہ پاک سے نکل کر جہاں بھی جاؤ۔ دوسرے یہ کہ من ابتدائیہ ہو۔ اور خروج کے معنی ہوں نکل کر آنا یعنی تم جہاں کہیں سے آؤ۔ تیسرے یہ کہ من ابتدائیہ ہو اور حیث خرجت کا ظرف معنوی اور من حیث کا تعلق ول سے ہو اور ف صلہ کی اور اصل عبارت یہ ہو **فول وجھک من حیث خرجت** یعنی وہاں سے ہی اپنا منہ پھیرو جہاں کہیں پہنچو (روح المعانی) کدھر **شطر المسجد الحرام** کعبہ شریف یا مسجد حرم یا مکہ معظمہ کی طرف۔ یہاں الی محذوف ہے۔ اصل میں الی شطر تھا۔ پھر اے مسلمانو یہ نہ سمجھنا کہ یہ حکم فقط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے نہیں بلکہ **وحیث ما کنتم** تم بھی عالم میں جہاں کہیں ہو سفر میں یا حضر میں عرب میں یا عجم میں دریا میں یا خشکی میں اور نماز فرض پڑھنے لگو تو **فولوا وجوھکم شطرہ** اپنا منہ اس کعبہ ہی کی طرف پھیرنا یہ حکم قیامت تک کے لئے دے دیا گیا۔ اب اور آئندہ اسی پر عمل ہوگا کیونکہ **لئلا یکون للناس علیکم حجۃ** لوگوں کا تم پر کوئی اعتراض و حجت نہ رہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں **الناس** سے اہل کتاب مراد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ سارے کفار اس میں داخل کیونکہ مشرکین تو کہتے تھے کہ مسلمان ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور قبلہ ابراہیمی کی مخالفت۔ اہل کتاب کہتے تھے کہ یہ عجیب لوگ ہیں کہ ہر بات میں ہمارے مخالف اور قبلہ میں ہمارے تابعدار۔ اب ان دونوں کے منہ بند ہوجائیں گے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کہتے تھے کہ اگلی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی صفت امام القبلتین ہونا ہے اگر یہ وہ ہی ہیں تو ان کا قبلہ کیوں نہیں بدلتا۔ اس تبدیلی سے ان کا یہ اعتراض اٹھ گیا۔ پہلی تفسیر میں حجت سے مراد محض مجادلہ اور اعتراضات فاسدہ ہیں اور دوسری تفسیر میں حجت سے قوی دلیل مراد۔ کیونکہ اہل کتاب کا یہ قول صحیح تھا۔ کچھ بھی ہو سمجھداروں اور منصفوں کا تو اب منہ بند ہوگیا۔ **الا الذین ظلموا منھم** مگر ان میں سے ناانصاف اور جھگڑالو لوگ اب بھی کج بحثی اور زبان درازی کئے ہی جائیں گے۔ کہ اہل کتاب تو کہیں گے کہ اسلام عجیب دین ہے کہ اس کا کوئی قبلہ ہی مقرر نہیں یا یہ کہ مسلمانوں نے محض اپنی قوم اور ملک کی محبت میں قبلہ انبیاء یعنی بیت المقدس چھوڑ کر کعبہ معظمہ اختیار کرلیا۔ مشرکین عرب کہیں گے کہ مسلمان آہستہ آہستہ ہمارے قریب آرہے ہیں آج تو انہوں نے اپنا قبلہ بدلا آئندہ اپنا دین بدل کر ہم میں مل جائیں گے۔ چونکہ اس قسم کے خیالات انہیں اسلام سے روکتے اور کفر پر جماتے تھے اور کفر و شرک تو بڑا ظلم ہے۔ اس لئے انہیں یہاں ظالم فرمایا نیز للناس کے بعد الا کے ساتھ ان کا ذکر فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ یہ ظالم حقیقتہ" انسان ہی نہیں بلکہ انسانیت

سے خارج ہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو! **فلا تخشوھم** ان سے بالکل خوف نہ کرو یہ تو ہمیشہ ایسے ہی اعتراضات کرتے رہیں گے۔
اس سے اسلام کی ترقی نہ رکی ہے نہ رکے گی **واخشونی** مجھ سے ڈرو اور ہمارے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو اور ہمارے نبی کی
اطاعت میں اگر سارا جہان تمہارا دشمن بنے تو بن جانے دو **ولا تم نعمتی علیکم** بظاہر یہ **لئلا یکون** پر عطف ہے اور **فولوا** کا
متعلق یعنی کعبہ کو منہ کرو تاکہ تم پر اعتراض نہ رہے اور تم پر نعمت الٰہی پوری ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ پوشیدہ فعل کا متعلق ہو۔ یعنی
ہم نے اس لئے تبدیلی قبلہ کی تاکہ تمہیں دین و دنیا کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ دنیوی نعمت تو مخالفین کا اعتراض اٹھانا اور اخروی
نعمت رحمت کا مکمل کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نعمت پورا کرنے سے مراد کعبہ کو پھیرنا ہے کہ بیت المقدس نعمت ہے کیونکہ
برکنا حولہ والی زمین میں واقع ہے۔ انبیاء کرام کی آرام گاہ حضرت سلیمان کی تعمیر حضور کی معراج آسمانی کا منبر۔ تمام انبیاء کے
حضور کے پیچھے نماز پڑھنے کی جگہ اور قیامت کا مقام ہے کہ یہاں ہی قیامت کا حساب و کتاب ہو گا۔ کعبہ معظمہ تمام نعمت۔
کیونکہ یہ زمین کا مبدا آدم علیہ السلام کے جسم پاک کے خشک ہونے کی جگہ ملائکہ اور سارے پیغمبروں کا حج کا مقام آباد دنیا کا
درمیانی حصہ' ارواح سے میثاق لینے کی جگہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ خیال رہے کہ کسی کو اس کے کام کا معاوضہ
مقررہ دینا اجرت ہے اور بغیر معاوضہ کچھ دینا نعمت یا انعام ہے رب تعالیٰ کے تمام عطیے دنیاوی ہوں یا اخروی ہماری اجرتیں
نہیں بلکہ انعامات ہیں پھر سائل کو اس کی شان یا اس کی کارکردگی کے لائق دینا نعمت ہے اور دینے والے کا اپنی شان کے لائق بخشا
اتمام نعمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کو تمہارا قبلہ بنانا تم پر نعمت کا اتمام ہے جو رب نے اپنی شان کے لائق تم کو بخشی
کعبہ معظمہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے خود عظمت والا تھا۔ خلیل اللہ کے بعد مقام ابراہیم' صفا و مروہ کی عظمت منیٰ کی قربانی
عرفات کے اہتمام کی وجہ سے اس کا احترام اور بڑھ گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی برکت نے اس کی عظمت کو
اور چار چاند لگ گئے اس لئے اب اس کا قبلہ بننا اتمام نعمت ہو گیا لہٰذا جن گزشتہ نبیوں کا قبلہ کعبہ تھا ان کے لئے یہ نعمت تھا اور
مسلمانوں کے لئے کامل نعمت۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھوانا اتمام نعمت ہے کہ سب کے لئے
ایک ایک قبلہ اور تمہارے لئے دو قبلے ہوئے اور بعض نے فرمایا کہ تمام نعمت دخول جنت ہے (روح المعانی) یعنی اس کعبہ کے
ذریعہ نعمت وھبی پوری ہوگی۔ خیال رہے کہ نعمت دو قسم کی ہے ایک وھبی جیسے تندرستی' اعضاء کی سلامتی' دوسری کسبی
جیسے ایمان اور نیک اعمال اور گناہوں سے بچنا۔ کعبہ معظمہ دونوں نعمتیں حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ **ولعلکم تھتدون** اور اس
میں یہ بھی حکمت ہے کہ تم ہمارے اصل منشاء اور دین حنیفی اور احکام شرعیہ کی طرف ہدایت پاؤ کیونکہ ہمارا قدیمی ارادہ یہ ہی تھا
کہ آخر کار تم کو ادھر پھیریں اور تمہارے حج اور نماز کی ایک ہی جگہ ہو تمہارے ذریعہ دعاء ابراہیمی کا ظہور ہو اور بیت اللہ میں
سے تمہیں صدہا رحمتیں اور ہدایتیں ملیں۔ خیال رہے کہ مسلمانوں کو ہدایت ایمان' ہدایت تقویٰ ہدایت عرفان تو پہلے ہی مل
چکی تھیں مگر ہدایت رضاء رحمٰن اب تبدیلی قبلہ سے ملی کہ پہلے رب تعالیٰ بیت المقدس کے قبلہ ہونے سے راضی تھا اور اب
کعبہ کی طرف منہ کرنے سے راضی ہوگا ادھر منہ کرنے سے ناراض ہدایت بہت سی قسم کی ہے جن میں سے ایک ہدایت یہاں
مراد ہے لہٰذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کیا صحابہ اب تک گمراہ تھے نعوذ باللہ۔

خلاصہ تفسیر : چونکہ تبدیلی قبلہ نہایت شاندار کام تھا اور اس کے متعلق صدہا احکام اور مخالفین کا اس پر زیادہ شور اس لئے

رب تعالیٰ نے مختلف آیتوں میں اس کے خاص خاص احکام مختلف پہلوؤں سے اور مختلف حکمتیں بیان فرمائیں۔ پہلے تو تبدیلی فرماتے وقت فرمایا کہ ابھی اودھر منہ کر لو پھر فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی نمازوں میں اودھر ہی منہ کیا کرنا پھر فرمایا کہ اس مسجد کی خصوصیت نہیں کوچہ اور بازار مکان و میدان سے اودھر ہی منہ کرنا اب فرمایا جارہا ہے کہ وطن کی بھی قید نہیں اے نبی سفر و حضر ہر جگہ سے آپ بھی کعبہ ہی کو رخ کیا کریں اور اے مسلمانوں تم بھی۔ بحر و بر خشک و تر، عرب و عجم، غار و پہاڑ میں جہاں بھی ہو ہمیشہ کعبہ ہی کی طرف نماز پڑھنا یہ ہمیشہ کے لئے قطعی فیصلہ کر دیا گیا۔ کیونکہ اس میں تمہارے دینی اور دنیوی بے شمار فائدے ہیں کہ اب تم پر کسی کافر کا کوئی اعتراض نہ رہے گا ہاں متعصب جاہل اس پر بھی بکواس کریں تو کرنے دو۔ ان سے کچھ خوف نہ کرو۔ ہمیشہ ہمارا خوف رکھو اور ہمارے حکم پر گردن جھکاؤ نیز اس کعبہ کے ذریعہ ہم نے تم پر اپنی نعمت کامل کر دی تمہارا دین کامل، تمہارا پیغمبر کامل، چاہئے تھا کہ تمہارا قبلہ بھی کامل ہو نیز ہمارا منشاء یہ ہے کہ تم ہدایت پاؤ اور یہ کعبہ ہی تمہاری ہدایت گاہ ہے کہ یہیں سے چشمہ ہدایت یعنی نبی آخر الزمان ظاہر ہوئے اور یہاں ہی دین ابراہیمی کے ارکان حج اور قربانی وغیرہ قائم ہوں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر جگہ قبلہ رخ نماز پڑھنا فرض ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا **ومن حیث خرجت** من سے معلوم ہوا کہ شروع سفر سے ہی یہ حکم ہے۔ جس سے راستہ اور منزل سب کا حال معلوم ہو گیا۔

مسئلہ : چار صورتوں میں غیر قبلہ کی طرف نماز ہو جاتی ہے۔ نمازی جنگل یا اندھیرے میں ہو اور سمت قبلہ کا پتہ نہ لگے اس صورت میں جدھر دل گواہی دے ادھر ہی پڑھ لے۔ مسافر سواری پر نفل پڑھے تو نیت کے وقت کعبہ کو رخ کرے پھر جدھر بھی رخ ہو جائے نماز پڑھتا رہے۔ سخت جنگ کی حالت میں جب کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا موقعہ نہ ملے۔ لشکر کے بھاگتے وقت کہ جب خدانخواستہ اسلامی لشکر شکست کھا کر بھاگے اور وقت نماز آجائے اس کی بحث ہم کچھ کر بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ دوسرا فائدہ بزرگوں کے قدم سے زمین کی عظمت اور زمین کی عظمت سے عبادات کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ دیکھو خلیل اللہ و حبیب اللہ علیہم السلام کی بدولت کعبہ معظمہ کو کامل نعمت فرمایا گیا۔ مدینہ منورہ کی نماز پچاس ہزار کے برابر ہے اسی طرح مقابر اولیاء اللہ کے پاس نماز کا ثواب بڑھے گا۔ تیسرا فائدہ کوئی شخص خلقت کی زبان سے نجات نہیں پاسکتا دیکھو رب نے خبر دی کہ ظالمین کے اعتراض سے تمہیں اب بھی امن نہ ملے گی لہٰذا چاہئے کہ مخلوق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خالق کی اطاعت کرے۔ چوتھا فائدہ تقیہ حرام ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ قبلہ کے معاملہ میں تم لوگوں سے نہ ڈرو اور ان کے خوف سے اپنا رخ نہ بدلو بلکہ ہماری اطاعت اور ان کی مخالفت کئے جاؤ۔ تقیہ کی پوری بحث انشاء اللہ **الا ان تتقوا منھم تقتہ** کی تفسیر میں ہوگی۔ پانچواں فائدہ دین میں کج بحثی اور ضد کرنے والا ظالم ہے دیکھو یہاں ضدی لوگوں کو ظالم فرمایا گیا کیونکہ اکثر ضد کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ چھٹا فائدہ محترم چیزوں کی بھی بزرگوں کی نسبت سے عزت بڑھ جاتی ہے دیکھو خانہ کعبہ بذات خود اعلیٰ درجہ کا ہے پھر حضرت ابراہیم کے تعلق اور حضور کی ولادت پاک کی برکت سے کامل نعمت بن گیا رب نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا **فیہ ایت بینت** مقام ابراہیم اور فرمایا **لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد** اور فرمایا **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** یہ تمام آیات ان عظمتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ لہٰذا حضرت مریم سے حضرت فاطمہ زہرا افضل ہیں کہ مریم کو حضرت مسیح کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہے مگر فاطمہ

نبی کی لاڈلی، بانو ولی کی، ماں شہیدوں کی
یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا

حضرت مریم ایمان کا بیت المقدس ہیں اور بی بی فاطمہ ایمان کا کعبہ وہ نعمت ہیں مگر آپ کامل نعمت۔ ساتواں فائدہ۔ اگر محترم چیز میں برائیاں داخل ہو گئی ہوں تو اس سے اس محترم کی عزت میں فرق نہ آوے گا۔ دیکھو جب کعبہ قبلہ بنا تو وہاں اندر باہر صدہا بت تھے مگر اس کے باوجود رب تعالیٰ نے اسے اتمام نعمت فرمایا لہٰذا اگر بزرگوں کے مزارات پر لوگ بیہودگیاں شروع کر دیں تو ان سے ان مقامات کی حرمت کم نہ ہو گی نہ وہاں حاضری دینا حرام ہو جاوے۔

پہلا اعتراض : کعبہ کو منہ کرنے کا حکم تین جگہ کیوں دیا گیا ایک جگہ ہی کافی تھا۔ جواب اس کے چند جواب ہیں جن میں سے بعض تعلق اور تفسیر سے ہی معلوم ہو چکے۔ ایک یہ کہ پہلا حکم **فولوا وجوهکم** مسجد کے متعلق ہے۔ یعنی تم مسجد کے جس حصہ میں بھی ہو کعبہ کو رخ کرو۔ دوسرا حکم **ومن حیث خرجت** سوائے مسجد شہری آبادی کے متعلق ہے۔ تیسرا حکم سفر کے متعلق۔ دوسرا جواب۔ یہاں تبدیلی کعبہ کی چند حکمتیں بیان کی گئیں اور ہر حکمت کے ساتھ ادھر رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ اے اہل کتاب بھی حق جانتے ہیں۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم بھی اس کے حق ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ تیسری آیت میں فرمایا کہ اب کفار کے اعتراضات اٹھ جائیں گے۔ اور ہر دلیل کے ساتھ دعویٰ کو دہرانا بلاغت ہے تیسرے یہ کہ پہلے تو تبدیلی قبلہ کا حکم ہوا۔ دوسری آیت میں ہر جگہ کی اور تیسری میں ہر وقت کی تعمیم کی گئی یعنی پہلے حکم ہوا کہ ادھر منہ کرو پھر یہ کہ ہر جگہ سے ادھر ہی منہ کرنا پھر یہ کہ ہمیشہ ادھر ہی رخ کیا کرنا چوتھے یہ کہ تبدیلی قبلہ بڑا اہم واقعہ تھا اور سب سے پہلے قبلہ ہی منسوخ ہوا لہٰذا تاکید کے لئے اس کا بار بار حکم دیا۔ پانچویں یہ کہ پہلا حکم حرم والوں کے لئے دوسرا عرب والوں کے لئے تیسرا سارے جہاں کے لئے (کبیر و عزیزی وغیرہا) دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیار تھ پرکاش کے چودھویں باب میں کہا ہے کہ قرآن خدائی کلام نہیں کیونکہ اس میں ایک مضمون بار بار ہے خدائی چیزیں بار بار کیسی اگر پنڈت جی کی یہ بات درست ہو تو سورج بار بار نکلتا ہے دن رات بار بار آتے جاتے ہیں۔ باغ بار بار پھل دیتا ہے۔ کھیت سے بار بار دانے لئے جاتے ہیں۔ پنڈتانی بار بار پنڈت جنتی ہیں۔ چاہئے کہ ان میں سے کوئی بھی خدائی چیز نہ ہو۔ بلا فائدہ کسی چیز کو بار بار کہنا فصاحت کے خلاف ہے مگر لذیذ مضمون کو بار بار بیان کرنا تاکید کے لئے بار بار حکم دینا عین بلاغت ہے یہاں رب نے تبدیلی قبلہ کا بار بار ذکر فرمایا اور پہلے اپنے نبی کو پھر مسلمانوں کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ پہلا نسخ تھا اب تک لوگ نسخ سے بے خبر تھے اور تبدیلی قبلہ بہت اہم واقعہ اس لئے بار بار حکم دیا گیا۔ دوسرا اعتراض۔ کفار کے بیہودہ اعتراضات کو قرآن نے حجت کیوں فرمایا۔ حجت تو صحیح اور قوی دلیل کو کہتے ہیں۔ جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ کفار اسے حجت ہی سمجھ کر پیش کرتے تھے لہٰذا اسے حجت کہنا ان کے خیال کے لحاظ سے ہے نہ کہ حقیقی طور پر۔ دوسرے یہ کہ حجت کے لفظی معنی ہیں غلبہ یا یہ **محجتہ الطریق** سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اختیار کیا ہوا راستہ لہٰذا جس کلام کو غلبہ کے لئے اختیار کیا جائے وہ حجت ہے صحیح ہو یا غلط۔ تیسرے یہ کہ قرآن نے مجادلہ اور جھگڑا کو بھی حجت فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے **حجتهم داحضة عند ربهم** اور فرماتا ہے **فمن حاجک فیه** اور فرماتا ہے **ما کان حجتهم الا ان قالوا** چوتھے یہ کہ یہاں حجت سے بیہودہ کلام اعتراض مراد ہے جو تبدیلی قبلہ سے پہلے

کرتے تھے کہ ان کا قبلہ بدلتا کیوں نہیں جو کہ نبی آخر الزمان کی علامت ہے۔ **تیسرا اعتراض۔ الا الذین** سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالمین کی حجت اب بھی باقی ہے کیونکہ نفی کے بعد استثناء ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ **جواب۔** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حجت سے مراد جھگڑا اور عناد ہے اور واقعی ان واقعات اور دلائل سے ظالموں کا منہ بند نہ ہوا کیونکہ دلائل سے ضدی آدمی خاموش نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ **الا الذین علیکم** کی ضمیر سے بدل ہے یعنی لوگوں کو تم پر حجت نہ ہوگی۔ بلکہ ظالمین پر ہوگی کہ اب وہ دلائل حقانیت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ تیسرے یہ کہ **الا** واؤ عاطفہ کے معنی میں ہے اور **الذین الناس** پر معطوف یعنی تاکہ لوگوں اور ظالمین کی تم پر حجت نہ رہے۔ چوتھے یہ کہ استثناء منقطع ہے یعنی تبدیلی قبلہ سے حقیقی اعتراضات تو اٹھ گئے لیکن ظالمین بکواس اب بھی کئے جائیں گے (کبیر و معانی) **چوتھا اعتراض۔** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ سے نعمت الٰہی پوری ہو گئی اور سورۂ مائدہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع میں پوری ہوئی کہ وہاں ارشاد ہے **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی** یہ دونوں آیتیں مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ **جواب۔** یہاں نعمت قبلہ کا پورا کرنا مراد ہے ایک قبلہ سے اعلیٰ و افضل کی طرف تبدیلی ہوئی اور وہاں ارکان دین کی تکمیل مراد کہ اس کے بعد کوئی حکم منسوخ نہ ہوا لہذا دونوں آیتوں میں مخالفت نہیں۔ انشاء اللہ اس کی نہایت نفیس تحقیق سورۂ مائدہ میں ہی کی جائے گی۔ **پانچواں اعتراض۔** یہاں علیکم جمع کی ضمیر کیوں ارشاد ہوئی اور فول میں واحد کا صیغہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب۔** اس لئے کہ تبدیلی قبلہ حضور کی منشاء سے ہوا اور حضور ادھر منہ کرنے میں اصل ہیں باقی لوگ حضور کے تابع اسی لئے وہاں واحد ارشاد ہوا۔ مگر تبدیلی قبلہ ہم لوگوں کے لئے نعمت وہدایت ہے نہ کہ حضور کے لئے کعبہ ہمارے لئے نعمت ہے اور حضور انور کعبہ کے لئے نعمت و رحمت ہیں اس لئے یہاں علیکم جمع میں ہم سے خطاب ہوا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور رحمۃ للعالمین ہیں اور عالمین میں کعبہ بھی شامل ہے لہذا حضور اس کے لئے بھی رحمت نیز حضور کعبہ بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے عابد و ساجد تھے حضور کے وہ سجدے کعبہ کی طرف نہ تھے رب کی طرف تھے۔

تفسیر صوفیانہ : قلب حقیقت ہے اور قالب مجاز۔ دین حقیقت ہے اور دنیا مجاز۔ نور حقیقت ہے اور ظلمت مجاز مجاز میں صد ہا حجاب ہیں حقیقت کھلتے ہی مطلع صاف ہے وہاں باقی اللہ ہے اور ماسوا اللہ فانی فی اللہ۔ تو اے مسلمانوں تمہیں قبلہ قالب سے قبلہ قلب کی طرف منتقل کیا یعنی حجاب اٹھا کر مجاز سے حقیقت میں پہنچایا تاکہ تمہاری نگاہ میں ماسوا اللہ کی کوئی وقعت نہ رہے اور ان کے قول و فعل کا اعتبار مٹ جائے اور سب تمہارے اور تم رب کے مطیع ہو جاؤ۔ کیونکہ تم حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہو اور یہ جماعت ہی سب پر غالب کہاں کچھ کفار مردود دین حق سے مجوبین لکڑی کے پاؤں لگا کر تم پر اونچا ہونا چاہیں گے اور تمہاری اطاعت سے منہ موڑیں گے مگر تمہیں ان سے کوئی خوف نہیں کیونکہ جیسے آسمان کا تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے چاند و سورج کو اس سے کوئی ضرر نہیں۔ یہ ہی ان کا انجام ہے تم میری کبریائی اور تجلی ذات پر نظر رکھنا ایسا نہ ہو کہ میرا خوف تمہارے قلب سے نکل جائے۔ اگر ایسا ہوا تو سب کی ہیبت تم پر چھا جائے گی۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ خالق کی عظمت پہچانو تو تمہاری آنکھ میں ساری مخلوق حقیر ہو گی لہذا ہمیشہ اسی کے حضور مراقب رہو (از تفسیر ابن عربی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مردودوں کے پاس قال بہت ہے حال بالکل نہیں اور مقبولوں کے پاس حال کی فراوانی ہے قال کم اور کبھی بالکل نہیں دل گھر ہے منہ دروازہ خالی گھر کا دروازہ

کھلا ہوتا ہے بلکہ کواڑ اتار لئے جاتے ہیں بھرے گھر کے دروازے پر مضبوط قفل بلکہ بھرے خزانہ پر پہرا ہوتا ہے۔ جہاں دل میں کچھ نہیں وہاں زبان کھلی ہوتی ہے جہاں دل میں سب کچھ ہے وہاں منہ پر قفل پڑا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

بر لبانش قفل و در دل رازہا   لب بند و دل پر از آوازہا

ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

قال را بگذار مرد حال شو   زیر پائے کاملے پامال شو!

شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر آنند   آں را کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

یہاں **الا الذین ظلموا** میں وہ ہی مردود لوگ مراد ہیں جو قال کے بطور ہیں حال سے خالی جن کا کام صرف اعتراض ہی کرنا ہے یہ ہمیشہ محروم ہیں یعنی حال والے تو یہ دلائل سن کر ایمان کامل حاصل کرلیں گے مگر صرف زبان کے تیز کچھ نہ کچھ ہانکے ہی جائیں گے۔ قال والوں کے پاس کیوں زیادہ ہے کہ یہ کیوں ہوا۔ مگر حال والوں کے پاس کیوں نہیں وہاں تو کیا پر عمل ہے کہ رب نے کیا فرمایا۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

جیسے کہ بھیجا ہم نے بیچ تمہارے نبی پیغمبر تم میں سے جو تلاوت فرماتا ہے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور پاک

جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

فرماتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور اسرار علم اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو نہ تھے تم جانتے .

اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور وہ تمہیں تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے کعبہ کو تمہارا قبلہ بنا کر تم پر نعمت پوری کردی اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ تم پر نیا فضل نہیں ہے ہم تمہیں پہلے بھی کامل نعمتیں دے چکے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی عطا فرمائی جس سے تمہارے سارے میل دھل گئے اور گندگیاں دور ہوگئیں۔ **دوسرا تعلق**۔ اب تک قبلہ کا ذکر تھا اب صاحب قبلہ کا تذکرہ ہے جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے یعنی اب تک چمن کا ذکر تھا اب پھول کا۔ یا اب تک باغ کا تذکرہ تھا اب اس کے والی کا چرچا۔ **تیسرا تعلق**۔ قبلہ کی بحث سے پہلے بانی کعبہ خلیل اللہ کا ذکر ہوا اور اب اس بحث کے خاتمہ پر والی کعبہ حبیب اللہ کا تذکرہ ہے تاکہ اس بحث کا آغاز بھی شاندار ہو اور انجام بھی اور معلوم ہو کہ اس دین میں کعبہ کا قبلہ ہونا تعجب کی بات نہیں کیونکہ کعبہ بنائے ابراہیم ہے اور یہ رسول دعائے ابراہیم کہ انہوں نے اس عمارت کے قبول ہونے کی اور اس فرزند ارجمند کے رسول ہونے کی دعائیں مانگی تھیں ہم نے ان کی دونوں دعائیں اس طرح قبول کیں کہ اس پیغمبر کے ذریعہ اس کعبہ کو ہمیشہ کے لئے آباد کردیا۔ **چوتھا تعلق**۔ اب تک بیت اللہ کا ذکر تھا اب نور اللہ کا تذکرہ ہے کیونکہ گھر میں نور ہی سے رونق ہے۔ **پانچواں تعلق**۔ بہت دور سے حقانیت اسلام کے دلائل

اور کفار کے جوابات بیان ہو رہے ہیں کہ یہ دین 'دین ابراہیمی ہے اس کے ارکان اسی دین کے ارکان سے ملتے ہیں اس کا قبلہ کعبہ کر دیا گیا وغیرہ۔ اب بہت بڑی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ یہ وہی دین ہے جسے سید المرسلین علیہ السلام سے خاص نسبت ہے۔
چھٹا تعلق۔ اب تک کعبہ کے فضائل بیان ہوئے جو نماز کا قبلہ ہے اب حضور کے مناقب کا تذکرہ ہے جو ایمان کا قبلہ ہیں۔ کعبہ سے نماز جسم درست ہوتی ہے حضور انور سے نماز ایمان و عرفان ادا ہوتی ہے۔ حضور دلوں کے 'ارواح کے قبلہ ہیں۔

تفسیر : **کما ارسلنا** یا تو کما کا تعلق اگلے کلام **اتم نعمتی** یا **جعلنکم امۃ** سے یا کسی پوشیدہ فعل سے ہے یعنی تاکہ اس کعبہ کے ذریعہ تم پر نعمت پوری کروں جیسے کہ اس سے پہلے یہ پیغمبر بھیج کر نعمت پوری کی یا ہم نے تمہیں افضل امت بنایا جیسے کہ تمہیں افضل رسول دیا یا یہ کہ ہم نے بنائے ابراہیمی قبول کی جیسے کہ دعا قبول فرمائی کہ ان کی اولاد میں یہ پیغمبر بھیجا۔ ان صورتوں میں **تہتدون** پہ نہ ٹھہرنا چاہئے یا اس کا تعلق اگلی آیت **فاذکرونی** سے ہے یعنی تم مجھے یاد کرو جیسا کہ میں نے تم پر فضل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ تم باپ کی خدمت کرو جیسے کہ اس نے تمہاری پرورش کی یا کاف مقابلہ کا ہے یعنی تم خدا کو یاد کرو اس کی اس نعمت کے شکریہ میں (کبیر) اس صورت میں **تہتدون** پر ٹھہرنا چاہئے کیونکہ یہ علیحدہ آیت ہے اسی لئے یہاں **لا** والی آیت ہے کہ وقف' وصل دونوں جائز ہوں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہماری آمد کو خلق فرمایا۔ مگر حضور کی تشریف آوری کو 'ارسل۔ بعث۔ جاء سے فرمایا کیونکہ ہم یہاں آنے سے پہلے بالکل نیست تھے یہاں آکر کچھ ہوئے مگر حضور یہاں آنے سے پہلے سب کچھ تھے نبی تھے رسول تھے خلق نیست سے ہست کرنے کو کہتے ہیں ارسال سب کچھ سکھا کر بھیجا جاتا ہے۔ نیز ہم دنیا میں اپنی ذمہ داری پر اپنا کام کرنے آئے حضور سرکاری کام کے لئے۔ یہ کار سرکار 'دنیا کو درست کرنے آئے۔ خیال رہے کہ یہاں ارسلنا ماضی فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ قرآن 'کعبہ 'کلمہ 'نماز وغیرہ پیچھے ہیں۔ حضور ان سب سے پہلے کہ حضور درخت اسلام و ایمان کی جڑ ہیں باقی چیز شاخیں یا پھل پھول جڑ پہلے ہوتی ہے۔ بہت لوگ صرف حضور کو مان کر بغیر اعمال جنتی ہوئے مگر کوئی شخص حضور کا انکاری ہو کر اعمال سے جنتی نہیں ہوا۔ **فیکم رسولا منکم** رسول کی تنوین تعظیم کی ہے اور ان دونوں ضمیروں میں خطاب یا تو اہل عرب سے ہے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے عرب والو تم پر یہ خاص عنایت ہے کہ یہ نبیوں کے سردار تم میں آئے اور تمہاری نسل اور خاندان سے آئے۔ اگر دوسری جماعت میں آتے تو تمہیں ان کی اطاعت بھاری پڑتی۔ اب تمام جہان تمہارا مطیع ہو گا تم کسی کے مطیع نہ ہو گے یا اے مسلمانوں تم میں وہ تشریف لائے جس پر ساری نسل انسانی ہمیشہ فخر کرے گی جن کی وجہ سے انسان ملائکہ اور دیگر مخلوقات سے افضل ہے رب نے رسول میں کوئی قید نہ لگائی کہ کس کے رسول جس سے معلوم ہوا کہ حضور عام خلق کے رسول مطلق ہیں جس کا رب اللہ ہے اس کے حضور رسول ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **لیکون للعلمین نذیرا**۔ نیز حضور انور دنیا میں تشریف لائے 'رسول 'نبی 'نور 'حق ہونے کی شان سے۔ اس لئے تشریف آوری کی آیات میں آپ کو ان القاب سے یاد کیا مگر معراج میں رب کے پاس حاضر ہوئے عبدیت کی شان سے لہذا وہاں فرمایا **اسری بعبدہ** جیسے حاکم کچہری میں شان حاکیت سے جاتا ہے مگر گھر میں آتا ہے اپنے والدین کا بیٹا 'اولاد کا والد ہونے کی شان سے غرضیکہ حضور یہاں وکیل بن کر نہیں بلکہ رسول بن کر آئے پھر وہ خالی نہ آئے بلکہ صدہا نعمتیں ساتھ لائے ایک یہ کہ **یتلوا علیکم ایتنا** تمہارے سامنے قرآنی آیتیں تلاوت فرماتے ہیں۔ یعنی قرآن لائے بھی اور تمہیں سنایا بھی سکھایا بھی اسی میں اشارۃً "دو صفتیں بیان ہوئیں ایک یہ کہ

وہ تم میں ہی رہے کہیں کسی سے پڑھنے نہ گئے اور پھر اچانک ایسا بلیغ کلام بولنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچے نبی ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بخیل نہیں بلکہ یہ نعمت بے دریغ تقسیم فرماتے ہیں۔ اور اس کا پڑھنا' حروف کا مخارج سے ادا کرنا بلکہ لکھنا بھی سکھاتے ہیں پھر دوسرے معلموں کی طرح صرف سبق دیکر چھوڑ نہیں دیتے بلکہ ویزکیکم تمہیں ظاہری باطنی لحاظ سے پاک فرماتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ لفظ تزکیہ سے بنا جس کا مادہ زکوۃ ہے اس کے معنی پاک کرنا صفائی بیان کرنا اور بڑھانا ہے یہاں تینوں معنی درست ہیں یعنی وہ تمہارے جسموں کو ظاہری گندگیوں سے پاک فرماتے ہیں کہ تمہیں پاکی کے طریقے سکھاتے ہیں اور تمہارے فضائل بیان کرتے ہیں کہ تم بہترین امت ہو اور آخرت میں بھی رب کے سامنے تمہاری صفائی بیان فرمائیں گے کیونکہ وہ تمہارے ظاہری باطنی حالات سے خبردار ہیں اور یا یہ کہ تمہاری جماعت بڑھاتے ہیں کہ پہلے تم میں صرف وطنی اجتماع تھا اور اس میں بھی تم ایک دوسرے کے دشمن ہو کر تھوڑے رہ گئے تھے اور اب تم میں ایمانی اجتماع پیدا ہوگا جس سے تم آپس میں بھی ایک ہو جاؤ گے اور سارا عالم تمہاری اس انجمن میں داخل ہوگا۔ (تفسیر کبیر) یا حضور تمہارے اعمال اور تمہارے درجات کو بڑھاتے ہیں کہ جس معمولی نیکی کو حضور سے نسبت ہو جاوے تو وہ بڑے سے بڑا بن جاتی ہے نیز اگر کسی معمولی آدمی کو حضور سے نسبت ہو جاوے وہ فرشتوں سے زیادہ شاندار ہو جاتا ہے حضرت علی کی خیرات کی ہوئی روٹیاں اور حضرت بلال کی شان ہمارے خیالوں سے وراء ہیں ہم تو صفر ہیں۔ یعنی اگر حضور سے الگ ہوں تو کچھ نہیں اور اگر حضور سے منسوب ہو جائیں تو سب کچھ صفر عدد سے مل کر بہت کچھ ہو جاتا ہے الگ رہے تو خالی ہے اور پھر فقط پاک کر کے ہی تم کو نہیں چھوڑتے بلکہ **ویعلمکم الکتب والحکمۃ** تمہیں یہ کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ یعلمکم سے معلوم ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ تعلیم دیتے ہیں تاکہ ذہن نشین ہو جائے اور کتاب سے قرآن کریم اور تعلیم سے اس کے معنی اور احکام اور اسرار کا سکھانا مراد ہیں اور حکمت سے صحیح اعمال یا قوی دلائل یا احادیث یا فقہ مراد کیونکہ یہ حکم سے بنا جس کے معنی ہیں مضبوط کرنا فیصلہ کرنا اور روک کرنا (روح البیان) اسی لئے جج کو حکم اور بادشاہ کو حاکم اور مضبوط چیز کو محکم اور عالم باعمل کو حکیم کہتے ہیں۔ پھر اس پر ہی بس نہیں بلکہ **ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون** وہ تمہیں رب کی ذات' صفات' اچھے عقائد' صحیح راستے بتاتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں چھپ گیا تھا نیز قرآن پاک کے اجمالی احکام جیسے نماز' روزہ' زکوۃ وغیرہ پر عمل کر کے بتاتے ہیں۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے جملوں میں تکرار نہیں بلکہ ہر ایک کے نئے معنی ہیں۔ یہاں حکمت سے مراد حدیث شریف ہی ہو سکتی ہے کیونکہ نقوش قرآن لکھنا' الفاظ قرآن پڑھنا' احکام قرآن جاننا' اسرار قرآن سمجھنا تو تعلیم کتاب میں آ چکا نیز زبان سے بتانا عمل کر کے دکھانا قلم سے لکھ دینا بلاواسطہ یا بالواسطہ بتا دینا سب تعلیم کتاب میں داخل ہے لہٰذا تعلیم حکمت سے مراد حدیث کی تعلیم ہے چونکہ حضور کی حدیث ایسی مضبوط ہے جسے نہ کوئی منسوخ کر سکے نہ اسے زمانہ مٹا سکے نہ اسے کوئی اپنی عقل سے دبا سکے لہٰذا یہ حکمت ہے یعنی مضبوط چیز۔ نیز حضور کا کوئی قول و عمل عبث و لغو نہیں ہر ایک میں ہزارہا فائدے ہیں لہٰذا حدیث حکمت ہے۔ اس آیت میں منکرین حدیث کی پوری تردید ہے۔ آخری جملہ یعنی وہ تمہیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے' اس سے مراد یا تو ابتداء خلق سے اس وقت تک کے حالات ہیں' یا اس وقت سے قیامت تک کے حالات یا جنت و دوزخ ذات و صفات الٰہی' غیبی چیزیں مراد ہیں جن کی خبریں حضور انور نے سنائیں یا ہمارے اپنے نفسانی عیوب مراد ہیں جن سے ہم بے خبر ہیں۔ جیسے طبیب ہماری بیماریاں ہم کو بتاتا

ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہمارے عیوب پر اطلاع دی۔ اگرچہ حدیث میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں مگر اہتمام کے لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کعبہ کی نعمت پہلی نعمت نہیں بلکہ اس سے پہلے تم پر اور بھی نعمتیں ہو چکیں کہ تمہیں باقی امتوں سے افضل کیا۔ تمہیں بہترین دین عطا فرمایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم میں اپنا یہ بڑا پیغمبر بھیجا جو سرتاپا رحمت الٰہی ہیں۔ یوں تو ان کے تم پر لاکھوں احسان ہیں مگر پانچ احسان بالکل ظاہر۔ ایک یہ کہ وہ تم تک رب کی آیتیں پہنچاتے ہیں تمہیں پڑھ کر سناتے اور پڑھنا سکھاتے ہیں تمہارے الفاظ صحیح کراتے' تلاوت کے آداب بتاتے ہیں بلکہ اس کے لکھنے کی جانچ بتاتے ہیں پھر تمہیں شرک' بت پرستی' کفر و گندے اخلاق' بدتمیزی' عداوت' آپس کے جھگڑے' جدال' جسمانی گندگی غرضیکہ ہر ظاہری اور باطنی عیوب سے پاک فرماتے ہیں کہ عرب جیسے سخت ملک کو جو انسانیت سے گر چکا تھا اور جہاں کے باشندے انسان نما جانور ہو چکے تھے ان کو عالم کا معلم بنادیا۔ بت پرستوں کو خدا پرست' رہزنوں کو رہبر' شرابیوں کو نشہ محبت الٰہی کا متوالا بے غیرتوں کو شرمیلا' جاہلوں کو عالم اور نہ معلوم کسے کیا کیا بنا دیا غرضیکہ مخلوق کو خالق تک پہنچادیا۔ اس کے ساتھ ہی تمہیں کتاب الٰہی کے اسرار' اپنے کلمات کے راز سکھاتے ہیں اور تمہیں دین و دنیا کی وہ سب باتیں بتاتے ہیں جن سے تم بے خبر تھے اور علوم غیبیہ کے وہ دروازے کھولتے ہیں جو آج تک بند تھے۔ غرضیکہ وہ خود بھی رحمت ہیں اور ہزاروں لازوال نعمتیں تمہارے لئے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ خیال رہے کہ سب سے زیادہ گندہ اور بدلو دشمن ہمارا نفس ہے کہ سانپ بچھو وغیرہ دشمن ہم سے دور رہتے ہیں مگر یہ دشمن مسجد و کعبہ میں ہمارے ساتھ نیز لاٹھی' تلوار' توپ' ایٹم بم کسی ہتھیار سے نفس امارہ نہیں مرتا۔ نیز یہ دوست کی شکل میں دشمن ہے۔ سب کا دشمن ہے۔ گنہگار سے لے کر غوث و قطب تک کا دشمن ہے اسے پاک کر دینا بڑا احسان ہے حضور نے صرف ہمارے اجسام پاک نہ کئے بلکہ نفس امارہ بھی پاک کر دیا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے پہلے ارسلنا فرمادیا گیا اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ساری نعمتیں فانی اور یہ دین دنیا میں باقی کہ ہاتھ پاؤں مال دولت ایک وقت سب جواب دے جاتے ہیں مگر وہ کبھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ دین دنیا کی تمام نعمتیں انہیں کی طفیل۔ **لولاک لما خلقت الافلاک** یہ حدیث صحیح ہے دیکھو موضوعات کبیر مصنفہ ملا علی قاری۔ تیسرے یہ کہ ساری نعمتیں صحیح استعمال ہوں تو رحمت ورنہ زحمت۔ مال دولت اور اعضاء ہمارے لئے ثواب بھی ہیں اور باعث عذاب بھی۔ ان کا صحیح استعمال سکھانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو گویا کہ آپ نعمتوں کو نعمت بنانے والے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ہمارے اعضاء قیامت میں ہمارے عیب کھولیں اور ہمارے خلاف گواہی دیں لیکن وہ سرکار ہمارے عیب چھپائیں۔ دوسرا فائدہ۔ قرآن پاک کا تلاوت کرنا بھی ضروری ہے اور اس پر عمل کرنا بھی۔ کیونکہ تلاوت اور تعلیم کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہوا تو جو لوگ کہتے ہیں کہ تلاوت کی ضرورت نہیں عمل کافی ہے وہ بھی جھوٹے اور جو تلاوت پر قناعت کر کے عمل سے بے نیاز ہو جائیں وہ بھی بدنصیب۔ تیسرا فائدہ۔ ظاہری باطنی طہارت حضور ہی سے ملتی ہے ان کو چھوڑ کر قرآن لینے والا کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ فرمایا گیا ویزکیکم وہ رسول تمہیں پاک کرتے ہیں قرآن کریم تو پاکی کا ذریعہ ہے۔ چوتھا فائدہ قرآن کریم صرف عقل یا

پہلا اعتراض : تعلیم کتاب میں تلاوت و حکمت اور نہ جانی ہوئی باتوں کا علم سب داخل تھا پھر انہیں علیحدہ کیوں بیان کیا۔ جواب۔ اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ تعلیم کتاب سے قرآن پاک کے مضامین اور مسائل سمجھانا مراد ہیں حکمت سے اسرار قرآنی یا حدیث یا فقہ مقصود اور تلاوت سے قرآن کریم پڑھانا اور سکھانا مراد ہے اور نہ جانی باتوں کو سکھانے سے عملاً احکام سکھانا یا علوم غیبیہ بتانا مقصود لہذا ہر لفظ نیا فائدہ دے رہا ہے۔ دوسرا اعتراض پاکی کا ذکر آخر میں چاہیے تھا کیونکہ یہ کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کا ذکر بیچ میں کیوں کیا گیا۔ جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں پاکی سے گندگی کفر دور کرنا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ تعلیم کتاب اس کے بعد ہی ہوگی یعنی آیتیں سنا کر مخلوق کو مسلمان کیا پھر مسلمان کر کے انہیں علوم سکھائے۔ دوسرے یہ کہ تزکیہ میں نفی اور تعلیم میں ثبوت ہے اور نفی ثبوت سے مقدم جیسے **لا الہ الا اللہ** میں یعنی یہ نبی پہلے تمہیں عیوب سے پاک کرتے ہیں پھر صفات سے موصوف۔ تیسرے یہ کہ پاکی اصل مقصود ہے اور علم اس کا ذریعہ اگرچہ پاکی بعد میں حاصل ہوتی ہے لیکن اس کا خیال پہلے ہی ہے کہ تزکیہ کے لئے ہی علم ہے لہذا اصل مقصود کو پہلے بیان کیا اور ذریعہ کو بعد میں۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان یا کم از کم ہر صحابی عالم الغیب ہو۔ کیونکہ یہاں ما عام ہے یعنی وہ نبی تم کو ہر نہ جانی بات سکھاتے ہیں۔ جیسے **وعلمک مالم تکن تعلم** میں جب تم وہاں ما کی وجہ سے حضور کے لئے علم غیب کلی مانتے ہو تو یہاں بھی اسی ما کی وجہ سے سب کو کلی علم غیب مانو اور اگر یہاں ما سے صرف شرعی احکام مراد لیتے ہو تو وہاں بھی یہ ہی تسلیم کرو۔ جواب۔ ما سے عام علوم ہی مراد ہیں بے شک حضور نے صحابہ کرام کو ساری چیزیں سکھائیں مگر انہیں وہ سب یاد نہ رہیں لہذا یہاں تعلیم عام ہے علم عام نہیں مگر رب نے نبی کو سب کچھ سکھایا اور فرمایا **علمک ما لم تکن تعلم** اور نبی علیہ السلام نے سب کچھ سیکھ بھی لیا کہ فرمایا ہے **فتجلی لی کل شی وعرفت**۔ ہم تفسیر میں بخاری مشکوۃ اور مسند امام احمد ابن حنبل کی حدیث نقل کر چکے کہ خود صحابہ فرماتے ہیں جسے یاد رہا اسے یاد رہا۔ جو بھولا وہ بھولا بعض جگہ فرماتے ہیں **اعلمنا احفظنا** ہم میں بڑا عالم وہ تھا جسے وعظ زیادہ یاد رہا یہاں عموم تعلیم کا ذکر ہے نہ کہ عموم علم کا۔

تفسیر صوفیانہ : بغیر تعلق فیض دینا اور لینا ناممکن اگر ادنیٰ کو اعلیٰ سے ذاتی تعلق نہ ہو تو درمیان میں ایسا برزخ چاہیے جو جانبین سے متعلق ہو دیکھو ہڈی گوشت کے درمیان پٹھے کا واسطہ ہے اور تمام اعضاء میں رگوں کا سلسلہ موجود خالق و مخلوق میں بے تعلقی تھی لہذا ایسی ذات کی ضرورت پڑی جو ان میں تعلق قائم کرے اور حرف مشدد کی طرح خود جانبین سے وابستہ ہو۔ اسی ذات کا نام رسول ہے۔ وہ رسول بظاہر ہمارے اور بباطن رب کے ہیں جسماً بشر اور روحاً ملک سے وراء ان پر مخلوقیت کے سارے مدارج کی انتہا اور ان کے بعد صرف خالق کا درجہ وہ کرم سے سب کے قریب ہیں اور شرف میں عقل و گمان اور وہم سے بالاتر۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب کے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

قیامت کے دن پہلے تو ساری مخلوق انہیں ڈھونڈھے گی ان ہی کی تلاش میں در در کی خاک چھانے گی یہ حضور کے شرف کا اظہار ہوگا پھر وہ اپنے ایک ایک گنہگار کو ایسے ڈھونڈیں گے جیسے مہربان ماں باپ گم ہوئے بچے کو یہ ان کے کرم کا ظہور ہوگا۔ بظاہر بعض

کے بعد ہیں مگر در حقیقت سب سے پہلے بظاہر بعض کی اولاد ہیں اور بباطن سب کے باپ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن کی تعلیم اوری تمام نعمتوں سے بالا و اعلیٰ ہے۔ اسی لئے دست قدرت نے بھی انہیں پر ناز فرمایا کہ ھو الذی ارسل رسولہ اور ارسال بھی تعلیم کتاب وغیرہ سب سے پہلے "ارسال" یعنی بھیجنے کا ذکر کیا اور اس بھیجنے کو اپنی طرف اور باقی تمام نعمتوں کو حضور کی طرف نسبت دی یعنی ہم نے بلا واسطہ انہیں تمہارے پاس بھیجا باقی ہماری ساری نعمتیں تمہیں ان کے ہاتھوں ملیں۔ لہٰذا آپ کا وجود اصل وجود باقی ہر شے ان کے طفیل موجود۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ عرشی تھیں اور ہم فرشی نہ ہم کو عرش تک رسائی نہ آیتیں ہم پر آسکتی تھیں حضور وہ ہیں جنہیں عرشیوں سے عرشی چیزیں لینا آتا ہے اور فرشیوں کو دینا آتا ہے اسی لئے یتلوا علیکم ارشاد ہوا کہ اگر زبان مصطفوی کا واسطہ نہ ہوتا تو تم آیات الٰہیہ نہ پاتے۔ پھر حضور انور شریعت کے پانی سے ہمارے جسموں کو اور طریقت کے پانی سے ہمارے دلوں کو معرفت کے پانی سے ہمارے خیالات کو اور حقیقت کے پانی سے ہماری روح کو پاک فرماتے ہیں ناپاک کو پانی جب ہی پاک کرتا ہے جب کوئی پاک کرنے والا ہاتھ بھی درمیان میں ہو یہ چاروں پانی ہماری چار گندی چیزوں کو حضور کے کرم سے پاک کریں گے۔ اب رہا ہمارا نفس امارہ یہ نجس العین ہے جو کسی پانی سے پاک نہیں ہوتا اس کی پاکی کا ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ اسے عشق الٰہی کی آگ میں جلا کر راکھ کر دیا جاوے یا کان نمک میں اس کی حقیقت بدل کر اسے نفس مطمئنہ بنا دیا جاوے۔ دیکھو نجس گوبر راکھ ہو کر پاک ہی نہیں بلکہ پاک کر ہو جاتا ہے کہ پھر اس سے برتن پاک و صاف ہوتے ہیں اور کتا گدھا نمک کی کان میں جا کر نمک بن کر پاک ہو جاتے ہیں اسی لئے فرمایا ویزکیکم تمہیں ہر طرح ہر قسم کے پانیوں اور عشق کی آگ سے پاک کرتے ہیں حضور نے عثمان غنی سے فرمایا جو چاہو کرو تم جنتی ہو گئے اس میں انہیں گناہوں کی اجازت نہیں دی بلکہ ان کے نفس کو پاک بنا دیا اب نفس سوائے خیر کچھ چاہے گا ہی نہیں جیسے جنت میں حکم ہوگا جو چاہو کھاؤ کیونکہ وہاں نفس تو پاک ہو چکے ہوں گے۔ عثمان غنی کے لئے یہاں ہی جنت بنادی گئی۔ اسی پاکی و صفائی کے بعد حضور نے قرآن کا علم سکھایا کیونکہ علم قرآن پاک دلوں میں قائم ہوتا ہے۔ نقش قرآن کاغذ میں الفاظ قرآن زبان میں۔ معانی قرآن دماغ میں اسرار قرآن دل میں رموز قرآن روح ہی میں رہتے ہیں پھر جیسے نقش قرآن کو بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتا الفاظ قرآن کو بے غسل نہیں پڑھ سکتا ایسے ہی معانی قرآن کو ناپاک دل نہیں سمجھ سکتے اسی لئے یزکیہم کو پہلے ہوا اور یعلمہم بعد میں کیونکہ زبان ان ناپاکیوں سے پاک ہوتے ہیں دل و جان مدینہ پاک کے پانی سے۔

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ
پس یاد کرو تم مجھے میں یاد کروں گا تمہیں اور شکر کرو تم واسطے میرے اور نہ ناشکری کرو میری
تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اب تک رب تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر ہوا دین ابراہیمی سے تعلق ہونا کعبہ کا قبلہ ہونا ایسے عظیم الشان پیغمبر کی غلامی نصیب ہونا مسلمانوں کا بہترین امت ہونا وغیرہ اب ان نعمتوں کے شکر کا حکم دیا جا رہا ہے تاکہ یہ ہمارے پاس باقی رہیں اور بڑھیں۔ **دوسرا تعلق:** اب تک رب کی دینی نعمتوں کا

ذکر تھا جن میں ہمارے کسب کو دخل نہ تھا اور اب کسبی نعمتوں کا ذکر ہے یعنی اے مسلمانوں اب تک ہم نے تمہاری بغیر کوشش تمہیں یہ نعمتیں دی اب ہمیشہ ہی نہ ہوا کرے گا بلکہ تمہیں بھی کچھ عمل کرنا ہوں گے۔ **تیسرا تعلق:** اب تک نعمتوں کی عطا کا ذکر تھا اب ان کی بقا کے اسباب بتائے جا رہے ہیں اور چھن جانے کے اسباب سے بھی خبردار کیا جا رہا ہے تاکہ ہم احتیاط سے کام کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں علم کا ذکر تھا اب عمل کا حکم ہے کہ ہمارے نبی نے تمہیں سب کچھ سکھا تو دیا عمل کرنا تمہارا کام ہے۔

تفسیر: **فاذکرونی اذکرکم** ف یا تو جزائیہ ہے اور یہ عبارت پوشیدہ شرط کی جزا اور علیحدہ جملہ یعنی جب تم میری نعمتوں کو پہچان چکے تو میرا ذکر کرو یا ف صلہ کی ہے اور اس کا گزشتہ آیتوں سے تعلق یعنی جیسے کہ ہم نے تمہیں رسول دیا ایسے ہی تم بھی ہمیں یاد کرو۔ ذکر کے چند معنی ہیں یاد کرنا' یاد رکھنا' تعریف کرنا' بزرگی دینا' شہرت دینا' نصیحت کرنا۔ رب فرماتا ہے **انہ لذکر لک** اور فرماتا ہے **والقرآن ذی الذکر** ان آیتوں میں ذکر بمعنی شرف ہے اسی لئے قرآن کا نام بھی ذکر ہے یہاں یا تو دونوں ذکروں سے یاد کرنا یا یاد رکھنا یا تعریف کرنا مراد ہے۔ یعنی تم میری تعریف کرو یا مجھے یاد کرو یا یاد رکھو تو میں بھی تمہاری تعریف کروں گا یا یاد رکھوں گا یعنی تم پر نظر کرم رکھوں گا کہ رب بھول چوک سے پاک ہے یا دوسرے ذکر کے معنی چرچا کرنا' عزت دینا ہے یعنی تم مجھے یاد کرو تو میں زمین آسمان میں تمہاری شہرت کروں گا کہ انسان تو کیا جنات ملائکہ بھی تمہاری طرف کھچے چلے آئیں گے اور تم سارے عالم میں ولی مشہور ہو جاؤ گے یا تم مجھے یاد کرو تو میں تمہیں دنیا اور آخرت میں عزت دوں گا۔ خیال رہے کہ اس ذکر میں بہت عموم ہے۔ جس کی شرح انشاء اللہ تفسیر کے بعد کی جائے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ ذکر تین قسم کا ہے۔ ذکر لسانی جو زبان سے ہو ذکر جنانی جو دل سے ہو۔ ذکر ارکانی جو ہاتھ پاؤں سے ہو۔ ان میں سے بعض بعض سے اعلیٰ ہیں۔ جس درجہ کا ہمارا ذکر ہو گا اسی درجہ کا رب ہمارا ذکر فرمائے گا کیونکہ یہاں دونوں ذکر عام ہیں اور صرف ذکر پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ **واشکروا لی** میری نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کرنا۔ شکر کے لفظی معنی ہیں ہنستا یا ظاہر کرنا اسی لئے رب کا نام بھی شاکر اور شکور ہے ہم تو رب کی نعمتوں کا اقرار اور اظہار کر کے شاکر کہلاتے ہیں اور وہ اپنے کرم سے ہماری ناچیز عبادت قبول فرماتا ہے' ملائکہ پر ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کا نام شاکر اصطلاح میں نعمت کے سبب منعم کی اظہار عظمت کو شکر کہا جاتا ہے شکر بھی ذکر کی طرح بہت عام ہے اور ہر نعمت کا علیحدہ شکریہ' صحت کا شکریہ' نماز مال کا شکریہ' زکوۃ رزق کا شکریہ' روزہ قوت و طاقت کا شکریہ۔ کمزوروں کی مدد ہے نعمتیں کھا کر فقط منہ سے شکر کہہ دینا کافی نہیں۔ خیال رہے کہ شکر کے بعد لام لانے میں دو نفیس اشارے ہیں۔ ایک یہ کہ شکر میرے لئے ہو نہ کہ کسی اور کے لئے اور اگر دنیا میں کسی اور کا شکریہ بھی ادا کرو تو میرا ہی حکم سمجھ کر۔ کہ اس کو حقیقی منعم جان کر۔ دوسرے یہ کہ ذکر تو میرا کرنا خواہ تمہیں نعمت ملے یا زحمت اور شکر نعمت کی وجہ سے کرنا یعنی ذکر میں ذات پر نظر ہو اور شکر میں انعام اور صفات پر اور شکر کے ساتھ **ولا تکفرون** میری ناشکری نہ کرنا۔ کفر کے لفظی معنی چھپانا ہیں انکار کو بھی اسی لئے کفر کہتے ہیں کہ اس سے نعمت چھپائی جاتی ہے۔ بے ایمانی اور ناشکری کو بھی کفر اور کفران اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں خدا کی نعمت کا انکار ہے۔ حکم شکر کے بعد کفر سے منع کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ شکر میں کفر کو شامل نہ کر دینا کہ زبان سے شکر اور عمل سے کفران کرو مثلاً مالدار زبان سے شکر ادا کرے اور زکوۃ ادا نہ کرے یہ شکر مع کفران ہے تو گویا یہ شکر کی تفسیر اور

تفصیل ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو جب میں نے تم کو محض اپنے کرم سے بلا عمل اتنی نعمتیں عطا فرمائیں تو تم بھی دو کام کرنا ایک میرا ذکر دوسرے میری نعمتوں کا شکر۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے ذکر سے عالم میں تمہارا چرچا ہوگا اور شکر سے تمہاری نعمتیں بڑھیں گی۔ ناشکری نہ کرنا کہ اس میں نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہے تم مجھے اطاعت سے یاد کرو میں تمہیں رحمت سے یاد کروں گا۔ تم مجھے دعا سے یاد کرو میں تمہیں عطا سے یاد کروں گا۔ تم مجھے شکر و اطاعت سے یاد کرو میں تمہیں ثنا و رأفت سے یاد کروں گا۔ تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تمہیں آخرت میں یاد کروں گا۔ تم مجھے زمین پر یاد کرو میں تمہیں قبر میں یاد کروں گا۔ تم مجھے آبادی اور مکانوں میں یاد کرو میں تمہیں جنگلوں اور وحشت کے میدانوں میں یاد کروں گا۔ تم مجھے راحت میں یاد کرو میں تمہیں بلا میں یاد کروں گا۔ تم مجھے مجاہدہ سے یاد کرو میں تمہیں ہدایت سے یاد کروں گا۔ تم مجھے صدق و اخلاص سے یاد کرو میں تمہیں خلاص (چھٹکارا) اور اختصاص سے یاد کروں گا۔ تم مجھے زندگی میں ربوبیت سے یاد کرو میں تمہیں مرتے وقت محبوبیت سے یاد کروں گا۔ تم کہو یا ربی میں کہوں گا یا عبدی تم کہو میں گنہگار ہوں میں کہوں گا میں غفار ہوں (کبیر) چار نعمتیں چار چیزوں سے ملتی ہیں۔ رب کے ذکر سے خدا کے ہاں اس کا ذکر ہونا جیسا کہ اس آیت میں ہے دعا سے قبولیت ادعونی استجب لکم شکر سے زیادتی نعمت لئن شکرتم لازیدنکم اور استغفار سے مغفرت (درمنثور) علماء فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی یعنی اللہ کی یاد تین طرح ہے۔ ذکر مقبول، ذکر محبوب، ذکر مردود۔ ذکر مقبول تو وہ ہے جو دوزخ سے نجات یا جنت کی امید سے کیا جائے اس کا نتیجہ دوزخ سے امان اور جنت کی عطا ہے ذکر محبوب یہ ہے کہ محض محبت الٰہی کی بنا پر اس کی یاد کی جاوے نہ جنت ملنے کے لئے نہ دوزخ سے بچنے کے لئے یہ ذکر پہلے ذکروں سے افضل ہے کہ ان ذکروں میں ذاکر کی اپنی غرض بھی تھی اس ذکر میں اپنی غرض کچھ نہیں اس ذکر کا نتیجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے پھر دنیا میں اللہ اس بندے کے آنکھ، ناک، کان، پاؤں بن جاتا ہے کہ اس کے اعضاء میں خدائی طاقتیں آجاتی ہیں اور بندے سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں۔ دیکھو حضرت مریم کا ہاتھ لگتے ہی خشک کھجور فوراً سبز ہوئی پھل لگے اور فوراً پک بھی گئے جیسا کہ سورہ مریم میں صراحۃً مذکور ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردہ کو زندہ ہو جانے کا حکم دیتے وہ فوراً زندہ ہو جاتا تھا دیکھو سورج کے سامنے شیشہ ہو جاوے تو اس شیشے میں چمک شعاعیں گرمی وغیرہ ظاہر ہوتی ہیں کوئلہ آگ سے متصل ہو کر جلا ڈالتا ہے کوئلہ اپنی جسم پھاڑ ڈالتا ہے۔ آئینہ سورج نہیں ہو گیا اور پانی آگ نہیں بن گیا مگر یہ دونوں سورج و آگ کے سے کام کرتے ہیں اسی طرح بندہ خدا نہیں بن جاتا بلکہ رب کی تجلی گاہ ہو کر اس کے سے کام کرنے لگتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ بن جاتا ہوں۔ غرضیکہ ذکر اللہ عجیب عجیب کرشمے دکھاتا ہے۔ بعض گروہ بندے اس حالت میں ایسے فنا ہو جاتے ہیں کہ کہہ بیٹھتے ہیں۔ انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی۔ اس حالت میں ان کا انا الحق کہنا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے طور پر درخت سے یموسیٰ انی انا اللہ کی صدا آنا تا فرماتے ہیں۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت   کے روا نبود کہ گوید نیک بخت

ذکر و شکر

(ذکر اللہ) اللہ کا ذکر بہترین عبادت ہے احادیث میں اس کے بڑے فضائل آئے۔ ہم مشکوۃ و تفسیر درمنثور اور مسلم و بخاری وغیرہ سے کچھ نقل کرتے ہیں۔ (1) جو قوم اللہ کا ذکر کرے اسے فرشتے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں گھیر لیتی ہے اور انہیں سکون قلب نصیب ہوتا ہے اور اللہ ملائکہ میں ان کا ذکر کرتا ہے (مسلم)۔ (2) بندہ نوافل سے رب کا پیارا بن جاتا ہے۔ جس سے کہ رب اس کے کان ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ چلتا ہے (بخاری) یعنی اللہ کے ذاکر کو ربانی قوتیں ملتی ہیں اور اس سے عجیب کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے کوئلہ آگ میں رہ کر آگ کا سا کام کرتا ہے۔ (3) بہتر عمل یہ ہے کہ انسان کی زبان ذکر اللہ سے تر رہے اور اسی حال پر دنیا سے جائے (احمد و ترمذی)۔ (4) ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں (ترمذی)۔ (5) شیطان انسان کے دل پر چپٹا رہتا ہے اور اللہ کے ذکر سے بھاگتا ہے (بخاری)۔ (6) غافلوں میں ذاکر ایسا ہے جیسے بھاگے ہوئے لشکر میں حملہ کرنے والا اور جیسے خشک درخت میں ہری شاخ اور جیسے اندھیرے گھر میں چراغ (رزین)۔ (7) جو رب کو دل میں یاد کرے رب بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہے اور جو جماعت میں یاد کرے تو رب تعالیٰ اسے ملائکہ کی جماعت میں یاد کرتا ہے (مسلم بخاری)۔ (8) ہر گھر کی کچھ زینت ہے اور مسجدوں کی زینت ذکر اللہ اور ذاکرین ہیں (درمنثور)۔ (9) قیامت میں کچھ نورانی لوگ نور کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کریں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ذکر اللہ اللہ کرتے تھے (طبرانی اور درمنثور)۔ (10) کچھ ملائکہ ذکر کے حلقوں کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ جہاں پاتے ہیں انہیں گھیر لیتے ہیں پھر رب سے عرض کرتے ہیں کہ ہم ان بندوں کے پاس سے آ رہے ہیں جو تیری کتاب اور نبی علیہ السلام پر درود پڑھ رہے تھے۔ رب فرماتا ہے ہم نے انہیں بخش دیا وہ عرض کرتے ہیں کہ ان میں بعض بلاقصد اتفاقیہ آ گئے تھے فرماتا ہے کہ وہ بھی بخش دیئے گئے ذاکرین کا ساتھی بھی محروم نہیں رہتا (بزاز و درمنثور)۔

ذکر اللہ کے فائدے : اس کے بہت سے فائدے تو معلوم ہو چکے کچھ اور فائدے بھی حسب ذیل ہیں۔ (1) ذکر اللہ زنگ آلود دل کی صیقل ہے۔ (2) ذکر اللہ گندے دل کے لئے آب رحمت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق پاکیست چوں پاکی رسید   رخت ے بندد بروں آید پلید
چوں بیاید ذکر حق اندر دہاں   نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

(3) ذکر اللہ بے چین دل کا چین ہے **الا بذکر الله تطمئن القلوب** (4) ذکر اللہ ہمارے اصلی وطن کا خط ہے۔ جیسے مسافر کو پردیس میں وطن کے خط سے تسکین ہوتی ہے ایسے ہی رب کے ذکر سے دل اور روح کو سکون۔ (5) ذکر اللہ مصیبتوں کو ٹالتا ہے آدم علیہ السلام کی توبہ اسی سے قبول ہوئی **فتلقی ادم من ربه کلمت** یونس علیہ السلام نے اسی کی برکت سے مچھلی کے پیٹ سے رہائی پائی۔ **فلولا انه کان من المسبحین** ذکر ہی کی برکت سے کشتی نوح پار لگی۔ **بسم الله مجرىها و مرسىها** اب بھی ہر مصیبت میں ذکر ہی کام آتا ہے۔ (6) مصیبت کے وقت نماز حاجت پڑھو خشک سالی میں نماز استسقاء ادا کرو۔ کوئی کام

در پیش آجائے تو اس کے لئے دعا استخارہ پڑھو۔ چاند سورج کو گرہن لگے تو نماز کسوف خسوف پڑھو بلکہ ہر حال میں اللہ اللہ کرو۔ بچے کے کان میں اذان کہو، مرتے وقت کلمہ پڑھو، چھینک کر الحمد للہ، تعجب پر سبحان اللہ، بری بات پر معاذ اللہ، مزاج پرسی پر الحمد للہ، غصہ میں **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** غرضیکہ ہر حال میں اللہ ہی اللہ ہے۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اسی کا ذکر کرو۔

ذکر اللہ کی قسمیں : اس کی تین قسمیں ہیں۔ (1) ذکر باللسان یعنی زبان سے تسبیح، تحمید اور تلاوت کرنا۔ (2) ذکر بالجنان یعنی قلبی ذکر اس کی تین صورتیں ہیں ایک تو رب کی ذات و صفات کے دلائل میں غور کرنا اور منکرین کے جوابات سوچنا۔ دوسرے شریعت کے احکام کے فائدے سوچنا اور رب کے وعدے اور وعیدوں کا خیال رکھنا۔ تیسرے مخلوقات الٰہی کے اسرار میں اتنا غور کرنا کہ عالم کا ہر ذرہ جمال یار کا آئینہ بن جائے اور ہر چیز میں اسی کی تجلی ہو۔ (3) ذکر بالارکان یعنی ظاہری اور باطنی اعضاء کو اچھے کام میں مشغول رکھنا اور برے کام سے روکنا (روح البیان) پھر ذکر کی دو قسمیں ہیں ذکر اللہ بلاواسطہ اور بالواسطہ۔ ذکر بلاواسطہ اللہ کی ذات و صفات کا یاد کرنا اور بالواسطہ اس کے پیاروں کا ذکر ہے لہذا درود شریف نعت شریف اولیاء کرام کے قصے سب ذکر اللہ ہیں بلکہ رب سے ڈرانے کے لئے اس کے دشمنوں کا ذکر بھی ذکر اللہ ہے۔ دیکھو تلاوت قرآن رب کا ذکر ہے مگر اس میں محبوبین اور مردودین کے تذکرے بھی ہیں اور ان سب پر ثواب ملتا ہے۔

افضل الذکر : زبانی ذکر سے قلبی ذکر کو اس لئے بزرگی ہے کہ مرتے وقت کبھی زبان بند ہو جاتی ہے مگر دل بند نہیں ہوتا جس کا دل ذاکر ہو وہ انشاء اللہ ذکر پر ہی مرے گا۔ نیز زبان باتیں کرنے اور سونے کی حالت میں ذکر الٰہی نہیں کر سکتی مگر ذاکر دل سوتے جاگتے کھاتے پیتے ہر وقت اللہ اللہ کرتا ہے۔ بعض ذاکر قلبی ایسے ہیں کہ جس مجلس سے گزر جائیں وہاں سب کو ذاکر بنا دیں بلکہ جہاں بیٹھ جائیں وہاں کا ذرہ ذرہ اور در و دیوار ذاکر بن جائے۔

ذکر بالجہر : خاندان نقشبندیہ میں ذکر خفی اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ریا کا شائبہ نہیں اور رب کا حکم ہے **ادعوا ربکم تضرعا و خفیتہ** وہ کہتے ہیں۔

دل میں ہو یاد تیری گوشہ تنہائی ہو … پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

دیگر سلسلوں میں بلند آواز سے ذکر مرغوب کیونکہ ذکر کی ضرب سے دل پر خاص اثر پڑتا ہے آنکھوں سے نیند دور ہوتی ہے۔ دوسروں کو ذکر کا شوق ہوتا ہے اس سے شیطان بھاگتا ہے اور جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک کی ہر چیز ایمان کی گواہ بنتی ہے۔ رب فرماتا ہے **فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا** نیز مجلسی ذاکر کا رب کے ہاں بھی ملائکہ میں ذکر ہوتا ہے ان کا اس پر عمل ہے۔

انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو … سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں

دونوں حضرات اللہ کے پیارے ہیں اور سب جنتی اس کی زیادہ تحقیق جاء الحق میں دیکھو۔

افضل الاذکار : کون سا ذکر افضل ہے اس میں مختلف روایتیں ہیں بعض میں ہے کہ افضل ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ اس سے دل کی صفائی ہے۔ بعض میں ہے کہ تلاوت قرآن کہ اس میں ایک حرف پر دس نیکیاں ہیں۔ بعض میں ہے کہ افضل ذکر توبہ و استغفار ہے کہ اس میں بلاؤں سے نجات اور رزق میں برکت وغیرہ ہے بعض میں ہے کہ افضل ذکر درود شریف ہے۔ اور بعض

میں ہے کہ افضل ذکر یہ ہے: سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کہ اس سے قیامت میں میزان بھر جائے گی
(بخاری)۔ بعض میں ہے کہ افضل ذکر تسبیح فاطمہ ہے۔ یعنی سبحان اللہ اور الحمد للہ 33،33 بار۔ اللہ اکبر 34 بار بعد نماز فجر و مغرب
مگر سلطان عشق کا فیصلہ یہ ہے کہ افضل ذکر درود شریف ہے کیونکہ اس میں خدا کا ذکر بھی ہے اور نبی پاک کا بھی اور حدیث
شریف میں ہے کہ درود شریف پڑھنے والے کا درود ملائکہ گنبد خضرا میں پیش کرتے ہیں لہٰذا اس کا ذکر گنبد خضرا میں بھی ہو گا
اور عرش اعظم پر بھی کیونکہ وہ رب کا بھی ذاکر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نیز قیامت میں درود پڑھنے والا حضور سے
قریب ہو گا۔ جب باغ ہی کا پھل یا پھول مل گیا تو برگ اور شجر کی پرواہ نہیں لہٰذا ہر ذکر بہتر مگر درود شریف بہت بہتر۔

شکر: شکر بھی رب کی بڑی عبادت ہے اس کے چند درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر نعمت کو رب کی طرف سے جانے۔
اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر نعمت پر رب کی تعریف کرے اس سے بڑھ کر یہ کہ گناہوں سے بچے اس سے بڑھ کر یہ کہ رب کی کسی
نعمت کو گناہ میں خرچ نہ کرے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر نعمت کو عبادت میں صرف کرے یہ شکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی شریعت و
طریقت کا اصل اصول عوام کا شکر تو یہ ہے کہ رب کی ہر نعمت میں سے رب کا حصہ نکالے بعض سانسیں رب کے کام میں خرچ
کرے بعض خواص سے کام رب کے لئے کرے دن رات کی بعض گھڑیاں رب کے کام کے لئے وقف کرے خواص کا شکریہ
ہے کہ

ملک تیرا جان تیری مال تیرا تیرا ... سب تو تیرا ہے پھر کس لئے میرا تیرا

یعنی ہر ساعت ہر سانس رب کے لئے صرف ہو۔ کھائے تو رب کے لئے، سوئے تو رب کے لئے کہ ان کے ذریعہ قوت حاصل
کر کے عبادت کرے ہر کام میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا خیال رکھے۔ سمجھے کہ سونا جاگنا مرنا جینا سنت ہے۔

حکایت: کسی نے ابو حازم سے پوچھا کہ آنکھوں کا شکر کیا؟ فرمایا یہ کہ بھلائی دیکھ کر ظاہر کرو اور برائی دیکھ کر چھپاؤ۔ کہا کان کا شکر
کیا؟ فرمایا یہ کہ اچھی بات سن کر یاد کرو اور بری بات بھول جاؤ۔ پوچھا کہ ہاتھوں کا شکر کیا؟ تو فرمایا کہ ان سے وہ چیز نہ پکڑو جس کے
لئے وہ بنائے نہ گئے۔ پوچھا کہ پیٹ کا شکر کیا؟ فرمایا اس کے نیچے حصہ میں کھانا اور اوپر کے حصہ میں علم ہو۔ پوچھا شرمگاہ کا شکر
کیا؟ فرمایا کہ بیوی اور لونڈی کے سوا کسی پر استعمال نہ کرو۔ پوچھا کہ پیروں کا شکر کیا؟ فرمایا کہ بے دوست و پاک خدمت کے لئے
چلو۔ جس میں یہ بات ہو وہ پورا شاکر ہے (تفسیر درمنثور)۔ خیال رہے کہ دنیوی احسان کرنے والوں کا شکریہ ادا کرنا بھی اشد
ضروری ہے۔ اس کی پوری بحث انشاء اللہ لئن شکرتم کی بحث میں آئے گی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا صرف اس کو یاد کرتا ہے جو اسے یاد کرے تو کیا وہ غافلوں سے غافل ہے۔ یہ
تو اس کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ ذاکر پر خاص نظر
کرم فرماتا ہے یا اسے رحمت سے یاد کرتا ہے یا اس کی عزت یا اس کا چرچا کرتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا
کہ جو کوئی بھی خدا کو یاد کرے خدا اسے یاد کرتا ہے تو اگر چور چوری کرتے وقت یا شرابی شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھ لے
یا بت پرست بت پرستی کرتے وقت خدا کا نام لے لے کیا خدا اسے بھی یاد کرتا ہے؟ **جواب:** ہاں ضرور یاد کرتا ہے مگر لعنت اور
عذاب کے ساتھ یہی عبداللہ ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا اور آپ نے یہی جواب دیا (درمنثور) لہٰذا اگر

ناشکری کرنے والا یا اس کی شکایت کرنے والا بھی رب کا کلام تو لیتا ہے مگر یہ ذکر نہیں بلکہ لعنت کا باعث ہے۔

تفسیر صوفیانہ : بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ **اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم** اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ **فاذکرونی** یعنی بنی اسرائیل کو نعمتوں کی یاد کا حکم دیا اور ہم کو اپنی یاد کا اور ظاہر ہے کہ نعمت کی یاد سے رب کی یاد افضل ہے کیونکہ وہ گویا لالچ ہے اور اس میں رب کا عشق اور یہ آیت بھی گذشتہ کی طرح مسلمانوں کی افضلیت جاری ہے کہ ہم کو سید الانبیاء کی غلامی دی۔ ایسے ہی اپنا عشق عطا فرمایا۔ نیز ذکر اللہ کی تین صورتیں ہیں۔ جنت کی امید سے جہنم کے خوف سے اور رب کے عشق سے۔ آخری صورت سب سے افضل جو بیماری یا ناداری یا مصیبت ذکر اللہ کی طرف رہبری کرے وہ اس تونگری اور مالداری اور راحت سے بہتر ہے جو رب سے غافل کردے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

مولا ہم کتے بھلے کہ تپ تپ چڑھے تو نام ۔۔۔ وا دن کبھی دیکھو گے کہ جب نہیں رحمان

دکھ میں ہر کو ہر بھجے اور سکھ میں بھجے نہ کوئے ۔۔۔ جو کوئی سکھ میں ہر بھجے تو دکھ کاہے کو ہوئے

صوفیاء کے ہاں ذکر شکر سے افضل ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم اطاعت میں ہمیں یاد کرو ہم تمہیں حل مقصود پر پہنچا کر یاد کریں گے اور تم اس توفیق کا یہ شکر کرو کہ ہر طاعت میں ہم کو یاد کرو ہم تمہیں عرفان زیادہ دیں گے اور دین و دنیا کی نعمتوں کو شکر سے جاذب کہا۔ اور کفر کرکے برکت قرآن بلکہ اپنی نعمتوں کو کھو بیٹھو گے۔ (تفسیر ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم میری تعظیم کرو میں تمہیں عزت دوں گا۔ ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ کی براہ راست تعظیم نہیں ہو سکتی اس کی تعظیم کی صرف یہ صورت ہے کہ اس کی محبوب چیزوں کی تعظیم کی جائے لہٰذا انبیاء، اولیاء، قرآن کریم اور مقدس مقامات خانہ کعبہ وغیرہ سب ہی کی تعظیم ذکر اللہ ہے یہ تعظیم ساری عبادات سے افضل ہے کہ ساری عبادتیں تو جسم کا تقویٰ ہیں مگر یہ تعظیم دل کا تقویٰ۔ رب فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب** یہ تعظیم اصل ایمان ہے اور توہین اصل کفر۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگروں نے حضرت کلیم اللہ کا ادب کیا تو رب نے انہیں ایمان، تقویٰ، صحابیت، صبر، شہادت تمام نعمتوں سے نواز دیا۔ حضرت شبلی قرآن کریم کے کاغذ کے ادب کی وجہ سے ولی ہو گئے۔ حضرت جنید بغدادی پہلے شاہی پہلوان تھے ایک سید صاحب کے مقابل اکھاڑے میں گر جانے کی وجہ سے سرتاج اولیاء بن گئے اور ابلیس صرف حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کی وجہ سے کافر بلکہ دل پر مہر والا کافر ہو گیا کہ اس نے کہا **خلقتنی من نار و خلقته من طین** میں ناری اس مٹی کے ڈھیر کے آگے کیسے جھکوں۔ خیال رہے کہ شیطان نہ تو سجدہ نہ کرنے سے ایسا مردود ہوا اور نہ آج بے نماز ہزارہا سجدے نہیں کرتے وہ کافر نہیں ہوتے اور نہ سجدے کے انکار کی وجہ سے ایسا سخت لعنتی ہوا اور نہ ہزارہا کفار تمام دین اسلام کے انکاری ہوتے ہیں کہ ان پر مہر نہیں لگتی بلکہ ہمیشہ مسلمان ہو جاتے ہیں لہٰذا یہی درست ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی بے ادبی اور توہین کرنے کی وجہ سے ایسا سخت مردود ہوا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے مدد لو ساتھ صبر کے اور نماز کے تحقیق اللہ ساتھ صبر والوں کے ہے۔
اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

تعلق : اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ذکر و شکر کا حکم دیا گیا تھا جو ساری بدنی و مالی عبادات کو شامل ہے اور کفران سے منع فرمایا گیا جس میں سارے گناہ داخل اس پر پورا عمل کرنا سخت دشوار تھا لہٰذا اب صبر و نماز کا حکم دیا گیا جس سے ان میں مدد ملے یعنی صبر و نماز سے ذکر و شکر میں مدد لو۔ **دوسرا تعلق**: پہلے ذکر و شکر کا حکم تھا۔ ذکر کا قوی تعلق بدن سے تھا اور شکر کامل سے اب صبر و نماز کا حکم دیا جارہا ہے۔ جس کا تعلق قلب و روح و بدن سب سے ہے۔ **تیسرا تعلق**: پہلے ذکر و شکر کا حکم دیا۔ اب اس صبر و نماز کا حکم دیا جارہا ہے۔ جس میں وہ دونوں بلکہ ساری عبادات داخل ہیں گویا پہلے مفرد نسخے بتائے گئے اور اب مرکب معجونیں۔ **چوتھا تعلق**: پہلے بلاواسطہ ذکر و شکر کا حکم تھا اب بالواسطہ کیونکہ صبر و نماز بالواسطہ ذکر بھی ہیں اور شکر بھی۔ **پانچواں تعلق**: پہلے ذکر و شکر کا حکم تھا اور کفران کی ممانعت اور ان میں سے ہر ایک کی لاکھوں قسمیں تھیں۔ جن سب کا ادا کرنا بظاہر دشوار۔ اب اس چیز کی تعلیم دی جارہی جس میں سب پر عمل ہو جائے کیونکہ صابر اور نمازی بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کا ذکر و شکر کرتا ہے۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیت میں شکر کا حکم تھا اب صبر کا حکم دیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ تم پر ہمیشہ نعمتیں ہی نازل نہ ہوں گی تاکہ تم ہمیشہ شکر ہی کرتے رہو بلکہ کبھی مصیبتیں بھی آئیں گی تاکہ تم کو صابر بنا کر صبر کا ثواب بھی دیا جاوے صبر و شکر بندگی کے دو پر ہیں جن سے بندہ پرواز کر کے دروازہ محبوب تک پہنچتا ہے گویا ایک پر کا ذکر پہلی آیت میں تھا دوسرے کا اس آیت میں ہے۔

تفسیر : **یاایھا الذین امنوا** اگرچہ پہلے ہی سے مسلمانوں سے خطاب ہو رہا ہے مگر چونکہ اب دشوار باتوں کا حکم ہے لہٰذا نئے خطاب سے ان کی عزت افزائی فرمائی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا کر اپنا جان و مال ہمارے ہاتھ فروخت کر چکے تم یہ دو عمل کرو کیونکہ اب تمہاری ہر چیز ہماری ہے۔ نیز اوھر اشارہ کرتا ہے کہ ایمان کے بغیر صبر و نماز ساری عبادات بیکار ہیں عبادتوں کے لئے ایمان ایسا ہی ضروری ہے جیسے نماز کے لئے جسم و کپڑے کی پاکی اسی لئے ایمان کو ماضی فرمایا اور صبر و نماز کا حکم دیا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ مومنوں کے خطاب میں ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے ان کا خطاب **یا ایھا النبی** ہے۔ نیز انداز خطاب سے ہی منشاء کا پتہ لگ جاتا ہے۔ کسی سے کہا او بیوقوف! معلوم ہوا عتاب ہوگا۔ اگر کہا او پیارے معلوم ہوا کرم ہوگا اگر کہا او بہادر معلوم ہوا کہ کوئی سخت کام دیا جائے گا۔ عرض کیا اے مالک و مولیٰ معلوم ہوا کہ معافی چاہی جائے گی۔ رب نے ہم کو مومن کے لفظ سے خطاب فرما کر کرم خاص کا اظہار فرمایا تاکہ مشقتیں آسان ہوں۔ ایمان کی حقیقت علماء کے نزدیک یہ ہے کہ تمام ضروریات دین کو مانا جائے کسی کا انکار نہ ہو۔ صوفیاء کے نزدیک یہ ہے کہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین کو اس طرح مانا جاوے کہ "عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ"۔ اس خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت مال و دولت سے نہیں مومن ہونے سے ہے نیز موحد ہونا کمال نہیں موحد تو ابلیس بھی ہے مومن ہونا کمال ہے۔ قبر میں توحید کے

سوال کے بعد حضور کی پہچان کرائی جاتی ہے کیونکہ ایمان کا امتحان ہے آسمانی دین نبوت سے بنتے ہیں نہ کہ توحید سے دیکھو یہودیت عیسائیت اسلام الگ الگ دین ہیں مگر توحید سب میں موجود ہے۔ منسوخ نہ ہوگی نبوت ہی میں فرق ہے وہی منسوخ ہوتی ہے۔ استعینوا استعانت کے معنی اور اس کے احکام ' وایاک نستعین میں گزر چکے۔ اب اتنا سمجھو کہ یہاں تھوڑی سی عبارت پوشیدہ ہے یعنی ہر بھلائی کرنے اور ہر برائی چھوڑنے میں صبر و نماز سے مدد لو بے نمازی کا کوئی ورد وظیفہ نہ قبول ہے نہ تاثیر والا نیز تارک فرض کے نفل قبول نہیں ہیں اور نام وہی لگا سکتا ہے جو ڈیوٹی پوری دے فرائض ڈیوٹی ہیں اور نوافل اور انعام بالصبر صبر کے لفظی معنی رکنا یا روکنا ہے چونکہ رب تعالیٰ بھی گنہگاروں کی جلدی پکڑ نہیں فرماتا انہیں مہلت دیتا ہے لہذا اس کا نام صبور ہے۔ یعنی رب کے لئے صبر کے معنی میں مہلت دینا خیال رہے کہ رب کا مہلت دینا کسی کے لئے رحمت ہے اور کسی کے لئے عذاب جسے اس لئے مہلت دی جائے کہ آخر کار توبہ کرکے نیکوں کے زمرہ میں آنے والا ہے تو یہ مہلت اس کے لئے رحمت ہے اور اگر مہلت کا منشاء یہ ہے کہ بندہ اور زیادہ گناہ کرکے بڑے عذاب کا مستحق ہو جائے تو اس کے لئے عذاب ہے دیکھو رب نے فرعون کو بھی مہلت دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کو بھی مگر فرعون کے لئے یہ مہلت غضب تھی اور جادوگروں کے لئے رحمت تھی اور ہمارے لئے صبر کے معنی ہیں برائیوں سے رکنا۔ خیال رہے کہ صبر کی بہت سی قسمیں اور بے شمار فوائد ہیں جن کا ذکر انشاء اللہ خلاصہ تفسیر کے بعد ہو گا یہاں اتنا سمجھو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں جسمانی اور نفسانی۔ صبر جسمانی بدن پر مشقتیں جھیل جانے کا نام ہے۔ اور صبر نفسانی نفس کو برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں پر قائم رکھنے کو کہتے ہیں۔ تفسیر عزیزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبر کی بناء عقل و شہوت پر ہے فرشتوں میں عقل ہے شہوت نہیں۔ اور جانوروں میں شہوت ہے عقل نہیں پھر انسان بھی بچپن میں عقل سے خالی جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے کا خواہش مند اس لئے انہیں صبر کا حکم نہیں جوانی میں جب شہوت و عقل جمع ہوئے تب صبر کا حکم ہوا چونکہ صبر میں چھوڑنا ہے اور نماز میں عمل اور ظاہر ہے کہ ترک عمل سے پہلے ہے لہذا صبر کو پہلے بیان کیا اور فرمایا کہ مسلمانو ہر موقعہ پر صبر سے مدد لو اور اگر صبر دشوار ہو تو ایک تریاق مجرب اور بتاتے ہیں جو چند چیزوں سے مرکب ہے وہ کیا والصلوۃ اگرچہ نماز میں ذکر' فکر' شکر' دعا وغیرہ ساری عبادات ہیں مگر صبر اس کا رکن اعلیٰ ہے۔ کیونکہ کھانا پینا' چلنا پھرنا' ہنسنا بولنا بلکہ ادھر ادھر دیکھنا غرضیکہ سارے دنیوی کاموں سے نماز روک دیتی ہے اور نمازی ان سب پابندیوں کو بخوشی برداشت کرتا ہے۔ لہذا اسے صبر کے ساتھ رکھا گیا۔ اسی لئے نماز' روزہ اور زکوٰۃ سے اعلیٰ مانی گئی ہے کہ ان میں صرف دو چار پابندیاں ہیں اور اس میں صدہا۔ اسی لئے نماز ہر مصیبت میں کام آتی ہے اور یہ مسلمانوں کی معراج ہے ان دونوں کے بے شمار دنیوی اور دینی فائدے ہیں سب سے بڑا یہ کہ ان اللہ مع الصبرین دیگر نیک کاروں کو جنت وغیرہ دے کر بہلا دیا جاتا ہے مگر صابرین کو جنت والا ملتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ رب نمازیوں کے ساتھ نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ صبر تو نماز کا ایک جزو ہے جب صابر کے ساتھ اللہ ہے تو نمازی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ہے نیز رب اگرچہ سب کے ساتھ ہے مگر ان کے ساتھ احسان اور کرم کے ساتھ اور جس قدر نماز و صبر میں کمال اسی قدر رب کی معیت کامل اور جب رب ساتھ ہو گیا تو پھر کس کی مجال ہے جو ہمارا کچھ بگاڑ سکے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تمہیں ذکر و شکر کا حکم دیا گیا اور کفران سے روکا گیا اگر تمہیں ان پر عمل کرنا بھاری پڑے تو

تمہیں دو چیزیں بتاتے ہیں۔ جس سے تم ہر کام پر بخوبی ثابت قدم رہ سکو گے۔ ایک صبر دوسرے نماز۔ تمہارا نفس شریر گھوڑا ہے اس کے منہ میں صبر کی لگام دو اور نماز کے راستہ پر چلاؤ اور لگام شریعت کے قبضہ میں رکھو جس سے وہ اوھر اوھر نہ بھاگے۔ اگر تم نے ان دو چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو سمجھ لو کہ ساری نیکیوں پر تو جنت اور حور و قصور ملیں گے اور ان پر خود رب غفور اور جب رب اس کا ہے تو سب اس کا یاد رکھو کہ بادشاہ کا غلام غلاموں کا بادشاہ ہے۔

مالک کشور شود بندہ کہ سلطان خرید

لہذا تم نیک کاروں کے بادشاہ ہو وے گے۔ رب تعالیٰ نے یہاں تو نماز کا فائدہ بیان فرمایا حل مشکلات دوسری جگہ اس کا فائدہ بتایا نہی عن المنکرات یعنی نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روک دیتی ہے۔ یہ تمام فوائد اس نماز کے ہیں جو صحیح نماز ہو نماز کے جسمانی ارکان تو نماز کا قالب اور ڈھانچہ ہیں دل کا حضور اور خشوع اس کا قلب ہے۔ اگر کوئی نمازی بدکاریوں سے نہیں بچتا یا اس کی مشکلات حل نہیں ہوتیں تو قرآن کی ان آیات کا انکار نہ کرے بلکہ اپنی نماز کو مکمل درست کرے بلب ضرور روشنی دیتا ہے مگر جبکہ پاور آرہی ہو۔ لیکن اگر کسی کو نماز میں حضور میسر نہ ہو تو وہ نماز چھوڑ نہ دے بلکہ پڑھے جاوے اور دعا کرے مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑ دے۔ کبھی تو رب تعالیٰ کرم کرے گا۔

صبر و صلوٰۃ : صبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی سخت کام میں دل پر کدورت نہ آنے دے اور اگر آبھی جائے تو اس کی پروا نہ کرے اور کام کو سخت نہ جانے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ صبر بدن اور صبر نفس۔ صبر بدن یہ ہے کہ رضاء مولا کے لئے سخت محنت برداشت کرے۔ روزہ 'نماز' حج سردی کے موسم کے وضو وغیرہ کی سختی پر خیال نہ کرے یا بدنی امراض پر رب سے ناراض نہ ہو۔ علاج اور دعا خلاف صبر نہیں۔

صبر نفس : یہ ہے کہ نفس کو اس کی ناجائز خواہشوں سے روکے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم کا علیحدہ نام۔ پیٹ اور شرمگاہ کی غلط خواہش سے رکنے کو عفت کہتے ہیں مال دولت کی ہوس سے باز رہنے کو قناعت اور مصیبت میں تحمل کرنے کو صبر عرفی 'تونگری میں غرور تکبر سے بچنے کو حوصلہ جہاد کفار میں قائم رہنے کو شجاعت اور غصہ میں آپے میں رہنے کو حلم اور زبان سے کسی کا راز فاش نہ کرنے کو رازداری کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ کسی کی موت وغیرہ پر آنکھ سے آنسو بہنا یا چہرہ کا رنگ بدل جانا یا صبر کے الفاظ بولنا بے صبری نہیں۔ حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور پاک کی وفات شریف پر بے شمار آنسو بھی بہائے اور کچھ الفاظ بھی فرمائے مثلاً ہائے میرے والد آپ جنت میں پہنچے ہائے میرے والد اب وحی آنا بند ہو گئی وغیرہا کہ اے انس تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر پاک میں سلادیا (بخاری و مشکوۃ) حالانکہ وہ صابرین کی سردار ہیں بلکہ کپڑے پھاڑنا 'بال نوچنا' منہ پر تھپڑ مارنا' رب کی شکایت کرنا یہ بے صبری ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ خاص مصیبت کے وقت برداشت کرنا صبر ہے۔ بے صبری اور بے قراری سے تھک کر خاموش ہو جانے کا نام صبر نہیں بلکہ تسلی ہے اور نہ اس پر صبر کا ثواب۔ خیال رہے کہ صبر کے تین درجے ہیں۔ مصیبت میں صبر' رب کی اطاعت پر صبر' معصیت سے صبر' معصیت میں صبر ہے "اللہ کی فرمانبرداری ہمیشہ کرنا' نفس کو عبادت پر قائم رکھنا روکے رہنا۔ نرمی گرمی عیش و تنگی میں دروازہ رب سے نہ ہٹنا اطاعت پر صبر ہے۔ جب مالداری اور دنیا کی وسعت آئے اور گناہوں کے بہت مواقع ملیں اس وقت نفس کو گناہوں سے

روکنا معصیت سے صبر ہے استقامت بھی صبر کی ہی ایک قسم ہے۔

صبر کے فائدے : صبر بہترین عبادت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل اور فوائد ہیں ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ (1) قرآن شریف میں 70 یا 75 جگہ صبر کا ذکر فرمایا۔ (2) ہر عبادت پر ثواب مقرر ہے مگر صبر پر نہیں بلکہ اس کا ثواب بے اندازہ ہے چونکہ روزہ میں بھی خاص صبر کا اظہار ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ روزہ میرا ہے اس کی جزا میں ہی دوں گا (حدیث)۔ (3) ساری عبادتوں کی جزا جنت ہے اور صبر کا ثواب خود رب تعالیٰ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا۔ (4) وعدہ الٰہی ہے کہ اگر تم صبر کرو گے تو ہم پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کریں گے (قرآن کریم)۔ (5) صبر والوں پر رب کی خاص رحمت ہے۔ (6) صبر نصف ایمان ہے (حدیث)۔ کیونکہ برائیوں سے بچنا صبر ہے اور عبادات کرنا شکر بلکہ حضرت علی اور عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ صبر ہی ایمان ہے کیونکہ شکر بھی بغیر صبر ناممکن (عزیزی)۔ (7) صبر سے استقلال اور ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے جو کہ کامیابی کا منہ دکھاتا ہے۔ بے صبری سے بے چینی اور بے قراری بڑھتی ہے جس سے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اوسان جاتے رہتے ہیں۔ عقل کھو جاتی ہے اور بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں۔ (8) انسانیت کا تقاضا ہے کہ جس کی نعمتیں کھائے اس کی خاطر تکلیف بھی برداشت کرے۔ کتا مالک کا ٹکڑا کھا کر ہزار دفعہ اس کی لاٹھی بھی کھالیتا ہے۔ بے صبر انسان جانور سے بدتر۔ (9) نعمت و مصیبت بندے کا امتحان ہے جو ان دونوں حالتوں میں راضی برضا ہو وہ اصلی بندہ ہے اور جو نعمتوں میں راضی مصیبت میں ناراض ہے وہ رب کا بندہ نہیں پیٹ کا بندہ ہے۔ (10) صبر سنت انبیاء اور اولیاء ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنا سارا مال خیرات کر کے اپنے فرزند کو ذبح کر کے نمرودی آگ میں اپنے کو پہنچا کر صبر کی مثال قائم فرمادی۔ ایوب علیہ السلام نے سخت بیماری برداشت فرما کر دوسری مثال قائم کی۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے کفار مکہ کی سختیاں جھیل کر طائف والوں کی سختی پر ان کو دعائیں دے کر گذشتہ صبروں پر رجسٹری فرمادی۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان کربلا میں اپنے بچوں کو سامنے ذبح کرا کر تین دن کا روزہ رکھ کر پیاسے حلق پر خنجر چلوا کر اس آیت کریمہ کی قیامت تک نہ مٹنے والی تفسیر کر دی۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی مصیبتوں میں ان حضرات کے واقعات سامنے رکھ کر صبر کر لیا کریں۔

حکایت : ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ ایاز ہاتھی پر سوار ہیں اور نہایت شان و شوکت سے ان کا جلوس نکالا جارہا ہے کچھ دن بعد دیکھا کہ ایاز پولیس کے ہاتھ میں گرفتار ہیں گلے میں جوتوں کا ہار اور ساتھ میں لوگوں کی قطار ہے۔ پوچھا ایاز وہ کیا تھا اور یہ کیا۔ ہنس کر جواب دیا کہ وہ تو و تعز من تشاء کا ظہور تھا اور یہ و تذل من تشاء کی جلوہ گری۔ نہ وہ اپنا تھا نہ یہ اپنا۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہے

ان خوبیوں سے سلطان محمود ایاز کا غلام بن گیا (تذکرہ غوثیہ)۔

حکایت : ایک دفعہ ایاز کو محمود نے کوئی کڑوا پھل کھانے کو دیا۔ اس نے بہت مزے لے کر کھالیا۔ لوگوں نے کہا کیا دیوانہ ہوا ہے تجھے کڑوے میٹھے کی تمیز نہیں۔ کہا پھل تو کڑوا تھا مگر اس کے ہاتھ سے آیا تھا جس نے پہلے مٹھائیاں کھلائی ہیں۔

صبر و شکر : حق یہ ہے کہ صبر شکر سے اعلیٰ ہے اور صابر شاکر سے افضل، چند وجہوں سے۔ ایک یہ کہ شکر کی جزا زیادتی نعمت ہے لئن شکرتم لا زیدنکم اور صبر کی جزا رب تعالیٰ اور ظاہر ہے کہ جتنا ثوابوں میں فرق ہے اتنا ہی کاموں میں ہے

دوسرے یہ کہ شکر سے دنیوی سامان بڑھتا ہے اور رب فرماتا ہے کہ **متاع الدنیا قلیل** اور صبر سے رضاء الٰہی ملتی ہے **و رضوان من اللہ اکبر** رب کی رضا ساری دنیا سے بہتر۔ تیسرے یہ کہ شاکر راہ مولا میں مال خرچ کرتا ہے اور صابر اپنی جان اور یقیناً مال سے جان بہتر۔ رب فرماتا ہے **لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون** تم پیاری چیز خرچ کئے بھلائی نہ پاسکو گے۔ چوتھے یہ کہ گروہ انبیاء میں شاکرین سے صابرین زیادہ ہیں۔ دیکھو سوائے سلیمان' داؤد اور یوسف علیہم السلام کے باقی سارے پیغمبروں نے مسکینیت اختیار فرمائی۔ پانچویں یہ کہ خود ہمارے حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ مولا میری زندگی وفات اور حشر مساکین میں ہو۔ معلوم ہوا کہ صبر کو اختیار فرمایا۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی غنا سے تنگ آکر فرمایا کہ **رب اغفرلی و ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی** مولا سلطنت کے بوجھ مجھ پر ہی ڈال دے میرے بعد کسی پیغمبر کو یہ مصیبت نہ دینا کیونکہ یہ ان کے مناسب نہیں نماز بھی مصیبتوں کا بہترین علاج اور رحمتیں حاصل کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ نماز سے بدن کی صفائی' لباس کی پاکی' اخلاق پاکیزہ' آخرت کی الفت' دنیا سے بے رغبتی' رب سے محبت حاصل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ حضور قلب کے ساتھ ادا ہو۔ جیسے کہ مختلف دواؤں میں مختلف تاثیریں ہیں۔ ایسے ہی نماز میں یہ تاثیر ہے کہ وہ برائیوں اور بدکاریوں سے بچاتی ہے اور جیسے کہ پہاڑوں کی ہوا تندرستی کے لئے مفید۔ ایسے ہی مسجد کی ہوا ایمان کی درستی کے لئے فائدہ مند۔ نماز میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ انسان کے دھیان کو ہٹا دیتی ہے یعنی دنیا سے ایکدم غافل کرکے رب کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ جس سے خواہ مخواہ انسان دنیوی غم بھول جاتا ہے اور فارغ ہو کر ایسا مسرور ہوتا ہے کہ پھر قلب میں مصیبت کا زیادہ احساس نہیں ہوتا۔ دیکھو مصری عورتوں نے جمال یوسفی میں محو ہو کر انگلیاں کاٹ لیں اور انہیں بالکل تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ بجائے ہائے ہائے کرنے کے یہ کہتی رہیں کہ **ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم** یہ بشر نہیں فرشتہ ہیں رب کی قسم اگر نزع کی حالت میں جمال مصطفائی نصیب ہو جائے تو اس وقت بھی کوئی تکلیف محسوس نہ ہو بلکہ کیفیت یہ ہو کہ جان تو نکل رہی ہو اور زبان پر یہ جاری ہو کہ مولیٰ تمہارے خدوخال پر قربان تمہارے بال کے قربان تمہاری چال کے صدقے تمہارے تبسم کے نثار صلی اللہ علیہ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وبارک وسلم۔ یہی نقشہ نماز کا ہے۔ نماز سے مراد نماز پنجگانہ ہیں یا خاص ضرورتوں پر خاص نمازیں اگر پہلے معنی مراد ہو تو اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ حضور انور نے فرمایا جس کا دھیان نماز کی طرف رہے ہمیشہ باجماعت مسجد میں نماز پڑھے۔ مسجد سے فوراً نہ نکل جائے کچھ دیر بیٹھ کر جائے تو اس کی حیوۃ طیبہ ہو گی۔ جس کے بارے میں رب فرماتا ہے۔ **من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ** ایسے شخص پر یا مصائب آتے نہیں یا آتے ہیں تو فوراً چلے بھی جاتے ہیں اور اگر نہیں جاتے تو دل میں ان کا اثر نہیں ہوتا ان مصیبتوں پر اس کا دل ایسے تیرتا ہے جیسے دریا میں کشتی۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

مگر نماز چاہئے ایسی کہ اس میں کبھی تو خدا سے عرض معروض ہو۔ **ایاک نعبد** اور کبھی مصطفیٰ علیہ السلام سے کہ **السلام علیک ایھا النبی** پھر رنج و غم کا خیال کیسا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اے لوگو مصیبتوں میں صبر اور نماز سے مدد لو۔ خدا توفیق عبادت کی نماز نصیب فرمائے۔ احادیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو جب کوئی معاملہ درپیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز مشکل کشا ہے۔ نماز بہت سی قسم کی ہے۔ نماز پنجگانہ جو سب پر فرض ہے۔ نماز جمعہ جو شہر

والوں پر فرض نماز وتر جو سب پر واجب۔ نماز عید جو شہر والوں پر واجب۔ نماز تہجد یہ سنت موکدہ علی الکفایہ یعنی اگر شہر میں ایک بھی پڑھ لے تو کافی۔ نماز اشراق نماز چاشت نماز اوابین ضرورت کے وقت نماز حاجت۔ رب سے مشورہ کرنے کے لئے نماز استخارہ وغیرہ مگر جس کے ذمہ فرض نماز باقی ہو اس کی نفل قبول نہیں۔

فائدے : اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر خدا سے بھی مدد لینی جائز ہے دیکھو یہاں صبر و نماز سے مدد لینے کا حکم ہے حالانکہ یہ ہمارے اعمال ہیں۔ دوسرا فائدہ: خاص ضرورتوں کے وقت فرض نمازوں کے علاوہ بھی اور نمازیں پڑھنی چاہئیں جیسے کہ قحط میں نماز استسقاء اور مصیبت میں نماز حاجت۔ تیسرا فائدہ: جب صبر و نماز کی برکت سے مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں تو بزرگوں کے توسل اور ان کی دعاؤں سے بھی آسان ہو سکتی ہیں کہ ہماری صبر و نماز سے ان کی دعائیں زیادہ قبول ہیں اور وہ خود مقبول ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ صابرین کے ساتھ ہے اور رب کے لئے ساتھ یا آگے پیچھے ہونا ناممکن کیونکہ وہ جگہ سے پاک ہے۔ جواب: اس سے مراد ہے اللہ کا کرم اور اس کی رحمت ان کے ساتھ ہے یہاں ہمراہی سے مکانی ہمراہی مراد نہیں۔ دوسرا اعتراض: تو کیا رب اوروں کے ساتھ نہیں ہے۔ جواب: وہ سب کے ساتھ ہے کافروں کے ساتھ قہر سے۔ متقی مسلمانوں کے ساتھ رحمت سے صابرین کے ساتھ خاص رحمت سے۔

تفسیر صوفیانہ : ایمان دو قسم کا ہے دیکھ کر اور سن کر یہاں عیانی یعنی دیکھا ہوا ایمان مراد ہے یعنی اے وہ لوگو جو میری بارگاہ میں پہنچ کر عیانی ایمان لا چکے۔ تم میری کبریائی اور عظمت کی جھلک پا کر صبر کرو کیونکہ یہ بہت دشوار مقام ہے اور اس صبر کے لئے حقیقی مشاہدہ والی نماز کی پابندی کرنا جس میں مسجود کے مشاہدہ پر سجدہ حقیقی ادا ہو اور جہاں مجاز کا حجاب اٹھ چکا ہو اور خیال رکھنا کہ اللہ ان صابرین کے ساتھ ہے۔ جو تجلیات انوار الٰہی جھیل سکیں کیونکہ سننا آسان اور مشاہدہ مشکل ہے (از ابن عربی)۔ نیز یار کی تجلی اس گھر میں ہوتی ہے جو اغیار سے خالی ہو۔ وہاں دوئی کی گنجائش نہیں۔ چونکہ صابر کا دل دنیا اور غموم دنیا سے ایکدم خالی ہے اور وہ غفلت سے بے خبر ہے اس لئے رب بھی اس کے ساتھ ہے۔ بے صبرے کے دل میں دنیوی رنج و غم کی پلیدی موجود پھر اسے یہ عزت کیونکر حاصل ہو۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کا دل تجلی یار کے قابل ہو تو اولا صبر کے جھاڑو سے اسے صاف کرے پھر نماز کا پانی کا چھڑکاؤ دے تاکہ گرد و غبار بیٹھ جائے اور پھر شکر کا فرش بچھائے جب یہ آداب بجالائے تو کیا تعجب کہ محبوب کرم فرمادے (از روح البیان)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام مشکلات کو صبر و نماز آسان کر دیتے ہیں مگر یہ دونوں خود بھی تو مشکل ہیں انہیں کون آسان کرے بخار کڑوی دوا سے جاتا ہے مگر کڑوی دوا پیٹ میں کیسے جائے اس کا پینا کیسے آسان ہو فرماتے ہیں انہیں آسان کرنے والی تین چیزیں ہیں۔ خوف' شوق' ذوق۔ یعنی رب کے عذاب کا خوف۔ اس کی نعمتوں کا شوق' اس کی جھلک یا اس کے حبیب کے عشق کا ذوق ہر قسم کے صبر کو بھی آسان کر دیتا ہے اور نماز کو سہل بنا دیتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین الذین یظنون انھم ملقوا ربھم** جب گناہ کرنے یا نماز چھوڑنے کو دل چاہے تو غور کرو کہ کیا تم رب سے بچ سکتے ہو یا اس کا عذاب جھیل سکتے ہو جب یہ دونوں کام نہیں کر سکتے تو معصیت سے صبر کرو ایک بزرگ ہر نماز کے بعد اپنے نفس سے تین خطاب کرتے۔ اے نفس اگر تو رب کی اطاعت نہیں کرتا تو رب کی روزی بھی نہ کھا کیا

نوکر تنخواہ کا مستحق نہیں اگر تو راضی بہ قضا نہیں تو دوسرا رب تلاش کر لے۔ اگر گناہ کی ہمت کرتا ہے تو وہاں جا کر گناہ کر جہاں تو رب کے قبضہ میں نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں صبر کے ساتھ زکوۃ و حج وغیرہ عبادات کا ذکر نہ ہوا۔ صرف نماز کا ذکر ہوا۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ ساری بقیہ عبادتیں صرف فرش پر ہوتی ہیں مگر نماز کے ارکان فرش و عرش ہر جگہ کہ فرشتے رکوع سجود میں مشغول ہیں چونکہ نماز میں فرشتوں کی مشابہت بھی ہے اس لئے اس میں فرشتوں کا اثر بھی ہو گا یعنی بے غمی دوسرے یہ کہ دھیان بانٹ دینے سے رنج و غم بھول جاتے ہیں نماز میں ایسا دھیان بٹتا ہے کہ انسان عرش کی سیر کرتا ہے رب سے ہمکلامی کی لذت پاتا ہے اور اگر احسانی نماز نصیب ہو جائے تو زہے نصیب جس میں بندہ سمجھے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں۔ دیکھو مصری عورتوں کا دھیان جب حسن یوسفی میں جم گیا تو انہیں ہاتھ کٹنے کا درد محسوس نہیں ہوا۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ
اور نہ کہو تم واسطے ان کے جو قتل کئے جائیں بیچ راستے اللہ کے مردے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور
اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں
لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾
لیکن نہیں شعور رکھتے تم
ہاں تمہیں خبر نہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں صبر کی عظمت کا ذکر تھا اب صابرین (شہداء) کے درجات کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ہر صبر کا ذکر ہوا۔ اب صبر خاص یعنی شہادت کا تذکرہ فرمایا گیا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں نماز کا حکم تھا چونکہ کبھی نماز کی بقاء کے لئے جہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس میں مسلمان شہید بھی ہوتے ہیں لہذا اب شہادت کی عظمت بیان ہوئی یعنی مصیبتوں میں صبر نماز سے مدد لو اور اگر نماز کے لئے جہاد کرنا پڑ جائے اور مسلمان اس میں شہید ہو جائیں تو انہیں مردہ نہ کہو۔ چوتھا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ صبر والوں کے ساتھ اللہ ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان صابرین میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو نہ مٹنے والی زندگی پا کر اللہ کے حضور حاضر رہتے ہیں یعنی صبر کی ایک عظمت پہلے بیان ہوئی اور دوسری اب۔

شان نزول: جنگ بدر میں مسلمان صرف 313 تھے اور کفار تقریباً 1000 مسلمان بے سامان تھے اور کفار کا ساز و سامان بے شمار۔ نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفار کو شکست فاش۔ اس جنگ میں 14 مسلمان شہید ہوئے۔ 6 مہاجرین۔ (1) عبیدہ ابن حارث ابن عبد المطلب۔ (2) عمر ابن ابی وقاص۔ (3) ذو الشمالین۔ (4) عمر ابن نفیلہ۔ (5) عامر ابن بکر۔ (6) مجمہ ابن عبد اللہ۔ اور آٹھ انصاری۔ (1) سعید ابن خثیمہ۔ (2) قیس ابن عبد المنذر۔ (3) زید ابن حارث۔ (4) تمیم ابن ہمام۔ (5) رافع ابن معلی۔ (6) حارثہ ابن سراقہ۔ (7) معوذ ابن عفراء۔ (8) عوف ابن عفراء اس کے بعد مسلمان تو کہتے تھے کہ فلاں فلاں اس جنگ میں مرے اور لوگ اس جنگ میں مرے اور کفار منافقین کہتے تھے کہ یہ ایسے دیوانے ہیں کہ تھوڑے اور بے سرو سامان

لوگ بڑی جماعتوں پر حملہ کردیتے ہیں اور صرف حضور علیہ السلام کی خوشنودی کے لئے بے فائدہ اپنی جانیں گنواتے ہیں ان کے حق میں یہ آیت کریمہ اتری (کبیر)

تفسیر : **ولا تقولوا** روح المعانی نے کہا کہ یہ **واستعینوا** پر معطوف ہے یعنی اے مسلمانو تم خود صبر سے مدد لو اور صابرین شہداء کو مردہ نہ کہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ علیحدہ ہو اور اس میں سب سے خطاب ہو یعنی اے لوگو یہ نہ کہو۔ خیال رہے کہ کسی کو کچھ کہنے سے روکنا تین نوعیت کا ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ بات اچھی ہو مگر دل میں رکھنے کے قابل ہو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لائق نہ ہو جیسے شب معراج میں اللہ رسول کے اسرار کی باتیں جو لامکان میں ہوئیں **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دوسرے یہ کہ وہ بات فی نفسہ بچی ہو۔ مگر اس میں بے ادبی کی گنجائش نکلتی ہو۔ جیسے **لا تقولوا راعنا** ان میں بات بری نہیں مگر کہنا برا۔ تیسرے یہ کہ وہ بات ہی حرام یا کفر ہے اور اس کا بولنا بھی حرام یا کفر ہو جیسے **لا تقولوا ثلثۃ** یہاں **لا تقولوا** تیسری صورت کا ہے یعنی شہداء کو مردہ کہنا یہ بات بھی بری ہے اور اس کا کہنا بھی جرم ہے۔ جیسے دو خدا کہنا کفر ہے ایسے ہی اب اس آیت کا انکار کرتے ہوئے شہداء کو مردہ کہنا بھی کفر ہے۔ خیال رہے کہ اکثر احکام کی آیتوں میں خطاب صرف انسانوں سے ہوتا ہے دیکھو نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد کی آیتوں کو فرشتوں سے کوئی تعلق نہیں مگر عقائد اور آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات میں خطاب جن وانس و فرشتے سب ہی سے ہے **لا تقولوا ثلثۃ** کے سب مکلف ہیں۔ نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جاؤ کے مکلف فرشتے تک ہیں۔ یہاں جو فرمایا گیا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو اس کے مکلف بھی جن وانس و فرشتے سب ہی ہیں اور **لا تقولوا** میں سب سے خطاب خلاصہ یہ کہ حضور کے نام پر کٹ مرنے والے شہیدوں کو بھی مردہ نہ کہو تو خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا کیا کہنا اور کیا پوچھنا۔ حضور ہی کے نام پر کٹ مرنے کا نام شہادت ہے اگر آریہ وغیرہ موحدین توحید پر مشرکوں سے لڑیں مریں تو شہید نہیں **لمن یقتل فی سبیل اللہ** قتل سے بنا جس کے معنی ہیں جاندار کے بدن کی بناوٹ بگاڑ ڈالنا (روح البیان) یعنی قتل تو بکھری ہوئی چیز کا بٹنا ہے اور قتل بنے ہوئے بدن کا کھول ڈالنا اسی لئے ہاتھ پاؤں یا دیگر عضو پر چوٹ مار کر مار ڈالنے کا نام قتل ہے۔ سبیل' طریق' شرع' منہاج۔ ان سب کے معنی ہیں راستہ مگر سبیل وہ راستہ کہلاتا ہے جس میں سہولت ہو اس کی جمع سبل ہے۔ پھر ہر اس ذریعہ کو بھی سبیل کہہ دیا جاتا ہے جس سے کسی تک پہنچ سکیں جیسے **ادع الی سبیل ربک** لہٰذا سبیل اللہ وہ راستہ ہے جس سے خدا تک پہنچ سکیں جیسے **لنھدینھم سبلنا۔**
اموات یا تو موتی کی جمع ہے یا میتہ کی موتی بمعنی مردہ اور میتہ بمعنی مردار جو بے کار ہو اور اس میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ تم شہداء کو اب مردہ نہ کہو ایک وقت ان پر موت طاری ہوئی اور پھر انہیں دائمی زندگی بخش دی گئی۔ دوسرے یہ کہ تم ان کی وفات کو موت اور ان کو مردہ نہ کہو کیونکہ یہ ہلکا لفظ ان شان والوں کے لائق نہیں بلکہ ان کی وفات کو شہادت اور ان کو شہید کہو۔ تیسرے یہ کہ انہیں بے کار اور ان کی اس قربانی کو بے فائدہ نہ جانو جیسے کہ مردار بے کار ہوتا ہے وہ کار آمد ہیں اور ان کی وفات بہت فائدہ مند (کبیر) خیال رہے کہ **اموات' ھم** کی خبر ہے اور جملہ بن کر لا تقولوا کا مفعول **بل احیاء** بھی ھم کی خبر ہے اور یا تو ولا تقولوا پر معطوف ہے یعنی بلکہ یہ کہو کہ وہ زندہ ہیں یا اموات پر یعنی بلکہ وہ زندہ ہیں۔ دوسرے معنی ہی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ رب تعالیٰ ان کی زندگی کی خبر دے رہا ہے نہ کہ انہیں زندہ کہنے کا فقط حکم۔ اس زندگی میں چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ

حقیقتاً اس عالم میں زندہ ہیں اور انہیں رب کی طرف سے رزق ملتا ہے اور جنت کی سیر بھی کرتے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **یرزقون فرحین بما اتھم اللہ من فضلہ** حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں (جلالین اور خزائن العرفان) دوسرے یہ کہ وہ زندوں کی طرح ہیں کہ ان کا ثواب جاری رہتا ہے کہ جب تک دین قائم ہے اور جہاد جاری ہے انہیں ثواب مل رہا ہے کیونکہ انہوں نے دین پر جان دی اور شہادت کا طریقہ جاری کیا۔ تیسرے یہ کہ ان کی روحوں کا خاکی جسم کے ساتھ قوی تعلق ہے کہ یہ جسم نہ سڑتے ہیں نہ گلتے۔ پہلی دو صورتوں میں تو حیات سے روحانی زندگی مراد ہے اور اس صورت میں جسمانی بھی اور یہ تینوں ہی درست ہیں کہ ان کی تائید قرآن و حدیث سے ہے وہ ہر لحاظ سے زندہ ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ **ولکن لا تشعرون** تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں اور ان کے عیش و معاش تمہیں نظر نہیں آتے یعنی ان کی زندگی کامل ہے تمہارے احساس کے لحاظ سے فرق ہے کہ پہلی زندگی تمہیں نظر آتی تھی یہ نظر نہیں آتی نیز پہلے انہیں دنیوی سامان اور رزق کی ضرورت تھی۔ اب وہ اس سے بے نیاز ہو چکے۔ اس لئے ان پر ظاہری احکام مردوں کے سے جاری کر دیئے گئے کہ ان کی میراث تقسیم ہو گئی اور ان کی بیبیوں کا نکاح دوسروں سے جائز ہو گیا کہ یہ چیزیں ظاہر سے متعلق تھیں جیسے کہ جب سوار نے گھوڑا بیچ دیا۔ تو اس کی زین وغیرہ بھی علیحدہ کر دی اور جب تاجر نے دکان بند کر دی تو باٹ و ترازو سے بھی بے نیاز ہو گیا کیونکہ اس کا پسلاجمع کیا ہوا مال ہی کیا کم ہے کہ اب کمانے کی مشقتیں برداشت کرے۔ خیال رہے کہ **تشعرون** شعور سے بنا جس کے معنی ہیں ظاہری اعضاء سے احساس اور یہاں علم کی نفی نہیں کی گئی بلکہ احساس کی کیونکہ ۔ بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان شہداء کی زندگی کو جانتا اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اگرچہ دیکھ نہ سکے۔ نیز اس میں عام لوگوں سے خطاب ہے ورنہ انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ ان کی زندگی دیکھتے بھی ہیں بلکہ ان سے ملاقاتیں اور گفتگو کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! جو لوگ صبر کے اول درجہ میں ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہو کر شہید ہو گئے انہیں مردہ نہ کہو۔ وہ تو اسی طرح زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی محسوس نہیں ہوتی۔ رب نے یہاں تو شہداء کو مردہ کہنے سے روکا۔ دوسری جگہ فرمایا **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا** شہداء راہ خدا کو مردہ سمجھو بھی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ شہداء کی زندگی ایسی یقینی ہے کہ انہیں مردہ سمجھنا اور کہنا بھی گناہ ہے نیز سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں بہت گنجائش ہے۔ جو بھی دین سے رکاوٹ دور کرنے کے لئے مارا جائے وہ شہید فی سبیل اللہ ہے لہٰذا اگر کفار اذان' نماز' قربانی گائے' درود پاک وغیرہ کو بند کرنا چاہیں اور مسلمان ان سے جنگ کر کے مارا جائے تو شہید ہے ایسے ہی اگر مسلمان کفار کے ملک پر حملہ کریں اور اس میں کچھ مر جائیں تو شہید فی سبیل اللہ ہیں کیونکہ وہ وہاں بھی اسلام پھیلانے کے لئے اور دینی رکاوٹیں دور کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ مرزائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اب جہاد منسوخ ہو چکا اور جب جاری تھا تب بھی حملہ کفار کو دفع کرنے کے لئے تھا نہ کہ ان پر حملہ کرنے کے طریقہ پر مگر یہ محض غلط ہے نہ تو اب جہاد منسوخ ہوا ہے اور نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔ نیز سوائے جنگ احد اور خندق کے باقی تمام غزوات میں صحابہ کرام ہی نے کفار پر حملہ کیا انشاء اللہ جہاد کی پوری بحث مع اس کے فوائد کے آیات جہاد میں کی جائے گی۔

شہید اور اس کی زندگی

شہید کے معنی اور وجہ تسمیہ : شہید کے لفظی معنی حاضر یا گواہ کے ہیں مگر عرف میں شہید وہ مسلمان بالغ ہے جو ظلماً مارا جائے اور قاتل پر اس کے قتل سے مال واجب نہ ہو۔ اس کو شہید کہنے کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ دیگر مسلمان قیامت کے حساب و کتاب سے فارغ ہو کر جنت میں پہنچتے ہیں اور اس سے پہلے ان کی قبروں میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے مگر شہید مرتے ہی جنت میں حاضر ہو جاتا ہے اور وہاں سیر بھی کرتا ہے اور رزق بھی کھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے بارگاہ الٰہی میں حاضر کر کے فرمایا جاتا ہے۔ تمنا کرو عرض کرتا ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے تاکہ پھر شہادت کی لذت پاؤں۔ حکم الٰہی ہوتا ہے کہ ہم ایک بار آزما کر پھر نہیں آزماتے (شہید بمعنی حاضر) تیسرے یہ کہ عام مسلمان قیامت میں گزشتہ انبیاء کے گواہ ہوں گے۔ مگر شہداء سرکاری گواہ۔ جیسے کہ اب بھی بعض مقدمات میں خفیہ پولیس یا ڈاکٹر وغیرہ سرکاری گواہ ہوتے ہیں یا دنیا میں باقی مسلمان تو اپنی زبان، قلم وغیرہ سے حقانیت اسلام کی گواہی دیتے ہیں مگر شہید اپنے خون سے توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہے کہ اس کا ہر قطرۂ خون کہتا ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** (شہید بمعنی گواہ) یوں تو جو بھی ظلماً مارا جائے شہید ہے یہاں تک کہ اپنے مال اولاد، آبرو کی حفاظت میں قتل ہونے والا بھی شہید۔ مگر شہید فی سبیل اللہ وہ ہے جو دین کی حفاظت میں جان کی قربانی دے۔

شہید دو قسم کے ہیں : (1) شہید فقہی (2) شہید حکمی۔ شہید فقہی وہ ہے جو مسلمان عاقل بالغ اور طاہر ہو پھر ظلماً ہتھیار سے مارا جائے یا زخمی ہو کر بغیر دنیوی آرام لئے مرجائے اس کو نہ غسل دیں گے نہ کفن بلکہ انہی خون آلودہ کپڑوں میں نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا شہید حکمی وہ جن پر اگرچہ فقہ کے یہ احکام جاری نہیں مگر آخرت میں ان کو درجہ شہادت ملے گا جیسے جل کر ڈوب کر طلب علم وغیرہ میں مرنے والا۔

شہادت کے مراتب : شہید کے بہت بڑے درجات ہیں۔ (1) شہید کو نبی سے بہت قرب حاصل ہے کہ پیغمبر کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔ (2) نبی کے فضلات شریف امت کے لئے پاک اور شہید کے جسم کا خون پاک یعنی اگر نبی کا پیشاب شریف یا شہید کا خونی کپڑا کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک نہیں (3) نبی بعد وفات زندہ دیکھو (مشکوٰۃ باب الجمعہ) شہید بھی بعد وفات زندہ (4) نبی کو بعد وفات رزق الٰہی ملتا ہے (مشکوٰۃ باب الجمعہ) اور شہید کو بھی (قرآن شریف) (5) شہید سوالات قبر سے محفوظ (6) شہید کا گوشت و خون زمین نہیں کھا سکتی۔ (7) شہید دنیا سے گناہوں سے ایسا پاک ہو کر جاتا ہے گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (8) شہید موت سے پہلے جنت دیکھ لیتا ہے۔ (9) شہید 70 آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ (10) شہید کا عمل و رزق قیامت تک جاری رہے گا۔ (11) شہید قیامت کے دن گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا بلکہ تیاری جہاد کرنے والے کی ایک نماز 500 کے برابر اور ایک درم کی خیرات 700 کی مثل (درمختار و شامی) غرضیکہ شہید کے بہت مراتب ہیں جیسے فوجی سپاہی سلطان کو پیارا کہ وہ اپنی جان سے سلطنت کی حفاظت کرتا ہے ایسے ہی غازی و شہید رب کو پیارا کہ اس نے اپنے خون سے دین الٰہی کی حفاظت کی۔ (12) جیسے ظاہری بادشاہوں کے مختلف محکمے ہیں اور ہر محکمہ کے نام و کام پلس وردی وغیرہ علیحدہ

ہیں ایسے ہی سلطنت مصطفوی کے بہت سے محکمے ہیں۔ علماء ' اولیاء ' غازی ' شہید وغیرہ پھر علماء کے محکمہ کی بہت سی شاخیں ہیں۔ فقہاء ' محدثین ' مجتہدین ' مفسرین وغیرہ ' محکمہ ولایت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ غوث و قطب و ابدال وغیرہ۔ غازیوں اور شہیدوں کا بھی یونہی ایک مستقل محکمہ ہے۔ حکومتیں فوجیوں کو بہت رعایتوں و مہربانیوں سے نوازتی ہیں۔ ان کے قتل کے بعد ان کے یتیموں ' بیوگان کی پرورش کرتی ہیں۔ فوج کو علاوہ تنخواہ کے کھانا کپڑا بھی دیتی ہیں۔ ایسے ہی رب تعالیٰ غازیوں اور شہیدوں پر خاص مہربانیاں فرماتا ہے کہ فانی زندگی کے عوض انہیں حیات جاودانی بخشتا ہے ان کے طفیل ان کے اہل قرابت پر کرم فرماتا ہے۔

شہید کی زندگی : روح البیان نے فرمایا کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک روح سلطانی جس کا مقام دل ہے اسی سے زندگی قائم۔ دوسرے روح حیوانی جس کا مقام دماغ ہے۔ جس سے ہوش و حواس برقرار۔ روح حیوانی سونے کی حالت میں نکل جاتی ہے اور روح سلطانی بوقت موت خارج ہوتی ہے۔ یعنی روح حیوانی کے نکلنے کا نام نیند ہے اور روح سلطانی کے نکلنے کا نام موت پھر نیند کی حالت میں روح حیوانی جسم سے نکل کر عالم کی سیر کرتی ہے اسی سیر کا نام خواب ہے مگر جسم سے پھر بھی اس کا تعلق ایسا رہتا ہے جیسے بجلی کے بٹن کا تار رہا اس سے کہ جونہی کسی نے جسم کو ہاتھ لگایا یا پکارا فوراً ہی روح کو خبر ہوئی اور آنا فانا اگر جسم میں داخل ہو گئی اور سونے والا جاگ گیا۔ ایسے ہی بعد موت روح انسانی کا کچھ تعلق جسم سے باقی رہتا ہے کہ جو کوئی قبر پر فاتحہ کے لئے آئے روح کو خبر ہو اس سے اتنا معلوم ہوا کہ موت سے تو روح کی فنا کا نام ہے نہ جسم کی۔ صرف روح کے تعلق ضعیف ہو جانے کا نام ہے اب یہ روح اس جسم کی پرورش نہیں کرتی۔ اس لئے بعد موت جسم گل سڑ جاتا ہے۔ مگر چونکہ کچھ تعلق باقی رہتا ہے اس لئے قبر میں نیک کاروں کے جسم کو راحت اور بدکاروں کے جسم کو عذاب دیا جاتا ہے اور روح اس کا احساس کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ قبر یا جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا غار۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ روح جسم لطیف نورانی ہے۔ جس کا خاص مقام تو دل یا دماغ ہے مگر وہ سارے جسم میں ایسے پھیلی ہوئی ہے جیسے کوئلہ میں آگ اور گلاب کے پھول میں عرق اور بعد موت سرایت کی یہ کیفیت نہیں رہتی بلکہ جسم سے باہر رہ کر اس کا تعلق رہتا ہے۔ جیسے بادشاہ کا رعایا سے جب یہ سمجھ لیا تو اب سمجھو کہ نبی کی برزخی زندگی عام لوگوں سے بہت زائد قوی ہے کہ ان کا جسم گلنے سے محفوظ اور ان کا مال اور ان کی بیبیاں تقسیم اور نکاح کے قابل نہیں اور ان کی ارواح دونوں جہان میں بلا تکلف سیر فرماتی ہیں۔ ہاں اس زندگی کا عام لوگوں کو احساس نہیں اور ان پر شریعت کی تکالیف بظاہر جاری نہیں یہ سب ظاہری گفتگو ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ حضرات نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ذکر فکر میں بھی مشغول رہتے ہیں۔ شب معراج اگلے پیغمبروں نے حضور کے پیچھے بیت المقدس میں نماز ادا کی۔ حجۃ الوداع میں گزشتہ پیغمبروں نے بھی حج کیا۔ جس کی حضور نے خبر دی۔ انشاء اللہ اس کی پوری بحث معراج کی آیت میں کی جائے گی۔ خیال رہے کہ ازواج مطہرات کا مسلمانوں کی ماں ہونا احترام و ادب کے لحاظ سے ہے نہ کہ احکام شرعیہ کے لحاظ سے اسی لئے ان سے پردہ فرض ان کی اولاد سے مسلمانوں کا نکاح درست دیکھو حضرت فاطمہ و زینب و کلثوم سے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی صاحبزادیاں ہیں۔ حضرت علی ' ابو العاص ' عثمان غنی کے نکاح ہوئے۔ نہ انہیں مسلمانوں کی میراث ملے نہ مسلمانوں کو ان کی میراث معلوم ہوا کہ وہ حضرات اولیاء " ماں " سے افضل مگر شرعی حکم میں ماں نہیں۔ حضور انور کی وفات کے بعد ان سے نکاح اس

لئے حرام ہے کہ حضور انور زندہ ہیں وہ حضرات بیوہ نہیں اسی لئے حضور انور پر ازواج مطہرات کا خرچہ نفقہ ہے جو حضور کے چھوڑے ہوئے مال سے ادا ہو گا یہ میراث نہیں کیونکہ زندہ کی میراث نہیں بٹتی بلکہ نفقہ زوجیت ہے اسی لئے رب نے فرمایا **ولا تنکحوا ازواجه من بعده ابدا** دیکھو حضور انور کی وفات کے بعد بھی بیویوں کو حضور کی ازواج فرمایا گیا معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں۔

اس کی ازواج سے جائز ہے نکاح — اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے!
روح تو سب کی ہے زندہ ان کا — جسم پرنور بھی روحانی ہے!

اسی لئے مطلقہ زوجہ نبی امت پر حرام نہیں رب فرماتا ہے **فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا**۔ اگر مطلقہ کا بھی نکاح درست نہ ہو تو طلاق و بیکار بلکہ مضر ہوتا ہے۔ بہرحال اس آیت سے دو طرح حیات النبی ثابت ہے۔ نیز کلمہ' اذان' نماز' ان سب سے حیات النبی کا ثبوت ہے۔ **محمد رسول الله** کے معنی ہیں محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر آپ عام لوگوں کی طرح موت پا چکے ہوتے تو کہا جاتا وہ اللہ کے رسول تھے۔ نیز حضرت سلیمان بعد قبض روح عرصہ تک نماز میں کھڑے رہے۔ دیمک نے جب لاٹھی کھائی تب آپ کی وفات کا پتہ لگا جسم شریف نہ گلا نہ خراب ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا۔ اجعلنا من دون الرحمن الهة یعبدون** اگلے رسولوں سے پوچھو کہ کیا ہم نے جھوٹے معبود بنائے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وفات یافتہ رسول زندہ بھی ہیں ان سے مقبول بندے ملاقات و گفتگو بھی کر لیتے ہیں وہ دنیا کی سیر بھی کرتے ہیں۔ ان دلائل سے حیات انبیاء' حیات شہداء' حیات اولیاء بخوبی ثابت ہے۔

شہداء کی زندگی : اس درجہ قوی تو نہیں مگر پھر بھی عام مسلمانوں سے بدرجہا قوی۔ اس لئے ان کی میراث تو تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیبیاں اوروں سے نکاح کر سکتی ہیں مگر یہ ملائکہ کی طرح لطیف جسموں کی شکل میں جنت کی سیر بھی کرتے ہیں اور عالم میں تصرفات بھی۔ خیال رہے کہ دنیوی زندگی تو برزخ کے مقابلہ میں ایک خیال ہے اور برزخی زندگی حشری زندگی کے مقابلہ میں خواب و خیال یعنی مرنے کے بعد دنیوی واقعات خواب کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور مردہ سمجھتا ہے کہ میں سو کر اٹھا اور حشر میں برزخی حالات خواب اور دنیوی حالات خواب کے اندر خواب معلوم ہوں گے لہٰذا انبیاء و اولیاء و شہداء کا بعد وفات ہی جنت میں پہنچنا فقط روحانی ہے نہ کہ اس جسم سے اور بعد حشر مع جسم ہو گا اور پہلا داخلہ مثل خواب کے معلوم ہو گا اور عوام حشر سے پہلے نہ جسماً وہاں پہنچیں نہ روحاً بلکہ دور سے جنت کو دیکھتے ہیں پھر انبیاء اور شہداء کے اس داخلہ میں بھی ایک بڑا فرق ہے جیسے کہ ان خوابوں میں فرق۔ ہم لوگ خواب میں اگر کچھ کھائیں پئیں تو اس کی لذت تو محسوس کرتے ہیں مگر صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور پیغمبر جو کچھ خواب میں کھاتے پیتے ہیں اس کی لذت بھی پاتے ہیں اور صبح کو سیر اٹھتے ہیں۔ اس لئے حدیث پاک میں وارد ہوا **یطعمنی ربی و یسقینی** مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض خاص اولیاء جو انبیاء کرام کے قدم پر ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ انہوں نے خواب میں کچھ کھایا۔ صبح کو اس کھانے کی خوشبو ان کے منہ میں تھی اور شکم سیر تھے مگر ان کے لئے یہ کبھی ہوتا ہے اور نبوی وراثت سے لہٰذا شہداء کی زندگی اس معنی میں تو جسمانی بھی ہے کہ ان کا جسم گلنے سے محفوظ اور پہلی وجہ سے روحانی یہ فرق بہت خیال میں رہے کہ اس سے بہت سے اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کا

جنت میں پہلے رہنا حضور کا جسماً معراج کی رات وہاں جانا اور ادریس علیہ السلام کا اب بھی وہاں رہنا یہ ثواب کے لئے نہیں اس کی دوسری نوعیت ہے جیسے کہ ملائکہ کا وہاں قیام۔

ہماری تحقیق : زندگی کی تین قسمیں ہیں اور اس کے مقابل موت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک زندگی حسی جو محسوس ہو اور اس کے مقابل موت حسی جو بظاہر معلوم ہو۔ اسی لحاظ سے فرمایا گیا **انک میت وانھم میتون** یہاں موت سے حسی موت مراد ہے۔ جو بظاہر دیکھنے میں آئے اور جسم بے حس و حرکت نظر آئے دوسرے زندگی حقیقی جیسے روح کی زندگی کہ وہ جسم سے جدا ہو کر بھی برقرار ہے اس کے مقابل موت حقیقی ہے جیسے کہ قیامت کے دن جانوروں کو آپس میں بدلہ دلا کر فنا کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا۔ **کونوا تراباً** " مٹی ہو جاؤ اس دن ان کی روحیں ہی فنا ہوں گی۔ تیسرے زندگی حکمی جو دیکھنے میں نہ آئے۔ مگر اس پر زندگی کے بہت سے احکام جاری ہوں جیسے انبیاء کرام کی وفات کہ اس پر بہت سے زندگی کے احکام شرعیہ جاری ہیں مثلاً" میراث تقسیم نہ ہونا اور ان کی بیبیوں کا اوروں سے نکاح نہ کرنا وغیرہ اور کچھ موت کے احکام بھی جاری جیسے کفن دفن، نماز جنازہ وغیرہ اور جیسے کہ شہداء کی موت کہ جس پر بقائے جسم اور عطائے رزق وغیرہ کی زندگی کے احکام جاری اور دفن و نماز جنازہ، موت کے احکام اس کے مقابل حکمی موت ہے کہ وہ بظاہر زندہ ہو مگر اس پر موت کے احکام جاری ہوں۔ جیسے مرتد کہ وہ چلتا پھرتا نظر آتا ہے مگر اس کا مال حکماً" ملکیت سے نکل چکا اور بیوی نکاح سے خارج لہذا یہاں احیاء سے حیات حکمی مراد ہے نہ کہ حسی یا یوں کہو کہ نبی اور شہید کی روح جسم سے علیحدہ کر دی جاتی ہے سرکار فرماتے ہیں۔ **فانی امرء مقبوض** مگر اس قبض روح کے باوجود ان کی حیات باقی رہتی ہے۔ لہذا **انک میت** میں قبض روح مراد ہے اور **بل احیاء** میں وہ باقی رہ جانے والی حیات جیسے کہ شق صدر کے موقعہ پر حضور کا دل نکال لیا گیا مگر حیات باقی رہی۔ خیال رہے کہ قبض روح موت نہیں بلکہ سبب موت ہے ہو سکتا ہے کہ سبب پایا جاوے اور موت نہ آئے۔ حیوۃ اس صفت کا نام ہے جس سے علم و ادراک وغیرہ قائم ہے لہذا انبیاء شہداء مقبوض ہیں میت نہیں اسی لئے بعد وفات ان کے جسم گلتے نہیں کہ روح کا تعلق ان سے قائم ہے دیکھو کسی کا ہاتھ سوکھ جاتا ہے تو سڑتا گلتا نہیں کہ روح کا کچھ تعلق اس سے قائم ہے غرضیکہ جیسے ہماری نیند میں روح سلطانی نکل جاتی ہے مگر وہ غافل نہیں ہوتے اس لئے ان کی نیند پر بعض احکام تو نیند کے طاری ہوتے ہیں تبلیغ نہ کرنا نماز میں امام نہ بننا وغیرہ اور بعض احکام بیداری کے جاری جیسے وضو نہ ٹوٹنا خواب کا وحی الٰہی ہونا حتیٰ کہ ان کے خواب سے احکام شرعیہ منسوخ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے خواب سے ذبح فرزند کا ارادہ فرمایا اسی طرح ہماری موت میں روح حیوانی جسم سے نکل بھی جاتی ہے اور ہمارا جسم بے جان ہو کر سڑ گل بھی جاتا ہے مگر حضرات انبیاء کی وفات میں روح حیوانی جسم سے نکل تو جاتی ہے اسی لئے ان کا دفن کفن، نماز جنازہ وغیرہ ہو جاتی ہے۔ مگر وہ جسم بے جان نہیں ہوتے۔ پرورش روح باقی رہتی ہے اسی لئے ان کے اجسام سڑتے گلتے نہیں اور ان پر بہت سے احکام زندگی جاری ہوتے ہیں۔

سید الشہداء کون ہے؟ : بعض اسباب سے شہادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اسی وجہ سے شہید کو سید الشہداء کہا جاتا ہے مثلاً" ایک شہید کفن دفن پاتا ہے۔ دوسرا شہید شہادت سے پہلے بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاتا ہے اور بعد وفات اسے گور و کفن بھی میسر نہیں ہوتا بلکہ اس کا جسم گھوڑوں سے پامال کر دیا جاتا ہے۔ یقیناً" دوسرا پہلے سے افضل ہے اس میں گفتگو ہے کہ صحابہ

کرام میں سید الشہداء کون ہے بعض نے کہا کہ حضرت حمزہ ہیں بعض نے فرمایا حضرت عمر فاروق کسی کا خیال ہے کہ حضرت عثمان غنی بعض نے فرمایا امام حسین مگر اس کا فیصلہ یہ ہے کہ ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ان میں سے تمام حضرات مختلف لحاظ سے سید الشہداء ہیں حضرت ابو بکر صدیق اس لئے کہ ان کی وفات وفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے کہ حضور کی وفات خیبر کے زہر کے اثر سے اور اس یار غار کی وفات مار غار کے زہر کے اثر سے ہوئی یعنی ان حضرات پر گزشتہ زہر کا اثر ظاہر ہوا۔ حضور کی وفات دو شنبہ کے دن میں صدیق اکبر کی وفات یہ دن گزار کر سہ شنبہ کی رات میں حضور علیہ السلام کی وفات کی رات چراغ میں تیل نہیں۔ صدیق کے گھر میں وفات کے دن کفن کے لئے پیسہ نہیں چنانچہ وہاں تو تیل قرض مانگ کر روشنی کی گئی اور یہاں پہنے ہوئے کپڑے دھو کر ان میں کفن دیا گیا۔ حضرت عمر اس لئے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ کی زمین پاک مسجد نبوی شریف حضور علیہ السلام کا مصلے نماز فجر میں مشغولیت اس حال میں آپ کی شہادت اور پھر یہ دونوں حضرات پہلوئے مصطفیٰ علیہ السلام میں مدفون حضرت عثمان غنی اس لئے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ پاک کی زمین قرآن پاک کی تلاوت اور ایسا صبر کہ قاتل کا مقابلہ تو کیا اس تلوار روکنے کے لئے ہاتھ بھی نہ اٹھایا اور لوگوں کو مقابلہ سے روکنا کہ میری وجہ سے زمین مدینہ خونی نہ ہو۔ اس حال میں شہید ہونا اور پھر قرآن پر خون گرنا تین دن گھر میں پانی کا نہ پہنچنا۔ امام حسین اس لئے سید الشہداء کہ آدم تا ایں دم کسی نے ان کی سی مصیبتیں نہ اٹھائیں۔ آپ غازی بھی سید بھی پردیسی مسافر بھی بے یار و مددگار بھی تین دن کے متواتر روزہ دار بھی اور چھوٹے بچے اور گھر والوں کو صرف اللہ پر چھوڑنے والے بھی اور نماز میں مشغول بھی اور اس حال میں شہید بھی اور ان کے بعد جسم پاک کو گور و کفن بھی میسر نہیں اور ان کی بیوی بجائے عدت میں ایک جگہ رہنے کے قیدی بنا کر شہر بشہر پھرائی گئیں۔ اگر یہ حضرات سید الشہداء نہ ہوں تو کون ہو گا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پہلا اعتراض: اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ شہداء کی روح سبز پرندوں کے جسم میں داخل ہو کر جنت میں جاتی ہے اور اسی کا نام تناسخ یا آواگون ہے جو کہ اسلامی عقیدے کے خلاف اور آریوں کا عقیدہ ہے۔ جواب: وہ بدن روح کا پنجرا نہیں ہوتا بلکہ روح اس میں ایسی ہوتی ہے جیسے گھر میں آدمی۔ روح کا بدن وہ ہے جس کو روح پالے بڑھائے اور ترقی دے۔ لہذا یہ آواگون نہیں۔ نیز وہ بدن مادی نہیں بلکہ یا تو روح کی ایک لطیف شکل ہے یا نورانی جسم۔ آواگون کے یہ معنی ہیں کہ مثلاً "روح انسانی اولاً" جسم انسانی کی پرورش کرے اور موت کے بعد کتے بلی گدھے وغیرہ کے جسموں میں داخل ہو کر اسے پالے پوسے گویا وہ اب تک کسی کا باپ بیٹا کہلاتا تھا۔ اب وہ حمار آتیا گدھا کہلائے۔ دوسرا اعتراض: خدا کی راہ میں مرنے مارنے کی کیا ضرورت ہے یہ ان باتوں سے مسلمانوں کو اشتعال دلا کر لڑانا اور دوسروں کا مال لوٹنا مقصود ہے (ستیارتھ پرکاش) جواب: جہاد کی ضرورت تو پہلے بتائی گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ کوئی پیار تو بات سے مانتا ہے۔ کوئی لات سے بات ماننے والوں کے لئے قرآنی وعظ اور نصیحتیں موجود اور سرکشوں کے لئے جہاد ہے جہاد سے شہادت۔ بغیر جہاد دنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی قوم اس کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر گورنمنٹ کے پاس فوج اور توپ خانہ نہ ہو تو دوسری حکومتیں اسے فنا کر ڈالیں اور اگر جیل خانہ اور سزائیں نہ ہوں تو شریفوں کو بدمعاش زندہ نہ رہنے دیں۔ اگر گلے ہوئے عضو کو نہ کاٹا جائے تو سارا جسم گل جائے اگر کھیت کی زائد گھاس نہ اکھیڑی

جائے تو پودے دب کر فنا ہو جائیں۔ پنڈت جی تم اپنی زندگی کے لئے ہزاروں جاندار ترکاریاں اور ساگ پات کیوں کاٹ کر کھا جاتے ہو اور سانس کے ذریعے صدہا ہوائی کیڑوں کو کیوں فنا کر ڈالتے ہو۔ اپنے آرام کی خاطر سانپ' بچھو' کھٹمل' جوں وغیرہ کو کیوں مار ڈالتے ہو۔ جب شخصی زندگی کے لئے اتنی جانیں قربان کی جاسکتی ہیں تو قومی زندگی کے لئے بھی موذی لوگوں کو دبایا جا سکتا ہے۔ جب جانی دشمنوں کو مارنا درست ہے تو دینی اور انسانیت کے دشمنوں کو بھی دبانا صحیح ہے۔ مگر یہ راز وہ جانے جس کے سر میں دماغ ہو اور دماغ میں عقل۔ **تیسرا اعتراض:** بہت سے شہداء کے جسم گلے ہوئے دیکھے گئے اس کی کیا وجہ؟ **جواب:** غالباً ان کی شہادت قبول نہ ہوئی ہو گی۔ لہٰذا وہ شہید فی سبیل اللہ نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شہداء کی زندگی قطعی یقینی ہے۔ اس کا انکار کفر ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے ہاں نوعیت حیات ظنی ہے۔ جن میں کسی خاص نوعیت کا انکار کفر نہ ہو گا۔ انبیاء کرام کی زندگی کا انکار سخت گمراہی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اگرچہ شہادت کی بہت قسمیں اور شہید کئی طرح کے ہیں مگر اول درجہ کی شہادت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں دینی خدمت کے سلسلہ میں نصیب ہو مومن جنگ کفار میں صرف ملک گیری یا صرف قومی خدمت یا غنیمت حاصل کرنے کی نیت نہ کرے کلمۃ اللہ بلند کرنے کی نیت کرے۔

جنگ شاہان فتنہ و غارت گری است   جنگ مومن سنت پیغمبری است

تیسرا فائدہ: شہیدوں کی زندگی عوام کے شعور سے وراء ہے مگر خواص محسوس کر لیتے ہیں ان سے ملاقات بلکہ کلام سلام کرتے ہیں رب نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندگی قابل شعور نہیں بلکہ فرمایا کہ تم لوگ شعور نہیں کرتے وہ تو قابل شعور ہے۔ صوفیاء کے ہاں جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی عرفان (معرفت الٰہی) سے دل کی زندگی عشق جاناں سے وراء نفس کی زندگی طغیاں سے نفس کو مارو تاکہ دل و جان زندہ ہو۔ کھیت سے گھاس صاف کرو تاکہ گندم کے پودے زندہ رہیں۔ جہاں زندہ دل دفن ہو جاوے وہاں کے ذرات و گھاس وغیرہ کو معرفت الٰہی اور حیات ابدی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حضور کی قبر انور عرش سے افضل ہے کہ قبر کو حضور سے قرب ہے اور عرش کو بعد کیا تم نے نہ سنا کہ ابو جہل کی مٹھی کی کنکریوں نے کلمہ پڑھا۔ استن حنانہ حضور کے فراق میں رویا۔ بی بی مریم کا ہاتھ لگنے سے خشک درخت کھجور سبز اور بار دار ہو گیا۔ زندوں کی صحبت سے زندگیاں اسی طرح ملتی ہیں۔ اصحاب کہف کا کتا تاقیامت زندہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جہاد دو ہیں۔ جہاد کفار' یہ جہاد اصغر ہے اور جہاد نفس' یہ جہاد اکبر۔ جہاد کفار میں لوہے کی تلوار سے کام ہے اور جہاد نفس میں جبار کی تلوار سے۔ جہاد کفار میں جسم ہلاک ہوتا ہے اور جہاد نفس میں نفس کے حیوانی صفات برباد لہٰذا اے لوگو! جو نفوس کے جہاد اکبر میں تلوار عشق کے ذریعہ فنا فی اللہ ہو گئے انہیں مردہ نہ کہو کیونکہ اگرچہ ان کے اوصاف وجود مٹ گئے مگر ان میں اوصاف شہود موجود ہیں اور جس کی فنا فی اللہ ہوتی ہے اور اس کی بقا باللہ۔ ان کا محبوب کبھی تو انہیں صفات جلال کی تجلی سے فنا کرتا ہے اور کبھی الطاف جمال کی ہواؤں سے زندہ ان کا یہ حال ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جان دیگر است

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

یہ حضرات باغات جمال کی سیر کرتے ہیں اور درخت وصال کے پھل کھاتے ہیں مگر تم ان کے احوال سے بے خبر ہو کیونکہ تم حجاب کے باہر وہ اندرون خانہ اگرچہ ان کی اشباہ (صورتیں) فنا ہو چکیں مگر ان کے ارواح باقی۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جس کی زندگی سانس سے ہے وہ روح کے نکلنے سے مرجاتا ہے اور جس کی زندگی رب سے ہے وہ روح نکلنے سے مجازی زندگی سے نقل ہو کر حقیقی زندگی میں قدم رکھتا ہے گویا میلے اور تکلیف دہ لباس کو اتار کر صاف لباس پہنتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مے کند دندان بدرا آں طبیب — تا رہد از درد و بیماری حبیب!

پس زیارت ہا درون نقصہا است — مرشہیداں را حیات اندر فنا است

گر کیے سر را ببرد از بدن! — صد ہزاراں سر بر آرد در زمن (روح)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس سے جہاد اس لئے جہاد اکبر ہے کہ نفس بڑا کافر بڑا سرکش ہے کہ یہ ہمیشہ حربی کافر ہی رہتا ہے کبھی ذمی نہیں بنتا ہر جگہ ہر وقت ہمارے ساتھ رہتا ہے سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے مگر شیطان کو نفس نے گمراہ کیا اور بڑے کافر سے جہاد بھی جہاد اکبر ہے۔ رب فرماتا ہے **قاتلوا الذین یلونکم من الکفار**۔ اپنے قریبی کافروں یعنی نفس و شیطان سے قتال و جنگ کرو۔ مجاہدہ کی تلوار ہمیشہ کام میں لاؤ ان سے مجاہدہ کرنے والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

اور البتہ آزمائیں گے ہم تم کو ساتھ کسی قدر ڈر اور بھوک اور کم کرنے کچھ مالوں اور جانوں

اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا

اور پھلوں کے اور خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو۔ وہ جو کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو کہتے

پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے۔ تو

لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَ

ہیں تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اس کے رجوع کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اوپر ان کے رحمتیں

کہیں کہ ہم اسی کے مال ہیں اور اسی کی طرف پھرنا ہے یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ہیں طرف رب ان کے کے اور رحمت ہے اور یہ لوگ وہ ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: لولا" مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا گیا اب صبر کے موقع بتائے جارہے ہیں کہ خوف و بھوک وغیرہ کی تکلیفیں پڑیں گی صبر کرنا۔ دوسرا تعلق: پہلے صبر کی اعلیٰ قسم یعنی شہادت کا ذکر ہوا۔ اب چھوٹی چھوٹی مصیبتوں کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بارگاہ الٰہی میں اعلیٰ صبر کی طرح چھوٹے صبروں کی بھی قدر ہے۔ تیسرا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ صبر و نماز سے مدد لو۔ اب اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ اس لئے مدد لو کہ ہم تمہارا ان مصیبتوں سے امتحان لیں گے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں میں شکر کا حکم ہوا تھا۔ جس سے سمجھا گیا کہ کچھ نعمتیں ملنے والی ہیں۔ اب بتایا جارہا ہے کہ یہ نعمتیں یوں ہی بغیر مشقت برداشت کئے نہ ملیں گی بلکہ کچھ مصیبتیں پڑیں گی۔ ان پر صبر کرنا پھر نعمتیں حاصل ہوں گی ان کا شکر کرنا۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں بڑی آزمائش اور بڑے صبر یعنی جہاد و شہادت کا ذکر تھا جو اتفاقا" ہی نصیب ہوتی ہے ہر مسلمان کو ہر وقت میسر نہیں ہوتی اب ان چھوٹی آزمائشوں اور چھوٹے صبروں کا ذکر ہے جو قریبا" ہر مسلمان کو نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ شہادت کے بڑے درجے ہیں لیکن اس کی انتظار میں دوسرے صبروں سے محروم نہ رہو۔ حسب ذیل آزمائشوں کے لئے تیار رہو۔

تفسیر : ولنبلونکم یہ لفظ بلی سے بنا۔ جس کے معنی ہیں پرانا ہونا۔ گل جانا یا ظاہر ہونا ہے۔ آزمانے جانچنے اور امتحان لینے کو ابتلاء اس لئے کہتے ہیں کہ زیادہ آزمائش سے آدمی کمزور ہو کر گل جاتا ہے نیز اسی سے کھرا کھوٹا ظاہر ہوتا ہے۔ مصیبت اور راحت کو بھی اس لئے بلا کہا جاتا ہے کہ اس سے نیک و بد کا ظہور ہوتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے ونبلوکم بالشر والخیر لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں گے یا تم میں سے کھرے کھوٹے کو ظاہر کریں گے بظاہر یہ خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے بشیء من الخوف والجوع کسی قدر ڈر اور بھوک سے پہلے لفظ سے گھبراہٹ پیدا ہو سکتی تھی کہ نہ معلوم کتنا سخت امتحان ہو گا۔ بشیء فرما کر تسکین دے دی کہ گھبراؤ نہیں تھوڑا سا خوف و بھوک وغیرہ سے آزمایا جائے گا۔ ان سب چیزوں کو اس لئے تھوڑا کہا کہ یہ آخرت کی مصیبتوں کے مقابل تھوڑی ہیں جو کوئی گھبرا کر ایمان چھوڑ دے وہ تو بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گا اور دین پر قائم رہنے والے کا تھوڑے صبر سے ہی بیڑا پار ہو جائے گا یا اس لئے کہ بے صبری کرنے سے بڑی مصیبت آپڑتی ہے اور صبر کی برکت سے تھوڑے ہی پر گزر جاتی ہے۔ مثلا" حملہ کفار کے وقت اگر صبر سے مقابلہ کیا جائے تو نقصان کم ہو گا اگر بے صبری سے ہتھیار ڈال دیئے جائیں تو بڑی مصیبت آپڑے گی کہ وہ ہر چیز پر قابو ہو جائیں گے یا اس لئے کہ رب تعالیٰ تھوڑی مصیبت کی برکت سے بڑی مصیبت ٹال دیتا ہے ونقص من الاموال والانفس والثمرت یہ سب شیء کا بیان ہے یعنی جس معمولی چیز سے تمہارا امتحان ہو گا وہ یہ چیزیں ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ خوف سے دشمنوں یا مخالفین یا استقامت دین کی وجہ سے خود اپنے دوستوں کی مخالفت کا ڈر مراد ہے یعنی کبھی دشمنوں سے تمہیں خطرہ ہو گا اور کبھی تمہاری استقامت کی وجہ سے تمہارے اپنے بھی بیگانے بن جائیں گے اور ان سے تمہیں کھٹکا پیدا ہو گا۔ بھوک سے قحط سالی' تنگدستی' افلاس اور روزہ وغیرہ مراد ہے اور مالوں کی کمی سے چوری ڈکیتی راستہ میں لٹ جانا' مال مویشی کا ہلاک ہو جانا۔ جہادوں کی وجہ سے کھیتوں کا برباد ہونا۔ صدقہ خیرات میں مال صرف ہونا مراد ہے چونکہ مختلف آفتوں سے ہر طرح کے مال' زمین' باغات روپیہ پیسہ میں کمی آتی ہے اس لئے یہاں اموال جمع فرمایا گیا۔ جانوں کے نقصان سے دوست اور قرابت داروں کا جہاد میں قتل

ہو جانا یا ان کا مر جانا یا وبائی امراض میں مبتلا ہو جانا مراد ہے اور پھلوں کی کمی سے باغات اور کھیتوں پر آسمانی آفتیں آجانا یا یہ کہ اولاد یا اولاد ٹڈی وغیرہ یا پالے کی وجہ سے ان کا برباد ہو جانا مراد ہے یعنی تمہارے امتحان کے لئے یہ ہوں گے سمجھ لو کہ تم پورے نمبر لینا۔ اس کا حقیقی فائدہ تو آخرت میں حاصل ہو گا مگر اس امتحان کا نتیجہ ہمیں سنائے دیتے ہیں کہ وبشر الصبرین اور صبر والوں کو خوش خبری دے دو۔ اس میں یا تو حضور علیہ السلام سے خطاب ہے یا عام قرآن پڑھنے والے سے اور چونکہ مختلف مصیبتوں پر صبر کرنے والے بھی مختلف تھے اور پھر ان کے درجے بھی علیحدہ علیحدہ۔ اس لئے صابرین جمع فرمایا گیا یعنی ہر قسم کے صابر کو خوشخبری دو۔ مگر خیال رہے کہ صبر صرف یہی نہیں کہ مصیبت پر شکایت نہ کی جائے بلکہ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ خیال رہے کہ مصیبۃ اصاب مصیب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پہنچنا یا خطا نہ کرنا چونکہ بلا بھی ٹھیک طور پر اس پر آتی ہے جس پر حکم الٰہی ہو۔ اسی لئے اسے مصیبت کہتے ہیں اصابتھم کہہ کر یہ بتایا کہ کوئی بلا اپنی تقدیر سے نہیں ٹل سکتی وہ پہنچ کر ہی رہتی ہے یہاں تو جب انہیں مصیبت پہنچے تو قالوا وہ بجائے بے قراری اور ناشکری کے یہ کہتے ہیں کہ ہم خود اپنے جان و مال کے مالک نہیں بلکہ انا للہ اللہ کی ملک اور اسی کے قبضہ میں ہیں ہر چیز اسی کی ہے اگر مالک اپنی چیز لے لے تو بندہ کو کیا شکایت بلکہ اس کا مصیبت بھیجنا ہمارے حق میں عین مصلحت اور حکمت ہے جیسے مہربان طبیب بدہضمی میں کھانے سے روکتا اور بہتر دوا یا اولاد کڑوی دوا میں بنایا تب ہے جس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہمارا رب اس کا بہت بدلہ عطا فرمائے گا۔ اگر یہاں بدلہ نہ بھی ملے تو کیا ہے وانا الیہ راجعون ہم تو اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ وہ جس میں راضی ہم بھی اس میں راضی۔ اس کی رضا ہی بہترین جزا ہے یا یہ کہ ہم آخرت میں وہاں پہنچیں گے جہاں کسی کا کوئی اور خطرہ نہ ہو گا اور بلا واسطہ ہر طرح اس کے قبضہ میں ہوں گے۔ یقیناً جو کچھ صبر پر وعدے فرمائے گئے ہیں وہاں سب ملیں گے اور وہاں کی بخشش کے مقابل یہاں کی مصیبت کی کوئی حقیقت نہیں ہو سکتا ہے کہ راجعون اسم فاعل بمعنی حال ہو یعنی ہم وہ نہیں کہ رنج و راحت میں رب کا دروازہ چھوڑ دیں ہم تو ہر حال میں رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تب اس مصیبت پر بندہ کا اپنی استقامت کا اظہار ہے۔ خیال رہے کہ جو نظر نہ آئے جس سے ملاقات ناممکن ہو تو اس کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس کو اس سے نسبت ہو وہاں پہنچے۔ رب تعالیٰ تک ہماری رسائی نہیں تو اس کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی ہیں کہ مسجد کعبہ معظمہ [illegible] کی طرف رجوع کیا جاوے جیسے رعایا کا کچہری میں حاضر ہونا۔ جج کے سامنے پہنچنا سلطان کی طرف رجوع ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے وقت فرمایا انی ذاهب الی ربی سیھدین میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں وہ مجھے ہدایت دے گا حالانکہ آپ شام کی طرف جا رہے تھے۔ لہٰذا انبیاء و اولیاء اللہ کے آستانوں پر حاضری رب کی طرف رجوع ہے اور بتوں، شیاطین جو اعداء اللہ ہیں ان کے پاس پناہ لینی رب کی بغاوت ہے آب زمزم کی تعظیم رکن ایمان ہے۔ گنگا جل کی تعظیم کفر ہے۔ اولئک علیھم صلوت من ربھم و رحمۃ اولئک سے ان تمام صابرین کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر ابھی گزرا۔ یعنی خوف یا بھوک وغیرہ میں صبر کرنے والے۔ علیھم کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی یہ جزا صرف انہیں صابرین کے لئے ہے دیگر مستحقین کے لئے اور قسم کی رحمتیں۔ صلوت صلوٰۃ کی جمع جس کے معنی یہاں رحمت ہیں۔ من ربھم فرما کر یہ اشارہ فرمایا کہ جب ان پر بہت سی رحمتیں اتریں تو دنیا اور آخرت کی کوئی مصیبت ان کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ صلوٰۃ کے بعد رحمت فرمانے میں

اور صلوات کو جمع لانے اور رحمت کو واحد لانے میں کئی خوبیاں ہیں۔ ایک یہ کہ صلوات سے خصوصی رحمتیں مراد ہوں اور رحمت سے عام رحمت جیسے دنیا میں تقسیم انعام کے موقعہ پر دعوت طعام سب کو دی جاتی ہے مگر روپے اور خلعت وغیرہ بلاد خدمت عطا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی وہاں جنت تو عام صابروں کو عطا ہو گی مگر خاص خاص نعمتیں خاص بڑے صابرین کے لئے۔ دوسرے یہ کہ صلوات سے گناہوں کی معافی مراد ہے اور چونکہ گناہ مختلف قسم کے ہیں اس لئے معافیاں بھی مختلف اور رحمت سے فضل و کرم مراد۔ تیسرے یہ کہ صلوت سے تعریف یا تعظیم مراد یعنی ایسے صابرین کی دنیا اور آخرت میں طرح طرح کی تعریفیں ہوں گی اور قسم قسم کی تعظیمیں اور رحمت سے رب کے عام انعامات یا تو ہر صابر کے لئے ساری صلوت ہیں یا ہر قسم کے صابر کو خاص قسم کی صلوۃ۔ خلاصہ یہ کہ ان بہادر صابروں پر رب کا صرف ایک یا دو کرم نہیں بلکہ بہت سے خاص کرم ہیں اور عام رحمت بھی۔ اور اس کے ماسوا واولئک هم المهتدون یہ لوگ دنیا اور آخرت میں پوری ہدایت پر ہیں۔ دنیا میں تو اس طرح کہ ہر حالت میں رب سے قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ راحت میں شکر کر کے اور مصیبت میں صبر کر کے اور پوری ہدایت یہ ہی ہے کہ انسان ہر جگہ سے اپنے مقصد کا پتہ لگائے اور اپنا دل حاصل کرے اور آخرت میں اس طرح کہ کوئی تو اطاعت سے جنت کماتا ہے اور کوئی تقوی کے ذریعہ دوزخ سے بچ جاتا ہے۔ کوئی عبادات سے حور و قصور حاصل کرتا ہے۔ مگر یہ صبر کے ذریعہ رضائے رب خود پا لیتے ہیں غرضیکہ یہ نہایت ہی عقلمند لوگ ہیں۔ خیال رہے کہ ہدایت پر استقامت بھی صبر ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے بے صبر آدمی تکلیف یا راحت میں نماز بلکہ ایمان چھوڑ دیتا ہے۔ انسان کا دل وہ ہلکا پتہ ہے جسے رنج و غم خوشی و راحت کی ہوائیں ہر طرف اڑائے پھرتی ہیں صبر وہ وزنی پتھر ہے جس کی وجہ سے دل ان ہواؤں سے اڑتا نہیں اس لئے ارشاد ہوا کہ یہ صابرین ہی ہدایت پر ہیں۔

خلاصہ تفسیر : رب تعالیٰ نے اپنے فضل سے مصیبتوں سے پہلے ہی اس کی خبر دے کر اس کا علاج بتایا اور صابرین کے درجات بیان کئے تاکہ وقت مصیبت صبر آسان ہو کیونکہ بے خبری کی اچانک بلا بہت بھاری ہوتی ہے نیز اس لئے کہ کفار مصیبتوں میں مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر اسلام کی حقانیت کا یقین کریں۔ نیز اس لئے کہ ابھی سے منافق اور مومن کی پہچان ہو جائے کہ منافق تو گھبرا جائے اور مومن صبر کے لئے تیار ہو جائے نیز اس لئے کہ اس میں غیب کی خبر ہو اور نبی علیہ السلام کا معجزہ تا کہ آئندہ مصیبتیں دیکھ کر ان کا ایمان اور کامل ہو جائے کہ دیکھو جو ہمارے پیغمبر نے خبر دی وہ پوری ہو گی۔ غرضیکہ صدہا وجوہ سے مسلمانوں کو پہلے سے اطلاع دی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو چونکہ تم بہترین امت ہو اور بڑوں کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے اس لئے کئی مضمونوں میں ہم تمہارا امتحان لیں گے کبھی دشمن کے خوف سے۔ کبھی قحط سالی اور فقر و فاقہ سے کبھی تمہارے مالوں کا نقصان کر کے کبھی تمہارے اہل قرابت اور دوست احباب کو قتل کرا کے اور کبھی تمہارے باغات اور کھیتوں کے پھل کم کر کے تمہیں جانچیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں خوف سے اللہ کا ڈر بھوک سے رمضان کے روزے مالوں کی کمی سے زکوۃ صدقات دنیا جانوں کی کمی سے بیماریوں کے ذریعے موتیں ہونا۔ پھلوں کی کمی سے اولاد کا مرنا مراد ہے۔ کیونکہ اولاد بھی دل کا پھل ہے (کبیر و خزائن وغیرہ) اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان صابرین کو جو مصیبت کے وقت زبان اور عمل سے انا للہ کہتے ہیں۔ تین انعامات کی خوشخبریاں دے دیجئے۔ ایک یہ کہ ان پر رب کی خاص عنایات ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ

عام رحمت سے بھی مستفیض ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ دنیا اور آخرت میں ہر طرح ہدایت پر ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمت العدلان و نعمت العلاوہ یعنی ایک صبر پر تین نعمتیں نہایت ہی اچھی ہیں۔ صلوٰۃ اور رحمت اور اس کے اوپر ہدایت۔ عربی میں اونٹ کے دو طرفہ برابر کے بوجھوں کو عدل کہتے ہیں اور خاص بوجھ پر جو بوری وغیرہ ہو جس کا تعلق دو طرفہ سے وہ علاوہ کہلاتا ہے۔ (کبیر و عزیزی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رضا بالقضاء کے دو طریقے ہیں ایک صرف دوسرے جذب دنیوی نعمتوں کو زحمت بنا کر اس سے دل پھیر دینے کا نام صرف ہے اور اپنا جمال دکھا کر ماسوا سے بے خبر کر دینا جذب ہے دیکھو یعقوب علیہ السلام کا دل یوسف علیہ السلام میں بہت مشغول تھا رب اور ان یوسف کے دل میں دشمنی پیدا کر کے باپ بیٹے میں جدائی کرا کر چالیس سال تک یعقوب علیہ السلام کو بہت رنج و ملال پہنچایا۔ آدم علیہ السلام کو جنت بہت پیاری تھی ان کو وہاں سے علیحدہ کر کے تین سو برس رلایا۔ حضور علیہ السلام کو اپنے وطن مکہ اور اہل مکہ سے محبت تھی وہاں سے انہیں جدا کر کے مدینہ پاک پہنچایا کہ جس دل میں ہم رہیں وہاں غیر کا کیا کام۔ یہ ہوا صرف۔ پھر ان کو اپنی اتنی محبت عطا فرمائی جس سے وہ سب غم بھول گئے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ مہاجرین کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا مشکل ہو تا تھا۔ یعقوب علیہ السلام بظاہر یوسف کا نام لے کر روتے تھے لیکن بباطن خالق یوسف کی تڑپ بے قرار کرتی تھی یہ ہوا جذب صلوٰۃ و رحمت میں صرف کی طرف اشارہ ہے اور مہتدون میں جذب کی طرف (کبیر و عزیزی) اسی لئے صابر کو رب ملتا ہے۔

عشق لیلیٰ نیست ایں کار منست　　　حسن لیلیٰ عکس رخسار منست!

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے نائب خاص اور خلیفہ اعظم ہیں دیکھو رب تعالیٰ نے ان صابروں کو براہ راست خود بشارت نہ دی بلکہ اپنے محبوب سے فرمایا آپ بشارت دو سلاطین وعلماء کو براہ راست کچھ دیتے نہیں وہ اپنے مقرر کردہ حکام کی معرفت دیتے ہیں براہ راست بہت کم ہیں کچھ دیتے یا ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ اسی لئے حضور کا لقب ہے بشیر و نذیر یعنی رب کی نیابت میں ڈرانے بشارت دینے والے۔ دوسرا فائدہ: دنیا مصیبتوں کی جگہ ہے یہاں آرام کی طلب بے کار ہے۔ ان مصیبتوں میں چند فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مصیبتیں نہ ہوں تو انسان دعویٰ خدائی کر بیٹھے دیکھو فرعون نے راحت پا کر دعویٰ خدائی کیا اور دریا کی مصیبت دیکھ کر آواز دی کہ میں رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لاتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس میں کھرے کھوٹے کی پہچان ہے کہ کون نفس کا پجاری ہے اور کون رب کا۔ ہر حال میں راضی برضا رہنے والا کھرا ہے اور دنیوی انقلابات سے پھسلنے والا کھوٹا۔ تیسرے یہ کہ بغیر بھٹی کی آگ اور کاریگر کے ہتھوڑے کے نہ تو میلا لوہا صاف ہو سکتا ہے اور نہ سونا محبوب کے گلے میں آنے کے قابل کہ سونا اگرچہ خود قیمتی ہے اور ریشمی کپڑا اگرچہ خود نفیس مگر ان دونوں کو وصال جب ہی ہوگا جب سنار کی بھٹی اور درزی کی مشین کی مصیبتیں برداشت کر لیں گے۔ ایسے ہی گنہگار کی صفائی اور نیک کار کی رب تعالیٰ تک رسائی بغیر مصائب ناممکن۔ اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ مصیبت بقدر رتبہ ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ آخرت میں نہ تو سب جنت کے قابل ہیں اور نہ تمام دوزخ کے لائق۔ پھر جنت میں بھی ایک درجہ نہیں۔ مصیبتوں ہی کے ذریعہ ہر شخص اپنے اپنے درجہ میں پہنچے گا۔ پانچویں یہ کہ مصیبتوں ہی کے ذریعہ کوئی بھی رب پر طرفداری کا الزام نہیں لگا سکتا۔ ورنہ کوئی گستاخ کہہ سکتا تھا کہ ہم پر ظلم اور دوسروں کی طرفداری ہوئی۔

چھٹے یہ کہ مصیبتوں کی برکت سے دنیا سے دل سرد ہو تا ہے اور آخرت کی خواہش 'رب کی طلب' جنت کی قدر حاصل ہوتی ہے۔

تیسرا فائدہ: مصیبت کے وقت اناللہ ضرور پڑھنی چاہئے حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام چراغ گل ہونے نعلین کا تسمہ ٹوٹ جانے اور ہاتھ میں پھانس لگ جانے پر بھی اناللہ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بھی مصیبت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور یہ تو معمولی باتیں ہیں فرمایا کہ کبھی معمولی بات بھی بڑی ہو جاتی ہے (در منثور و عزیزی وغیرہ) اناللہ پڑھنے میں عقلی اور نقلی بہت فائدے ہیں۔ (1) طبرانی اور بیہقی میں ہے کہ اناللہ ہماری ہی امت کو ملا۔ اس سے پہلے پیغمبروں کو بھی عطا نہ ہوا۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے غم میں یا اسفی علی یوسف تو فرمایا مگر اناللہ نہ کہا۔ (2) نیز بیہقی میں ہے کہ جس میں چار باتیں ہوں اس کا گھر جنت میں ہے ایک یہ کہ ہر کام میں رب سے التجا کرے۔ دوسرے یہ کہ مصیبت پر اناللہ پڑھے۔ تیسرے یہ کہ نعمت پر الحمد للہ پڑھے۔ چوتھے یہ کہ گناہ پر استغفر اللہ پڑھے۔ (3) احمد اور بیہقی نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب پرانی مصیبت یاد آئے تب بھی اناللہ پڑھے نئے صبر کا ثواب پائے گا۔ (4) جو شخص مصیبت پر اناللہ پڑھے تو رب تعالیٰ ثواب کے علاوہ یا تو گئی ہوئی نعمت واپس فرماتا ہے یا اس سے بہتر بدلہ (عزیزی و کبیر وغیرہ) (5) اناللہ پڑھنے سے رب کی طرف دھیان ہو جاتا ہے جس سے اس کا غم غلط ہو جاتا ہے کیونکہ دھیان کا بٹنا بھی تکلیف کو ہلکا کر دیتا ہے۔ (6) اناللہ کا مضمون نہایت نفیس ہے جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ اگر ہمارا فلاں قرابت دار مر گیا تو ہمیں بھی یہاں رہنا نہیں ہم بھی اللہ کی ملک ہیں جب چاہے بلالے اور اسی طرف جانے والے ہم دوسروں کو کیا روئیں اپنی فکر کریں۔

ہم دیکھیں جگ جات ہے اور جگ دیکھے ہم جائیں ہم خود بیٹھے راہ پر اوروں کو پچھتائیں!

یا یہ کہ ہم اور ساری چیزیں اللہ کی امانت ہیں مالک اپنی امانت لے تو اس پر غم کیسا یا یہ کہ ہم اللہ کے بندے ہیں وہ ہمارا رب رب کے ہر کام میں ہزاروں حکمتیں ہیں اس میں بھی صدہا حکمتیں ہوں گی۔ جیسے کہ کڑوی دوا کا انجام شفا اور پرہیز کا انجام صحت ہے۔ ایسے ہی اس مصیبت کا انجام بھی بہت عمدہ ہو گا۔ ان مضامین سے انشاء اللہ غم ہلکا پڑ جائے گا۔ (7) اناللہ سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے اور اس کو وہاں سے بھاگنا ہی پڑتا ہے اور ہائے واے کرنے میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔ (8) اناللہ سن کر دوسرے بھی اس کی پیروی کرتے ہیں اور صابرین کے دفتر میں نام لکھاتے ہیں۔ (9) جو زبان سے اناللہ کہتا ہے اس کے دل میں اچھا اعتقاد اور رضا بالقضاء پیدا ہوتی ہے۔ (10) مصیبت سے انسان کا ہوش اڑ جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حالت میں کچھ غلطی کر بیٹھے۔ اناللہ سے ہوش ٹھکانے آتے ہیں حالت درست ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض: رب کو امتحان کی کیا ضرورت کیا اسے ہر ایک حالت کا علم نہیں؟ جواب: اس کا جواب مصیبت کے فائدہ میں گزر گیا۔ خیال رکھو کہ امتحان ہمیشہ اپنے ہی علم کے لئے نہیں ہوتا کبھی خود امتحان دینے والے کو بتانا منظور ہوتا ہے اور کبھی دوسروں کو۔ اگر ہم بغیر امتحان تقسیم انعام کریں جس میں کسی کو معمولی اور کسی کو بھاری انعام دیں اور کسی کو بالکل محروم رکھیں تو یقیناً سب کو شکایت ہو گی۔ بعد امتحان پرچے دیکھ کے نمبر دیکھ کے انعام دینے میں کسی کو کوئی شکایت نہیں۔ اگر امام حسین جنتیوں کے سردار ہیں تو کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ وہ یہاں صابرین کے بھی سردار۔ دوسرا اعتراض: وانا الیہ رجعون۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تم خدا سے دور ہو صبر کر کے اس کے پاس پہنچو گے نیز رب کس جگہ میں رہتا ہے جہاں تم بذریعہ سفر پہنچو گے (آریہ) جواب: اس کی طرف لوٹنے سے ایسی جگہ پہنچنا مراد ہے جہاں اس کے سوا کسی کی ظاہری بادشاہت بھی نہ ہو یعنی آخرت نہ کہ اس کی ذات تک پہنچنا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مصیبتوں سے ہی آزمائش ہوتی ہے اور دوسرے مقام پر رب فرماتا ہے۔ **ونبلوکم بالخیر والشر فتنۃ** خیر و شر سب سے ہی امتحان ہے اور فرماتا ہے **انما اموالکم و اولادکم فتنۃ** تمہارے مال و اولاد آزمائش ہیں ان آیات میں تقابل کیوں ہے۔ جواب: رب تعالیٰ کے امتحانات دو طرح کے ہیں۔ دے کر بھی اور لے کر بھی مگر یہاں ایک امتحان کا ذکر ہے کیونکہ پچھلی آیتوں میں صبر کا ذکر ہو چکا ہے اور آئندہ بھی صابرین کا ذکر آرہا ہے نیز جو جزا اور نتیجہ یہاں مذکور ہے وہ صابرین ہی کا ہے شاکرین کی جزا کا ذکر دوسری آیات میں ہے اس لئے صرف صبر کے امتحانوں کا ذکر ہوا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء عام مسلمان تمام ہی کا خوف وغیرہ سے امتحان ہو گا مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔** یعنی اولیاء اللہ کو نہ خوف نہ رنج آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب: وہاں خوف سے نقصان دہ خوف مراد ہے اسی کی نفی ہے اسی لئے علی ارشاد ہوا یعنی اولیاء اللہ کو تعلق کا وہ خوف نہیں ہوتا جو خالق کی اطاعت سے روک دے یا اس کی نافرمانی کرا دے اور یہاں دوسرے خوف مراد ہیں جو اس نوعیت کے نہ ہوں ورنہ ہر ایک ولی کو رب کا خوف خاتمہ کی خرابی کا خوف ہوتا ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبت میں صرف اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے تم جو نبیوں ولیوں کی طرف رجوع کرتے فریادیں کرتے ہو مشرک ہو۔ جواب: اور تم بھی مشرک ہو کہ بیماری میں طبیبوں کی طرف اور مصیبت میں حکام کی طرف رجوع کرتے ہو۔ اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ انبیاء اولیاء کی بارگاہ میں حاضری رب کی بارگاہ میں حاضری ہے یہ لوگ رب کے دروازے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک۔**

تفسیر صوفیانہ : نیبی مطالبات چند قسم کے ہیں جس نے رب کو دل سے ڈھونڈا اس کے لئے نجات ہے اور جس نے نفس سے ڈھونڈا اس کے لئے درجات۔ جس نے اہل قرابت کی جدائی پر صبر کیا اس کے لئے قربات اور جس نے روح کو مجروح کیا اس کے لئے دائمی وصال ہے خوشی اور راحت جیل میں پھنسانے والی چیزیں ہیں۔ رنج و غم اور صبر اس سے آزادی کا ذریعہ۔

حکایت : سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص نے ہزار درم میں ایک بلبل خریدی جو خوب بولتی تھی۔ ایک دن اس کے پنجرے پر طوطا بول کر اڑ گیا اور اس بلبل نے بولنا چھوڑ دیا۔ اس شخص نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے بلبل کا پنجرا منگا کر اس سے خاموشی کا سبب پوچھا وہ بولی کہ میں اپنے وطن اور اولاد کو یاد کر کے روتی تھی اور لوگ اسے گیت سمجھتے تھے۔ مجھے طوطے نے سمجھایا کہ تیری بے صبری ہی اس قید کا باعث ہے اگر تو صبر کرے اور خاموش ہو جائے تو چھوٹ جائے۔ لہٰذا میں نہ بولوں گی۔ آپ نے مالک سے کہا کہ تو اس کے بولنے سے مایوس ہو جا وہ بولا پھر مجھے اس کے پالنے کی کیا ضرورت ہے میں تو اس کی آواز کا عاشق تھا اور اسے آزاد کر دیا۔ وہ یہ کہتی ہوئی اڑ گئی کہ پاک ہے وہ۔ جس نے مجھے انڈے میں نکالا اور ہوا میں اڑایا اور پنجرے میں صبر دے کر وہاں سے چھوڑا لیا۔ یہی ہمارا حال ہے جب تک کہ بے صبری ہے تب تک

ہی قید اور دنیا کی ہزار مصیبتوں کا پیش خیمہ اور یہاں کی نامرادی وہاں کی کامیابی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

دانہ باشی مرغ گانت بر چیند غنچہ باشی کود کانت بر کنند

ہر کہ کرد او حسن خود را در مزاد! صد قضائے بد سوئے او رو نہاد

یعنی اگر تم دانہ بنو گے تو پرندے چگ جائیں گے اگر پھول کی طرح غنچہ ہو گے تو تمہیں بچے توڑ ڈالیں گے جتنی اپنے میں خوبی پیدا کرو گے اتنی ہی مصیبتیں تم پر آئیں گی لہذا بجائے راحت طلب کرنے کے یہاں سے چھوٹنے اور وطن چلنے کی فکر کرو اور یہ سمجھو۔

تن قفس شکل است و تن شد خار جاں در فریب داخلاں و خارجاں!

وجود حقیقی کے دریا میں اپنی انانیت فنا کر دو تاکہ مقصود حاصل ہو۔ (روح البیان)

دوسری تفسیر : اے مسلمانو اگر تم ہم تک پہنچنا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ ہماری راہ بہت خاردار ہے اس میں مصیبتیں بے شمار ہیں کبھی ہمارے خوف کا غلبہ ہے۔ جس سے ہمت ٹوٹ جاتی ہے کبھی بھوک میں الجھتا ہے۔ جس سے بدنی قوتیں کمزور اور خواہشات کے حجاب دور اور شیطان کے راستے بند ہو جاتے ہیں کبھی شہوانی مادے کم کئے جاتے ہیں جو نفس کا مال ہیں کبھی خود نفس برباد کیا جاتا ہے جو دل پر غالب ہے اور اس کے وہ دوست اور اہل قرابت ہلاک کئے جاتے ہیں جو اسے یہاں آنے سے روکتے ہیں کبھی اسے دنیوی لذات سے محروم کیا جاتا ہے اور اس کے باغ کو ریاضتوں کی آگ سے جلایا جاتا ہے جو لوگ ان سب مصیبتوں کو گوارا کریں اور اپنے کو میری ملک سمجھ کر یہ کہہ دیا کریں کہ انا للہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں جو چاہے کرے وانا الیہ رجعون اور ہم وہاں پہنچ کر ہی رہیں گے۔ ان لوگوں پر ہم رحمتیں اتاریں گے کہ انہیں فنا کے بعد وجود اور ظلمتوں کے بعد نور اور اپنی صفات کی تجلی عطا فرمائیں گے اور رحمت یعنی وہ نور بھی دیں گے جس سے ان کے ذریعہ اور لوگ بھی ہم تک پہنچ سکیں اور وہ ہی اصلی ہدایت پر ہیں کہ کہیں نہیں بھٹکے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
تحقیق صفا اور مروہ نشانیوں اللہ کی سے ہیں پس جو حج کرے کعبہ کا یا عمرہ کرے
بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے
عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾
پس نہیں ہے گناہ اوپر اس کے یہ کہ طواف کرے ان دونوں کا اور جو کوئی خوشی کرے بھلائی پس تحقیق اللہ قدر فرمانے والا ہے
اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کے پھیرے کرے اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق : پچھلی آیت میں صبر کے فضائل بیان ہوئے تھے۔ اب صفا اور مروہ پہاڑوں کا ذکر ہے جہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہر قسم کی مصیبتوں پر صبر کیا تھا بتایا یہ گیا کہ دیکھو صابروں پر ایسی رحمت ہوتی ہے کہ حضرت ہاجرہ کی امتحان گاہ کو قیامت تک کے لئے عزت دے دی گئی تو خود امتحان دینے

ذلیل کا کیا رتبہ ہوگا۔ **دوسرا تعلق:** شروع مضمون میں کعبہ کے قبلہ ہونے پر کفار کے اعتراضات دفع کئے گئے۔ اب صفا اور مروہ کے متعلق خود مسلمانوں کے شبہات دور کئے جارہے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** رب تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر فرمایا تھا کہ ولاتم نعمتی علیکم اور چونکہ صفا اور مروہ میں دوڑنا بھی اس کی نعمت تھی اس لئے اب اس کا ذکر ہوا۔ **چوتھا تعلق:** رب کے احکام تین قسم کے ہیں بعض وہ جو عقلاً اور شرعاً ہر طرح اچھے ہوں اس کا اس آیت میں حکم دیا گیا کہ فاذکرونی اذکرکم دوسرے وہ جو بظاہر برے معلوم ہوتے ہیں مگر شرعاً اچھے جیسے مصیبتیں اور تکالیف۔ اس کا ذکر پچھلی آیتوں میں ہوا کہ ہم تمہارا ڈر و بھوک سے امتحان کریں گے۔ تیسرے وہ جو بظاہر بے فائدہ معلوم ہوں اور شرعاً فائدہ مند ہوں۔ جیسے پہاڑوں کے درمیان دوڑنا وغیرہ اس کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

شان نزول: پچھلے زمانہ میں ایک شخص تھا اساف اور ایک عورت تھی نائلہ انہوں نے خانہ کعبہ میں ایک دوسرے کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا۔ عذاب الٰہی سے دونوں پتھر ہوگئے اور عبرت کے لئے اساف کو تو صفا پہاڑ پر رکھ دیا گیا اور نائلہ کو مروہ پر تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر ہر ساں گناہ کے خیال سے بچیں کچھ زمانہ کے بعد جب جہالت کا زور ہوا تو لوگوں نے ان کی پرستش شروع کردی کہ جب صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے تو تعظیم کے ارادہ سے انہیں بھی چھولیتے۔ مسلمانوں کو صفا مروہ کے درمیان دوڑنا ناپسند ہوا کیونکہ اس میں بت پرستوں اور بت پرستی سے مشابہت تھی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری جس میں ان کی تسلی فرمائی گئی کہ تمہارا یہ کام رضاء الٰہی کے لئے ہے تم اس میں حرج نہ سمجھو (کبیر و خزائن و عزیزی وغیرہا) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا کہ تم توحید کا دعویٰ کرکے بت پرستی کرتے ہو۔ ان کے جواب میں یہ آیت آئی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اہل کتاب نے بھی اعتراض کیا ہو اور مسلمانوں کے دل میں بھی یہ خلجان ہو اور اس پر یہ آیت آئی ہو۔

تفسیر: **ان الصفا والمروة من شعائر الله** صفا۔ صفاة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں صاف اور مضبوط پتھر رب فرماتا ہے کمثل صفوان علیه تراب یعنی پتھر کی چٹان مروہ چھوٹے سفید کنکروں کو کہتے ہیں۔ اب یہ ان دو پہاڑوں کے نام ہیں جو خانہ کعبہ کے متصل شرقی جانب ہیں۔ صفا تو جنوبی جانب ابو قبیس پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے اور مروہ شمالی جانب کوہ قیقعان کے آگے ناک کی طرح ہے ان میں تقریباً "770" گز کا فاصلہ ہے اور حجر اسود سے صفا کا فاصلہ 262 گز اور 18 انگل (عزیزی) روح البیان و معانی نے کہا کہ صفا کو اس لئے صفا کہتے ہیں کہ وہاں صفی اللہ آدم علیہ السلام نے قیام فرمایا تھا یعنی صفی کا جائے قیام۔ اور مروہ پر امراۃ یعنی حضرت حوا نے قیام کیا تو گویا مروہ دراصل امراۃ تھا یعنی ایک بی بی کا جائے قیام۔ شعائر جمع شعیرہ یا شعارہ کی ہے۔ جس کا مادہ ہے شعر یعنی باریک نشانی۔ ان شعائر سے ہر وہ چیز مراد ہے۔ جن کی تعظیم رب کی عبادت کی نشانی ہو یا وہ نشان جن کے قیام کا رب نے حکم دیا ہو لہٰذا وہ جگہ اور وہ وقت اور وہ علامات جو دین کی نشانیاں ہوں سب شعائر اللہ ہیں۔ کعبہ، عرفات، مزدلفہ، صفا، مروہ، منیٰ، مسجدیں، پیر، بزرگان دین کے مقابر وغیرہ ایسے ہی رمضان، عید، جمعہ وغیرہ ایسے ہی اذان، تکبیر، جماعت، نماز، ختنہ، داڑھی وغیرہ شعائر دین ہیں یعنی دین کی پہچان۔ دیکھو یہاں رب نے شعائر جمع کثرت ارشاد فرمایا اور من تبعیضیہ جس سے معلوم ہوا کہ شعائر اللہ تو بہت ہیں ان میں سے ایک صفا و مروہ بھی ہیں لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن سے صرف صفا و مروہ پہاڑ اور ہدی کے جانور کا شعائر اللہ ہونا ثابت ہے اور چیزیں شعائر اللہ کہاں سے ہوئیں کیونکہ شعائر جمع کثرت ہے جو دس سے زیادہ پر بولی جاتی ہے۔

قرآن نے بتایا کہ اسلام میں بہت سی چیزیں شعائر اللہ ہیں۔ صفا مروہ کی طرح جس کو مقبول بندوں سے نسبت ہو وہ شعائر اللہ ہے۔ جیسے سرکاری ملازموں کے لئے ڈنڈا ایپنی اور سرکاری عمارتوں پر جھنڈے وغیرہ اسی لئے سورۂ حج میں قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ فرمایا گیا۔ ان پہاڑوں کو دو وجہ سے شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ رب نے ان کو گزشتہ صابرین کی یادگار اور نشانی بنایا کہ انہیں دیکھ کر حضرت ہاجرہ یاد آجائیں۔ دوسرے یہ کہ یہ اللہ والوں کی نشانی ہے کہ یہاں حاضری ہی سے مسلمانوں کی پہچان یعنی صفا اور مروہ اللہ کی قائم کردہ نشانیاں یا اللہ کے دین اور اطاعت کے نشان ہیں لہذا اے مسلمانو **فمن حج البيت او اعتمر**۔ حج کے لفظی معنی ارادہ کرنا یا کسی کے پاس آنا جانا ہیں شریعت میں خاص ارکان کا نام حج ہے کیونکہ اس میں بیت اللہ کا ارادہ بھی ہے اور وہاں بار بار حاضری بھی۔ اور اس کے گرد بار بار چکر بھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ حج کے معنی ہیں مونڈنا چونکہ اس میں سر منڈایا جاتا ہے یا حاجی کے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے حجامت سے بال۔ اس لئے حج کہا جاتا ہے (کبیر) **اعتمر** عمرۃ سے بنا جس کے معنی ہیں آباد کرنا۔ رب فرماتا ہے **وعمروها اكثر مما عمروها** زمانہ و زندگی کو بھی اسی لئے عمر کہتے ہیں کہ اس مدت میں بدن روح سے آباد رہتا ہے۔ مکان کو عمارت اور تعمیر اسی معنی سے کہا جاتا ہے۔ ملاقات اور زیارت کو بھی عمرہ اسی لحاظ سے کہتے ہیں اس سے محبت آباد اور قائم رہتی ہے۔ شریعت میں عمرہ بھی ایک خاص کام کا نام ہے۔ حج اور عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج صرف بقر عید کے مہینہ میں ہوتا ہے اور عمرہ ہمیشہ اور حج میں عرفات میں ٹھہرنا بھی پڑتا ہے اور عمرہ میں نہیں بلکہ صرف احرام باندھ کر طواف کعبہ کرنے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کا نام عمرہ ہے اس کو عمرہ کہتے ہی اس لئے ہیں کہ اس کا کرنے والا ملاقات کرنے والے دوست کی طرح جب چاہے تب مل کر فوراً" واپس لوٹ آئے یعنی جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ **فلا جناح عليه ان يطوف بهما** جناح اور جنوح کے لفظی معنی مائل ہونا اور جھکنا ہے۔ **وان جنحوا للسلم** پرندے وغیرہ کے بازو کو بھی اس لئے جناح کہتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ مڑتا اور مائل ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی کو بھی اسی لئے جنح کہتے ہیں کہ اس میں انسان سیدھا چل نہیں سکتا اُدھر اُدھر مائل ہو جاتا ہے گناہ کو بھی جناح اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو خوبی سے برائی کی طرف مائل کر دیتا ہے یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں یعنی گناہ۔ **يطوف** طوف سے بنا جس کے معنی ہیں ارد گرد گھومنا یہاں اس سے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا مراد ہے یعنی حج و عمرہ میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا گناہ نہیں چونکہ لوگوں نے اسے گناہ سمجھا تھا اس لئے اس کی نفی بھی کر دی گئی۔ ورنہ یہ سعی ہمارے ہاں واجب اور شافعیوں کے نزدیک فرض ہے۔ اس کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ اعتراض و جواب میں آئے گی بلکہ **يطوف** باب تفعل سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوشش اور محنت سے ان کا ضرور طواف کرے۔ جس سے وجوب معلوم ہو رہا ہے ورنہ طوف باب نصر سے ہی کافی تھا اور چونکہ صفا مروہ کے درمیان دوڑنا صرف حج اور عمرہ میں ہی واجب ہے نہ کہ ہر وقت اس لئے اسے حج اور عمرہ کے ساتھ بیان کیا گیا مگر طواف کعبہ بہر حال ثواب (کبیر) حج تو عمر میں ایک بار فرض اور عمرہ بھی ایک بار ہی ضروری اس لئے اب فرمایا جا رہا ہے **ومن تطوع خيرا** تطوع۔ طوع سے بنا جس کے معنی ہیں خوشی اور رضامندی اس کا مقابل ہے کرھا یعنی مجبوری **ائتيا طوعا" او كرها"** اسی سے ہے اطاعت اور استطاعت اور طوعت له نفسه۔ نفلی عبادت کو تطوع اسی لئے کہتے کہ وہ اپنی خوشی سے کی جاتی ہے۔ فرض چارو ناچار کرنی پڑتا ہے یعنی جو شخص فرض و واجب کے سوا نفلی حج یا عمرہ یا کوئی بھلائی کرے **فان الله شاكر عليم** رب اس سے غافل بھی نہیں اور بے قدری بھی نہیں فرماتا وہ سب کچھ جانتا ہے اس کی جزا ضرور دے گا شکر کے معنی ہم بارہا بتا چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تم صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے سے اس لئے نہ ڈرو کہ اس میں مشرکین کی مشابہت یا بت پرستی کا شائبہ ہے ان کفار نے تو بعد میں وہاں بت پرستی شروع کردی یہ پہاڑ تو اول ہی سے اللہ کی نشانیاں ہیں جس سے تمہارے بزرگوں کی قربانی کی یادگاریں قائم ہیں اور یہاں بہت سے دینی کام ہوتے ہیں۔ ان کی عزت و عظمت ذاتی ہے عارضی بتوں کی گندگی سے ان کا جوہر ذاتی کہاں جائے گا خاص خانہ کعبہ میں بھی بت رہے اور بیت اللہ بت خانہ بنا رہا تو کیا اس گندگی سے اس کی عزت گھٹ گئی یا اس کا طواف اور اس کی طرف نماز بت پرستی کے مشابہ ہو گیا۔ نہیں ایسے ہی یہاں بھی سمجھو لہٰذا ہم تمہیں آگاہ کرتے ہیں کہ جو بھی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ وہ رضائے الٰہی کے لئے یہ کر رہا ہے نہ کہ پوجا کی نیت سے اور رب کا یہ دستور ہے کہ جو کوئی نیت خیر سے کوئی بھی اچھا کام کرے اسے اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے ایسے ہی تمہاری یہ سعی بے فائدہ نہ جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: صفا مروہ کے درمیان دوڑنا حج اور عمرہ میں واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر عمل کیا اس کے چھوڑنے سے قربانی واجب ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ: اگر معظم جگہ میں کچھ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو اس سے اس جگہ کی عزت نہ گھٹے گی اور نہ اس جگہ کو مٹایا جائے لہٰذا بزرگان دین کے مزارات پر عرس وغیرہ میں ناجائز کام بھی ہوتے ہوں جب بھی قبروں کو نہ مٹاؤ جیسے کہ اسلام نے بت پرستی کی وجہ سے خانہ کعبہ یا صفا مروہ کو نہ مٹایا۔ ہاں کوشش کرو کہ وہاں سے ناجائز چیزیں مٹ جاویں۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ فرما کر صفا مروہ بلکہ خود بیت اللہ شریف سے بت نکال دیئے اگر مسجد میں کتا آجاوے تو کتے کو نکالو مسجد نہ گراؤ۔ مزارات اولیاء پر موجہ ناچ گانے حرام ہیں۔ وہاں زیارت قبر اور فاتحہ خوانی، قرآن خوانی چاہئے۔ ناچ گانے ویسے ہی حرام اور ایسی مقدس جگہوں پر تو بہت زیادہ وبال کا باعث ہیں۔ مسجد میں گناہ کرنا زیادہ جرم ہے۔ تیسرا فائدہ: ناجائز کاموں کی وجہ سے سنت نہیں چھوڑی جا سکتی لہٰذا قبور اولیاء پر گانے وغیرہ کی وجہ سے زیارت قبر جو سنت ہے نہ چھوڑی جائے گی۔ جیسے بتوں کی موجودگی میں خانہ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی بند نہ ہوئی۔ چوتھا فائدہ: دینی شعائر یعنی علامتوں کا برقرار رکھنا سنت الٰہی ہے جیسے صفا مروہ کو رب نے باقی رکھا کیونکہ یہ بزرگوں کی یادگار ہیں لہٰذا بزرگان دین کے تبرکات اور ان کے روضے وغیرہ ضرور باقی رکھے جائیں تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر اپنے ایمان تازہ کریں۔ پانچواں فائدہ: کفار کی ہر تشبیہ حرام نہیں اگر کوئی کام اصل میں اسلامی ہو اور کفار اسے اختیار کرلیں تو مسلمان اس لئے نہ چھوڑ دیں گے کہ یہ کافروں کا کام ہے۔ اب سکھ داڑھی رکھاتے ہیں اور مسلمان منڈاتے ہیں تو اس سے داڑھی بری نہ ہو جائے گی۔ اشتراک اور مشابہت میں بڑا فرق ہے۔ کفار و مسلمانوں میں جو کام مشترکہ طور پر جائز ہے کفار یا کفر کی علامت نہیں وہ جائز ہے۔ جیسے انگریزی کا پاجامہ وغیرہ پہننا مگر جو کفار کا شعار و نشان بن گیا ہو وہ مسلمانوں کے لئے حرام۔ جیسے دھوتی لنگوٹی اور ہندوانی ٹوپی یا انگریزوں کے ہیٹ اور جو کام کفر کی علامت ہو وہ مسلمانوں کے لئے موجب کفر ہوتا ہے جیسے زنار یا صلیب کا جسم پر لگانا یا ہولی دیوالی یا گنگا وغیرہ کا احترام۔ یہ فرق بہت خیال میں رکھنا چاہئے۔ چھٹا فائدہ: صفا اور مروہ پہاڑوں کو اسی لئے شعائر اللہ فرمایا گیا کہ ان پر کچھ اللہ کے پیاروں کا گذر ہوا تھا جب کچھ دیر ان کے ٹھہر جانے سے یہ پہاڑ شعائر اللہ بن گئے تو بزرگان دین کی قبریں اور روضہ مطہرہ یقیناً شعائر اللہ ہیں کیونکہ یہاں وہ حضرات ہمیشہ

کے لئے آرام فرمارہے ہیں بلکہ انبیاء کرام کی مائیں جنہوں نے نور نبوت اٹھایا وہ بھی اسی میں داخل ہیں دیکھو ھدی کے جانور جن کو بیت اللہ سے نسبت ہے انہیں قرآن کریم نے شعائر اللہ فرمایا تو جن مبارک ماؤں کو انبیاء کرام سے نسبت ہو وہ بدرجہ اولیٰ شعائر اللہ اور واجب تعظیم ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** جب بے جان پتھر اللہ والوں کے قدم بوسی کی برکت سے شعائر اللہ بن گئے تو حضرت آمنہ خاتون' بی بی حلیمہ کی گودیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کا زانو عائشہ صدیقہ کا پہلو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ و خواب گاہ بنا وہ یقیناً "شعائر اللہ ہی نہیں بلکہ شعائر گر ہوگا۔ جو ان میں سے کسی کی گستاخی کرے وہ اس آیت سے عبرت پکڑے۔ **آٹھواں فائدہ:** جیسے سارے پہاڑ رب کے بنائے ہوئے ہیں مگر کشمیر کے سرسبز پہاڑ ان دو خشک پہاڑوں یعنی صفا و مروہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ ایسے ہی نبی و غیرنبی برابر نہیں ہو سکتے جو صرف ظاہری کھانا پینا دیکھ کر برابری کا قائل ہو وہ ایسا ہی بے وقوف ہے جو کاغذ کی لکھائی چھپائی دیکھ کر معمولی ناول اور قرآن مجید کو برابر سمجھے نہ قرآن دوسری کتابوں کی طرح نہ صاحب قرآن اوروں کی مثل۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا صرف جائز ہے واجب نہیں کیونکہ اس سے گناہ کی نفی کی گئی جس سے صرف مباح ہونا ثابت ہو سکتا ہے پھر تم لوگ اسے واجب یا فرض کیوں کہتے ہو۔ **جواب:** حدیث کی وجہ سے کہ وہاں حکم ہوا کہ اللہ نے تم پر سعی لازم کی لہذا سعی کیا کرو (کبیر) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سعی کی اور قرآن کریم نے فرمایا کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی اقتداء ضروری ہے۔ **دوسرا اعتراض:** جب قرآن و حدیث میں تعارض معلوم ہو تو قرآن پاک پر عمل چاہئے جب قرآن کریم نے اسے صرف جائز کہا اور حدیث نے واجب تو چاہئے کہ جائز ہی مانا جائے۔ **جواب:** قرآن نے جائز ہونے کا صراحۃ" حکم نہ دیا بلکہ یہ کہا کہ سعی میں گناہ نہیں اور ظاہر ہے کہ نہ مباح میں گناہ ہوتا ہے نہ واجب میں لہذا یہ لفظ دونوں کو شامل ہے۔ رب فرماتا ہے **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ** اے مسافرو تم پر نماز قصر پڑھنے میں گناہ نہیں مسافر پر قصر پڑھنا واجب ہے مگر کہہ دیا گیا کہ گناہ نہیں ایسے ہی یہاں بھی ہے چونکہ ان پہاڑوں پر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہاں سعی کرنا گناہ ہو۔ اس آیت میں وہ وہم مٹا دیا گیا جیسے کہ اگر کسی کے کپڑے میں روپے بھر سے کم پلیدی لگی ہو یا کوئی بت خانہ گرا کر وہاں مسجد بنا دی گئی ہو اور میں کہوں کہ اس کپڑے میں یا اس جگہ نماز پڑھنا گناہ نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز فرض نہ رہی بلکہ چونکہ یہاں نماز ناجائز ہونے کا وہم تھا وہ دور کر دیا گیا ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام صفا مروہ پہاڑ کی سعی سے ناراض تھے۔ جس پر قسم قسم کے شبہات کرتے تھے اور رب کے حکم سے ناراضی سخت جرم ہے۔ **جواب:** نعوذ باللہ وہ حضرات حکم ربانی سے ناراض کیسے ہو سکتے ہیں جب حضور انور کے اشارہ چشم پر جانوں پر کھیل جاتے تھے ان حضرات کو یہ خبر نہ تھی کہ اسلام میں صفا مروہ کے طواف کا حکم ہو گیا نہیں وہ سمجھے شاید اس کا حکم نہ آئے کیونکہ اس میں کفار سے مشابہت ہے۔ ناپسندیدگی تو جب ہو جبکہ معلوم ہو کہ یہ حکم الٰہی ہے پھر اس کا انکار کرے ابھی تک اس کا حکم آیا ہی نہ تھا۔ **چوتھا اعتراض:** صحابہ کو صفا مروہ کی سعی پر کیوں تردد ہوا۔ طواف کعبہ میں تردد کیوں نہ ہوا وہاں بھی تو بت ہی تھے بلکہ صفا مروہ پر تو ایک ایک بت

تھا کعبہ میں تین سو ساٹھ بت۔ جواب: اس لئے کہ مکہ معظمہ کی عظمت دلوں میں پہلے ہی سے جاگزیں تھی اور طواف کعبہ حج و عمرہ کے علاوہ بھی ہروقت ہوتا رہتا تھا اور سب کو یہ معلوم تھا کہ کعبہ معظمہ میں بت بعد کو رکھے گئے ہیں جب حضرت ابراہیم نے کعبہ بنایا تھا تو اس میں کوئی بت وغیرہ نہ تھا مگر صفا مروہ اور اس کے درمیان دوڑنا اس طرح لوگوں پر ظاہر نہ تھا وہ سمجھے کہ یہ سعی کفار مکہ کی ایجاد ہے وہ بھی اساف و نائلہ بتوں کی تعظیم کے لئے تھی۔ خیال رہے کہ جیسے سجدہ نماز کے علاوہ بھی عبادت ہے۔ سجدہ تلاوت، سجدہ شکر کیا جاتا ہے مگر قیام، رکوع، قعدہ علیحدہ عبادت نہیں صرف نماز میں عبادت ہیں۔ ایسے ہی ارکان حج میں سے طواف کعبہ علیحدہ بھی عبادت ہے مگر صفا مروہ پر دوڑنا، منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں قیام صرف حج یا عمرہ میں تو عبادت ہیں مگر علیحدہ عبادت نہیں اس لئے یہ ارکان صرف حج یا عمرہ میں ہوتے ہیں مگر طواف ہروقت جاری رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل صفا پہاڑ ہے اور نفس مروہ اور روح حاجی تو فرمایا گیا کہ دل اور نفس کا وجود دین الٰہی کی نشانیاں ہیں جہاں کہ روحانی حج کے ارکان یعنی یقین، توکل، رضا، اخلاص یا صبر، شکر، ذکر فکر ادا ہوتے ہیں تو جو شخص کہ بیت اللہ یعنی مقام توحید میں پہنچے یا فنافی اللہ ہو کر بارگاہ الٰہی میں داخل ہو یا صرف وہاں کا عمرہ کرے اس طرح کہ مقام مشاہدہ میں پہنچ کر اور جلال و جمال کی تجلیات میں فنا ہو کر اس بارگاہ کی زیارت کرے تو اس حاجی اور عمرہ کرنے والے پر گناہ نہیں کہ اس قلب و نفس کی طرف رجوع کر کے اپنے اس وجود سے جو بعد فنا ملا ہے ان مقامات کا بھی گشت لگائے اور جو کوئی بخوشی اس تعلیم کی تکمیل کرے اور تقویٰ اور پرہیزگاری اور مساکین کی مدد سالکین کی رہبری میں کمال حاصل کرے تو اللہ اس کے عمل کا ثواب دے گا کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ بعض بیت اللہ کے حاجی ہیں اور بعض رب البیت کے۔ رب البیت کے حاجی کے لئے دنیا پر نظر رکھنا گناہ نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

انت کالماء ونحن کالرجاء ‏‏‏‏ ‏‏ یا خفی الذات محسوس العطا
انت کالریح ونحن کالغبار ‏‏ ‏‏ مختفی الریح وغبراہ جہار

(روح البیان و ابن عربی)

رب کی ذات سر کی آنکھ سے چھپی ہے مگر اولیاء اللہ کے دل و نفس صفا اور مروہ کی طرح اس کی نشانیاں ہیں لہٰذا جو اس بارگاہ کا قصد کرے یعنی وہاں کے حج کو جائے اس پر واجب ہے کہ وہ ان مقبولوں کے قلوب و نفوس کا پہلے طواف کرے یعنی ان کی اطاعت کرے اور جو اس کے علاوہ بھی ان کی خدمت کر کے خیر کمالے رب اسے اجر دے گا جیسے صفا و مروہ میں دوڑے کعبہ کا حج نہیں ہو سکتا ایسے ہی بغیر اولیاء اللہ کی گلیوں میں چکر لگائے رب کعبہ کا حج ناممکن ان حضرات کا نکالا ہوا رب تک نہیں پہنچ سکتا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ

تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو اتارا ہم نے کھلے دلائل اور ہدایت سے پیچھے اس کے کہ ظاہر کیا ہم نے واسطے

بے شک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اُسے

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ

لوگوں کے بیچ کتاب کے ۔ یہی لوگ ہیں کہ لعنت کرتا ہے اللہ لعنت کرتے ہیں اُن پر لعنت کرنے والے مگر وہ لوگ جنہوں

کتاب میں واضح فرما چکے ۔ اُن پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ۔ مگر وہ جو توبہ کریں

تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾

نے توبہ کی اور درست کیا اور ظاہر کیا یہ لوگ ہیں کہ توبہ قبول کروں گا اوپر ان کے اور میں بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہوں ۔

اور سنواریں اور ظاہر کریں تو میں اُن کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول فرمانے والا مہربان ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں صبر کا ثواب اور صابرین کے درجات بیان ہوئے۔ اب بے صبروں یعنی ان علماء یہود کے عذاب کا ذکر ہے۔ جنہوں نے محض دنیوی نقصان کے اندیشہ سے توریت کے احکام چھپائے اگر یہ صبر سے کام لیتے تو فائدے میں رہتے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں شکر کا حکم دیا گیا اور شاکرین کے درجے بیان ہوئے۔ اب ان ناشکرے یہودیوں کے عذاب کا ذکر ہے جنہوں نے نبی آخر الزمان جیسی نعمت کی ناشکری کی کہ ان کے اوصاف کو چھپایا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو یہودی اور عیسائی صفا مروہ کی سعی پر کرتے تھے اور مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈالتے تھے کہ یہ بت پرستی ہے۔ اب ان معترضین کے عذاب کا ذکر ہے جو صفا مروہ کی حقانیت جان کر بھی اس پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ یہ جانتے تھے کہ صفا اور مروہ کی سعی پہلے ہی سے ہوتی آئی ہے اور یہ دین ابراہیمی کا رکن ہے ان پر بت تو بعد میں رکھے گئے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ صفا اور مروہ پہاڑ دین کی نشانیاں ہیں اس کی تعظیم اور سعی میں گناہ نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ان نشانیوں کے منکرین اور ان کی عظمت چھپانے والے ملعون ہیں کیونکہ اہل کتاب توریت سے جانتے تھے کہ یہ پہاڑ عزت والے ہیں۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ صفا مروہ شعائر اللہ ہیں اگر ان پر بت رکھ دیئے گئے تو اس سے ان کی اصل عظمت نہیں جاتی رہی۔ اللہ کی مقبول چیز کی شان بت نہیں گھٹا سکتے اب فرمایا جارہا ہے کہ کعبہ ایمان اور صفاء عرفان اور مروہ رحمت رحمٰن یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شعائر اللہ ہیں ان کی عظمت علماء یہود کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی ان کی عزت ان بے وقوفوں کے گھٹانے سے گھٹ نہیں سکتی۔ کسی کے دھول اڑانے سے سورج کی روشنی مٹ نہیں سکتی۔

شان نزول : معاذ ابن جبل اور سعد ابن معاذ اور خارجہ ابن زید نے علمائے یہود سے توریت کی بعض باتیں پوچھیں۔ انہوں نے وہ احکام چھپائے اور نہ بتائے اس پر یہ آیت کریمہ اتری (در منثور) اسی در منثور میں ہے کہ ثعلبہ ابن غنمہ انصاری کا ایک یہودی دوست تھا۔ انہوں نے اس یہودی سے پوچھا کہ کیا تم اپنی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاتے ہو۔ اس نے کہا کہ

نہیں۔اس پر یہ آیت اتری۔

تفسیر : **ان الذین یکتمون** اگرچہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں آئی لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔ **الذین** سے وہ سب لوگ مراد ہیں جو دین کو چھپائیں۔ **یکتمون**' کتم یا کتمان سے بنا جس کے معنی ہیں کسی ضروری چیز کو ضرورت کے وقت جان بوجھ کر چھپانا (روح) اور غیر ضروری چیز کو چھپانا ستر کہلاتا ہے۔ ستر اچھا اور کتم برا۔ اسی لئے رب کا نام ستار ہے کتام نہیں۔ پھر کتم کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چیز چھپا ہی لی جائے۔ دوسرے یہ کہ اسے ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز رکھ دی جائے۔ بنی اسرائیل کا چھپانا اسی دوسری قسم کا تھا یعنی تحریف اور تبدیل لیکن اس وعید میں دونوں قسم کے چھپانے والے داخل ہیں یعنی وہ لوگ جو چھپاتے ہیں چونکہ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ آج تو یہود و نصاریٰ توریت و انجیل کی وہ آیات چھپا رہے ہیں جن میں حضور کی نعت پاک ہے اور آئندہ مسلمانوں میں ایسے علماء پیدا ہوں گے جو قرآنی آیات نعت کو چھپائیں گے جن کی آیات تو نبیوں پر پڑھیں گے مگر نعت شریف کی آیتوں کو کبھی ہاتھ نہ لگائیں گے بلکہ ان میں تحریفیں تاویلیں ایسی کریں گے جن سے نعت ثابت ہی نہ ہو اس لئے **الذین یکتمون** کو مطلق فرمایا یعنی جو لوگ بھی یہودی عیسائی یا مسلمان نعت مصطفوی چھپائیں **ما انزلنا من البینت والھدیٰ** بینات۔ بینہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بہت کھلی ہوئی چیز۔ جسے نشانیوں سے بھی پہچانا جا سکے اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور تبدیلی قبلہ کے احکام اور صفا مروہ وغیرہ علامات دین کی تعلیم ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں بہت ظاہر تھیں اور ھدیٰ سے توریت شریف کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں نبی آخر الزمان کی اطاعت کا حکم دیا گیا یعنی یہ ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو بالکل ظاہر ہیں اور ان آیات کو مٹاتے ہیں جن کے ظاہر کرنے کا حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل کی نعت والی آیتوں کو بینات تو اس لئے فرمایا کہ سورج کی طرح کسی کے چھپائے چھپ نہ سکیں گی کیونکہ انہیں ہم نے خوب واضح و روشن کیا ہے یہ چھپانے والے رب سے لڑنا چاہتے ہیں اور ھدیٰ اس لئے فرمایا کہ اگرچہ توریت و انجیل کی آیات احکام منسوخ ہو چکنے کے بعد ہدیٰ یعنی ہدایت نہ رہیں بلکہ اب ھویٰ یعنی نفسانی خواہش بن گئیں۔ مگر ان کتابوں کی آیات توحید و آیات نعت مصطفوی اسی طرح اب بھی ہدایت ہیں۔ یہ ناقابل نسخ ہیں۔ انہیں کوئی اڑا نہیں سکتا محو نہیں سکتا مٹا نہیں سکتا۔ **من بعد ما بینہ للناس فی الکتب** من کا تعلق **یکتمون** سے ہے اور بینہ کی ضمیر ھدیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور ناس سے عام لوگ مراد ہیں اور کتاب سے توریت و انجیل یعنی ہم نے توریت میں یہ آیتیں سارے لوگوں کے لئے اتاری تھیں نہ کہ صرف ان علماء کے لئے۔ مگر انہوں نے ہمارا مقابلہ کرتے ہوئے انہیں چھپایا بینہ کی ضمیر بینت اور ھدیٰ دونوں کی طرف لوٹتی ہے اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے یعنی ہم نے تو قرآن شریف میں توریت کی وہ آیتیں اور یہ سارے احکام لوگوں پر خوب ظاہر کر دیئے اور ان کی حکمتیں خوب سمجھا دیں اب ان یہودیوں سے یہ چیزیں چھپ نہ سکیں گی۔ مگر پھر بھی یہ اپنی خباثت سے اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ بینت سے مراد وحی اور آسمانی کتابیں ہیں اور ھدیٰ سے عقلی، نقلی دلائل اور ہو سکتا ہے کہ للناس میں الف لام استغراقی ہو یعنی توریت و انجیل کی آیات احکام تو صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی تھیں مگر آیات نعت تا قیامت سارے انسانوں کے لئے بھیجی گئیں۔ یہ لوگ ان کے ٹھیکیدار کیوں بن بیٹھے لوگوں کو بتاتے کیوں نہیں **اولئک یلعنھم اللہ** لعن کے لفظی معنی ہیں دور کرنا۔ جب اس کا فاعل اللہ ہو تو رحمت سے

دور کرتا ہے یا کرے گا اور ان پر لعنت فرماتا ہے کیونکہ انہوں نے رب کا مقابلہ کیا کہ رب ہدایت پسند کرتا ہے اور یہ گمراہی **ویلعنھم اللعنون** اور سب لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں حق یہ ہے کہ ان سے ساری مخلوق مراد ہے کہ ان چھپانے والوں پر انبیاء' مومنین' خود کفار' جانور' درخت' پتھر بلکہ چاند ستارے' سورج اور زمین و آسمان لعنت کریں گے۔ مومنین اس واسطے کہ یہ ان سے جنگ و جدال کرتے ہیں۔ حیوانات اور درخت وغیرہ اس لئے کہ ان کی شامت اعمال سے دنیا میں ویرانی ہوتی ہے قحط پڑتا ہے۔ بلائیں نازل ہوتی ہیں زمین و آسمان اور چاند تارے وغیرہ اس لئے کہ یہ رب کے دشمن ہیں۔ خود کافر بلکہ یہ خود بھی اپنے پہ لعنت کرتے ہیں کہ کہتے ہیں خدایا جھوٹے پر لعنت اور جھوٹے خود ہیں اور دوزخ میں بھی کفار اپنے سرداروں پر لعنت کریں گے کہ انہوں نے حق کو چھپا کر ہمیں یہاں پہنچایا۔ یہ عذاب ان پر ہے جو اس گناہ پر آخر دم تک قائم رہیں توبہ کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ **الا الذین تابوا** مگر وہ جو اپنے اس برے فعل پر شرمندہ ہو گئے اور رب کے عذاب سے ڈر کر آئندہ کے لئے اس حرکت سے باز آ گئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ **واصلحوا** نیک اعمال کر کے اپنی حالت درست کر لی یا ان کے حق کو چھپانے سے جو دوسروں کے عقائد و اعمال بگڑ گئے تھے ان کو بھی سنبھال دیا اور جو شبے لوگوں کے دلوں میں پیدا کئے تھے خود ان کا جواب بتایا اور ان سب کے ساتھ **وبینوا** وہ ساری باتیں لوگوں کو بتا دیں جو ان سے چھپائی تھیں اور ان سے کہہ دیا کہ مسئلہ یہ ہے توریت کی آیت یہ ہے وغیرہ جو لوگ یہ تین کام کریں گے تو اگرچہ وہ کتنے ہی گناہ کر چکے ہوں مگر **فاولئک اتوب علیھم** ہم ان کی توبہ قبول کریں گے اور انہیں لعنت سے نکال کر رحمت میں داخل کر لیں گے عذاب کے عوض ثواب دیں گے۔ ذلت کے عوض عزت بخشیں گے اور یہ کیوں نہ ہو **وانا التواب الرحیم** ہم تو بار بار توبہ قبول فرمانے والے اور بڑے مہربان ہیں کسی آنے والے کو اپنے دروازے سے نکالتے نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے ایمان والو یہ یہود و عیسائی تمہارے پیغمبر کی نبوت اور حج و صفا مروہ کی حقانیت بخوبی جانتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں ان چیزوں کا ذکر ہے اور عقل سے بھی یہ باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر وہ چھپاتے ہیں اور جو شخص ان دلائل اور صاف باتوں کو ضرورت کے وقت بلاوجہ چھپائے جو ہم نے اتاری ہیں اور لوگوں پر ظاہر کرنے ہی کے لئے کتاب میں انہیں بیان کی ہیں۔ ان بے دینوں پر اللہ بھی لعنت فرماتا ہے کیونکہ در پردہ یہ اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور ساری مخلوق بھی انہیں لعنت سے یاد کرتی ہے کیونکہ ان کی وجہ سے ان سب کو تکلیف پہنچی خواہ یہ لعنت دنیا میں بھی ہو یا صرف آخرت میں۔ تفسیر در منثور میں ابن جریر کی روایت سے ہے کہ قیامت کے دن کافر کو کھڑا کیا جائے گا۔ اولاً تو اس پر رب لعنت فرمائے گا پھر فرشتے اور پھر تمام لوگ بلکہ دنیا میں بھی ہر شخص کہتا ہے کہ ظالموں پر لعنت اور ظالم یہ ہی ہیں ہاں جو توبہ کرے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال درست کر لے اور چھپائی ہوئی باتیں ظاہر کر دے ان لوگوں کی توبہ ہماری بارگاہ میں قبول ہے اور ان کے لئے دروازہ رحمت کھلا ہوا ہے کیونکہ ہم بہت توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں۔ خیال رہے رہے کہ توبہ میں صرف زبان سے توبہ کہنا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے ان دو باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ جس کا یہاں ذکر ہوا یعنی اصلاح اعمال اور گزشتہ گناہوں کا کفارہ۔ خیال رہے رہے کہ پیچھے آج چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات اور آپ کا چرچا دین نہ مٹا نہ کم ہوا ہر جگہ آپ کی دھوم مچی ہوئی ہیں ایسے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر جگہ آپ کے چرچے تھے خود یہ علماء یہود

پہلے تو آپ کے نام کے ڈنکے بجاتے تھے مگر تشریف آوری پر آپ کا انکار کر دیا اور آیات توریت جو نعت کی تھیں انہیں چھپانے لگے ان کی اس حرکت پر انہیں سخت ملامت کی گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تمام جرموں میں بدترین جرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات نعت چھپانا یا ان کے معنی میں ردو بدل کرنا یا لوگوں کو حضور انور کی نعت سے روکنا ہے۔ یہ ہی علماء یہود کا عمل تھا اور اس ہی پر وہ سخت وعید و لعنت ارشاد ہوئی جو یہاں مذکور ہے۔ اس آیت سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی تحریروں تقریروں میں بھول کر بھی نعت پاک مصطفوی کا ذکر نہیں کرتے بلکہ طرح طرح کے حیلے بہانوں سے ذکر شریف کو روکتے ہیں۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے ۔۔۔ پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

دوسرا فائدہ: کتاب اللہ کی ہر آیت تمام لوگوں کے ماننے کے لئے تو ہے مگر جاننے کے لئے نہیں۔ جیسے متشابہات آیات اور قرآنی اسرار ان کی تفسیر نہ کرنی چاہئے نہ اسرار کی اشاعت درست جو آیات عوام کی تعلیم کے لئے ہیں ان کی اشاعت لازم ہے جیسا کہ ما بینہ للناس سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جیسے حضور کی نعت چھپانا بدترین جرم ہے۔ جس پر رب کی تمام رحمتوں سے محرومی ہے ایسے ہی حضور کے اوصاف کی اشاعت کرنا بہترین عبادت ہے۔ جس پر ہر طرح کی رحمت کی امید ہے کیونکہ حضور تمام رحمت الٰہیہ کی اصل ہیں جیسے باران رحمت کہ جو ملک باران رحمت سے محروم ہے وہ تمام غذاؤں پھلوں سے محروم۔ جہاں رحمت کی بارش ہے وہاں ہر قسم کی غذا ہے یوں ہی حضور باران رحمت ہیں جو حضور سے قریب ہے وہ ہر رحمت سے قریب جو حضور سے محروم ہے وہ ہر رحمت سے محروم۔ لعنت کے معنی ہیں رب کی ہر رحمت سے محرومی کہ دنیا میں ہدایت اور مرتے وقت ایمان ۔ امتحان قبر میں کامیابی حشر میں نجات ان میں سے کچھ نہیں رہا زندگی میں کمائی لٹ گئی یہ ان کے لئے عذاب ہے جیسے پھانسی کے مجرم کو غذائیں دینا۔ **چوتھا فائدہ:** دین اور دینی علوم کا ظاہر کرنا فرض ہے بوقت ضرورت ان کا چھپانے والا سخت گنہگار اور لعنت کا مستحق۔ علماء کو چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑیں اور مسائل دینی کے اظہار میں تامل نہ کریں۔ ہاں جو چیزیں غیر ضروری ہوں اور ان کی اشاعت میں فساد کا خطرہ ہو اسے شائع نہ کیا جائے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کعبہ شریف کی موجودہ عمارت بنیاد خلیلی سے کچھ کم ہے اور اس کی شکل میں بھی کچھ فرق ہے کہ بجائے دو کے ایک ہی دروازہ ہے مگر اسے شہید کر کے درست نہ فرمایا کیونکہ اس فرق سے دین میں کوئی خرابی نہ آئی مگر اس کی اصلاح سے لوگوں میں فساد پھیلتا۔ اس لئے قرآن کریم نے یہاں یکتمون فرمایا یعنی جو ضروری چیزیں چھپائیں۔ **پانچواں فائدہ:** انبیاء کرام نے کوئی بھی دینی مسئلہ نہ چھپایا کیونکہ یہ کفر اور باعث لعنت ہے۔ جو رافضی کہے کہ حضور علیہ السلام خلافت نامہ علی رضی اللہ عنہ کے لئے لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ کے منع کرنے سے نہ لکھا وہ بے دین ہے کیونکہ وہ جناب عمر پر نہیں بلکہ حضور علیہ السلام پر دین کے چھپانے کا الزام لگاتا ہے کہ روافض کے ہاں مسئلہ خلافت نبوت کی طرح دین کا رکن ہے۔ **چھٹا فائدہ:** تقیہ کرنا بڑا گناہ اور باعث لعنت ہے لہٰذا روافض کا جناب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار پر یہ الزام لگانا بے دینی ہے کیونکہ تقیہ والا لعنت کا مستحق ہے۔ **ساتواں فائدہ:** توبہ گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ گزشتہ کا کفارہ اور آئندہ کے لئے بچنے کا عہد کرے مثلاً " بے نمازی پچھلی نمازیں قضا کرے آئندہ پڑھنے کا ارادہ کرے اسی طرح چور اور خائن پچھلی چوریوں کا مال واپس

کرے یا مالکوں سے معافی لے اور امانتیں واپس کرے تب توبہ قبول ہوگی جیسا کہ **اصلحوا** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** توبہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس گناہ سے جو کچھ فساد پھیل چکا ہے اس کی اصلاح کرے مثلاً اگر مفتی کے غلط فتوے سے لوگ غلطی میں پڑ چکے یا کسی کی غلط کتاب سے لوگوں کے عقائد بگڑ گئے تو اس عالم اور مصنف پر لازم ہے کہ خود ہی اپنے فتویٰ اور کتاب کی تردید کر کے شائع کرے اسی لئے فقہا فرماتے ہیں کہ چھپے گناہ کی چھپی توبہ اور ظاہر گناہ کی ظاہر توبہ غرضیکہ توبہ بقدر حوبہ جیسا کہ **وبینوا** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** مستحق لعنت پر لعنت کرنا جائز ہے مگر کافر پر نام لے کر بھی اور گنہگار پر عام صفت کے ساتھ جیسے کہا جائے کہ ظالم پر لعنت یا جھوٹے پر لعنت یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ مثلاً "زید جھوٹا ہے اس لئے اس پر لعنت دیکھو شامی باب اللعان۔ نیز قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور گواہ نہ رکھتا ہو تو لعان کرے اور لعان میں لعنت ہی ہوتی ہے اس کی کچھ اور تحقیق انشاء اللہ اگلی آیت میں آئے گی۔ **دسواں فائدہ:** حضور کے نبی ہونے کا زمانہ تو اس وقت سے ہے جبکہ حضرت آدم مٹی و پانی میں تھے اور حضور کو نبی کہنے کا زمانہ اس سے بھی پہلا ہے کہ فرشتے حضور پر درود بھیجتے تھے بلکہ خود رب تعالیٰ رحمتیں نازل فرماتا تھا پھر ہر نبی نے اپنی امتوں سے حضور کو نبی کہلوایا۔ زمین کے ذروں درختوں کے پتوں نے آپ کی نبوت کی گواہی حضور کے بچپن شریف بلکہ ولادت کے پہلے ہی سے دی مگر حضور نے اپنی نبوت کا اعلان وحی آنے پر کیا غرضیکہ نبوت 'ظہور نبوت' اعلان نبوت کے زمانوں میں فرق ہے۔ سورج ہر وقت ہی روشن ہے مگر رات میں اس کا ظہور نہیں۔ پھر ظہور کی حالت میں صبح دوپہر شام کو نور کے رنگ مختلف ہیں۔ یہ اس کی حرکت کے حالات میں دیکھو۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور کی ولادت سے صدہا برس پہلے توریت و انجیل نے حضور کی نبوت ظاہر کر دی تھی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی بات چھپانا لعنت کا باعث ہے پھر صوفیائے کرام طریقت کے راز کیوں چھپاتے ہیں اور سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم پائے جس میں سے ایک ظاہر کیا اگر دوسرا ظاہر کروں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ غیر اہل پر علم پیش کرنا ایسا ہے جیسے سور کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالنا (مشکوٰۃ کتاب العلم وغیرہ) پھر اس آیت اور ان احادیث میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس آیت میں دین کی ضروری باتیں مراد ہیں جن کے ظاہر کرنے کا حکم ہے جیسے عقائد اور فرائض اعمال وغیرہ کہ جن کے بغیر مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں خلل واقع ہو اور ان روایات میں وہ اسرار اور راز مراد ہیں جن کی ایسی ضرورت نہیں۔ یہاں **ما بینہ للناس** فرما کر اسی جانب اشارہ فرما دیا کہ جو احکام لوگوں کے اظہار کے لئے بیان کئے گئے انہیں چھپانا گناہ ہے اور اسرار اظہار کے لئے ہیں ہی نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم دین پر تنخواہ یا اجرت لینا حرام ہے کیونکہ یہ فرض ہے اور فرض پر اجرت کیسی دیکھو روزہ نماز پر اجرت ناجائز ہے پھر متاخرین علماء نے اسے کیوں جائز قرار دیا۔ **جواب:** مدرسین کی تنخواہیں تعلیم کی اجرت نہیں بلکہ پابندی وغیرہ کا معاوضہ ہے جیسے کہ مسئلہ شرعی بتانے کی اجرت حرام لیکن لکھ کر دینے کی جائز کیونکہ یہ کاغذ روشنائی کا معاوضہ اور لکھنے کی اجرت ہے ایسے ہی وعظ و تعویذ وغیرہ کا حکم ہے دیکھو شامی کتاب الاجارۃ

تفسیر صوفیانہ: مسافرین راہ طریقت پر کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد تجلیات الٰہی ہوتی ہیں اور ان کے دلوں پر معرفت کے انوار چمکتے ہیں۔ چہروں پر اس کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو جو شخص ان قلبی تجلیات کو اپنے مشائخ سے چھپائے جو رب نے ان

کے چہروں سے کے ذریعہ اس پر ظاہر کر دی وہ در حقیقت اس نعمت کا ناشکرا ہے وہ بارگاہ الٰہی سے نکالا جائے گا اور رضاء الٰہی اور کاملین کی عنایت سے محروم ہو گا کیونکہ وہاں ناشکرے کی گنجائش نہیں اور اس کا دل صفا ہونے کے بعد مکدر ہو جائے گا ہاں جو اپنے ان گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے کو ریاضت اور مشقت سے درست کرے اور خالق و مخلوق کے ساتھ سچا معاملہ کرکے ان امور کو ظاہر کر دے ان کی توبہ قبول ہے کیونکہ رب تواب رحیم ہے بہت لطف ہے کہ رب نے ہمیں تو چھپانے کا حکم دیا اور خود ہزارہا علامات سے ظاہر کر دیا (از ابن عربی)۔

اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا!
تو تو پردے میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا!

خلاصہ یہ ہے کہ یہ راز بھی صرف نا اہلوں سے چھپانا لازم ہے۔ صاحب حال سے چھپانا جرم کیونکہ یہ در پردہ ان نعمتوں کا انکار ہے اور اس کا ناشکری میں شمار۔ قال کی چیزیں اہل قال اور حال کی باتیں اہل حال سے نہ چھپاؤ یا یہ کہ مشائخ کو طالبین راہ طریقت سے راز چھپانا منع ہے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ: اللہ کی نعمتیں بعض خصوصی ہیں۔ بعض عمومی۔ چراغ کا تیل نمک بجلی گیس وغیرہ ہر گھر کی علیحدہ علیحدہ مگر چاند و سورج ساری زمین کے لئے۔ ہر کھیت کا کنواں الگ مگر بادلوں کی بارش سارے کھیتوں کے لئے۔ اسی طرح ہمارے اعضاء ظاہری مال و اولاد حتیٰ کہ سلطنت وغیرہ خصوصی نعمتیں ہیں مگر دین اسلام رب کی رحمت عام۔ قرآن شریف کے احکام کی آیات خصوصی نعمتیں ہیں کہ نماز حائضہ وغیرہ پر نہیں زکوٰۃ فقیروں پر نہیں۔ حج مجبور پر نہیں۔ سارے احکام شرعیہ کفار پر نہیں۔ آیات متشابہات صرف حضور انور کے لئے باقی لوگوں کی فہم سے وراء احکام شرعیہ کے استنباط کی آیات صرف علماء کے لئے دوسرے ان سے مسائل نہیں نکال سکتے قل انما انا بشر یا انی کنت من الظلمین وغیرہ آیات صرف ان حبیبوں کے لئے اگر ہم انہیں انبیاء کو ظالم وغیرہ کہیں تو بے ایمان ہو جائیں مگر اللہ کی ذات و صفات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و صفات کی آیات ہر مومن کافر گنہگار نیک کار ولی غوث وغیرہ سب کے لئے ہیں اسی لئے رب نے احکام کی آیتوں میں مسلمانوں سے خطاب کیا یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام وغیرہ مگر حضور انور کی تشریف آوری کی آیات میں تمام آدمیوں سے خطاب فرمایا یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم الخ۔ اور حضور انور کے متعلق فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین لہٰذا جو احکام قرآنی چھپائے وہ مسلمانوں کا حق مارتا ہے اور جو سرکار کے اوصاف چھپائے وہ خالق و ساری مخلوق کے حقوق پامال کرتا ہے۔ لہٰذا بڑا مجرم یہ ہے اس لئے اس پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور ساری مخلوق کی بھی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے اور مر گئے حالانکہ وہ کافر تھے یہ لوگ ہیں کہ اوپر ان کے لعنت اللہ کی اور فرشتوں

بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور کافر ہی مرے ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
کی اور لوگوں سب کی ہے۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں بیچ اس کے نہ ہلکا کیا جاوے گا
ہمیشہ رہیں گے اُس میں نہ اُن پر سے عذاب ہلکا ہو
يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾
اُن سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔
اور نہ انہیں مہلت دی جاوے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ دینی احکام چھپانے والے علماء لعنت کے مستحق ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ لعنت ان علماء تک ہی محدود نہیں بلکہ عام لوگ جو ان کے بہکانے سے کافر ہو جائیں وہ بھی اس میں شامل ہیں گویا یہ آیت گزشتہ آیت سے ایک وہم دور کرتی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں دین چھپانے والے پر لعنت کا ذکر تھا اب اس لعنت کے دوام کا ذکر ہے یعنی یہ نہ ہو گا کہ صرف ایک بار لعنت ہو کر انہیں نجات ہو جائے بلکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اب توبہ کا وقت بتایا جارہا ہے کہ موت سے پہلے کی توبہ قبول ہے۔ موت پر تو سب ہی توبہ کرتے ہیں مگر بے فائدہ۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں دین چھپانے والوں پر لعنت کی گئی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ لعنت انہیں مجرموں سے خاص نہیں بلکہ ہر کافر اس کا مستحق ہے بلکہ ان پر بھی اسی لئے لعنت ہوئی کہ وہ بھی کافر تھے۔

تفسیر : **ان الذین کفروا** ظاہر یہ ہے کہ اس سے عام کفار مراد ہیں خواہ دین چھپانے والے اہل کتاب ہوں یا الوہیت یا نبوت وغیرہ کے منکر۔ روح المعانی نے کہا اس سے بھی وہ ہی دین چھپانے والے مراد ہیں جن کا ذکر پہلی آیت میں ہوا۔ مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔ پہلی ہی بات زیادہ صحیح ہے یعنی جنہوں نے کسی قسم کا کوئی بھی کفر کیا۔ خیال رہے کہ زمانہ فطرت کا کفر بھی ایک تھا اور ایمان بھی ایک۔ یعنی جن لوگوں تک نبوت کی روشنی نہ پہنچی تھی ان کے لئے صرف عقیدہ توحید ایمان تھا اور شرک کرنا کفر۔ مگر جن تک نبوت کا نور پہنچا ان کے لئے کفر تو ہزاروں ہیں مگر ایمان صرف ایک، جتنی باتوں کو مان کر مومن ہوتے ہیں ان سب کا ماننا ایمان ہے اور ان میں سے ایک بات کا انکار کفر لہٰذا توحید کا منکر یا نبوت کا انکاری یا فرشتوں یا جنت و دوزخ یا قیامت غرضیکہ ان میں سے ہر شخص کافر ہے اور یہ سب علیحدہ علیحدہ قسم کے کافر ہیں لہٰذا حضور انور کے والدین کریمین کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مومن، موحد تھے وہاں سوال یہ نہیں پیدا ہو سکتا کہ انہوں نے قیامت و قرآن وغیرہ کو کیسے مانا **وما توا وھم کفار** اور کفر پر یہاں تک اڑے رہے کہ اسی حال میں مرے۔ ان کی سزا یہ ہے کہ **اولٰئک علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔ علیھم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی یہ لعنت صرف انہیں کافروں پر ہے نہ گنہگار مسلمانوں پر اور نہ ان کفار پر جو ایمان پر مرے اور ناس سے یا صرف مسلمان مراد ہیں کیونکہ حقیقت میں وہ ہی انسان ہیں رہے کافر وہ تو جانور بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں (قرآن شریف) ان کا اعتبار نہیں لہٰذا مسلمانوں کی لعنت سارے لوگوں کی لعنت

اور یا کفار و مومن سارے انسان مراد کیونکہ قیامت اور دوزخ میں کفار بھی ایک دوسرے کو لعنتیں کریں گے۔ رب فرماتا ہے **ثم یوم القیمۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا** نیز دنیا میں بھی کفار کہتے ہیں کہ بے دینوں پر لعنت اور خود بے دین ہیں ان سارے کفار پر رب کی، تمام فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور پھر یہ لعنت کبھی ختم نہیں بلکہ **خلدین فیها** یہ خلود سے بنا جس کے معنی ہیں بہت مدت تک لازم رہنا اور کبھی ہیشگی کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اگر اس کے بعد **ابدا** آجائے تو ہیشگی ہی کے معنی کی تائید کرتا ہے۔ یہاں ہیشگی ہی مراد ہے جیسا کہ دوسری آیتوں سے ظاہر ہے اور یہ **علیهم** کی ضمیر سے حال ہے اور **فیها** کی ضمیر یا تو لعنت کی طرف لوٹتی ہے یا آگ کی طرف جو لعنت سے سمجھ میں آئی (کبیر) یعنی اس لعنت یا جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ کبھی انہیں وہاں رہ کر چین بھی مل جائے بلکہ **لا یخفف عنهم العذاب** ان سے کبھی عذاب ہلکا بھی نہ ہو گا۔ دنیا میں مزدور دن بھر کام کر کے رات کو آرام کرتا ہے وہاں یہ نہ ہو گا بلکہ ہر وقت عذاب۔ نیز جیل میں اولاً سخت تکلیف دی جاتی ہے پھر بعد میں کچھ رعایت ہو جاتی ہے وہاں یہ بھی نہ ہو گا نیز دنیا میں مصیبت شروع میں بھاری معلوم ہوتی ہے اور پھر انسان اس کا عادی ہو کر ہلکا محسوس کرتا ہے وہاں یہ بھی نہ ہو گا ہر وقت تکلیف تازہ بہ تازہ بلکہ پہلے سے زیادہ غرضیکہ عذاب ہمیشہ اور یکساں یا سخت تر ہو گا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی **ولا هم ینظرون** یہ نظر سے بنا جس کے معنی ہیں مہلت دینا۔ **فنظرۃ الی میسرۃ** اور انتظار کرنا اور دیکھنا۔ یہاں تینوں معنی درست ہیں (روح البیان) یعنی نہ تو انہیں مہلت دی جائے گی کہ آرام پائیں اور نہ انہیں وقت دیا جائے گا کہ توبہ کر لیں یا دنیا میں آ کر نیک اعمال کر جائیں اور نہ ان پر نظر رحمت ہو گی۔

خلاصہ تفسیر: یہ نہ سمجھو کہ صرف کافر سرداروں پر ہی لعنت ہے اور ان کے پیروکار اس سے بری ہیں بلکہ ہر کافر لعنت میں گرفتار ہے اور یہ بھی خیال نہ کرنا کہ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا اور ہر شخص کو ہمیشہ اس کا موقعہ دیا جائے گا نہیں بلکہ جنہوں نے دنیا میں کسی قسم کا کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے ان پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور سارے فرشتوں کی بھی اور سب لوگوں کی بھی کیونکہ یہ رب کے باغی ہیں اور فرشتوں کو ان پر ناراضی اور لوگوں کو ان سے تکلیف پھر یہ نہیں کہ کبھی اس لعنت سے چھٹکارا پائیں۔ نہیں بلکہ ہمیشہ رہے گی اور یہ بھی نہیں کہ کبھی ان کا عذاب ہلکا ہو بلکہ یکساں رہے گا اور یہ بھی نہیں کہ انہیں آرام کرنے کے لئے مہلت دی جائے یا ان پر نظر رحمت کی جائے۔ لہذا عاقل وہ جو مرنے سے پہلے توبہ کر لے ورنہ پھر پچھتائے سے کچھ نہ ہو گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاتمہ کا اعتبار ہے دیکھو یہاں کفر پر مرنے کا ذکر کیا گیا۔ لہذا زندگی میں کسی کو اپنے حال پر اکڑنا نہ چاہئے۔ رب کا خوف کرے اور اس کی پناہ مانگے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر شخص کی موت اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہونے کا وقت ہے اور چونکہ کسی کو موت کی خبر نہیں لہذا ہر وقت ہی توبہ چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** بعد موت کسی کافر پر بھی نام لے کر لعنت نہیں کر سکتے جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم نہ ہو یا اس کی قرآن و حدیث میں خبر دیدی گئی ہو یا ہم نے اسے کفر بکتے بکتے مرتے ہوئے دیکھا ہاں یوں کہنا جائز ہے کہ فلاں شخص بڑا ملعون تھا۔ یہ کہنا کہ رام لال یا گنگا رام پر اب لعنت ہے ناجائز۔ **چوتھا فائدہ:** یزید پلید اور حجاج ابن یوسف وغیرہ ظالموں پر نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں

کیونکہ ان کا زندگی میں بھی کوئی کفر ثبوت کو نہ پہنچا چہ جائیکہ کفر پر مرنا ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل پر یا قتل کی امداد کرنے والوں پر یا اس سے راضی ہونے والوں یا ظالموں پر لعنت کیونکہ یہ لعنت بالوصف ہے نہ کہ نام لے کر (شامی باب اللعان) پانچواں فائدہ: ابو طالب پر لعنت ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ ان کے کفر پر مرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ شیخ عبدالحق نے مدارج میں ان کی ایمان پر موت کی روایت نقل کی نیز روح البیان نے ایک جگہ ان کا بعد موت زندہ ہونا اور ایمان لانا ثابت کیا۔ بفرض محال اگر ان کی موت کفر پر ہوئی بھی ہو تب بھی چونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بہت خدمت کی اور حضور کو ان سے بہت محبت تھی اس لئے ان کو برا کہنا حضور کی ایذا کا باعث ہوگا ان کا ذکر خیر ہی سے کرو یا خاموش رہو۔ چھٹا فائدہ: حضور کے والدین کریمین اس آیت سے خارج ہیں کیونکہ وہ نہ زندگی میں کفر کی نجاست سے ملوث تھے نہ ان کا خاتمہ خراب ہوا۔ ان کا ایمان پر رہنا اور ایمان پر وفات پانا قرآن کریم سے ثابت ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی **ربنا وابعث فیھم رسولا** خدایا اسی امت مسلمہ میں آخری رسول بھیج اور رب فرماتا ہے **وتقلبک فی السجدین** ہم تمہارا نور پاک سجدہ کرنے والوں میں گردش کرتا دیکھ رہے ہیں۔ جن بدنصیبوں نے ان بزرگوں کو اس آیت میں داخل مان کر ان پر لعن طعن جائز رکھا وہ خود ملعون ہیں وہ حضرات زندگی میں مومن تھے اور اب صحابی رسول ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زندہ فرما کر جمال پاک دکھایا انہیں صحابی بنایا۔

پہلا اعتراض: چند روزہ کفر پر ہمیشہ کا عذاب کیوں دیا گیا عذاب کی کچھ حد ہونی چاہئے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کفر بغاوت ہے۔ جس کی سزا دنیا میں تو قتل ہے اور چونکہ وہاں موت ناممکن اس لئے ہمیشہ کا عذاب۔ دوسرے یہ کہ چونکہ ان کی نیت ہمیشہ کفر کی تھی بلکہ اگر وہ پھر بھی دنیا میں بھیجے جائیں تو بھی کفر ہی کریں لہذا سزا بھی دائمی۔ رب فرماتا ہے **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ**۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی حالانکہ بخاری شریف کتاب الرضاع کی روایت ہے کہ ابولہب پر بھی عذاب کم ہوتا ہے یا ابو طالب کا عذاب ہلکا ہے پھر ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ نہ ہوگا کہ اولاً انہیں سخت عذاب دیا جائے پھر ہلکا ہو جائے یا شروع میں بہت تکلیف محسوس ہو پھر کم بلکہ اس میں یکسانیت ہوگی ابولہب وغیرہ کو اول ہی سے یہ تخفیف ہے کفار کا عذاب بقدر کفر ہے۔ جتنا کفر سخت اتنا عذاب بھی سخت ہاں ان کے بعض نیک اعمال ان کا عذاب ہلکا کریں گے۔ جیسے حاتم طائی و ابولہب وغیرہ۔ تیسرا اعتراض: یزید قتل امام حسین سے راضی ہوا۔ اور یہ رضا کفر ہے کیونکہ ان کی تکلیف حضور کی ایذا کا باعث ہے نیز روایت میں ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد اس نے کہا کہ اگر میرے دادا ابو سفیان زندہ ہوتے تو انہیں دکھاتا کہ میں نے ان کا بدلہ حضور کے نواسوں سے لے لیا۔ یہ بھی صریح کفر ہے پھر فقہاء نے اس کی طرفداری کیوں کی۔ نیز ابو طالب کا کفر پر انتقال بہت سی احادیث سے ثابت ہے انہیں کے حق میں یہ آیت آئی کہ **انک لا تھدی من احببت** پھر ان کی رعایت کیسی؟ جواب: یزید کے متعلق مختلف روایتیں ہیں بعض سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ قاتلین پر ناراض ہوا اور کہا میں نے تو گرفتار کرنے کو کہا تھا نہ کہ قتل کو۔ اگر راضی ہوا بھی تو محض دنیاوی وجہ سے کہ یہ میرے سلطنت کے مخالف ہیں نہ اس لئے کہ حضور کے اہل بیت ہیں ورنہ باقی اہل بیت اطہار کو عزت و حرمت سے مدینہ پاک واپس نہ کرتا اور دنیوی مخالفت کفر نہیں۔ خود

صحابہ کرام کے آپس میں جنگ و جدال ہوئے۔ اب بھی سیدوں سے دنیاوی جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ رہی دوسری روایت اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ فتویٰ کفر کے لئے یقین چاہئے۔ ابو طالب کی کفر پر موت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ جس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بڑے بڑے علماء کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ احمد دحلان کی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ایمان پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔ "اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب" **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر سب لوگوں کی لعنت ہے حالانکہ کوئی بھی اپنے ہم مذہبوں پر لعنت نہیں کرتا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے گزر چکا کہ یا تو یہاں لوگوں سے مسلمان مراد ہیں یا قیامت کے دن کفار بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یا دنیا میں ہر ایک کافروں پر لعنت کرتا یہ بھی لعنت ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر عذاب ہلکا نہ ہو گا اور بخاری کی روایت میں ہے کہ ابو لہب کو دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے حضور کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے چونکہ وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے نیز وہاں خواب کا ذکر ہے لہٰذا قابل قبول نہیں یہ آیت برحق ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آیت کریمہ کا مطلب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزرا یعنی دوزخی کافر کو جتنی شدت اولاً محسوس ہوگی اتنی ہی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی دنیا کی طرح سہار نہ پیدا ہوگی اور ابولہب کے لئے یہ رعایت اول ہی سے ہے۔ بعض کفار اول ہی سے ہلکے عذاب میں ہوں گے بعض سخت عذاب میں ورنہ دوزخ کے سات طبقے کیوں بنے اور ان کے عذاب مختلف کیوں ہوئے۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ میں قانون کا ذکر ہے۔ وہاں خصوصی کرم کا قانون و خصوصیات میں فرق ہے لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جو لوگ کہ حق سے محجوب ہو گئے اور ان کے دلوں پر پردہ غفلت پڑا رہا یہاں تک کہ ان میں قبول حق کی قابلیت بھی نہ رہی اور دنیوی اور شہوانی ہوا وں سے ان کا فطری نور بجھ گیا اور ہدایت دینے والے اسباب بھی ختم ہو چکے۔ موت بھی ان کے حجاب کو نہ پھاڑ سکی وہ رب سے بھی دور ہیں اور اس کے کرم سے بھی مجبور عالم ملکوت سے نکالے ہوئے ہیں فطرت انسانیہ سے گر گئے۔ جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں طمس کہتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیونکہ رب جس کا چراغ بجھا دے اسے کوئی روشن نہیں کر سکتا۔ نیز جب چراغ میں روغن اور بتی نہ ہو تو صرف مٹی کا دیا کس کام آئے۔ ان کے جسم مٹی کا دیا ہیں۔ جس میں نہ روغن نہ بتی۔ اب ان سے یہ عذاب ہلکا نہ ہو گا کیونکہ اسباب عذاب ان کے نفسوں میں داخل ہو چکے اور نہ ان پر کبھی نظر رحمت ہو (از ابن عربی) خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ عظام اور بزرگان دین چراغ کے روشن کرنے والے ہیں مگر جو قدرتی طور پر روغن و بتی سے خالی ہے اسے کوئی کیسے روشن کرے' یہ خالی ہونا ہی موت ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روغن اور بتی موجود لیکن تیز ہوا سے چراغ گل ہو جائے ان کی اصلاح ممکن ہے۔ ابو جہل اور دیگر لوگوں میں یہی فرق تھا اللہ تعالیٰ اپنی حفظ و امن میں رکھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفر تین طرح کے ہیں۔ غفلت کا کفر' عناد کا کفر' بے جا محبت کا کفر' یہود کا کفر عنادی تھا۔ نصاریٰ کا کفر عیسیٰ علیہ السلام سے بے جا محبت کا عوام کا کفر غفلت کا ہوتا ہے مگر کفر پر مرنے کی وجہ دل کی سختی ہے اگر کسی کلمہ گو کا دل سخت ہے تو اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے اور اگر کسی کافر کے دل میں نرمی ہے تو اس کے ایمان کی امید ہے۔ سختی دل دور ہونے کی تین تدبیریں ہیں۔ نرم دل والوں کی صحبت اختیار کرنا یا ان کے حالات یا ان کی کتب کا مطالعہ یا کثرت سے درود شریف۔ بغیر نرمی دل کلمہ شریف پڑھنا یا نیک اعمال سب بیکار ہیں۔ کسان پہلے زمین نرم کرتا ہے پھر تخم بوتا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

اور معبود تمہارا معبود ایک ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے وہ بہت رحمت والا مہربان ہے

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہ ہی بڑی رحمت والا مہربان

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کا عذاب ہلکا نہ ہو گا۔ اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ دنیا میں بادشاہ یا مالک چند ہوتے ہیں یہاں تو ممکن ہے کہ ایک کی ناراضی پر دوسرے کی پناہ لے لی جائے مگر رب ایک ہی ہے اس کی ناراضی پر کس کی پناہ ملے لہٰذا اس کے غضب کو کوئی ہلکا نہیں کر سکتا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر نظر رحم نہ ہو گی۔ اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ غضب ناک لوگ جلد غصہ کر کے فوراً مہربان بھی ہو جاتے ہیں مگر رب تعالیٰ رحمٰن رحیم ہے وہ کسی پر بلاوجہ غضب نہیں فرماتا اور جو خود ہی اس کی رحمت کا دروازہ اپنے پر بند کر لے تو پھر کھولتا بھی نہیں۔ تیسرا تعلق: اب تک کی آیتوں کا تعلق نبی اور نبوت اور ارکان اسلام سے تھا اب الوہیت کا ذکر ہے جو کہ ان سب کی اصل الاصول ہے۔

شان نزول : ایک بار کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کی صفتوں کا ذکر کیجئے تاکہ ہم اس میں اور اپنے معبودوں میں فرق کر سکیں۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں اس کی ذات اور عام صفتوں کا ذکر ہے۔ یہ آیت ذات و صفات کے بیان میں اول درجہ کی ہے بلکہ ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رب کا اسم اعظم دو آیتوں میں ہے ایک تو یہی دوسری الم اللہ لا الہ الا ھو (خزائن)

تفسیر : والھکم الہ واحد ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب سارے ہی لوگوں سے ہے مومن ہو یا کافر بے دین ہو یا دین دار۔ الہ، الہ سے بنا اس کے معنی کی تحقیق بسم اللہ کی تفسیر میں کر دی گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سے مراد ہے مستحق عبادت۔ عبادت انتہائی عاجزی کو کہتے ہیں۔ لفظ الہ جھوٹے معبودوں پر بھی بولا جاتا ہے اسی لئے اس کی جمع الھتہ آئی ہے کیونکہ وہ کفار کے عقیدہ میں مستحق عبادت ہیں مگر یہاں حقیقی اور سچا معبود مراد ہے یعنی اللہ پہلے الہ سے اس کی ذات مراد۔ اور دوسرے الہ سے وصف معبودیت۔ واحد، وحدۃ سے بنا۔ جس کے معنی ہیں اکیلے ہونا کبھی بے نظیر اور بے مثل کو بھی واحد بمعنی یگانہ کہہ دیتے ہیں۔ سو واحد تو مخلوق و خالق سب پر بولا جاتا ہے مگر احد مطلق خدا کے سوا کسی پر نہیں بولتے واحد حقیقی تو وہ ہے۔ جس کا کوئی جز نہ ہو اور کٹ بٹ نہ سکے۔ ایک انسان کو بھی اسی لئے ایک کہتے ہیں کہ اس میں سے کٹ کر دو انسان نہیں نکل سکتے۔ ہاں ہاتھ پاؤں وغیرہ اجزا نکلیں گے۔ مگر وہ انسان نہیں اور جہاں واحد رب کی صفت ہو اس سے مراد ہوتا ہے کہ ذات و صفات و افعال میں اکیلا اور بے مثل کہ نہ اس کے اجزا اور نہ وہ کسی کا جز نہ اس میں کثرت اور زیادتی اور نہ وہ کثرت میں نہ وہ کسی کی حقیقت نہ اس کی کوئی حقیقت و ماہیت وغیرہ سے پاک ہاں اس کی شانیں بے شمار یعنی اے لوگو حقیقی مستحق عبادت وہ ایک ہی معبود ہے کہ جس میں کسی لحاظ سے شرکت کا احتمال نہیں۔ پھر اس کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے لا الہ الا ھو اس کے سوا کوئی اور سچا معبود نہیں لہٰذا اسی کو جانو۔ اسی کو پہچانو۔ اسی سے ڈرو امید رکھو اس کے سوا غیر کی عبادت نہ کرو۔ وہ شرکت سے پاک

مگر صفات سے خالی نہیں۔ اس کی صفتیں بے شمار ہیں انہیں میں سے ہے **الرحمن الرحیم** ان دونوں لفظوں کی تحقیق ہم بسم اللہ کی تفسیر میں کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یا تو رحمٰن عام رحمتیں دینے والا جیسے رزق و وجود وغیرہ اور رحیم خاص رحمتیں عطا فرمانے والا جیسے نبوت، سلطنت وغیرہ یا رحمٰن بلاواسطہ نعمتیں دینے والا جیسے غلہ اور کپڑا وغیرہ یا رحمٰن دنیا میں سب پر رحم کرنے والا اور رحیم خاص مسلمانوں پر کرم فرمانے والا یعنی حقیقی منعم خدا ہی ہے اس کے سوا یا تحت ہے یا نعمتیں پانے والا لہذا وہ ہی مستحق عبادت۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو تم کدھر بھٹکے پھرتے ہو اور اپنی پیشانیاں جھوٹے معبودوں کے سامنے کیوں رگڑتے ہو مستحق عبادت تو وہ ہی ایک ہے جو ہر طرح ایک اور اکیلا ہے اس کا کوئی ہمسر و ساتھی نہیں، تمہیں یہاں اور وہاں نعمتیں دیتا ہے۔ چاہیے کہ جس کا کھاؤ اس کا گاؤ۔ قدرت کا قانون یہ ہے کہ حقیقتاً فیض دینے والا ایک ہی ہوتا ہے اور اس سے پہلا فیض لینے والا چاند بھی ایک درخت میں مبدا فیاض جڑ ایک اور اس سے پہلا فیض لینے والا تنا بھی ایک اسی قاعدے سے لازم ہے کہ عالم کا مبدا فیاض رب بھی ایک ہی ہو اور اسی سے پہلا فیض والا یعنی حقیقت محمدیہ بھی ایک ہی ہو لہذا ارشاد ہوا کہ لوگو تمہارا معبود ایک ہے جس میں دوئی کی گنجائش نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ دیکھو رب نے اپنی معرفت بسم اللہ، الحمد میں اور یہاں رحمت سے کرائی نہ کہ غضب و قہر سے۔ **دوسرا فائدہ** رحمت رب تعالیٰ کی صفت اصلیہ ہے قہر و غضب ہماری بدکاریوں کی بنا پر اسی لئے رب تعالیٰ بغیر کسی عمل کے جنت تو عطا فرماوے۔ جیسے مسلمانوں کے فوت شدہ بچے یا دیوانے مگر بلا قصور کسی کو دوزخ نہ دے گا۔ **تیسرا فائدہ** مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کو تبلیغ کرتے وقت رب کی رحمتوں کا ذکر زیادہ کریں جب وہ ضد کریں تو اس کے قہر و غضب کا ذکر کریں دیکھو رب نے اول تبلیغ میں اپنی رحمت کا ذکر فرمایا نرمی سے امید افزا تبلیغ کرنا دل میں اثر کرتی ہے۔

اعتراض : یہ آیت مدنیہ ہے کیونکہ ساری سورہ بقرہ مدنیہ ہے اور مدینہ منورہ میں کفار اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تھے وہ توحید کے قائل تھے انہیں یہ آیت سنانا یا ان کے پوچھنے پر یہ جواب دینا فائدہ مند نہیں یہ آیت تو مشرکین کے جواب میں آنی چاہیے تھی۔ **جواب** : اہل کتاب در حقیقت خدا تعالیٰ کو واحد یا احد نہیں مانتے تھے کیونکہ رب تعالیٰ کے واحد یا احد ہونے کے معنی ہر طرح ایک۔ جب انہوں نے رب کے لئے اولاد مان لی تو اسے ہر طرح ایک نہ مانا بلکہ بعض عیسائی تو تثلیث کے قائل تھے یعنی تین خدا مانتے تھے۔ باپ بیٹا روح القدس لہذا ان کے پوچھنے پر اس آیت کا نزول بالکل ٹھیک ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے توحید والو جس کی تم عبادت کرتے ہو وہ ایک معبود ہے اور بالذات ایک موجود اس کے ماسوا سب معدوم ہے جو ہے اسی کا پرتو۔ سائے کو اصل سمجھ کر ادھر گردن جھکانا جہالت ہے پھر اس کی رحمت ہر موجود کو شامل۔ لہذا وہ رحمٰن ہے اور اس کی ہدایت مومنین کے لئے خاص لہذا وہ رحیم (ابن عربی) ذات تک پہنچنے والے اسے الاھو سے پہچانیں اور

جن کی رسائی فقط صفات تک ہو وہ اسے رحمان، رحیم سے جانیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک لفظ ھو خالص اسم ہے جو محض ذات کو بتاتا ہے اور ھو کو وہ جانے جو ہوا (خواہشات) سے خالی ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از ہوا ہا کے رہی بے جام ہو ۔ اے زہو قانع شدہ با نام ہو
اسم خواندی رو مسمی را بجو ۔ مہ بہ بالا داں نہ اندر آب جو
گر زنام و حرف خواہی بگذری ۔ پاک کن خود راز خود ہاں یکسری
خویش را صافی کن از اوصاف خویش ۔ تابہ بینی ذات پاک و صاف خویش
بینی اندر دل علوم انبیاء! ۔ بے کتاب و بے معید و اوستاد
علم کل نبود زہو بے واسطہ ۔ آں نہ باید ہمچو رنگ ماشد

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ
تحقیق بیچ پیدائش آسمانوں اور زمین کے اور بدلنے میں رات اور دن کے اور کشتی میں وہ جو کہ تیرتی ہے
بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے
الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ
بیچ دریا کے ساتھ اس کے جو نفع دیتا ہے لوگوں کو اور وہ جو اتارا اللہ نے طرف سے آسمان کے پانی پس
فائدے لے کر چلتی ہے۔ اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا

مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ

زندہ کیا بذریعہ اس کے زمین کو پیچھے مرنے اس کے اور پھیلایا بیچ اس کے ہر طرح کا جانور اور پھرنا ہواؤں کا
اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ
اور بادل جو مطیع ہیں بیچ میں آسمانوں اور زمین کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو
وہ بادل جو آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کیلئے
یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾
عقل رکھتی ہے
ضرور نشانیاں ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں توحید کا موہوں مطالب اس کی دلیل کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پہلے رب کی پوشیدہ صفات کا ذکر تھا یعنی توحید اور رحمت۔ اب اس کے ظاہری صفات کا اظہار ہے یعنی زمین و آسمان کی پیدائش۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت پر شبہ ہو سکتا تھا کہ ایک رب تمام عالم کو کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ چاہیے کہ اتنی بڑی دنیا کو بہت سے معبود سنبھالیں۔ اب یہ وہم دفع کیا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں رب کی عام اور خاص رحمت کا ذکر تھا۔ اب آسمان و زمین' رات و دن وغیرہ کا تذکرہ ہے جو اس کے مظہر ہیں۔

لطیفہ : کسی نے ایک بڑھیا سے پوچھا کہ تو نے خدا کی ہستی کیونکر جانی۔ وہ بولی اپنے چرخے سے کہ جب میرا معمولی چرخہ بغیر میرے ہاتھ لگائے نہیں گھومتا تو آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بغیر گھمانے والے کے کیونکر گھوم سکتا ہے۔ وہ بولا کہ تو نے توحید کیونکر پہچانی کہنے لگی۔ اپنے چرخے سے کہ اسے اکیلی میں ہی گھما سکتی ہوں۔ اگر اس میں دو ہاتھ جمع ہوں تو کبھی ٹھیک نہ گھومے لہذا آسمان کا چرخہ گھمانے والا بھی ایک ہی چاہیے ورنہ یہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

شان نزول : مشرکین نے جب آیت توحید سنی تو تعجب سے بولے کہ اتنی بڑی دنیا کے لئے ایک رب کافی نہیں اور حضور سے عرض کیا کہ اس پر کوئی قوی دلیل قائم کیجئے۔ ان کے جواب میں یہ آیت اتری۔ ان بیوقوفوں نے دنیا کی وسعت تو دیکھی مگر خالق کی قدرت کا اندازہ نہ لگا سکے تو حیرت پڑے کہ ایک خدا نے اتنے بڑے عالم کو اکیلے کیسے سنبھال سکتا ہے جیسے کوئی دیہاتی جس نے کبھی ریل نہ دیکھی ہو تو ریل گاڑی کے بہت سے ڈبوں کو دیکھ کر کہہ دے کہ اتنی بڑی گاڑی کو اکیلا انجن نہیں کھینچ سکتا کیونکہ ڈبے تو اس کے سامنے ہیں مگر انجن اور انجن کی طاقت اس سے پوشیدہ ہے۔ خیال رہے رہے کہ مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ تمام عالم کا خالق' مالک' مدبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی مگر اپنے شرکاء کی مدد سے وہ اکیلے یہ کام نہیں کر سکتا اپنی کمزوری و مجبوری کی وجہ سے اسے یہ شرکاء رکھنے پڑے ان کی تردید کے لئے رب نے ایک جگہ فرمایا **لم یکن له ولی من الذل وکبره تکبیرا**۔ دوسرا قول' ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ قریش نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب سے دعا کیجئے کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے تب ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضور نے دعا فرمائی۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ ہم یہ تو کر دیں گے لیکن اگر پھر بھی یہ کافر رہے تو انہیں ایسا عذاب دیں گے جو آج تک کسی کو نہ دیا ہو۔ اس پر حضور نے عرض کیا کہ مولیٰ ایسی نشانی میں نہیں چاہتا تب یہ آیت اتری (در منثور)

تفسیر : ان فی خلق السموت والارض خلق کے لفظی معنی ہیں معدوم کو وجود بخشنا مگر یہاں ایجاد کرنا مراد ہے (کبیر و روح) قرآن میں لفظ خلق بنانا گھڑنا کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **انی اخلق لکم من الطین کهیئة الطیر** اور رب کفار سے فرماتا ہے **وتخلقون افکا** مگر کسی کو رب کے سوا خالق نہیں کہہ سکتے بمعانت اطلاق خالق کے معنی ہوتے ہیں نیست کو ہست کرنے والا۔ یعنی آسمان و زمین کے پیدا فرمانے یا آسمان و زمین کی پیدائش میں۔ سموت سماء کی جمع اور سمو سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بلندی' شبعاً ' ہر اونچی چیز کو سماء کہہ سکتے ہیں مگر اصطلاح میں آسمان کو کہتے ہیں۔ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمین بھی سات۔ مگر قرآن کریم میں اکثر آسمان کو جمع اور زمین کو واحد لایا گیا ہے۔ کیونکہ آسمان علیحدہ علیحدہ ہیں کہ ہر دو آسمانوں میں 500 سال کا راستہ ہے مگر زمین کے طبقے پیاز کے چھلکوں کی طرح ملے ہوئے کہ یہ

سب مل کر ایک معلوم ہوتے ہیں نیز ہر آسمان کی حقیقت جداگانہ کوئی چاندی کی طرح اور کوئی سونے کی مثل مگر ہر زمین کا مادہ ایک ہی یعنی مٹی۔ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہے اور پھیلاؤ ابعد میں مگر چونکہ آسمان دینے والے ہیں اور زمین لینے والی اور درجہ دینے والے کا لینے والے سے اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے آسمان کا ذکر پہلے فرمایا اور زمین کا بعد میں۔ زمین ہر وقت آسمان سے لپٹی ہی رہتی ہے کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہوتی کبھی بارش میں آسمان کی محتاج ہے اور کبھی دھوپ میں اس کی نیاز مند (روح البیان)

واختلاف الیل والنهار یہ لفظ خلف سے بنا۔ جس کے چند معنی ہیں آنا جانا اور یکساں نہ ہونا اور گھٹنا بڑھنا اور پیچھے ہونا۔ یہاں ہر معنی درست ہیں یعنی رات و دن کا آنا جانا یا ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ یا ان دونوں کا یکساں نہ ہونا کہ دن روشن رات اندھیری بلکہ خود رات بھی کبھی چاند سے نورانی کبھی بالکل سیاہ اور دن بھی صبح و شام ہلکا اور دوپہر کو خوب روشن یا رات و دن کا گھٹنا بڑھنا کہ سردی میں رات بڑی اور دن چھوٹا اور گرمی میں اس کا الٹ یا مختلف ملکوں میں ان کا علیحدہ حال۔ کہیں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات۔ کہیں اس کے خلاف پھر ایک ہی وقت کہیں رات کہیں دن۔ دیکھو جب یہاں رات تو امریکہ میں دن اور کسی جگہ صبح اور کہیں ظہر کہیں عصر۔ **نهار** نہر سے بنا جس کے معنی ہیں چیرنا۔ چونکہ صبح صادق کی روشنی رات کی تاریکی کو چیر ڈالتی ہے اس لئے اسے نہار کہتے ہیں۔ پانی کی نہر کو بھی اسی لئے نہر کہتے ہیں کہ وہ دریا سے چیر کر نکلتی ہے۔ شریعت میں صبح صادق سے سورج ڈوبنے تک کا وقت نہار یعنی دن ہے نجومی سورج چمکنے سے ڈوبنے تک کو دن کہتے ہیں یعنی دن و رات کے اختلاف میں بھی ربانی دلیل ہے۔ صوفیاء کے ہاں زمین دل پر کبھی غفلت کی رات آتی ہے اور کبھی بیداری کا دن بیداروں کے لئے رات میں بھی دن ہوتا ہے غافلوں کے لئے دن میں بھی رات۔ دل کے حالات ہر شخص کے مختلف ہوتے رہتے ہیں قبض و بسط کا سلسلہ لگا ہی رہتا ہے۔ **والفلک التی تجری فی البحر۔** فلک کے لفظی معنی ہیں گھومنا۔ ہر گول چیز کو بھی اسی لئے فلک کہتے ہیں کہ وہ گھومتی ہے آسمان کو فلک اور چرخے کے پھریوں کو اسی لئے فلکہ کہتے ہیں کشتی کو فلک کہنے کی یہ ہی وجہ ہے کہ وہ دریا میں چکر لگاتی رہتی ہے۔ یہ جمع بھی ہے اور واحد بھی۔ کشتی کے موجد نوح علیہ السلام ہیں کہ بذریعہ الہام آپ نے تیار کی (عزیزی) **تجری** جری سے بنا جس کے معنی ہیں بہنا اور تیرنا ہر سبک رفتار کو بھی جاری کہہ دیتے ہیں جیسے **تجری الریح**۔ بحر کے لفظی معنی ہیں وسعت اور پھیلاؤ۔ بڑے عالم کو بحر العلوم یعنی علموں کا دریا کہا جاتا ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ اس کے معنی ہیں چیرنا۔ اسی سے بحیرہ بنا۔ یعنی وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر چھوڑ کر اس کا کان چیر دیا جائے۔ بحر دریا کو بھی کہتے ہیں اور کھاری سمندر کو بھی۔ مشہور یہ ہے کہ سمندر سات ہیں مگر تفسیر کبیر اور عزیزی وغیرہ نے فرمایا کہ پانچ سمندر بڑے ہیں۔ بحر ہند جسے بحر چین بھی کہتے ہیں۔ بحر مغرب۔ بحر شام۔ بحر نیطش۔ بحر جرجان۔ بحر ہند کی لمبائی آٹھ لاکھ میل اور چوڑائی دو ہزار سات سو میل ہے۔ بحر مغرب اسی کا نام بحر اوقیانوس ہے یہ بحر ہند سے متصل ہے۔ اس کا مشرقی کنارہ معلوم نہ ہو سکا۔ مغربی کنارہ پر روس اور مقالیہ واقع ہے۔ اسی میں حبشہ کے مقابل چھ جزیرے ہیں۔ جنہیں جزائر خالدات کہتے ہیں۔ بحر شام اس کا نام بحر روم افریقہ و مصر ہے اس کی لمبائی پانچ ہزار میل اور چوڑائی چھ سو میل ہے۔ اس دریا میں ایک سو باسٹھ (162) جزیرے آباد ہیں جس میں سے پچاس بڑے اور باقی چھوٹے۔ بحر نیطش یہ لاذقیہ سے نکل کر قسطنطنیہ سے گزرتی ہوئی روس اور مقالیہ میں پہنچتی ہے اس کی لمبائی ایک ہزار تین سو میل اور چوڑائی صرف تین سو میل ہے۔ بحر جرجان اس کی لمبائی مشرق سے مغرب کی طرف تین سو میل اور

چوڑائی چھ سو میل- اس کا نام بحر آب سکون بھی ہے- یہ ہی دریا طبرستان دیلم نسوان وغیرہ سے گزرتا ہے- یہ پانچ بڑے سمندر ہیں- اس کے علاوہ چھوٹے سمندر بھی ہیں جنہیں بحیرہ کہتے ہیں- جیسے بحیرہ طبریہ اور بحیرہ خوارزم (کیر) یعنی یہ بھاری کشتیاں پتلے پانی میں تیرتی پھرتی ہیں خدا کی قدرت ہی تو ہے پھر خالی نہیں بلکہ **بما ینفع الناس** ہزارہا من مال وغیرہ لے کر جس سے لوگ طرح طرح کے تجارتی فائدے حاصل کرتے ہیں کہ تاجر نفع کماتے ہیں اور جہاں مال پہنچتا ہے وہ اس سے آرام پاتے ہیں- صوفیاء کے ہاں حالات دنیا چھوٹے چھوٹے دریا ہیں- جن کے لئے رب نے مختلف کشتیاں پیدا فرمائیں- رنج و غم کا دریا صبر کی کشتی میں طے کرو راحت و خوشی کا دریا شکر کی کشتی سے پار کرو- دنیاوی تفکرات کا دریا ذکر اللہ کی کشتی سے مگر معرفت الٰہی کا سمندر شریعت کے جہاز سے طے کر کے کعبہ قرب تک پہنچو جس کا کپتان اپنا شیخ طریقت ہے **وما انزل اللہ من السماء من ماء** یا تو سماء سے بلندی مراد ہے جیسے چھت کو سماء البیت کہتے ہیں یا آسمان یعنی بلندی (بادل) سے یا آسمان کی طرف سے پانی اتارا حالانکہ وہ پانی کی جگہ نہیں- نیچے گرنے والی چیز اوپر کیسے ٹھہرے مگر رب کی شان کہ کھاری سمندروں کا پانی جو نہ پیاس بجھا سکے نہ کھیتوں کو سیراب کر سکے نہ کسی اور کام آسکے اسے بھاپ بنا کر اڑایا اور میٹھا اور نافع بنایا اور برسایا جس سے کہ **فاحیا به الارض بعد موتها** خشک زمین کو تر اور چٹیل میدانوں کو طرح طرح کی گھاس پھوس درختوں سے ہرا بھرا کر دیا- زمین کی خشکی اس کی موت ہے اور تری زندگی کہ خشکی سے بدصورت اور بے کار ہو جاتی ہے اور تر ہو کر فائدہ مند اور خوشنما- صوفیاء فرماتے ہیں کہ شرعی احکام اور نبوت کے فیضان ایمانی و روحانی بارش ہے- جس سے چمن ایمان کی تر و تازگی اور باغ عرفان کی سرسبزی و شادابی وابستہ ہے بارش دو قسم کی ہوتی ہے- مقامی اور عالمگیری مقامی بارش خاص خاص جگہ ہوتی ہے اور عالمگیر بارش تمام دنیا میں- گزشتہ انبیاء کرام کی نبوتیں خاص مقامی بارشیں تھیں- جن سے بنی اسرائیل یا مقام مصر وغیرہ شاداب ہوئے- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان عالمگیر بارش ہے- جس سے تمام عالم روحانیات سرسبز ہوا نیز ان انبیاء کی نبوتیں ہنگامی بارشیں تھیں- جن کے بعد پھر بارشوں کی ضرورت تھی اور حضور انور فصل ایمان کی آخری بارش ہیں- جس کے بعد بارش کی ضرورت نہیں- ارشاد ہوا **الیوم اکملت لکم دینکم** خیال رہے کہ بارش بوئے ہوئے تخم کو اگاتی ہے اسے بدلتی نہیں- اسی طرح حضور انور کے فیض سے جس سینہ میں جو تخم ودیعت تھا وہ ظاہر ہو گیا کہیں صدیقیت کی جلوہ گری ہوئی کہیں زندیقیت کا ظہور **وبث فیها من کل دابة**- بث- بث سے بنا جس کے معنی ہیں پراگندہ کرنا- اٹھانا اور پھیلانا- صباوٌ منبثاً غم کو بھی بث اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ فکر کو پراگندہ کرتا ہے- **دابة**- دب یا دبیب سے بنا جس کے معنی ہیں ہلکا چلنا- لغت میں ہر زمین پر چلنے والے کو دابہ کہا جاتا ہے- فرشتے یا پرندے اور دریائی جانور اس سے خارج ہیں- یہاں ہر جانور مراد ہے- جانور دو قسم کے ہیں ایک خود بخود پیدا ہونے والے جیسے پروانے- مینڈک، ٹڈی وغیرہ دوسرے نر و مادہ کے میل سے پیدا ہونے والے جیسے گائے، بھینس، انسان وغیرہ- پہلی قسم کے جانور تو بارش سے پیدا ہوتے ہیں اور دوسری قسم کے اس سے باقی رہتے ہیں غرضیکہ ان سب کا پھیلاؤ بارش ہی سے ہے- نیز دریائی جانور بھی بارش نہ ہونے سے اگرچہ مرتے نہیں مگر اندھے ہو جاتے ہیں (عزیزی) غرضیکہ زمینی جانوروں کا پھیلاؤ بارش ہی کی برکت سے ہے بارش کی تاثیر دیکھ کر یقین کرو کہ قیامت میں الصنابر حق ہے جب بارش کے قطرے خشک تنوں کو سبز سوکھی مٹی کو زندہ کر سکتے ہیں تو صور کی آواز بھی بے جان جسموں میں جان ڈال سکتی ہے **وتصریف الریح** تصریف- صرف سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا- تصریف

بار بار پھیرنے کو کہتے ہیں- ریاح ریح کی جمع جس کے معنی ہیں حرکت والی ہوا- ٹھہری ہوئی کو ہوا کہتے ہیں- قرآن شریف میں ریح عذاب کی ہوا کو ریاح رحمت کی ہواؤں کو فرمایا گیا ہے جیسے **ریحا صرصرا** اور **ریح فیھا صر یا اشتد بہ الریح** اور ریاح جیسے کہ الریح مبشرات اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا چلتے وقت دعا فرماتے تھے کہ خدایا اسے ریاح بنا- ریح نہ بنا- ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہوائیں آٹھ ہیں- چار رحمت کی اور چار عذاب کی رحمت کی ہوائیں ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات- عذاب کی ہوائیں دو خشکی کی ہیں عقیم اور صرصر اور دو دریائی عاصف اور قاصف پر وائی ہوا رحمت کی ہے کہ اس سے قوم احزاب دفع کی گئی اور پچھوا عذاب کی کہ اس سے قوم عاد تباہ ہوئی- حدیث شریف میں ہے کہ جنوبی ہوا جنت کی ہے- جس سے پھل پیدا ہوتے ہیں (در منثور) یعنی ہواؤں کے منقلب ہونے میں بھی اللہ کی نشانیاں ہیں- خود ہوا بھی نشان قدرت ہے اور ہوا کی گردش بھی نشان قدرت جاندار کی زندگی غذا پانی اور ہوا سے وابستہ ہے ان سب میں ہوا زیادہ ضروری کہ اس کے بغیر دو منٹ بھی کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تو رب نے اسے اتنا سستا کر دیا کہ سارے خلا میں ہوا بھر دی- تہ خانوں اور پہاڑوں غاروں میں یہ موجود پھر یہ کسی کے قبضہ میں نہیں آتی اس کی حقیقت کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ ہے کیا ہر وقت سب کے ساتھ رہتی ہے مگر اسے آج تک کسی نے دیکھا نہیں کہ کالی ہے یا پیلی غرضیکہ بے حجاب ہو کر بھی حجاب میں ہے- یہ نہیں پتہ لگتا کہ چلتی ہے تو کیوں اور ٹھہرتی ہے تو کیوں رخ بدلتی ہے تو کیوں **والسحاب المسخرین السماء و الارض** سحاب سحب سے بنا جس کے معنی ہیں کھینچنا **یسحبون فی النار** بادل کو اس لئے سحاب کہتے ہیں کہ ہوا سے کھچ کر آتا ہے یا پانی کو کھینچ کر لاتا ہے- مسخر- تسخیر سے بنا جس کے معنی ہیں حقیر کرنا یا کسی کو کام پر لگانا یا کسی کی تحقیر کے لئے اس پر ہنسنے کو تسخر کہتے ہیں- یہاں دو معنی بن سکتے ہیں یعنی اتنے عظیم الشان بادل اس کی قدرت کے آگے حقیر ہیں یا اس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے- سحاب کا عطف یا تو ریاح پر ہے یا سموت پر اور یا خلق پر یعنی بادلوں کے پھیرنے میں یا ان کی پیدائش میں یا خود ان میں **لآیت لقوم یعقلون** سمجھ دار قوم کے لئے ایک نہیں دو نہیں ہزارہا نشانیاں ہیں- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں سے ہر ایک میں قدرت کے صدہا دلائل موجود ہیں جنہیں انسان بقدر علم اور عقل سمجھ سکتا ہے-

خلاصہ تفسیر : اس آیت میں قدرت ربانی کی آٹھ نشانیاں بیان ہوئیں- (1) آسمان و زمین کی پیدائش- (2) رات و دن کی تبدیلی (3) کشتی کا دریا میں تیرنا (4) بارش کا آسمان سے اترنا (5) زمین کا بعد موت زندہ ہونا (6) ہر قسم کے جانوروں کا زمین میں پھیلنا (7) ہواؤں کی گردش (8) بادلوں کا آسمان و زمین کے بیچ میں تابع فرمان ہونا ان میں سے ہر ایک صدہا نشانیوں کو لئے ہوئے ہے دیکھو آسمان نو ہیں- فلک قمر اس پر فلک عطارد پھر فلک زہرہ پھر فلک شمس (سورج) پھر فلک مریخ پھر فلک مشتری پھر فلک زحل پھر فلک ثوابت جسے شریعت میں کرسی کہتے ہیں- پھر فلک اعظم یعنی عرش- ان میں مختلف اور رنگ برنگے تارے کہ پہلے آسمان پر چاند دوسرے پر عطارد تیسرے پر زہرہ چوتھے پر سورج وغیرہ- سات آسمانوں پر ایک ایک تارا اور آٹھویں پر سارے تارے- نواں بالکل خالی پھر ان تاروں کی روشنی اور رنگ مختلف کہ زہرہ سفید- زحل مائل بہ سیاہ مشتری سنہرا- مریخ سرخ- عطارد پیلا چاند سفید مگر اس میں سیاہی سورج بالکل صاف- اسی طرح ان آسمانوں کی حرکتیں مختلف- فلک اعظم یعنی عرش کی حرکت مشرق سے مغرب کی طرف باقی کی مغرب سے مشرق پھر عرش کی حرکت اتنی تیز کہ ایک دن میں پورا دورہ کر جائے آٹھویں آسمان کی اپنی

رفتار اتنی سست کہ 36 ہزار سال میں دورہ پورا کرسکے۔ پہلا آسمان جس پر چاند ہے تقریباً اٹھائیس دن میں دورہ طے کرجائے اور چوتھا آسمان سورج والا 365 دن یعنی ایک سال میں آسمان زحل 30 سال میں اور آسمان مشتری بارہ سال اور آسمان مریخ دو سال ہیں۔ اس کی زیادہ تحقیق کے لئے علم ہیئت یا تفسیر کبیر کا مطالعہ کرو۔ ایسے ہی ہر آسمان علیحدہ علیحدہ فرشتوں کی قیام گاہ نیز ہر ایک میں کارخانہ قدرت نیا' نرالا اور ہر ایک کے ساتھ خاص انبیاء اور اولیاء کو تعلق۔ حدیث معراج میں سنا ہو گا کہ مختلف آسمانوں پر مختلف پیغمبروں سے حضور نے ملاقات کی غرضیکہ ان حرکتوں کا اختلاف تاروں کا رنگ برنگا ہونا مختلف تاثیروں کا ظہور قدرت رب غفور ہے اگر یہ چیزیں خود بخود بنتیں تو یکساں ہوتیں۔ اسی طرح زمین کہ قدرت نے اس کا کچھ حصہ پانی سے باہر رکھا اور بہت سا سمندر کے نیچے اس اوپری حصہ کو جانوروں اور انسانوں کی قیام گاہ بنایا۔ مگر اس کے مختلف حصوں میں مختلف تاثیریں دیں کہیں بکثرت پھلوں کی پیداوار کہیں سبزہ زار کہیں آبادیاں کہیں جنگل کہیں دریا اور نہریں کہیں سونے چاندی کی کانیں' کہیں پہاڑ کہیں غار کہیں بالکل کھاری زمین مخلوق کی پلیدیں اور ظلم برداشت کرے' شاہ و گدا کو روٹی دیتی ہے کسی پر احسان نہیں کرتی۔ اسی سے آدم علیہ السلام کی پیدائش یہیں ان کی اولاد کا قیام اسی پر بندوں کی سجدہ گاہ کسی جگہ مدفن حضرت حبیب خدا۔ غرضیکہ ایک زمین اور اس میں صدہا خاصیتیں اور تاثیریں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے تمام زمین بظاہر یکساں ہے مگر اپنی قابلیت میں مختلف پنجاب کی زمین ہر قسم کے پھل پھول اگا سکتی ہے کشمیر کی زمین دوسرے قسم کے پھل پھول' پنجاب میں زعفران نہیں پیدا ہوتا کشمیر میں آم نہیں ہوتے۔ اسی طرح بعض زمینوں میں تیل کے چشمے ہیں تو بعض میں سونے چاندی کی کانیں۔ اسی طرح انسان ہے کہ سارے انسان شکل و شباہت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر اندرونی جوہر میں مختلف ہیں۔ صدیق و زندیق کو یکساں نہ سمجھو جب دو قسم کی زمین یکساں نہیں تو مومن و کافر نبی و غیرنبی یکساں کیسے ہوسکتے ہیں **قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون۔** رات و دن۔ ان کا آپس میں ذاتی اختلاف کہ رات تاریک' دن نورانی' رات سیاہ' دن سفید' رات سرد دن گرم دونوں ایک دوسرے کے دشمن مگر پھر ان میں ایسا اتفاق کہ کبھی رات اپنا ایک حصہ دن کو بخش دے اور خود گھٹ کر اسے بڑھا دے کبھی اس کے عوض دن اپنا کچھ حصہ رات کو عطا کرکے اسے بڑھا کر خود گھٹ جائے۔ پھر کہیں چھ ماہ دن اور چھ مہینے رات اور کہیں کئی کئی روز آفتاب ندارد۔ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مخالف مگر دونوں مل کر خلق خدا کے خدمت گار۔ رات سب کو سلا کر موت کا نمونہ قائم کرے۔ دن سب کو جگا کر زندگی بعد موت کا مزہ چکھائے یہ تمام باتیں بغیر قادر حکیم کے ناممکن۔ کشتی کا دریا میں تیرنا۔ یہ بھی ایک عجیب سی چیز ہے پانی ہلکی سی چیز کو بھی نہیں اٹھاتا۔ پیسہ یا لوہے کا ٹکڑا اس میں نہیں ٹھہرتا۔ مگر ہزارہا من کا جہاز صدہا من سامان لے کر تنکے کی طرح تیرتا پھرتا ہے پھر قدرت نے زمین کے ہر حصہ میں مختلف میوے پیدا کئے تاکہ ان کے منتقل کرنے میں دریائی سفر کی ضرورت پڑے کہ ہندوستان سے عرب کو غلہ جائے اور وہاں سے کھجوریں آئیں۔ پھر دریا بعض میٹھے بعض کھاری ان کو ایک دوسرے سے ایسا علیحدہ رکھا کہ کوئی کسی میں مل نہ سکے یہ تمام باتیں اس کی قدرت کی گواہی دے رہی ہیں۔ اسی طرح بارش۔ کہ پانی کا خزانہ یعنی سمندر زمین پر ہے مگر اسے ہوا بنا کر اوپر اڑایا۔ پھر وہاں سے پانی بنا کر نیچے ٹپکایا اور تلخی وغیرہ دور کرکے اسے پینے اور کھیت کو سیراب کرنے کے قابل بنایا۔ اس پر جانداروں کی زندگی موقوف رکھی۔ اسی کو برف بنا کر پہاڑوں پر گرایا اور گرمی کے موسم میں اسے پگھلا کر دریا بہائے۔ بعض وہ جگہ بھی ہیں جہاں بارش کا پانی ہی پیا جاتا ہے یہ اس کی قدرت ہی تو ہے۔ پھر اسی طرح زمین کی زندگی یہ بھی عجیب ہی چیز ہے۔ خدا کی شان تو

دیکھو کہ خشک زمین یکساں معلوم ہوتی ہے۔ جگہ جگہ گردو غبار اڑ رہا ہے پانی پڑتے ہی اس زمین میں ہزارہا قسم کے بیل بوٹے صدہا پھول پھل مختلف میوے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی مگر اس کی مختلف تاثیریں۔ پھر ایک ہی درخت میں لکڑی پتے کانٹے پھول پھل وغیرہ۔ غرضیکہ صدہا چیزیں اور کچھ دنوں بعد یہ سب فنا یہ اس کی قدرت ہی ہے۔ ایسے ہی جانوروں کا پھیلاوا یہ بھی صدہا قدرتیں دکھا رہا ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی نے عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے شطرنج سے بہت تعجب ہے کہ گز بھر کپڑے کے ٹکڑے پر اگر کوئی دس لاکھ بار شطرنج کھیلے تو ہر بار جداگانہ ہی (کھیل) چال ہو گی۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر حیرت ناک انسان کا چہرہ ہے کہ ایک بالشت ٹکڑے میں قدرت نے آنکھ، ناک، کان وغیرہ بنا ڈالے اور کروڑوں آدمی ایک دوسرے کے ہم شکل نہیں۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ۔ جس نے چربی میں دیکھنے کی ہڈی میں سننے کی اور گوشت میں بولنے کی طاقت دی (کیسی) شان تو دیکھو کہ ہاتھی اور چیونٹی میں اعضاء قریباً" برابر ہیں بارش سے مٹی کو دانہ بنایا اسے آٹا بنا کر خون بنایا رحم میں پہنچا کر صدہا چکر دیکر انسان کیا۔ حیض کا خون پلا کر پیٹ کے جیل خانہ میں رکھا۔ پھر باہر نکال کر اس کی پرورش کی اسے تخت و تاج کا مالک بنایا۔ تمام جگہ اس کے ڈنکے بجوائے۔ انتہائی عروج دے کر پھر آن کی آن میں جہاں سے بھیجا تھا وہیں لاڈالا یعنی مٹی بنا کر ہوا میں اڑا دیا اور رب جانے کہ اس نے اس بارش سے کتنی مخلوق پیدا کی۔ ایک ہی ماں کے پیٹ کے چند بچے جن میں کوئی گورا کوئی کالا کوئی بدنصیب کوئی نصیبہ ور کسی کا مزاج بلغمی کسی کا صفراوی کوئی تیز زبان کوئی گونگا غرضیکہ ماں باپ ایک اولاد رنگ برنگی یہ اس کی قدرت ہی ہے۔ اسی طرح ہواؤں کا انقلاب۔ ایک ہی ہوا مگر تاثیریں مختلف۔ پچھوا زمین وغیرہ کو خشک کرے۔ پروائی تر۔ شمالی بادل جمع کرے جنوبی انہیں پھاڑے۔ اسی سے زندے سانس لے کر جئیں۔ یہ ہی لقوہ اور فالج بن کر انہیں ہلاک کرے۔ اسی سے کشتیاں دریا میں تیریں۔ یہ ہی تیز چل کر انہیں تباہ کر دے ماں کے پیٹ میں بہت سے پردوں کے اندر بھی بچے تک پہنچ جاتی ہے مگر باہر آکر ناک پر کپڑا رکھ دیا جائے تو بچہ مر جاتا ہے اسے پلٹا کھاتے دیر نہیں لگتی یہ بھی رب کی قدرت ہی ہے۔ ہوا اثر لینے اور دینے میں بے مثل ہے گلشن سے گزرے تو مہک جائے اور دور دور تک کو مہکا دے غلاظت پر گزرے تو گندی ہو جائے اور دور دور تک کے لوگوں کو پریشان کر دے درخت چنار وغیرہ سے لگ کر بیماروں کو شفا بخش دے۔ سانپ وغیرہ زہریلے جانوروں کے منہ سے لگ کر آئے تو ہلاک کر دے ایسے ہی آیات قرآنیہ یا دعا وغیرہ پڑھ کر بیمار پر دم کرو تو شفا ہو جاوے کیونکہ یہ ہوا اس زبان سے لگ کر آئی جس سے قرآن پڑھا گیا۔ حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت جبریل کی پھونک یعنی سانس سے ہوا قیامت بھی نفخ صور یعنی حضرت اسرافیل کی سانس سے ہی قائم ہو گی غرضیکہ کہیں کی ہوا وبا ہے کہیں کی ہوا شفا اسی طرح بادل کہ کروڑوں من وزنی پانی بادل کی شکل میں آسمان زمین کے درمیان لٹکا رہتا ہے نہ تو کسی زنجیر میں معلق ہے اور نہ کسی میز پر رکھا ہوا ہے۔ پھر اسی بادل سے بہت پانی گر کر بربادی بھی ہو جاتی ہے اور معمولی برس کر آبادی بھی اسی بادل سے بجلی، گرج، قوس، قزح اولا" معمولی بارش پھر تیز بارش غرضیکہ صدہا چیزیں ظاہر ہوتی ہیں کبھی آکر بغیر برسے ہوئے واپس جاتا ہے اور کبھی برس کر پھر اتنا وزنی بادل ہوا میں روئی کے گالے کی طرح اڑتا پھرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قدرتی ہاتھ اس کے پیچھے کام کر رہا ہے اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک میں قدرت کی ہزارہا نشانیاں ہیں مگر کس کے لئے اس کے لئے جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے۔ شعر:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

بادل کے متعلق فلاسفہ نے جو قواعد مقرر کئے وہ سب ٹوٹ جاتے ہیں ان کے ہاں آفتاب کی گرمی سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر چڑھتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ بہت دفعہ جون جولائی کی سخت گرمی میں بھی بادل نہیں بنتا اور بہت دفعہ دسمبر جنوری کی سردی میں بادل بن جاتا ہے جبکہ آفتاب کی شعاعیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ پھر بتاؤ کہ بادل تو پانی کی بھاپ ہے اس میں بجلی جو خالص آگ ہے کہاں سے پیدا ہوئی یہ آگ و پانی کا اجتماع کیسا کہ وہ بجلی گرتی ہے یہ کیا چیز ہے یہ آگ کا گولہ بھاپ میں کیسے محفوظ رکھا گیا۔ پھر بھاپ میں گرج کی آواز کہاں کہاں سے پیدا ہوئی آخر کار کہنا پڑتا ہے کہ رب کی باتیں رب ہی جانے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جغرافیہ اور علم ہیئت و فلسفہ مبارک علم ہیں بشرطیکہ قدرت الٰہی معلوم کرنے کے لئے حاصل کئے جائیں اور فلاسفہ کی بے دینیوں سے صاف ہوں کیونکہ ان علوم سے آسمان و زمین کے حالات کا پتہ لگتا ہے جس سے رب کی قدرت معلوم ہوتی ہے **دوسرا فائدہ:** کشتی کی سواری و دریا کی سیر اور تجارتی سامان کا جہازوں سے منتقل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ رب نے اسے دلیل قدرت بنایا (تفسیر کبیر) **تیسرا فائدہ:** عقائد میں تقلید جائز نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کے لئے نشانیاں قائم فرمائیں اور سب کو ان میں غور کرنے کا حکم دیا۔ **چوتھا فائدہ:** علوم عقائد بالکل ظاہر نہیں اور نہ ہر ایک کو الہام سے حاصل ہوں۔ بلکہ ان میں کچھ غور و فکر کی ضرورت ہے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ ان چیزوں میں قدرتی نشانیاں تو ہیں مگر ان کے لئے جن میں عقل ہو اور وہ عقل سے کام لیں۔ **پانچواں فائدہ:** اگرچہ عالم کی ہر چیز رب کی نشانی ہے مگر یہ آٹھ چیزیں نشانیاں بھی ہیں اور نعمتیں بھی۔ اسی لئے مخلوق کو انہیں پر توجہ دلائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ خشک دلائل سے تر اور لذیذ دلائل زیادہ کار آمد ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** درستی حواس اور سلامتی عقل تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کی برکت سے ہر دنیوی چیز دین بن سکتی ہے۔ اسی لئے آخر میں عقل کا ذکر فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے آتی ہے یہ تو غلط ہے بارش سمندر سے ہوتی ہے اور سمندر زمین پر ہے۔ **جواب:** اس کا جواب پہلے پارہ میں دیا جا چکا ہے کہ یہاں من السماء کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے آتی ہے یا آسمان کے سبب سے کہ سمندر کا پانی سورج کی گرمی سے بھاپ بن کر اوپر چڑھتا ہے پھر اوپر کی گرمی پاکر بھاپ جم کر بادل بن جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ بارش وغیرہ کا سارا انتظام آسمانی احکام کے ماتحت ہو رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم اس پر بھی قادر تھے کہ سمندر کا پانی ہر جگہ نیچے نیچے ہی پہنچا دیتے مگر اس صورت میں درختوں کو غسل نہ ہوتا صرف جڑیں بھیگتیں اس لئے اوپر چڑھا کر برسایا پانی نیچے کا ہے برستا اوپر سے ہے۔ **دوسرا اعتراض:** ان نشانیوں سے خالق کی ہستی کا تو پتہ لگتا ہے مگر توحید نہیں معلوم ہوتی۔ مشرکین کہہ سکتے ہیں کہ چند خالقوں نے یہ کام کئے بلکہ یہ ہی ان کا عقیدہ ہے۔ ان کے مقابلہ میں یہ چیزیں پیش کرنا بے کار ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک تو بالکل ظاہر دوسرا باریک مگر نہایت نفیس۔ ظاہری جواب تو وہی بڑھیا کا چرخہ ہے جو بیان تعلق میں ذکر کیا گیا کہ جب دو بادشاہوں سے ایک ملک بلکہ دو مستقل حاکموں سے ایک ضلع بلکہ دو چلانے والوں سے ایک چرخہ درست نہیں رہ سکتا تو دو خداؤں سے عالم بھی نہیں سنبھل سکتا۔ ضروری ہے کہ چھوٹے نظام کی باگ ڈور ایک مستقل حاکم کے ہاتھ میں ہو کثرت کی انتہا وحدت پر ضروری ہے۔ دوسرا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگر خدا دو ہوں تو سوال یہ ہے کہ دونوں مل کر ایک کام کریں گے اور ان میں سے ہر ایک اکیلا کچھ بھی نہ کر سکے گا یا ہر ایک اکیلا ہی سب پر قادر ہوگا۔ پہلی

صورت میں تو ان میں سے کوئی خدا نہ رہا کیونکہ مجبور ہوا۔ دوسری صورت میں ایک کافی دوسرا بے کار نیز دوسرا خدا پہلے کی مخالفت پر قادر ہو گا یا نہیں۔ اگر نہیں تو مجبور اور بے تو اس کا چاہا ہو گا یا نہیں اگر نہ ہوا تو مجبور رہا اور اگر ہو گیا تو ضدین کا اجتماع اور جہان کا فساد لازم آیا۔ مثلاً" ایک نے چاہا کہ اب دن ہو جائے تو دوسرا اس وقت رات کو چاہ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں چاہ سکتا تو مجبور۔ اور اگر چاہ سکتا ہے تو اس کے چاہنے پر اس وقت رات ہو گی یا نہیں اگر نہ ہوئی تو وہ مجبور ہوا کہ اس کی نہ چلی اور اگر ہو گئی تو بیک وقت دن رات جمع ہوئے لہذا رب ایک ہی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ بے وقوفوں کے لئے نہیں تو چاہئے کہ بے وقوف شرک سے گنہگار بھی نہ ہوں کیونکہ ان کے لئے کوئی نشان توحید تھا ہی نہیں۔ **جواب:** اتنی عقل تو تقریباً" سب میں ہے مگر بعض لوگ اس سے کام نہیں لیتے وہ اس کے مجرم ہیں اور جو عقل سے محروم ہیں جیسے دیوانے اور بچے ان کو سب کچھ معاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ : روح اور دل و عقل مختلف آسمان ہیں اور نور معرفت اور ظلمت حجاب رات دن کا اختلاف ہے۔ بدن خاص کشتی ہے۔ جسم مطلق دریا ہے۔ جسمانی اعمال وہ تجارتی مال ہے جو اس کشتی کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے۔ آسمان روح سے رب نے علم کا پانی برسایا جس سے زمین نفس زندہ ہوئی جو جہالت کی خشک سالی میں مر چکی تھی۔ پھر اس زمین میں مختلف حیوانی قوتوں کے جانور پھیلائے۔ خدائی کلام مختلف ہوائیں ہیں اور روح و نفس کے درمیان ربانی تجلیاں مسخر بادل ہیں ان سب چیزوں میں دلائل قدرت موجود مگر اس کے لئے عقل ضروری ہے جو نور شریعت اور طریقت سے منور اور وہم سے خالی ہو (از ابن عربی)

دوسری تفسیر : انسان آیت الٰہی کا مظہر ہے اور رب کے جمال کا آئینہ ان میں انبیاء خصوصاً" سید الانبیاء مثل آسمان کے ہیں اور عام لوگ فیض لینے والی زمین۔ ہدایت و گمراہی دن اور رات ہیں۔ اس آسمان نبوت سے بارش برسی جس سے طریقت کا دریا بہا۔ اس دریا کو شریعت کی کشتی سے اعمال صالح کے ساتھ طے کرو پھر وقتاً" فوقتاً" اسی سمندر نبوت سے اولیاء علماء مثل بادل کے پیدا ہو کر امتوں پر علم کا پانی برساتے ہیں۔ جس سے قسم قسم کے اعمال صالح دنیا میں پھیل جاتے ہیں پھر ان اعمال پر ریا اور اخلاص وغیرہ کی مخالف اور موافق مختلف ہوائیں چلتی ہیں۔ مسلمانو! ان چیزوں کو دیکھ کر رب کو پہچانو۔ انبیاء کرام کو آسمان فرمانے اور عام لوگوں کو زمین فرمانے میں اس جانب اشارات ہیں کہ زمین کا کام ہے لینا آسمانوں کا کام ہے دینا ایسے ہی انبیاء خصوصاً" سید الانبیاء دیتے آئے۔ ہم ان سے لیتے۔ آسمان، زمین کو بارش، نور، فصلیں، موسم، پیداوار ہر طرح کے پھل پھول دیتا ہے کہ یہ سب کچھ بارش اور دھوپ اور چاندنی سے بنتی ہیں۔ ایسے ہی حضور انور ہم کو ایمان، عرفان، تقویٰ وغیرہ سب دیتے ہیں پھر زمین کسی حالت میں آسمان کی مثل نہیں ہو سکتی اسی طرح کوئی مسلمان حضور کی مثل نہیں ہو سکتا۔ پھر کیسی ہی اعلیٰ زمین ہو مگر آسمان سے کسی وقت بے نیاز نہیں ہو سکتی ایسے ہی انسان کسی درجہ پر پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پھر آسمان لاکھوں کوس سے زمین کو سب کچھ بخش دیتا ہے ایسے ہی حضور انور مدینہ منورہ سے ہر جگہ فیض پہنچاتے ہیں پھر لینے والی زمین کے طبقے مختلف ہیں۔ جن کو ایک سورج مختلف فیض پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی حضور انور مختلف انسانوں کو مختلف فیض دیتے ہیں۔ پھر جیسے آسمان زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ ایسی ہی حضور انور کی نبوت تمام انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے کہ کوئی حضور کی نبوت سے خارج نہیں ہے۔ **لیکون للعلمین نذیرا** ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں قوموں اور افراد پر وجہ اقبال و زوال کی ہوائیں آتی ہیں۔

ایک قوم پر ایک شخص پر کبھی اقبال کی ہوا چل رہی ہے کبھی ادبار یا زوال کی ہوا اس تبدیلی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب ہوائی پتنگ ہیں۔ ڈوری کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مبارک وہ جو ہواؤں سے نہ بدلے بلکہ ہواؤں کو بدلے اور ہر حال میں خالق کے آستانہ پر رہے۔ یوسف علیہ السلام کبھی کنوئیں میں ہیں کبھی جیل میں کبھی تخت حکومت پر مگر ہر حال میں رب کے آستانہ پر ہیں یہ ہے **وتصریف الریاح**۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو بناتے ہیں سوائے اللہ کے شریکوں کو محبت کرتے ہیں ان سے مثل محبت اللہ کے

اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ

اور وہ جو کہ ایمان لائے بہت زیادہ سخت ہیں محبت میں واسطے اللہ کے اور اگر دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جب دیکھیں گے عذاب

اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔ اور کیسے ہو اگر دیکھیں ظالم وہ وقت جبکہ

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ (۱۶۵)

یہ کہ قوت واسطے اللہ کے ہے سب اور تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے

عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا اس لئے کہ سارا زور خدا کو ہے اور اس لئے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں دلائل توحید بیان ہوئے اب مشرکین کی غلطی اور ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** اہل عقل کو بات کافی ہوتی ہے اور بے عقل کو لات۔ پچھلی آیت میں عقل والوں کے لئے مضامین بیان ہوئے اور اس آیت میں بے عقلوں کے انتظام کے لئے عذاب کا ذکر ہوا تاکہ وہ ڈر کر ایمان لائیں۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں نشانات کے ذریعہ توحید کی خوبی بیان ہوئی۔ اب شرک کی برائی بتا کر اسی توحید کی خوبی ظاہر کی گئی کیونکہ ضد کی برائی سے چیز کی بھلائی کا پتہ لگتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ دنیا کی چیزیں عقلمندوں کے لئے معرفت الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ بے وقوفوں کے لئے نقصان دہ ہیں کہ وہ انہیں کو معبود سمجھ بیٹھے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب نے مخلوق کے ذریعہ اپنا پتہ اور نشان بتایا کہ ہم کو ان میں دیکھو۔ اب بلا واسطہ اپنی جھلک دکھائی یعنی وہاں حجاب میں رہ کر گفتگو تھی یہاں بلا حجاب۔

تفسیر: **ومن الناس من یتخذ** ناس انسان کا اسم جمع ہے۔ یہاں ناس فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان بہت

بھولنے والا ہے (ناس بھولنے والا) کہ اپنے پرانے عہد کو بھولا اور دلائل قدرت کے سمجھنے میں غلطی کر گیا۔ من تبعیضیہ ہے یہ بتایا کہ سب کا یہ حال نہیں۔ جو نور نبوت سے دور رہے وہ رب سے مجور قرآن کریم میں لفظ ناس کبھی تمام انسانوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس میں انبیاء اولیاء مومن وغیرہم سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسے قل اعوذ برب الناس اور کبھی صرف کافروں کے لئے جیسے من الجنۃ والناس یہاں صرف کفار کے لئے فرمایا گیا۔ جیسے اگلے مضمون سے واضح ہے چونکہ سارے کافر مشرک نہ تھے بعض دہریئے بھی تھے اور بعض توحیدیئے بھی یعنی نبوت کے منکر اس لئے من الناس ارشاد ہوا۔ یتخذ اتخاذ سے بنا۔ جس کے معنی بنانا بھی ہیں اور اختیار کرنا بھی۔ بنانے کے معنی میں دو مفعول چاہتا ہے اور اختیار کے معنی میں ایک ہی مفعول۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ یعنی انسانوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اختیار کرتے ہیں یا بناتے ہیں، محض اپنی عقل سے چند معبود۔ خیال رہے کہ عقل نبوت کی روشنی میں ایمان بناتی ہے مگر اس سے علیحدہ ہو کر کفر و شرک ہی بناتی ہے۔ پہلی عقل رحمانی ہے۔ دوسری عقل شیطانی۔ خود ابلیس پاگل نہ تھا، عاقل تھا مگر عقل سے کفر بنا سکا۔ علم، مال بلکہ اعضاء کی قوتوں کا بھی یہ ہی حال ہے کہ نبوت کے سایہ میں رہیں تو اچھی چیزیں بنائیں گے ورنہ خراب۔ شعر:

عقل زیر حکم دل یزدانی است چوں زدل از اوشد شیطانی است

من دون اللہ اندادا، من ابتدائیہ ہے اور یتخذ کا متعلق یا اس کی ضمیر کا حال یا اس کا مفعول اول (مدح البیان و روح المعانی) دون اگرچہ ظرف کے لئے وضع ہوا لیکن یہاں غیر کے معنی میں ہے۔ عربی میں غیر۔ سواء۔ الا۔ دون تقریباً ہم معنی ہیں مگر دون اس کٹے ہوئے غیر کو کہتے ہیں جس کا تعلق نہ ہو۔ دون کے معنی قطع اکٹ جانا۔ جیسے کہ مفردات راغب میں ہے لہذا من دون اللہ کا اطلاق اللہ کے دوستوں پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے دشمنوں پر ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ اور اولیاء من دون اللہ میں یہ ہی فرق ہے۔ بندہ اللہ سے کٹ کر کچھ بھی نہیں اور اللہ سے واصل ہو کر خدائی کام کا مظہر بن جاتا ہے۔ ڈبہ انجن سے کٹ کر اور بجلی کی فٹنگ پاور ہاؤس سے کٹ کر کچھ نہیں۔ ان سے وابستہ ہو کر سب کچھ ہے۔ انداد۔ ند کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں مثل۔ یہاں مضاف الیہ پوشیدہ ہے یعنی اللہ کے مثل یا ان میں سے بعض بعض کی مثل۔ اس مثل سے یا تو بت مراد ہیں یا کفار کے سردار یعنی یہ کفار غیر خدا کو خدا کی مثل بنا بیٹھے یا انہوں نے چاند، سورج، درخت، جانور، انسانوں کو یکساں خدا مانا اور ان کی عبادت کی۔ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں مانتے تھے اور اپنے بتوں کو اللہ کا بندہ مان کر اس کا ساجھی شریک کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اکیلا اللہ اتنا بڑا جہان نہیں سنبھال سکتا ہمارے بت خدائی چلانے میں اس کا ہاتھ بٹا رہے ہیں اس لئے انہیں شرکاء یا الہ کہتے تھے لہذا انداد اور اولیاء اللہ میں بڑا فرق ہے۔ یحبونھم کحب اللہ یہ انداد کا بیان ہے۔ یحبون، حب سے بنا۔ جس کے معنی ہیں دانہ اور دل کے بیچ میں ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے جسے حبہ سوداء کہا جاتا ہے یعنی کالا دانہ۔ دلی میلان و محبت کو اس لئے حب کہتے ہیں کہ محبوب کا اثر اس قلبی دانہ میں ہو جاتا ہے۔ محبت جانی بھی ہوتی ہے روحانی بھی، جسمانی بھی، احسانی بھی اور ایمانی بھی طغیانی بھی۔ پھر جسمانی محبت بہت قسم کی ہے۔ ماں باپ سے محبت اور قسم کی ہے بیوی بچوں سے اور قسم کی۔ یہاں بتوں سے ایمانی و روحانی محبت کرنا مراد ہے۔ بندوں کی اللہ سے محبت کا نتیجہ اس کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ رب کی محبت کا انجام بخشش اور عطائے انعام بلکہ بقائے دائمی اور اسے نیکیوں کی توفیق دینا اور گناہوں سے بچانا ہے۔ جیسے کہ دانہ زمین میں جاکر

عجب عجب آثار دکھاتا ہے۔ ایسے ہی محبت دل میں جاگزیں ہو کر عجب تماشا دکھاتی ہے۔ حب اللہ میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور فاعل ضمیر ہے جو یا تو کفار کی طرف لوٹتی ہے یا اہل ایمان کی جانب یعنی یہ کفار بتوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کہ کچھ عبادت اللہ کی کرتے ہیں کچھ ان کی۔ کچھ رب سے امید و خوف رکھتے ہیں کچھ ان سب سے یا یہ کفار بتوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے مسلمان اللہ سے کہ مسلمان سارے کام اللہ کے لئے کرتے ہیں اور یہ ہر چیز میں بتوں کا دم بھرتے ہیں مگر یہ سب ظاہری باتیں ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ **والذین امنوا اشد حبا للہ** مسلمان اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں کہ ان کے مقابل کفار کی بتوں سے محبت عشر عشیر بھی نہیں۔ مسلمان ہر رنج و راحت میں طالب مولیٰ۔ یہ راحت میں تو بتوں کے پجاری اور مصیبت میں انہیں پھینک کر رب کی طرف متوجہ۔ نیز مسلمان اللہ سے اللہ کے لئے ہی محبت کرتا ہے اور کافر اپنے نفس کے لئے لہٰذا مسلمان بے غرض ہے اور کافر خود غرض۔ یہ محبت انہیں عذاب کی طرف لے جائے گی۔ **ولو یری الذین ظلموا** یری رای سے بنا جس کے معنی آنکھ سے دیکھنا بھی ہیں اور دل سے جاننا بھی۔ دیکھنے کے معنی میں ایک مفعول چاہتا ہے اور جاننے کے معنی میں دو۔ یہاں دونوں صحیح ہیں اور لو کا جواب پوشیدہ ہے۔ یعنی کیسی مصیبت ہو اگر یہ ظالم دیکھ لیں یا جان لیں۔ **اذ یرون العذاب** اذ ظرف کے لئے وضع ہوا اگر یہاں یری کا مفعول اول ہے اور یرون اذ کا مضاف الیہ بمعنی دیکھنا یعنی اس وقت کو جانیں جب یہ عذاب دیکھیں گے۔ (روز قیامت) **ان القوۃ للہ جمیعا** اگر یری دیکھنے کے معنی میں ہو تو یہ جملہ علت ہے اور اگر جاننے کے معنی میں ہو تو یہ جملہ اس کے دو مفعولوں کے قائم مقام۔ معنی یہ ہوئے کہ اگر یہ ظالم عذاب کے وقت کو دیکھیں تو کیسی مصیبت آئے۔ کیونکہ تمام طاقت اللہ کی ہے اس کے عذاب کو کوئی دفع نہیں کر سکتا یا اگر یہ ظالم جان لیں اس وقت کو بھی جبکہ عذاب دیکھیں گے اور یہ بھی جانیں کہ ساری قوت اللہ کی ہے تو کبھی شرک نہ کریں شرک کی وجہ ہی یہ ہے کہ انہیں خدا کی قوت کی خبر نہیں **وان اللہ شدید العذاب** یہ پہلے ان پر معطوف ہے اور یری کا مفعول یا اس کی علت یعنی اور اگر یہ جان لیں کہ اللہ سخت عذاب والا ہے تو کبھی شرک نہ کریں۔ عذاب عذب سے بنا۔ جس کے معنی ہیں میٹھا پانی جیسے کہ میٹھا پانی پیاس کو روکتا ہے۔ ایسے ہی عذاب الٰہی گناہوں سے باز رکھتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: عقلمند لوگ عالم کی چیزوں کو دیکھ کر خالق کا پتہ لگا لیتے ہیں مگر بے وقوفوں کے لئے خود یہ چیزیں ہی حجاب بن جاتی ہیں جن میں وہ پھنس کر خالق تک نہیں پہنچ سکتے۔ عالم ان کے لئے کانٹے والا جنگل ہے۔ جس میں الجھ کر منزل مقصود سے رہ گئے۔ چنانچہ لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو ان ماسوا اللہ کو اللہ کا مثل مان بیٹھے کہ ان کو خلق اور ملک میں خدا کی طرح سمجھ لیا اور ان سے اسی قسم کی اور اتنی ہی محبت و اطاعت کرنے لگے۔ جتنی اللہ سے کرتے ہیں کہ بعض کام رب کے لئے کریں۔ بعض ان کے لئے۔ رب سے بھی خوف و امید کرتے ہیں اور ان سے بھی رب سے بھی مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے بھی مگر کچھ بھی ہو جتنی محبت اللہ سے مسلمانوں کو ہے۔ اتنی کسی کو نہیں۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ کفار کی نظر چند شرکاء پر مسلمانوں کی نظر صرف ایک اللہ پر اور دو کی محبت سے ایک کی محبت زیادہ قوی ہے۔ دوسرے یہ کہ کفار کی محبت نفسانی خواہشات کے لئے مسلمانوں کی محبت صرف اللہ کے لئے کفار تو رب کو اس لئے مانیں کہ وہ ہمارے کام آتا ہے۔ مسلمان کام کاج' دوست احباب اولاد و مال باپ بلکہ اپنی جان سے بھی اسی لئے محبت کرتا ہے کہ رب کا حکم ہے۔ اسی لئے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ اس کے راہ میں قربان کر

ڈالتا ہے۔ تیسرے یہ کہ کفار مصیبت میں بتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور مسلمان ہر حال میں اس کا ہو کر رہتا ہے۔ روح البیان نے فرمایا کہ بت پرست کچھ دن ایک پتھر پوجتے ہیں اور جب اس سے اچھا پتھر مل گیا تو پہلے کو ہٹا کر کے پھینک دیتے ہیں اور دوسرے کو اختیار کر لیتے ہیں۔ بنی باہلہ نے غلہ کا بت بنایا تھا قحط سالی میں اسی کو پیس کر کھا گئے۔ اب بھی مشرکین آٹے اور کھانڈ کے بت بنا کر پہلے تو ان کی پوجا کرتے ہیں پھر بغیر ڈکار ہضم کر جاتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ کفار و مشرکین نے اپنی طرف سے رب کی محبت اپنے دل میں قائم کی مگر مومنوں کے دل میں اللہ کی محبت اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی حضور کی قائم کردہ محبت یقینی طور پر قوی ہے۔ خیال رہے کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے قاسم ہیں ایسے ہی محبت الٰہیہ جو کہ رب کی بڑی نعمت ہے۔ اس کے بھی قاسم ہیں۔ پانچویں یہ کہ کفار کی محبت الٰہی کی آگ غیر محفوظ ذرا سے جھونکے میں بجھ سکتی ہے مگر مومن کی محبت الٰہی کی آگ نبوت کی چمنی سے محفوظ ہے جسے کوئی تیز و تند ہوا کا جھونکا نہیں بجھا سکتا اس لئے مومن کی محبت الٰہی زیادہ قوی ہے۔ یہ سب حرکتیں اس لئے ہیں کہ نہ تو ان مشرکین کو عذاب قیامت کی خبر ہے نہ رب کی قدرت کی اور نہ اس کی کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور مسلمان ان سب باتوں سے بذریعہ نبی علیہ السلام خبردار اگر کفار بھی نور نبوت کے ذریعے یہ باتیں جان لیں تو کبھی شرک نہ کریں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عالم کی کوئی چیز کسی طرح رب کی مثل نہیں۔ ذات و صفات یا افعال میں کسی کو اس کی طرح ماننا کفر اور بے دینی ہے جیسے کہ اندادا سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** غیر خدا سے خدا کی سی محبت کرنا جس کے ساتھ اس کی عبادت بھی ہو شرک ہے۔ جیسا کہ کحب اللہ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** غیر خدا سے بھی محبت کرنا جائز جیسے کہ اشد حبا سے معلوم ہوا زیادتی محبت جب ہی معلوم ہوگی جب دوسروں سے لوئی محبتیں بھی ہوں اگر کسی سے محبت کرنا جائز ہی نہ ہوتی تو محبت خدا کی زیادتی کیونکر معلوم ہوتی۔ **چوتھا فائدہ:** انسان بے خبر رہ کر ہی کفر و شرک اور بت پرستی کر سکتا ہے۔ رب کی خبر رکھنے والا ان سب سے بے خبر ہو جاتا ہے جیسا کہ ولو یری سے کھلا۔

پہلا اعتراض : تم بھی مشرکوں کی طرح نبیوں ولیوں اور پیروں سے محبت کرتے ہو اور انہیں حاجت روا جانتے ہو لہٰذا تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ (دیوبندی)۔ **جواب:** ہم ان حضرات سے رب کی سی محبت نہیں کرتے۔ رب سے خالق ہونے کی محبت کرتے ہیں اور ان سے وسیلہ خالق ہونے کی محبت اور ہم انہیں ایسا ہی حاجت روا جانتے ہیں۔ جیسا کہ دیوبندی مالداروں کو اپنا حاجت روا ان کے پیسہ کو اپنا مشکل کشا ڈاکٹروں اور طبیبوں کو دافع بلا سمجھتے ہیں اس کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے۔ **دوسرا اعتراض:** ہم اپنے ماں باپ اور اہل قرابت سے بھی محبت کرتے ہیں تو اگر غیر خدا سے محبت کرنا شرک ہے تو اب مسلمان کون رہا؟ **جواب:** جیسی محبت کہ اللہ سے رکھنی چاہئے وہ مخلوق سے رکھنی شرک ہے۔ دیگر قسم کی محبتیں دوسروں سے بھی جائز۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت پانچ قسم کی ہے۔ ایک وہ جو ایمان کا دارومدار ہے وہ تو اللہ و رسول کی محبت ہے قرآن کریم نے فرمایا کہ اگر تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ و اولاد سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں نیز حدیث شریف میں صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی محبت کا حکم دیا گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں

اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور فرمایا کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے علی دوست ہیں غرضیکہ اللہ کی محبت کے لئے اس کے رسول کی محبت ضروری ہے اور رسول اللہ سے محبت کے لئے ان کے تمام صحابہ و اہل بیت سے محبت لازم یہ محبتیں داخل ایمان بلکہ عین ایمان ہیں دوسری محبت وہ جو باعث ثواب ہے جیسے اپنے والدین یا اہل قرابت یا نیک مسلمانوں سے اس لئے محبت کرنا کہ اس میں رب کی رضا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحیں مختلف قسم کی پیدا فرمائیں ہر روح کو اپنی ہم جنس روح سے الفت ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

نوریاں مر نوریاں را طالب اند   ناریاں مرناریاں را جاذب اند

اگر کوئی جاننا چاہے کہ میں مومنوں میں سے ہوں یا کافروں میں سے تو وہ اپنے دل کے میلان کو دیکھے۔ جس جماعت کی طرف اس کا دلی میلان ہے اس جماعت سے ہے۔ غرضیکہ نیک بندوں سے محبت باعث ثواب ہے۔ تیسری وہ محبت جس پر نہ عذاب نہ ثواب جیسے عام دنیاوی محبتیں' چوتھی بیوی بچوں سے طبعی محبت جس میں رضاء الٰہی کی نیت نہ ہو۔ پانچویں وہ محبت جو کفر ہے جیسے جھوٹے معبودوں کو خدا سمجھ کر ان سے محبت کرنا۔ یہاں پانچویں قسم کی محبت ہی کو کفر بتایا گیا اور الحمد للہ مسلمان اس قسم کی محبت سے محفوظ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بہت سے مسلمان بیوی بچوں یا نفسانی خواہشات کی خاطر گناہ کر لیتے ہیں ان کو بمقابلہ رب کے ان سے زیادہ محبت ہے کیونکہ وہ انہیں راضی کرنے کے لئے رب کو ناراض کر لیتے ہیں تو چاہئے کہ وہ مسلمان نہ رہیں۔ **جواب:** الحمد للہ ہر مسلمان کو رب ہی سے زیادہ محبت ہے ہاں کبھی حجاب غفلت کی وجہ سے اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس کی آزمائش اعمال پر نہ کرو عقائد میں کرو۔ گنہگار عورتیں بھی اپنے اکلوتے پیارے بیٹے کو تھوک کر چھوڑ دیتی ہیں۔ جب دیکھتی ہیں کہ وہ آریہ یا عیسائی ہو گیا جو کوئی مرتد بیٹے کو بھی چاہے اور اس کی اس حرکت کو پسند کرے وہ خود بھی مرتد ہو گیا۔ رہے اعمال اس میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ دیکھو ہر شخص کو اپنی جان پیاری مگر کبھی طبیب بیمار کو پرہیز بتاتا ہے' بیمار جانتا بھی ہے کہ بد پرہیزی میں جان کو تکلیف ہوگی مگر پھر بھی نقصان دہ چیز کھا لیتا ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ اسے اپنی جان سے محبت نہیں۔ محبت ضرور ہے مگر یہ غفلت سے کیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں الناس سے مراد مسلمان ہیں اور **من دون اللہ** سے مراد پیرو فقیر ہیں۔ انداد سے مراد ان کو حاجت روا یا مشکل کشا جاننا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض مسلمان پیروں فقیروں نبیوں کو حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ یہ پورے مشرک ہیں۔ **جواب:** یہ ترجمہ بھی غلط ہے اور تفسیر بھی محض باطل ہے تحریف ہے۔ تین وجہ سے ایک یہ کہ اس آیت میں مومنوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے **والذین امنوا** الخ۔ تو چاہئے کہ یہاں **الناس** سے مراد کفار ہوں تا کہ مقابلہ درست ہو۔ دوسرے یہ کہ آیت کے نزول کے وقت صحابہ کا زمانہ تھا۔ بتاؤ صحابہ میں پیر پرست قبر پرست مشرک کون تھے ان کی تفصیل بتاؤ۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی کو حاجت روا مشکل کشا جاننا' مدد مانگنا شرک ہے تو حکام اور حکیموں' بادشاہوں سے مدد لینا بھی شرک ہوگا اور شرک سے کوئی نہ بچے گا۔

تفسیر صوفیانہ: جو چیز رب سے غافل کرے وہ انداد ہے کوئی بیوی بچوں کو پوجتا ہے کوئی باپ دادوں کو کوئی دوست احباب کو کوئی حکام اور بادشاہوں کو کوئی اپنی گائے' بھینس اور روپیہ پیسہ کو کہ ہر وقت انہیں کی فکر میں لگا رہتا ہے اس کی محبت للہ نہیں

بلکہ مع اللہ ہے۔ یہ محبوب ان کے معبود بن گئے مگر جو لوگ کہ جمال یار کی جھلک دیکھ کر مشاہدہ کا ایمان لائے وہ ہر چیز سے اللہ کے لئے ہی محبت کرتے ہیں۔ اللہ اور ماسوا اللہ کو اسی کے لئے چاہیں 'بعض صوفیاء نے فرمایا کہ ہم خالق کو بھی چاہتے ہیں مخلوق کو بھی۔ مگر جب ان میں اختلاف ہو جائے تو مخلوق پر نظر بھی نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ہر شے کو جہت الہیت سے چاہو۔ اور جب اس میں یہ جہت نہ رہے تو چھوڑ دو۔ نیز کوئی تو کسی سے اپنے لئے محبت کرتا ہے اور کوئی اس چیز کے لئے اور کوئی اللہ کے لئے نیز کوئی نفس کے لئے محبت کرتا ہے کوئی قلب کے لئے اور کوئی روح کے لئے۔ پہلی محبتیں فانی اور آخری باقی۔ اگر رب کی محبت رب کے لئے ہے تو اس کی بھیجی ہوئی مصیبتوں پر بھی راضی رہو کہ وہ اس سے راضی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

اريد وصاله و يريد هجرى فاترک ما اريد لما يريد

یعنی وصال مجھے پیارا اور فراق میرے محبوب کو پیارا لہٰذا میں اپنے پیارے کو اس کے پیارے پر قربان کر کے فراق ہی اختیار کرتا ہوں۔ اگر یہ تمام حجاب میں پھنسنے والے ظالمین اس حجاب کا عذاب دیکھیں اور یہ سمجھ لیں کہ قوت سب اللہ ہی کی ہے اور یہ تمام پیاری چیزیں آگ کی زنجیریں ہیں تو انہیں کبھی اختیار نہ کریں (ابن عربی)۔

دوسری تفسیر : ہر عارضی چیز کی انتہاء اصل پر ہے۔ دنیوی چیزوں سے عارضی محبت اور رب سے اصلی محبت چاہئے دیکھو ہم نوکری کرتے ہیں روپے کے لئے روپیہ کماتے ہیں۔ غذا ولباس کے لئے اور غذا ولباس اختیار کرتے ہیں۔ عیش و آرام کے لئے مگر عیش آرام کس لئے وہ کسی کے لئے نہیں بلکہ خود مقصود۔ اسی طرح بندہ اعمال کرتا ہے 'عذاب سے بچنے کے لئے۔ عذاب سے بچتا ہے جنت کے لئے۔ جنت لیتا ہے حور و قصور کے لئے اور حور و قصور رب غفور کے لئے۔

حکایت : ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت قبض روح کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی دوست بھی دوست کو مارتا ہے۔ فوراً وحی آئی کیا کوئی دوست بھی دوست کی ملاقات سے گھبراتا ہے۔ آپ نے چیخ کر فرمایا کہ اے ملک الموت جلدی جان نکالو۔

دوسری حکایت : عیسیٰ علیہ السلام نے ایک قوم کو دیکھا جن کے جسم دبلے اور رنگ پیلے تھے۔ پوچھا تمہارا یہ حال کیوں ہے؟ عرض کیا کہ آگ کے خوف سے آپ نے فرمایا اللہ تمہیں اس سے بچائے۔ دوسری جماعت پر گزرے جو ان سے زیادہ دبلی پتلی تھی۔ پوچھا تمہارا یہ حال کیوں ہوا۔ عرض کیا جنت کے شوق میں۔ فرمایا اللہ تمہیں عطا فرمائے۔ تیسری قوم پر گزرے جن کے چہرے چاند کی طرح چمک دمک رہے تھے۔ پوچھا تمہیں یہ درجہ کیوں ملا۔ عرض کیا رب کی محبت سے۔ فرمایا تم اس کے مقرب ہو۔ غرضیکہ عشق الٰہی عجیب شے ہے (تفسیر کبیر) اس جگہ روح البیان نے حضرت سعید ابن جبیر سے نقل فرمایا کہ قیامت کے دن کفار کو حکم ہو گا کہ تمہارے بت جہنم میں جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جاؤ۔ وہ نہ جائیں گے۔ پھر مسلمانوں کو حکم ہو گا کہ تم میرے پیارے ہو تو اپنے کو دوزخ میں ڈالو۔ یہ فوراً تیار ہو جائیں گے ان کو تو روک لیا جائے گا اور کفار کو جبراً دوزخ میں ڈالا جاوے گا اور فرمایا جاوے گا کہ مسلمان اللہ کے بڑے پیارے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم ارواح میں سب کی روحیں اللہ کی ذات و صفات بلکہ عالم غیب کی ساری ایمانیات کو جانتی بھی پہچانتی بھی تھیں۔ دنیا میں آکر یہ روحیں چار جماعتیں بن گئیں یاد رکھنے والی روحیں جیسے اولیاء 'یاد دلانے والی 'جیسے حضرات انبیاء رب فرماتا ہے فذكر انما انت مذكر۔ بھول

جانے والی جیسے تمام مومنین جو انبیاء کے یاد دلانے پر مان گئیں اور بھول رہنے والی وہ جس جو اپنے آپ کو بھی بھول گئے اور رب کی ذات و صفات کو بھی اور جھوٹے بھی ایسے کہ نہ تو نبی کے یاد دلانے سے مانے اور نہ دنیاوی تحقیق و تبدیلیاں انہیں بیدار کر سکیں۔ انہوں نے جھوٹے خدا بنا لئے یعنی سچے خدا نے انہیں بنایا اور جھوٹے خداؤں کو انہوں نے بنایا یہ لوگ ہر غافل کرنے والی چیز سے محبت کرنے لگے جو چیز اللہ سے غافل کرے وہ انداد ہے یہاں انہی سے خطاب ہے غرضیکہ بھول جانے والے بہت ہیں اور یاد کر لینے والے الذین امنوا۔ **عمل:** اگر کسی سے جائز محبت کرنی ہو تو شکر پر یہ آیت کریمہ حبا للہ تک گیارہ بار پڑھ کر دم کر کے وہ شکر مطلوب کو کھلا دے یا سرمہ پر دم کر کے طالب اپنی آنکھوں میں لگوئے تو ان شاء اللہ مطلوب اس کی طرف مائل ہو گا۔ اول آخر درود شریف 3'3 بار ناجائز محبت پر فائدہ نہ ہو گا۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَ

جبکہ بیزار ہوں گے وہ جو کہ پیروی کیے گئے اُن سے جنہوں نے پیروی کی اور دیکھیں گے وہ عذاب کو

جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گی ان سب

تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

اور ٹوٹ جائیں گے اُن کے اسباب۔ اور کہیں گے وہ جنہوں نے پیروی کی کاش تحقیق ہوتا واسطے

کی ڈوریں اور کہیں گے وہ جنہوں نے پیرو کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا

فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ

ہمارے لوٹنا پس بیزار ہوتے ہم اُن سے جس طرح کہ بیزار ہوئے وہ ہم سے اسی طرح دکھائے گا

(دنیا میں) تو ہم ان سے توڑ دیتے جیسے انہوں نے ہم سے توڑ دی۔ یوں ہی اللہ انہیں دکھائے گا ان کے

عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

کو ان کو اللہ کام ان کے ندامتیں اوپر ان کے اور نہیں ہیں وہ نکلنے والے آگ سے

کام ان پر حسرتیں ہو کر اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں عذاب آخرت کو سخت فرمایا گیا۔ اب اس کی سختی کی کیفیت بیان ہو رہی ہے کہ وہ عذاب دیکھ کر اپنے بیگانے ہو جائیں گے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مشرکین کی بد عقیدگی کا ذکر تھا۔ اب ان کی سزا کی کچھ تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتوں کے قابل عبادت نہ ہونے پر کھلے ہوئے دلائل بیان کئے گئے کہ رب خالق ہے اور یہ مخلوق اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔ اب دوسری طرح اسی پر دلائل قائم کئے جا رہے ہیں کہ آئندہ مصیبت کے وقت بھی یہ بت مجبور رہیں گے کسی کی امداد نہ کر سکیں گے لہذا ان کی عبادت بے کار بلکہ نقصان دہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ اگر مشرکین عذاب دیکھتے تو شرک نہ کرتے بلکہ جھوٹے معبودوں سے بیزار ہو جاتے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب یہ عذاب دیکھیں گے تو یہ تو بیزار ہوں گے ہی وہ بھی ان سے بھاگیں گے۔

تفسیر : **اذ تبرا الذین اتبعوا** یہاں **اذ** یا تو پہلے **اذ** کا بدل ہے یا **شدید العذاب** کا یا **اذکر** فعل پوشیدہ کا ظرف **تبرا** - **تبری** سے بنا جس کا مادہ **برء** یا **براء** ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز سے نفرت کرکے الگ ہو جانا۔ اسی لئے مقدمہ سے چھوٹ جانے یا کسی سے علیحدہ ہو جانے کو یا شفا پانے کو یا مصیبت سے چھٹکارا پانے کو برات کہا جاتا ہے۔ جیسے **انا برء نوا منکم**- یہاں نفرت کرکے ہٹ جانے یا بیزاری ظاہر کرنے کے معنی میں ہے۔ **اتبعوا** یہاں تو مجہول ہے اور آگے معروف اور اس سے یا تو مشرکین کے سردار یا شیاطین یا بت یا چاند سورج وغیرہ جس کی وہ پوجا کرتے تھے مراد ہیں۔ خیال رہے کہ اتباع کے معنی ہیں کسی کے قدم بقدم چلنا اسی کی ذمہ داری پر یہ اتباع ایمان بھی ہے ثواب بھی ہے گناہ بھی ہے اور کفر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع رکن ایمان ہے۔ علماء و صالحین کی اتباع ثواب۔ بدکاروں کی برائیوں میں اتباع سخت جرم اور اسلام کے مقابلہ میں کفار کی اتباع شیاطین کی پیروی 'کفر ہے۔ یہاں آخری قسم کی اتباع مراد ہے اس اتباع سے نبی کی اولیاء کی صلحاء کی اتباع مراد نہیں جیسا کہ بعض جہلانے سمجھا کیونکہ یہاں اسی کی اتباع کا ذکر ہے جو وبال بن جاوے گی اور حضور کی اتباع کا تو حکم ہے رب فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** اس اتباع سے اللہ کی محبوبیت نصیب ہوتی ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ نازک وقت بھی یاد دلا دو جب ان کے جھوٹے معبود یا پیشوا بجائے مدد کرنے کے ان سے متنفر اور بیزار ہوں گے **من الذین اتبعوا** یہاں **اتبعوا** معروف ہے اور اس سے تابعدار اور پجاری کفار مراد ہیں۔ یعنی وہ معبودین ان سے گھبرائیں گے اور دور بھاگیں گے اور انہیں لعنت ملامت کریں گے یا رب کے سامنے اپنی شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے اپنی برات ظاہر کریں گے اور عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم نے انہیں کفر کی رغبت نہ دی تھی اور یہ کب ہوگا **وراو العذاب** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ پہلے **الذین** سے حال ہے اور **و راو** کا فاعل یا تو کفار کے پیشوا ہیں یا خود وہی کفار یعنی اس نازک وقت میں ان کا ساتھ چھوڑیں گے۔ جب عذاب سامنے ہوگا یا اس لئے ساتھ چھوڑیں گے کہ عذاب دیکھ کر خود ان پیشواؤں کا قافیہ تنگ ہوگا انہیں اپنی پڑ جائے گی انہیں کیسے دیکھیں۔ غرضیکہ راو کا فاعل یہ متبعین ہیں یا ان کے متبوعین اور پیشوا۔ خیال رہے کہ انشاء اللہ مسلمان گنہگار وہاں عذاب نہ دیکھیں گے بلکہ رب کا عتاب دیکھیں گے۔ دوزخ میں کچھ روز ان کا رہنا گناہوں سے پاک و صاف ہونے کے لئے ہوگا یعنی اس عتاب کا انجام رحمت الٰہی جیسے سونے کے لئے بھٹی کی آگ اس کے قرب و درجات کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ جملہ بھی کفار ہی کے لئے ہے۔ مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے علاوہ **وتقطعت بھم الاسباب**- یہ **تبرا** پر معطوف ہے اور ب یا تو بمعنی عن ہے یا سببیہ ہے اور کفر مضاف محذوف ہے اور یا تعدیہ کی ہے اور اسباب سبب کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ رسی جس سے چڑھا اترا جائے۔ رب فرماتا ہے **فلیمدد بسبب الی السماء** پھر ہر ذریعہ اور وسیلہ کو سبب کہہ دیتے ہیں کیونکہ وہ رسی کی طرح مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں یا وسیلے ہی مراد ہیں یا تعلقات یعنی ان کے کفر کی وجہ سے ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ یا ان کو یہ ظاہری اسباب ہی رب سے دور کردیں گے یا ان کے سارے رشتے اور تعلقات ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے تب بے بس ہو کر ہاتھ ملتے ہوئے **وقال الذین اتبعوا** یہ پیروی کرنے والے نادم ہو کر کہیں گے یا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے یا ہر ایک کافر اپنے دل میں کہے گا یعنی سوچے گا یا کفار رب تعالیٰ سے عرض کریں گے یا مسلمانوں سے کہیں گے **لو ان لنا کرۃ** یہاں لو تمنا کا ہے۔ جس کے معنی ہیں کاش اور کرۃ" کے معنی ہیں لوٹنا

لڑائی جھگڑے کو اسی لئے تبرا کہتے ہیں کہ اس میں ہر ایک دوسرے کی بات لوٹاتا ہے **فنتبرا منھم** ہم بھی دنیا میں پہنچ کر ان سرداروں یا بتوں کی اطاعت و عبادت سے علیحدہ اور بیزار ہو جاتے **کما تبرئوا منا** جیسے کہ وہ آج ہماری امداد سے علیحدہ اور ہم سے بیزار ہو گئے۔ یہاں کاف مصدر محذوف کی صفت ہے اور تشبیہ صرف بیزاری میں ہے **کذالک یریھم اللہ اعمالھم حسرت علیھم** اس **کذالک** سے یا تو بیزاری کی طرف اشارہ ہے یا عذاب کی طرف اور اعمال دکھانے سے یا تو نامہ اعمال دکھانا مراد ہے یا خود اعمال اجسام کی شکل میں دکھانا۔ اعمال عمل کی جمع ہے۔ عمل جاندار کے ارادی کام کو کہتے ہیں اور فعل ہر کام کو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری۔ **حسرت۔ حسرۃ** کی جمع ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں کھل جانا۔ تھکے ہوئے کو حاسر یا محسور اسی لئے کہتے ہیں کہ اس تھکنے سے اس کی قوت کا پتہ لگ گیا کہ اتنی تھی مجبور کو محسور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل حالت کھل جاتی ہے۔ شرمندگی و ندامت کو حسرۃ کہنے کی یہی وجہ ہے کہ اس سے دلی غم و رنج ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ہر معنی میں استعمال ہوا مگر یہاں شرمندگی یا ندامت کے معنی میں ہے۔ یعنی جیسے کہ انہوں نے اپنے بتوں کی بیزاری یا عذاب جہنم دیکھا ایسے ہی اللہ ان کے سارے اعمال حسرتیں بنا کر انہیں دکھائے گا یا تو اعمال سے ان کا کفر و گمراہی مراد ہے یا وہ ظاہری اعمال جنہیں اچھا سمجھ کر کرتے تھے مگر حقیقت میں برے تھے جیسے گائے کی تعظیم وغیرہ یا واقعی اچھے کام جن کے ثواب کی انہیں امید تھی یعنی یہ وہاں کفر و شرک اور کفریہ اعمال پر حسرت کریں گے اسی طرح اپنے نیک اعمال جیسے صدقہ و خیرات۔ خدمت والدین کی بربادی دیکھ کر شرمندہ ہوں گے کہ ہائے افسوس اگر ہم کفر نہ کرتے تو یہ برباد نہ ہوتے یہ حسرت و ندامت بھی صرف کفار کو ہو گی انشاء اللہ مسلمان اس سے محفوظ ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے عقائد و نیک اعمال قبول ہوتے اور اپنے عقائد و نیکیاں رد ہوتے دیکھ کر یا مسلمانوں کے گناہ معاف ہوتے اور اپنے گناہوں کی سزا بلکہ ان پر سخت پکڑ دیکھ کر اور مسلمانوں کی شفاعت ہوتے اور اپنی شفاعت سے محرومی دیکھ کر ایک حسرت نہیں بلکہ صدہا حسرتیں کریں گے۔ حسرات جمع ہے یا حسرت کے افراد مراد ہیں یا حسرت کی بہت سی نوعیتیں مراد علیٰ نقصان کے لئے آتا ہے یعنی یہ حسرتیں بھی ان کے لئے وہاں ہوں گی ورنہ دنیا میں مسلمان کا کسی کی نیکیاں دیکھ کر حسرت کرنا بھی ثواب ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے **وما ھم بخرجین من النار** اور یہ لوگ کبھی بھی آگ سے نہ نکل سکیں گے کیونکہ آگ ان کے لئے بنی اور وہ آگ کے لئے اب اپنی اصل جگہ پہنچے یہاں سے نکلنا کیسا۔

خلاصہ تفسیر : یہ مشرکین و کفار اس امید پر بت پرستی کر رہے ہیں کہ یہ بت وغیرہ مصیبت میں ان کے کام آویں مگر جب مصیبت و عذاب دیکھیں گے تو وہ ان کی امداد تو کیا کرتے الٹے ان سے بیزار ہوں گے کہ ان کی صورت سے نفرت اور انہیں ملامت کریں گے اور رب سے اپنی برات ظاہر کریں گے کہ مولیٰ یہ لوگ اپنے اعمال کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ ہم نے ان سے کفر نہ کرایا تھا۔ اس کے سواء ان کے دیگر رشتے تعلقات و اسباب بھی ٹوٹ جائیں گے اور کچھ کام نہ آئیں گے ماں باپ بیٹے کنبہ قرابت سب انہیں پیٹھ دکھاویں گے تب یہ کہیں گے کہ کاش اب دنیا میں جانے کا ہمیں موقعہ مل جاتا تو ہم بھی ان سے ایسے ہی علیحدہ ہو جاتے جیسے آج انہوں نے کر دکھایا اس کے علاوہ ان کے سارے نیک و بد اعمال ان کے سامنے حسرت و شرمندگی ہو کر آئیں گے کہ کفر کرنے اور ایمان نہ لانے پر شرمندہ ہوں گے اور بدکاری کرنے اور نیک اعمال کی بربادی پر نادم۔ غرضیکہ صرف کفر کی وجہ سے صدہا مایوسیاں در پیش ہوں گی۔ پھر یہ بھی نہیں کہ کبھی ان مصیبتوں سے نجات مل جاوے بلکہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پیشواؤں کا پیروکاروں سے نفرت کرنا اور بیزار ہونا کفار کے لئے خاص ہے کیونکہ یہ بھی کفر کا ہی عذاب ہے۔ مسلمان انشاء اللہ اس سے محفوظ۔ دوسرا فائدہ: تعلقات اور رشتہ داروں کا کام نہ آنا بھی کفار ہی کی سزا ہے نہ کہ مسلمانوں کی۔ کیونکہ قرآن کریم میں جو کفار کے عذاب بیان ہوئے ان سے مسلمان محفوظ رہیں گے اور جو مسلمانوں پر الطاف و کرم مذکور ہیں ان سے کفار محروم ہیں۔ سو رنہ ان چیزوں کا ذکر بیکار ہوتا۔ تیسرا فائدہ: قیامت میں صرف کفار ہی دنیا میں واپس آنے کی تمنا کریں گے نہ کہ مسلمان۔ کیونکہ دنیا مسلمان کی جیل ہے اور کافروں کی جنت۔ چوتھا فائدہ: آگ سے نہ نکلنا اور وہاں ہمیشہ رہنا کفار کی خصوصیت ہے جیسا کہ **وما ھم** کے حصر سے معلوم ہوا۔ گنہگار مسلمان سزا بھگت کر چھٹکارا پا جائیں گے۔

پہلا اعتراض : حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں اول وقت اہل قرابت بلکہ پیغمبر مسلمانوں سے بھی بیزار ہوں گے تو یہ بیزاری کفار کے ساتھ خاص نہ رہی۔ جواب: بیزار نہ ہوں گے بلکہ شفاعت کی جرأت نہ فرمائیں گے اور یہ بھی کچھ مدت ہو گا پھر شفاعت وغیرہ سب کچھ ہو گی۔ کفار کے سردار انہیں لعنت ملامت بھی کریں گے اور رب سے معذرت بھی کہ ہم ان کے کفر کے ذمہ دار نہیں۔ دوسرا اعتراض: حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہید بھی دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار ہی یہ آرزو کریں گے۔ جواب: شہید تو قیامت سے پہلے یعنی مرنے کے بعد ہی یہ تمنا کرتا ہے نہ کہ قیامت میں اور کفار کی تمنا قیامت میں ہو گی نیز شہید کی یہ خواہش زیادتی اعمال اور دوبارہ شہادت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ کفار کی تمنا اپنے بزرگوں سے بدلہ لینے کے لئے ان دونوں آرزوؤں میں بڑا فرق ہے۔ تیسرا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں نیک کاروں کو بھی حسرت ہو گی اور بدکاروں کو بھی۔ اور اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ صرف کفار ہی کو۔ جواب: ان دونوں حسرتوں میں فرق ہے۔ کفار کو تو نیکیاں برباد ہونے کا غم ہو گا اور گنہگار مسلمانوں کو نیکیاں نہ کرنے کا اور نیک کاروں کو زیادہ بھلائی نہ کرنے کا رنج۔ چوتھا اعتراض: خدا تعالیٰ کیا صرف کفار ہی کو سخت عذاب دینے والا ہے یا ہر مذہب کے بدکاروں کو اور صرف مسلمانوں پر ہی رحم کرنے والا ہے یا ہر مذہب کے نیک کاروں پر۔ پہلی صورت میں تو خدا مسلمانوں کا طرفدار ٹھہرتا ہے اور دوسری صورت میں اسلام قبول کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ ہر دین میں رہ کر نیک اعمال کے ذریعہ جنت حاصل کی جا سکتی ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: بغیر اسلام لائے کوئی بھی نیک کار نہیں بن سکتا۔ نیکی کی شرط ایمان ہے۔ بغیر جڑ قائم ہوئے پھل نہیں لگ سکتے۔ پنڈت جی یہ سوال ہی تم سے ہے کہ صرف آریہ کی نجات ہو گی یا ہر نیک کی۔ اگر ہر نیک کی تو آریہ بننا بے کار ہے تم لوگوں کو شدھی کیوں کرتے ہو اور آریہ ہی کی نجات ہے تو رب اتنا طرفدار ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کفار گفتگو کریں گے مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن بالکل خاموش ہوں گے۔ رب فرماتا ہے **فلا تسمع الا ھمسا** اور فرماتا ہے **ولا یؤذن لھم فیعتذرون**۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: قیامت کے حالات مختلف ہیں قبروں سے میدان حشر کی طرف جاتے ہوئے زبانیں بند ہوں گی مگر قدموں کی آہٹ معلوم ہو گی۔ پھر وہاں پہنچ کر یہ آہٹ بھی بند ہو جاوے گی۔ ایک دم خاموشی ہو گی۔ پھر کچھ عرصہ بعد شفیع کی تلاش کے لئے دوڑ بھاگ۔ پھر حساب کتاب شروع ہو جانے پر گفتگوئیں شروع ہو جاویں گی۔ ان آیات میں قیامت کے اولی حال کا ذکر ہے اور یہاں اس آیت میں بعد کے حالات کا تذکرہ یا یہاں دل میں کہنا اور سوچنا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ باقی اور ماسوا اللہ فانی ہیں۔ جن چیزوں سے اللہ کے لئے محبت کی گئی وہ آخرت میں کار آمد ہیں اور جن سے دنیا کے لئے محبت ہوئی وہ وہاں بے کار اور جن سے اللہ کے مقابل الفت ہوئی وہ بیزار بلکہ باعث عذاب ہوں۔ یہاں لطف یہ ہو گا کہ ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ محبت میں بندھا ہوا ہو گا اور محبوب تو جہنم میں جائے گا جس کی وجہ سے اس کو بھی جہنم میں جانا پڑے گا نیز ربانی محبتیں روحانی ہیں ان کی جان پہچان بھی ازلی ہے اور جسمانی محبتیں فانی ہیں۔ چونکہ روح باقی لہٰذا اس کے تعلقات بھی قائم اور جسم فانی لہٰذا اس کی محبت بھی برباد۔ انہیں سب سے بڑا عذاب اس انقلاب کا ہو گا کہ غیر اللہ کی محبت کے جال میں پھنسے تو ہوں گے مگر اس کے فائدوں سے محروم۔ اسی لئے ان کی یہ محبتیں حسرتیں ہو جائیں گی۔ اسی طرح وہ روحانی قومیں جو نفسانی خواہشوں کے تابع ہوں۔ ان کا بھی یہی حال ہو گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سارے انسان زندگی گزارتے ہیں مگر مقصود زندگی میں فرق ہے کسی کا مقصود مال ہے کسی کا مقصود تحصیل کمال ان دونوں کے لئے زوال ہے اور یہ زندگی وبال اور متقین کا مقصود حیات اعمال ہیں مگر عاشقین کا مقصد حیات رضاء ذو الجلال جیسے برات میں سب ایک ہی گھر سے جاتے ہیں اور دلہن کے گھر میں جاتے ہیں مگر براتیوں کا مقصود ہے کھانا کھانا دولہا کے عزیزوں کا مقصود ہے جہیز مگر دولہا کا مقصود صرف دلہن۔ یہ دنیا برات ہے جس میں طالبین مولیٰ نوشہ ہیں۔ مومنین کہتے ہیں لا معبود الا ہو۔ عاشقین کہتے ہیں لا مقصود الا ہو لا محبوب الا ہو بلکہ لا موجود الا ہو۔ اس آیت کا خلاصہ بیان یہ ہے کہ کل قیامت میں دنیا کے پیچھے مرنے والے اسے مقصد حیات بنانے والے اس مصیبت میں گرفتار ہوں گے کہ مال و اولاد ان سے نفرت کریں گے اور انہیں اسی غفلت کی وجہ سے ہر طرح کا عذاب ہو گا اور ان میں سے کوئی چیز ان کے لئے سبب مغفرت نہ بنے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی یا نفسانی ہے یا شیطانی یا ایمانی ہے یا رحمانی جو زندگی غفلت میں گزرے وہ نفسانی ہے جو بدکاریوں میں گزرے وہ شیطانی جو نیکیوں میں گزرے وہ روحانی ہے اور جو زندگی اللہ رسول ہی میں فنا ہو کر گزرے وہ رحمانی۔ قرآن کریم نے پہلی دو زندگیوں کو حیٰوۃ دنیا فرمایا اور اسی کو لہو و لعب قرار دیا حب دنیا لہو و لعب۔ روحانی اور رحمانی زندگی حیوۃ دنیا ہے ہی نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اے لوگو! کھاؤ اس میں سے جو نہیں زمین کے ہے حلال مزے دار اور نہ پیروی کرو قدموں کی

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَ

شیطان کے تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے کھلا ہوا۔ اس کے سوا نہیں کہ حکم کرتا ہے تم کو ساتھ برائی اور

وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو نہیں یہی حکم دے گا بدی اور بے حیائی کا اور یہ کہ اللہ پر

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

بے حیائی کے اور یہ کہو کہ تم اوپر اللہ کے وہ جو نہیں جانتے ہو تم

وہ بات جوڑو جس کی تمہیں خبر نہیں۔

تعلق : اور اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کفار کی بد اعتقادیوں کا ذکر تھا اب ان کی بعض بد عملیوں کا ذکر ہے۔ جیسے سانڈ وغیرہ کی تعظیم۔ یعنی روحانی غذاؤں کی اصلاح کے بعد جسمانی غذاؤں کی اصلاح فرمائی جارہی ہے۔ عقائد و اعمال روحانی غذائیں ہیں اور یہ ظاہری روزیاں جسمانی غذائیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں شرک کی برائی اور توحید کے دلائل بیان ہوئے۔ اب اپنے عام احسانوں اور نعمتوں کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کفر اور نافرمانی رب کی دنیوی نعمتوں کو بند نہیں کرتی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں دلائل سے سمجھا کر اور عذاب سے ڈرا کر لوگوں کو ایمان کی رغبت دی گئی۔ اب انہیں نعمتیں دکھا کر ایمان کی طرف مائل کیا جارہا ہے یعنی اے لوگو مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں اسلام کی برکت سے حلال و طیب روزیاں عطا ہوں گی اور تمہاری اپنی لگائی ہوئی پابندیاں اٹھ جائیں گی۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کفر کے اخروی عذاب کا ذکر تھا اب اس کی دنیوی تکلیف کا ذکر ہے کہ کفار اس کی وجہ سے رب کی بہت سی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ مسلمانو تم کھاؤ۔

شان نزول : مشرکین عرب کچھ جانور بتوں کے نام پر چھوڑ کر انہیں حرام جانتے تھے۔ جیسے ہندوستان کے مشرکین سانڈ چھوڑتے ہیں۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری (2) بعض روایات میں ہے کہ عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مسلمان ہو کر بھی اونٹ کے گوشت سے بچتے تھے کیونکہ یہ ان کے پچھلے دین یہودیت میں حرام تھا۔ ان کے متعلق یہ آیت آئی۔ بعض روایات میں ہے کہ ثقیف اور بنی عامر اور خزاعہ کے کچھ لوگوں نے کھجوریں اور پنیر وغیرہ لذیذ چیزیں اپنے پر ترک دنیا کے لئے حرام کرلی تھیں۔ ان کے خیال میں دنیوی نعمتوں سے محروم ہو جانا کار ثواب تھا جیسا کہ ہندو سادھوؤں کا عقیدہ ہے ان کی تردید میں یہ آیت اتری (روح المعانی و کبیر)

تفسیر : **یا ایھا الناس** میں یہاں ناس سے یا تو صرف مسلمان مراد ہیں یا صرف کفار یا دونوں جیسا شان نزول وہی مراد مگر ان عام خطابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ان کے لئے یہ خطاب ہے ہی نہیں ان کے خطاب قرآن کریم میں یہ ہیں۔ **یا ایھا النبی یا ایھا الرسول** وغیرہ حضور انور تو اس آیت کی نزول سے پہلے ہی کبھی حرام غذا کے قریب نہ گئے۔ **کلوا مما فی الارض** ظاہر یہ ہے کہ **کلوا** اجازت اور اباحت کا امر ہے نہ کہ وجوب کا کیونکہ یہاں ان کے حرمت کے عقیدہ کا باطل کرنا منظور ہے اور ہو سکتا ہے کہ امر وجوبی ہو۔ اور اس سے یا تو کھانا ہی مراد ہو یا کھانے کو جائز ماننا۔ اس لئے کہ جان رکھنے کے لئے کھانا فرض ہے اور حلال چیزوں کو حلال جاننا نہایت ضروری بعض مسلمان ہندوؤں کی پیروی میں بھوک ہڑتال یا مرن برت رکھتے ہیں حرام ہے۔ کہ **کلوا** امر کے خلاف ہے نماز روزے کی طرح کھانا بھی فرض ہے بلکہ اہم فرض کہ اس سے بقاء جان ہے اور جان سے سارے اعمال ہوتے ہیں پھر جب کھانا فرض ہوا تو کمانا بھی فرض ہے کہ فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے جیسے نماز کے لئے وضو فرض خیال رہے کہ کھانا کبھی فرض ہے کبھی سنت کبھی مکروہ کبھی حرام۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے **مما** میں **من** سے اشارۃً یہ بتایا کہ ہر چیز نہ کھاؤ بلکہ بعض یعنی حلال کیونکہ حرام چیزوں سے بچنا ضروری ہے اور حلال بھی بعض کھائی جاتی ہیں نہ کہ کل۔ پھلوں کا گودا کھاؤ گٹھلی چھلکے پھینکو۔ بکری کا گوشت کلیجی وغیرہ کھاؤ پتہ مثانہ نہ کھاؤ۔ **فی الارض** سے معلوم ہوا کہ زمین کے اوپر اور نیچے والی چیزیں سب حلال ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی اگرچہ پانی اور ہوا میں رہتی ہیں مگر

چونکہ خود پانی اور ہوا زمین پر ہے اس لئے وہ چیزیں زمین ہی کی ہیں۔ **حلالا** یہ لفظ حل سے بنا جس کے لفظی معنی ہیں کھولنا **واحلل عقدة من لساني** لواء قرض کو حل اللغۃ احرام سے نکلنے کو حل بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں قرض اور احرام کی پابندیوں سے کھلنا ہوتا ہے۔ کپڑوں کا جوڑا حلہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ پہننے کے لئے کھلتا ہے۔ شہر کے آباد حصوں کا نام محلّہ کیونکہ وہاں مسافر آکر اپنا سامان کھولتے ہیں اترنے کو بھی حلول کہتے ہیں۔ جیسے او تحل قریبا من دارھم۔ شریعت میں حلال وہ ہے جس کی ممانعت نہ ہو یعنی مباح کیونکہ اس پر سے حرمت کی گرہ کھول دی گئی یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اور یہ حرام کا مقابل ہے۔ رب نے جمادات' نباتات' حیوانات سب ہی ہمارے استعمال کے لئے پیدا فرمائے مگر ان میں حلال و حرام کا فرق رکھا معدنیات اور نباتات میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر مضر چیز کھانا حرام اور غیر مضر چیز حلال۔ دیکھو سنکھیا کھانا حرام ہے کہ مضر ہے لیکن اگر مار کر حکیم کھلائے تو جائز ہے۔ سونا' چاندی' لوہا موتی وغیرہ مضر طریقہ سے کھلائے جائیں تو حرام ہیں لیکن ان کا کشتہ اور موتی کی راکھ جو مضر نہ ہو حلال ہے یہ ہی حال گھاس سبزیوں وغیرہ کا ہے۔ حیوانات میں حلال و حرام کے مختلف قاعدے ہیں کہ دریائی جانور سب حرام سوائے مچھلی کے (بے خون والے جانور حرام) سوائے ٹڈی کے۔ پرندے چرندے جو شکاری ہیں یعنی پنجے والے یا کیل والے وہ حرام باقی حلال تفصیل فقہ میں دیکھو۔ **طیبا** یہ لفظ **طیب** سے بنا جس کے معنی ہیں عمدگی اور پاکیزگی مدینہ منورہ کو اس لئے طیبہ کہتے ہیں کہ وہ جگہ شریف کفری گندگیوں۔ وبائی بیماریوں جسمانی بلاؤں سے پاک ہے اور دجال کے داخلہ سے محفوظ اس کا مقابل خبیث ہے۔ نجس و طاہر' حرام و حلال' خبیث و طیب میں فرق خیال میں رکھنا چاہئے۔ یہاں حلال اور طیب میں چند طرح فرق ہے (1) حلال وہ جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ جو بد مزایا گھنونی نہ ہو اپنا تھوک و رینٹ حلال ہے مگر طیب نہیں (2) حلال وہ جو حرام نہ ہو اور طیب وہ جو حرام ذریعہ سے حاصل نہ ہوئی ہو۔ سور کتا حرام ہے۔ غیر کی بکری چوری کا مال رشوت و سود کا پیسہ خبیث ہے طیب نہیں (3) حلال وہ جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ جو تندرستی کو مضر نہ ہو۔ حاذق طبیب کے حکم سے جیسے کہ بیمار کو حرام چیز حلال ہو جاتی ہے ایسے ہی حلال چیز منع (4) حلال وہ جو یقیناً حرام نہ ہو طیب وہ جس میں حرمت کا شبہ بھی نہ ہو۔ شبہ کی چیزیں حلال ہیں طیب نہیں۔ (5) حلال وہ جسے شرع پسند کرے طیب وہ جسے طبیعت پسند کرے (عزیزی و روح و کبیر) غرضیکہ یہاں اس چیز کے کھانے کا حکم دیا گیا جس میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ظاہری گندہ کو نجس اور باطنی گندہ کو خبیث کہتے ہیں یوں ہی ظاہری پاک کو طاہر اور اندرونی پاک کو طیب کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں تو فرمادیا کہ حلال و طیب چیزیں کھاؤ مگر نہ حلال کی تفصیل فرمائی نہ طیب کی وضاحت کی کہ فلاں فلاں چیزیں حلال ہیں اور فلاں فلاں طیب بلکہ سارے قرآن مجید میں ان کی مکمل فہرست ارشاد نہ ہوئی تاکہ قرآن پڑھنے سمجھنے والے مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو جاویں۔ صرف حلال و طیب کا نام لے دیا اور ان کی تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دی کہ ان سے پوچھو جیسے رب نے نماز و زکوۃ کا حکم دیا۔ مگر تفصیل سے خاموش رہا تاکہ حضور کی ضرورت باقی رہے **ولا تتبعوا خطوت الشیطن** اتباع پیچھے چلنے کو کہتے ہیں اور تابع پیچھے چلنے والا۔ خطوات خطوہ کی جمع ہے۔ خطوہ خ کے زبر سے بمعنی قدم اور خ کے پیش سے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ (روح البیان) یہاں دونوں ہی معنی بن سکتے ہیں یعنی شیطان کے آثار قدم پر قدم نہ رکھو یا شیطان کے راستوں پر نہ جاؤ کہ رب نے اسے سجدہ آدم کا حکم دیا اور اس نے مقابلہ کرکے انکار کیا۔ چونکہ اس کے راستے بہت سے ہیں اس لئے خطوات جمع فرمائی گئی۔ یعنی شیطان کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال یا شیطانوں کے اختیار کئے

ہوئے عمل و عقیدے نہ اختیار کرو۔ خیال رہے کہ شیطان خود برائیاں کرتا نہیں بلکہ کراتا ہے اسی طرح وہ شرک و کفر اختیار کرتا نہیں لوگوں کو مشرک و کفار بناتا ہے وہ خود تو موحد ہے جنت و دوزخ کا قائل ہے یہ بھی جانتا ہے کہ حضرات انبیاء رب کے بھیجے ہوئے ہیں مگر انہیں مانتا نہیں **انہ لکم عدو مبین** **عدو** عدوے بنا جس کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھ جانا۔ دشمنی کو عداوت اور دشمن کو عدو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ محبت کی حد سے نکل جاتا ہے۔ مبین ابانتہ سے بنا جس کا مادہ ہے بون معنی جدائی اور دوری۔ ابانت جدا کرنا اور کاٹنا اسی سے ہے طلاق بائنہ اصطلاح میں ظاہر کرنے یا ظاہر ہونے کو ابانت اور ظاہر یا ظاہر کرنے والی چیز کو مبین کہتے ہیں۔ یہاں دونوں اصطلاحی معنی بن سکتے ہیں یعنی وہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے یا ظاہر کرنے والا دشمن ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کے انکار سے اپنی عداوت ظاہر کردی اور اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ وہ تمہیں تین باتوں کا مشورہ دیتا ہے ایک **انما یامرکم بالسوء** انما حصر کے لئے ہے اور امر سے مراد مشورہ یا وسوسہ یا بار بار کہنا یا خفیہ حکم ہے۔ سوء ساء کا مصدر ہے معنی رنج یا برائی ہر گناہ کو خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ سوء کہا جاتا ہے کیونکہ وہ برائی بھی ہے اور باعث رنج و غم بھی یعنی تمہیں ہمیشہ گناہ ہی کا حکم کرتا ہے۔ دوسرے **والفحشاء** اس کا مادہ فحش ہے جس کے معنی ہیں اندازہ سے بڑھ جانا۔ اسی لئے زنا کو فحش اور زانیہ کو فاحشہ کہتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہر گناہ فحش ہے اور یہ عطف تفسیری ہے مگر صحیح یہ ہے کہ فحش گناہ سے خاص ہے گناہ تو ہر چھوٹی بڑی برائی اور فحش گناہ کبیرہ' یا گناہ ہر ظاہری باطنی برائی اور فحش صرف ظاہری' یا گناہ ہر حرام چیز اور فحش وہ برائی جو عقلاً" بھی بری معلوم ہو یا گناہ وہ جو خالق کو ناپسند ہو اور فحش وہ جو مخلوق کو برا معلوم ہو جیسے بے غیرتی' بے حیائی اور بے مروتی کی باتیں سوء و فحشاء میں کئی طرح فرق ہے گناہ صغیرہ سوء ہے اور گناہ کبیرہ فحشاء یا خفیہ گناہ سوء ہے اور اعلانیہ گناہ فحشاء یا کبھی کبھی گناہ کرلینا سوء ہے مگر ہمیشہ گناہ کرنا فحشاء یا گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا سوء ہے اسے گناہ نہ جاننا اور کرنا فحشاء یا شخصی گناہ سوء ہے قومی فحشاء اور تیسرے یہ کہ **وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون** قول کے معنی کہنا ہیں مگر جب اس کے بعد **علی** آجائے تو اس کے معنی الزام لگانا افتراء کرنا اور کسی کی طرف غلط بات منسوب کرنا ہوتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد ہے اور یہ جرم سب سے بدتر کیونکہ پچھلی دو باتیں بدعملی تھیں۔ اور یہ بدعقیدگی اور خدا پر بہتان ہے یعنی وہ تمہیں یہ مشورہ دیتا ہے کہ بعض احکام اپنے آپ گھڑ کر رب کی طرف نسبت کردو کہ یہ خدا نے فرمایا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! جیسے توحید اختیار کرنا اور کفر سے بچنا ضروری ہے ایسے ہی صحیح غذا کھانا اور حرام اور گندی چیزوں سے بچنا لازم کہ غذا کا اخلاق پر اثر پڑتا ہے نیز حلال اور طیب چیزوں سے بچنا محرومی لہذا جو کچھ زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور خواہ مخواہ انہیں حرام سمجھ کر شیطان کی راہ نہ چلو کیونکہ وہ تو تمہارا پہلے ہی کھلا دشمن ہے۔ جن باتوں کو اچھی کرکے دکھاتا ہے وہ در پردہ بری ہیں وہ تو تمہیں ہمیشہ برائیوں اور بے حیائیوں کا ہی مشورہ دے گا اور تمہیں یہ بھی بتائے گا کہ خود مسائل گھڑ کر رب کی طرف نسبت کردیا کرو لہذا تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ روح البیان نے فرمایا کہ شیطانی وسوسے کے چھ درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ ایمان سے ہٹا کر کفر میں پھنسائے۔ اگر یہاں اس کا داؤ چل گیا تو پھر انسان کے پیچھے نہیں پڑتا۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کو گمراہی و بدعات میں مبتلا کردے کہ فساد عقیدہ گناہوں سے بدتر ہے۔ تیسرے یہ کہ صحیح العقیدہ مسلمان کو کبیرہ گناہوں میں پھانس دے۔ چوتھے یہ کہ پرہیزگار مسلمان سے معمولی گناہ کرادے کہ کبھی معمولی باتیں بھی گناہ کبیرہ بن جاتی ہیں۔ چھوٹی

چنگاری سے ہی گھر جل جاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ شیطان حتی الامکان مسلمان کو بے کار باتوں میں لگا دے تاکہ وہ ثواب نہ کما سکے۔
اگر کہیں بھی داؤ نہ چلا تو چھٹا فریب یہ ہے کہ افضل کام سے روکنے کے لئے مفضول کام میں لگا دے تاکہ آدمی زیادہ ثواب سے
محروم رہے۔ جیسے کہ مفتی اور عالم کو خدمت دین سے روک کر نفلی نمازوں میں مشغول کر دے یا حج سے روک کر روزے میں لگا
دے غرضیکہ اس کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے ہر انسان کے پاس نئے لباس میں آتا ہے خیال رہے کہ جیسے منہ کے کام یعنی
کھانے پینے میں سے بعض حلال ہیں بعض حرام ایسے ہی تمام اعضاء کے کاموں سے بعض حلال ہیں بعض حرام بعض نظریں
حلال جیسے اپنی بیوی کو دیکھنا بعض حرام جیسے غیر عورت کو نظر شہوت سے دیکھنا زبان سے جھوٹ غیبت چغلی بولنا حرام جائز باتیں
بولنا حلال۔ کان سے گانے باجے سننا حرام ہے۔ مباح باتیں سننا حلال پاؤں سے چوری کرنے سینما دیکھنے جانا حرام ہے۔ جائز جگہ
جانا حلال ہاتھ سے غیر کا مال چھونا غیر عورت کو شہوت سے چھونا حرام ضرورت کی جگہ ہاتھ استعمال کرنا حلال یہ آیت صرف کھانوں
کے لئے ہے مگر دوسری چیزیں بھی اس سے معلوم کر لی جائیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اسلام ترک دنیا نہیں سکھاتا۔ حلال لذتوں سے بچنا
تقویٰ نہیں۔ تقویٰ حرام کے چھوڑنے میں ہے۔ دوسرا فائدہ: بلا دلیل کسی چیز کو حرام جاننا محض بے دینی اور خدا پر تہمت
شیطان کی پیروی ہے۔ بعض لوگ نیازوں کو یہ کہہ کر حرام کہتے ہیں اس آیت سے عبرت پکڑیں جو لوگ حرام کہتے ہیں سخت غلطی پر ہیں۔ حلال
کے لئے ثبوت مانگتے ہیں مگر خود حرام کہنے کے لئے ثبوت نہیں پیش کرتے۔ تیسرا فائدہ: غیر خدا کے نام پر پلا ہوا جانور خود حرام نہیں
جب تک کہ اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کر لیا جائے۔ دیکھو مشرکین عرب بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام
جانتے تھے انہیں کی اس آیت میں تردید ہوئی اور ان کے اس عقیدے کو محض بے حیائی اور خدا پر افترا فرمایا گیا اس کی بحث
انشاء اللہ عنقریب وما اهل به لغیر الله میں آئی ہے۔ چوتھا فائدہ: ہر حلال چیز پاک ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک
حلال ہو مٹی پاک ہے مگر حلال نہیں۔ پانچواں فائدہ: حلال روزی کے لئے جائز پیشے اختیار کرنا عبادت ہے کیونکہ حلال کھانے کا
حکم دیا گیا اور یہ کسب پر ہی موقوف ہے کسب میں چند فائدے ہیں۔ (1) کسب سنت انبیاء ہے چنانچہ آدم علیہ السلام نے
زراعت اور سارے پیشے کئے۔ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے لکڑی کا پیشہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے
بکریاں چرائیں۔ ہمارے حضور علیہ السلام نے حضرت خدیجہ کے مال کی تجارت کی (2) کسب سے مال بڑھتا ہے جس سے صدقہ
خیرات کی جا سکتی ہے۔ (3) کسب کھیل کود اور صدہا جرموں سے روک دیتا ہے۔ چوری ڈکیتی سب بے کاری کے نتیجے ہیں۔ (4)
کسب سے انسان میں محنت کی عادت پڑتی ہے اور دل سے غرور نکل جاتا ہے۔ (5) کسب عزت و تونگری ہے امن ہے اور غریبی
دین و دنیا برباد کر کے دونوں جہان میں منہ کالا کرتی ہے۔ (6) حلال کمائی کے لئے کسب ہے تو اعمال لکھنے والے فرشتے کہتے ہیں کہ
اللہ تیری اس حرکت میں برکت دے اور تیری کمائی کو جنت کا ذخیرہ بنائے۔ اس دعا پر زمین و آسمان کے فرشتے آمین کہتے ہیں
(روح البیان)۔ مسئلہ: بہترین پیشہ جہاد پھر تجارت پھر کھیتی باڑی پھر صنعت یعنی لکڑی لوہے وغیرہ کا کام ہے۔ چھٹا فائدہ:
حلال چیزوں کو قسم وغیرہ سے اپنے پر حرام کر لینا شیطانی وسوسہ ہے چاہئے کہ ایسی قسمیں توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے۔ ابن مسعود
اور حسن بصری اور جابر ابن زید رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اپنے نفس پر حلال کو حرام کر لینا شیطانی وسوسہ ہے (درمنثور)۔

ساتواں فائدہ: خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے دیکھو مشرکین عرب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کو تو حرام سمجھتے تھے مگر بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کو حلال حالانکہ حکم خداوندی اس کے برعکس ہے جیسے فتاویٰ رشیدیہ میں محرم شریف کے شربت و حلیم کو حرام لکھا مگر ہولی دیوالی کی کچوریوں کو حلال یہ ہے بے عقلی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان سب کا دشمن ہے مگر دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ **اولیٰھم الطاغوت** شیطان کفار کا دوست ہے ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: یہاں حقیقت کا ذکر ہے اور وہاں ظاہر کا۔ حقیقت میں وہ کھلا ہوا دشمن ہے مگر دوستی کے لباس میں کفار کے پاس آتا ہے۔ جب وہ آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تو کیونکر ہو کہ ان کی اولاد کا دوست بن جائے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان بری باتوں کا ہی حکم دیتا ہے حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نے نماز فجر کے لئے اٹھایا (مثنوی) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیت الکرسی کا عمل بتایا (مشکوٰۃ شریف) بعض انبیاء کرام سے بھی اس نے اچھی باتیں کیں پھر اس آیت کا کیا مطلب۔ جواب: اس کا جواب خلاصہ تفسیر میں گزر چکا کہ متقی بندوں کو اچھے کام میں لگا کر بہت اچھے کام سے روک دیتا ہے تاکہ وہ زیادہ ثواب نہ حاصل کر سکیں اس کا یہ فعل بھی بری نیت سے ہی ہوتا ہے۔ امیر معاویہ نماز قضا ہو جانے پر اس قدر روئے تھے کہ انہیں پانچ سو نماز کا ثواب مل گیا تھا۔ دوسرے دن اس نے اس لئے اٹھایا کہ زیادہ ثواب نہ لے لیں۔ ابوہریرہ کے جوتے کے خوف سے وہ انہیں یہ عمل بتا گیا نہ کہ نیک نیتی سے انبیاء کرام سے بھی پھنس کر کبھی کچھ نیک باتیں کر جاتا ہے غرضیکہ اس کی فطرت تو بری ہے اور یہ حالات عارضی ہیں۔ تیسرا اعتراض: رب نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا اگر کہو کہ انسان کی آزمائش کے لئے تو آزمانا کم علموں کا کام ہے خدا عالم الغیب ہے۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب: پیدائش شیطان کی حکمتیں ہم پہلے سپارے میں آدم علیہ السلام کے قصہ کے ماتحت بیان کر چکے۔ رب کے امتحان کی حکمت اس سپارہ میں **ولنبلونکم** کی تفسیر میں بیان کر چکے۔ وہاں دیکھ لو۔ چوتھا اعتراض: اگر شیطان نے سب کو بہکایا تو شیطان کو کس نے بہکایا۔ اگر کہو خدا نے تو خدا (نعوذ باللہ) شیطان کا شیطان ہوا (ستیارتھ پرکاش) جواب: شیطان کو اس کے نفس نے بہکایا۔ شیطان انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ رب نے شیطان کو اس کا حکم نہ دیا محض موقعہ دیا۔ جس میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ پنڈت جی بتاؤ تو کہ گائے کو قصائی نے کاٹا اور قصائی کو یہ قدرت کس نے دی اور پرماتما نے چھری، تلوار، سانپ، بچھو کیوں پیدا کئے اگر کہو کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا ہو گئیں تو یہ پرماتما ہو ئیں اگر پرماتما نے پیدا کیں تو کیوں؟

تفسیر صوفیانہ: نفس و بدن زمین ہے اور روح یہاں بسنے والی یہاں کی لذتیں اور نفعے اس زمین کی پیداوار۔ روح سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تو نفسانی اور جسمانی خواہشات میں سے حلال چیزیں حاصل کر۔ حرام چیزوں کی طرف نظر نہ اٹھا اور ہر موقعہ پر عقل و شرع کا فتویٰ حاصل کرتی رہ شیطان سے بچنا کیونکہ وہ تیرا ازلی دشمن ہے اور وہ تجھے گناہ یعنی زیادتی غصہ اور فحش یعنی زیادتی شہوت کا مشورہ دیتا ہے اور زیادہ گفتار سے رب غفار کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے (ابن عربی)

دوسری تفسیر: حلال وہ جس کی ممانعت نہ ہو۔ طیب وہ جس کا قیامت میں حساب نہ ہو اور یہ وہ ضروریات زندگی ہیں جو نفسانی خواہش کے لئے استعمال نہ کی جائیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ضروری کپڑا ضروری غذا اور ضروری گھر کا قیامت میں

حساب نہ ہوگا۔ حلال و طیب چیز عبادت کا شوق محبت کا ذوق اور دعا کی قبولیت پیدا کرتی ہے۔ درمنثور اور عزیزی میں ہے کہ ایک روز سعد ابن ابی وقاص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ میں مقبول الدعاء بن جاؤں تو حضور نے فرمایا کہ حلال غذا اختیار کر تیری دعا قبول ہوا کرے گی۔ حرام لقمے سے چالیس دن کی عبادت قبول نہیں ہوتی جو گوشت کہ حرام اور رشوت سے پلا ہو اس میں دوزخ کی آگ جلد اثر کرے گی۔ مولینا فرماتے ہیں۔ شعر:

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال ۔۔۔ عشق و رقت زاید از لقمہ حلال

لقمہ تخم است و برش اندیشہ ہا ۔۔۔ لقمہ بحر و گوہرش اندیشہ ہا

زاید از لقمہ حلال اندر دہاں ۔۔۔ میل خدمت عزم سوئے آں جہاں

چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام ۔۔۔ جہل غفلت زاید آں را داں حرام

شیطان ہمارا ذاتی دشمن ہے کہ وہ آگ سے بنا ہے ہم خاک سے اور خاک و آگ ذاتی دشمن ہیں کہ آگ خاک کو جلا ڈالتی ہے اور خاک آگ کو دبا کر فنا کر دیتی ہے اور اسی لئے بھی دشمن ہے کہ ہماری وجہ سے وہ جنت سے نکالا گیا اس کی عبادات مردود ہوئیں۔ عزت والا تھا ذلیل ہو گیا لہذا یہ ہمارا ازلی دشمن ہے اور اتنا خطرناک ہے کہ ہر جگہ ہمارے ساتھ رہتا کوئی توپ ایٹم بم وغیرہ سے مرتا نہیں کسی بادشاہ کے ذریعہ بھی گرفتار ہوتا نہیں پھر نظر آتا نہیں پہچانا جاتا نہیں۔ دوستی کے لباس میں آتا ہے اس کا مددگار یعنی نفس امارہ ہماری آستین کا سانپ ہے یہ نہ ہمارے نماز و روزے سے مرے نہ ظاہری عبادات سے اس کی عداوت سے بچنے کا ذریعہ صرف ایک ہے محبت کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے فنا ہوتی ہے۔ عداوت شیطان کو توڑنے کے لئے اللہ نے محبت جناب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرمائی۔ ہمارے نیک اعمال چراغوں کی طرح ہیں جن سے رات جاتی نہیں ہاں روشنی ہو جاتی ہے اور محبت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم مثل سورج کے ہے جو رات کو فنا کر کے دن نکال دیتا ہے۔ اگر شیطانی عداوت کے شر سے بچنا چاہو تو محبت رسول کے زیر دامن آجاؤ۔ صوفیاء کے ہاں محبت دنیا تو سوء یعنی برائی ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور دین سے نفرت فحشاء یعنی بے حیائی شیطان پہلے انسان کے دل میں محبت دنیا کا تخم بوتا ہے پھر اسے کینہ و حسد وغیرہ کا پانی دیتا ہے۔ جس سے اس درخت کو پروان چڑھا لیتا ہے تو اس میں نفرت دین عداوت اہل اللہ کے پھول لگتے ہیں اور اللہ رسول پر جھوٹ باندھنے کے پھل، دنیا وہ جو رب سے غافل کرے۔ حب دنیا یہ کہ اسے حاصل کرنے میں حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے۔ یزید نے حب دنیا میں قتل حسین کا جرم کیا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے ان کے کہ پیروی کرو اس کی جو اتارا اللہ نے تو کہتے ہیں بلکہ پیروی کریں گے ہم اسی کی پایا ہم نے

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں گے بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ
اپنے اس کے باپوں کو اپنے۔ اگرچہ ہوں باپ دادے اُنکے نہ عقل رکھتے کچھ بھی اور نہ ہدایت پاتے اور مثال اُن لوگوں
پایا کیا اگرچہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت اور کافروں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ
کی جنہوں نے کفر کیا مثل اُس کے ہے جو آواز دے اُس کو جو نہ سُنے مگر بلانا اور پکارنا بہرے گونگے اندھے
کی کہاوت اُس کی سی ہے جو پکارے ایسے کو کہ خالی چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سُنے بہرے
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝
پس وہ نہیں عقل رکھتے
گونگے اندھے تو اُنہیں سمجھ نہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطان کے گمراہ کرنے کے طریقے بتائے گئے اب کفار کے گمراہ ہونے کی وجہ بتائی جارہی ہے یعنی جاہل باپ دادوں کی پیروی **دوسرا تعلق**: گزشتہ آیت میں شیطان کی پیروی سے روکا گیا تھا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ کافر باپ دادوں کی اتباع شیطان کی اتباع سے کم خطرناک نہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مشرکین کی غلطی کا بیان تھا۔ اب اس پر قوی دلیل قائم کی جارہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کی غلطی کا ذکر تھا کہ وہ رب کا راستہ چھوڑ بیٹھے۔ اب اس سے بڑی بے دینی کا ذکر ہے کہ وہ باپ دادوں کے غلط راستہ پر اڑ گئے یعنی قابل قبول چیز کو انہوں نے چھوڑا پھینکنے کی چیز کو اختیار کیا۔

شان نزول : عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا تو رافع ابن خارجہ اور مالک ابن عوف وغیرہ یہودیوں نے کہا کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہیں گے کیونکہ وہ ہم سے بڑھ کر عقلمند اور واقف کار تھے۔ تب یہ آیت اتری۔ (درمنثور و کبیر)

تفسیر : **واذا قيل لهم** یا توھم کی ضمیر من يتخذ کے مَن کی طرف لوٹتی ہے یا الناس کی طرف یا ان یہود کی طرف جن کے بارے میں یہ آیت اتری۔ اگرچہ یہاں ان کا ذکر نہ ہوا مگر موقعہ محل سے معلوم ہو جانا کافی ہے یعنی جب ان مشرکین سے یا شیطان کی پیروی کرنے والوں سے یا یہود سے کہا جاتا ہے کہ **اتبعوا ما انزل الله** اتباع کے لفظی معنی پیچھے چلنا ہیں مگر یہاں اطاعت کرنا مراد ہے۔ یہاں صاف قرآن کا نام نہ لیا تاکہ معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کے سارے فرمان اور اعمال شریف کی اطاعت ضروری ہے کیونکہ یہ سب رب کی طرف سے ہیں۔ یعنی ان چیزوں ہی کی پیروی کرو جو رب نے اتاریں۔ خیال رہے کہ اگرچہ توریت و انجیل بھی اللہ کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں مگر یہاں وہ وحی مراد ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی یعنی قرآن یا حضور انور کے فرمان کیونکہ قرینہ اسی پر دلالت کرتا ہے نیز منسوخ احکام قابل اتباع نہیں ہوتے ایمان سارے **ما انزل**

اللہ پر ہے مگر عمل خاص اسلامی احکام پر تھا قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا یہاں بل سے پہلے ایک چھوٹی سی عبارت پوشیدہ ہے یعنی ہم آپ کی پیروی نہ کریں گے بلکہ ان رسم و رواج پر چلیں گے جن پر اپنے باپ دادوں کو پایا الفینا باب افعال سے ہے۔ اس کا مادہ لفو یا لفی ہے سو اس باب کی ماضی کے دیگر طرح اس کا استعمال دیکھا نہ گیا۔ اس کے معنی ہیں پایا ہم نے جیسے کہ الفوا اباءھم یا الفینا۔ سیدھا دوسری جگہ رب نے فرمایا ما وجدنا علیہ اباءنا لہذا یہ افعال غیر متصرفہ میں سے ہے اور ما سے مراد کفریہ عقیدے حلال جانوروں کو حرام جاننا اور مشرکانہ رسم و رواج سب ہی ہیں۔ رب تعالیٰ ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ اولو کان اباءھم ہمزہ استفہامیہ ہے اور اس کے بعد ایک جملہ پوشیدہ اور واؤ حالیہ یعنی کیا یہ بے وقوف انہیں کی رسمیں اختیار کریں گے اگرچہ وہ ایسے جاہل ہوں کہ لا یعقلون شیئا شئے سے یہاں دینی اعمال مراد ہیں کیونکہ وہ لوگ دنیوی کاموں میں بہت چالاک تھے یعنی وہ دین کی کوئی بات بھی نہ سمجھتے ہوں اور ساتھ ہی ولا یھتدون ایسے ضدی بھی ہوں کہ کسی کے بتانے سے بھی راہ ہدایت اختیار نہ کریں۔ یعنی وہ بے وقوف بھی تھے اور ضدی بھی اور ممکن ہے کہ پہلی عبارت سے اعمال اور اس سے عقائد مراد ہوں یعنی وہ بدکار بھی تے اور گمراہ بھی یہاں تک تو موجودہ کفار کی ضد کا بیان ہوا۔ اب ایک نہایت نفیس مثال دے کر ان کی حالت کا نقشہ کھینچا جارہا ہے کہ ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق کفروا سے وہ کفار مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا اور جن کا نام عند اللہ کفار کی فہرست میں درج ہے جو میثاق کے دن نوری چھینٹے سے محروم رہے یعنی وہ جو شقی ازلی ہیں اور رب کے ہاں کافر ہو چکے ہیں یا کفروا سے نبی کے حاسد کفار مراد ہیں یعنی جو آپ کے حاسد ہو کر کافر ہوئے کیونکہ حسد کا کفر انسان کے سارے حواس معطل کر دیتا ہے اور مثل میں تشبیہ مرکب مراد ہے نہ کہ تشبیہ مفرد بالمفرد۔ ینعق نعق سے بنا۔ جس کے معنی ہیں چرواہے کی آواز جس سے جانوروں کو پکارے اور نعق نعین سے کوے کی آواز۔ نہیق حمار گدھے کی آواز۔ یہاں یا تو پہلے مثل کے بعد داعی پوشیدہ ہے یا دوسرے مثل میں تاویل ہے یعنی ان کفار کو حق کی طرف پکارنے والے کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو جانوروں کو بلائے یا ان بت پرستوں کی مثال اس کی سی ہے جو پہاڑ یا گنبد میں آواز دے۔ پھر پلٹ کر وہ حروف سن لے جس کے کوئی معنی نہ ہوں بما لا یسمع الا دعاء و نداء دعاء دعوت سے بنا جس کے معنی ہیں بلانا نداء ندی سے بنا۔ جس کے معنی ہیں تری پکارنے کو اس لئے نداء کہا جاتا ہے کہ جس کے منہ میں تری زیادہ ہو اس کی آواز بلند اور اچھی ہوتی ہے۔ دعا اور ندا میں فرق یہ ہے کہ دعا محض پکارنے کو کہتے ہیں۔ خواہ کوئی سنے یا نہ سنے۔ ندا بلند آواز کو کہا جاتا ہے جو دور سے سن بھی لے (چیخنا چلانا) یعنی جیسے کہ جانور محض آواز تو سن لیتا ہے مگر یہ نہیں سمجھتا کہ مالک کیا کہہ رہا ہے۔ ایسے ہی کفار قرآن اور وعظ کی فقط آواز سن لیتے ہیں اس کے مقصد سے بے خبر بلکہ جانور بغیر سمجھے بوجھے مالک کا اشارہ سمجھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں مگر غافل آدمی ان سے بدتر ہے کہ اللہ رسول کے حکم کی اطاعت نہیں کرتا۔ شعر

ہاں ہاں مانے تک تک مانے اور چمکارے ہوئے کھڑا
کہیں کبیر سنو بھئی سادھو تجھ مورکھ سے بیل بھلا

اسی لئے رب تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا اولئک کالانعام بل ھم اضل یا یہ بکاری ہو جانے کے الفاظ یاد کر کے استعمال

کرتے ہیں اور اپنے الفاظ خود ہی سنتے ہیں- نہ کہ بت لہٰذا صم بکم عمی فھم لا یعقلون یہ لوگ چونکہ کان' زبان اور آنکھوں کو صحیح معنی میں استعمال نہیں کرتے اور اس کے ذریعہ حق تک نہیں پہنچتے- تو گویا وہ ان سب قوتوں سے محروم ہیں بہرے بھی ہیں اور گونگے بھی اور اندھے بھی اور بے عقل بھی-

خلاصہ تفسیر : کفار کا فطری نور اس قدر بجھ چکا کہ جب ان پر توحید کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور انہیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ بجائے غور کرنے کے جہالت کا جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ داداؤں کے طریقے پر چلیں گے- کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عقلمند تھے تو کیا یہ احمق اپنے باپ داداؤں کو ہی پکڑے رہیں گے- اگرچہ وہ کیسے ہی گمراہ اور بے وقوف ہوں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی ضد سے غمگین نہ ہوں ان کو ہدایت کی طرف بلانے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ چرواہا بھیڑ بکریوں کو آواز دے کہ وہ اس کی آواز سنتی تو ہیں مگر کچھ سمجھتی نہیں- یہ ہی حال ان کا ہے کہ آپ کی آواز مبارک سن تو لیتے ہیں لیکن اس کا مقصود دل میں نہیں اتارتے کیونکہ رب کی طرف سے جو انہیں فیض لینے کی باطنی قوتیں عطا ہوئی تھیں- انہوں نے انہیں بیکار کر دیا- اب گویا یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں- اس لئے ہدایت پر نہیں آتے-

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے- پہلا فائدہ: شریعت کے مقابل باپ دادا کے رسم و رواج پکڑنا طریقہ کفار ہے- مسلمان بھی اس آیت سے عبرت پکڑیں- جنہوں نے شادی بیاہ اور مرنے جینے میں خلاف شرع رسمیں جاری کر رکھی ہیں اور سمجھانے پر بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا سے ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہے- ان تمام باتوں کے لئے ہماری کتاب "اسلامی زندگی" پڑھیں- دوسرا فائدہ: اس آیت میں ان جاہل مفسرین کو عبرت ہے جو قرآن مجید کے محض الفاظ یا ظاہری معنی تک پہنچتے ہیں اس کے مضامین اور اسرار تک نہیں پہنچ سکتے اور پھر بھی تفسیر لکھنے کی ہمت کرتے ہیں- آج کل اردو کے چند رسالے پڑھ کر بھی لوگوں نے تفسیر لکھنے کی ہمت کی- تیسرا فائدہ: جو چیز دینی کام میں نہ آئے وہ بے کار ہے اگرچہ اس سے دنیاوی صدہا کام نکلتے ہوں- دیکھو کفار اپنے آنکھ ناک کان سے دنیا کے سارے کام لیتے تھے مگر جب انہیں دین پر صرف نہ کیا تو انہیں بہرہ گونگا کہہ دیا گیا- چوتھا فائدہ: بے معنی الفاظ بے کار ہیں- الفاظ کی عظمت مضامین سے ہے- اسی طرح وعظ سن کر اثر نہ لینا بے کار ہے- کیونکہ وہ شخص اس جانور کی طرح ہے جو محض آواز سنے- پانچواں فائدہ: حسد کا کفر جو دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پیدا کر دے دل پر مہر لگ جانے کا باعث ہے- جس کے بعد قرآن کے الفاظ تو کان تک پہنچتے ہیں مگر اس کے مضامین دل تک نہیں اترتے وہ ہی دل قرآنی مضامین کے لائق ہوتا ہے- جس کا وضو محبت مصطفوی کے پانی سے ہو جاوے- چھٹا فائدہ: جاہل باپ داروں کی پیروی کرنا کفر کا سبب ہے- مگر جو باپ دادے اللہ والے ہوں- ان کی پیروی عین ایمان ہے- رب فرماتا ہے وکونوا مع الصدقین سچوں کے ساتھ رہو اور فرماتا ہے- صراط الذین انعمت علیھم-

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقلید کفار کا طریقہ ہے آج مقلدین بھی کفار کی طرح اماموں اور باپ دادوں کے راستہ پر چلتے ہیں اسی آیت میں اس کی برائی ہے (وہابی) جواب: شریعت کے مقابل ناجائز رسمیں اختیار کرنا اور کفار اور جاہل باپ دادوں کی پیروی کرنا بے شک طریقہ کفار ہے- ہمارے بزرگان مومنین بلکہ اللہ کے نیک بندے تھے- ان کی پیروی در

حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ اس تقلید کے لئے یہ آیت پڑھو کہ صراط الذین انعمت علیھم حدیث شریف میں ہے کہ مسلمانوں کے بڑے گروہ کے ساتھ رہو۔ کیونکہ شیطان بھیڑیے کی طرح جماعت سے دور رہنے والے کو شکار کرتا ہے۔ ہاں وہابیوں کے بزرگ واقعی کفار ہوں گے جن پر یہ آیت چسپاں ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس اور اجماع کی پیروی ناجائز ہے صرف اسی کی اطاعت کی جائے جو اللہ نے اتاری یعنی قرآن و حدیث۔ **جواب:** قرآن و حدیث کے خلاف قیاس و اجماع پر عمل حرام ہے وہی اس آیت کا مقصود ہے جو مسئلہ کہ ہمیں ان میں نہ ملے وہاں قیاس و اجماع پر عمل کرنا قرآن و حدیث پر ہی عمل ہے۔ رب فرماتا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار اور فرماتا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے راستے کے سوا اور راہ چلے تو نولہ ما تولی و نصلہ جھنم ہم اسے جہنم میں پہنچائیں گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن کی ہی پیروی چاہئے کیونکہ اللہ کا اتارا ہوا وہی ہے حدیث کی پیروی نہ کی جاوے کہ یہ تو خود حضور کی اپنی باتیں ہیں (چکڑالوی) **جواب:** یہ درست نہیں اگر صرف قرآن کی پیروی ہوتی تو یہاں اتبعوا القران کہہ دینا کافی ہوتا اتنی بڑی عبارت کہ ما انزل اللّٰہ فرمائی جاتی قرآن بھی رب کا اتارا ہوا اور حدیث بھی رب کی اتاری ہوئی رب فرماتا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ہماری زبان پر نفسانی 'شیطانی' رحمانی ہر طرح کی باتیں آتی ہیں مگر حضور کی زبان پر رحمانی باتیں ہی آتی ہیں وہ سب ما انزل اللہ ہے ارشاد باری ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ **چوتھا اعتراض:** اگر یہاں یہود سے خطاب ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ما انزل اللہ کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ توریت بھی ما انزل اللہ میں داخل ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس سے صرف قرآن مراد ہے یعنی جو اللہ نے حضور پر اتارا اور اگر توریت بھی مراد ہو تب بھی مطلب یہ ہو گا کہ ساری توریت کی اتباع کرو اس توریت میں یہ بھی تھا کہ نبی آخر الزمان کی پیروی کرنا۔

تفسیر صوفیانہ: میثاق کے دن ارواح کی چار صفیں تھیں۔ پہلی صف ارواح انبیاء کی۔ دوسری میں اولیاء اللہ کی روحیں۔ تیسری میں عام مسلمانوں کی ارواح۔ چوتھی میں کافروں کی ارواح۔ رب نے فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انبیاء کرام نے جمال الٰہی دیکھا اور یہ کلام بلا حجاب سنا اور عرض کیا کہ بلٰی یعنی ہاں اسی لئے وہ دنیا میں نبوت اور رسالت اور کلام الٰہی یعنی وحی کے مستحق ہوئے۔ اولیاء اللہ نے ارواح انبیاء کے حجاب سے یہ انوار دیکھے اور کلام سن کر بلٰی کہا لہٰذا وہ نبیوں کے پیرو اور الہام کے مستحق ہوئے۔ عام مسلمانوں نے یہ خطاب دو واسطوں یعنی اولیاء اور انبیاء کے ذریعے سن کر الوہیت کا اقرار کیا لہٰذا وہ دنیا میں بھی انبیاء کے امتی 'اولیاء اللہ کے مطیع بنے اور ایمان بالغیب اختیار کیا۔ انہیں تین جماعتوں کا اس آیت میں ذکر ہے کہ ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورائی حجاب او یرسل رسولا وحی والے تو پیغمبر ہوئے۔ حجاب سے سننے والے اولیاء اور جن تک پیغام پہنچا وہ عام مسلمان رہے۔ کفار انہوں نے بہت سے پردوں کے پیچھے اس خطاب کی آواز تو سنی مگر مقصد نہ سمجھا۔ ایسے ہی بلٰی کا شور سنا خود بھی بے سوچے سمجھے منہ سے بلٰی کہہ دیا۔ جب دنیا میں آئے تو سب کچھ بھول گئے دل پر کفر کا ایسا غلاف چڑھا جس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو کلام انبیاء سننے سے بہرا اور زبان کو اس بلٰی سے گونگا کر دیا۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ ان کی ہوائے نفس نے حباب کی طرح ان کا خانہ خراب کر دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

چراغ غیر ظلمت کنم کہ ہم چو حباب ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتم

انبیاء کا اثر لکڑی اور پتھر لیتے ہیں مگر کافر کے قلب نہیں لیتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ز انبیاء ناصح تر و خوش لہجہ تر! کے بود کہ رفت و مشاں در حجر

زاں چہ کوہ و سنگ در کار آمدند می شد بد بخت راکشادہ بند

چاہئے کہ میثاق کے دن کی طرح اب بھی انبیاء اور اولیاء کے تربیت میں رہو اگرچہ حجاب غفلت رب کے فضل سے اٹھتا ہے مگر اس مرض کے علاج کے لئے کسی طبیب کامل کو نبض دکھانا ضروری ہے اور وہ مرشد کامل ہے (روح البیان)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے کھاؤ تم پاکیزہ چیزوں میں سے وہ جو ہم دیں تم کو اور شکر کرو واسطے اللہ کے

اے ایمان والو! کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور اللہ کا احسان مانو

كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

اگر ہو تم اس کی عبادت کرتے۔

اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اب تک توحید و رسالت اور ان کے دلائل کا بیان ہوا مشرکین اور اہل کتاب کی گمراہی بتائی گئی۔ اب مسلمانوں کو کچھ کھانے پینے کے احکام دیئے جا رہے ہیں کہ جس طرح صحیح دلائل سے عقیدے درست ہوتے ہیں ایسے ہی صحیح غذا سے اخلاق اور جیسے کہ صحیح عقائد غذائے روح ہیں یوں ہی حلال نعمتیں جسم کی صحیح غذا نیز عقائد کے بعد غذا ایسی ضروری چیز ہے کہ اس سے نفس کا قیام ہے جس پر سارے احکام کا دارومدار۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں غذا کے متعلق کفار کی افراط و تفریط کا ذکر تھا کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھ بیٹھے۔ اب مسلمانوں کو ان کی پیروی سے روکا جا رہا ہے تاکہ وہ ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ **تیسرا تعلق:** پہلے کفار کی گمراہی بیان ہوئی کہ وہ اپنی خوراک وغیرہ ہر چیز میں رسم و رواج کی پیروی کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم اپنے ہر کام میں ہمارے تابع رہو جو ہم کھلائیں وہ کھاؤ جس سے بچائیں وہ چھوڑ دو۔

تفسیر: یایھا الذین امنوا کلوا کچھ پہلے یہی حکم عام لوگوں کو دیا گیا تھا جس کا اثر کفار نے کچھ نہ لیا اب خاص مسلمانوں سے خطاب ہے کہ اگر وہ کفار نہیں مانتے تو نہ مانیں تم تو اس پر عمل کرو چونکہ غذاؤں پر پابندی لگانا نفس پر بھاری بھی ہے اور غذا کا مسئلہ بڑا اہم بھی ہے کہ غذا و ذکل پر شرعی پابندی ہی انسان و جانوروں میں فرق کا باعث ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے اس حکم کو الذین امنوا کے خطاب سے شروع فرمایا خطاب کرکے حکم کرنا مضمون کی اہمیت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے یا اس لئے کہ وہ حکم نفس پر بھاری ہے۔ اس الذین امنوا کے خطاب میں جن و انس سارے مسلمان داخل ہیں فرشتے اس

سے خارج کیونکہ فرشتے کھانے پینے سے پاک ہیں۔ مگر جنات کے لئے طیب روزی اور ہے انسانوں کے لئے کچھ اور ان کی طیب روزی کوئلہ ہڈیاں وغیرہ ہیں جہاں **الذین امنوا** کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا حکم ہو وہاں اس خطاب میں جن' انسان' فرشتے سب ہی داخل ہیں۔ جیسے اے مومنو ہمارے نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو یا ہمارے نبی سے آگے نہ بڑھو وغیرہ وغیرہ ان احکام میں سارے مومن' انسان' جن' فرشتے سب داخل ہیں۔ خیال رہے کہ جیسے بعض غذائیں حلال بعض حرام بعض مکروہ وغیرہ ایسے ہی کھانا کبھی فرض کبھی واجب کبھی مستحب کبھی مکروہ کبھی حرام ہے۔ چنانچہ جان بچانے کے لئے کھانا پینا فرض جس پر بڑا ثواب اس قدر کھانا واجب ہے جس سے عبادات آسانی سے ادا ہو سکیں کیونکہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض یا واجب ہوتا ہے روزانہ دو وقت کھانا کھانا سنت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدا و عشاء یعنی دوپہر سے پہلے اور بعد کھانا کھایا ہے۔ جیسے مرد کے لئے ناف سے گھٹنوں تک کا جانگیہ پہننا فرض ہے باقی کرتا' تہبند' عمامہ' ٹوپی' اچکن وغیرہ پہننا سنت ہے فرض و سنت کا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ مہمان کی خاطر یا عبادات کی نیت سے کھانا مستحب روزہ اور نوافل اور تعلیم دین کے لئے مقوی غذائیں کھانا مستحب' پیٹ سے زیادہ کھانا مکروہ۔ اسی طرح نقصان دہ غذاؤں کا استعمال گناہ ہے چند کھانے میوہ کھانا جائز۔ محض لذت کے لئے کھانوں میں زیادتی کرنا مکروہ سنت یہ ہے کہ تہائی پیٹ غذا کھائے۔ تہائی پانی کے لئے خالی رکھے اور باقی سانس کے لئے یہاں لفظ کلوا میں بہت گنجائش ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ اباحت کے لئے ہے (کبیر و در مختار) **من طیبت ما رزقنکم** طیب اور حلال کا فرق ہم پچھلی آیت میں بیان کر چکے ہیں چونکہ طیب حلال کو بھی شامل ہے۔ اس لئے یہاں حلال کا ذکر نہ کیا۔ من یا تو ابتدائیہ ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں اور اگر تبعیضیہ ہو تب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی ساری طیب چیزیں نہیں کھا سکتا ان میں سے بعض ہی کھائے گا یا ہر طیب چیز کھانے میں ہی نہیں آتی بلکہ بعض کھانے میں اور بعض پینے میں اور بعض دیگر استعمالات میں یا طیب کا ہر حصہ کھانے کے قابل نہیں۔ پھلوں کا صرف گودا کھایا جاتا ہے نہ کہ چھلکا گٹھلی بکری اور گائے کے بھی گوشت کلیجی وغیرہ ہی کھانے کے قابل ہیں نہ کہ خون وغیرہ۔ اس لئے یہاں من فرمایا۔ **رزقنا** رزق سے بنا۔ جس کے معنی ہیں باقی رہنے والا عطیہ خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ کبھی حصہ نصیب تنخواہ پر بھی بولا جاتا ہے یہاں غذائیں اور لباس وغیرہ سب ہی مراد ہیں۔ بلکہ حرام کمائی بھی رزق الٰہی ہے۔ اسی لئے یہاں طیب فرمایا یعنی ہمارے عطیہ میں سے طیب یعنی حلال و پاک اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ دنیوی لذت عبادت الٰہی سے محروم کر دے گی تو ہم تمہیں ایسی تدبیر بتائیں کہ عین کھانے کی حالت میں تم رب کی عبادت میں ہی مشغول رہو وہ یہ کہ **واشکروا للہ** یہ لفظ شکر سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں پھیرنا۔ اصطلاح میں اعضاء کو اصل مقصود کی طرف پھیرنے کا نام شکر ہے۔ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان ہر نعمت کو رب کی طرف سے جانے اور اعلیٰ درجہ یہ کہ ہر نعمت پر اس کے مطابق عبادت کرے یعنی مال سے زکوٰۃ دے۔ ہاتھ پاؤں سے حج کو جائے۔ زبان سے ذکر الٰہی کرے وغیرہ اور ان کے درمیان بہت سے مراتب ہیں ادنیٰ شکر فرض ہے اس کے سوا دیگر شکر کچھ فرض کچھ مستحب یعنی تم عادتوں کو عبادت بنالو اور رب کی نعمت کا شکر کرتے ہوئے کھاؤ۔ **ان کنتم ایاہ تعبدون۔** اگر تم اسی کے عابد ہو۔ یا تو یہ ان' لو کے معنی میں ہے اور کلوا کی علت جیسے **فاتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین** میں یعنی چونکہ تم اس کے عبادت گزار ہو۔ لہٰذا اس کا دیا ہوا رزق بھی کھاؤ۔ آقا نوکروں کو کھلایا ہی کرتے ہیں اور یا شرط کے معنی میں ہے اور اس کی جزا یا تو کلوا ہے یا پوشیدہ یعنی اگر تم رب کے عابد ہو تو طیبات ہی کھاؤ نہ کہ خبیث چیزیں۔ ورنہ

تمہاری عبادت قبول نہ ہوگی یا اگر تم اس کے پجاری ہو تو نفس کشی اور فقر و فاقہ اور خشک خوری میں عبادت کو محدود نہ جانو بلکہ ہم کبھی تمہارے فاقہ سے راضی ہیں اور کبھی کھلا کر تم ہماری رضا کے لئے رمضان وغیرہ میں فاقہ کیا کرو اور اس کے ماسوا شکر کرتے ہوئے نعمتیں بھی کھایا کرو تاکہ تم شاکر بھی ہو اور صابر بھی۔

خلاصہ تفسیر : چونکہ جسمانی غذاؤں سے جسم کی بقاء ہے اور روح کا ارتقاء کہ حلال غذا سے دل میں جلا پیدا ہوتی ہے جیسے حرام غذا سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے نماز و روزہ کی طرح حلال غذا کا بھی حکم دیا کہ فرمایا۔ اے مسلمانوں خدا کی محبت اور ایمان کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ تم لذیذ کھانوں اور اچھی نعمتوں سے ایکدم محروم ہو جاؤ بلکہ تقاضاء ایمان یہ ہے کہ ہر چیز کی حکمت پیدائش سمجھو اور تقاضائے محبت یہ ہے کہ محبوب جو عطا کرے اسے بخوشی استعمال میں لاؤ۔ معشوق کے ہاتھ کی کڑوی چیز بھی میٹھی کی طرح کھائی جاتی ہے پس ہم تم سے کہتے ہیں کہ ہماری دی ہوئی حلال پاک اور لذیذ چیزیں شوق سے کھاؤ خواہ وہ مہنگی ہی ہوں ہاں خطرہ بد ہضمی کا ہے اس کے لئے شکر کا چورن تمہیں بتایا جاتا ہے کہ ہر نعمت پر رب کا شکر بھی کرتے رہو۔ تاکہ تمہارا کھانا پینا بھی عبادت ہو جائے۔ اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ اس کے حکم کی اطاعت کرو کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دین   خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اگر رب طمع سے راضی ہے تو قناعت کرنا گناہ ہے۔ علماء کے ہاں طیب رزق وہ ہے جو نہ خود برا ہو نہ برے ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو جو کھانا خود برا ہے وہ حرام ہے جیسے سور یا کتے کا گوشت اور جو خود تو برا نہ تھا مگر برے ذریعے سے حاصل کیا گیا وہ خبیث ہے جیسے بکری کا گوشت جو سود یا چوری یا رشوت کے پیسہ سے خریدا گیا کہ یہ حرام تو نہیں مگر خبیث ہے لہٰذا ایک بکری کا گوشت ایک خریدار کے لئے طیب ہے دوسرے کے لئے خبیث۔ رب نے طیب فرما کر بہت سی چیزیں ارشاد فرمادیں چونکہ انسان کا رتبہ زیادہ ہے کہ اسے اشرف الخلق فرمایا گیا **ولقد کرمنا بنی ادم** اور جتنا رتبہ زیادہ اتنی ہی پابندی زیادہ عام آدمی کھانے پینے چلنے پھرنے بولنے میں آزاد ہوتے ہیں مگر حکام و بادشاہ بہت محتاط زندگی رکھتے ہیں۔ جس سڑک سے گزریں وہ پہلے سے مقرر ہوتی ہے جہاں باقاعدہ پہرا وغیرہ ہوتا ہے۔ ان کی باتیں بلکہ اوائیں ملک ملک کے اخباروں میں چھپتی ہیں ان کا کھانا پینا ٹیسٹ ہوتا ہے پھر وہ کھاتے ہیں تاکہ دشمن نے زہر نہ ملا دیا ہو اے انسان تو تمام مخلوق کا سردار ہے تیری ہر ادا پر پابندی ہے تو ٹیسٹ کر کے کھا پی اور کلام کر کہیں شیطان تیری غذا میں حرام کا زہر نہ ملا دے جو لوگ ان قیدوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں وہ در حقیقت انسانیت سے گر کر جانور بننا چاہتے ہیں تفسیر عزیزی نے حضرت زید ابن علی ابن حسین رضی اللہ عنہم سے نقل کیا کہ تین قسم کے کھانے میں تکلف کا قیامت میں حساب نہ ہوگا۔ مہمان کے واسطے اگرچہ خود بھی اس سے کھائے۔ اور سحری و افطار کے لئے اگرچہ خود ہی روزہ دار ہو اور بیمار کے لئے جب کہ وہ لذیذ غذا سے رغبت کرتا ہو۔ صحابہ کرام بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات لذیذ نعمتیں کھانا ثابت ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مسلمانوں کی بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت ہے کہ جس چیز کا جن الفاظ میں پیغمبروں کو حکم دیا اس چیز کا مسلمانوں کو دوسری جگہ حکم فرمایا **یا ایھا الرسل کلوا من الطیبت و اعملوا**

صالحا- **دوسرا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ اپنی چال درمیانی رکھے نہ تو لذیذ نعمتوں سے ایک دم پرہیز کرے اور نہ اس کا عادی ہو جائے- اسی لئے یہاں **کلوا** کے ساتھ **من** فرمایا تاکہ ہر حالت میں خوش رہے- **تیسرا فائدہ:** حرام بھی خدا کا رزق ہے ورنہ حرام خور انسان کے حق میں خدا رازق نہ ہوتا- خنزیر اور سود و رشوت کا مال کھانے والا بھی خدا کا رزق ہی کھاتا ہے مگر چونکہ اس کی بے اجازت کھایا لہذا گنہگار ہے اسی لئے یہاں **ما رزقنا** میں **طیبت** کی قید لگائی- **چوتھا فائدہ:** رب کی نعمتوں کا شکر واجب ہے اسی لئے یہاں کھانے کے ساتھ شکر کا ذکر کیا- **پانچواں فائدہ:** مومن کا کھانا پینا بلکہ ہر دنیوی کام عبادت ہے کیونکہ وہ سب کچھ رضائے الٰہی کے لئے کرتا ہے یہ سمجھنا کہ صرف ترک دنیا ہی عبادت ہے غلطی ہے- اسی لئے روایت میں آیا کہ مسلمان کا کچھ دیر کے لئے بہ نیت اعتکاف مسجد میں بیٹھنا اس کے لئے ترک دنیا ہے- **چھٹا فائدہ:** رازق رب ہی ہے خواہ کسی ذریعہ سے دے باقی اس کی عطا کے دروازے ہیں لہذا حقیقی شکر رب ہی کا کرنا چاہئے- ظاہری شکریہ مخلوق کا بھی جیسا کہ رزقنا اور **واشکروا للہ** سے معلوم ہوا- **ساتواں فائدہ:** ہم گزشتہ آیت میں یہ عرض کر چکے کہ بہترین کمائی جہاد ہے پھر تجارت پھر کھیتی باڑی پھر ہنر یہاں اتنا اور معلوم کر لو کہ پیشوں میں بھی ترتیب ہے کہ بعض بعض سے اعلیٰ ہیں- جن پیشوں سے دین یا دنیا کی بقاء ہے وہ دوسروں سے افضل- چنانچہ کتابت سب سے افضل پیشہ کہ اس سے قرآن و حدیث اور سارے دینی علوم کی بقاء ہے- پھر آٹے کی پسائی اور چاول وغیرہ کی صاف کرائی کیونکہ اس سے نفس انسانی باقی رہتا ہے پھر روئی دھنا کاتنا کپڑا بننا وغیرہ کیونکہ اس سے ستر پوشی ہے پھر درزی گری وغیرہ کہ اس کا بھی وہی فائدہ ہے- پھر روشنی کا سامان بنانا کہ اس کے ذریعہ روشنی ہے پھر معماری' اینٹ سازی چونہ وغیرہ کی تیاری کہ اس سے شہر کی آبادی ہے- رہی زرگری' نقاشی' کارچوبی' حلوا سازی' عطر کا پیشہ یہ نہ ناجائز ہیں اور نہ ان کا کوئی خاص درجہ کیونکہ یہ فقط زینت کے سامان ہیں- معتر اور بے مروتی کے پیشے مکروہ جیسے غلہ کا روکنا- مردہ کا غسل اور کفن سینے کا پیشہ اور دلالی اور وکالت وغیرہ- ہاں بوقت ضرورت ان میں حرج نہیں بشرطیکہ حرام باتوں سے بچے علمائے حنفیہ نے امامت' اذان' خدمت مسجد' علم دین کی تعلیم پر بھی اجرت لینے کو مکروہ فرماتے تھے- متاخرین نے دینی ضرورت دیکھ کر اسے بلا کراہت جائز جانا مگر جس کو اللہ دنیوی وسعت دے وہ اب بھی ان کی اجرت سے بچے تو بہتر ہے اور فی سبیل اللہ یہ خدمت انجام دے- ناجائز پیشے حرام ہیں- جیسے ناچنے گانے شکرے وغیرہ سے کھیلنا' جھوٹی گواہی وغیرہ کے پیشے (تفسیر عزیزی)- یہ سب چیزیں من طیبت سے حاصل ہیں- **آٹھواں فائدہ:** طیب غذا سے انسان بھی طیب بن جاتا ہے اور خبیث غذا سے انسان بھی خبیث ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بزرگوں کا جھوٹا کھانا یا ان کی دی ہوئی معمولی روٹی تبرک بن جاتی ہے- جس سے انسان نورانی ہو جاتا ہے حضور کی کلی کے پانی سے حقانہ کی زمین مسجد کے لئے موزوں ہو گئی- حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا پانی اور حضرت اسماعیل کے پاؤں کا دھوون آب زمزم لوگوں کے لئے شفا ہے- حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی شفاء ہوئی-

تفسیر صوفیانہ : جانور بھی کھاتے ہیں اور کفار و مومنین بھی- مگر ان میں چند طرح فرق ہے- اس لئے ان کا کھانا باعث ثواب نہیں اور مومن کی غذا عبادت جانور اور کفار کا کھانا نفسانی خواہش سے اور مومن کا کھانا رب کے حکم سے- اسی لئے یہاں **کلوا** فرمایا- جانور و کفار کا کھانا دوسرے ہم جنسوں کی دیکھا دیکھی مومن کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھا دیکھی جانور و کفار

کا کھانا دنیوی کاروبار کے لئے مومن کا کھانا عبادت غفار کے لئے۔ جانور و کفار کا کھانا اغیار کے لئے۔ مومن کا کھانا یار کے لئے یعنی جانور کھا کر مالک کا کام کاج کریں۔ کافر کھائے رب کا اور گائے سب کا۔ مگر مومن جس کا کھائے اسی رب کا گائے اسی کا شکر بجا لائے اسی لئے **یا یھا الناس کلوا** کے بعد **یا یھا الذین امنوا کلوا** فرمایا گیا۔ اور یہاں شکر و عبادت کا ذکر بھی کیا گیا۔ مومن کی یہ شان ہے کہ محبوب جو کھلائے۔ جب کھلائے۔ جتنا کھلائے۔ جیسے کھلائے ویسے ہی کھائے بلکہ جب وہ کھلاتا ہے تو کھاتے ہیں۔ جب پلاتا ہے تو پیتے ہیں۔ جب بلواتا ہے تو بول لیتے ہیں۔ اگر وہ پیارا فاقہ سے راضی ہے تو ہزار سیری اس پر قربان اور اگر سیری میں اس کی رضا ہے تو ہزار فاقے اس پر نثار صوفیاء کے ہاں طیب رزق وہ ہے جو نہ خود برا ہو نہ اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ برا نہ اس کے استعمال کا مقصد برا مجرم یا کفار کا کھانا پینا خبیث ہے کہ اگرچہ وہ حلال ذریعہ سے ہی کھائیں کہ ان کا مقصد نفسانی ہے مومن کی حلال روزی طیب ہے کہ اس کا مقصد رحمانی ہے طیب روزی اللہ کی رحمت ہے۔ خبیث روزی رب کا عذاب پھانسی کے ملزم کو جیل میں اچھی غذا دی جاتی ہے مگر وہ غذا عذاب ہے سرکاری نوکر بھی اسی ہی سے کھاتے ہیں مگر وہ ان کے لئے رحمت صوفیاء فرماتے ہیں۔ طیب و خبیث ہر چیز میں ہے ماں کی گود طیب بھی ہے خبیث بھی۔ بچے کی پرورش طیب بھی ہے خبیث بھی سونا جاگنا طیب بھی ہے خبیث بھی بلکہ جینا مرنا طیب بھی ہے خبیث بھی **کلوا من طیبات** میں جسمانی روحانی جنانی تمام روزیوں کا ذکر ہے کہ طیب روزی کھاؤ۔ طیب پیٹ کے بچے جن کی پرورش طیب ہو۔ ان کی زندگی بھی طیب ہوتی ہے اور موت بھی طیب۔ رب فرماتا ہے **ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ**۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ
اس نے یہی تو تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جو ذبح کیا گیا
اس کے سوا نہیں کہ حرام کیا اوپر تمہارے مردار اور خون اور گوشت سور کا اور وہ جو ذبح کیا گیا
لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
اس کر واسطے غیر خدا کے۔ پس جو کوئی مجبور ہو نہ خواہش کرنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا
ذبح کیا گیا۔ تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾
بس نہیں ہے گناہ اوپر اس کے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو پاک اور حلال چیزیں کھانے کا حکم ہوا۔ اب حرام چیزوں سے بچنے کا فرمان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں طیبات کھانے کا ذکر تھا جن کی تفصیل بہت دشوار تھی۔ اب حرام چیزوں کا ذکر ہے تاکہ اس سے حلال کا پتہ لگ جائے کہ ان کے سوا سب حلال۔ **تیسرا**

تعلق: پچھلی آیتوں میں غذا کے متعلق مشرکین کی غلطی اور مومنین کی درستی کا ذکر تھا کہ مشرکین نہ کھانے کی چیز کھا جاتے اور کھانے کی چیز سے بچتے ہیں اور مومنین اس کے برعکس ہیں۔ اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر: **انما حرم علیکم** ۔ انما حصر کے لئے ہے۔ جس کی تحقیق انشاء اللہ سوال و جواب میں کی جائے گی۔ **حرم** کلمہ حرم ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں محرومی یا باز رہنا۔ بزرگ چیزوں کو محترم اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کی بے ادبی سے باز رہنا چاہئے زمین مکہ کو حرم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہاں شکار وغیرہ سے باز رہنا پڑتا ہے۔ ناجائز چیزوں کو حرام کہنے کی یہی وجہ ہے کہ ان کے استعمال سے باز رکھا گیا۔ غرضیکہ لفظ حرام ایک ہے لیکن اگر اس کی نسبت کعبہ یا مسجد کی طرف ہو تو یہ لفظ عزت کا ہے اور اگر کتے بلے کی طرف ہو تو یہ لفظ اہانت کا دیکھو لفظ بشر جب یہ نبی کی صفت ہو تو اس کے معنی ہیں اللہ کی ہاتھ کی بنائی ہوئی صنعت **لما خلقت بیدی**۔ اگر ہماری صفت ہو تو معنی ہیں ظاہری بشرہ والی چیز۔ جب کفار کی صفت ہو تو معنی ہوں گے شر والی چیز۔ شر خیر کے مقابل غرضیکہ ایک لفظ کے معانی منسوب الیہ سے ہوتے ہیں۔ اگرچہ لفظ حرم مطلق ہے مگر گزشتہ کلوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کھانے کی حرمت مراد ہے کیونکہ مردار وغیرہ کا کھانا ہی حرام ہے باقی کھال بال پٹھہ وغیرہ استعمال میں آسکتا ہے۔ اس کی چربی وغیرہ سے روشنی کرنا لکڑی میں ملنا جائز ہے۔ علیکم میں یا تو مسلمانوں ہی سے خطاب ہے یعنی اے مسلمانو اگرچہ کفار بھی تمہاری طرح انسان ہیں مگر تم اس پاک محبوب کی پاکیزہ امت ہو تمہاری غذا بھی پاکیزہ چاہئے۔ بلبل پھول چوس کر جیتی

ہے گندگی کا کیڑا گندگی کھا کر۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام عالم پر نہ کر ہے جدا تعمیر میں قوم رسول ہاشمی

جو مسلمان کفار کو دیکھ کر سود جوا سینما کی خواہش کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے بلبل پلیدی کھائے کافر سود لے کر جیے گا۔ مومن زکوۃ دے کر زندہ رہے گا اور یا سارے انسانوں سے۔ کیونکہ صحیح یہی ہے کہ کفار احکام کے مخاطب ہیں کہ آخرت میں انہیں اس کا بھی عذاب ہو گا۔ یعنی اے لوگو تم پر صرف یہی چیزیں حرام کی گئی ہیں **المیتۃ**۔ میت سے اور میتۃ۔ موت سے بنا۔ لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ میتۃ بے کار مردہ کو کہا جاتا ہے اور میت فائدہ مند کو۔ اسی لئے مومن مردہ کو میت کہتے ہیں۔ نیز جو جسم کٹ کر مرے وہ مقتول ہے اور جو اس کے بغیر مرے وہ میت یا میتہ گویا میت مردہ اور میتہ مردار۔ اصطلاح شریعت میں میتہ وہ جانور ہے جو قتل و ذبح ہو۔ مگر بغیر ذبح شرعی اس کی جان نکل جائے۔ لہذا مری ہوئی مچھلی اور ٹڈی اور شکاری جانور جو تیر یا کتے سے مر جائے میتہ نہیں کیونکہ اول دونوں تو قابل ذبح تھیں ہی نہیں اور یہ شکار ذبح شرعی سے مرا اور جو جانور گلا گھونٹ کر یا لاٹھی' پتھر' ڈھیلے' غلے' بندوق کی گولی سے مرا یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ سے یا کسی درندے سے ہلاک ہوا یا اپنی موت مر او وہ سب میتہ ہیں۔ اسی طرح زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا گیا یا کسی کو سوا حلق کے اور جگہ زخم کر کے مار آیا یا الٹی طرف سے ذبح کیا گیا اور وہ رگیں کٹنے سے پہلے مر گیا تو وہ بھی مردار ہے **والدم** یہاں دم سے بہتا ہوا خون مراد ہے کیونکہ تلی اور کلیجی بھی اگرچہ خون ہیں مگر جمے ہوئے۔ مگر جو بہتا ہوا خون باہر آکر جم جائے وہ بھی حرام۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا۔ **اودما مسفوحا ولحم الخنزیر**۔ سور حرام بعینہ ہے کہ اس کا کوئی جز کسی کام میں نہیں آسکتا ہاں ضرورۃ اس کے بال سے کھال سینا جائز ہے (تفسیر احمدی)۔ مگر یہاں گوشت خاص طور پر اسی لئے بیان کیا گیا کہ وہی اصل مقصود ہے۔ جب گوشت ہی حرام ہو

گیا تو ہڈی وغیرہ دیگر چیزیں خود بخود حرام ہوگئیں۔ **وما اھل بہ لغیر اللہ۔ اھل۔ ھلال** سے بنا۔ جس کے لفظی معنی پہلی یا دوسری تاریخ کا چاند۔ اس کا مصدر ہے **اھلال** یعنی چاند دکھانا۔ چونکہ اس وقت شور مچتا ہے کہ چاند وہ ہے اس مناسبت سے ہر پکارنے کو **اھلال** کہہ دیتے ہیں بچے کی چیخ کو بھی اسی لئے استھلال اور احرام کو اھلال کہا جاتا ہے مگر عرف میں ذبح کرنے کے وقت کی آواز کو اھلال بولا جاتا ہے۔ وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں (1) عبد اللہ ابن عباس (2) مجاہد (3) ضحاک (4) قتادہ رضی اللہ عنہم نے یہ ہی معنی بیان کئے۔ عام مفسرین جیسے (1) بیضاوی (2) جلالین (3) خازن (4) لباب التاویل (5) مدارک (6) احمدی (7) تفسیر ابو السعود وغیرھم نے بھی یہ ہی معنی کئے یعنی جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔ فقہا بھی یہ ہی فرماتے ہیں چنانچہ شامی باب الذبح میں ہے کہ ذبح کے وقت کا اعتبار ہے۔ اس زمانہ میں بعض مفسرین نے یہاں **اھل** کے معنی مطلقاً "پکارنا" کئے اور کہا کہ جس جانور پر زندگی میں بھی غیر خدا کا نام پکارا جائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو۔ مگر یہ تفسیر عقلاً" و نقلاً" غلط ہے۔ نقلاً" تو اس لئے کہ عام مفسرین و صحابہ کرام کی تفسیر کے خلاف ہے۔ دیکھو درمنثور اور کبیر و روح البیان وغیرہ عقلاً" اس لئے کہ اس صورت میں آیت کا مقصود ہی بدل جائے گا۔ کیونکہ یہ مشرکین کے رد میں آئی ہے اور اب ان کی تائید کرے گی۔ مشرکین سمجھتے تھے کہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام ہو جاتے ہیں اس آیت نے ان کی تردید کی کہ نہیں تم جھوٹے ہو وہ حلال ہیں۔ اب اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہاں تم سچے ہو واقعی وہ حرام ہیں نیز اس صورت میں کوئی چیز حلال نہ رہے گی۔ زید کا غلہ عمر کی روٹی بکر کے باغ کے پھل وغیرہ کیونکہ یہاں ماہیں جانور کی قید نہیں نیز اس صورت میں کوئی ذبیحہ بھی حلال نہ ہوگا۔ زید کی گائے عمر کی بکری عقیقہ کا دنبہ سب ہی میں غیر اللہ کا نام پکارا گیا یہ سب حرام ٹھہرے اسی لئے ان مفسرین کو دو قیدیں اپنی جیب سے نکال کر لگانی پڑیں گی۔ ایک ماہیں جانور کی قید اور **اھل** میں تقرب کی نیت مگر قرآن میں گھر کی قید نہیں لگ سکتی۔ اگر **اھل** کے معنی ذبح ہوں تو آیت بلا تکلف درست ہے۔ نیز اس تفسیر پر لازم آئے گا کہ ہندوؤں کے سانڈ اور کفار عرب کے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام ہوں۔ یہ قرآن کریم اور عام مفسرین کے فرمان کے خلاف ہے۔ رب نے فرمایا **ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب** جس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کا حرام جاننا کفار کا فریب ہے۔ پھر صاف فرمایا کہ **کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوت الشیطن** جس سے معلوم ہوا کہ یہ جانور حلال ہیں۔ انہیں حرام جاننا شیطان کی پیروی ہے۔ اس آیت ما جعل اللہ کی تفسیر میں تفسیر فتح البیان اور نووی شرح مسلم میں ہے کہ کفار کے حرام جاننے سے یہ جانور حرام نہ ہوگئے۔ ان آیات میں ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے۔ حضرت سعد نے اپنی والدہ کے نام پر کنواں کھدوایا اور فرمایا ہذہ لام سعد یہ کنواں سعد کی ماں کے نام پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور کے سامنے فرماتے **اللھم ھذہ لامۃ محمد** خدایا یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ کوئی شخص مسجد عشاء میں دو رکعت نفل پڑھ کر کہے ھذہ لابی ہریرۃ "الٰہی یہ نماز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کی ہے غرضیکہ بہت احادیث سے ایصال ثواب کا ثبوت ہے۔ جس میں کھانے وغیرہ کی نسبت دوسرے کی طرف ہوتی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ تفسیر کی جاوے تو ان تمام کے خلاف ہو جاوے گی۔ تفسیر احمدی میں اس آیت "اھل بہ" کی تفسیر میں ہے کہ جو گائے اولیاء کے لئے نذر کی گئی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے وہ حلال طیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت اس پر خدا کا ہی نام لیا جاتا ہے عالمگیری باب

للذبح ہے کہ مجوسی نے آگ کے لئے یا کافر نے بتوں کے لئے جانور پالا اور مسلمان سے ذبح کرایا۔ اس نے اللہ کے نام پر ذبح کر دیا وہ حلال ہے غرضیکہ یہ تفسیر قرآن و حدیث و اقوال مفسرین و فقہاء سب ہی کے خلاف ہے اس لئے محض باطل۔ تفسیر اول ہی صحیح ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اسی جگہ بہت اینچ پینچ کے بعد یہ مان لیا کہ واقعی اس آیت سے اس جانور کی حرمت ثابت نہیں بلکہ سکوت ہے۔ وللہ الحمد' اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔ اس زمانہ کے بعض جہلاء نے تو غضب کر دیا کہ ما اہل کو بہت ہی عام کر دیا کہنے لگے کہ روپیہ' پیسہ' شیرینی وغیرہ جو چیز بھی خدا کے سواء کسی کی نذر کسی کے نام پر ہو حرام ہے وہ ما سے مراد جانور یا غیر جانور سب ہی چیزیں لیتے ہیں یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے لطف یہ ہے کہ یہ حضرات گیارہویں کی شیرینی' میلاد شریف کے کھانے کو تو اس آیت سے حرام بتاتے ہیں مگر ہولی دیوالی کی پوری کچوری' ولیمہ کا کھانا حلال مانتے ہیں (فتاویٰ رشیدیہ) اس صورت میں تو غضب ہو جاوے گا اگر قصائی ذبح کے لئے بکریاں لے جا رہا ہے۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ سب بکریاں حضور غوث پاک کے نام کی ہیں تو سب حرام ہو گئیں (نعوذ باللہ) **فمن اضطر** یہ لفظ ضر سے بنا۔ جس کے معنی ہیں تنگی اور ضرورت بھی اسی سے ہے۔ اس کا مصدر ہے اضطرار۔ یعنی مجبور یا حاجت مند ہو جانا یا تنگی میں پھنس جانا۔ شرعاً" اس کی تین صورتیں ہیں۔ (1) بھوک یا پیاس سے جان نکل رہی ہے کوئی حلال چیز موجود نہیں (2) کوئی شخص حرام کھانے پر مجبور کر رہا ہے اور نہ کھانے پر قتل کئے ڈالتا ہے۔ (3) سخت بیمار کو قابل طبیب نے مشورہ دیا کہ تم بجز فلاں حرام دوا کے کسی چیز سے بچ نہیں سکتے۔ ان تینوں صورتوں میں حرام کا استعمال منع نہیں۔ پہلی دو میں تو واجب ہے کہ نہ کھائے تو گنہگار مرے گا۔ دوا میں جائز کیونکہ علاج کرنا ہی فرض نہیں' چہ جائیکہ حرام دوا سے کیونکہ دوا کا صحت دینا یقینی نہیں **غیر باغ ولا عاد**۔ باغی یا تو بغی سے بنا یعنی خواہش یا بغاوۃ سے یعنی زیادتی۔ یہاں دونوں درست ہیں یعنی لذت کا خواہشمند نہ ہو۔ یا دوسرے بھوکے پر زیادتی نہ کرے کہ خود کھا جائے اور اسے مرنے دے (روح البیان) عاد۔ عدو سے بنا حد سے بڑھنا) یعنی حد ضرورت سے نہ بڑھے۔ اگر ایک لقمہ سے جان بچتی ہو تو دوسرا نہ کھائے۔ جو کوئی بصورت مجبوری حرام استعمال کرے تو **فلا اثم علیہ** اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ضرورتیں حرام کو حلال کر دیتی ہیں اس لئے کہ **ان اللہ غفور رحیم**۔ غفور۔ غفر سے بنا جس کے معنی ہیں چھپانا چھلکے کو اسی لئے غفر کہتے ہیں کہ اس سے گودا ڈھکا ہوتا ہے۔ رب بھی گناہوں کو چھپانے والا ہے اسی لئے غفار ہے یعنی اللہ گناہ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تم بے وقوف کفار کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے حلال طیب چیزیں مزے سے کھاؤ۔ تم پر ہم نے حسب ذیل چیزیں حرام فرمائی ہیں ان سے بچنا باقی سب کچھ کھانا (1) مردار (2) بہتا ہوا خون (3) سور کے اجزاء خصوصاً" گوشت اور وہ جانور جسے غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس میں بھی تمہارے واسطے یہ آسانی ہے کہ جو کسی مصیبت میں پھنسے کہ اس کی جان پر بن جائے تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت انہیں کھا لے ہاں مزے کے لئے یا ضرورت سے زیادہ ہرگز استعمال نہ کرے اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔ بندوں کے لئے اس نے بہت آسانی فرما دی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا کہ یا تو رب کا نام لیا ہی نہ گیا یا رب کے ساتھ بطریق عطف دوسرے کا نام بھی لیا گیا وہ حرام ہے۔ جیسے بسم اللہ و محمد رسول اللہ۔ اگر بغیر عطف کے ملایا

گیاتو جائز ہے مگر مکروہ جیسے بسم اللہ محمد رسول اللہ اور اگر ذبح سے پہلے یا بعد کسی کا نام لیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں (تفسیر احمدی) دوسرا فائدہ: جو جانور عقیقے ولیمہ میلاد شریف فاتحہ بزرگان کی نیت سے پالا جائے وہ حلال و طیب ہے (تفسیر احمدی) تیسرا فائدہ: چیزوں میں مباح ہونا اصل ہے یعنی جس کو شریعت حرام نہ کرے وہ حلال ہے کیونکہ رب نے حرام چیزوں کا ذکر کیا نہ کہ حلال کا کیونکہ وہ تو حلال ہیں ہی (تفسیر احمدی)

مسئلہ: کل حرام جانور یہ ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ کتا بلی گدھا وغیرہ سب حرام ہیں عالمگیری میں اس کی پہچان کا عجیب قاعدہ بیان کیا۔ وہ یہ کہ جانور دو قسم کے ہیں۔ دریائی اور خشکی کے۔ دریائی سب حرام سوائے مچھلی کے۔ خشکی والے پھر دو طرح کے ہیں۔ پرندے اور چرندے یعنی ہوائی اور زمینی پرندے پھر دو قسم کے ہیں ایک خون والے ایک بے خون۔ بغیر خون سب حرام سوائے ٹڈی کے۔ خون والے جو پنجے سے پکڑ کر چیز کھائیں وہ حرام باقی حلال۔ زمینی جانور بھی دو طرح کے ہیں۔ خون والے اور بے خون بے خون سب حرام۔ خون والے کیڑے مکوڑے (سانپ بچھو) اور جو کیل والے ہوں۔ جیسے کتا بلی وغیرہ وہ حرام باقی سب حلال۔ اس قاعدہ سے صرف تین جانور خارج ہیں۔ اونٹ گھوڑا اور طوطا۔ مسئلہ: حلال جانوروں کے یہ اعضاء حرام ہیں۔ خون پتہ مثانہ نر کا ذکر مادہ کی فرج دبر غدود اور تلی و گردہ حضور کو ناپسند تھے۔ ایسے ہی اوجڑی وغیرہ۔ بکری کا گوشت و سینہ زیادہ پسند تھا۔ مسئلہ: تین صورتوں میں خدا کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور بھی حرام ہے۔ ایک یہ کہ ذبح کرنے والا مشرک یا مرتد یا دہریہ ہو۔ ذبیحہ صرف مسلمان یا اہل کتاب ہی کا درست ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کسی تھان پر بھینٹ چڑھانے کی نیت سے بسم اللہ سے ذبح کرے یہ حرام ہے رب فرماتا ہے **وما ذبح علی النصب۔** تیسرے وہ جو بادشاہ کی آمد پر لوگ اس سے تقرب و پرستش کے لئے قربانیاں دیں کہ اگرچہ بسم اللہ سے ذبح کریں تب بھی حرام ہے۔

پہلا اعتراض: **انما** حصر کے لئے ہے تو چاہئے کہ سوا ان چار جانوروں کے اور کوئی حرام نہ ہو حالانکہ خود قرآن کریم نے دوسری آیت میں اور بھی جانور جیسے گر کے مرنے والا۔ درندے کا کھایا ہوا وغیرہ حرام کیا اور حدیث نے تو بے شمار جانوروں سے ممانعت فرمادی ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس آیت کے تمام جانور سوال میتہ میں داخل ہیں اور **انما** یا تو فقط اس وقت کے لئے تھا۔ دیگر چیزیں بعد میں حرام ہوئیں یا بلاواسطہ حرمت کے لئے یعنی رب نے تو یہ ہی چیزیں حرام فرمائیں باقی اس کے رسول نے حرام کیں۔ اسی لئے ارشاد ہوا **ویحرم علیهم الخبٰئث** یعنی وہ رسول ان پر خبیث چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دینی اہم چیزیں جیسے نماز زکوٰۃ حرام حلال وغیرہ میں بہت اختصار بلکہ نہایت اجمال فرمایا تاکہ مسلمان قرآن پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو جاویں۔ بلکہ ہر قدم پر ان کے محتاج رہیں دیکھو حرام چیزیں جن کے بیان پر دین و دنیا کا انتظام قائم ہے۔ کل چار بیان کیں اور لاکھوں حرام چیزیں حضور نے بتائیں۔ پھر ان چار میں بھی ایسا اجمال رکھا کہ بغیر حضور کے بتائے یہ بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حتیٰ کہ سور کا صرف گوشت حرام کیا۔ چربی کلیجی گردے وغیرہ حضور نے حرام فرمائے۔ دنیا میں کوئی شخص اہل قرآن ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ حدیث ماننے پر ایسا مجبور ہو گا جیسے کھانا کھانے والا پانی کا حاجتمند ہوتا ہے یا حصر کفار کے لحاظ سے ہے کہ اے مشرکو! تم نے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام مان لئے حالانکہ رب نے انہیں حرام نہ فرمایا بلکہ صرف انہیں۔ دوسرا اعتراض: عجیب لطف ہے کہ خدا کا مارا ہوا جانور تو حرام ہو یعنی مردار اور انسان کا مارا ہوا یعنی

ذبیحہ حلال (ستیارتھ پرکاش) جواب: ہر جانور خدا کا ہی پیدا ہوا ہے۔ موت اور زندگی اسی کے قبضہ میں ہے۔ مقصود صرف یہ
ہے کہ جس کا گندہ خون خدا کے نام پر نکال دیا جائے وہ حلال ہے۔ باقی حرام۔ تیسرا اعتراض: خدا نے مفید جانور بنا کر پھر کیوں
ذبح کراویئے ان کا قصور کیا تھا (ستیارتھ پرکاش) جواب: ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے اور ایک کی موت دوسرے کا ذریعہ زندگی
ہے۔ پنڈت جی ترکاریوں وغیرہ سب میں جان ہے تم انہیں کاٹ کر کیوں کھا جاتے ہو۔ نیز جانوروں کی کھال کے جوتے کیوں پہنتے
ہو۔ ہوا میں صدہا باریک کیڑے ہیں۔ جنہیں تم سانس لے کر مار ڈالتے ہو تم نے پیدا ہو کر اپنی ماں کا خون یعنی دودھ کیوں پیا۔ اگر
جیو ہتیا (قتل جاندار)۔ بری چیز ہے تو مہربانی کر کے سانس لینا اور پانی پینا چھوڑ دو تاکہ جلدی بیکنٹ کو سدھارو۔ دنیا تم سے پاک
ہے۔ چوتھا اعتراض: تو چاہیئے کہ سارے جانور کھایا کرو کیونکہ سب خدا کی مخلوق ہیں۔ بعض پر مہربانی کیوں کرتے ہو (آریہ)
جواب: پنڈت جی ساری عورتیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ پھر بیوی کا کام اپنی ماں بہن سے کیوں نہیں لیتے۔ یہ فرق کیسا۔ رب کی
مخلوق خالق کی اجازت پر خرچ کی جائے گی۔ بری غذا کا اثر کھانے والے کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ اس لئے وہ حرام کی گئیں مثلاً سور
بے غیرت جانور ہے کہ اپنی مادہ کے لئے نر خود تلاش کرتا ہے۔ سور خور قومیں یعنی ٹھاکر و عیسائی وغیرہ کیسی بے غیرت ہیں۔ اسی
طرح بعض جانور کے گوشت تندرستی بگاڑنے والے ہیں۔ انہیں بھی شریعت نے حرام فرمایا۔ پانچواں اعتراض: شاہ
عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں اس جگہ فرمایا کہ **اھل** کے معنی مطلق پکارنا ہیں۔ اس سے ذبح مراد لینا خلاف لغت ہے
لہٰذا اولیاء کے نام پر پالے ہوئے جانور حرام ہیں۔ جواب: شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں سخت غلطی کر گئے۔ **اھل** کے
عرفی معنی بوقت ذبح آواز دینا ہیں۔ وہ ہی یہاں مراد۔ جیسے صلوۃ کے لغوی معنی مطلق دعا ہیں مگر عرفی معنی نماز اور یہ ہی معنی
اقیموا الصلوۃ میں مراد شاہ صاحب کی وجہ سے قرآنی آیات اور اقوال صحابہ کرام کی مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ ملا احمد جیون
نے تفسیر احمدی میں اس کے جواز کی تصریح بھی فرما دی۔ وہ شاہ صاحب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ چھٹا اعتراض: فقہاء فرماتے
ہیں کہ بادشاہ کے آنے پر جو تقرب کی نیت سے جانور ذبح کئے جائیں۔ اگرچہ بسم اللہ کہہ کر ہوں تب بھی حرام ہیں۔ اس سے
معلوم ہوا کہ محل ذبح کی آواز بھی معتبر ہے۔ جواب: یہ دوسرا مسئلہ ہے یہ وہ صورت ہے کہ جہاں گوشت مقصود نہ ہو۔
صرف کسی کے نام پر خون بہانے کا مقصد ہو یعنی بھینٹ جیسے قربانی اور عقیقہ میں ہوتا ہے۔ یہ بھینٹ غیر خدا کی عبادت ہے اس
لئے حرام بلکہ کفر ہے۔ اس سے فاتحہ بزرگان کو کوئی نسبت نہیں۔ اسی لئے تفسیر روح البیان پارہ چھ آیت ما اھل بہ کی تفسیر میں
اور نووی شرح مسلم کتاب الاضاحی کے اخیر میں فرمایا کہ امام رافعی فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ کی آمد کی خوشی میں جانور ذبح کئے جائیں
تو حلال۔ جیسے بچے کی آمد کی خوشی میں عقیقہ کا جانور۔ اسی لئے تمام فقہاء نے حرمت میں تقرب کی قید لگائی۔ یعنی عبادت غیر
خدا۔ ساتواں اعتراض: گیارھویں والے جانور کا بدلہ گوارا نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ جناب غوث کا تقرب ہی
کرتے ہیں لہٰذا یہ جانور حرام (تفسیر عزیزی و مولوی اشرف علی) جواب: نہ بدلنا عبادت کیسے بن گیا۔ یہ محض اہتمام کے لئے
ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جانور خوب پال کر فربہ کیا ہے۔ دوسرا گوشت ایسا نہ ہو گا اس لئے ایسا نہیں کرتے۔ عام مسلمان فاتحہ
کے برتن بھی نہیں بدلتے محض اہتمام کے لئے اور اگر وہ لوگ تبدیلی ناجائز بھی سمجھتے ہوں تو یہ ایک غلطی ہے مگر یہ فعل غیر کی
عبادت کیسے ہو گیا۔ اس کے عبادت ہونے کے لئے آیت قرآنی یا حدیث پیش کرو۔ آٹھواں اعتراض: **فلا اثم علیہ**

سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کھانا محض جائز ہے نہ کہ واجب۔ تم نے بعض صورتوں میں واجب بھی کہا۔
جواب: اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم غلطی سے ایک آدھ لقمہ ضرورت سے زیادہ بھی کھا گئے ہو تو گناہ نہیں۔ کیونکہ بھوک کے وقت صحیح اندازہ مشکل ہوتا ہے۔ نواں اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ حرام میں شفا نہیں پھر تم نے من اضطر میں حرام دوائیں کیوں داخل کیں۔ جواب: حکیم حاذق کے فرمانے پر حرام چیز حرام ہی نہیں رہتی بلکہ حلال بن جاتی ہے۔ حلال میں شفا ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینہ والوں کو علاج کے لئے اونٹ کے پیشاب پینے کا حکم دیا۔ جب حلال دوا ممکن ہو تو حرام میں شفا نہیں۔ کیونکہ اب وہ حرام ہے۔ دسواں اعتراض: سور کے سارے اجزاء ایسے حرام ہیں کہ انہیں کھانے کے سوا دوسرے کام میں بھی نہیں لا سکتے۔ پھر وہاں گوشت کی قید کیوں لگادی کہ لحم الخنزیر مردار وغیرہ کے اجزاء کھانے کے سوا اور کام میں آسکتے ہیں وہاں گوشت کی قید کیوں نہ لگائی اور مردار و سور کو یکساں طریقہ سے کیوں حرام نہ فرمایا۔
جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ عالمانہ جواب تو یہ ہے کہ مردار۔ نطیحہ۔ متردیہ وغیرہ حرام بعینہٖ نہیں بلکہ مردار ہو جانے چھت سے گر کر مرنے وغیرہ سے حرام ہو گئے۔ بذات خود حلال تھے اور سور بذات خود حرام ہے کسی عارضہ کی وجہ سے نہیں تو ان جانوروں میں علت حرمت بیان کرنے کے لئے میتہ متردیہ کے الفاظ سے کہا اور سور کے گوشت کو بذات خود نام لے کر حرام فرمایا اور جب اس کا گوشت ہی حرام ہوا تو باقی اجزاء بھی حرام ہو گئے۔ وجہ فرق یہ ہے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ رب کا مقصود منشاء یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز میں حضور انور سے بے نیاز نہ ہو۔ سور جیسی حرام چیز میں بھی صرف گوشت کا ذکر فرمایا باقی اجزاء کی تحریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ فرمادی ان کے متعلق ارشاد فرمایا ویحرم علیھم الخبٰئث ہمارے محبوب لوگوں پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ شرعاً یہ ظاہری چیزیں حرام ہیں۔ ایسے ہی طریقت میں باطنی خباثت بھی حرام چنانچہ دنیا مردار ہے جیسا کہ روایت میں آیا کہ دنیا مردار اس کے طالب کتے۔ طالب مولیٰ پر اس سے بچنا لازم۔ شیطانی خواہش دم یعنی خون ہیں جیسا کہ روایت میں ہے کہ شیطان انسان کے خون کے ساتھ دورہ کرتا ہے۔ نفس خنزیر اور اس کے برے عقیدے اس خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ مثل سور کے حریص اور اس کا ظاہر و باطن نجس ہے۔ ریاوالی عبادات ما اھل بہ لغیر اللہ ہیں کہ یہ غیر خدا کی نیت سے کی گئیں۔ مردان خدا پر یہ سب چیزیں حرام۔ اگر نفسانی یا شرعی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے کچھ دنیا حاصل کی جائے یا غیر خدا سے تعلقات رکھے جائیں بشرطیکہ حرص دنیا اور خلط حرام سے خالی ہوں اور حد قناعت سے آگے نہ بڑھے تو گناہ نہیں۔ رب تعالیٰ اپنی رحمت سے ان سب کو دین بنادے گا مگر ان مذکورہ شرائط کی پابندی لازم ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لفظ غیر معنی سواء بھی آتا ہے۔ معنی اجنبی بھی اور معنی دشمن بھی۔ جیسے مسجد، مکہ معظمہ، مدینہ پاک، کعبہ معظمہ کی زمین رب کی خاص اپنی ہیں۔ بازار وغیرہ کی زمین گویا اجنبی، بت خانہ کوڑی وغیرہ کی زمین گویا دشمنی والی زمین ہے ایسے ہی بعض بندے اللہ کے اپنے ہیں۔ جیسے انبیاء و اولیاء بعض رب سے اجنبی جیسے عام غافل لوگ بعض رب کے دشمن جیسے کفار بت، ابلیس وغیرہ رب فرماتا ہے اولئک حزب الشیطٰن جیسے ہر چیز دشمنان خدا کی طرف کوئی چیز منسوب ہو کر ناقص ہو جاتی ہے ایسے ہی محبوبان خدا کی طرف نسبت سے درجہ میں بڑھ جاتی ہے۔ دیکھو گنگا کا پانی مردود ہے آب زمزم محبوب۔ خیال رہے کہ جان رکھنا بڑی عبادت ہے کہ ساری عبادات اسی پر موقوف ہیں۔ لہٰذا جب جان کا مقابلہ احکام سے ہو گا تو احکام نرم کر دیئے جائیں

گے حتی کہ مردار کھانا بھی درست ہوگا مگر جب مقابلہ ایمان سے ہو تو جان قربان کردی جاوے گی کیونکہ ایمان جان سے اعلیٰ ہے کہ جان فانی ہے ایمان باقی اور ہمیشہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ جمادات نباتات پر قربان کہ کھیت کے لئے زمین کو درہم برہم کردیا جاتا ہے اور نباتات حیوانات پر نثار۔ انسان پر قربان تو چاہئے کہ انسان بھی اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو۔ صدیق اکبر نے حضور کی نیند پر جان قربان کردی۔ کہ سانپ کاٹتا رہا مگر جنبش نہ کی اس میں اسی قربانی کی تعلیم ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا
تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو اتارا اللہ نے کتاب سے اور خریدتے ہیں بدلے اس کے قیمت تھوڑی
وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اتاری کتاب اور اس کے بدلے ذلیل قیمت لے لیتے ہیں۔
قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ
یہ لوگ ہیں کہ نہیں کھاتے بیچ پیٹوں اپنے کے مگر آگ اور نہ بات کرے گا اللہ ان سے
وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات
اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾
دن قیامت کے اور نہ پاک کریگا ان کو اور واسطے ان کے عذاب دردناک
نہ کرے گا اور نہ انہیں ستھرا کرے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ان محرمات کا ذکر تھا جو براہ راست رب نے حرام فرمائیں۔ اب ان محرمات کا ذکر ہے جو خود بندے کی نالائق حرکت سے حرام ہوئیں ورنہ اصل میں حلال تھیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان حرام چیزوں کا ذکر تھا جو اللہ کے حق سے حرام ہیں۔ اب ان مالوں کا ذکر ہے جو انسانی حق کی وجہ سے حرام ہیں یعنی رشوت کا پیسہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان محرمات کا ذکر تھا جن کی حرمت عام ہے۔ اب وہ محرمات بیان ہو رہے ہیں۔ جن کی حرمت بعض کے لئے ہے نہ کہ کل کے لئے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بعض حرام چیزوں کا ذکر تھا۔ اب بعض حرام کاموں کا ذکر ہے۔ یعنی حق چھپانا۔

شان نزول : علمائے یہود نے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے نام شریف اور آپ کی صفات کو لوگوں میں خوب مشہور کیا تھا اور کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان ہم ہی میں سے ہوں گے۔ لوگ اس لئے انہیں نذرانے دیتے تھے اور ان کی خدمتیں کرتے تھے کہ یہ بزرگ جماعت ہے اور نبی آخر الزمان کے ہم قوم۔ حضور انور کی برکت سے پہلے بھی لوگوں کی

عیب پوشی ہوتی تھی اور روزیاں ملتی تھیں - اب بھی ہو رہی ہے - آج علماء مشائخ سید حضور کی نسبت سے پل رہے ہیں جب آپ قبیلہ بنی اسمٰعیل میں تشریف لائے تو ان کو اپنے نذرانے بند ہونے کا اندیشہ ہوا۔ لہٰذا انہوں نے حضور کی ان صفتوں کو بدل دیا جو توریت میں تھیں اور کہا نبی آخر الزمان یہ نہیں ہیں وہ ابھی آنے والے ہیں - ہم میں ہی سے آئیں گے تاکہ لوگوں کو ان کا انتظار باقی رہے اور ان کے نذرانے بند نہ ہو جائیں - ان کے حق میں یہ آیت اتری (درمنثور) غرضیکہ یہ لوگ پہلے بھی حضور کے نام پر کھاتے تھے اور بعد میں بھی مگر پہلے دوست بن کر بعد میں دشمن ہو کر اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو سید نہیں مگر اپنے کو سید کہتے ہیں کہ یہ کام ان یہود کا سا ہے جو اپنے کو حضور کا ہم قوم کہتے تھے وہ بھی عبرت پکڑیں جو حضور کے نام پر پلیں اور حضور کی نعت چھپائیں۔

تفسیر: **ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتب** یہ اگرچہ خاص علماء یہود کے بارے میں آئی مگر الذین میں ایسی حرکت کرنے والے سارے ہی داخل ہیں خواہ عیسائی و یہودی ہوں یا مسلمان کہلانے والے علماء - چونکہ آئندہ زمانے میں ایسے لوگ بھی پیدا ہونے والے تھے جو حضور کے اوصاف چھپانے بلکہ انکار کرنے کو دین کی بڑی خدمت سمجھیں گے - اس لئے اس مضمون کو **ان** سے شروع فرمایا گیا۔ **یکتمون** کتم سے بنا - جس کے معنی ہیں چھپانا - اس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں - **ما انزل اللہ** بھی عام ہے - عقائد حضور کی نعت شریف شرعی احکام جو بھی اظہار کے لئے اتارے گئے - ان کا چھپانا حرام ہے - **انزل** کے لفظ میں اشارہ ہے کہ تصوف کے اسرار اور علمی باریکیوں کا ظاہر کرنا ضروری نہیں بلکہ نااہل سے چھپانا واجب ہے - اسی لئے ساتھ ہی **من الکتب** بھی فرما دیا - جس سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے - احکام چھپانے کی تین صورتیں ہیں - (1) کسی مسئلہ شرعی کی ضرورت درپیش ہو اور عالم اس کے بتانے سے انکار کرے (2) عالم دین دنیوی لالچ سے امیروں کی صحبت اختیار کرے اور ان کے عیوب اور گناہوں کو باطل تاویلوں سے صحیح کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس ذریعہ سے روپیہ ہاتھ آئے (3) قرآن و حدیث کی وہ تاویل کرے جو عقائد اسلامی کے خلاف ہو اور جو سلف صالحین و صحابہ کرام کے مسلک کے مخالف ہو - ان تینوں کا ایک ہی حکم ہے مگر یہ تیسری زیادہ سخت ہے اس کو تحریف بھی کہتے ہیں یعنی جو لوگ اللہ کی اتاری کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ **ویشترون بہ ثمنا قلیلا** بہ کی ضمیر یا تو یکتمون کے مصدر کتمان یا اس کے مفعول بکتوم یا ما کی طرف لوٹتی ہے - دنیوی مال آخرت کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے - جیسے قیمت سامان حاصل کرنے کا وسیلہ غیر مقصود اس لئے اسے ثمن فرمایا گیا - ثمن یعنی قیمت اگر سامان خریدنے کا ذریعہ ہے تو اس کی عزت ہے - ورنہ بیکار دیکھو نوٹ نہ کھانے میں آئے نہ پینے میں نہ اوڑھنے بچھانے میں مگر اس لئے پیارا ہے کہ یہ سامان ملنے کا ذریعہ ہے اگر نوٹ کا چلن بند ہو جائے تو بیکار ہے یوں ہی دنیا قیمت ہے رضاء الٰہی لقاء مصطفائی جنت وغیرہ اصل سامان کی اگر دنیا ان چیزوں کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو تو اس کی عزت ہے جیسے حضرت عثمان غنی کی دنیا اور اگر نفس کے لئے ہو کہ اسے آخرت کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا جاوے تو بیکار - لیکن اگر دین کے عوض دنیا خریدی جاوے تو زہر قاتل ہے - جیسے یزیدیوں کی دنیا ان یہود و نصاریٰ نے یہ تیسرا جرم کیا کہ دین کے عوض دنیا خریدی جس پر یہ عتاب آئے - اور یہ کتنی بھی زیادہ ہو مگر آخرت کے مقابل بہت حقیر و ذلیل اور تھوڑی ہے - تمام دنیا جنت کی بکری کے ایک موتی کی قیمت نہیں ہو سکتی - نیز دنیا سے نفع چند سال تک لیا جا سکتا ہے مگر آخرت کا

نفع دائمی۔ فانی چیز قلیل ہے باقی کثیر لہذا آخرت خریدنے کی کوشش کرو رب سے جب مانگو ایمان پر خاتمہ اس کی رضاء عشق جناب مصطفیٰ مانگو۔

ذرہ عشق نبی از حق طلب — سوز صدیق و علی از حق طلب

اس لئے اسے قلیل بھی کہا گیا۔ یشترون سے ان کی حماقت کا بیان ہے یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ دنیا سے آخرت خریدتے مگر یہ بے وقوف اصل پونجی (آخرت) کے عوض تھوڑی قیمت یعنی دنیا خریدتے ہیں۔ لہذا **اولئک ما یاکلون فی بطونهم الا النار** یہ لوگ اپنے پیٹ میں مال نہیں بلکہ آگ بھر رہے ہیں یا تو یاکلون بمعنی حال ہے یا بمعنی مستقبل یعنی فی الحال آگ ہی کھا رہے ہیں کہ حرام کھانا پیٹ میں پہنچ کر آگ کا کام کرتا ہے کہ دل کا سوز' عشق' اخلاص' آنکھ کے آنسو قبولیت دعا وغیرہ کو ایسے جلا ڈالتا ہے جیسے آگ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ زہر و شہد پیٹ میں جا کر مختلف اثر دکھاتے ہیں۔ ایسے ہی حرام و حلال روزی کی تاثیریں الگ الگ ظاہر ہوتی ہیں یا چونکہ یہ مال آخر کار آگ کھلائے گا۔ اس لئے اسے آگ کہا گیا۔ دنیا کے نیک اعمال آخرت ہی میں لذیذ میوے' دودھ' شہد بن کر سامنے آئیں گے اور یہاں کے برے اعمال دوزخ کے سانپ' بچھو' آگ بن کر عذاب دیں گے۔ جیسے یہاں بعض غذائیں پیٹ میں جا کر کیڑے گینڈے بن جاتی ہیں۔ یا آئندہ جہنم میں انگارے کھائیں گے۔ بطون کہہ کر یہ بتایا کہ تہائی پیٹ نہ کھائیں گے بلکہ خوب پیٹ بھر کر اور یہ بھی نہ ہو گا کہ مسلمانوں کی طرح جہنم میں کچھ روز رہ کر گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں بلکہ **ولا یکلمهم الله یوم القیمة** قیامت کے دن رب ان سے کلام بھی نہ فرمائے گا تو اس سے بلاواسطہ کلام کرنا مراد ہے۔ یا محبت و کرم کا کلام یعنی آج تو رب ظاہر طور پر کسی سے کلام نہیں فرماتا۔ مگر قیامت کا دن عدل و انصاف کا دن ہو گا ہر نیک و بد رب کا کلام سنے گا جیسے کچہری میں مجرم بھی جج سے کلام کر لیتا ہے مگر احکام چھپانے والے بدنصیب اس دن بھی اس محبوب کے کلام سننے سے محروم رہیں گے اور آتش فراق میں جلیں گے۔ وہاں ہر شخص کے دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہو گی۔ پھر رب کے دیدار و کلام سے محرومی سخت عذاب ہو گی مومن کے لئے سب سے بڑی نعمت اللہ کا کلام سننا اس کا جمال دیکھنا ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی **ولا یزکیهم** یہ لفظ تزکیہ سے بنا جس کے معنی ہیں پاک کرنا یا صفائی بیان کرنا اور تعریف کرنا یعنی گنہگار مومنین کو رب تعالیٰ کچھ روز آگ میں رکھ کر پاک کر دے گا مگر انہیں کبھی پاک نہ فرمائے گا کہ یہ میرے نیک بندے ہیں مگر ان کی کبھی تعریف نہ کرے گا کیونکہ انہوں نے پاک کرنے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کی ٹھانی جو یہاں رحمت کے پانی سے پاک ہے وہ ہی وہاں اس کی مہربانی سے پاک ہو گا اور اس کے ساتھ ہی **ولهم عذاب الیم** انہیں ہر وقت ہر طرف سے ہر طرح کا دردناک عذاب ہو گا کیونکہ انہوں نے اپنے سرمایہ نجات کو برباد کر لیا۔

خلاصہ تفسیر: مسلمانوں حرام گوشت تو مصیبت اور سخت بھوک کی حالت میں مباح بھی ہو جاتے ہیں ایک حرام چیز وہ بھی ہے جو کبھی کسی حال میں حلال نہیں ہوتی۔ وہ کیا' رشوت کا پیسہ' غصب کردہ رشوت جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ نے کتاب میں جو احکام اتارے جن کا پھیلانا اور ظاہر کرنا مقصود تھا تاکہ لوگ اس کے ذریعہ ہدایت پائیں جو عالم اور راہب کہ انہیں چھپاتے ہیں اور اس کے عوض کچھ دنیوی مال عزت سرداری حاصل کرتے ہیں جو کہ ثمن قلیل ہے۔ یاد رکھو کہ ایسے لوگ روٹی نہیں کھاتے بلکہ پیٹ بھر کر آگ کھاتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے دنیا میں لوگوں کو رب کے کلام سے محروم

رکھا۔ اسی لئے انہیں قیامت کے دن رب اپنے کلام سے محروم رکھے گا اور وہ چونکہ دنیا میں کلام الٰہی بولنے سے بچے لہٰذا آخرت میں کلام ربانی سننے سے محروم رہیں گے نہ انہیں رب تعالیٰ کبھی گناہوں سے پاک و صاف فرمائے گا اور نہ ان کی تعریف ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: شرعی ضروری احکام کا چھپانا حرام ہے اور بدلنا کفر اور بلا وجہ غلط تاویلیں کرنا بے دینی ہے۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ فرمایا کہ بغیر نذرانہ لئے مسئلہ نہ بتانا بھی اسی میں داخل ہے اور وہ نذرانہ کا پیسہ مردار اور خنزیر سے بدتر ہے۔ دوسرا فائدہ: مسئلہ کی تحریر یا کہیں جاکر بتانے کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ جانے اور لکھنے کی اجرت ہے نہ کہ مسئلہ کی جیسے کہ قرآن پاک کی تجارت کہ یہ مسائل کی قیمت نہیں بلکہ کاغذ وغیرہ کی ہے۔ تیسرا فائدہ: رشوت لینا حرام ہے رشوت وہ مال ہے جو فرض منصبی کے عوض لیا جائے یعنی جو کام بغیر معاوضہ ضروری تھا وہ معاوضہ لے کر کرے۔ قاضی پر انصاف واجب ہے اگر وہ اس پر روپیہ لے تو رشوت خور ہے اور کچھ لے کر ظلم کرے تو ظالم خونخوار لہٰذا عالم یا شیخ کا نذرانہ' ماں باپ کی خدمت ایک دوسرے کا ہدیہ رشوت نہیں کہ یہ کسی واجب کام کا بدلہ نہیں ہدیہ' نذرانہ' صدقہ' رشوت ان سب میں فرق نہایت ضروری ہے۔ چوتھا فائدہ: گنہگار مومن پلید کپڑے کی طرح ہے اور کافر پاخانہ کی مثل کہ وہ دھل کر پاک ہو سکتا ہے مگر یہ خود تو پاک نہ ہو گا پانی کو بھی گندا کر دے گا۔ پانچواں فائدہ: گنہگار مومن اور کافر دونوں جہنم میں جائیں گے مگر مختلف حیثیت سے وہ تو پاک و صاف ہونے کے لئے اور یہ ہمیشہ جلنے کے لئے جیسے کوئلہ اور سونا دونوں بھٹی میں جاتے ہیں۔ کوئلہ وہاں رہنے کے لئے سونا پاک و صاف ہو کر نکلنے کے لئے۔ اسی لئے کافروں کو وہاں ہیشگی ہوگی نہ کہ گنہگار مسلمانوں کو یوں سمجھو کہ یہ نار لقاء یار کا ذریعہ ہے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ انہیں پاک نہ کرے گا اور دردناک عذاب کافروں ہی کو ہو گا نہ کہ مسلمانوں کو۔ چھٹا فائدہ: شریعت و طریقت کے اسرار اور وہ غیر ضروری مسائل جن سے فتنہ اٹھے ان سب کا چھپانا ضروری ہے۔ اسی لئے ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے دو علم پائے۔ ایک تو تم میں پھیلا دیا دوسرا اگر پھیلاؤں تو قتل کر دیا جاؤں۔ خود حضور نے فرمایا کہ نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسا سور کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالنے والا۔ ساتواں فائدہ: یہ چاروں عذاب یعنی اپنے پیٹ میں صرف آگ کھانا' قیامت میں اللہ کا کلام نہ فرمانا' انہیں پاک نہ کرنا' ان کے لئے دردناک عذاب ہونا صرف کفار کے لئے ہے۔ مسلمان ۔ منہ تعالیٰ اگرچہ گنہگار ہو مگر ان سے محفوظ ہے اگر مسلمان حرام روزی بھی کھاتا ہے تو پیٹ بھر آگ نہیں کھاتا۔ درستی عقیدہ کی وجہ سے اس کے دل میں نور بھی ہے نیز قیامت میں رب تعالیٰ آخر اس سے کلام کرے گا۔ نیز اللہ نے مسلمانوں کے لئے پاکی جسم کے لئے ظاہری پانی بھی پیدا کیا ہے اور باطنی پانی عبادات کا بھی پیدا فرمایا اور آخرت میں یا شفاعت کے پانی سے یا کچھ روز دوزخ کی آگ سے اسے پاک کر کے آخر کار جنت میں پہنچا دیا جاوے گا اور اگرچہ گنہگار مسلمان کو عذاب ہو جاوے مگر دردناک عذاب نہ ہو گا۔ کافر کے عذاب سے چند طرح اس کے عذاب میں فرق ہو گا۔ ایک یہ کہ دوزخ کی آگ اس کے دل و دماغ اور اعضاء وضو کو نہ جلائے گی۔ کفار کے ظاہر و باطن بالکل جلائے گی۔ رب فرماتا ہے تطلع علی الا فئدۃ دوسرے یہ کہ مومن کو یاس نہ ہوگی۔ ہر وقت اللہ کی رحمت اور حضور کی شفاعت کی آس لگی رہے گی یاس صرف کفار کو ہوگی۔ تیسرے یہ کہ مومن کو دوزخ میں خلود و ہیشگی نہ ہوگی آخر کار وہاں سے نکل جاوے

گا کفار کو وہاں ہیشگی ہے۔ چوتھے یہ کہ مومن کی رسوائی نہ ہوگی۔ اس طرح اسے عذاب دیا جاوے گا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کفار کی رسوائی بھی ہوگی ان وجوہ سے مومن کلعذاب الیم یعنی ایسا دردناک نہ ہوگا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے احکام چھپانا منع ہیں تو کیا حدیث و فقہ کے مسائل چھپانا جائز ہیں۔ جواب: وہ بھی در حقیقت کتاب اللہ کے ہی مسائل ہیں ان کا اظہار بھی واجب نیز چونکہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں آئی اور وہ کتاب الہی ہی چھپاتے تھے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔ دوسرا اعتراض: پیٹ میں ہی کھایا جاتا ہے پھر یہاں فی بطونہم فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب: کبھی کھانا مجازی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سردی گرمی کھانا غصہ کھانا اس احتمال سے بچنے کے لئے یہ فرمایا گیا نیز دنیا میں پیٹ کے بعض حصہ میں کھانا بعض میں پانی بعض میں ہوا رہتی ہے۔ یہاں فی بطون کہہ کر یہ بتایا کہ سارے حصہ میں آگ ہی ہوگی۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے قیامت کے دن رب کلام نہ فرمائے گا۔ دوسری آیت میں ہے لنسئلنھم اجمعین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام سب سے ہوگا ان میں مطابقت کیسے؟ جواب: یا تو یہاں بلاواسطہ کلام مراد ہے اور وہاں فرشتوں کے ذریعہ یعنی جو کچھ کہنا سننا ہو گا فرشتے کہیں گے یا یہاں کلام محبت مراد ہے اور وہاں کلام غضب۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ ظاہری اعضاء کا تعلق باطنی اعضاء سے ہے اور ان کا روح سے ایسے ہی اس ظاہری پیٹ کا تعلق باطنی شکم سے ہے۔ باطنی شکم ہی حقیقی پیٹ ہے اور ظاہری اس کا غلاف یا کھال (عزیزی) جیسے کہ نقصان دہ کھانے پیٹ میں پہنچ کر جسم میں آگ پھونک دیتے ہیں اور قسم قسم کی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی حرام غذائیں حقیقی پیٹ میں جا کر حرص، ہوس، شہوت اور غصہ کی آگ بھڑکا دیتی ہیں اور نیکیوں کو اس طرح جلا ڈالتی ہیں۔ جیسے دنیوی آگ خشک لکڑیوں کو لہٰذا یہ کھانے حقیقت میں آگ ہی ہیں۔ اکثر گناہ حرام غذا سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حرام غذا نافرمانی رب کی آگ بھڑکاتی ہے۔ حلال اور تقویٰ کی غذا اطاعت الہی کا جذبہ پیدا کرتی گناہوں کو جلاتی ہے۔ تقویٰ اور طہارت کی غذا دل میں محبت کی آگ بھڑکاتی ہے۔ جس سے قلب، قالب، روح سب روشن ہو جاتے ہیں اور غیر اللہ جل کر راکھ بن کر اڑ جاتے ہیں۔ اس سے نفس کی صفائی، ایمان میں روشنی، اعمال میں چمک، نیت کی سچائی، اخلاق کی پاکیزگی، دل میں شجاعت، چہرے پر نور، رضائے رب غفور حاصل ہوتی ہے۔ سیدنا علی اور خالد ابن ولید وغیرہما بادام پستہ پراٹھے نہ کھاتے تھے ان کی یہ طاقتیں تقویٰ کی خشک روٹیوں سے تھیں۔ اس غذا سے سیدنا علی اسد اللہ ہوئے اور حضرت خالد سیف اللہ۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ کمال طاقت حیدری تو نہاں ہے نان شعیر میں

حکایت : کسی نے شیخ ابو مدین سے شیطان کی شکایت کی کہ وہ ہمیں بہت پریشان کرتا ہے۔ آپ نے شیطان سے اس کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ ان لوگوں نے میری دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میں نے ان کے دین پر قابو کر لیا۔ یہ میری دنیا چھوڑ دیں۔ میں ان کا دین چھوڑ دوں گا۔ جس نے دین کے عوض دنیا لی وہ بڑا بے وقوف تاجر ہے (تفسیر روح البیان)۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلہ ہدایت کے اور عذاب کو بدلہ بخشش کے پس کس

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی اور بخشش کے بدلے عذاب تو کس درجہ

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ

نے صبر دلایا ان کو اوپر آگ کے۔ یہ اس لئے ہے کہ تحقیق اللہ نے اتارا کتاب کو ساتھ حق کے

اور نہیں آگ کا سہارا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ اتاری اور بیشک

الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

اور تحقیق وہ جنہوں نے اختلاف کیا بیچ کتاب کے البتہ بیچ مخالفت دور کی میں ہیں۔

وہ لوگ جو کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے وہ ضرور پرلے سرے جھگڑالو ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں علمائے اہل کتاب کے اخروی عذاب کا ذکر کیا گیا۔ اب دنیوی و اخروی دونوں عذابوں کا بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں علمائے اہل کتاب کی سخت سزاؤں کا ذکر تھا اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اتنی سخت سزا اس لئے ہے کہ ان کا جرم بھی بڑا بھاری ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حسی محرمات کا ذکر تھا یعنی حرام جانور اور رشوت کا پیسہ اب معنوی حرام کا بیان ہے جو کہ اس سے بدتر ہے یعنی ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا۔

تفسیر : **اولئک الذین اشتروا الضللة بالهدیٰ** اولئک سے ان یہود عالموں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے آیات الٰہیہ چھپائیں۔ اشتریٰ کے لفظی معنی خریدنا ہیں۔ مگر یہاں کسی کے عوض دوسری شے اختیار کرنا مراد ہے۔ ضلالۃ ہر گمراہی کو کہہ سکتے ہیں مگر یہاں بڑی گمراہی یعنی کفر مراد ہے۔ ایسے ہی ہدایت سے بڑی ہدایت یعنی ایمان مقصود دنیا میں بھٹکنے والے دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر میں پہنچ جائیں بھٹک کر۔ یہ لوگ تکلیف تو اٹھاتے ہیں مگر مرتے نہیں۔ دوسرے وہ جو صحرائے عرب میں بھٹک کر ریگستان میں پھنس جائیں یہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بھٹک کر گناہ کر لینے والا بھی ضلالۃ میں ہے مگر ہلاک نہ ہو گا لیکن بھٹک کر کافر ہو جانے والا ہلاکت میں ہے۔ یہاں ضلالت فرما کر اسی جانب اشارہ ہے کہ ان علماء یہود کی گمراہی مہلک ہے کہ عقائد کی گمراہی ہے یعنی ان کے سامنے ہدایت' گمراہی دونوں راستے تھے مگر انہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی اختیار کی۔ یہ نہ سمجھو کہ ان کا معاملہ یہیں ختم ہو گیا بلکہ **والعذاب بالمغفرة** عذاب کا مادہ عذب اور مغفرت کا غفر ہے۔ جس کے معنی پہلے بیان ہو چکے یعنی انہوں نے مغفرت کے مقابلے عذاب کو اختیار کر لیا کہ اگر نبی آخر الزمان پر ایمان لے آتے تو ان کی گزشتہ بدکاریاں معاف کر دی جاتیں۔ مگر اس حرکت سے گزشتہ عذاب تو باقی رہا۔ نئے عذاب کے بھی مستحق ہو گئے۔ **فما اصبرهم علی النار**' ما تعجب کا ہے استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے۔ **اصبر**' صبر سے بنا جس

کے لفظی معنی ہیں اپنے کو روک رکھنا۔ مگر بعض وقت جرات اور ہمت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ حضرت قتادہ نے یہ ہی معنی مراد لئے (درمنثور) یعنی کس چیز نے ان کو گناہوں پر دلیر کر دیا جو آگ کا ذریعہ ہیں یا یہ لوگ آگ پر کیسے صابر ہیں کہ جانتے ہیں کہ یہ بدکاریاں جہنم میں لے جانے والی ہیں۔ پھر بھی بے دھڑک کئے جا رہے ہیں۔ **ذلک بان اللہ نزل الکتب بالحق** ذلک سے یا تو گزشتہ عذاب کی طرف اشارہ ہے یا ان کے آیات کتاب چھپانے کی طرف یا گمراہی خریدنے کی طرف یا ان کی ہمت اور جرات کی طرف اور **بان** سے اس کی وجہ بیان ہوئی۔ الکتب سے یا تو قرآن شریف یا توریت یا ساری آسمانی کتابیں مراد ہیں یعنی ان کلیہ عذاب یا گمراہی یا جرات اس وجہ سے ہے کہ رب نے تو یہ قرآن یا توریت شریف یا ساری آسمانی کتابیں حق کے ساتھ اتاری تھیں۔ چاہیے تھا کہ یہ اسے مان لیتے اور گزشتہ کتابوں کو ظاہر کرتے مگر انہوں نے اس کتاب کا تو انکار کیا اور ان کتابوں کو چھپایا۔ جس وجہ سے یہ اس عذاب کے مستحق ہوئے اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہو اور حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باالحق کی با الصاق کے لئے ہو یعنی ہم نے قرآن شریف کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ملی ہوئی اور لازم اتاری جیسے آفتاب سے اس کی روشنی لازم اور آگ سے گرمی کہ جہاں قرآن ہو گا وہاں وہ محبوب اور جہاں محبوب ہوں گے وہاں قرآن۔ خیال رہے کہ اگر حضور کو حبیب اللہ مانا جاوے تو قرآن بھی کلام اللہ ہو گا۔ غرضیکہ قرآن اپنے لانے والے سے ملحق ہے۔ دیکھو حضور انور عربی تھے تو قرآن بھی عربی ہوا اور جب حضور مکی تھے تو اس وقت کی آیات مکی ہوئیں اور جب حضور مدنی ہو گئے تو آیات بھی مدنی ہوئیں۔

ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

وان الذین اختلفوا فی الکتب۔ **اختلفوا** کا مادہ خلف ہے جس کے معنی ہیں پیچھے ہونا۔ اس کی زیادہ تحقیق ہم واختلاف الیل کی تفسیر میں کر چکے۔ یہاں پیچھے پڑ جانا' رد کرنا' مخالفت کرنا' متحقق ہونا' سب ہی معنی ہو سکتے ہیں اور کتاب سے یا قرآن شریف یا توریت یا ساری آسمانی کتابیں مراد ہیں یعنی جنہوں نے قرآن یا توریت کے احکام کی مخالفت کی کہ قرآن کا انکار کیا اور توریت کو چھپایا یا جنہوں نے قرآن کریم کے بارے میں مختلف کیا۔ کہ بعض کو ظاہر کیا اور بعض کو چھپا لیا۔ بلکہ بدل دیا یا جنہوں نے قرآن پاک کی تردید کی یا جنہوں نے توریت میں اختلاف کیا کہ بعض کو ظاہر کیا اور بعض کو چھپایا بلکہ بدل دیا یا جنہوں نے کتاب توریت میں اختلاف ڈالا کہ اپنا کلام اس میں ملا دیا جس سے وہ ساری کلام الہٰی نہ رہی بلکہ انسانی اور ربانی کلاموں کا مجموعہ بن گئی وہ **لفی شقاق بعید'** شقاق' شق سے بنا جس کے معنی ہیں کروٹ یا جانب چونکہ مخالفت میں ہر ایک مخالف دوسرے کے جانب مقابل میں رہتا ہے۔ اس لئے اسے شقاق کہتے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق پہلے کی جا چکی پھر مخالفت اور جھگڑا بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک قابل صلح دوسرا ناقابل صلح جھگڑے کو شقاق بعید کہا جاتا ہے۔ یعنی صلح سے دور یا پرلے سرے کا جھگڑا ایسا ہر ایک مخالف دوسرے سے دور۔ یہاں یا تو حضور علیہ السلام سے دوری مراد ہے یا ان کی آپس میں ایک دوسرے سے دوری یا رب سے دوری یعنی یہ اختلاف کرنے والے پرلے درجہ کے جھگڑے میں ہیں یا آپ سے یا رب سے یا آپس میں ایک دوسرے سے دور ہیں کیونکہ تحریف تو وہ سب کرتے ہیں مگر کیفیت تحریف میں ایک دوسرے کے مخالف۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! کتاب الہٰی کے چھپانے والوں کی سزا اس لئے سخت ہے کہ ان کا جرم بہت سے جرموں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے فقط رشوت ہی نہ کھائی بلکہ ہدایت کے عوض گمراہی اور مغفرت کے عوض عذاب بھی اختیار کر لیا۔

شاباش ہے ان کی جرات کو کہ یہ دوزخ میں جانے کے لئے کیسے باہمت اور بہادر ہیں کہ جان بوجھ کر اسباب آگ کو ایسے اختیار کر رہے ہیں گویا کہ انہیں آگ پیاری ہے ایک چیز میں مختلف درجات کی صدہا چیزیں ہوتی ہیں سورج' چاند' تارے' گیس' چراغ کی روشنائی نوری کہلاتی ہے مگر ان کے درجے مختلف ایسے ہی اندھیروں کا حال ہے۔ ایمان کفر کا بھی یہ حال ہے حرام کے صدہا درجے ہیں۔ دوسرے کی بکری بلا اجازت ذبح کر لی جاوے' حرام ہے مردار بکری حرام ہے' کتا حرام ہے سور حرام ہے۔ مگر ان کی حرکتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر جیسا حرام ویسا ہی عذاب شیطان کا ایک سجدہ نہ کرنا ایسا حرام ہوا کہ ہمارے ہزارہا سجدے نہ کرنا اس کی برابر نہیں کیونکہ اس کی بنا نہی سے حسد پر تھی۔ ایسے ہی ان علماء یہود کی یہ رشوتیں حضور پر حسد کی وجہ سے ہیں۔ لہٰذا بڑا جرم ہے اس لئے ان کی سزائیں اس قدر سخت ہوئیں ان کی یہ گمراہی اور عذاب اس لئے ہے کہ اللہ نے تو آسمانی کتابیں حق کے ساتھ اس لئے اتاری تھیں کہ لوگ اس کو حاصل کر کے گمراہی سے بچیں۔ انہوں نے کتابیں ان تک پہنچائی ہی نہیں۔ لہٰذا سب کی گمراہی کا باعث یہ لوگ ہیں اور لطف یہ ہے کہ جنہوں نے کتاب الٰہی میں اختلاف کیا کہ کسی نے انجیل کو مانا اور کسی نے نہ مانا یا بارہ انجیلیں بنا کر ہر جماعت نے ایک ایک اختیار کر لی یا خود اپنی کتاب میں یہ اختلاف کر بیٹھے۔ یہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں پھر اگر آپ کی مخالفت کریں تو کیا تعجب ہے لہٰذا ان کی مخالفت کی پروانہ کیجئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بعض گناہ کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ دیکھو علماء یہود کی رشوتیں ان کی گمراہی اور کفر کا باعث ہوئیں۔ دوسرا فائدہ: واقعی جان بوجھ کر کفر کرنے والا بڑا بہادر ہے کہ دیدہ دانستہ تیز آگ میں کودتا ہے مگر یہ سب اس لئے ہے کہ ابھی وہ آگ دیکھی نہیں اللہ اس بہادری سے بچائے۔ تیسرا فائدہ: کتاب میں اختلاف کرنے والی قوم کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ صحیح تنظیم وہ ہے جو دین پر ہو قومی اور بے دینی کی تنظیمیں محض دھوکہ ہے۔ چوتھا فائدہ: پیغمبر سے عناد بدترین کفر ہے۔ دیکھو جن علمائے یہود نے حضور علیہ السلام کے فضائل چھپائے ان کی ایک نہیں دو نہیں چھ سزائیں بیان کی گئیں۔ (1) وہ آگ کھاتے ہیں۔ (2) ان سے رب کلام نہ کرے گا (3) انہیں پاک نہ کرے گا (4) ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (5) انہوں نے گمراہی خرید لی۔ (6) انہوں نے عذاب خرید لیا۔ پانچواں فائدہ: اب بھی جو علماء فضائل کی آیات و احادیث بیان نہیں کرتے یا ان کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے فضیلت ثابت نہ ہو۔ جیسے دیوبندی اور وہابی یہ بھی اسی زمرے میں اور ان کے لئے بھی یہ ہی عذاب ان اللہ کے بندوں کو سارے قرآن شریف میں یہ ہی آیت ملی۔ کہ **انما انا بشر مثلکم** اور اس کو ہی بگاڑ کر ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔ ایمان ہو تو معلوم ہو جائے کہ سارا قرآن میرے آقا کی نعت ہے۔ مگر یاد رہے کہ وہ توریت و انجیل تھی' جو ان علماء کے چھپانے سے چھپ گئیں۔ یہ دین محمدی ہے کسی سے چھپ نہ سکے گا۔ اللہ علمائے اہل سنت کو باقی رکھے کہ یہ ہمیشہ اپنے شہنشاہ کے گن گائیں گے۔ اور بول بولیں گے۔ دیکھ لو دیوبندیوں کو شرک و بدعت کے فتوے دیتے ہوئے عرصہ ہو گیا۔ مگر ان کا چرچا کچھ بھی کم نہ ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ علمائے بنی اسرائیل نے ہدایت کے عوض گمراہی خریدی۔ ان کے پاس ہدایت تھی ہی کہاں؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک وہ جو تفسیر میں گزر چکا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہدایت کے مقابل گمراہی اختیار کر لی۔ دوسرے یہ کہ توریت کی اصل آیتیں ہدایت تھیں اور ان کی ملاوٹ گمراہی۔ انہوں نے اصل چھوڑ کر ملاوٹ

اختیاری یعنی ہدایت سے مراد توریت کی ہدایت ہے نہ کہ ان کی اپنی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ میں اختلاف بے دینی ہے۔ قرآن کریم میں بھی بہت اختلاف ہے قاریوں کا اس میں اختلاف مفسرین اور فقہاء اور صوفیاء کا اس میں اختلاف پھر اسلام کے تہتر فرقے قرآن ہی کی پناہ لیتے ہیں اور سب اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ چاہیئے کوئی بھی دین پر نہ ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو اختلاف سے کتاب کی مخالفت مراد ہے۔ یا بعض کا قبول بعض کا انکار یا اس میں غلط ملط کر دینا یا اس کے متعلق مختلف بکواس بکنا کہ کوئی جادو کہے کوئی کہانت کوئی شعر مسلمانوں کا یہ اختلاف عملی تحقیق کا نتیجہ ہے جو در حقیقت رحمت الٰہی ہے کوئی قرآن کا مخالف نہیں۔ بے دین فرقوں کی مخالفت واقعی لائق عذاب اختلاف ہے مگر اس کا وبال ان پر ہو گا جنہوں نے پیغمبر اسلام کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ کر نیا راستہ نکالا۔

تفسیر صوفیانہ: جو کوئی سیدھے راستے کو چھوڑ کر غلط راہ چلے وہ یقیناً کنوئیں یا کھائی میں گر کر ہلاک ہو گا۔ ایسے ہی جو شخص عقل کی آنکھ سے کام نہ لے اور دین کے سیدھے راستے پر نہ جائے وہ بھی اپنی اخروی زندگی برباد کرے گا۔ روح مسافر ہے عقل اس کی آنکھ اور دین سیدھا راستہ اور عقائد و اعمال اس مسافر کے چلنے والے پاؤں اور پیغمبر رہبر ہیں۔ شیطان و نفس چور ڈاکو۔ چاہیئے کہ اس راستہ میں ہر چیز سے کام لے اور ڈاکو سے بچے تاکہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ نیز کتاب اللہ بکھروں کو جمع کرنے والی ہے۔ لوگ رنگت و شکل قطع لباس و غذا بول چال وغیرہ میں مختلف ہیں۔ کتاب اللہ ان سب کو جمع کرنے والی ہے۔ شہر میں لوگ مختلف گلی کوچوں میں رہتے ہیں مگر شارع عام پر سب ایک ہو جاتے ہیں وہی یہاں ہے۔ جو کوئی کتاب اللہ میں بھی متفق نہ ہوا وہ کہیں بھی کبھی بھی متفق نہ ہو گا۔ اس لئے فرمایا گیا لفی شقاق بعید۔ دنیوی مخالفتوں کو دین مٹا سکتا ہے مگر دینی مخالفت کون مٹائے وہ تو رب العالمین ہی مٹائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اعضاء ظاہری کی قوتیں اور بیماریاں عارضی ہیں جو موت پر ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر دل و روح کی بیماریاں اصلی ہیں جو ابد الآباد تک قائم رہتی ہیں۔ انسان مر کر نہ اندھا رہتا ہے نہ لولا نہ لنگڑا نہ گونگا بہرہ نہ پہلوان نہ جوان مگر کافر یا مومن رہتا ہے۔ اسی لئے گناہوں کی سزا کم ہے۔ بد عقیدگیوں کی سزا زیادہ خلدین فیہا ابدا چونکہ علماء سو حسد ہی کے بیمار تھے اس لئے ان کے جرموں کی سزائیں اتنی سخت تجویز ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
نہیں ہے بھلائی یہ کہ پھیرو تم منہ اپنے سامنے پورب اور پچھم کے اور لیکن بھلائی وہ ہے
کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ
جو ایمان لائے ساتھ اللہ اور دن پچھلے اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں کے
اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی

وَالنَّبِيّٖنَۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور دے مال اللہ کی محبت اس کی کے قرابت والوں اور یتیموں اور غریبوں

محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور

وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِۚ

اور مسافروں اور بھکاریوں کو اور بیچ گردنوں کے۔

مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں علمائے بنی اسرائیل کا عذاب بیان ہوا اب ان سے خطاب کرکے فرمایا جارہا ہے کہ تم فقط پورب پچھم رخ پر نماز پڑھ لینے کو ان بدکاریوں کا کفارہ مت سمجھ لینا۔ اگر توبہ کرنا چاہو تو یہ اعمال کرو۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں مسلمانوں کی حمایت اور کفار کی تردید کی گئی۔ اب مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم فقط کعبہ کو منہ کرکے نماز پڑھ لینا ہی کافی نہ سمجھنا بلکہ ضروری ہے کہ ان مذکورہ باتوں پر عمل کرو۔ **تیسرا تعلق:** شروع سورت سے یہاں تک قریبا" آدھی سورہ بقر ہوئی۔ جس میں زیادہ تر توجہ منکرین کی طرف تھی آئندہ باقی سورت میں زیادہ توجہ مسلمانوں سے ہے اگرچہ کہیں ضمنا" کوئی خطاب کفار سے بھی ہو جائے گا۔ لہذا اولا" اجمالی ہدایتیں بیان فرمائی جارہی ہیں اور پھر اس کی تفصیل ہوگی۔

شان نزول : یہود نے بیت المقدس کے مشرقی حصہ کو اور نصاریٰ نے اس کے مغربی حصہ کو قبلہ بنا رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ اس طرف منہ کرکے نماز پڑھ لینا ہی کافی ہے ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں ان کے اس خیال باطل پر عتاب فرمایا گیا۔

تفسیر : **لیس البر ان تولوا** لیس بعض نحویوں کے نزدیک لا اور ایس سے مرکب ہے۔ لا معنی نہیں۔ ایس معنی موجود۔ جیسے کہتے ہیں کہ رب نے لیست سے ایسیت میں نکالا۔ یعنی عدم سے وجود میں ہمزہ تخفیف کے لئے اور الف دو ساکنوں کے جمع ہونے سے گر گیا۔ اس کے معنی ہیں موجود نہیں ہے۔ یہ فعل مشابہ حرف ہے اسی لئے اسے فعل ناقص کہتے ہیں۔ بر کے لفظی معنی ہیں وسعت اور گنجائش۔ اس کا مقابل ہے اثم اور فجور اسی لئے تری کو بحر اور وسیع خشک میدان کو بر کہتے ہیں۔ قسم کے پورا ہونے کو بر کہتے ہیں کیونکہ اس سے قسم کی پابندیاں اٹھ کر گنجائش مل جاتی ہے۔ اصطلاح میں بر نیکیوں میں وسعت کرنے کو بولتے ہیں بعض قرأتوں میں یہاں اس کو پیش ہے۔ مگر ہمارے ہاں زبر کیونکہ لیس کی خبر ہے۔ یا تو بر سے مطلقا" بھلائی مراد ہے یا اصل بھلائی یا بڑی بھلائی۔ اس کا مطلب آگے معلوم ہوگا۔ **تولوا** ولی سے بنا۔ جس کے معنی ہیں قرب باب تفعیل میں پہنچ کر سلب کے معنی پیدا ہوئے اور اس سے مراد ہوا پھیرنا۔ یا تو اس میں اہل کتاب سے خطاب ہے یا مسلمانوں سے یا سب سے **وجوھکم قبل المشرق والمغرب** وجوہ وجہ کی جمع ہے۔ اس کے حقیقی معنی ہیں چہرہ۔ اور مجازا" ذات کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہاں چہرہ مراد ہے مشرق، شرق سے بنا جس کے معنی ہیں چمکنا۔ اور مغرب غرب سے۔ جس کے معنی ہیں

ڈوبنا۔ چونکہ پورب سے سورج چمکتا ہے اور پچھم کی طرف ڈوبتا ہے۔ اس لئے اسے مشرق و مغرب کہا جاتا ہے۔ بڑے ڈول کو بھی اس لئے غرب کہا جاتا ہے کہ وہ کنوئیں میں ڈوبتا رہتا ہے یعنی اے اہل کتاب اب بیت المقدس کے شرقی غربی طرف منہ کرنا بھلائی نہ رہا۔ کیونکہ وہ قبلہ منسوخ ہو چکا یا مدینہ کی شرقی غربی جانب منہ کرنا بھلائی نہیں کیونکہ یہاں سے کعبہ جنوبی سمت پر ہے یا صرف شرقی غربی طرف منہ کرلینا اصل نیکی یا بڑی نیکی نہیں کہ جس سے ساری بدکاریاں معاف ہو جائیں۔ اصل نیکی ہم بتاتے ہیں کہ **ولکن البر من امن باللہ** یہاں یا تو بر اسم فاعل کے معنی میں ہے یا من سے پہلے دو سرا ابر پوشیدہ ہے۔ یا مبالغہ کے طور پر کہا گیا یعنی نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے یا اصل نیکی اس کی نیکی ہے جو رب کو مانے یعنی خدا کی ذات و صفات کو صحیح مانے۔ کفار کی طرح اسے صاحب اولاد یا شرکاء کا محتاج یا کمالات سے خالی نہ جانے۔ خیال رہے کہ اللہ کی ذات و صفات کو جان و مان لینا اس وقت ایمان کہلاتا ہے جب نبی کی معرفت جانا مانا جاوے۔ محض اپنے علم یا عقل سے جان مان لینا توحید تو کہلائے گا مگر ایمان نہ کہا جاوے گا اور نجات کا مدار ایمان پر ہے نہ کہ توحید پر اسی لئے کلمہ توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی ذکر ہے اسی واسطے یہاں **امن باللہ** فرمایا۔ ایمان امن سے بنا ہے ایمان کے لغوی معنی ہیں امن میں آنا یا امن میں لانا یا امن میں لینا۔ یعنی امان دینا اگر یہ ایمان ہماری صفت ہو تو معنی ہیں امن میں آنا۔ ہم لوگ اچھے عقائد اختیار کر کے اللہ کی امان میں آتے ہیں اور اگر پیغمبر کی صفت ہو تو معنی ہیں امن میں لانا کہ وہ حضرات ہم لوگوں کو اللہ کی امن و پناہ میں لاتے ہیں اور اگر اللہ کی صفت ہو تو معنی ہوں گے امن میں لینا کہ رب تعالیٰ ہم کو اپنی امن میں لیتا ہے لفظ ایمان ایک ہے مگر اس کے معانی مختلف ہیں۔ **پھر والیوم الاخر** قیامت کے متعلق بھی صحیح عقیدہ رکھے۔ یہود کی طرح یہ نہ جانے کہ انہیں صرف چالیس دن آگ پہنچے گی۔ یا اس کے باپ دادے کافر اولاد کو بھی شفاعت کر کے چھڑالیں گے۔ یا اس دن جنت ہماری قوم کے لئے خاص ہو گی اگرچہ ایمان باللہ اور بالیوم الاخر میں درمیان کی تمام چیزوں پر ایمان داخل ہو گیا تھا مگر اہمیت ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں' کتابوں' نبیوں کا ذکر خصوصیت سے فرمایا اور جنت' دوزخ کا ذکر نہ کیا۔ **والملئکۃ** اور سارے فرشتوں پر بھی صحیح ایمان لائے نہ تو مشرکین کی طرح انہیں خدا کی بیٹیاں مانے اور نہ اہل کتاب کی طرح جبریل علیہ السلام سے عداوت رکھے اور نہ ان کی آپس میں مخالفت جانے **والکتب** اس میں الف لام جنسی ہے یعنی ہر آسمانی کتاب پر ایمان لائے۔ یہود کی طرح انجیل اور قرآن کا اور عیسائیوں کی طرح توریت و قرآن کا انکار نہ کرے اور اہل کتاب کی طرح کتاب الٰہی میں تحریف' لفظی یا معنوی نہ کرے **والنبین** یا تو نبا سے بنا یا نبوۃ سے جس کے معنی ہیں خبر دینے والا یا بڑے درجے والا۔ صحیح یہ ہے کہ نبی رسول سے عام ہے کہ نبی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور رسول تین سو تیرہ اور اس کو جمع ذکر لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سارے پیغمبر مرد تھے (تفسیر احمدی) یعنی از آدم تا نبی آخر الزمان سب پر ایمان لائے۔ اہل کتاب کی طرح بعض کے درجے میں افراط اور بعض کا انکار نہ کرے کہ انہوں نے بہت سے پیغمبروں کو قتل کر ڈالا اور عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے حضور علیہ السلام کے قتل کی کوشش کی اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ یہ نہ کرے بلکہ سب کی نبوت پر یکساں ایمان رکھے۔ یہ مانے کہ حضرات انبیاء نہ تو ہماری طرح محض بشر ہیں ورنہ مخلوق کو ان کی حاجت ہی نہ ہوتی اور نہ فرشتوں کی طرح محض نور ہیں ورنہ وہ ہم کو تبلیغ نہ کر سکتے بلکہ وہ بشر بھی ہیں نور بھی یعنی نورانی بشر ہیں کیونکہ وہ حضرات رب سے لیتے ہیں۔ رب ہے نور تو نور سے لینے والا بھی نوری چاہئے اور خلق کو تبلیغ کرتے ہیں تو انہیں عملی قولی تبلیغ کرنے والا بھی بشری چاہئے یہ لینا دینا چاہتا ہے کہ نور بھی ہوں بشر بھی وہ خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں دیکھو

دل و جسم کے درمیان رگیں واسطہ ہیں اور ہڈی گوشت کے درمیان پٹھے وسیلہ اسی لئے النبین بعد میں مذکور ہوا۔ یہاں تک عقائد کا ذکر ہوا۔ چونکہ علمائے یہود مال کے حریص تھے کہ اس کے لئے دولت دین بھی کھو بیٹھے اس لئے پہلے مالی عبادت کا ذکر کیا اور اس میں بھی نفلی صدقات کو فرضی زکوۃ پر مقدم کیا لہٰذا فرمایا **واتی المال علی حبہ** صحیح یہ ہے کہ یہاں صدقہ نفل مراد ہے کیونکہ زکوۃ کا ذکر آگے آ رہا ہے اور مال سے ہر قسم کا مال' روپیہ' پیسہ' کھانا' کپڑا وغیرہ مقصود۔ اور حبہ میں ہ ضمیر یا تو مال کی طرف لوٹتی ہے یا دینے کی طرف یا رب کی جانب۔ یعنی وہ مال خرچ کرے باوجود اس کی محبت کے یعنی خود بھی حاجت مند' تندرست اور صاحب اولاد ہو اور پھر فقراء کو دے۔ جیساکہ عبداللہ ابن عباس کی روایت میں ہے یا خوش ہو کر خیرات کرے نہ کہ بوجھ سمجھ کر یا رب کی محبت میں مال خرچ کرے۔ پھر ایک بار ہی اور ایک ہی مال نہ خرچ کرے بلکہ ہمیشہ ہر طرح کا مال ہمیشہ خرچ کرنا چاہئے۔ جس مال کے خرچ کی زیادہ ضرورت ہو وہ ہی خرچ کرے۔ نیز اولیاء اللہ و انبیاء کرام کی محبت بھی بالواسطہ اللہ کی ہی محبت ہے لہٰذا حضور کی محبت یا سرکار بغداد کی محبت میں جو مال خیرات کیا گیا وہ اللہ ہی کی محبت میں خرچ ہوا اور جو نام و نمود کے لئے خرچ کیا وہ برباد ہوا غرضیکہ یہ دونوں کلمے بہت جامع ہیں۔ یعنی اللہ کی محبت کی بنا پر خرچ کرے۔ مال اگر صحیح مصرف پر خرچ ہو جاوے تو درخت باردار ہے اور اگر غلط جگہ خرچ ہو تو درخت خاردار ہے۔ اس لئے رب نے مصارف کو تفصیل سے بیان فرمایا اور کسے دے۔ **ذوی القربی'** **ذوی**۔ ذو کی جمع ہے۔ بمعنی والا۔ **قربی**' بمعنی قرابت ہے یعنی رشتہ داروں کو کہ قریبی رشتہ داروں کو دور والے پر مقدم رکھے اس میں اولاد ماں باپ' بہن بھائی چچے تائے وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔ **والیتمی** یتیم کی جمع ہے۔ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ جانوروں میں یتیم وہ جس کی ماں مرجائے۔ موتی وہ یتیم جو سیپ میں اکیلا ہو چونکہ یتیم غریب بھی ہے اور بے یار و مددگار بھی۔ اس لئے دوسرے غرباء سے اسے مقدم رکھا۔ **والمسکین** یہ جمع مسکین کی ہے یعنی وہ لوگ جن کی آمدنی خرچ سے کم ہو۔ یہاں وہ صابر فقراء مراد ہیں جو کسی سے سوال نہیں کرتے اور صبر و سکون سے گزارا کرتے ہیں۔ جیساکہ صحاح کی حدیث میں ہے۔ بھکاریوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ چونکہ ایسے غریب کو دینا بھکاریوں کے دینے سے افضل ہے اس لئے اسے پہلے بیان کیا **وابن السبیل** یا تو اس سے مسافر مراد ہے یا مہمان۔ ابن کا معنی بیٹا اور سبیل کا معنی راستہ۔ اس کے معنی ہوئے راستہ کا بیٹا۔ چونکہ مسافر راستہ سے ایسا لگتا ہے جیسے ماں سے بچہ اس مناسبت سے اسے ابن السبیل کہتے ہیں یا ابن' موافق اور ملازم کو کہہ دیتے ہیں۔ جیسے ابن الوقت یا دریائی پرندے کو ابن الماء اور ڈاکو کو ابن الطریق چونکہ یہ بھی اکثر راستہ ہی میں رہتا ہے۔ لہٰذا ابن السبیل ہے (روح البیان) **والسائلین** اور ضرورت مند بھکاریوں کو' سائل سوال سے بنا۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کی خواہش کرنا۔ مسئلہ پوچھنے والے اور بھکاری فقیر کو سائل کہتے ہیں۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی مال دے بھکاریوں کو اور ان طالب علموں کو جو علم طلب کرنے کے لئے کمائی سے معذور ہوں۔ تفسیر کبیر و عزیزی نے بیان فرمایا کہ سائل مسلمان ہو یا کافر حاجتمند ہو یا نہ ہو اس کا حق ہے۔ **وفی الرقاب'** رقبۃ کی جمع ہے بمعنی گردن۔ یہ رقوب سے بنا بمعنی حفاظت اسی لئے نگران پولیس اور ایک معشوق کے دو عاشقوں کو رقیب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ رعایا' محبوب کی نگرانی کرتے ہیں چونکہ عموماً انسان کو گردن سے مارا جاتا ہے۔ ذبح بھی گردن ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ہی قابل حفاظت ہے۔ اس لئے گردن کو رقبہ کہتے ہیں۔ ذکر خفی کو اسی لئے مراقبہ کہتے ہیں کہ یا تو وہ گردن جھکا کر ہوتا ہے یا اعلان سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ کبھی ذات کو بھی رقبہ کہہ دیتے ہیں اور یہ ہی یہاں مراد یعنی مال خرچ کرے قیدیوں یا مقروضوں کے آزاد

کرانے اور ان کی گردنیں چھوڑانے میں یا غلاموں یا مکاتبوں کو آزادی دلانے میں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں یا اے لوگو نیکی صرف یہ ہی نہیں کہ تم پورب پچھم منہ کر کے عبادت کر لو۔ اصل نیک وہ شخص ہے جو اللہ پر ایمان لائے یعنی اللہ کو ایک، علیم، حکیم، غنی، قدیر، اولاد سے پاک دوسرے کی مدد سے بے نیاز جانے۔ قیامت پر ایمان لائے اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ دن حق ہے اس میں بندوں کا حساب ہو گا اعمال کی سزا اور جزا دی جائے گی۔ اللہ کے پیارے شفاعت کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیک بختوں کو حوض کوثر سے سیراب فرمائیں گے۔ سب کو پلصراط سے گزرنا ہو گا اور اس دن کے متعلق جو خبریں حضور علیہ السلام نے دی ہیں وہ سب حق ہیں۔ سارے فرشتوں پر ایمان لائے۔ کہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں۔ کھانے پینے اور گناہ سے پاک ہیں۔ نہ مرد ہیں نہ عورتیں۔ ان کی تعداد رب ہی جانے۔ ان میں سے بعض صرف عبادت میں مشغول ہیں اور بعض کے ذمہ عالم کا انتظام ہے۔ پہلوں کو مقربین اور دوسروں کو مدبرات امر کہتے ہیں ان میں سے چار بہت بڑے درجے والے ہیں۔ جبریل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام۔ آسمانی کتابوں پر ایمان لائے کہ جس پیغمبر پر اللہ نے جو کتاب یا صحیفہ اتارا وہ حق ہے۔ ان میں چار کتابیں بہت بڑی ہیں۔ توریت جو موسیٰ علیہ السلام پر، زبور جو داؤد علیہ السلام پر، انجیل جو عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن شریف جو ہمارے نبی علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور کل سو صحیفے ہیں۔ پچاس شیث علیہ السلام پر۔ تیس ادریس علیہ السلام پر۔ دس آدم علیہ السلام پر اور دس ابراہیم علیہ السلام پر اترے۔ سارے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ وہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے اور گناہوں سے معصوم ہیں۔ سب مرد ہیں کوئی عورت نہیں اور ان کی بھی صحیح تعداد رب ہی جانے۔ ان میں سب سے افضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پھر باقی اولوالعزم پیغمبر (از تفسیر احمدی و خزائن) یہ تو ایمان مفصل تھا۔ ایمان مجمل یہ ہے کہ کہہ دے **امنت باللہ و بجمیع ما جاء بہ محمد رسول اللہ** یعنی میں اللہ پر اور حضور علیہ السلام کی ساری لائی ہوئی چیزوں پر ایمان لایا (احمدی) اور اس کے علاوہ مال سے زیادہ محبت نہ کرے بلکہ اسے ان چھ مقاموں پر خرچ کرے۔ قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، بھکاریوں پر اور غلاموں کے آزاد کرنے یا مکاتبوں کے چھڑانے یا قیدیوں یا قرض خواہوں کی گردن چھڑانے میں۔ اور علمائے بنی اسرائیل میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پھر وہ کس منہ سے رب کے پیارے ہونے کی شیخی مارتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرابت داروں کو دینے میں دو ثواب ہیں صدقہ کا اور قرابت داری کا حق ادا کرنا نیز اکثر اہل قرابت سے جھگڑے وغیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ نفس کہتا ہے کہ ان سے سلوک نہ کرو۔ اب انہیں دینا گویا نفس پر جبر بھی ہے اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی تواضع خاطر بھی کی اور ان کی قیمت بھی واپس کر دی۔ مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ کی تہمت میں شرکت کرلی۔ حضرت صدیق نے ان کا وظیفہ بند کر دیا تو رب نے فرمایا **ولا یاتل اولو الفضل منکم۔** الخ۔ اور یتیم کے ساتھ سلوک کرنے میں کسی عوض کی امید نہیں لہٰذا اس کا ذکر بھی اہل قرابت کے بعد کیا۔ اہل قرابت میں اپنی اولاد اور اصول نیز ماں کی طرف سے رشتہ دار نانا، ماموں، خالہ وغیرہ اور باپ کی طرف سے رشتہ دار چچا، تایا وغیرہ بیوی کی طرف سے اہل قرابت ساس، سسر، سالا وغیرہ دور کے رشتہ دار سب ہی داخل ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** متقی بننے کے لئے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی اور بدنی

اور مالی اعمال ضروری ہیں۔ صرف ایک فعل کا کافی سمجھنا طریقہ یہود ہے۔ لہٰذا زمانہ موجودہ کے نیچری یا خاکسار جنہوں نے خدمت خلق کو تقویٰ کے لئے کافی مانا۔ بالکل جھوٹے ہیں۔ خاکساروں نے تو محض بیلچے اور پریڈ کو اصل ایمان سمجھا اور نیچریوں نے یہ کہا۔

یہ ہی ہے عقیدہ یہ ہی دین و ایماں   کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

جیسے جسمانی زندگی کے لئے ہوا' غذا' لباس' مکان' میوہ جات وغیرہ ہزارہا چیزوں کی ضرورت ہے۔ صرف ایک ہی چیز کافی نہیں ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے صدہا نیکیوں کی ضرورت اور جیسے بعض غذائیں ضروری ہیں اور بعض محض لذت کے لئے۔ ایسے ہی فرائض وواجبات تو ضروری غذا ہیں۔ اور مستحبات' نوافل' لذت کے میوے۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی شخص ایمان یا اعمال سے بے پروا نہیں جب انبیاء کرام کو اعمال کی ضرورت تھی تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ لہٰذا نوشاہی' دتہ شاہی' بھنگی چرسی' ملنگوں کا اپنے کو اعمال سے بے پروا جاننا بے دینی ہے۔ ایمان جڑ ہے اور اعمال شاخیں اگر پھل کھاتا ہے تو ان دونوں کی نگرانی کرو۔ **تیسرا فائدہ:** تندرستی میں صدقہ دینا مرتے وقت کے صدقہ سے افضل ہے۔ کیونکہ وہاں خود بھی مال کی ضرورت ہے اس لئے یہاں علی حبہ فرمایا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** اسی علی حبہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیارا مال اللہ کی راہ میں دے سڑی گلی روٹی سالن یا بے کار چیزوں کے خیرات کرنے کا ثواب نہیں۔ لہٰذا میت کی فاتحہ میں جو عمدہ کھانے خیرات کئے جاتے ہیں بہت بہتر ہیں۔ جس کو جس مال سے زیادہ' رغبت ہو وہ ہی خیرات کرے۔ **پانچواں فائدہ:** رشتہ دار کو صدقہ دینے میں دو ثواب ہیں۔ ایک صدقہ کا دوسرے صلہ رحمی کا۔ اسی لئے یہاں ذوی القربیٰ کا پہلے بیان ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** محتاج کی جس قدر حاجت سخت اسی قدر اس کے دینے میں ثواب زیادہ۔ یہاں حاجت کے لحاظ سے ترتیب ہے۔ **ساتواں فائدہ:** فقط کعبہ کو منہ کرکے نماز پڑھ لینا نجات کے لئے کافی نہیں۔ منافق بھی پڑھ لیتے ہیں اور آج مرزائی وغیرہ تمام فرقے پڑھ لیتے ہیں بلکہ درستی عقائد پر نجات موقوف ہے۔ امام ابو حنیفہ نے جو فرمایا ہے کہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے وہاں اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے سارے عقائد درست ہوں نہ کہ وہ جو طرف کعبہ کو منہ کرکے نماز پڑھ لیں۔ دیکھو شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کی۔

پہلا اعتراض: علمائے اہل کتاب اللہ کو بھی مانتے تھے اور قیامت اور فرشتوں وغیرہ کو بھی۔ صدقات بھی کرتے تھے۔ پھر ان سے یہ خطاب کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ انہوں نے ان میں سے کوئی بات بھی توریت کی تعلیم کے مطابق نہ مانی۔ بلکہ اپنی طرف سے ہر چیز میں پخ لگائی۔ یہاں صحیح ماننا مراد ہے یوں تو خدا کو مشرکین بھی مانتے ہیں مگر ایسا ماننا بے کار۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کعبہ کو منہ کرکے نماز پڑھنا نیکی نہیں بلکہ صدقہ وخیرات نیکی ہے۔ **جواب:** اس کے کئی جواب تفسیر میں گزر گئے یعنی صرف یہ ہی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکیاں اور بھی ہیں یا بیت المقدس کو منہ کرنا نیکی نہیں کیونکہ وہ منسوخ ہو چکا یا مدینہ والوں کے لئے پورب پچھم کو منہ کرنا نیکی نہیں کیونکہ وہاں کعبہ جنوبی سمت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال کی ضرورت ہے مگر حضور علیہ السلام نے عثمان غنی سے خوش ہو کر فرمایا۔ تم جو چاہو کرو تمہیں کوئی نقصان نہ دے گا۔ اس میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے عثمان حفاظت الٰہی تمہاری دستگیری کرے گی۔ تم کوئی گناہ کر سکتے ہی نہیں۔ شیطان سے محفوظ ہو۔ پرندے کو اسی لئے پنجرے میں

رکھتے ہیں کہ یا تو اس کے اڑ جانے کا خطرہ ہے یا شکاری جانوروں کے ہلاک کر دینے کا جب اسے پال لیا۔ درندوں سے حفاظت کر دی پھر پنجرے میں سے نکال دو بکری کے گلے سے رسی کھول دو۔ اب وہ کہاں جائے۔ اب وہ کہاں جائے۔ جب حضرت عثمان کو اپنا بنالیا تب کہا جو چاہو کرو۔ اب وہ کریں کیا اور اڑیں کدھر۔ محبت کی قینچی سے پر تو پہلے ہی کاٹ دیئے ان کے دل بلکہ خطرات اور خیالات پر اپنا قبضہ کر لیا پھر کہا کہ جاؤ۔ اب وہ کہاں جائیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے لازم آتا ہے کہ غریب آدمی کبھی نیک نہ بن سکے کیونکہ صدقہ کے قابل نہیں۔ جواب: مالدار تو دے کر نیک بنتے ہیں اور غرباء لے کر رعایا بادشاہ کو ٹیکس دیتی ہے۔ مگر شاہی نوکر اور اس کے پیارے اس سے تنخواہ اور انعام لیتے ہیں وہ دے کر محبوب بنے یہ لے کر۔ لطیفہ: ایک بار کسی تونگر نے فقیر سے کہا کہ ہم رب کے پیارے ہیں۔ کیونکہ رب نے ہم سے قرض طلب فرمایا فقیر بولا۔ نہیں پیارے تو ہم ہیں کیونکہ ہمارے لئے طلب فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ: عبادات کی کچھ تو شرائط جواز ہیں اور کچھ شرائط قبول۔ جواز کی شرطیں شریعت بتاتی ہے اور قبول کی طریقت جیسے نماز کہ اس کے شرائط جواز وضو، کپڑے کی پاکی، نیت، قبلہ رو ہونا وغیرہ ہیں مگر شرائط قبول یہ ہیں کہ اگر جسم حکمی گندگی سے پاک ہو تو دل بدعقیدگی کی گندگی سے صاف اگر کپڑا حقیقی نجاست سے محفوظ ہو تو خیالات ریا، تکبر کی گندگیوں سے علیحدہ ہوں۔ ظاہری کنوئیں کے پانی سے جسم کا وضو ہے اور عشق کے پانی سے دل کا وضو اگر منہ کعبہ معظمہ کی طرف ہے تو دل کا رخ خالق کعبہ کی طرف ہو اگر نماز میں امام کی اطاعت ضروری ہے تو پیر طریقت کا لحاظ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ازبس ضروری۔ یہ ہی یہاں بتایا جا رہا ہے کہ عبادت مقبول یہ نہیں ہے کہ صرف اپنا منہ پورب پچھم کو کرلو بلکہ عبادت قبول جب ہے جبکہ دل کی توجہ خالق مشرق کی طرف ہو۔ اس کی سزا و جزا پر نظر ہو اور اس کے مقبول بندوں کا ادب ملحوظ ہو اور اپنی پیاری چیزیں رب کی محبت میں ہر جگہ بکھیر دو۔ یعنی قرابت دار یعنی مشائخ طریقت اور پھر ان کے سردار وہ آمنہ کے در یتیم جو خزانہ الٰہی کی زینت ہیں اور وہ جو سکون و قرار سے گوشہ نشین حضرات ہیں اور وہ جو راستوں کی نگرانی کرنے والے رہبر ہیں اور وہ جو طالب رہے ہیں اس سب پر اپنا سب کچھ قربان کر دو۔ تب خدا کے پیارے بننے کے مستحق ہو گے۔ شریعت میں مال کی خیرات کی جاتی ہے۔ طریقت میں کمال، احوال، اعمال وغیرہ سب کی یعنی اے کمال والو، اعمال والو! احوال والو! اللہ کی خلق پر ان چیزوں کی خیرات کرو۔ اپنے مال، اعمال، کمال، احوال میں سے یتیم و غریب و مسکین کو حصہ دو۔

ہیں سخی کے مال میں حق دار ہم!   ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم!

دوسری تفسیر: دولت مقفل صندوق میں رہتی ہے اور وہ صندوق کوٹھڑی میں اور کوٹھڑی کے آس پاس بہت سی مضبوط دیواریں بنائی جاتی ہیں۔ چور کی نگرانی پہلی دیوار پر کرو۔ اگر وہ اس میں نقب لگا کر اندر گھس آیا تو باقی دیواروں کا توڑنا اسے آسان ہو گا۔ دولت ایمان دل میں محفوظ ہے۔ جانی اور مالی نیک اعمال اس کی دیواریں ہیں۔ اگر شیطان چور نے تمہیں گناہوں میں پھنسا دیا تو سمجھ لو کہ وہ ایک دیوار کو توڑ چکا۔ آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔ یہیں سے اس کو نکالو۔ اس آیت میں یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ صرف پورب پچھم منہ کرلینے سے اس دولت کی نگرانی نہ ہو سکے گی۔ ضرورت ہے کہ اس کے لئے اعمال کی اور دوسری دیواریں تیار کرو۔ جب دنیاوی فانی دولت کی حفاظت بہت دیواروں سے کرتے ہو۔ تو ایمان جیسی لازوال

دولت کے لئے کتنی دیواریں چاہئیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ
اور سیدھی کرے نماز اور دے زکوٰۃ اور پورا کرنیوالے عہدکو اپنے جبکہ عہد کریں اور
اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے
وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صبر کرنے والے بیچ مصیبت کے اور تکلیف کے اور بوقت لڑائی کے یہ لوگ وہ ہیں
مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہ ہی ہیں جنہوں نے بات سچی کی
صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾
جو سچ بولے اور یہ لوگ ہی پرہیزگار ہیں۔
اور یہ ہی پرہیزگار ہیں۔

تعلق : یہ جملہ پچھلی آیت کا جز ہے۔ پہلے جز میں عقائد کی درستگی اور معاملات کی اصلاح فرمائی گئی تھی اب کچھ اخلاقی باتیں بتائی جارہی ہیں اگرچہ نماز مالی عبادات سے افضل ہے۔ مگر چونکہ یہاں علمائے بنی اسرائیل کو سنانا منظور ہے جو کہ مال کے بہت بڑے حریص تھے۔ اس لئے پہلے مالی عبادتوں کا ذکر کیا گیا پھر نماز وغیرہ کا۔

تفسیر : **واقام الصلوۃ** اس کی لفظی تحقیق شروع پارہ الم' **ویقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں کی گئی نماز قائم کرنے سے یا تو ہمیشہ اور پابندی سے پڑھنا یا درست پڑھنا یا ظاہری و باطنی اعضاء کا اس میں مشغول کرنا مراد ہے۔ غرضیکہ اقامت کے تین معنی حاصل ہوں گے۔ صحیح وقت پر پڑھا کرنا صحیح رخ پر ادا کرنا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ارکان لسان اور جنان سے ادا کی جاوے جو نماز صرف ارکان و لسان سے ہو وہ نماز کا ڈھانچہ اور قالب ہے۔ دل کا خشوع و حاضر رہنا یہ نماز کا قلب ہے۔ جس سے نماز جاندار ہوتی ہے۔ بے جان گھوڑے کی قیمت نہیں تو بے جان نماز کی قیمت کیا ہو سکتی ہے۔ اگر اپنی نماز جاندار نہ ہو سکے تو کسی جاندار نمازی سے اسے وابستہ کردو۔ کمزور دیوار کے پیچھے اگر مضبوط دیوار بن جاوے تو وہ پشتے کا کام دیتی ہے۔
واتی الزکوۃ زکوۃ کی لفظی تحقیق بھی پہلے ہو چکی۔ یہاں اس کے دینے کا ذکر ہوا یہ نہ بتایا گیا کہ کس کو دے۔ کیونکہ یہ اشارۃً پچھلے جملے میں معلوم ہو چکا۔ مگر سودیوں میں نہ نماز کا چرچا ہے نہ زکوۃ کا ذکر۔ ایسے نفس پرست جو دنیا کی خاطر دین فروخت کر ڈالیں۔ وہ زکوۃ کیا نکالیں لہٰذا یہ لوگ نیک کار نہیں یہاں تک تو رب کی واجب کی ہوئی چیزوں کا ذکر ہوا۔ اب وہ باتیں بتائی جارہی ہیں جسے بندہ اپنے پر خود لازم کرے۔ ارشاد ہوا کہ **والموفون بعھدھم** ۔ موفون "ایفاء" سے بنا جس کا مادہ ہے وفا"

بمعنی پورا ہونا۔ موت کو وفات اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے زندگی پوری ہو جاتی ہے۔ عہد، وعدہ، میثاق کا فرق ہم شروع پارہ الم میں بیان کر چکے۔ یہاں عہد کو بندوں کی طرف نسبت دے کر یہ بتایا کہ سارے عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ خواہ خالق سے کریں یا مخلوق سے یا پیغمبر سے۔ پھر مجبوراً" نہ کریں بلکہ **اذا عاهدوا** عہد کرتے وقت ہی وفا کی نیت ہو۔ وفاء عہد اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ فرماتا ہے **ان اللہ لا یخلف المیعاد** اور انبیاء کرام کی صفت ہے۔ رب فرماتا ہے **انہ کان صادق الوعد و کان رسولا نبیا**۔ اور فرماتا ہے۔ **انہ کان صدیقا نبیا** حضور کی جالیوں میں لکھا ہے **محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین** وعدہ خلافی شیطانی عیب ہے۔ ابلیس قیامت میں کہے گا۔ **ووعدتکم فاخلفتکم** ایفاء عہد سے نظام سلطنت، بنک، کاروبار چلتے ہیں۔ نوٹ پر لکھا ہوتا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ حامل ھذا کو وہ جس دارالاجراء سے چاہے سو روپیہ ادا کروں گا۔ اسی وعدے پر ایک پائی کا کاغذ سو روپیہ کا ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ ایفاء عہد توڑ دیئے کہ اس کی کتاب میں کاٹ چھانٹ کر دی۔ اس کے پیغمبروں کو قتل کر ڈالا اور تقریباً" ہر بات میں اس کی مخالفت کی۔ لہٰذا یہ نیک کار نہیں۔ یہاں تک تو کرنے کے کام ذکر ہوئے۔ اب ان کاموں کا ذکر ہے جن کے نہ کرنے پر ثواب ملتا ہے۔ ارشاد ہوا **والصبرین** امام کسائی نے فرمایا کہ یہ ذوی القربیٰ پر معطوف ہے نہ کہ موفون پر۔ اسی لئے منصوب ہے اور اقام کا جملہ معترضہ ہے۔ یعنی قرابت داروں وغیرہ کو مال دے اور صابرین کو دے (کبیر) بعض نے فرمایا کہ یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے۔ یعنی میں محبت کرتا ہوں صابرین سے۔ یعنی یہ مدح کی وجہ سے منصوب ہے یا اے نبی علیہ السلام آپ ان نمازیوں اور شاکرین کے ساتھ خصوصیت سے صبر والوں کا بھی ذکر کرو۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں (عزیزی) صبر کے معنی ہم بتا چکے۔ اس کی بعض قسمیں یہاں بتائی جا رہی ہیں یعنی جو اپنے کو گھبراہٹ اور جزع فزع اور رب کی شکایت سے روکتے ہیں کب **فی الباساء و الضراء و حین الباس** باساء، باس اور بوس تینوں کے معنی ہیں، سختی اور ناپسندیدہ چیز یہاں باساء سے سخت فقیری یا فاقہ مراد ہے اور باس سے جنگ کہا جاتا ہے لاباس علیک یعنی تجھ پر سختی نہیں۔ ضراء، ضر سے بنا جس کے معنی ہیں بد حالی خواہ نفسانی ہو جیسے کمی علم و فضل یا جسمانی، یہاں مرض و رنج و غم بلکہ ہر مصیبت مراد ہے باساء کا مقابل نعماء اور ضراء کا مقابل سراء ہے۔ یعنی صبر کرنے والے فقیری، بیماری اور قحط سالی جنگ اور دشمنوں کے ہجوم میں۔ اہل کتاب اس صفت سے محروم ہیں۔ ان کے علماء رشوت لے کر احکام بدل دیتے ہیں۔ ان کے عوام قحط سالی میں کہنے لگتے ہیں کہ **ید اللہ مغلولۃ** کہ اللہ کے ہاتھ بندھ گئے۔ انہوں نے ہی موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ **لن نصبر علی طعام واحد**۔ ہم ایک کھانے پر صبر نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے ہی تھوڑے پیسے لے کر پیغمبروں کو قتل کر ڈالا انہوں نے ہی موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ **اذھب انت و ربک فقاتلا** تم اور تمہارا رب دشمن کے مقابل جا کر جنگ کرو۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ بھوک، تکلیف اور جنگ کسی حال میں بھی صابر نہیں۔ لہٰذا یہ دعوئی ایمان میں جھوٹے ہیں۔ جن میں یہ عمدہ صفات ہوں **اولئک الذین صدقوا** سچی بات کو صدق اور سچے عقیدے کو حق کہتے ہیں یہاں صدق بمعنی حق ہے یا اپنے ہی معنی میں پھر کسی بات پر عمل کر دکھانے کو صدق کہا جاتا ہے۔ جیسے **صدقوا ما عاھدوا اللہ** یعنی ان خوبیوں کے لوگ عقیدہ میں سچے دعوئی ایمان میں سچے یا جو انہوں نے کہا تھا وہ کر دکھایا۔ لہٰذا عمل میں سچے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ **واولئک ھم المتقون** اس کی لفظی تحقیق **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں کر دی گئی اس کے معنی ہیں بچنے والا یا دنیا میں یا آخرت میں یعنی یہ لوگ دنیا میں ان اعلیٰ صفات کو اختیار کئے ہوئے اور ان کے مقابل برائیوں سے بچے ہوئے ہیں یا

آخرت میں رب کی ناراضی اس کے عذاب اور دوزخ کی آگ سے بچے رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر : ایمان دار کی دو کسوٹیاں بتادی گئیں۔ تیسری کسوٹی یہ ہے کہ وہ نماز کا پابند رہے اور اسے خوبی سے ادا کرے بعض نمازیں فرض ہیں۔ جیسے پنج وقتی اور جمعہ اور منت کے نوافل اور بعض واجب جیسے وتر اور عیدین بعض سنت موکدہ جیسے ظہر اور مغرب کی سنتیں بعض ناجائز جیسے طلوع و غروب کے وقت نوافل۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ساری ضروری نمازیں مراد ہیں۔ اس کے ساتھ ہی زکوۃ بھی دیتا ہے۔ زکوۃ وہ فرضی صدقہ ہے جس کی حد مقرر ہے۔ اس کا نصاب چاندی ہے۔ ساڑھے باون تولے موجودہ سکے سے چھپن روپیہ (56) سونے سے ساڑھے سات تولے تجارتی مال چھپن روپے کا قیمتی۔ ان سب میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔ جانوروں میں اونٹوں میں پانچ گائے میں تیس بکری میں چالیس عدد نصاب ہے بشرطیکہ جنگل میں چرتی ہوں۔ زراعتی پیداوار میں دسواں حصہ یا بیسواں حکومت کے ٹیکس سے زکوۃ معاف نہ ہوگی۔ یہاں ہر زکوۃ مراد ہے۔ اپنا عہد پورا کرے' عہد کی بہت قسمیں ہیں۔ بندے کا رب سے' مرید کا پیر سے' شاگرد کا استاد سے' شوہر و بیوی کا ایک دوسرے سے' مسلمان کا مسلمان سے بلکہ کافر سے غرضیکہ جس سے جو بھی جائز وعدہ کیا ہو وہ پورا کرے۔ سخن مرداں جان دارد۔ یہاں سارے عہد مراد ہیں۔ ہاں ناجائز حرام وعدے ہرگز پورے نہ کئے جاویں۔ اگر کوئی ناجائز بات پر قسم بھی کھائے کہ قسم رب کی میں زنا کروں گا ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دے اور نفسانی' جسمانی' مالی مصیبتوں پر صابر رہے۔ کسی وقت میں ہائے وائے نہ کرے۔ ناشکری کے لفظ منہ سے نہ نکالے کہ اس سے مصیبت تو کم نہ ہوگی مگر ثواب جاتا رہے گا دفع مصیبت کی کوشش کرنا بیماری کا علاج یا مقدمہ میں کوشش خلاف صبر نہیں۔ ایسے لوگ واقعی سچے اور متقی مسلمان ہیں جو بھی اپنے میں یہ صفات رکھتا ہو وہ نیک کار ہے ورنہ محض نیکی کا مدعی مکار' خیال رہے کہ مصیبت میں صبر بہت ہی مشکل چیز ہے بغیر رب کے فضل کے میسر نہیں ہوتا۔ مگر عالم اسباب میں صبر حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو صابرین کے حالات خصوصاً شہداء کربلا کے صبر اپنے سامنے رکھنا اسی لئے رب نے فرمایا **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل** اور صابرین کے قصے بیان کئے اور دوسرے یہ غور کرنا کہ اس مصیبت میں اللہ کی حکمت ہے اگر حکیم ڈاکٹر کڑوی دوا پلائے یا آپریشن کرے تو حکمت سے خالی نہیں۔ تیسرے یہ کہ یقین کرے کہ مصیبت ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ سونا بغیر بھٹی میں جائے زیور نہیں بنتا۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ۔۔۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

چونکہ دنیا میں نفس امارہ بھی ہمارے ساتھ ہے اور دنیا دار العمل بھی ہے۔ اسی لئے یہاں مصیبتیں بھی ہیں اور صبر کی بھی ضرورت ہے۔ جنت میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی اس لئے نہ وہاں مصیبتیں نہ صبر جیسے تعلیم کے زمانہ میں کتب کی پابندیاں اور طلب علم کی مشقتیں جھیلنا پڑتی ہیں۔ بعد فراغت پھر راحت ہی راحت ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ آیت ایمانیات اور نیک اعمال کی عمدہ فہرست ہے۔ تفسیر عزیزی نے کہا کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے۔ حضور نے یہ ہی آیت پڑھی اسے کچھ تسکین نہ ہوئی۔ حضور نے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ اپنی نیکی پر خوش ہو اور ثواب کی امید رکھ اور بدی پر غمگین ہو اور عذاب سے ڈرو۔ واقعی اگر غور کیا جائے تو دینی و دنیوی سارے احکام اس آیت سے نکل سکتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** فرائض کے ساتھ نوافل

بھی ادا کرنے چاہئیں۔ دیکھو یہاں زکوٰۃ کے ساتھ دیگر صدقات اور خیرات کا ذکر بھی کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** زکوٰۃ کے علاوہ اور جگہ مال خرچ کرنا بھی فرض ہے۔ جیسے اولاد اور مجبور ماں باپ کی پرورش پر۔ چنانچہ عزیزی نے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت نقل کی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مال میں سواء زکوٰۃ کے اور بھی حقوق ہیں اور یہ آیت ہی پڑھی۔ **چوتھا فائدہ:** وفائے عہد ایمانی صفات میں سے ہے۔ جھوٹا آدمی دین و دنیا میں کہیں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تجارتی لین دین، جنگی معاملات، آپس کے تعلقات خالق و مخلوق کی محبت اسی سے قائم ہے۔ بے اعتبار آدمی نہ دین کا نہ دنیا کا کفار سے بھی وعدہ کرکے پورا کرو۔ **پانچواں فائدہ:** وفاداری کی طرح صبر بھی کامیابی کا ذریعہ ہے اس کے فوائد ہم **وبشر الصبرین** کی تفسیر میں بیان کرچکے افسوس کہ یہ صفات مسلمانوں سے دوسری قوموں نے لے لئے۔ بے صبری سے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور صحیح راستہ نظر نہیں آتا جس سے انسان کچھ سے کچھ کر بیٹھتا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے سواء اور بھی مالی عبادات واجب ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ زکوٰۃ نے سارے حقوق مالیہ منسوخ کردیئے۔ یعنی اب مال میں سوائے زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں رہا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مال میں کوئی حق اللہ مقرر ہو کر فرض نہیں رہا۔ ماں باپ اور بچوں کی پرورش اولاً تو حق اللہ نہیں بندے کا حق ہے دوسرے مقرر نہیں بقدر ضرورت واجب صدقہ فطرو قربانی اگرچہ حق اللہ بھی ہیں اور مقرر بھی مگر فرض نہیں حنفی واجب کہتے ہیں اور شافعی سنت۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں عہد کے ساتھ اذا عٰھدوا کی قید کیوں لگائی۔ **جواب:** اس کا جواب اشارۃً تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ عہد کرتے وقت ہی پورا کرنے کی نیت ہو۔ اگر بد عہدی کی نیت سے وعدہ کیا تھا مگر بعد میں لوگوں کے خوف سے پورا کرنا پڑ گیا تو اس کا کوئی ثواب نہیں اور اگر وفا کی نیت سے عہد کیا اور پھر مجبوراً پورا نہ کرسکا تو گنہگار نہیں کیونکہ اعمال کا دار نیت پر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** وفاء عہد اللہ کا حق ہے یا بندوں کا اور ان دونوں حقوق کی پہچان کیا ہے۔ **جواب:** بندے کا حق وہ جسے بندہ معاف کرسکے جیسے قرض اور حق اللہ وہ جو بندے کی معافی سے معاف نہ ہو۔ جیسے نماز اور روزہ وغیرہ بعض وعدے حق اللہ ہیں۔ اور بعض بندوں کا حق۔ جس میں کسی خاص بندے کا نفع ہے وہ بندے کا حق ہے اس قسم کی وعدہ خلافیوں میں بندہ سے معافی چاہے اور حقوق اللہ کی مخالفت میں رب سے توبہ کرے لہٰذا نماز کی قضا اور قضا کرنے کی توبہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سائلین یعنی بھکاریوں کو خیرات دینی چاہئے مگر احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیک مانگنا حرام ہے حتی کہ حضور انور نے بھیک سے بچنے پر لوگوں سے بیعت لی ہے اور یہ کہ بھکاریوں کو دینا بھی جرم ہے لہٰذا قرآن و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں سائلین سے مراد دینی طلباء ہیں۔ یعنی اپنے استادوں سے علم دین پوچھنے والے کہ ان پر خیرات خرچ کرنا فرض ہے تاکہ علماء پیدا ہوں اور علماء کی بقا سے اسلام باقی رہے کہ علم دین مکمل سیکھنا فرض کفایہ ہے اور فرض کے موقوف علیہ بھی فرض ہوتے ہیں۔ جیسے راج مستری طبیب پر شہر میں ہونا لازمی ہے۔ ایسے ہی ہر شہر میں ایک عالم کا ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ سائل سے مراد بھکاری ہیں مگر بھکاری دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پیشہ ور بھکاریوں کو دینے کی ممانعت فرمائی اور قرآن شریف نے ضرورت مند بھکاری کو دینے کا حکم دیا۔ لہٰذا حدیث و قرآن میں تعارض نہیں۔ اگر مسلمان سوچ سمجھ کر بھیک دیں تو آج مسلمانوں میں بھانڈ قوال گویئے، ہیجڑے، گھرے

نہ ہوتے جو مسلم قوم کے دامن پر بد نما داغ ہیں یہ قومیں مسلمانوں کے سوا کسی فرقہ میں نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ مکان بنیاد' دیواروں اور چھت کے مجموعہ کا نام ہے اور پھر اس میں اینٹ' چونہ' لکڑی' لوہا ہر چیز ضروری ہے اور ہر خرابی کو درست کرنے والے مستری علیحدہ کہ زنجیروں اور قبضوں کے لئے لوہار چوکھٹ کواڑ کے لئے بڑھئی اور دیوار کے لئے معمار۔ ایسے ہی تقوے کی عمارت کے لئے بے شمار چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی عمارت کے اسباب بتائے گئے اگرچہ وہ ہزاروں ہیں مگر تین قسم کے ہیں۔ (1) درستی عقیدہ جو اس کی بنیاد ہے اس کی طرف من امن سے والنبین تک کی عبارت میں اشارہ کیا گیا (2) نفس کی اصلاح جو اس کی دیوار و چھت ہیں۔ جس کی طرف اقام الصلوۃ سے باس تک کی عبارت میں اشارہ ہوا۔ (3) خلق سے اچھا معاملہ جو کہ اس عمارت کے کواڑ و زنجیر وغیرہ ہیں۔ اس کی طرف واتی المال سے فی الرقاب تک اشارہ ہوا۔ جس نے بنیاد اور چھت و دیوار' چوکھٹ و کواڑ کی درستی کرلی وہی سچا پرہیز گار ہے۔ جس پر گواہی پرور دگار ہے۔ اس عمارت کی بنیاد دل پر قائم اور اس کے معمار صوفیائے کرام تختے اور کواڑ کا تعلق شریعت اور علماء ظاہر سے ہے۔ اس کو تباہ کرنے والا محبت مال اور طلب عزت و جاہ کا سیلاب ہے۔ جس نے اس عمارت کو اس ہولناک طوفان سے بچالیا وہ مرد میدان ہے۔ اسی لئے یہاں صابرین کا خصوصیت سے ذکر فرمایا گیا (از روح البیان)۔

دوسری تفسیر : مال سے مراد علم ہے کیونکہ اس سے دل کی قوت ہے یعنی متقی وہ جو اپنا محبوب علم' روحانی قرابت داروں اور یتیموں یعنی نفسانی قوتوں پر خرچ کرے کیونکہ یہ نور' روح سے (جو اس کا باپ ہے) علیحدہ ہے اور طبعی قوتوں کے مسکینوں پر بکھیرے کہ انہیں اخلاق' آداب' سیاسیات وغیرہ سکھائے۔ جب اپنے کو علم سے آراستہ کرلے تو راہ طریقت کے مسافروں اور سائل طلباء کو دے۔ پھر جو لوگ دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں وعظ سنا کر دنیا کی شہوتوں سے ان کی گردنیں چھڑائے۔ علمی خدمات سے فارغ ہو کر حاضری و مشاہدہ کی نماز قائم کرے اور نفس کی زکوۃ نکالے کہ صفات الٰہی میں محو ہو کر غیر کی طرف توجہ نہ کرے۔ پھر اپنا ازلی عہد پورا کرے کہ فانی کو اس باقی میں فنا کردے اور ہمیشہ رب کے محتاج رہنے کی تکلیف میں صبر کرے۔ خواہشات نفس کی مخالفت اور شیطان کے ساتھ جنگ کرنے کی مصیبت پر صابر رہے۔ جس میں یہ صفتیں ہوں۔ اس نے قالو اِبلٰی کے عہد کو سچا کر دکھایا اور وہی شرک خفی سے بچا رہا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے فرض کیا گیا اوپر تمہارے خون کا بدلہ بیچ مقتولین کے آزاد بدلے
اے ایمان والو تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں۔ ان کے خون کا بدلہ لو۔ آزاد کے بدلے آزاد
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰىؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ
آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے۔ پس وہ جو کہ معاف کیا گیا
اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ تو جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ

مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ
واسطے اس کے طرف سے بھائی اس کے کے کچھ ۔ پس تقاضا ہے ساتھ بھلائی کے اور ادا کرنا ہے
معافی ہوئی تو معقول سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادا کرنا ۔ یہ تمہارے رب کی طرف
ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ
طرف اس کے ساتھ خوبی کے ۔ یہ ہلکا کرنا ہے طرف سے رب تمہارے کے اور رحمت ۔ پس جو زیادتی کرے
سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت تو اس کے بعد جو زیادتی کرے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾
بعد اس کے پس واسطے اس کے عذاب ہے دردناک
اس کے لئے دردناک عذاب ہے ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں نیکی کے اصول بیان کئے گئے۔ اب اس کے متعلق کچھ فروعی مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں صابرین کے فضائل بیان ہوئے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا رشتہ دار کسی کے ہاتھوں قتل کیا جائے تو تم بے صبری کر کے آپے سے باہر نہ ہو جاؤ اور اندھا دھند اس کا بدلہ نہ لو بلکہ اگر ہو سکے تو معاف کر دو ورنہ شرعی قاعدہ سے صرف قاتل کی جان لو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں نیک کاروں کے اعمال بیان ہوئے۔ اب بدکاروں کو نیک کار بننے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ حقوق العباد سے اپنے کو اس طرح ہلکا کرو **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کے کچھ مصرف بتائے گئے۔ اب بھی مال ہی کا ایک اور مصرف بیان ہو رہا ہے جو خود اپنے جرم سے لازم ہو گیا ہو یعنی لوائے خون بہا۔

شان نزول : اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں (1) ایک یہ کہ مدینہ منورہ میں دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ جن میں سے ایک قبیلہ دوسرے سے تعداد اور مال و عزت میں زیادہ تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ ہم اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک کے بدلے دو کو قتل کریں گے۔ اسلام سے پہلے بڑے لوگ چھوٹوں پر ایسے ظلم کرتے تھے۔ یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں انصاف اور برابری کا حکم دیا گیا۔ اور وہ لوگ اس پر راضی بھی ہو گئے (خزائن) (2) دوسری روایت یہ ہے کہ دین موسوی میں قتل کا بدلہ قتل ہی تھا مال یا معافی کا حق نہ تھا۔ دین عیسوی میں معافی لازم تھی۔ قصاص کا اختیار نہ تھا۔ کفار عرب کبھی تو خون کے عوض قتل کرتے تھے اور کبھی مال لیتے تھے۔ لیکن دونوں میں زیادتی کرتے تھے کہ خاندانی آدمی کے خون کے عوض چند لوگ قتل کئے جاتے یا بہت سا مال لیا جاتا اور غریب آدمی کے خون کا بدلہ نہایت معمولی ہوتا۔ ان تمام باتوں کو مٹانے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری۔ (3) تیسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر آئی (کبیر و درمنثور)

تفسیر : **یا یھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص** یہاں **الذین امنوا** سے یاتو حکام مراد ہیں یا قاتلین یا سارے مسلمان بلکہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں ذمی کفار سے بھی خطاب ہے اگرچہ صرف مسلمانوں ہی کا نام لیا گیا۔ کیونکہ جانی و مالی معاملات کفار پر بھی جاری ہیں چونکہ قصاص کے احکام بہت اہم ہیں کہ ان سے عالم کا انتظام قائم ہے اور یہ نفس انسانی پر قدرے گراں بھی ہیں اسی لئے رب تعالیٰ نے یہاں پہلے مسلمانوں کو خطاب کرکے پھر حکم سنایا انہیں حکمتوں سے ہوتا ہے یعنی اے مومنو تم ہم کو مان چکے۔ ہمارے حبیب پر ایمان لاچکے تو اب ہمارے سارے احکام مانو تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں غلام مولیٰ کے حکم پر جرح نہیں کرتا عمل کرتا ہے۔ کتب کتب سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا۔ اسی لئے لشکر کو کتیبہ اور کتاب کو کتاب کہا جاتا ہے کہ اس میں تو مختلف انسان اور اس میں مختلف مضامین جمع ہوتے ہیں۔ لکھنے کو کتابت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں مضمون جمع رہتا ہے۔ اصطلاح میں ثابت کرنا۔ قائم کرنا۔ اندازہ لگانا واجب اور لازم کردینا اور ارادہ کرنا بھی مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سب معنی لغوی معنی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اسی لئے غلام کی آزادی پر مال مقرر کردینے کو بھی کتابت کہتے ہیں۔ یہاں اور دیگر بہت سی آیتوں میں فرض یا مقرر کردینے کے معنی مراد ہیں۔ جیسے کتب علیکم الصیام۔ اسی لئے بھی کتاب اللہ سے اللہ کا حکم بھی مراد ہوتا ہے بلکہ کتب میں سخت تاکید معلوم ہوتی ہے کیونکہ لکھے ہوئے قوانین بولے ہوؤں سے زیادہ لازم ہوتے ہیں۔ حاکم پہلے ارادہ کرتا ہے پھر حکم دیتا ہے پھر لکھ کر شائع فرماتا ہے گویا حکم کی ابتدا ارادہ ہے اور انتہا تحریر۔ علیکم۔ یہاں بھی یاتو حکام سے خطاب ہے۔ یا قاتلین سے یا عام مسلمانوں سے اور یا ہر ذمی کفار سے بھی۔ القصاص۔ قص سے بنا جس کے معنی ہیں نقش قدم پر چلنا۔ **فارتدا علی اثارھما قصصا** اور جیسے کہ **وقالت لاختہ قصیہ** اصطلاح میں برابری کرنے کو **قص** کہا جاتا ہے۔ کہانی کو قصہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ واقعہ کے برابر ہوتی ہے اور قینچی کو مقص۔ کیونکہ اس کی دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں۔ قصاص خون کے بدلے خون کرنے کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے قاتل مقتول میں برابری ہوجاتی ہے۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں یعنی اے حاکمو تم پر قصاص لینا فرض کیا گیا یا اے قاتلو تم پر اپنے مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دینا فرض کیا گیا۔ خبردار قصاص سے بچنے کی کوشش نہ کرنا یا اے مسلمانو اور ذمی کافرو تم سب پر قتل میں قصاص فرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ قصاص میں صرف قتل کیا جاوے گا۔ طریقہ قتل میں برابری ضروری نہیں۔ قاتل گولی سے خنجر یا تلوار سے یا گلا گھونٹ کر کسی صورت سے بھی مار دے مگر اسے قتل ہی کیا جاوے گا۔ یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ شوافع کے ہاں طریقہ قتل میں بھی برابری چاہئے کیونکہ حضور انور نے اس یہودی کو جس نے ایک لڑکی کا سر کچل دیا تھا اس کا سر ہی کچلوادیا۔ مگر یہ دلیل ضعیف سی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا سے ہلاک کردے تو وہاں برابری کیسے ہوگی۔ غرضیکہ مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ **فی القتلی** فی سبب کے لئے ہے اور قتلی۔ **قتیل** بمعنی مقتول کی جمع یعنی مقتولین کے سبب سے۔ اگرچہ یہاں قتلی عام ہے لیکن اس سے بعض مقتولین علیحدہ ہیں کہ ان کے قاتل کو قتل نہ کیا جائے گا۔ باپ بیٹے کے عوض۔ مولیٰ غلام کے عوض۔ مسلمان حربی کافر کے عوض۔ خطا قتل کرنے والا مقتول کے عوض قتل نہ ہوگا (کبیر) اسی طرح اگر باپ مولیٰ استاد مرشد نبی اپنے ماتحتوں کو بلاوجہ بھی کچھ مار پیٹ دے بعد میں اپنی غلطی معلوم ہو تب بھی اس پر قصاص نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے غلط فہمی سے حضرت ہارون کو مارا بھی اور ملامت بھی کی۔ مگر اپنی غلطی پر مطلع ہوکر نہ قصاص دیا نہ معافی مانگی۔ رہا حضور انور کا اپنے کو

قصاص کے لئے پیش فرمایا وہاں تعلیم مسلوات کے لئے تھا۔ نیز وہ صورۃ "قصاص تھا حقیقت میں ان صحابی نے حضور کا سینہ پاک چومنا تھا الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی' الحر۔ مبتدا ہے اور بالحر خبر۔ یہاں ایک لفظ پوشیدہ ہے۔ ایسے ہی عبد اور انثی میں۔ یعنی آزاد آزاد کے عوض اور غلام غلام کے عوض اور عورت عورت کے عوض قتل کئے جائیں گے۔ اور ان میں نسبی فضل و شرافت و رذالت خوبصورتی بدصورتی اور تقویٰ اور فسق کا لحاظ نہ ہوگا اور ایسے ہی غیر قاتل کو ہرگز قتل نہ کیا جائے گا۔ چونکہ شرفاء عرب عورت کے بدلے مرد غلام کے بدلے آزاد اور ایک کے عوض چند کو قتل کرتے تھے۔ اس لئے اس طرح فرمایا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غلام مقتول کے عوض آزاد قاتل کو یا عورت مقتولہ کے عوض قاتل مرد کو یا ذمی مقتول کے عوض مسلمان قاتل کو قتل نہ کیا جائے بلکہ ان میں سے جو بھی کسی کو قتل کرے اس سے قصاص لیا جائے اور اس فرق کا لحاظ نہ ہوگا۔ اس کی تفسیر دوسری آیت کر رہی ہے کہ ان النفس بالنفس بعض علماء نے فرمایا کہ الحر بالحر الخ۔ ان النفس بالنفس سے منسوخ ہے۔ فمن عفی لہ' من سے مراد قاتل ہے اور عفی کا مادہ عفو ہے۔ یعنی مٹانا۔ معافی کو اس لئے عفو کہا جاتا ہے کہ اس سے جرم مٹ جاتا ہے۔ کبھی اس کی نسبت مجرم کی طرف لام سے ہوتی ہے اور کبھی جرم کی طرف عن سے کبھی اس کا عکس بھی جیسے عفی اللہ عنک۔ یہاں مجرم کی طرف نسبت ہے اور عن جنایتہ محذوف ہے۔ معافی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کامل جس میں مال بھی نہ لیا جائے۔ دوسرے ناقص کہ جان چھوڑ کر مال لے لیا جائے۔ یہاں دونوں بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی عرض کریں گے انشاء اللہ یعنی وہ قاتل جس کی معافی کر دی جائے من اخیہ شئی' اخ (بھائی) سے مراد مقتول کا وارث ہے اور ضمیر کا مرجع وہ قاتل ہی ہے۔ اسے بھائی کہہ کر معافی کی رغبت دی گئی کہ اگرچہ وہ تمہارے قریبی کا قاتل ہے مگر تمہارا اسلامی بھائی تو ہے اس رشتہ سے اس کی رعایت کرو۔ شئی عفی کا نائب فاعل ہے۔ اس کے معنی ہم پارہ الم میں شئی فلعو کے ماتحت بتا چکے اور اس سے مراد یا تو تھوڑی معافی یا تھوڑے خون کی معافی ہے یعنی جس قاتل کو اس کے بھائی (وارث مقتول) کی طرف سے تھوڑی سی معافی بھی مل گئی یا تو اس طرح کہ سب وارثوں نے خون چھوڑ کر مال منظور کر لیا۔ یا بعض نے یا ان میں سے ایک نے بھی معافی دے دی۔ لہذا عفی سے ناقص و کامل دونوں عفو مراد ہو سکتے ہیں تو کسی وارث کو بھی قصاص کا حق نہ رہا۔ بلکہ ان وارثوں پر اتباع بالمعروف لتباع کا مادہ تبع ہے یعنی پیچھے پڑنا۔ یہاں مال کا تقاضا مراد ہے کیونکہ اس میں بھی حق والا دوسرے کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ معروف کا مادہ عرف یعنی پہچانتا ہے۔ بھلائی کو اس لئے معروف کہتے ہیں کہ اس کا ثواب شرعاً مشہور و معروف ہے یعنی اب وارث لوگ نرمی اور مہربانی سے تقاضا کریں نہ تو مقرر مال سے زیادہ لیں اور نہ وقت مقررہ سے پہلے مانگیں اور نہ کج خلقی سے پیش آئیں۔ معافی کے بعد اس کا جرم قتل بھول جائیں اور رہا قاتل اس کے ذمہ یہ ہے کہ واداء الیہ باحسان۔ الیہ کا مرجع وارث مقتول ہے اور احسان کا مادہ حسن بمعنی خوبی ہے یعنی قاتل کو چاہئے کہ جس قدر مال پر صلح ہو گئی وہ مقتول کے وارثوں کو نیکی اور خوبی سے ادا کر دے۔ نہ تو حکام کو رشوت دے کر اسے محروم کرے نہ مقدمہ چلا کر اس کا کچھ خرچ کرائے نہ ترش روئی سے پیش آئے اور نہ وقت مقررہ سے دیر لگائے اور نہ کھرے روپوں میں کھوٹے ملائے ذلک تخفیف من ربکم و رحمتہ' ذلک سے دیت یا معافی یا اس اختیار کی طرف اشارہ ہے۔ تخفیف کے معنی ہیں ہلکا کرنا۔ یہاں مراد ہے گنجائش دینا۔ کیونکہ اس میں پابندی کا بوجھ اٹھ جاتا ہے۔ ایسے ہی رحمت سے مراد ہے قید نہ لگانا یعنی یہ دیت یا معافی کا حکم یا وارث مقتول کو اتنے اختیارات کا ملنا محض رب کا کرم اور فضل ہے ورنہ دین موسوی اور عیسوی میں

یہ گنجائش نہ تھی۔ اس میں قاتل کو اپنی جان بچانے اور وارث مقتول کو ثواب پانے کا موقعہ ہے لیکن اس گنجائش کے باوجود **فمن اعتدی بعد ذلک** من سے قاتل اور ورثاء مقتول دونوں ہی مراد ہیں اور ذلک سے معافی کی طرف اشارہ ہے یعنی اس معاف کردینے یا مال قبول کرلینے کے بعد اگر قاتل زیادتی کرے کہ اوائیں دیر لگائے یا وارثین مقتول حد سے بڑھیں کہ اس کو پھر قتل کرنا چاہیں یا زیادہ مال مانگیں یا وقت مقرر سے پہلے تقاضا کریں تو **فلہ عذاب الیم** اس کے لئے دردناک عذاب ہے یا تو دنیا میں کہ وارث مقتول اگر اب قاتل کو قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ یا اگر قاتل مال نہ دے تو جبراً وصول کیا جائے گا یا آخرت میں جہنم کا کہ جیسا جرم ہو گا ویسا عذاب۔

خلاصہ تفسیر : یہاں قتل کے متعلق دو احکام صراحۃً اور ایک اشارۃً مذکور ہوا۔ قصاص۔ دیت۔ معافی یعنی اے مسلمانوں تم پر مقتولین کی وجہ سے قصاص فرض کیا گیا۔ اس میں برابری ضروری ہے کہ قاتل ہی سے بدلہ لیا جائے نہ کہ کسی اور سے لہذا اگر آزاد کو آزاد قتل کرے تو تم آزاد قاتل ہی کو مارو اور اگر غلام کو غلام قتل کرے تو تم قاتل غلام ہی کو مار دو اور اگر عورت کو عورت مار ڈالے تو تم قاتلہ عورت سے ہی بدلہ لو۔ یہ نہ ہو کہ قاتل غلام کو چھوڑ کر بے گناہ آزاد کو مار دو یا ظالمہ عورت سے کچھ نہ کہو کسی بے گناہ مرد پر ہاتھ صاف کر دیا ایک کے عوض ایک تو مجرم اور دوسرے بے قصور کو قتل کر ڈالو۔ جانیں سب برابر ہیں۔ بدن اور وصف کی برابری ناممکن ہے اس کے علاوہ اگر مقتول کے ورثاء میں سے کوئی بھی قاتل کا خون معاف کر دے تو دوسروں کو قصاص کا حق نہ رہا۔ اب وہ یا تو آپس کا طے کیا ہوا مال لیں یا شریعت کی مقرر کی ہوئی دیت اور پھر یہ وارثین تو بھلائی سے تقاضا کریں اور قاتل خوش اسلوبی سے مال ادا کر دے۔ سمجھ لو کہ رب کا خاص تم پر ہی یہ کرم ہے جو تمہیں اتنے اختیارات دے دیئے ورنہ پچھلی قوموں میں یہ احکام نہ تھے کسی دین میں صرف قصاص کا حق تھا اور کسی میں صرف معافی کا۔ اب جو شخص اس معافی کے بعد بھی زیادتی کرے کہ یا تو قاتل ادائے مال میں ڈھیل کرے یا وارث معافی دے کر جان لینا چاہیں یا زیادہ مال مانگیں تو اس کو دردناک عذاب ہو گا تو دنیا میں اور یا آخرت میں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کسی بڑے سے بڑے گناہ کی وجہ سے انسان کافر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ عقائد خراب نہ ہوں دیکھو قاتل کو مقتول کے ورثہ کا بھائی کہا گیا اگرچہ قاتل بڑا گنہگار ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اپنے بھائی سے یعنی مسلمان بھائی مراد ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و ان طائفتن من المومنین اقتتلوا** اگرچہ لڑنے والی دو جماعتوں میں بہت کشت و خون بھی ہو جائے مگر انہیں مومنین فرمایا گیا۔ فرماتا ہے کل کل **انما المومنون اخوۃ** دوسرا فائدہ: بھائی چارے بہت قسم کے ہیں وطنی بھائی، قومی بھائی، نسبی بھائی، دینی بھائی وغیرہ۔ مگر ان سب میں دینی بھائی چارہ بہت قوی ہے۔ دیکھو قاتل بھائی مقتول بھائی کا وارث نہیں رہتا۔ معلوم ہوا کہ قتل سے بھائی چارہ ٹوٹ گیا مگر دینی بھائی رہتا ہے۔ تیسرا فائدہ: صحابہ کرام اگرچہ آپس میں لڑ پڑے مگر ان میں سے کوئی اس جنگ کی وجہ سے کافر یا فاسق نہ ہوا کہ وہ جنگ غلط فہمی کی تھی۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے پر زیادتی کرنے والے بھائیوں کو بھائی فرمایا۔ کہ فرمایا **من بعد ان نزغ الشیطن بینی و بین اخوتی**۔ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو مع ان کے شیر خوار بچے کے ایسے جنگل میں ڈلوایا جہاں نہ سایہ تھا نہ دانہ پانی گویا تڑپا کر مارنے کی کوشش کی مگر پھر بھی وہ دونوں بہنیں رہیں ایسے ہی آپس میں لڑنے والے صحابہ بھائی بھائی ہی رہے۔ چوتھا

فائدہ: قتل صرف قصاص کا سبب ہے نہ کہ معافی یا خون بہا کا بھی (جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں) کیونکہ قاتل اور معافی وارث مقتول کی مرضی سے ہے۔ کیونکہ کتب کے بعد صرف قصاص کا ذکر ہوا اور معافی کا ذکر دوسری طرح کیا گیا۔ پانچواں فائدہ: قاتل پر فرض ہے کہ اپنے کو قصاص کے لئے پیش کر دے۔ بھاگنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ بندے کا حق ہے۔ زانی اور شرابی اپنی سزاؤں سے بھاگ بھی سکتے ہیں اور دفع کرنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں (روح البیان و کبیر) اسی لئے زانی کا عیب چھپانا جائز مگر قتل چھپانا گناہ۔ چھٹا فائدہ: قصاص وارث مقتول کا حق ہے اسی لئے وہ معاف بھی کر سکتا ہے۔ ساتواں فائدہ: مسلمان گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ دیکھو یہاں مجرم قاتل کو مقتول کے وارث کا دینی بھائی کہا گیا۔ آٹھواں فائدہ: قصاص جان کا بدلہ ہے نہ کہ جسم اور طریقہ قتل کا۔ اسی لئے چھوٹے بچے کے عوض جوان قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ ان کی جانیں یکساں ہیں اگرچہ جسم مختلف۔ نواں فائدہ: اگر مقتول کے وارثوں میں سے ایک بھی قاتل کو معاف کر دے پھر بقیہ وارث قصاص نہیں لے سکتے۔ جیسا کہ شئی سے معلوم ہوا۔ کیونکہ بعض خون کی معافی ناممکن ہے۔

مسئلہ: مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ قاتل کو بلا عوض معاف کر دیں یا کچھ مال پر صلح کر لیں یا قصاص لیں (خزائن) مگر معافی کے بعد پھر قصاص نہیں لے سکتے۔ مسئلہ: چند قاتلوں پر قصاص نہیں۔ (1) مسلمان جو کافر حربی کو قتل کرے (2) مسلمان کو خطاً قتل کرے۔ خطا کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو پہچاننے میں خطا کہ مسلمان کافر حربی کے لباس میں تھا اس لئے مارا گیا۔ دوسرے فعل میں خطا کہ شکار پر گولی چلائی۔ درمیان میں انسان آ کر مر گیا۔ (3) جو شخص اپنے بیٹے بیٹی یا پوتے پوتی یا نواسے نواسی وغیرہ کو قتل کر دیں۔ ان ہر دو صورتوں میں خون بہا واجب ہو گا۔ (4) مالک اپنے غلام یا لونڈی کو قتل کر دے۔ اس صورت میں نہ قصاص ہے نہ خون بہا محض کفارہ واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صورت میں کچھ نہیں دوسری اور تیسری صورت میں خون بہا اور چوتھی میں کفارہ ہے۔ (عزیزی)

پہلا اعتراض: کتب سے معلوم ہوا کہ قصاص فرض ہے حالانکہ کسی پر بھی فرض نہیں نہ تو قاتل پر اپنے کو قتل کرانا واجب نہ حاکم پر نہ وارث مقتول پر نہ کسی دوسرے مسلمان پر کیونکہ معافی اور خون بہا کا موقعہ دیا گیا ہے۔ فرضیت اور اختیار جمع کیسے ہو گئے اور علیکم سے خطاب کس کو ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ حاکم پر قصاص قائم کرنا یعنی مقتول کے ورثاء کو اس کا موقع دینا اور نیز قاتل پر اپنے کو حوالے کر دینا فرض ہے۔ غرضیکہ یہاں قصاص سے قصاص قائم کرانا مراد ہے لہٰذا فرضیت حاکم اور قاتل کے حق میں ہے اور اختیار ولی مقتول کو۔ دوسرا اعتراض: قصاص کے معنی ہیں برابری تو چاہئے کہ طریقہ قتل میں بھی برابری ہو یعنی جس طرح قاتل نے مقتول کو مارا تھا ویسے ہی مقتول کا وارث اسے قتل کر سکے۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ ایک یہودی نے ایک بچی کا سر کچل دیا تھا حضور علیہ السلام نے بھی اس کو سر کچلوا کر ہی مروایا۔ حنفی کہتے ہیں کہ قصاص میں تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا یہ کیوں؟ (شافعی) جواب: آیت میں فی القتلی ہے نہ کہ فی القتل اور قتلی مقتول کو کہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ قتل میں برابری واجب نہیں بلکہ مقتول میں نیز یہ برابری ناممکن بھی ہے اگر قاتل نے کسی کو جلا دیا یا چھوٹے بچے کو لواطت وغیرہ سے ہلاک کیا ہو تو اب بولئے ولی مقتول کیا کر سکتا ہے کہ یہ فعل تو حرام ہیں۔ حدیث شریف میں بعض صورتوں میں برابری قتل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں وجوب نہیں۔ خیال رہے کہ اسلام میں

بعض ہنگامی قوانین ضرورت زمانہ کے لحاظ سے جاری ہوئے- پھر حالات جب معمول پر آگئے تو وہ احکام بھی ختم ہو گئے جیسے عرینہ والوں کے ہاتھ پاؤں ناک کان کٹوا کر اندھا کر کے انہیں جنگل میں پھکوا دینا اور وہاں تڑپا کر مارنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے- مگر وہ وقتی احکام تھے جو بعد میں بند ہو گئے- اگر شروع میں اتنی سختی نہ کی جاتی تو عرب کا صدیوں کا قتل و خون و غارت گری کیسے بند ہوتی اس یہودی کا سر کچلوا دینا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے- **تیسرا اعتراض:** اگر چند آدمیوں نے مل کر ایک کو قتل کیا تو ان سب ہی کو قتل کیا جاتا ہے- اب مقتول میں بھی برابری نہ رہی کہ ایک کے بدلے میں چند مارے گئے- **جواب:** ان میں سے ہر شخص قاتل ہے اور ہر قاتل کو مقتول کی طرح (مردہ) کر دینا چاہئے لہذا سب ہی قتل کئے جائیں گے- **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے بدلے آزاد اور عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جائے کیونکہ فرمایا گیا- **الحر- بالحر-** الخ (شافعی) **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو یہ حکم **ان النفس بالنفس** سے منسوخ ہے یا اس میں کفار عرب کے فعل کی تردید ہے اچھا تاؤ کہ مرد کے بدلے عورت کو اور آزاد کے بدلے غلام کو تم کیوں قتل کراتے ہو چاہئے کہ یہ بھی نہ ہو-

نوٹ : امام شافعی صاحب کے ہاں عورت کے قاتل مرد اور غلام کے قاتل آزاد سے قصاص نہ لیا جائے گا- مگر مرد کی قاتلہ عورت اور آزاد کے قاتل غلام سے قصاص لیا جائے گا- یہ آیت **ان النفس بالنفس** کے بھی خلاف ہے اور حدیث **المسلمون تتکافا دماء ھم** کے بھی مخالف- اسی طرح امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں ذمی کافر کے قاتل مسلمان سے قصاص نہ لیا جائے گا- ہمارے ہاں لیا جائے گا- کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب کفار نے جزیہ قبول کر لیا تو **فدماء ھم کدماء نا** ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح ہیں- وہ جو حدیث میں ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے نہ قتل کرو- اس سے کافر حربی مراد ہے تاکہ حدیثوں میں مخالفت نہ ہو- **پانچواں اعتراض:** کفر قتل سے بدتر گناہ ہے اور وہ تو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو چاہئے کہ یہ بھی توبہ سے معاف ہو جائے- **جواب:** بے شک قتل بھی توبہ ہی سے معاف ہو جاتا ہے مگر ہر جرم کی توبہ علیحدہ اس کی توبہ قصاص کی تیاری ہے-

تفسیر صوفیانہ : دل حاکم ہے نفس امارہ ظالم نیک اعمال مظلوم مقتول اور روح ان کی وارث- فرمایا جا رہا ہے کہ اے دل یا اے دل والو! جب نفس روح کے قرابت داروں یعنی نیک اعمال کو برباد کر کے گناہ کرا لوے تو تم پر نفس سے بدلہ لینا واجب ہے کہ جس درجہ کا نفس نے ظلم کیا ہو اسی درجہ کی اس کو سزا دو- اگر بڑا گناہ کرا یا ہے یا بڑی نیکی سے روکا تو اس کے عوض اسے سخت سزا دو اور اس سے بھاری نیکیاں کراؤ- اگر ایک فرض قضا کرا دیا تو دس نفل پڑھو- اگر زکوۃ سے روکے تو اس کے ساتھ ہی بہت سے صدقہ نفلی بھی کرو اور اگر کسی موقعہ پر شرعی مجبوری کی وجہ سے بدلہ نہ لیا جائے تو اس کا دوسری طرح عوض کرا لو- مگر ساتھ ہی خیال رکھو کہ نفس و روح وطنی بھائی ہیں- لہذا وہ تدبیر اختیار کرو کہ نفس بھی باقی رہے اور روح کا عوض بھی ہو جائے- صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کبھی نفس فرض نماز سے روکے تو بہت سے نفل بھی پڑھ لو- پھر اس سے کہو کہ اگر آئندہ تو نے یہ خواہش کی تو اس سے دگنے نفل پڑھوں گا-

حکایت : سلطان العارفین بایزید بسطامی کے نفس نے ایک بار بے موقعہ ٹھنڈا پانی مانگا- آپ نے تین سال تک ٹھنڈا پانی

ہی نہ پیا اور پھر فرمایا کہ اگر اب ایسی حرکت کرے گا تو چھ سال تک ٹھنڈا پانی چھوڑ دوں گا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور واسطے تمہارے بیچ قصاص کے زندگی ہے اے عقل والو! شاید کہ تم پرہیزگار بنو۔
اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقلمندو! کہ تم کہیں بچو۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں قصاص کا حکم تھا۔ اب اس کے بے شمار فائدے بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کے مضمون پر کوئی شبہ کر سکتا تھا کہ قصاص بے کار سا کام ہے۔ بلکہ در حقیقت ظلم ہے۔ کیونکہ اس سے مقتول تو لوٹ نہیں آتا اور قاتل کو بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ الغرض قتل بری چیز ہے تو تم نے قصاص لے کر اس میں زیادتی کیوں کر دی۔ اس آیت میں یہ شبہ مٹایا جا رہا ہے کہ قصاص موت نہیں بلکہ در حقیقت زندگی ہے۔

تفسیر : **ولکم فی القصاص حیوۃ** لکم میں یا تو حکام سے خطاب ہے اور یا قاتلین سے اور یا سارے لوگوں سے۔ قصاص ہماری قرأت میں تو الف سے ہے اور بعض قرأتوں میں بغیر الف قصص ہے۔ بمعنی قصاص یعنی قصاص میں تمہاری زندگی ہے (کبیر)۔ القصاص میں الف لام یا تو استغراقی ہے یا عہدی یعنی ہر قسم کے بدلے میں زندگی ہے۔ جان کا بدلہ جان۔ اعضاء کا بدلہ اعضاء اور مال کا بدلہ مال یا اسلامی قصاص میں کیونکہ کفار کے قصاص میں تو موت اور فتنہ و فساد تھا۔ حیوۃ سے یا تو دنیوی زندگی مراد ہے یا اخروی یعنی اے قاتلو! قصاص دینے میں تمہارے لئے اخروی زندگی ہے کہ تم گناہ سے پاک صاف ہو کر بارگاہ الٰہی میں پہنچو گے اور عذاب قبر و دوزخ سے نجات پاؤ گے یا اے حاکمو! تمہارے لئے قصاص قائم کرنے میں زندگی ہے کیونکہ تمہاری حکومت ملکی انتظام سے قائم ہے اور یہ انتظام بغیر قصاص نہیں رہ سکتا۔ اگر تم قصاص نہ لینے کا اعلان کر دو تو تمہارے ملک سے امن اٹھ جائے گا اور خود تمہاری اپنی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یا اے لوگو! قصاص میں تم سب کی زندگی ہے کہ اس ڈر سے کوئی کسی کے قتل کی ہمت نہ کرے گا جس سے کہ مقتول کی جان بھی بچے گی اور خود قاتل کی بھی اور ہر شخص کو اطمینان کی زندگی بھی نصیب ہوگی۔ یا اے لوگو! اسلامی قصاص میں زندگی ہے تمہارے بناوٹی قصاصوں میں تو موت تھی کہ ایک خون کے عوض قاتل و مقتول کے دو قبیلے لڑ پڑتے تھے جس سے عام خونریزی ہوتی تھی اور اس کا سلسلہ پشت ہا پشت چلتا تھا لہٰذا اے قاتلو! تم قصاص دینے میں کوتاہی نہ کرو اپنے کو بلا تامل قصاص کے لئے پیش کر دو یا اے حاکمو! تم قصاص لینے میں پس و پیش نہ کرو ثبوت جرم ہو جانے پر "فوراً" جاری کر دو یا اے مسلمانو! تم قصاص جاری کرانے میں تامل نہ کرو۔ قاتل کو قصاص سے بچانے کی کوشش نہ کرو۔ وکیل ظالم ملزم کو بچانے کی تدبیریں نہ کریں کہ اس سے دنیا کا انتظام بگڑے گا۔ قصاص میں سب ہی کا بھلا ہے اور سب کے لئے اس کے بہت فائدے ہیں۔ مگر یہ فوائد صرف اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ **یا ولی**

الالباب' اولی' ذو کی جمع ہے معنی والے۔ الباب لب کی اس کے لغوی معنی ہیں لپیٹنا۔ لبیتہ' ہو دائی۔ میں نے اسے چادر سے لپیٹ لیا کلمتہ (حدیث)۔ اصطلاح میں لب عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل ہاتھ پاؤں کی قید ہے کہ برے کام نہیں کرنے دیتی۔ یعنی اے عقلمندو! اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقلمند ہی قصاص سے زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ بے وقوف تو اب بھی مرتے مارتے ہی رہیں گے۔ کیونکہ غصہ میں اندھے ہو کر وہ کچھ سے کچھ کر بیٹھتے ہیں اس لئے فرمایا گیا کہ **لعلکم تتقون** تاکہ تم قتل سے بچے رہو یا دوزخ کی آگ سے۔ بچو یا مسئلہ قصاص پر اعتراض سے پرہیز کرو یا تاکہ امن کی زندگی پا کر متقی پرہیزگار بن جاؤ کہ تقویٰ اعمال سے اور اعمال اطمینانی زندگی سے میسر ہوتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : پچھلی آیت میں قصاص کا حکم اور مال یا معافی کی اجازت دی گئی تھی۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ معافی قصاص سے بہتر ہے اس لئے چاہئے تھا کہ معافی کا تو حکم ہوتا اور قصاص کا یا تو قانون ہی نہ بنتا یا فقط اس کا اختیار دیا جاتا کیونکہ یہ وحشیانہ فعل ہے اس آیت میں نہایت نفیس طریقہ سے قصاص کی بہتری اور معافی کا اس سے نیچے ہونا بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ بظاہر قصاص میں ایک جان لینی ہی ہے مگر درحقیقت جان بخشی ہے۔ اگر قصاص واجب نہ ہوتا۔ تو قاتل مال دینے یا معافی چاہنے پر کیوں مجبور ہوتا اور وارث مقتول معافی دے کر رحمت الٰہی کا حقدار اور قاتل کا محسن کیونکر بنتا۔ اب قاتل معافی پا کر ہمیشہ اس کا احسان مند رہے گا اگر قصاص واجب نہ ہوتا تو مقتول خون بہا دینا کیوں گوارا کرتا اور یہ مال اس سے کیوں کر وصول ہوتا۔ اب جان بچانے کے لئے وہ بخوشی مال دے گا۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو مقتول کے خون کی وقعت کیونکر معلوم ہوتی۔ دن رات انسان بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہوا کرتے۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو قاتل قتل کے گناہ سے کیونکر نجات پاتا۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو مقتول اپنی قبر میں کیونکر آرام سے رہتا۔ اسے اس خیال سے صدمہ ہوتا کہ میرا خون رائیگاں گیا۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو دنیا میں امن کیونکر قائم ہوتا۔ بادشاہ سے فقیر تک ہر ایک کی جان خطرہ میں رہتی۔ اگر تمہارا اپنا قصاص جاری ہوتا تو قبیلوں کی لڑائیاں کیونکر ختم ہوتیں۔ تم ایک کے بدلے دو کو مارتے۔ وہ موقعہ یا قوت پا کر دو کے بدلے آٹھ کو ٹھکانے لگا دیتے۔ تم بے گناہ کو قتل کرتے اس کے ورثاء موقعہ پا کر تم سے بدلہ لیتے جیسا کہ اب بھی افغانی پٹھانوں اور بعض راجپوتوں میں کہیں کہیں جاری ہے اگر قصاص نہ ہوتا تو تم کو بے فکری کی زندگی کیونکر حاصل ہوتی۔ ہر ایک کو ہر وقت اپنے مقتول کے بدلے کی فکر رہتی۔ اب قانون بن جانے سے تم بے فکر رہو گے۔ حاکم بدلہ لے گا لہٰذا عقل سے کام لو اور اس کے فوائد سے خبردار رہو۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ بظاہر قصاص ناپسندیدہ کام ہے کہ مرنے والا مقتول تو قصاص سے لوٹ نہیں آتا۔ اب قاتل کو مار کر قوم کا ایک فرد اور کم کر دیا جاتا ہے اور اس فرد کی کمی سے مظلوم مقتول کو کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچتا۔ یہ سب وہمیات نفس امارہ کے ہیں مگر عقل والے جانتے ہیں کہ قصاص سے آئندہ لوگوں کی جانیں بچ جاتی ہیں۔ ایک فرد کو کم کر کے ہزارہا افراد کی جان بچالی جاتی ہے۔ یہ مخصٰں قربانی قومی بقا کے لئے بہت مفید ہے۔ شخص کو مار کر قوم کو جلاؤ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: قصاص بہت بہتر چیز ہے۔ اس سے قتل تو کیا لڑائیاں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جنگ میں خون کا اندیشہ ہوتا ہے اور خون سے اپنی جان کا خطرہ۔ لہٰذا یہ فعل صلح اور امن کا ذریعہ ہے۔ **دوسرا فائدہ**: قصاص سے قصاص جان ہی مراد نہیں۔ بلکہ ہر قسم کا قصاص یعنی قصاص جان بھی اور قصاص اعضاء وغیرہ

بھی۔ جس کی تفسیر سورۂ مائدہ میں یوں ہے کہ جان کے بدلے جان" آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک دانت کے بدلے دانت غرضیکہ والجروح قصاص ہر زخم کا بدلہ اسی قسم کا زخم ہے۔ تیسرا فائدہ: حق یہ ہے کہ بعض کی موت میں بعض کی زندگی ہے۔ ظالم کی موت میں مظلوم کی زندگی۔ شہید کی موت میں اسلام کی زندگی کفار حربی کی موت میں مسلم قوم کی زندگی بلکہ یوں کہو کہ جانوروں کی موت میں انسانوں کی زندگی کہ اگر گائے بھینس وغیرہ ذبح نہ ہوں تو چارہ نہایت گراں اور دودھ گھی نہایت سستا ہو جائے۔ تمام پیداوار جانور ہی کھا جایا کریں۔ انسان کی ضروریات بند ہو جائیں بلکہ اگلے انسانوں کی موت میں پچھلوں کی زندگی ہے کہ اگر پیداوار جاری رہے اور موت نہ ہو تو زمین میں رہنے کو بھی جگہ نہ ملے اگر ریل میں مسافر چڑھتے رہیں کوئی کہیں نہ اترے تو یقیناً ریل جیل بن جائے۔ چاہئے کہ مختلف سٹیشنوں پر لوگ اترتے بھی رہیں۔ چوتھا فائدہ: یہ آیت انتہائی فصیح و بلیغ ہے کہ قصاص جو کہ موت ہے اسے زندگی کا ظرف بنایا گیا۔ عرب میں اس مضمون کو اس عبارت سے ادا کرتے تھے کہ القتل انفی للقتل یعنی قتل قتل کو مٹاتا ہے۔ اور اس کی فصاحت پر ناز کرتے تھے۔ مگر اس جملہ نے سارے فصحائے عرب کو حیران کر دیا دیکھو کتنا کامل کلام ہے کہ وہ عبارت بڑی تھی جس میں چودہ حرف تھے یہ عبارت اس سے چھوٹی اس میں لفظ قتل مکرر تھا۔ آیت میں یہ نہیں۔ اس کا مضمون بھی غلط آیت کا مضمون صحیح کیونکہ ہر قتل، قتل کو نہیں مٹاتا۔ بلکہ ظلماً" قتل تو اسے بڑھاتا ہے اور ہر قصاص قتل کو مٹاتا ہے اس میں فقط قتل کا ذکر قصاص میں قتل و زخم و حقوق مال سب ہی شامل ہے اس میں بتایا گیا کہ قتل، قتل کو مٹائے۔ یہاں فرمایا گیا کہ قصاص زندگی بخشے یعنی موت اپنی ضد کا سبب ہے۔ وہ عبارت ہیبت ناک ہے کہ موت ہی کا ذکر ہے اس آیت میں نیک فال ہے کہ اس میں زندگی کا ذکر ہے۔

پہلا اعتراض : جب قصاص میں زندگی ہے تو معافی اور مال کا اختیار کیوں دیا گیا۔ **جواب:** یہاں قصاص سے مراد قانون قصاص یا اس کا قائم کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ معافی اور مال اس کی شاخیں ہیں اگر یہ قانون نہ ہو تو دونوں بھی ختم ہو جائیں۔
دوسرا اعتراض: لعل۔ امید کے لئے آتا ہے۔ امید بے علم کر سکتا ہے۔ رب علیم و خبیر ہے اس کے لئے لعل کیسا؟
جواب: اس کا جواب شروع پارہ الم" لعلکم تتقون کی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ امید ہمارے لحاظ سے ہے کہ تم تقویٰ کی امید پر گناہوں سے بچو۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ خون کا بدلہ خون ہے۔ ایسے ہی گناہ کا بدلہ نیکی ہے۔ برے اعمال دل کا میل ہیں اور نیکیاں اس کا صاف کرنے والا صابن۔ گناہ کے بعد نیکی اس کا کفارہ ہے۔ اگر کوئی گناہ کرتا رہے نیکی کی طرف رخ نہ کرے تو سمجھو کہ وہ روحانی طور پر مر گیا۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ اے دل والو! گناہ کے بدلے نیکیاں کرنے میں تمہاری روحانی زندگی ہے۔ جس درجہ کی برائی کر بیٹھو، اس درجہ کی نیکی بھی کرو۔ کفر کا قصاص ایمان اور گناہ کا قصاص توبہ بقدر گناہ۔ حضرت وحشی نے سیدنا امیر حمزہ کو قتل کیا تھا، جب یہ ایمان لائے تو انہیں اپنے اس جرم پر بڑی ندامت ہوئی اور کفارہ کی فکر میں رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جھوٹے نبی مسلیمہ کذاب سے جنگ ہوئی۔ حضرت وحشی نے موقعہ پا کر خاص مسلیمہ کو قتل کیا اور یہ کہتے ہوئے گرز مارا کہ لے امیر حمزہ کا بدلہ اور بعد میں بھی کہتے تھے کہ اگر خون حمزہ قیامت کے دن میرے گناہوں کے پلے میں رکھا گیا تو انشاء اللہ خون مسلیمہ میری نیکیوں کے پلے میں ہو گا۔ ممکن ہے کہ یہ اس کا کفارہ ہو جائے کیونکہ وہ مومنین کے سردار کا خون ہے اور یہ مرتدین

کے سردار کا۔یہ ہے قصاص گنا۔جس میں قلب کی حقیقی زندگی ہے۔

دوسری تفسیر : اے بندو! جیسے کہ اللہ نے تم پر تمہارے مقتولین کا قصاص لازم کیا۔ایسے ہی اپنے مقتولین کے قصاص میں اپنے پر رحمت لازم فرمائی کہ جس کو اپنے عشق میں مارتا ہے اسے نہ مٹنے والی زندگی عطاء فرماتا ہے ایک سر لے کر ہزار سر بخشتا ہے۔مولنا فرماتے ہیں۔

گر یکے سر را ببو از بدن   صد ہزاراں سر بر آرد در زمن

اقتلونی یا ثقاتی لائما   ان فی قتلی حیاتی دائما

اس قصاص کے لالچ میں عشاق اپنے سر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں۔

شیر دنیا جویدا شکارے و برگ   شیر مولی جوید آزادی و مرگ!

چونکہ اندر مرگ بلیند صد وجود   ہمچو پروانہ بسو زاند وجود!

دنیا کا شیر شکار اور خوراک ڈھونڈھتا ہے۔اللہ کا شیر اپنے شکاری کو تلاش کرتا ہے کیونکہ اس فنا میں بقا اور اس بقا میں فنا ہے پروانے کا یہی کمال ہے کہ اپنے کو شمع میں فنا کردے۔ہر بیمار شربت شفا کا جویاں ہے۔مگر بیمار عشق شربت لقا کا طالب جس سے رب تعالیٰ دنیا میں ہی قصاص لے۔لے کہ اس کے گناہوں پر یہاں ہی تکلیف وغیرہ بھیج کر اسے صاف و پاک کردے وہ بہت ہی خوش نصیب ہے کہ پاک و صاف ہو کر دنیا سے جاتا ہے۔اس قصاص میں دائمی زندگی ہے یہ کشتہ ہو کر ایسا زندہ ہو جاتا ہے کہ سینکڑوں کو زندہ کردیتا ہے۔سونا کشتہ ہو کر شفا بن جاتا ہے تو اللہ کا بندہ کشتہ ہو کر مردوں کو زندہ کرے تو کیا بعید ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ
فرض کی گئی اوپر تمہارے جبکہ حاضر ہو ایک کو تم میں سے موت اگر چھوڑے مال وصیت واسطے ماں باپ
تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾
اور قرابت داروں کے ساتھ بھلائی کے واجب ہے اوپر پرہیزگاروں کے
جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے موافق دستور یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔**پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں قصاص کا ذکر ہوا جو کہ موت کا سبب ہے۔اب وصیت کا ذکر ہے۔جس کا سبب موت ہے۔**دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کی خونی معاملات میں بے قاعدگیوں کی اصلاح کی گئی۔اب مالی معاملات میں ان کی بے ہودگیوں کی درستی کی جارہی ہے۔**تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں

مقتول پر مال لینے کا ذکر تھا یعنی خون بہا۔ اب میت کا کمایا ہوا مال بانٹنے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قاتلوں کو حکم تھا کہ اپنے کو قصاص کے لئے پیش کرو اب فرمایا جارہا ہے کہ اے قاتلو! قصاص دینے سے پہلے اپنے مال کی وصیت صحیح طور پر کردو تاکہ تم خون کے جرم سے چھوٹ کر مال کے جرم میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ غرضیکہ وصیت کو قصاص سے بہت ہی مناسبت ہے اس لئے قصاص کے ساتھ وصیت کا ذکر بہت ہی مناسب و موزوں ہے۔

شان نزول : اسلام سے پہلے کفار عرب اپنے نام پر بہت مرتے تھے۔ زندگی و موت میں اسی کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ مرتے وقت اپنا مال کسی اجنبی مشہور آدمی یا کسی کمیٹی انجمن اور سوسائٹی کے نام کر جاتے تھے کہ میرے بعد یہ مال فلاں انجمن کو ملے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اہل قرابت کو دینے سے ہمارا نام نہ ہو گا۔ یہ لوگ چپکے سے کھا کر ختم کر دیں گے۔ مگر اس طرح ہماری سخاوت اور دریا دلی کا خوب چرچا ہو گا کہ فلاں آدمی بڑا کام کر گیا۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت اتری۔ جس میں حکم دیا گیا کہ اپنے مال سے اہل قرابت کو محروم نہ کرو۔ خیال رہے کہ قومی خدمت' ملکی خدمت' جب ہی اچھی ہے جب اللہ رسول کی رضا کے لئے ہو نام و نمود کے لئے تو نماز بھی باعث ثواب نہیں چہ جائیکہ یہ سیاسی چیزیں اسی لئے رب تعالیٰ نے انہیں ان جھوٹی ملکی خدمت سے روک دیا۔

تفسیر : **کتب علیکم** چونکہ تقسیم مال کا تعلق محض ایمان سے نہیں ہے وارثوں کے لئے مال چھوڑنا انسان کی پیدائشی عادت ہے ہر فرقہ میں اس کا رواج ہے۔ اس لئے یہ آیت **یا یھا الذین** سے شروع نہ کی گئی (عزیزی) ممکن ہے کہ اس کا تعلق پہلے کتب سے ہو اور مسلمانوں ہی سے یہاں بھی خطاب ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ کتب بمعنی فرض ہے کیونکہ شروع اسلام میں کچھ روز کے لئے وصیت فرض تھی۔ پھر میراث کی آیتوں سے اس کی فرضیت منسوخ ہوئی۔ صرف جواز یا مستحب ہونا باقی رہا۔ نیز قرآن کریم میں کتب 'فرض ہی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ نیز علیکم اور حقا" سے فرضیت ہی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ علیکم میں سارے ہی انسانوں سے خطاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں ہی سے ہو۔ **اذا حضر احدکم الموت۔** یہ **کتب** کا ظرف ہے کیونکہ مرتے وقت ہی وصیت کرنا فرض ہے نہ کہ اس سے پہلے موت سے مراد یا تو اسباب موت ہیں۔ جیسے قصاص اور سخت بیماری وغیرہ یا علامات موت جیسے سخت کمزوری اور طبیب کا شفا سے مایوس کر دینا ہو سکتا ہے کہ حضر سے قریب ہونا مراد ہو یعنی جب تم میں سے کسی پر علامات موت طاری ہو جائیں یا موت قریب ہو یہ توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ موت سے تمام فرض اٹھ جاتے ہیں۔ اس وقت وصیت کی فرضیت کیسی۔ نیز اس وقت نہ تو ہوش و حواس قائم ہوتے ہیں نہ زبان قابو میں۔ **ان ترک خیرا۔** خیر کے معنی ہیں بھلائی یہاں وہ مال مراد ہے جس کا لینا بھلائی ہو۔ یعنی مال حلال اور کفن دفن و قرض سے زیادہ۔ دوسرے کا مال یا رشوت و چوری کا مال اگر پتہ چل جائے تو اصل مالک کو دینا ضروری ہے نہ کہ ورثاء کو۔ یونہی بقدر کفن دفن مال میں بھی وصیت جاری نہیں اور بھی اس میں بہت سے نکات ہے جو انشاء اللہ فائدوں اور تفسیر صوفیانہ میں بیان ہوں گے۔ یہ **کتب** کی شرط ہے اور ترک سے مراد قریب ترک ہے کیونکہ وصیت موت سے پہلے ہوتی ہے اور مال بعد موت چھوٹتا ہے یعنی اگر بیمار اپنا مال 'کفن و دفن سے زیادہ چھوڑنے لگے یا اپنا مملوکہ' مقبوضہ مال چھوڑنے لگے یا قابل میراث مال چھوڑنے لگے تو اس پر فرض ہے۔ **الوصیۃ** لغت میں وصیت بوقت رخصت معاملہ کو کہتے ہیں شرعاً" اس تملیک کو کہتے ہیں جو

بعد موت ہو۔ مجازاً" تاکیدی احکام کو بھی وصیت کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے **یوصیکم اللہ** کیونکہ اہل عرب وصیت پورا کرنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ یہاں پانچ چیزیں ہیں۔ وصیت' موصی' موصی لہ' موصی بہ اور وصی وصیت' وصیت کرنا ہے۔ وصیت کرنے والا موصی جس کے لئے وصیت کی جائے وہ موصی لہ جس کی وصیت کی جائے وہ موصی بہ جس کو وصیت جاری کرنے کا حق دیا جائے وہ وصی۔ زید نے عمرو سے مرتے وقت کہا کہ تہائی مال میرے بھانجے بکر کو دے دینا۔ زید موصی ہے بکر موصی لہ ہے۔ تہائی مال موصی بہ اور عمرو وصی۔ اور زید کا یہ قول وصیت۔ یہاں وصیت بمعنی مصدر ہے۔ وصیت کرنا خیال رہے کہ جس مال کی میراث نہیں اس کی وصیت بھی نہیں دیکھو اپنا وقف کیا ہوا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں۔ یوں ہی نبی کا مال قابل میراث نہیں تو لائق وصیت بھی نہیں۔ لفظ خیر نے ان سب صورتوں کو لے لیا۔ چونکہ مومن کا مال بہت سی خیرو بھلائی حاصل کر لینے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اسے خیر فرمایا۔ مفلہ تعالیٰ مومن کی غنا بھی خیر ہے کہ شکر کا ذریعہ ہے اور اس کا فقر بھی خیر کہ صبر کا وسیلہ ہے اس لئے اس مال کو خیر فرمایا۔ **للوالدین والاقربین**۔ چونکہ عرب میں یہ رواج بھی تھا کہ میت کا مال اس کے زن و فرزند لے لیتے تھے اور ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو کچھ نہ دیتے تھے۔ اس لئے والدین کا ذکر پہلے ہوا۔ باقی قرابت داروں کا بعد میں یعنی مرنے والے پر فرض ہے کہ ماں باپ کے لئے خصوصاً" اور دوسرے اہل قرابت کے لئے عموماً" وصیت کر جائے مگر بالمعروف' شرع کے موافق ہو یعنی اللہ کے لئے ہو نہ کہ نام و نمود کے لئے۔ فقیر رشتہ دار کو کم اور غنی کو زائد نہ دے۔ قریب کے رشتہ داروں کو زیادہ اور دور والوں کو کم دے۔ حقیقی بھائیوں کو چچازاد بھائیوں کے برابر نہ کرے بلکہ کچھ زائد دے۔ **حقاً" علی المتقین' حقا**_ ایک پوشیدہ فعل کا مفعول ہے اور متقین سے یا تو ڈرنے والے مراد ہیں یا بچنے والے یعنی ہم وصیت ان پر فرض فرماتے ہیں جو اپنے مال کی بربادی اور آخرت کے عذاب سے ڈریں یا نافرمانی الٰہی سے بچیں۔

خلاصہ تفسیر : عرب میں تقسیم مال میت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔ ہاں وصیت پر بہت اہتمام سے عمل ہوتا تھا اکثر مرنے والے بھی وصیت میں اپنے نام و نمود کا خیال رکھ کر شہرت کی جگہ مال دے جاتے تھے اور اگر کوئی وصیت نہ کرتا تو اس کے بال بچے سارے مال پر قبضہ کر لیتے۔ ماں باپ اور دیگر اہل قرابت کو کچھ نہ دیتے' لہٰذا اسلام میں پہلے وصیت ہی فرض کی گئی اور فرمایا گیا کہ اے مسلمانو تم سب پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور کفن و دفن اور قرض سے زائد مال چھوڑنے لگے تو وصیت کر جائے مگر یہ وصیت ظلم کی نہ ہو بلکہ خصوصیت سے ماں باپ کے لئے ہو کہ ان کا حق بہت ہے اور عام طور پر اہل قرابت کے لئے بھی مگر دستور شرعی کے موافق وصیت کرے کہ محتاجوں پر مالدار قرابت داروں کو ترجیح نہ دے اور بقدر رشتہ ہر ایک کو مال دے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے بلکہ پرہیزگاروں پر واجب ہے کہ جو متقی بننا چاہے وہ اس آخری عمل پر ضرور کاربند ہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: تقوے کے لئے عبادات کے ساتھ معاملات کی درستی بھی ضروری ہے۔ دیکھو وصیت میں انصاف کرنا شرعاً" واجب قرار دیا گیا۔ **دوسرا فائدہ**: مال کو خیر کہہ کر یہ بتایا کہ وصیت خود اپنے مال میں ہوگی نہ کہ دوسرے کے مال میں لہٰذا اگر مرنے والے کے پاس دوسرے کی امانت ہے یا مال تو اپنا ہے مگر قرض بھی ہے یا چوری وغیرہ حرام کاموں کا پیسہ ہے کہ جہاں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی اس میں وصیت جائز نہیں بلکہ اس قسم کے مال مالکوں کو واپس کئے جائیں۔ اگر مالک کا پتہ نہ لگے تو ان کے نام پر خیرات کر دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ مال ورثاء کے لئے خیر نہیں

شر ہے۔ تیسرا فائدہ: صحیح یہ ہے کہ خیر سے مطلق بچا ہوا مال مراد ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ قرآن شریف نے تھوڑی چیز کو بھی خیر فرمایا ہے۔ مثقال ذرۃ خیر یرہ اور فرمایا لما انزلت الی من خیر فقیر۔ نیز جیسے کہ اب ہر تھوڑے بہت مال میں میراث فرض ہے ایسے ہی اس وقت وصیت فرض تھی جن مفسرین نے خیر سے زیادہ مال مراد لیا ان کی مراد کفن دفن اور قرض سے بچا ہوا مال ہے یعنی ضروریات سے زیادہ (کبیر)

مسئلہ: یہ آیت دو طرح منسوخ ہے ایک یہ کہ پہلے وصیت فرض تھی اب نہ رہی۔ کیونکہ اس وقت تقسیم مال وصیت پر ہی ہوتا تھا پھر آیات میراث نے سب کے حصے مقرر کر دیئے جس سے وصیت ضروری نہ رہی۔ دوسرے یہ کہ یہاں ماں باپ وغیرہ قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہے۔ پھر حدیث شریف میں آیا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ لہٰذا یہ منسوخ اب وصیت غیر وارث ہی کو ہو سکے گی (احمدی وغیرہ) مسئلہ: اب بھی وصیت چار قسم کی ہے۔ (1) ادائے زکوٰۃ و کفارات اور قرض اور روزہ نماز کا فدیہ اس کی وصیت فرض ہے۔ (2) غنی کے لئے جائز (3) فاسق کے لئے مکروہ۔ (4) دیگر امور خیر کے مستحب (در مختار) مسئلہ: اگر وارثین محتاج ہوں تو وصیت نہ کرنا بہتر اور تہائی مال سے کم کی وصیت بہتر ہے تہائی تک جائز۔ اس سے زیادہ ناجائز۔ مسئلہ: قابل میراث مال کی وصیت ہو سکتی ہے۔ اسی لئے مقروض اور غلام وصیت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا مال قابل میراث نہیں۔ مسئلہ: پیغمبر کا مال قابل میراث نہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں اور میراث مردہ کے مال کی بٹتی ہے اسی لئے ان کی بیویوں سے نکاح حرام ہے، جو ان کی وفات کے بعد رہ جائیں۔ طلاق والی بی بی کا یہ حکم نہیں۔ دیکھو اسمہ بنت جون جو حضور کی مطلقہ بیوی تھی اوروں کے نکاح میں گئی۔ دیکھو بخاری شروع باب الطلاق۔ نیز پیغمبر مثل مولیٰ کے ہیں اور امتی ان کی لونڈی، غلام۔ میراث کیسے پائیں۔ اسی لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں کہ کسے دیں نیز پیغمبروں کا چھوڑا ہوا مال صدقہ ہوتا ہے۔ جب ان کا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں۔ لہٰذا روافض کا سیدنا علی کو حضور کا وصی مال ماننا باطل ہے۔ ہاں ہر مسلمان ان کا وصی تقویٰ ہے اور علماء ان کے وارث علم ہیں اسی لئے انہیں وارث نبی کہا جاتا ہے۔ یہ سب فائدے خیر سے حاصل ہیں۔ مسئلہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ یہاں کتب سے حکم استحبابی اور والدین وغیرہ سے محروم ورثاء مراد ہیں یعنی اگر تمہارے ماں باپ وغیرہ میراث سے محروم ہو جائیں تو بہتر ہے کہ تم انہیں وصیت سے مال دے دو۔ واللہ اعلم۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وارثوں کے لئے وصیت جائز ہے پھر یہ حکم حدیث سے جو خبر واحد ہے کیونکر منسوخ مانا گیا اور اب کیوں نہ باقی رہا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم اجماع امت سے منسوخ ہے نہ کہ خبر واحد سے (تفسیر احمدی) دوسرے یہ کہ وہ حدیث اگرچہ واحد ہے لیکن قبول امت کی وجہ سے مثل متواتر کے ہو گئی اور متواتر سے نسخ قرآن جائز ہے (کبیر) تیسرے یہ کہ یہ حکم منسوخ نہیں بلکہ علت نہ رہنے کی وجہ سے اٹھ گیا۔ جیسے قرآن پاک میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مؤلفۃ القلوب (مائل بہ اسلام کفار) علیحدہ ہو گئے اور مصرف کل سات رہ گئے۔ یہ نسخ نہ ہوا بلکہ تبدیلی علت سے تبدیلی حکم ہوئی (از تفسیر کبیر)۔ دوسرا اعتراض: حضرت علی و عائشہ صدیقہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہاں خیر سے بہت زیادہ مال مراد ہے۔ حضرت علی نے سات سو درہم کو اور حضرت عائشہ نے چار ہزار درم کو تھوڑا مال فرمایا اور فرمایا کہ یہ خیر میں داخل نہیں۔ جواب: ان حضرات کا مقصود یہ تھا کہ

وصیت کرنا اس وقت مستحب ہے جبکہ مال وارثوں کی ضرورت سے زیادہ ہو ورنہ بہتر نہیں۔ اس قدر مال زیادہ اولاد والے کے لئے تھوڑا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وصیت کرنا خیر جب ہے کہ جب ورثاء غنی ہوں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی مال چھوڑے وہ وصیت کرے۔ اگر وصیت نہ کرے تو میراث میں مال ملے گا خواہ نبی چھوڑے یا ولی قرآن کریم فرما رہا ہے۔ **و ورث سلیمٰن داود** حضرت سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ دیکھو حضرت سلیمان وارث ہوئے اور حضرت داؤد مورث لہٰذا وہ حدیث کہ انبیاء نہ وارث ہوں نہ مورث۔ اس قرآنی آیت کے خلاف ہے۔ انبیاء کی میراث و وصیت ہونی چاہئے (شیعہ) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر حضور کی میراث بٹنی چاہئے تھی تو حضرت علی نے صحابہ کو اس میراث بانٹنے کا حکم کیوں نہ دیا۔ خاموش کیوں رہے اور اپنے دور خلافت میں کیوں نہ تقسیم کی۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں کتب علیکم میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور نہ انبیاء کا مال قابل وارثت ہے۔ ان کا مال بلکہ تمام سلاطین کی سلطنتیں وقف علی القوم ہوتی ہے۔ جس کا متولی قوم چنتی ہے دیکھو خلفائے راشدین کے مفتوحہ علاقے ان کی اولاد کو نہ ملے۔ آج قائد اعظم نے پاکستان بنایا تو ان کے بعد ان کی بہن یا ان کی بیٹی کو پاکستان نہ ملا بلکہ ان کی جگہ ایک بنگالی شخص خواجہ ناظم الدین متولی ہوئے۔ حضرت سلیمان 'داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث نہ ہوئے بلکہ کمال یا حال یا اعمال کے وارث ہوئے ورنہ حضرت داؤد کے بارہ بیٹے تھے سب وارث ہوتے نہ کہ فقط سلیمان علیہ السلام اسی لئے قرآن کریم نے اسی وراثت کا ذکر وہاں ہی فرمایا کہ **قال یایها الناس علمنا منطق الطیر** معلوم ہوا کہ وراثت علم مراد ہے نہ کہ وراثت مال۔

تفسیر صوفیانہ : اغنیاء پر مال کی اور اولیاء اللہ پر حال 'کمال' اعمال 'وصال ذوالجلال کی وصیت ضروری ہے۔ اغنیاء آخر عمر میں تہائی مال کی وصیت کر سکتے ہیں۔ مگر اولیاء اللہ اول حال میں ہی کل سے غنی ہو جاتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ اے دل والو! تم پر ضروری ہے کہ جب تم میں سے کوئی درجہ فنا کی طرف منتقل ہونے لگے اور اپنے نفس امارہ کی موت سے **موتوا قبل ان تموتوا** میں داخل ہونے لگے اور خیر یعنی صفات حمیدہ چھوڑ کر آگے بڑھنے لگے تو اپنے والدین یعنی روح اور بدن کے لئے اور دیگر اہل قرابت یعنی دل اور سر اور باقی بشری حالات کے لئے ایسی وصیت کر جائے کہ جو اسراف وغیرہ سے خالی ہو اور انہیں بتا جائے کہ ہم تو آگے چلتے ہیں تم شہوات اور رسوم و عادات کی پابندی سے الگ رہنا۔ جیسے کہ فرمایا گیا **ووصی بها ابراهیم بنیه** اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ **حقا علی المتقین** یعنی یہ وصیت ان پر واجب ہے جو شرک خفی سے بچے ہوئے ہو۔ خیال رہے کہ قرآن کریم جس طرح کہ اہل ظاہر کے لئے اترا یونہی اہل باطن کے لئے بھی آیا۔ ظاہر والوں کے لئے احکام ہیں جن میں نسخ و تبدیلی کا احتمال باطن والوں کے لئے اس کے حقائق و اسرار ہیں جن میں نہ کبھی تبدیلی ہو نہ نسخ۔ لہٰذا یہ آیت اہل شریعت کے لئے منسوخ ہے۔ اہل طریقت کے لئے باقی (روح البیان)

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ

پس وہ جو بدل دے اس کو بعد اس کے کہ سنے اسے پس اس کے سوا نہیں کہ گناہ اس کا اوپر ان لوگوں کے ہے

تو جو وصیت کو سن سنا کر بدل دے تو اس کا گناہ انہیں بدلنے والوں پر ہے۔ بے شک اللہ

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا

جو بدلتے ہیں اسکو تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے۔ پس وہ جو ڈرے وصیت کرنے والے سے کجروی یا

سنتا جانتا ہے۔ پھر جسے اندیشہ ہوا وصیت کرنے والے نے کچھ بے انصافی یا گناہ کیا تو

فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸۲﴾

گناہ کا پس صلح کرا دے درمیان ان کے پس نہیں ہے گناہ اوپر اسکے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اس نے ان میں صلح کرا دی اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں صحیح وصیت کرنے کا حکم تھا۔ اب اس کے جاری کرنے کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق**: گزشتہ آیت میں مرنے والوں کو ورثاء کے متعلق ہدایت کی گئی تھی۔ اب میت کے وصی کو تقسیم میراث میں احتیاط کا حکم ہے۔ **تیسرا تعلق**: دیگر کام انسان خود کر سکتا ہے۔ وصیت وہ چیز ہے کہ خود جاری نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ دوسرے مددگار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے پہلے فاعل کو احتیاط کا حکم دیا گیا۔ اب اس کے مددگار کو۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں غلط وصیت کرنے سے روکا گیا تھا اب صحیح وصیت کو غلط بنانے سے روکا جا رہا ہے۔

تفسیر : **فمن بدله** یا تو یہ ف عاطفہ ہے اور کتب پر یہ جملہ معطوف اور یا جزائیہ اور شرط اس کی محذوف ہے۔ من سے مراد موصی لہ، وصی، کاتب، حکام، وکیل، گواہ اور جو بھی وصیت سے خبردار ہو پھر اسے بدلتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہے غرضیکہ جس کو اس تبدیلی سے ذرا بھی تعلق ہو وہ سب مراد ہیں **بدل** تبدیل سے بنا۔ جس کے معنی ہیں بدلنا اور بدلوانا، بدلوانے کی کوشش کرنا، بدلتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا، تبدیل پر راضی ہونا یہاں یہ تمام معنی درست ہیں۔ ہ کا مرجع وصیت ہے کیونکہ وہ مصدر ہے جس کی طرف ضمیر مذکر لوٹ سکتی ہے۔ یعنی جب میت صحیح وصیت کرنے لگے یا کر جائے۔ تو گواہ، وصی، حاکم، وارث یا عام مسلمانوں میں سے جو بھی وصیت بدلے کہ یا تو کاتب غلط لکھے یا گواہ غلط گواہی دے یا حاکم رشوت لے کر غلط جاری کرے یا کوئی موصی لہ دوسرے کا حق کم کر دے یا ان میں سے جو کوئی مرنے والے کو غلط مشورہ دے کر وصیت بدلوا دے کہ وہ صحیح کرنا چاہتا تھا مگر اس نے غلط مشورہ دیا **بعد ما سمعه** اس کو صحیح سن چکنے کے بعد۔ اس کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جسے صحیح وصیت کی خبر ہی نہ لگی ہو وہ گنہگار نہیں یا تبدیلی وصیت میں گواہ کی شرط نہیں یعنی جو کوئی بغیر گواہ بنے ہوئے ہی سن لے اس پر بھی واجب ہے کہ صحیح جاری کرائے۔ یا اب جو مسلمان اس اسلامی قانون کو سننے کے بعد تبدیلی وصیت میں تعاون کرے۔ خیال رہے کہ قانون اسلامی سے بے خبری عذر نہیں۔ قانون کا اعلان حاکم یا سلطان کے ذمہ ہے اور اسے معلوم کرنا رعایا کے ذمہ۔

فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ انما حصر کے لئے ہے۔ الذین کو جمع فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ تبدیلی کرنے والے 'کرانے والے 'اس سے راضی ہونے والے 'اس پر قدرت رکھتے ہوئے خاموش رہنے والے سب گنہگار ہیں (کبیر) یعنی اب مرنے والا گنہگار نہیں کیونکہ وہ وصیت صحیح کر گیا تھا بلکہ گنہگار یہ لوگ ہیں جیسے ایک نیکی کے ذریعہ بہت لوگوں کی بخشش ہوگی۔ نیکی کرنے والا 'کرانے والا 'نیکی کا مشورہ دینے والا 'نیکی میں مدد کرنے والا 'نیکی سے خوش ہونے والا 'نیکی کی تمنا کرنے والا 'کرانے والا۔ مال مسروقہ اپنے گھر میں رکھنے والا 'اسے بیچنے والا 'خریدنے والا سب مجرم ہیں۔ ایسے ہی وہاں عدالت الٰہیہ میں ایک گناہ کی لپیٹ میں سب آجائیں گے اور خیال رکھو کہ **ان اللہ سمیع علیم** اللہ مرنے والے کی وصیت اور تبدیل کرنے والوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے اور اسے ہر ایک کی نیت کا بھی علم ہے۔ دنیا کے حکام کی پکڑ سے ہم چھوٹ سکتے ہیں کہ انہیں دھوکہ دے دیں۔ بتاؤ عدالت الٰیہ سے کیسے چھوٹو گے لہذا ہر شخص اس سے خوف کرتا رہے۔ چونکہ اس آیت سے مطلقاً "تبدیلی کی ممانعت ظاہر ہوئی۔ اب اگلی آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں ایک تبدیلی جائز بھی ہے وہ یہ کہ **فمن خاف من موص جنفا او اثما**۔ من سے وہ لوگ مراد ہیں جو بوقت وصیت مرنے والے کے پاس موجود ہیں۔ خوف سے یا ڈرنا مراد ہے یا فقط جاننا۔ اگر وصیت سے پہلے یا وصیت کے وقت پتہ لگ گیا کہ مرنے والا ناجائز وصیتیں کرے گا یا کر رہا ہے تو یہ خوف ہوا اور اگر مرنے کے بعد کسی کو میت کی غلطی کا پتہ لگا تو یہ علم ہوا (کبیر) بعض نے فرمایا کہ بعد موت کا جاننا بھی خوف ہے اور اس صورت میں جنف اور اثم سے مراد آخرت کا عذاب ہے یعنی جو میت کے ظلم پر واقف ہو کر اس کے عذاب پانے کا خوف کرے تو وہ وصیت درست کر دے۔ جنف کے معنی ہیں مائل ہو جانا۔ یہاں مراد ہے غلطی سے برا کام کر بیٹھنا۔ اثم 'جان بوجھ کر گناہ کرنا یعنی جو شخص بوقت وصیت خوف کرے کہ مرنے والا خطاء" یا دیدہ دانستہ خلاف شرع وصیت کر دے گا یا جو کوئی بعد موت میت کی غلط وصیت پر واقف ہو تو **فاصلح بینھم** اصلح۔ کا فاعل من ہے اور اصلح کے معنی ہیں صلح کرا دے اور ھم کا مرجع وہ لوگ ہیں جن کے لئے وصیت ہوئی۔ یعنی پس وہ حاکم یا کوئی یا وصی وارثوں میں اس طرح صلح کرا دے کہ جس کو زیادہ مال کی وصیت ہو گئی ہے اسے کم لینے پر راضی کر دے اور جو محروم کر دیا گیا ہے اسے دلوا دے یا مرنے والے سے صلح کرا دے کہ اس کو مشورہ دے کہ تو اپنی وصیت میں تبدیلی کر اور ورثاء کو اس پر راضی کر لے غرضیکہ یا تو اس کے مر چکنے کے بعد خود بدل دے یا حاکم سے بدلوا دے یا مرنے سے پہلے خود مرنے والے سے ہی بدلوا دے خلاصہ یہ کہ اس تبدیلی کی تین صورتیں ہیں وصیت کرتے وقت مرنے والے کو صحیح مشورہ دے کر اسے غلط وصیت سے روک دینا۔ وصیت کی تحریر ہو چکنے پر خود مرنے والے ہی سے غلط وصیت منسوخ کرا کے درست وصیت کرا دینا میت کے مر چکنے کے بعد اولیاء میت کو راضی کر کے غلط وصیت کو بدل کر درست کر دینا ان سب صورتوں میں اگرچہ وصیت میں تبدیلی تو ہوئی مگر **فلا اثم علیہ**' علیہ کی ضمیر کا مرجع تبدیل ہے نہ کہ صلح یعنی اس تبدیلی میں اس پر کوئی گناہ نہیں اور صلح کا ثواب ملے گا۔ بلکہ اگر صلح کرانے میں اس سے کوئی ناجائز کام بھی سرزد ہو جائے تو وہ بھی معاف ہو گا۔ کیونکہ **ان اللہ غفور رحیم**۔ اللہ نیک نیتوں کے گناہوں کو بخشنے والا مہربان ہے (تفسیر کبیر) اور ممکن ہے کہ یہ معنی بھی ہوں کہ اس تبدیلی کی برکت سے اللہ میت کی غلطی بخشنے والا ہے اور دیدہ دانستہ غلط وصیت کرنے والے کو اپنے رحم سے معاف فرمانے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : چونکہ مرنے والے کا کام ہے وصیت کرنا اور بعد والوں کا کام ہے اسے جاری کرنا۔ پچھلی آیت میں تو مرنے

والوں کو صحیح وصیت کی تاکید کی گئی اور اب روئے سخن جاری کرنے والوں کی طرف ہے تاکہ وصیت کی اہمیت کا پتہ لگ جائے۔ لہذا ارشاد ہے کہ جائز وصیت کو موصی لہ، گواہ، وصی، حاکم یا کوئی سننے والا مسلمان جو بھی جان بوجھ کر کسی طرح بدلے یا بدلوائے۔ تو اب میت گنہگار نہیں کیونکہ وہ تو جائز کام کر گیا۔ اس بدلنے کا گناہ ان لوگوں پر ہو گا جو بدلیں یا بدلوائیں یا بدلتا ہوا دیکھ کر طاقت کے باوجود خاموش رہیں یا جو اس سے دل سے راضی ہوں۔ جیسا جرم ویسا گناہ۔ اللہ ہر ایک کی بات سنتا ہے اور سب کی نیت جانتا ہے۔ لہذا بدلنے والوں کو اس سے ڈرنا چاہئے۔ ہاں ایک صورت میں تبدیلی جائز ہے وہ یہ کہ کسی کو پتہ چل جائے کہ مرنے والا غلطی سے یا جان بوجھ کر خلاف شرع وصیت کرنا چاہتا ہے یا کر رہا ہے کہ بعض کو محروم کئے دیتا ہے اور بعض کو بہت دیتا ہے یا غنی کو زیادہ اور فقیر کو کم دے رہا ہے تو اس کو مشورہ دے کر اس سے صحیح وصیت کرادے اور موصی لہم کو اس پر راضی کرلوے یا اگر میت کے مرنے کے بعد اسے غلط وصیت کا پتہ لگے جس سے میت کے عذاب کا اندیشہ ہو تو وہ وصیت درست کر کے وارثوں میں جاری کرے اور ان کو اس پر راضی کرے تو یہ تبدیلی کا گنہگار نہ ہو گا بلکہ صلح کرانے اور غلط کو صحیح کرنے کا ثواب پائے گا۔ اور اگر اس کی کوشش میں اس سے ناجائز کام بھی ہو گیا تو اللہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ ہماری اس تفسیر سے بحمدہ تعالیٰ بہت سے اعتراضات اٹھ گئے۔ جن کا ذکر ہم آگے کریں گے انشاء اللہ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: وصیت بڑی اہم چیز ہے اس میں تبدیلی کرنا سخت گناہ۔ حضور علیہ السلام نے ہر مسلمان کو تقویٰ کی وصیت فرمائی۔ بے نماز اور دیگر جرم کرنے والوں کو خوف کرنا چاہئے۔ اللہ توفیق عمل عطا فرمائے۔ جب معمولی مسلمان کی وصیت بدلنا یا جاری نہ کرنا اتنا سخت گناہ ہے تو حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی تبدیلی یا اس کو جاری نہ کرنا کتنا سخت جرم ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری تین سانسوں میں سے ایک سانس میں فرمایا۔ الصلوۃ۔ دوسری میں فرمایا **وما ملکت ایمانکم** تیسری میں فرمایا۔ **اللھم بالرفیق الاعلی** ایسی اہم وصیت پر عمل نہ کرنا سخت محرومی ہے حضور اکثر وعظوں میں فرماتے تھے **اوصیکم بتقوی اللہ** میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ ہم سب کو ان وصیتوں کے پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ دوسرا فائدہ: وصیت بدلنا، بدلوانا اور اس پر خاموش رہنا سخت گناہ ہے۔ لہذا اگر مولیٰ علی کو حضور علیہ السلام نے خلافت کی وصیت کی ہوتی تو وہ ضرور صدیق و فاروق سے کہتے بلکہ ان سے جنگ کر کے حضور کی وصیت جاری کراتے اور عام مسلمان ان کی اس میں مدد کرتے۔ جیسے کہ جنگ صفین و جمل میں کی۔ یا کم سے کم اور جگہ جا کر اپنی خلافت کا اعلان کرتے۔ انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت تھی ہی نہیں۔ صرف یاروں کی گھڑنت ہے۔ ورنہ اگر صدیق اکبر پر وصیت مصطفیٰ بدلنے کا الزام ہے تو حضرات اہل بیت پر اس پر خاموش رہنے کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اسرائیلی نیک آدمی کی میراث محفوظ رکھنے کے لئے حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام سے گری دیوار درست کرائی تاکہ اس صالح کے یتیم اپنے حق سے محروم نہ رہ جائیں اگر حضور کا مال قابل میراث ہوتا تو رب تعالیٰ ان کی میراث کبھی ضائع نہ ہونے دیتا اگر صحابہ انصاف نہ کرتے تو آسمان سے فرشتے بھیج کر اس کی حفاظت فرماتا۔ کیا حضور کی شان اس اسرائیلی نیک آدمی سے بھی کم تھی کہ رب نے انہیں محروم ہو جانے دیا۔ تیسرا فائدہ: مرنے والا اپنی وصیت بدل سکتا ہے اور دوسری وصیت ہی جاری ہو گی نہ کہ پہلی۔ جس سے ثابت ہوا کہ موت کے بعد وصیت پختہ

ہوتی ہے۔ چوتھا فائدہ: بندے کا حق خطا اور جان بوجھ کر مارنا باطل ہے۔ جیسا کہ جنفا"اور اثما" سے معلوم ہوا اگر کسی کی غلطی سے دوسرے کا برتن ٹوٹ جائے تو اسے قیمت دینا پڑے گی۔ پانچواں فائدہ: شرعی احکام میں لاعلمی کا عذر نہیں سنا جاتا چاہئے کہ احکام سیکھیں یا سیکھنے والے سے پوچھ کر عمل کریں۔ چھٹا فائدہ: جھگڑا کرنے والوں میں صلح کرانا بہت اچھی بات ہے کیونکہ جھگڑا گناہوں کی جڑ ہے اور صلح اس کا آرا۔ ساتواں فائدہ: صلح میں جھوٹ بولنے پر عذاب نہیں جیسا کہ غفور رحیم سے معلوم ہوا (کبیر) عزیزی نے فرمایا کہ تین جگہ جھوٹ بولنا جائز ہے۔ دو مسلمانوں میں جائز صلح کراتے وقت 'جنگ کی حالت میں دشمن کو غافل کرنے کے لئے۔ اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے کہ ہم تم کو زیور بنوادیں گے وغیرہ مگر شرط یہ ہے کہ اس میں بد عہدی نہ ہو۔ آٹھواں فائدہ: اگر میت غلط وصیت کر گیا ہو بعد میں اس کی اصلاح ہو جائے تو وہ ظلم کا گنہگار نہ ہو گا اور ممکن ہے کہ اس غلطی کی بھی معافی ہو جائے۔ نواں فائدہ: وصیت 'وقف' نسب' شرائط وقف وغیرہ کی گواہی سن کر بھی دی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ بعد ما سمعہ سے معلوم ہوا دیکھو حضرت صدیق اکبر نے حضرت جابر کے محض کہنے پر کہ حضور نے مجھ سے اتنی رقم دینے کا وعدہ فرمایا تھا وہ رقم دے دی ان سے گواہی نہ مانگی یہ تھا بعد ما سمعہ پر عمل۔ دسواں فائدہ: بچہ اپنے ماں باپ کے کفر پر عذاب نہ پائے گا میت زندوں کے رونے پر عذاب نہ پائے گی۔ غرضیکہ کوئی بھی دوسرے کے گناہ کی سزا نہ بھگتے گا۔ کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر صحیح وصیت کو بدل دیا گیا تو گناہ بدلنے والوں پر ہے نہ کہ میت پر۔ گیارہواں فائدہ: اگر مقروض ادائے قرض کی وصیت کر جائے اور وارث ادا نہ کریں تو قرض کا بوجھ میت پر نہیں وارثوں پر ہے۔ بارہواں فائدہ: بہتر یہ ہے کہ اگر مال زیادہ ہو تو محروم قرابت داروں کے لئے وصیت کر جائے اور ان میں ترتیب یوں رکھے کہ اول نسبی محرم جیسے خالہ' بھانجی' پھوپھی' بھتیجی' چچا' ماموں وغیرہ پھر دودھ شریکے محرم۔ پھر سسرال کے رشتہ دار اور پھر پڑوسی اور پھر دوسرے کار خیر جیسے مسجدیں بنوانا کنوئیں کھدوانا وغیرہ (عزیزی)

مسئلہ : اب وارث کے لئے وصیت اور تہائی مال سے زیادہ کی ہوئی وصیت جاری نہ ہو گی ہاں اگر ورثاء اس پر راضی ہوں تو جاری ہو جائے گی۔ اب بھی واجب ہے کہ امانتوں اور مالی حقوق اور ادائے قرض کی وصیت کر جائے تاکہ ورثاء اس سے بے خبر نہ رہیں۔ یونہی اگر اپنا قرض دوسروں پر ہے تو اس کی بھی خبر کر دے بلکہ بہتر ہے کہ یہ سب باتیں اپنے پاس لکھی ہوئی رکھے کہ موت کی خبر نہیں۔

پہلا اعتراض : صلح کرانا ثواب ہے اس کے متعلق یہ کیوں کہا گیا کہ گناہ نہ ہو گا اور جب گناہ نہیں تو غفور رحیم کا ذکر کیوں ہوا۔ جواب: اس کے جوابات تفسیر و خلاصہ تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ یا تو یہ مطلب ہے کہ میت گناہ سے پاک ہو گیا یا یہ کہ تبدیلی کا بدلنے والے پر گناہ نہیں اور صلح کرانے والا صلح میں جو برے کام کر بیٹھے گا وہ گنہگار نہ ہو گا۔ صلح کرانے میں کبھی جھوٹ بھی بولنا پڑ جاتا ہے اور کبھی اپنے اثر و رسوخ سے ایک فریق پر دباؤ بھی ڈالا جاتا ہے نہ یہ جھوٹ بولنا گناہ نہ یہ دباؤ ڈالنا گناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قرضخواہ و مقروض کی صلح اسی طرح کرائی کہ قرض خواہ سے آدھا قرض کہہ کر معاف کرا دیا اور مقروض سے فوراً" قرض ادا کرا دیا یہ دباؤ ناجائز نہیں بلکہ صلح کے لئے ہے اس پر گناہ نہیں۔ دوسرا اعتراض: بعد ما سمعہ کیوں فرمایا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جو سن کر اور جان کر تبدیلی کرے وہ گنہگار جو بے خبری میں ایسا کر بیٹھے وہ گنہگار

نہیں۔ اگر وہ گواہ نے حاکم کے سامنے غلط وصیت پیش کی اور اس نے وہی جاری کردی تو وہ بری الذمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ تبدیلی کا گناہ فقط ذمہ داروں پر ہی نہ ہوگا بلکہ جو مردے کی وصیت سن بھی لے اور تبدیلی کرنہ دے کے وہ بھی گنہگار ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے مال والوں کی وصیت میں تبدیلی کرنا جرم ایسے ہی حال والوں کی وصیتوں میں فرق کرنا سخت گناہ یعنی علماء پر واجب ہے کہ امت تک پیغمبر کے سارے فرمان بلا تبدیلی پہنچاویں۔ یونہی صوفیاء پر لازم ہے کہ اللہ والوں کے حال و قول مسلمانوں تک پہنچائیں۔ ان میں تبدیلی کرنا سخت گناہ ہے۔ ہاں اگر عالم دین یا شیخ وقت کو یہ اندیشہ ہو کہ ان حضرات کے فرمانوں سے یا حالات سے لوگ غلطی یا خطا میں مبتلا ہوں گے کیونکہ وہ چیزیں ان کی عقل سے بالاتر ہیں تو انہیں جائز ہے کہ ان کی شرح کرکے قابل فہم بنا کر لوگوں تک پہنچائیں یعنی ان مضامین میں عوام کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کردیں تو یہ گنہگار نہیں بلکہ ثواب کے مستحق ہیں اس کلام سے لوگوں کی غلط فہمی یا تو جنت یا اثم ہے اور ان عالی مضامین کی شرح کرکے انہیں قابل فہم بنانا اس کی اصلاح ہے۔ اسی لئے شامی نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے عقل سے بالا کلام مثل قرآنی متشابہات کے ہیں۔ ان کے دلی راز تک ان کے مشرب ہی کا آدمی پہنچ سکتا ہے یا تو کسی نظر والے سے اس کا مطلب پوچھو ورنہ ان میں غور کرو۔ دیکھو شامی باب المرتدین وہ حضرات رب کے پیارے ہیں مگر نااہل کو ان کی کتابیں دیکھنا منع۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے فرض کیا گیا اوپر تمہارے روزہ رکھنا جیسے کہ فرض کیا گیا اوپر ان لوگوں
اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ اگلوں پر فرض ہوئے
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾
کے جو پہلے تھے تمہارے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔
کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے ؐ

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں قصاص و وصیت کا ذکر تھا۔ جس کا تعلق جسمانی موت سے ہے اب روزہ کا ذکر ہے جس کا تعلق نفس امارہ کی موت سے ہے کیونکہ روزہ سے یہ مرتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ موذی کو مار ڈالنا اور بے گناہ کی زندگی میں کوشش کرنا ثواب ہے۔ اسی لئے وصیت کا جاری کرنا فرض ہے کیونکہ اس میں میت کے حکم کا زندہ کرنا ہے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ روح کو زندہ رکھو اور نفس کو مار دو یعنی روزہ رکھو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں معلوم ہوا کہ جان کا قصاص لینا ضروری ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اعمال کا قصاص یعنی بدلہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی کے روزے قضا ہو جائیں تو وہ اس کے عوض دوسرے رکھے۔

تفسیر : **یایھا الذین امنوا** چونکہ روزہ کا حکم دیا جارہا ہے جو نفس پر بھاری ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکار کر ان کی عزت افزائی فرمائی اور ہمت بڑھائی یا چونکہ روزے کا عبادت ہونا عقل انسانی سے وراء ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بھوکا پیاسا رہنا عبادت کیوں ہو گیا۔ اسی لئے اس طرح خطاب کیا گیا۔ یعنی تم ہو مومن اور بندہ وفادار تمہاری شان یہ ہے کہ ہمارا ہر حکم مانو سمجھ میں آئے یا نہ آئے کالج کے طلباء ہر بات عقل سے سمجھتے ہیں مگر فوج و پولیس کے ملازم ہسپتال کے مریض بغیر سوچے سمجھے اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا تم روزوں پر عمل کرو جہاں سلطان عشق ہے وہاں عقل کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ یا کہہ کر پیاروں کو پکار اور **ایھا** کی تنبیہ سے ان کی غفلت دور کی اور **امنوا** فرما کر ان کے محبوب ہونے کی گواہی دی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا کر ہمارے ہو چکے ہماری ہر سخت و نرم بات بھی قبول کرو۔ اگر آگ میں گرنے کو فرمائیں تو کود جاؤ۔ اگر تمہیں کسی مرغوب چیز سے ہٹائیں تو ہٹ جاؤ۔ کیونکہ یہ محبت کا تقاضا ہے۔ لہٰذا تم سے فرماتے ہیں کہ **کتب علیکم الصیام**' **کتب** کے معنی ہیں۔ لکھے گئے یا لازم کئے گئے یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے لوح محفوظ میں یہ روزے تمہارے نامزد کئے گئے تھے یہ فرضیت محض اتفاقی طور پر نہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہے لہٰذا تم اس پر ضرور عمل کرو یا توریت و انجیل میں لکھا جا چکا تھا کہ امت محمدیہ پر یہ روزے فرض ہوں گے ان کتب میں تمہاری نیک نامی ہو چکی ہے۔ اب روزہ چور یا روزہ چھوڑ یا روزہ توڑ ہو کر اپنے نام کو بٹہ نہ لگانا یا اب تک تو تم پر روزہ اختیاری عبادت تھی کہ تمہیں فدیہ کا بھی حق تھا مگر اب روزے لازم کر دیئے گئے۔ وہ اختیار ختم ہوا لہٰذا یہ آیت محکم ہے اختیار کی آیت منسوخ۔ صیام کا مادہ صوم ہے جس کے لغوی معنی ہیں باز رہنا' چھوڑنا اور سید ھا ہونا (کبیر) اسی لئے خاموشی کو صوم کہتے ہیں۔ **انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم** کیونکہ اس میں کلام سے باز رہنا ہے دوپہر کو صوم النھار کہتے ہیں کہ یہ وقت سورج کے قیام کا ہے۔ کہتے ہیں۔ **صامت الریح** ہوا درست ہو گئی اور صام الفرس۔ گھوڑا کھڑا ہو گیا (کبیر) شریعت میں مسلمان کا صبح صادق سے آفتاب ڈوبنے تک بہ نیت عبادت کھانا پینا اور ہم بستری ترک کرنے کا نام صوم ہے یعنی روزہ کیونکہ اس میں کھانا پینا چھوڑنا اور نفس کی درستی ہے۔ صیام اس کا مصدر ہے یعنی روزہ رکھنا جیسے قیام اور صوم و صائم کی جمع بھی صیام ہی آتی ہے۔ جیسے نائم کی جمع نیام اور قائم کی جمع قیام۔ یہاں معنی مصدری مراد ہیں (کبیر و احمدی) یعنی فرض کیا گیا تم پر روزہ رکھنا اور ممکن ہے کہ صیام صوم کی جمع ہو یعنی فرض کئے گئے تم پر روزے خیال رہے کہ یہاں صیام سے مراد رمضان کے روزے ہیں نہ کہ عاشورہ یا ہر ماہ کے درمیانی تاریخوں کے روزے لہٰذا یہ آیت ان احادیث کی ناسخ ہے جن سے عاشورہ یا ہر ماہ کے تین روزوں کی فرضیت ثابت ہے۔ نسخ حدیث بالقرآن درست ہے۔ **کما کتب علی الذین من قبلکم** چونکہ روزہ نفس پر دشوار تھا اسے آسان کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ یہ تم پر ہی فرض نہیں ہوا بلکہ اگلی امتوں پر بھی تھا ذرا ہمت سے کام لینا کہیں ان کے مقابلہ میں فیل نہ ہو جاؤ۔ تفسیر کبیر و احمدی میں ہے کہ آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک ہر امت پر روزے فرض رہے چنانچہ آدم علیہ السلام پر ہر قمری مہینہ کی تیرھویں' چودھویں' پندرھویں کے روزے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر عاشورہ کا روزہ فرض رہا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے روزے رکھے (در منثور) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ عیسائیوں پر ماہ رمضان کے روزے فرض تھے۔ چونکہ قمری مہینے موسموں میں گھومتے رہتے ہیں اور گرمی کے روزوں میں انہیں تکلیف ہوتی تھی اس لئے انہوں نے شمسی مہینے سے موسم بہار کے روزے لازم کئے تاکہ گرمی سے بچے رہیں اور بدلنے کے عوض بیس روزے اور بڑھا کر بجائے تیس کے پچاس بنا دیئے۔ ایسے ہی یہودیوں پر بھی رمضان ہی

کے روزے فرض تھے۔ جنہوں نے یہ چھوڑ کر ایک عاشورہ کا روزہ اختیار کیا کیونکہ اس دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی۔ غرضیکہ یا تو صرف روزہ میں تشبیہ ہے اور یا اس کی مقدار میں بھی اور الذین سے یا تو ساری اگلی امتیں مراد ہیں یا اہل کتاب لعلکم تتقون اس کا تعلق کتب سے ہے اور اس میں روزہ کی حکمت کا ذکر ہے یعنی تم پر روزے اس لئے فرض کئے گئے تاکہ تم جہنم کی آگ سے بچ جاؤ یا پرہیزگار ہو جاؤ۔ کیونکہ گناہ کرانے والا نفس ہے اور یہ کھانے پینے سے قوی ہوتا ہے۔ جب روزہ سے اس کی قوت ٹوٹے گی تو تمہیں گناہ کی طرف رغبت بھی کم ہو گی اور پرہیزگاری بھی حاصل ہو گی۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تمہیں ایک ایسا عمل بتاتے ہیں جو تقویٰ کی اصل ہے وہ یہ کہ تم پر روزے فرض کئے جاتے ہیں مگر یہ تمہارے واسطے نئی بات نہیں۔ تم سے پہلے اوروں پر بھی فرض رہ چکے ہیں تم اس پر کاربند رہو تاکہ تمہیں تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل ہو۔

روزہ

روزہ نبوت کے پندرھویں سال یعنی دس شوال 2 ہجری میں فرض ہوا۔ (خزائن العرفان' در مختار و خازن) اولاً صرف ایک روزہ یعنی عاشورہ کے دن کا فرض ہوا۔ پھر یہ منسوخ ہو کر ہر چاند کی تیرھویں' چودھویں' پندرھویں کے روزے فرض کئے گئے۔ پھر یہ بھی منسوخ ہو کر ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے مگر لوگوں کو اختیار تھا چاہے روزہ رکھیں چاہے فدیہ ادا کریں یعنی ہر روزہ کے عوض آدھا صاع (175 روپیہ اٹھنی بھر) گیہوں کا ایک صاع جو (351 روپیہ بھر) صدقہ کر دیں۔ پھر یہ اختیار منسوخ ہو کر روزے لازم ہوئے مگر یہ پابندی رہی کہ رات کو سونے سے پیشتر جو چاہو کھاؤ۔ پھر حضرت صرمہ کا واقعہ پیش آنے پر صبح تک کھانے پینے کا اختیار دیا گیا۔ مگر جماع پھر بھی حرام رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آنے پر رات میں یہ بھی حلال کر دیا گیا۔ ان سب چیزوں کا ذکر اگلی آیتوں میں آ رہا ہے اس آیت میں اجمالی حکم ہے۔ (تفسیر احمدی) یوں سمجھو کہ اولاً کلمہ پڑھنا فرض ہوا۔ پھر نماز' پھر زکوٰۃ' پھر روزے' پھر جہاد' پھر حج (روح البیان) درمنثور نے فرمایا کہ نماز میں بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ اور روزہ میں بھی۔ نماز معراج میں پچاس وقت فرض ہو کر پانچ پانچ کم ہو کر پانچ رہیں۔ پھر اولاً ہر وقت میں دو دو رکعتیں فرض تھیں بعد ازاں سفر میں دو رہیں اور اقامت میں بعض چار یا تین کر دی گئیں۔ کچھ روز بیت المقدس کی طرف پھر کعبہ معظمہ کی طرف ادا ہوئیں اور روزہ میں مذکورہ تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

روزے کے اسرار : روزہ میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اسی لئے ہر قوم اس کو عبادت جانتی رہی اور جانتی ہے اگرچہ طریقوں میں قدرے اختلاف ہو۔ ہم کچھ حکمتیں بیان کرتے ہیں۔ (1) روح عالم اجسام میں آنے سے پہلے کھانے پینے وغیرہ سے پاک و صاف تھی۔ اسی لئے گناہوں سے بھی محفوظ رہی۔ اجزاء جسم کا بھی یہ ہی حال تھا مگر جب یہ دونوں ملے تو جسم روح کی وجہ سے غذاؤں کے حاجتمند ہوئے اور گناہوں میں مبتلا۔ ضرورت تھی کہ اب بھی کچھ روز ان کو مرغوب غذاؤں سے باز رکھا جائے تاکہ انہیں اپنی پہلی حالت یاد رہے اور پہلے کی طرح اب بھی گناہوں سے بچتے رہیں۔ (2) نفس اور روح دو دشمن ہیں۔ جن کا مقام جسم انسان ہے ان میں سے ایک کی قوت دوسرے کے ضعف کا سبب ہے۔ نفس جسمانی غذاؤں اور لذتوں سے قوی ہوتا ہے اور

روح ٹھیک اصل ہے۔ ضرورت تھی کہ کچھ روز بھوکا رکھا جائے تاکہ نفس کمزور ہو۔(3) روزہ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کا پتہ چلتا ہے۔ جس سے غذا اور پانی کی قدر ہوتی ہے اور انسان خدا کا شکر کرتا ہے۔(4) روزہ سے بھوکوں پیاسوں پر مہربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ غنی اپنی بھوک یاد کر کے فقیر کی بھوک کا پتہ لگاتا ہے یہاں روح البیان میں ہے کہ انسانوں کے تیسرا ابو شاہ طمورث کے زمانہ میں سخت قحط سالی ہوئی تو مالداروں کو روزہ کا حکم دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ تم دوپہر کا کھانا فقیروں کو دو تاکہ شام کو تم اور وہ دونوں کھاؤ۔(5) روزہ سے بھوک کے برداشت کرنے کی عادت رہتی ہے۔ اگر کبھی کھانا میسر نہ ہو تو انسان گھبراتا نہیں۔(6) بھوک بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ اب بھی ڈاکٹر و طبیب کہتے ہیں کہ فاقہ بہت بیماریوں کا علاج ہے۔ کیونکہ اس سے معدہ کی اصلاح ہے۔(7) نفس دن میں تو کھانے پینے اور شب کو سونے کی رغبت کرتا ہے۔ شریعت نے اس کی مخالفت یوں کرائی کہ کبھی دن میں تو روزوں کا اور رات میں نمازوں کا حکم دیا کہ ماہ رمضان میں دن کو کھانے سے باز رہو اور رات کو تراویح اور تہجد پڑھو۔ خیال رہے کہ نماز سجدہ وغیرہ فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی ادا کرتے ہیں مگر روزہ صرف انسان ہی کی عبادت ہے فرشتے، دوسری مخلوق ملکہ غالباً جنات پر بھی روزے فرض نہیں۔ یہ انسانی خصوصیات سے ہے اسی لئے علیکم میں انسانوں سے خطاب ہوا جیسے رب فرماتا ہے **ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا** حج صرف انسانوں پر ہی فرض ہے۔

روزہ کے فضائل : روزہ کے فضائل بے شمار ہیں۔ یہاں کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔(1) حدیث قدسی میں ہے کہ رب فرماتا ہے کہ **الصوم لی وانا اجزی به** روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ساری عبادات میں ریا ہو سکتی ہے روزہ میں نہیں ہو سکتی کیونکہ سب میں کرنا ہے اور اس میں چھوڑنا ہے لہٰذا اس کی جزا بھی کوئی مقرر نہیں۔ رب دینے والا اور بندہ لینے والا۔ یا یہ مطلب ہے کہ دیگر عبادات قیامت کے دن قرض خواہ اور دوسرے اہل حقوق چھین سکتے ہیں مگر روزہ نہیں چھین سکتے۔ وہاں ان سے فرمایا جائے گا کہ روزہ ہمارا ہے کسی کو نہ ملے گا۔ ایک روایت میں ہے **وانا اجزى به** میں اس کا بدلہ ہوں (عزیزی) یعنی تمام عبادات کا بدلہ جنت اور روزہ کا بدلہ خالق جنت۔(2) تمام عبادات میں اطاعت کا غلبہ ہے اور روزہ میں عشق کا کیونکہ اس میں رب کے لئے دنیوی چیزوں کا چھوڑنا ہے۔

عاشقاں را شش نشان است اے پسر ۔۔۔ آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر!
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام ۔۔۔ کم خور و کم گفتن و خفتن حرام

یہ سب باتیں روزہ میں ہیں اور مطیع کا بدلہ تو انعام ہے مگر عاشق کا بدلہ لقاء حبیب۔(3) روزہ میں انسان ہر وقت عابد رہتا ہے سونا، بولنا، چلنا، پھرنا سب عبادت کیونکہ بہر حال روزہ منہ میں ہے۔(4) جیسے کہ وضو و غسل گندگی و جسم کو دور کر کے انسان کو عبادت، تلاوت اور مسجد میں آنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی روزہ روح کو پاک کر کے دربار یار کے لائق بناتا ہے اور مشاہدۂ جمال اور ہمکلامی رب ذوالجلال کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور جاتے تو روزہ رکھ کر جاتے اور توریت لینے کے لئے چالیس روزے رکھے۔(5) روزہ سے شہوت ٹوٹتی ہے غفلت دور ہوتی ہے جس کی غفلت اس سے بھی نہ جائے اسے چاہئے کہ اپنے کو رنج و غم اور فکر آخرت میں مبتلا رکھے کیونکہ یہ نفس کا آخری علاج ہے۔(6) حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ماہ رمضان اور قرآن روزہ دار کی شفاعت کریں گے۔(7) تین شخص بہت بدنصیب ہیں ایک وہ جو حضور پاک کا

نام شریف سنے اور درود پاک نہ پڑھے دوسرے وہ جو ماں باپ کا بڑھاپا پاکر جنت حاصل نہ کرلے۔ تیسرے وہ جو ماہ رمضان پاکر جہنم سے آزاد نہ ہو جائے۔(حدیث)

پہلا اعتراض : روزہ دن میں کیوں ہوا۔ رات میں کیوں نہ مقرر ہوا۔ جواب: رات میں تو انسان عادۃً بھی کچھ نہیں کھاتا پیتا سونے ہی میں گزارتا ہے اگر رات میں روزہ ہوتا تو عادت و عبادت اور طبیعت اور شریعت میں فرق نہ ہوتا۔ نیز دن میں انسان چیزوں کو بھی دیکھتا ہے اور لوگوں کو کھاتے پیتے بھی عورت کا حسن و جمال بھی اس کا لباس زینت اور چلنا پھرنا بھی ملاحظہ کرتا ہے جس سے کھانے پینے اور جماع کی رغبت پیدا ہوتی ہے اس وقت صبر کرنا واقعی کمال اور باعث ثواب ہے۔ دوسرا

اعتراض: لعل شک کے لئے ہے ہمارے رب نے کیوں فرمایا۔ جواب: یہ شک انسان کے لئے ہے یعنی تم تقویٰ کی امید پر روزہ رکھو اس پر یقین نہ رکھو کیونکہ قبولیت رب کے قبضہ میں ہے۔ تیسرا اعتراض: روزہ دار کو رات میں کھانے پینے کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ چاہئے تھا کہ دن و رات کا روزہ ہوتا۔ جواب: یہ بات طاقت انسانی سے باہر ہے۔ جس سے وہ ہلاک ہو کر دیگر عبادات سے بھی محروم ہو جائے گا نفس کی اصلاح منظور ہے نہ کہ اس کا ہلاک کرنا۔ چوتھا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے ساری عبادتیں واحد سے تعبیر فرمائیں صلوٰۃ' زکوٰۃ' حج وغیرہ روزوں کے لئے جمع کا لفظ کیوں ارشاد ہوا۔ یہاں بھی بجائے صیام کے صوم فرمانا چاہئے تھا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں صیام صوم کی جمع نہیں بلکہ مصدر ہے بمعنی روزہ رکھنا جیسے قیام بمعنی کھڑا ہونا اور اگر جمع ہو تب اس میں روزے کی اہمیت کا اظہار ہے کہ ہر روزہ مستقل اور بہت ثواب والی عبادت ہے لہذا ایک ماہ رمضان میں متعدد عبادتیں ہوتی ہیں۔ ہر روزہ مستقل عبادت اس میں ترغیب ہے یا روزے سے مختلف قسم کے روزے مراد ہیں۔ رمضان کے نذر کے کفاروں کے وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ : اے وہ لوگو! جو انوار حضوری کا مشاہدہ کے رب کے امن میں آ چکے تم پر جسمانی' قلبی' سری' روحانی' روزہ فرض کیا گیا جسمانی روزہ یہ ہے کہ روزہ دار کا ہر عضو گناہوں سے محفوظ رہے۔ آنکھ حرام چیز نہ دیکھے۔ کان جھوٹ غیبت و بد کلامی باجے کی آوازیں نہ سنے۔ زبان بری باتوں سے بچے وغیرہ۔ قلبی روزہ یہ ہے کہ وہ برے خیالات سے محفوظ رہے۔ روحی روزہ یہ کہ وہ عالم روحانیات میں رب کے سوا کسی کو نہ دیکھے۔ سری روزہ یہ کہ اپنے کو غیر اللہ سے بچائے۔ جو ان مفطرات سے بچا ہو وہ حقیقی روزہ دار ہے۔ شرعی روزہ تجلی آفتاب دیکھ کر شروع ہوتا ہے اور تاریکی رات دیکھ کر ختم۔ مگر طریقت کے روزے کی ابتداء تجلی جلال پر اور انتہا مشاہدہ جمال پر ہے۔ شریعت میں رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ شروع کرو اور عید کا چاند دیکھ کر ختم جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ اہل طریقت فرماتے ہیں کہ رب کا جمال دیکھ کر روزہ شروع کرو اور جمال ہی دیکھ کر افطار کرو۔ عوام کے روزے حلق کے ہیں۔ خواص کے دل کے اور خاص الخواص کے روزے قلب و قالب دونوں کے کیونکہ علیکم میں دونوں ہی سے خطاب ہے یہ روزے تم پر ہی فرض نہیں ہیں بلکہ تم سے پہلے روح اور جسم دونوں روزہ دار تھے۔ تم اس پر عمل کرو تاکہ اغیار سے بچ کر دربار یار کی حاضری کے قابل ہو جاؤ۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

دن گنے ہوئے پس جو ہو تم میں سے بیمار یا اوپر سفر کے پس شمار کرنا ہے

گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور

أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن

دن دوسروں سے اور اوپر ان لوگوں کے جو نہیں طاقت رکھتے فدیہ ہے کھانا فقیر کا پس جو زیادہ

دنوں اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔ پھر جو اپنی طرف سے نیکی

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ

کرے بھلائی پس وہ بہتر ہے واسطے اس کے اور یہ کہ روزہ رکھو تم بہتر ہے واسطے تمہارے

زیادہ کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بھلا

تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

اگر ہو تم جانتے ٭

ہے۔ اگر تم جانو ٭

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح سے تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں روزوں کا اجمالی حکم دیا گیا۔ اب اس کی مدت اور کچھ دیگر احکام کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ روزے سب پر فرض ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم میں سے بعض کو مہلت بھی ہے اور بعض کے لئے دوسری آسانی بھی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو یہ فرما کر تسلی دی گئی تھی کہ اگلوں پر بھی روزے فرض رہ چکے ہیں اب دوسری طرح بھی تسکین دی جارہی ہے۔

تفسیر : **ایاما معدودت** ایام جمع یوم کی ہے۔ جس کے حقیقی معنی ہیں دن۔ کبھی مجازاً" وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہیں اس کا زبر یا تو اس لئے ہے کہ کتب کا ظرف ہے یا صیام کی تفسیر یعنی اعنی کا مفعول یا صوموا فعل پوشیدہ کا ظرف۔ معدودات جمع معدودۃ کی ہے اس کا مادہ ہے عد جس کے معنی ہیں ملانا' گنتی شمار' پھر کبھی کمی یا تیار کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں تو گنے ہوئے دن مراد ہیں یا تھوڑے یا تیار و مقرر کئے ہوئے یعنی تم پر روزے فرض ہیں گنتی کے یا تھوڑے دنوں میں یا ان دنوں میں جو اس عبادت کے لئے پہلے سے مقرر کردیئے گئے۔ (روح و کبیر) گھبرانہ جانا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایام سے مراد ہر مہینہ کے تین دن ہیں کیونکہ ایام بھی جمع قلت ہے اور معدودات بھی جو تین سے نو تک کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اگر ماہ رمضان مراد ہوتا تو جمع کثرت فرمائی جاتی۔ یہ آیت اس وقت کی ہے جب یہ ہی تین روزے فرض تھے پھر **فمن شهد منكم الشهر** سے منسوخ ہوگئی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس سے ماہ رمضان ہی مراد ہے اس کی کمی بتانے کے لئے جمع

قلت لائی گئی۔ جیسے کہہ دیتے ہیں ایام دنیا۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ ان تین روزوں کی ناسخ ہے اور **من شهد منكم الشهر** اس کا بیان معدودات سے یا تو رمضان کے دنوں کی کمی بیان کی گئی یا ان کی افضلیت یعنی تھوڑے سے گنتی کے دن ہیں جب نفس کے لئے گیارہ ماہ کھاتے پیتے رہتے ہو تو ان گنے چنے دنوں میں رب کے لئے روزے بھی رکھ لیا کرو۔ یا یہ دن اور ان دنوں کی گھڑیاں گنی جاتی ہیں دوسرے مہینے کی تاریخیں کسی کو یاد نہیں ہوتیں مگر رمضان کی ہر تاریخ اور ہر ساعت مسلمان شمار میں رکھتے ہیں یا یہ مہینہ روزہ داروں کے لئے ہلکا ہوتا ہے کہ گنتے شمار کرتے گزر جاتا ہے روزہ چوروں کو بھاری جیسے قیامت کے دن مومن کو بقدر چار رکعت نماز اور کافروں کو پچاس ہزار سال کا یا ان تاریخوں کو اور ان میں ہونے والے کاموں کو فرشتے گنتے رہتے ہیں تاکہ ان کے ہر لقمہ ہر پانی کے قطرے ہر مومن کی ہر ادا پر ثواب دیا جاوے۔ غرضیکہ معدود تو یہ دن ہیں مگر عاد یعنی گننے والے مسلمان ہیں یا فرشتے رحمت **فمن كان منكم مريضا** یہ قضا کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور بیماری سے وہ مرض مراد ہے جس میں روزہ نقصان دے من شرطیہ ہے کان سے مراد بیماری موجود ہونا یا اس کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی بیمار ہے اور روزہ سے بیماری بڑھنے کا خوف ہو۔ دوسرے یہ کہ روزہ سے بیماری لمبی ہونے کا اندیشہ ہے تیسرے یہ کہ فی الحال تو تندرست ہے مگر تجربہ یا طبیب حاذق بتاتا ہے کہ روزہ سے بیمار ہو جائے گا ان سب صورتوں میں قضا کر سکتا ہے۔ مریض' مرض سے بنا جس کے معنی ہیں کسی کے اعضاء کا صحیح حالت پر نہ رہنا یعنی تم میں سے جو کوئی بیمار ہو **او على سفر** علی بمعنی فی ہے اور سفر کے معنی کھلنا ہیں۔ چونکہ پردیس میں جانے سے دنیا کے حالات ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اسے سفر کہتے ہیں۔ اسی لئے جاڑو کو مفسوا ایلچی کو سفیر صبح کے اجالے کو اسفر اور کتاب کو سفر۔ عورت کے بے نقاب ہونے کو اسفرار کہا جاتا ہے۔ ان سب میں کھلنے کے معنی موجود ہیں۔ (کبیر) شریعت میں ستاون میل کا ارادہ کر کے وطن سے نکل جانے کا نام سفر ہے اور جب تک کہ کہیں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ کرے وہ مسافر ہی ہوگا چونکہ بیماری کے اندیشہ سے بھی قضا جائز مگر سفر کے ارادہ سے قضا جائز نہیں بلکہ اس کے لئے سفر میں رہنا ضروری۔ اسی لئے یہاں **على سفر** فرمایا گیا۔ مسافرانہ کہا اور وہاں علی مرض نہ فرمایا یعنی جو شخص سفر میں ہو یا سفر پر سوار ہو تو ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ **فعدة من ايام اخر** عدۃ پوشیدہ علیہ کی خبر اور **عليه** عد کا مصدر ہے یا تو مصدری معنی ہی میں ہے یا بمعنی مفعول۔ ایام اخر سے بیمار کے لئے تو تندرست ہو جانے کا زمانہ مراد ہے اور مسافر کے لئے وطن واپس آنے یا کہیں پندرہ روز کی نیت سے ٹھہر جانے کا وقت یعنی ان پر دوسرے زمانہ میں اتنے ہی گئے ہوئے روزے رکھنا ضروری ہیں یا ان پر اس زمانہ کی شمار دوسرے وقت پوری کرنا واجب ہے۔ ان دونوں صورتوں میں روزہ بالکل ساقط نہیں بلکہ موخر کر دیا گیا آگے اس عذر کا ذکر ہے جس میں روزہ بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ اگر کوئی شخص پورے ماہ رمضان بے ہوش رہے کہ دن رات میں ایک گھڑی کے لئے ہوش میں نہ آئے۔ اس پر روزہ بالکل معاف ہے کہ نہ قضا واجب ہے نہ فدیہ۔ **وعلى الذين يطيقونه** یہ تیسرے گروہ کا ذکر ہے۔ جس پر نہ روزہ واجب نہ قضا۔ یطیقون اطاقت سے بنا جس کا مادہ طوق ہے یعنی گلے کا ہار گلے کی زنجیر کی بھی اسی لئے طوق کہا جاتا ہے کہ وہ ہار کی طرح گردن کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے پھر قدرت انسانی کو طاقت کہنے لگے۔ کیونکہ وہ کام کو گھیر لیتی ہے۔ کبھی مشقت کر سکنے کو بھی طاقت کہتے ہیں۔ یعنی آسانی سے کر لینے کو سہولت اور مشقت سے کرنے کو طاقت کیونکہ اس صورت میں کام انسان کو گھیر لیتا ہے یہاں اس میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ کہ اس سے طاقتور اور قدرت رکھنے والے انسان مراد ہیں اور یہ آیت **'فليصمه'** سے منسوخ ہے کیونکہ پہلے روزے کا اختیار

تھا کہ جو چاہے رکھے اور جو چاہے فدیہ دیدے پھر من شہد آیت سے یہ اختیار منسوخ ہو کر روزہ ہی فرض ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس سے وہ بڈھے مراد ہیں جنہیں روزہ میں مشقت ہو اور آئندہ طاقت آنے کی امید نہ ہو انہیں فدیہ کی اجازت دی گئی۔ تیسرے یہ کہ اس کا مصدر اطاقۃ باب افعال سے ہے اور اس کا ہمزہ سلب کے لئے اور اس سے وہ بیمار وغیرہ مراد ہوں جنہیں تندرست ہونے کی امید نہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں یہ آیت غیر منسوخ ہے (کبیر) یعنی ان لوگوں پر جو روزہ کی طاقت رکھیں یا ان بڈھوں پر جو بہت تکلیف سے روزہ رکھ سکیں یا ان بیماروں وغیرہ پر جو روزہ کی طاقت نہ رکھیں نیز جس شخص پر روزے ہوں اور وہ بغیر قضا کئے مرگیا اگر فدیہ کی وصیت کرگیا ہو تو ورثہ تہائی مال سے فدیہ ادا کریں یہ مجبور بھی اسی آیت میں داخل ہے سب سے زیادہ مجبور تو یہ شخص ہے اور اگر میت وصیت بھی نہ کرگیا ہو تب بھی ورثہ استحباباً اس کا فدیہ دے دیں۔ **فدیۃ طعام مسکین** یہ **علی الذین** کا ابتداء ہے بجب فعل محذوف کا فاعل۔ فدیۃ فدی یا فداء سے بنا جسکے معنی ہیں مصیبت سے حفاظت اور لازم بدلہ، نچھاور اور قربان ہونے کو فدا ہو جانا اس لئے بولتے ہیں کہ اس سے دوسرے کی جان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جرمانہ کو اسی لئے فدیہ کہا جاتا ہے کہ وہ لازم معاوضہ ہے۔ طعام اسم مصدر ہے بمعنی مطعوم یعنی خوراک اگرچہ یہ مطلق ہے جس میں ہر غذا داخل مگر اس سے مراد ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلا دینا ہے یا آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کشمش یا اس کی قیمت کی دوسری چیز باجرہ، مکئی، چاول وغیرہ کا مالک کر دینا۔ یہ ایک روزہ کا فدیہ ہے یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر ہر دن کے عوض ایک مسکین کی خوراک واجب ہے۔ **فمن تطوع خیرا** تطوع، طوع سے بنا جس کے لفظی معنی ہیں شوق، خوشی نفلی عبادت کو تطوع اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسان اپنی خوشی سے اسے کرتا ہے نہ کہ شرعی مجبوری سے خیر کے معنی بھلائی ہیں۔ یہاں زیادتی فدیہ مراد ہے یعنی جو شخص اپنی خوشی سے یہ مقدار مقرر سے زیادہ دے دے۔ **فھو خیر لہ** یہ زیادتی اس کے لئے بہتر ہے۔ اس زیادتی کی تین صورتیں۔ ایک یہ کہ ایک روزہ کے عوض چند مسکینوں کو کھلا دے۔ دوسرے یہ کہ ایک ہی مسکین کو مقدار مقرر سے زیادہ غلہ دے دے۔ تیسرے یہ کہ روزہ بھی رکھے اور فدیہ کی مقدار غلہ بھی خیرات کردے (روح البیان) کچھ بھی کرے کار خیر کی زیادتی بہتر ہے **وان تصوموا خیر لکم** یا تو مسافروں اور ان بیماروں کو خطاب ہو رہا ہے جو مشقت روزہ رکھ سکیں یا ان بڈھوں سے گفتگو ہے جنہیں فدیہ کی اجازت دی گئی تو خیر سے مراد مستحب ہے اور اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں (روح البیان) یعنی اے مسافروں اور بیماروں اگرچہ تمہیں قضا کرنے کی اجازت ہے یا اے بڈھو اگرچہ تمہیں فدیہ کا اختیار ہے لیکن اگر ہمت کر کے روزہ رکھ لو تو تمہیں زیادہ ثواب ملے گا کیونکہ رمضان میں سب تو روزہ دار ہوں گے اور اے مسافروں تم بے روزہ چھپ کر کھاؤ پیو گے پھر بعد رمضان سب کے منہ کھلے تم روزہ دار تو روزہ بھاری پڑے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ رمضان ہی میں روزہ رکھ لو قضا نہ کرو یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہو۔ اور خیر سے مراد بھلائی یعنی فخر کا مقابل ہو۔ جیسے **وان تصوموا خیر لکم** یعنی تمہاری خیر اس میں ہے کہ روزہ رکھو تب بھی یہ آیت غیر منسوخ اور یہ احتمال بھی ہے کہ تصوموا میں سب ہی سے خطاب ہو اور خیر سے مراد مستحب ہو یعنی اگرچہ فدیہ کا تمہیں اختیار ہے مگر روزہ بہتر۔ اس صورت میں یہ منسوخ ہے مگر ظاہر ہے کہ بلا وجہ آیتوں کا منسوخ ماننا مناسب نہیں لہذا پہلے تین معنی ہی کرنے چاہئیں۔ **ان کنتم تعلمون** اس میں بھی یا بیماروں، مسافروں سے خطاب ہے کمزور بڈھوں سے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے مسافرو اگر تم جانتے ہو تو سمجھ لو کہ قضا کرنے سے روزہ بہتر کیونکہ زندگی کا اعتبار نہیں ایسا نہ ہو کہ قضا کی مہلت نہ ملے

اور اس عبادت سے محروم ہو جاؤ یا اسے بڑھ دو اگرچہ فدیہ دینے سے تم بری الذمہ تو ہو جاؤ گے لیکن اگر ہمت کر کے روزہ رکھ لو تو بہت اچھا اے مسلمانو اگرچہ تمہیں اس وقت فدیہ کا اختیار تو دیا گیا لیکن اگر سمجھو تو روزہ ہی اچھا کیونکہ روزہ کا مقصد یعنی نفس کشی روزہ ہی سے حاصل ہوگی نہ کہ کچھ خیرات کر دینے سے۔

خلاصہ تفسیر : چونکہ روزہ نفس پر گراں تھا لہذا اگلی آیت میں بھی مسلمانوں کو تسکین دی گئی۔ اب اور طرح تسلی دی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو گھبراتے کیوں ہو یہ مشکل کیا ہے نہ تو ساری عمر کے روزے واجب ہیں اور نہ اکثر کے چند گنتی کے دن ہیں یعنی گیارہ مہینے خوب کھاؤ پیو۔ صرف ایک ماہ کے روزے رکھ لو۔ اس میں بھی تمہیں اتنی آسانی دی جا رہی ہے کہ جو تم میں بیمار ہو یا بیماری کا صحیح اندیشہ کرتا ہو۔ مگر بیماری بھی ایسی ہو جس کے لئے روزہ مضر ہو یا جو سفر میں ہو تو اسے اختیار ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھے۔ آئندہ قضا کر لے اور جو بڈھے یا مریض موت اس کی طاقت ہی نہ رکھتے ہوں تو ان پر ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کی خوراک بدلہ دے دینا واجب ہے جو کوئی ہمت کر کے زیادہ کر دے تو اس کے لئے اور بھی اچھا ہاں اے مسافرو اور بیمارو اگرچہ تمہیں روزہ قضا کرنے کی اجازت تو ہے مگر بہتر یہی ہے کہ ہمت کر کے روزے ہی رکھ لو کیونکہ خبر نہیں کہ آئندہ کیا ہو۔ عبادت میں جلدی بہتر ہے اگر تم اس کے فائدے جانتے ہو تو غور کرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: قرآن سے حدیث کا نسخ جائز ہے دیکھو ہر ماہ کے تین روزے اور عاشورے کے روزہ کا وجوب حدیث سے ثابت مگر اس کا نسخ اس آیت سے ہوا۔ دوسرا فائدہ: ہر بیماری میں روزہ کی قضا جائز نہیں۔ صرف اس میں جائز ہے۔ جس میں روزہ نقصان دے مگر ہر سفر میں قضا جائز خواہ سفر نقصان دے یا نہ دے جیسا کہ علیٰ سفر سے معلوم ہوا یعنی علیکم سفر نہ کہا گیا کہ تم پر سفر سوار ہو بلکہ فرمایا گیا کہ تم سفر پر سوار ہو۔ اور سفر تمہیں کوئی تکلیف نہ دے۔ جب بھی روزہ قضا کر سکتے ہو۔ تیسرا فائدہ: مجبوری دور ہوتے ہی قضا واجب ہے مثلاً مسافر کے چند روزے رہ گئے گھر آ کر پانچویں روز مر گیا تو ان پانچ روزوں کی پکڑ ہوگی جن میں گھر رہا۔ چاہئے کہ سفر سے آتے ہی اور بیماری سے اچھا ہوتے ہی قضا شروع کر دے۔ چوتھا فائدہ: سفر میں روزہ رکھنا بہتر۔ نہ رکھنا جائز جیسا کہ خیر لکم سے معلوم ہوا مگر مسافر پر نماز کا قصر واجب کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ نماز کی کمی اللہ کا صدقہ ہے فاقبلوھا تم اسے قبول کرو۔ اقبلوا امر ہے اور امر وجوب کو چاہتا ہے۔ خیال رہے کہ مسافر کے روزے اور نماز میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ اسے روزے قضا کرنا جائز ہے واجب نہیں مگر نماز کا قصر اس پر فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ مسافر چھوٹے روزوں کی قضا کرے گا مگر ان دونوں رکعتوں کی جو اسے معاف کر دی گئیں قضا نہ کرے گا لہذا مسافر کے روزوں پر اس کی نماز کو قیاس کرنا درست نہیں اور اس کے متعلق مذہب حنفی نہایت قوی ہے۔ پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدنی عبادت کا فدیہ مال بن سکتا ہے دیکھو روزہ بدنی عبادت ہے مگر اس کے فدیہ میں مسکین کو کھانا کھلانا درست ہے۔ لہذا اگر مرنے والے کے ذمہ اگر نمازیں رہ گئی ہوں تو ان کا فدیہ دے دینا درست ہے ایک نماز کا فدیہ ایک روزے کے فدیہ کی طرح ہے اور اگر سارا فدیہ نہ دیا جا سکے تو حیلہ اسقاط کر لینا درست ہے۔ چھٹا فائدہ: عزیمت پر عمل کرنا رخصت پر عمل کرنے سے بہتر ہے دیکھو معمولی بیمار معمولی کمزور بوڑھے کو فدیہ دے دینا اور مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی رخصت ہے مگر روزہ رکھ لینا عزیمت ہے۔ ارشاد باری ہوا کہ روزہ رکھنا بہتر ہے نیک اعمال میں مشقت اٹھانا بھی

عبادت ہے۔

مسئلہ : سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ عید اور بقر عید اور بقر عید کے بعد تین دن یعنی گیارھویں بارھویں تیرھویں ذوالحجہ۔ لہٰذا مریض و مسافران دنوں کے علاوہ میں قضا کریں۔ مسئلہ: فقط بیماری کے وہم پر روزہ نہ رکھنا جائز نہیں یا تجربہ یا نیک اور قابل طبیب کے کہنے سے بیماری کا اندیشہ معتبر ہے۔ مسئلہ: حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو روزہ سے اپنی یا بچے کی جان یا بیماری کا اندیشہ ہو تو اسے بھی افطار جائز ہے۔ مسئلہ: جو شخص کہ ستاون میل کے فاصلہ پر جانے کا قصد کرتا ہو اور اس درمیان میں سفر توڑنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ مسافر ہے۔ لہٰذا ڈاک گاڑی کا ڈرائیور و گارڈ جن کی گاڑیاں ستاون میل پر ہی ٹھہرتی ہیں مسافر ہیں اور پسنجر کے ملازمین مسافر نہیں کیونکہ یہ ہر اسٹیشن پر کام کرتے ہوئے یعنی سفر توڑتے ہوئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان پر پوری نماز بھی واجب اور روزہ بھی۔ مسئلہ: جو شخص صبح سے پہلے سفر کو نکل جائے وہ افطار کر سکتا ہے اور جو صبح کے بعد وطن سے نکلے اس پر روزہ واجب ہے کیونکہ یہاں علیٰ سفر فرمایا گیا (خزائن)۔ مسئلہ: اگر مقیم نے روزہ رکھ کر توڑ دیا پھر وہ مسافر ہو گیا تو کفارہ ساقط نہ ہو گا اور تندرست نے روزہ رکھ کر توڑا اور اسی دن بیمار ہو گیا تو کفارہ معاف ہے۔ (تفسیر احمدی)۔ مسئلہ: روزوں کی قضا لگاتار واجب نہیں الگ الگ بھی رکھ سکتا ہے جیسا کہ ایام اخر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : روزے ایک مہینے کے کیوں فرض ہوئے کم و بیش کیوں نہ ہوئے۔ جواب: زمانہ کی تین مشہور مدتیں ہیں۔ ہفتہ' مہینہ' سال ہفتہ چھوٹی مدت ہے اور سال بڑی اور مہینہ درمیانی۔ چونکہ مسلمان امت وسط ہیں اس لئے ان کا ہر کام درمیانی ہے۔ لہٰذا یہی مقرر ہوا نیز نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے لہٰذا ماہ رمضان کے روزوں کا ثواب دس ماہ کے برابر اور پھر شوال کے چھ روزوں کا ثواب ساٹھ دن یعنی دو ماہ کے برابر ہو کر سال کا ثواب ملے گا اور گویا یہ دائمی روزہ دار ہو گا۔ دوسرا اعتراض: روزہ کے لئے شمسی مہینہ کیوں مقرر نہ ہوا۔ چاند کا مہینہ اور وہ بھی رمضان مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے۔ جواب: کیونکہ چاند کے مہینے موسموں میں گردش کرتے رہتے۔ لہٰذا مسلمان ہر موسم میں روزے رکھیں گے۔ کبھی سردی کی آسانی سے فائدہ اٹھائیں گے اور کبھی گرمی کی مشقت سے زیادہ ثواب پائیں گے۔ شمسی مہینوں میں موسم پرستی کا وہم ہے۔ اسلامی سارے کام قمری مہینہ سے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ مسلمان خالق موسم کے پرستار ہیں نہ کہ موسم کے ماہ رمضان تمام مہینوں میں افضل ہے۔ جس کی وجہیں اگلی آیت میں بیان ہو رہی ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی نہیں ہے دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مسافر روزہ داروں کو دیکھ کر تین بار فرمایا کہ یہ گنہگار ہیں پھر آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: وہ حدیثیں مجاہدین کے بارے میں آئیں کہ وہ لوگ روزہ کی وجہ سے جہاد کی تیاری نہ کر سکے بلکہ ان میں سے بعض روزہ کی شدت اور سفر کی محنت سے بیہوش ہو کر گر گئے ان کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ گناہگار ہیں اور عام سفروں میں روزہ بہتر۔ غرضیکہ ہنگامی حالات کے احکام اور ہیں۔ نارمل حالات کے کچھ اور جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے سفر میں صحابہ کو نعرۂ تکبیر لگانے اور ذکر بالجہر سے منع فرمایا تھا کیوں' تاکہ دشمن ہماری آمد سے خبردار نہ ہو جائے اور جنگ کی تیاری نہ کرے یا کھیتی باڑی کے آلات کے متعلق فرمایا تھا کہ جس گھر میں یہ ہوں گے وہاں ذلت ہو گی کیوں' تاکہ لوگ زراعت میں مشغول ہو کر جہاد نہ چھوڑ بیٹھیں لہٰذا آیات و احادیث

متعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیمار اور بڈھے کو روزہ رکھنا بہتر ہے تو چاہئے کہ اگر کوئی بیمار روزے سے مرجائے تو ثواب پائے حالانکہ گنہگار ہوتا ہے۔ جواب: روزہ اس بیمار کو بہتر ہے جو قدرے تکلیف سے پورا کر سکے۔ مطیقون کے یہ ہی معنی ہیں۔ روزہ سے جان دینا جائز نہیں۔ کیونکہ جان کی حفاظت روزے سے زیادہ ضروری ہے پنجاب کے بعض جاہل لوگ اس مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے جو روزے کی حالت میں فوت ہو جاویں اور روزہ نہ توڑیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص حرام موت مرا مگر یہ ہیں جہلا' روزہ چوروں' روزہ توڑوں' جواریوں شرابیوں' زانیوں کی نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ اگر کوئی شخص نماز میں یا سفر حج میں یا سفر جہاد میں مرجائے تو وہ حرام کی موت نہیں مرتا تو جو روزے کی حالت میں مرجائے وہ حرام موت کیونکر مرے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ شخص گنہگار ہوا اور گنہگار کی نماز جنازہ درست ہے۔

پانچواں اعتراض: روزہ میں صرف کھانے پینے اور جماع سے ہی کیوں روکا گیا۔ دیگر چیزیں بھی منع ہونی چاہئے تھیں یا رات کو بھی روزہ ہونا چاہئے تھا جیسا کہ ہندوؤں میں ہے۔ جواب: روزہ کا مقصد نفس امارہ کو توڑنا اور جان باقی رکھنا ہے سانس وغیرہ بند کرنے سے جان جاتی رہتی ہے اور کچھ کھانے پینے کی اجازت سے تکلیف محسوس نہ ہوتی اور نفس نہ ٹوٹتا۔ ہندوؤں کے روزے عجیب واہیات ہیں کہ بعض میں تو وہ غلہ کے سوا باقی سب چیزیں کھاتے پیتے رہتے ہیں اور کبھی رات کو بھی نہیں کھاتے۔ اس کی بے ہودگی ظاہر ہے کہ جب دودھ' دہی اور پھل وغیرہ کھاتے رہے تو نفس مرا نہیں بلکہ موٹا ہوا اور دوسرے جسم کے روزوں میں تمام کاروبار چھوٹ جاتے ہیں اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ جیسا کہ گاندھی کے مرن برت سے تجربہ ہوا ایسا روزہ وہ ہی رکھ سکے گا جو مرنے کو تیار ہو۔ اسلامی روزہ ہر شخص بلا تکلف رکھ سکتا ہے اور عبادت وہ ہے جو ہر شخص کر سکے۔

تفسیر صوفیانہ : اعمال درخت ہیں اور جزا ان کا پھل۔ دنیوی درخت عام طور پر بڑے ہوتے ہیں اور پھل چھوٹے مگر دینی درخت یعنی اعمال تھوڑے مگر ان کے پھل بہت بڑے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ تم پر تھوڑی سی مدت کے روزے فرض ہیں مگر ان کے پھل دائمی' درختوں کو ساری آفات سے بچاؤ تاکہ پھل اچھا پاؤ۔ ایسے ہی روزے تمام بری حرکتوں سے پاک رکھو۔ جسمانی اور روحانی کھلاؤ اور پانی انہیں دیئے جاؤ۔ مگر جو تم میں سے مرض نفسانی میں مبتلا ہو یا سرائے دنیا میں مسافرانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے اس کا بھی پورا اہتمام نہ کر سکے تو مایوس ہو کر چھوڑ نہ دے بلکہ ممکن ہو ادا کرے۔ اور آئندہ اس کے بدلے کی کوشش کرے اور جو ایسے روزہ کی طاقت نہ رکھیں وہ کچھ فدیہ بھی ادا کر دیا کریں۔ مگر صحیح روزہ ہی بہتر ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ

مہینہ رمضان کا وہ ہے کہ اتارا گیا بیچ اس کے قرآن جو ہدایت والا ہے واسطے لوگوں کے اور

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن

مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَ

کھلی نشانیاں ہدایت اور فیصلہ کی پس جو پائے تم میں سے یہ مہینہ. پس چاہیئے کہ روزہ رکھے اس کا

باتیں تو تم میں سے جو کوئی یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں

مَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ

اور جو ہو بیمار یا اوپر سفر کے پس شمار ہے دوسرے دنوں سے۔ ارادہ کرتا ہے اللہ ساتھ تمہارے

ہو تو اتنے روزے اور دنوں کے رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى

بھلائی کا اور نہیں ارادہ کرتا ساتھ تمہارے تنگی کا اور تاکہ پورا کرو تم شمار کو اور تاکہ تکبیر کہو

نہیں چاہتا اور اس کے لئے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو

مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

تم اللہ کی اوپر اس کے کہ ہدایت کی تمکو اور تاکہ تم شکر کرو۔

اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم شکر گذار رہو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ چند دن کے روزے فرض ہیں۔ اب ان دنوں کا تقرر ہو رہا ہے یعنی پہلے اس مدت کا اجمالی ذکر تھا۔ اب اس کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ روزہ بہترین عبادت ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ روزوں کا مہینہ بہترین مہینہ ہے یعنی روزہ ذاتاً بھی اچھا اور وقتاً بھی اعلیٰ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں روزہ کی حکمتیں بیان ہوئیں کہ یہ تقویٰ کا ذریعہ ہے اب روزہ کے لئے ماہ رمضان مقرر ہونے کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نزول قرآن کا زمانہ ہے۔ لہٰذا روزوں کے لئے یہی موزوں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں روزہ کے فضائل و احکام بیان ہوئے اب وقت روزہ یعنی رمضان کے فضائل و احکام بیان ہو رہے ہیں۔

تفسیر : **شهر رمضان الذی** ہماری قرأت میں **شهر** کو پیش ہے کیونکہ یا تو یہ الصیام کا بدل ہے یا پوشیدہ مبتداء کی خبر اور یا خود مبتداء ہے اور الذی اس کی خبر یا **شهر** موصوف ہے الذی صفت اور هدی اس پوری عبارت کی خبر یعنی فرض کئے گئے تم پر روزے وہ کون ہے۔ ماہ رمضان کے یا وہ گنتی کے دن ماہ رمضان ہیں۔ یا ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ماہ رمضان لوگوں کا ہادی ہے۔ **شهر** کے معنی ہیں ظاہر ہونا اسی سے شہرت اور مشہور اور اشتہار ہے۔ تلوار سونتنے کو شہر السیف کہتے ہیں۔ چونکہ چاند دیکھتے ہی مہینہ کی شہرت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اسے شہر کہا جاتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ بڑی بستی کو فارسی میں اسی لئے شہر کہتے ہوں کہ وہ بہت میں مشہور ہوتا ہے۔ رمضان یا تو رحمٰن کی طرح اللہ کا نام ہے۔ چونکہ اس مہینہ میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی ہے لہٰذا اسے شہر رمضان یعنی اللہ کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور گیا بلکہ کہو کہ ماہ رمضان آیا اور گیا جیسے مسجد و کعبہ کو اللہ کا گھر کہتے ہیں کہ وہاں اللہ کے ہی کام ہوتے ہیں۔ ایسے ہی رمضان اللہ کا مہینہ ہے کہ اس مہینہ میں اللہ کے ہی کام ہوتے ہیں۔ روزہ و تراویح وغیرہ تو ہیں ہی اللہ کے مگر بحالت روزہ جو نوکری، تجارت

وغیرہ کی جاتی ہے وہ بھی اللہ ہی کے نام قرار پاتے ہیں۔ اس لئے اس ماہ کا نام رمضان یعنی اللہ کا مہینہ ہے۔ یا یہ رمضاء سے مشتق ہے رمضاء موسم خریف کی بارش کو کہتے ہیں۔ جس سے کہ زمین دھل جاتی ہے اور ربیع کی فصل خوب ہوتی ہے چونکہ یہ مہینہ بھی دل کی گرد و غبار دھو دیتا ہے اور اس سے اعمال کی کھیتی ہری بھری رہتی ہے۔ اس لئے اسے رمضان کہتے ہیں۔ ساون میں روزانہ بارشیں چاہئے اور بھادوں میں چار بار اساڑھ میں ایک اس ایک سے کھیتیاں پک جاتی ہو اسی طرح گیارہ مہینے برابر نیکیاں کی جاتی ہیں پھر رمضان کے روزوں نے ان نیکیوں کی کھیتی کو پکا دیا۔ یا یہ رمض سے بنا جس کے معنی ہیں گرمی یا جلنا چونکہ اس زمانہ میں مسلمان بھوک پیاس کی تپش برداشت کرتے ہیں یا یہ گناہوں کو جلا ڈالتا ہے اس لئے اسے رمضان کہا جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ جب مہینوں کے نام رکھے گئے تو جس موسم میں جو مہینہ تھا اسی سے اس کا نام ہوا جو مہینہ گرمی میں تھا اسے رمضان کہہ دیا گیا اور جو موسم بہار میں تھا اسے ربیع الاول اور جو سردی میں تھا جب پانی جم رہا تھا اسے جمادی الاولیٰ کہا گیا وغیرہ انشاء اللہ مہینوں کے ناموں کی تحقیقات انی عدۃ الشهور کی تفسیر میں کی جاتی۔ اسلام میں ہر نام کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور نام کام کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ دوسری اصطلاحوں میں یہ بات نہیں ہمارے بڑے جاہل کا نام محمد فاضل ہوتا ہے اور بزدل کا نام شیر بہادر یا خان بہادر اور بد صورت کو یوسف خاں کہتے ہیں اسلام میں یہ عیب نہیں۔ رمضان بہت خوبیوں کا جامع تھا اسی لئے اس کا نام بھی رمضان ہوا۔ (کبیر و روح وغیرہ) انزل فیه القرآن قرآن قرء سے بنا جس کے معنی ہیں ایک جگہ ہونا فیہ کا مرجع ماہ رمضان ہے۔ قرآن کی پوری تحقیق ہم مقدمہ میں بیان کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ روح البیان اور کبیر نے فرمایا کہ یہ قرء سے بنا جس کے معنی ہیں جمع ہونا چونکہ اس میں غیبی خبریں اور اولین و آخرین کے علم جمع ہیں۔ اسی لئے اسے قرآن کہا جاتا ہے کبیر نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قرینہ بمعنی علامت ہے یہ بھی قدرت کے قرائن ہیں۔ چونکہ رمضان شریف میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف آیا اور بیت العزت میں محفوظ کیا گیا۔ پھر وہاں سے تیئس سال میں حضور علیہ السلام پر اترتا رہا حضور پر اترنے کی ابتداء رمضان میں ہوئی۔ اس طرح کی پہلی وحی یعنی اقرا باسم ربک پانچ آیتیں سترہ رمضان دو شنبہ کے دن سحر کے وقت نازل ہوئیں۔ (روح البیان سورہ علق) بعض روایات میں چوبیس رمضان بھی ہے یا جبرئیل امین ہر رمضان میں پورا قرآن کریم حضور علیہ السلام کو سنایا کرتے تھے اس لئے فرمایا گیا کہ رمضان میں قرآن اترا بلکہ کبیر و روح المعانی و روح البیان وغیرہا میں ہے کہ ابراہیمی صحیفے رمضان کی پہلی رات کو اور توریت شریف رمضان کی چھٹی رات کو اور انجیل تیرھویں رات کو اور قرآن کریم چوبیسویں رمضان کو اتریں غرضیکہ بہت سی کتابیں اسی مہینہ میں اتریں۔ هدی للناس یا تو یہ قرآن کا حال ہے یا شہر رمضان کی خبر۔ اور هدی یا مصدری معنی میں ہے یا اسم فاعل کے۔ یعنی یہ رمضان یا قرآن لوگوں کو ہدایت دینے والا ہے یا اس میں لوگوں کو ہدایت ہے۔ ہدایت کے معنی اور اس کی اقسام ہم هدی للمتقین میں بیان کر چکے ہیں۔ قرآن کی ہدایت بذریعہ حدیث کے ہے کہ اگر حدیث کا انکار کر دیا جاوے تو نہ نماز کے معنی سمجھ میں آتے ہیں نہ زکوۃ کے۔ اسی لئے یہاں تو قرآن کو ہدایت فرمایا گیا اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا اس قرآن سے بہت لوگوں کو ہدایت ملتی ہے اور بہت کو گمراہی' رمضان کا ہادی ہونا اس طرح ہے کہ رمضان لوگوں کا دل بدل دیتا ہے کہ اس کے آتے ہی مسجدوں میں رونق آجاتی ہے۔ تلاوت و ذکر کثرت سے شروع ہو جاتے ہیں غرضیکہ گیارہ مہینے وعظ وہ اثر نہیں کرتا جو صرف رمضان کی آمد اثر کرتی ہے۔ پھر فقط ہدایت ہی نہیں بلکہ وبینت من الهدی ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں یا تو پہلی ہدایت سے ہدایت خفی اور دوسری سے جلی

یعنی ظاہر ہدایت مراد ہے یعنی اس میں شریعت کے احکام کی ظاہری ہدایتیں بھی ہیں اور اسرار طریقت کی باطنی رہبریاں بھی جیسا آدمی ویسی اس کی ہدایت یہ قرآن و رمضان کافر کو ایمان کی مومن کو تقویٰ و اعمال کی متقی کو عرفان کی عارف کو لقاء و رحمان کی ہدایت دیتا ہے۔ پلور یکساں ہے مگر بلبوں کی قوتیں جداگانہ ہر بلب اپنی طاقت کے مطابق اس سے ہدایت لیتا ہے۔ دینے والے کا فیض یکساں مگر لینے والوں کی جھولیاں مختلف ہیں یا پہلی سے اصول دین کی ہدایت اور دوسری سے فروع دین کی یا پہلی ہدایت سے خود قرآن کی اپنی ہدایت مراد ہے اور دوسری سے گزشتہ کتابوں کی ہدایتیں مراد ہیں یعنی قرآن میں اصولی اور فروعی ہدایتیں ہیں یا خفی اور ظاہری ہدایتیں ہیں یا گزشتہ کتابوں کی کھلی ہدایتیں بھی اس میں موجود ہیں اور خود اپنی خاص ہدایتیں بھی۔ **والفرقان** یہ الھدیٰ پر معطوف ہے اور من کے تحت میں ہے۔ اس کی معنوی تحقیق ہم پارہ الم کے شروع میں **ذلک الکتب** کے تحت تفسیر میں کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ سبحان کی طرح مصدر یا اسم مصدر ہے یہاں یا تو مصدری معنی میں استعمال ہوا یا بمعنی اسم فاعل۔ یعنی اس میں فرق کی نشانیاں بھی موجود ہیں۔ جس سے مومن و کافر متقی اور فاجر دیندار اور بے دین میں کھلا فرق ہو سکے۔ یہ صفت رمضان میں بھی ہے اور قرآن میں بھی۔ جب رمضان میں ایسی خوبیاں ہیں تو **فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ** فمن کی ف یا زائدہ یا تفریع کی یا ترتیب کی یا جزائیہ ہے۔ اور من سے مراد عاقل بالغ مسلمان ہیں۔ شہد یا تو شہود سے بنا۔ جس کے معنی ہیں حاضری یا حضر میں ہونا (سفر کا مقابل) اس صورت میں الشھر مفعول فیہ ہو گا۔ یعنی جو اس مہینہ میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو روزے رکھے (کبیر و روح و مدارک) یا مشاہدہ سے بنا اس صورت میں الشھر مفعول بہ ہے۔ فلیصمہ کی ضمیر بہر حال مفعول فیہ ہے یعنی تم میں سے جو کوئی ماہ رمضان کا سن کر یا چاند دیکھ کر یا حساب لگا کر یا عقل سے مشاہدہ کر لے تو اس میں روزہ رکھے یا تم میں سے جو بھی ماہ رمضان پالے اس طرح کہ اسے اس مہینہ میں ایک منٹ کے لئے ہوش آجائے تو وہ سارے مہینہ کے روزے رکھے۔ غرضیکہ یہ کلمہ بہت سے فقہی مسائل کی اصل ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص رمضان کا چاند دیکھ لے اور اس کی گواہی کسی وجہ سے قبول نہ ہو تو اس پر روزہ فرض ہے لیکن عید کے چاند کا یہ حکم نہیں اس مسئلہ کا ماخذ یہ آیت ہے۔ من شہد عام ہے اور الشھر سے مراد ماہ رمضان ہی ہے۔ اس آیت سے فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا کہ پہلے طاقت ور مسلمانوں کو بھی فدیہ کا اختیار تھا کہ پچھلی آیت میں ایک قول بیان ہوا اب ہر امیر غریب پر روزہ ہی فرض ہے۔ چونکہ اس میں احتمال تھا کہ شاید یہ بیماروں اور مسافروں کی رعایت بھی اس حکم سے منسوخ ہو چکی ہو۔ اس وہم کو دفع کرنے کیلئے ان دونوں کا حکم پھر دوہرا دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ رعایتیں باقی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ **ومن کان منکم مریضا او علی سفر** جو ایسا بیمار ہو جسے روزہ نقصان دے یا سفر میں ہو یا سفر میں سوار ہو یعنی نہ تو وطن میں ہو اور نہ کہیں پندرہ روز کے ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اس پر **فعدۃ من ایام اخر** تندرستی یا اقامت کے زمانہ میں قضاء روزوں کی گنتی پوری کرنا یعنی رکھ لینا واجب ہے۔ ماہ رمضان کو روزوں کیلئے اس واسطے مقرر کیا کہ **یرید اللہ بکم الیسر** یسر کے معنی ہیں سہولت یا آسانی اسی لئے مالداری کو یسار کہتے ہیں کہ اس میں آسانی ہوتی ہے۔ بائیں ہاتھ کو یسری کہا جاتا ہے کہ داہنے ہاتھ کی مدد کر کے کام کو آسان کرتا ہے۔ جنت کا نام بھی یسریٰ ہے کہ وہاں ہر طرح کی آسانی ہے۔ یعنی رب تم پر آسانی چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے بچوں دیوانوں پر روزہ معاف کر دیا اور بیمار و مسافر کو مہلت دے دی اور اسی لئے روزوں کے واسطے ماہ رمضان مقرر کیا تاکہ تمہیں حساب اور قضاء میں آسانی ہو **ولا یرید بکم العسر** عسر یسر کا مقابل ہے بمعنی دشواری اور سختی یعنی تم پر سختی نہیں چاہتا ورنہ روزے کسی اور مہینے میں فرض

فرماتا۔ **ولتکملوا العدۃ** واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف علیہ پوشیدہ ہے (تعلموا) اور لام معنی کی ہے۔ **تکملوا** اکمال سے بنا جس کے معنی ہیں پورا کرنا اور عدت معنی شمار ہے۔ یعنی روزہ کیلئے ماہ رمضان اس لئے مقرر ہوا تاکہ تم جانو اور تمہیں شمار پوری کرنے میں آسانی ہو۔ چونکہ شمسی مہینوں کی جنتری کتابوں میں ہوتی ہے اور قمری مہینوں کی آسمان پر کہ ہر شخص چاند دیکھ کر تاریخ کا پتہ لگا سکتا ہے۔ اور اس کی ابتدا ہوا انتہا کی خبر دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر ہی افطار۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رمضان خواہ 29 کا ہو یا 30 کا تم ثواب کامل پاؤ گے **ولتکبروا اللہ علی ما ھدکم** یہ **لتکملوا** پر معطوف ہے اور روزوں کیلئے ماہ رمضان مقرر ہونے کی تیسری وجہ اور تکبروا تکبیر سے بنا۔ جس سے یا تو اللہ کی حمد کرنا مراد ہے یا تکبیر عید کہنا۔ اور ہدی سے مراد یا تو ماہ رمضان کی ہدایت کرنا ہے یا روزہ کی توفیق دینا یعنی تم خدا کا شکر کرو کہ اس نے تمہیں ایسا اچھا مہینہ روزوں کے لئے بتایا یا رمضان ختم کر کے شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر کہو یا عید الفطر کے دن تکبیر کہتے ہوئے عید گاہ کو جاؤ (کبیر و احمدی) یا زائد تکبیروں والی نماز یعنی نماز عید ادا کرو کیونکہ اس نے تمہیں ان روزوں کی توفیق دی **ولعلکم تشکرون** یہ بھی گزشتہ فعلوں پر معطوف ہے اور رمضان کی چوتھی حکمت یعنی تاکہ تم اس مہینہ کا شکریہ ادا کرو یا روزوں سے فارغ ہو کر عید کی خوشیاں مناؤ کہ رب کی نعمت پر خوش ہونا بھی شکر ہے۔ ارشاد فرماتا ہے۔ **فبذلک فلیفرحوا**

خلاصہ تفسیر : مسلمانو! تم یہ سن چکے کہ تم پر چند دن کے روزے فرض ہیں۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ وہ مدت ماہ رمضان ہے جو تمام مہینوں سے افضل ہے۔ یہ وہی رمضان ہے۔ جس میں قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اترا یا جس میں تمہارے پیغمبر پر قرآن اترنے کی ابتدا ہوئی جو رب کی بڑی نعمت ہے۔ اس میں لوگوں کو اصولی ہدایتیں بھی ہیں اور فروعی کھلی ہدایتیں بھی یا یہ قرآن شرعی احکام کی سراپا ہدایت ہے اور طریقت کے رموز و اسرار کی طرف اشارۃ" و کنایتہ" ہدایت کرتا ہے جیسے سگنل ریل کے ڈرائیور کو لائن صاف ہونے یا نہ ہونے 'اشیشن پر آنے کی اجازت ملنے یا نہ ملنے کی ہدایت 'اشارۃ دیتا ہے۔ اور اس میں حق و باطل کی پہچان بھی ہے۔ چونکہ قرآن رب سے قریب کرنے والا ہے اور روزہ بھی تو چاہئے کہ روزہ بھی اسی مہینہ میں رکھو تاکہ اس میں دوہری برکت ہو۔ نیز اس مہینہ میں رب کی خاص رحمتوں کا بھی نزول ہے تو چاہئے کہ تمہاری خاص عبادت روزہ بھی اسی میں ہو۔ لہٰذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم میں سے جو بھی امیر و غریب یہ مہینہ پالے وہ اس پورے مہینہ کا روزہ ہی رکھے بلاوجہ فدیہ نہ دے ہاں جو بیمار ہو یا سفر میں ہو اسے یہ اجازت ہے کہ کچھ روزے قضا کر دے اور اتنے ہی روزے وطن میں آکر یا تندرست ہو کر رکھ لے۔ رب نے یہ اجازتیں اس لئے دی ہیں کہ وہ تمہاری آسانی چاہتا ہے تم پر تنگی نہیں چاہتا۔ یا وہ تمہیں جنت میں پہنچانا چاہتا ہے۔ دوزخ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ ورنہ محض تمہارے یہ معمولی نیک اعمال جنت کی قیمت نہیں بن سکتے تم لوگ دنیا کی معمولی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے بہت محنت و مشقت کرتے ہو۔ بہت وقت اور روپیہ خرچ کرتے ہو پھر بھی ان نعمتوں کے ملنے کا یقین نہیں ہوتا اور مل کر بھی تمہارے پاس نہیں رہتیں تو خود سوچ لو کہ جنت جیسی یقینی اور لازوال نعمت کی قیمت کیا ہونی چاہئے مگر رب تم سے قیمت نہیں مانگتا صرف بہانہ کر لو جنت عطا فرما دے گا چونکہ وہ تمہیں جنت دینا چاہتا ہے۔ اسی لئے تم پر جنت کے کام آسان کر دیئے۔ دوسرے یہ کہ اسے نیک لوگوں سے محبت ہے۔ نوری چیز نور کی طرف دوڑتی ہے۔ روزوں کیلئے ماہ رمضان مقرر ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ تم اس عبادت کو اچھی طرح جان لو۔ اور آسانی سے گنتی پوری کر لو اس کے ختم ہونے پر جب عید کا چاند دیکھو تو خوشی میں اللہ کی حمد کرو یا تکبیر کہو یا عید کے دن تکبیر کہتے ہوئے

عید کو جاؤ کیونکہ اس نے تم کو روزوں کو توفیق دی اور تاکہ تم رب کا شکر کرو۔ ماہ رمضان کی عبادتوں پر فخر نہ کرو کہ یہ تمہارا کمال نہیں بلکہ اس پر خدا کا شکر کرو۔ جس نے تمہیں اس کی توفیق دی یہ اسکی مہربانی ہے۔

ماہ رمضان

رمضان بڑا مبارک مہینہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جیسے ہفتے کے دنوں میں جمعہ افضل۔ ایسے ہی سال کے مہینوں میں رمضان شریف افضل۔ اور بعض نے کہا کہ ربیع الاول افضل۔ اس کے کل چار نام ہیں۔ ماہ رمضان، ماہ صبر، ماہ مواسات اور ماہ وسعت رزق (مشکوۃ کتاب الصوم) رمضان کی وجہ تسمیہ ہم تفسیر میں بتا چکے۔ روزہ صبر ہے جس کی جزا رب ہے اور وہ اسی مہینہ میں رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اسے ماہ صبر کہتے ہیں۔ مواسات کے معنی ہیں بھلائی کرنا۔ چونکہ اس مہینہ میں سارے مسلمانوں سے خاص کر اہل قرابت سے بھلائی کرنا زیادہ ثواب ہے اس لئے اسے ماہ مواسات کہتے ہیں۔ اس میں رزق کی فراخی بھی ہوتی ہے کہ غریب بھی نعمتیں کھالیتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام ماہ وسعت رزق بھی اس کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) کعبہ معظمہ مسلمانوں کو بلا کر دیتا ہے اور یہ آکر رحمتیں بانٹتا ہے۔ گویا وہ کنواں ہے اور یہ دریا ہے یا وہ دریا ہے اور یہ بارش۔ (2) ہر مہینہ میں خاص تاریخیں اور تاریخوں میں بھی خاص وقت میں عبادت ہوتی ہے مثلاً بقر عید کی چند تاریخوں میں حج، محرم کی دسویں تاریخ افضل مگر ماہ رمضان میں ہر دن اور ہر وقت عبادت ہوتی ہے۔ روزہ عبادت افطار عبادت۔ افطار کے بعد تراویح کا انتظار عبادت۔ تراویح پڑھ کر سحری کا انتظار میں سونا عبادت۔ پھر سحری کھانا عبادت۔ غرضیکہ ہر آن میں خدا کی شان نظر آتی ہے۔ (3) رمضان ایک بھٹی ہے جیسے کہ بھٹی گندے لوہے کو صاف اور صاف لوہے کو مشین کا پرزہ بنا کر قیمتی کر دیتی ہے اور سونے کو زیور بنا کر محبوب کے استعمال کے لائق کر دیتی ہے۔ ایسے ہی ماہ رمضان گناہ گاروں کو پاک کرتا ہے اور نیک کاروں کے درجے بڑھاتا ہے۔ (4) رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ (5) بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو رمضان میں مر جائے اس سے سوالات قبر بھی نہیں ہوتے۔ (6) اس مہینہ میں شب قدر ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن رمضان میں آیا اور دوسری جگہ فرمایا **انا انزلنہ فی لیلۃ القدر** یعنی ہم نے قرآن شب قدر میں اتارا۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہی ہے اور وہ غالباً ستائیسویں شب ہے۔ کیونکہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں اور یہ لفظ سورہ قدر میں تین بار آیا جس سے ستائیس حاصل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ وہ ستائیسویں شب ہے (روح البیان، سورہ قدر)۔ 7 رمضان میں ابلیس قید کر دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جنت آراستہ کی جاتی ہے۔ اس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اسی لئے اس زمانہ میں نیکیوں کی زیادتی اور گناہوں کی کمی ہوتی ہے۔ جو لوگ گناہ کرتے بھی ہیں وہ نفس امارہ یا اپنے ساتھی شیطان (قرین) کے بہکانے سے۔ (8) رمضان کے کھانے پینے کا حساب نہیں۔ (روح البیان)۔ (9) قیامت میں رمضان و قرآن روزہ دار کی شفاعت کریں گے کہ رمضان تو کہے گا کہ مولیٰ میں نے اسے دن میں کھانے پینے سے روکا تھا اور قرآن عرض کرے گا یا رب میں نے اسے رات میں سونے سے روکا یعنی تراویح کی وجہ سے۔ (10) حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ہر قیدی کو چھوڑ دیتے تھے اور ہر سائل کو عطا

فرماتے تھے (مشکوٰۃ) رب تعالیٰ بھی رمضان میں جہنمیوں کو چھوڑتا ہے۔ لہٰذا چاہئے کہ رمضان میں نیک کام کئے جائیں اور گناہوں سے بچا جائے۔ (11) قرآن کریم میں صرف رمضان شریف ہی کا نام لیا گیا اور اسی کے فضائل بیان ہوئے کسی دوسرے مہینہ کا نہ صراحۃً نام ہے نہ ایسے فضائل مہینوں میں صرف ماہ رمضان کا نام قرآن شریف میں لیا گیا عورتوں میں صرف بی بی مریم کا نام قرآن میں آیا۔ صحابہ میں صرف حضرت زید ابن حارثہ کا نام قرآن میں لیا گیا جس سے ان تینوں کی عظمت معلوم ہوئی۔ (12) رمضان شریف میں افطار اور سحری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ یعنی افطار کرتے وقت اور سحری کھا کر۔ یہ مرتبہ کسی اور مہینہ کو حاصل نہیں۔ رمضان میں پانچ حرف ہیں۔ ر م ض ا ن 'ر' سے مراد ہے رحمت الٰہی 'میم' سے مراد ہے محبت الٰہی 'ض' سے ضمان الٰہی 'الف' سے امان الٰہی 'ن' سے نور الٰہی اور رمضان میں پانچ عبادات خصوصی ہوتی ہیں۔ روزہ' تراویح' تلاوت قرآن' اعتکاف' شب قدر میں عبادات' جو کوئی صدق دل سے یہ پانچ عبادات کرے وہ ان پانچ انعاموں کا مستحق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جب وقت یا جس جگہ کو کسی بڑی چیز سے نسبت ہو جائے اس وقت اور اس جگہ کو بھی عظمت و عزت حاصل ہوتی ہے۔ ماہ رمضان کی عزت یہ بیان کی گئی کہ اس میں قرآن کریم اترا۔ اسی قاعدہ سے حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا مہینہ و تاریخ و دن و وقت بہت افضل ہے۔ کیونکہ اس میں صاحب قرآن تشریف لائے۔ بلکہ بعض عاشق ربیع الاول کو رمضان سے افضل مانتے ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام قرآن سے افضل ہیں۔ اسی لئے کعبہ دیکھنے والا حاجی اور قرآن پڑھنے والا قاری اور حضور کو دیکھنے والا صحابی ہے اور صحابی کا درجہ بہت بڑا ہے کوئی ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر کلام الٰہی جو رب کی صفت ہے وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** رب کی نعمت ملنے پر تکبیریں کہنا۔ خوشی منانا شکریہ ادا کرنا بہت بہتر ہے۔ جیسا کہ **ولتکبروا اللہ** سے معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان کی آمد پر صحابہ کرام کو مبارک باد اور خوشخبری دیتے تھے۔ اس جگہ روح البیان میں ہے کہ خوشی پر مبارک باد دینا حدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا شب ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر جائز خوشی منانا باعث ثواب ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جس کی آمد پر خوشی کرنا بہتر اس کے وداع پر اظہار غم بھی ثواب۔ دیکھو نکاح کے وقت خوشی سنت اور طلاق اور شوہر کی وفات پر اظہار غم اور عدت میں سوگ کرنا بھی ضروری۔ لہٰذا رمضان شریف کے وداع پر غمناک ہونا۔ جمعۃ الوداع میں فراقیہ الفاظ کہنا جائز ہے۔ اس سے مقصود یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ بقیہ وقت کی قدر کریں اور کچھ رب کی عبادت کرلیں اسے شرک یا بدعت کہنا نادانی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** نماز عید اور اس میں زائد تکبیرات کا ہونا عید گاہ کے راستہ میں تکبیریں کہتے ہوئے جانا اسی آیت سے ثابت ہے۔ بلکہ تفسیر کبیر نے عبد اللہ ابن عباس سے نقل فرمایا کہ عید کا چاند دیکھ کر تکبیریں کہنا اور شب میں بھی تکبیریں کہنا بہتر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عید کے تمام دن تکبیریں کہی جائیں۔ **پانچواں فائدہ:** خوشی پر نعرۂ تکبیر لگانا بہتر ہے اور اس آیت سے ثابت ہے نیز مسلم شریف کے اخیر میں حدیث ہجرت ہے۔ جس میں ارشاد ہوا کہ حضور پاک کے مدینہ پاک پہنچنے پر انصار بازاروں میں یا محمد یا رسول اللہ کے نعرے لگاتے پھرتے تھے۔ **چھٹا فائدہ:** رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کی گواہی معتبر بلکہ اگر قاضی اس کی گواہی نہ مانے تو صرف اس دیکھنے والے پر ہی روزہ واجب ہوگا کیونکہ اس آیت میں صرف رمضان کے مشاہدہ پر روزہ واجب کیا گیا مگر شوال کے چاند میں کم از کم دو گواہیاں ضروری ہیں کیونکہ وہاں عبادت میں داخل ہونا تھا اور یہاں اس سے نکلنا اور ثبوت عبادت آسان ہے۔ (تفسیر کبیر) **ساتواں فائدہ:** اگر دیوانہ یا بے ہوش ماہ رمضان میں ایک منٹ کے لئے ہوش میں آجائے۔

اس پر سارے مہینے کے روزے فرض ہیں کیونکہ اس نے مہینہ پالیا اور اس کا مشاہدہ کرلیا اور جو پورے مہینہ میں بے ہوش رہا اس پر روزے واجب نہ ہوئے کہ اس نے مہینہ پایا ہی نہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** جب ماہ رمضان اس لئے سارے مہینوں سے افضل ہوا کہ اس میں قرآن اترا شب قدر ہزار مہینوں سے اس لئے بہتر ہوئی کہ اس میں نزول قرآن ہوا تو جس ذات پاک پر قرآن اترا وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق سے افضل ہیں کوئی مہینہ رمضان کی طرح نہیں تو کوئی فرشتہ یا انسان یا کوئی مخلوق حضور کی مثل نہیں۔ رمضان میں الفاظ قرآن کا نزول ہوا اور حضور کے کان شریف پر الفاظ قرآن کا نزول ہے دماغ شریف پر معانی قرآن کا اور دل مبارک پر اسرار قرآن کا نزول رب فرماتا ہے **نزلہ علی قلبک**۔ نقش قرآن کی جگہ کاغذ ہے الفاظ کی جگہ کان و زبان جب اوراق قرآن کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتا جہاں نقوش قرآن رہتے ہیں تو دل پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ناپاک و گندے خیالات کیسے پہنچ سکتے جو اسرار قرآن کی منزل ہے۔ **لا یمسہ الا المطھرون**۔ **نواں فائدہ:** ماہ رمضان کی ایک تاریخ میں نزول قرآن ہوا۔ مگر اسی ایک تاریخ کی برکت سے سارا مہینہ افضل ہو گیا بلکہ رمضان کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے شعبان کو عزت مل گئی جیسے جمعہ کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے جمعرات کو لہٰذا حضور کے صدقہ سے تمام صحابہ و اہل بیت کا درجہ بڑھ گیا خصوصاً حضرت صدیق و فاروق جو ہمیشہ کے لئے دامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سو رہے ہیں غرضیکہ حضور کا قرب افضلیت کا باعث ہے۔

مسئلہ: ماہ رمضان میں افطار اور سحری کا وقت بڑا مبارک ہے۔ اس وقت دعائیں مانگی جائیں اور بہتر یہ ہے کہ افطار کسی حلال چیز سے کرے۔ خرمے یا پانی سے افطار کرنا سنت ہے۔ **مسئلہ:** روزہ دار کو افطار کرانے میں روزہ کا ثواب ہے۔ مگر اس سے روزے والا ثواب سے محروم نہ ہو گا اور افطار کرانے والے پر روزہ معاف نہ ہو گا۔ **مسئلہ:** افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرنا مستحب ہے مگر اتنی جلدی یا دیر نہ کرے کہ روزے میں ہی شبہ ہو جائے بلکہ سحری رات کے آخری چھٹے حصہ میں کھائے۔ **مسئلہ:** رمضان میں بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے آٹھ تراویح کا ثبوت نہیں۔ یہ غیر مقلدوں کی ایجاد ہیں۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب لمعات المصابیح علی رکعات التراویح میں دیکھو جس میں بیس تراویح کے قوی دلائل دیئے گئے ہیں اور غیر مقلدوں کے اعتراضات کے مکمل جواب ہیں۔ ایک تھوڑی سی بات یہاں سمجھ لو کہ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتی تو قرآن پاک کے رکوع 216 ہوتے۔ کیونکہ رکوع اس حصہ کا نام ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ تراویح کی ایک رکعت میں پڑھ کر رکوع فرماتے تھے۔ ستائیسویں رمضان کو آپ قرآن ختم فرماتے چونکہ تراویح بیس ہیں اور صحابہ کرام ستائیسویں رمضان کو ختم کرتے تھے۔ اس حساب سے 540 رکوع بنتے ہیں اور تقریباً اتنے ہی ہیں۔ 578

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیمار و مسافر کو روزے قضا کر دینے واجب ہیں کیونکہ عدۃ سے پہلے علیہ پوشیدہ ہے اور علیٰ وجوب کے لئے آتا ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علیہ پوشیدہ ہونا یقینی نہیں ہو سکتا ہے کہ لہ ہو۔ **دوسرا جواب:** علیٰ کا وجوب کیلئے ہونا ضروری نہیں قرآن کریم میں بہت جگہ جواز کے لئے بھی استعمال ہوا۔ **تیسرا جواب:** پوری عبارت یوں ہے کہ جو بیمار یا مسافر ہو اور رمضان میں روزے نہ رکھ سکے تو اس پر دوسرے زمانہ میں گنتی پوری کرنا واجب ہے یعنی وجوب قضا روزہ چھوڑ دینے کی صورت میں ہے۔ **چوتھا جواب:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تم پر آسانی

چاہتا ہے اگر مسافر وغیرہ پر روزہ چھوڑنا واجب ہوتا تو بجائے آسانی کے دشواری ہوتی۔ کیونکہ رمضان میں روزہ آسان ہے اور بعد میں مشکل۔ دوسرا اعتراض: اگر لتکبروا اللہ میں نماز عید یا تکبیریں مراد ہوں تو چاہئے کہ یہ فرض ہو جائیں کیونکہ جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہو وہ فرض ہوتا ہے حالانکہ اسے فرض کوئی نہیں کہتا۔ جواب: فرض وہ جس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور مراد بھی قطعی۔ یہاں ثبوت تو قطعی ہے مگر دلالت اور طلب قطعی نہیں لہٰذا فرض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے ارواح پیدا فرما کہ ان پر اپنے نور کی تجلی ڈالی۔ اس تجلی کا وقت گویا رمضان ہے اس وقت میں ان ارواح کو قرآن یعنی علم اجمالی حاصل ہوا۔ جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں عقل قرآنی کہتے ہیں اس علم میں علوم تفصیلیہ کے دلائل و مسائل ہیں جس کا نام عقل فرقانی ہے۔ جو شخص اس وقت میں حاضر ہو یعنی اسے حضور ذات حاصل ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے یعنی اپنے کو قول و فعل و حرکت سے باز رکھے اور جو کوئی قلبی بیماریوں میں مبتلا ہو اور نفسانی حجاب اسے اس حضور سے روکیں یا جو سفر میں ہو یعنی ابھی راہ محبت طے کر رہا ہو اس منزل حضور تک نہ پہنچا ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے مراتب حاصل کرے کہ انہیں طے کر کے اس مقام پر پہنچے۔ رب چاہتا ہے کہ مقام توحید تک پہنچانے پر تم پر آسانی کرے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ عاجز نفسوں پر بھاری تکلیفیں ڈال کر انہیں مصیبت دے اور تمہیں چاہئے کہ ان مراتب و حالات اور مقامات کے سارے درجے پورے کر لو اور رب کی تکبیریں کرتے ہوئے اور نعمت ہدایت کا شکر ادا کرتے ہوئے اس راستہ کو طے کرتے چلے آؤ۔ (ابن عربی)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا

اور جبکہ پوچھیں آپ سے بندے میرے میرے متعلق۔ تو تحقیق میں نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا۔ دعا والے

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب

دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

کی جب کہ دعا کرتا ہے مجھ سے پس چاہیئے کہ قبول کریں وہ واسطے میرے اور چاہیئے کہ ایمان لاویں ساتھ میرے تاکہ وہ ہدایت پاویں

مجھے پکارے تو انہیں چاہیئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں وہ راہ پائیں ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو تکبیر کا حکم دیا جس سے بظاہر چاند دیکھنے کے وقت کی تکبیریں اور تکبیر تشریق مراد ہیں جو کہ کبھی بلند آواز سے بھی ہوتی ہے۔ اس پر شبہ پڑ سکتا تھا کہ شاید رب تعالیٰ دور ہے کہ بلند ذکر کو تو سنتا ہے۔ آہستہ کو نہیں سنتا۔ یہ وہم دور کرنے کیلئے اب اگلا مضمون بیان ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بندوں کو تکبیر اور شکر کا حکم دیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم قریب ہیں تمہارا ذکر و شکر سنتے ہیں۔ تمہاری یہ محنت برباد نہیں جائے گی۔ یعنی پہلے بندوں کے عمل کا ذکر تھا اور اب اپنے کرم کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو رب کی حمد و شکر کا حکم دیا گیا۔ اب دعا کا حکم ہو رہا تاکہ معلوم ہو کہ دعا مانگنا بھی عبادت ہے اور طریقہ دعا یہ ہے کہ حمد کے ساتھ بلکہ اس کے بعد ہو۔

شان نزول : اس آیت کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔(1) صحابہ کرام کی ایک جماعت نے جذبہ عشق الٰہی میں حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہمارا رب کہاں ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (خزائن)۔(2) ایک اعرابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارا رب قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا وہ دور ہے کہ اسے پکاریں۔ اس پر یہ آیت آئی (درمنثور و کبیر)۔(3) ایک غزوہ میں صحابہ کرام نعرہ تکبیر لگاتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے تم تو سمیع و قریب کو پکارتے ہو۔ اس کی تصدیق میں یہ آیت اتری۔ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کو جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا کہ ہم چپکے سے خیبر پر جا پڑیں اور وہ گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں بغیر خون و خرابہ ملک فتح ہو جاوے صحابہ نے نعرے لگائے تب یہ ارشاد ہوا کہ یہ حکم اس موقعہ کے لحاظ سے ہے ورنہ ذکر بالجہر ممنوع نہیں (کبیر)۔(4) حضرت عطاء نے فرمایا کہ صحابہ کرام نے پوچھا کہ ہم رب سے کس وقت دعا کریں۔ تب یہ آیت اتری۔ (کبیر)۔

تفسیر : واذا سالک عبادی عنی عباد سے مراد مرحوم بندے ہیں کیونکہ بندے کو رب تعالیٰ کا اپنی طرف نسبت دینا اکثر علامت رحمت ہوتی ہے۔ اس جگہ یا تو رب کی ذات سے سوال مراد ہے یا اس کی صفات یا افعال سے۔ عنی میں تینوں احتمال ہیں مگر جواب میں صفت کو مقرر کیا۔ یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے فرما دو کہ **فانی قریب' قریب** قرب سے بنا جو بعد کا مقابل ہے بمعنی نزدیکی' نزدیکی زمانی بھی ہوتی ہے اور مکانی بھی۔ کرم کی بھی ہوتی ہے۔ اور درجہ کی بھی۔ کہتے ہیں کہ جمعرات جمعہ سے قریب ہے۔ یا دہلی رہتک سے قریب ہے۔ وزیر درجہ میں سلطان کے قریب ہے وغیرہ۔ یہاں علم و قدرت' کرم و رحمت کی نزدیکی مراد ہے نہ کہ زمانی یا مکانی (کبیر و روح البیان وغیرھما) کیونکہ رب تعالیٰ جگہ اور وقت سے پاک ہے۔ نیز قرب مکانی سب بندوں سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے بعض بندے عرش کے قریب رہتے ہیں۔ اور بعض تحت الثریٰ میں پھر بعض مشرق میں بعض مغرب میں اس کی تفسیر یہ آیت ہے۔ **ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین** رب تعالیٰ کی رحمت بندوں سے قریب ہے اور نیک بندے مرتبہ یا رعایت میں اس سے قریب ہیں۔ ان کے لئے فرمایا گیا **اولئک المقربون** تمام قرب کی آیتوں میں یہ ہی معنی مرادہیں۔ جیسے **وھو معکم** یا جیسے **ونحن اقرب الیہ من حبل الورید** مسلمان جو کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ اس کی سلطنت' رحمت' علم' قدرت وغیرہ ہر جگہ ہے۔ غرضیکہ ربوبیت' علم و قدرت کا قرب ہر مومن و کافر سے ہے مگر کرم' عنایت' مہربانی کا قرب صرف مومنوں سے ہے پھر اس قرب کی دو نوعیتیں ہیں۔ قرب عمومی جو ہر مومن سے ہر وقت ہے اور قرب خصوصی جو خاص لوگوں سے خاص وقتوں میں ہوتا ہے۔ یوں تو اس قرب کے اوقات بہت ہیں مگر تین وقت بہت اہم ہیں تلاوت قرآن کے وقت سجدوں خصوصاً" تہجد کے سجدوں کے وقت کہ بندہ ان سجدوں کے ذریعہ رب سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ' کان' زبان' بن جاتا ہے کہ بندہ سے خدائی کام ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے آئینہ سے سورج کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں یا پانی آگ سے قرب رکھ کر آگ کا سا کام کرنے لگتا ہے غرضیکہ بندے سے خدائی کام ظاہر ہوتے ہیں۔ تیسرے کسی مقرب بندے کی صحبت سے اللہ تعالیٰ بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ صحبت سے تقدیریں بلکہ طینتیں بدل جاتی ہیں۔ دیکھو حضور انور کا قرین شیطان حضور کی برکت سے مسلمان ہو گیا۔ خیال رہے کہ رب کا بندے سے قریب ہونا اور ہے اور بندے کا رب سے قریب

ہوتا کچھ اور جب بندہ رب سے قریب ہو جائے تو اسے ولی اللہ کہا جاتا ہے۔ بندے کے قرب کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں بندہ سمجھتا ہے کہ رب مجھے دیکھ رہا ہے تب وہ گناہ و غفلت سے بچا رہتا ہے۔ دوسرے درجہ میں بندہ سمجھتا ہے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں۔ اسی درجہ میں سوز و گداز لذت عبادات اعلیٰ طریقہ سے حاصل ہوتا ہے اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ احسان یہ ہے کہ بندہ جانے مجھے رب دیکھ رہا ہے یا رب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ سعید ہے وہ جس کا سر آستان پر ہو اور شقی وہ ہے جس کا سر آسمان پر ہو (کبیر) **اجیب دعوۃ الداع اذا دعان** یہ اس کی نزدیکی کا بیان ہے۔ اجیب جوب سے بنا معنی کاٹنا' تراشنا' تالاب کو جوبہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کی زمین پستی کی وجہ سے دوسرے حصہ سے کٹ جاتی ہے۔ **جابوا الصخر بالواد** کلام کے جواب کو اسی لئے جواب کہتے ہیں کہ وہ ہوا کو کاٹتا ہوا سننے والے کے کان تک پہنچتا ہے۔ کسی کی بات قبول کرنے کو اس لئے استجابہ کہا جاتا ہے کہ اس سے سوال کا سلسلہ کٹ جاتا ہے۔ یہاں یا جواب دینے کے معنی میں ہے یا قبول کرنے کے معنی ہیں۔ دعوۃ' داع اور دعان سے یا پکارنا مراد ہے یا دعا کرنا۔ یعنی جب مجھے پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کے جواب میں لبیک فرماتا ہوں (کبیر وغیرہ) یا جب مجھ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا پر یا لبیک فرماتا ہوں یا قبول فرماتا ہوں۔ ممکن ہے کہ الداع میں الف لام عہدی ہو اور اس میں خاص پکارنے والے یعنی مومنین یا متقین وغیرہ مراد ہوں۔ کیونکہ کفار کے بارے میں فرمایا گیا کہ **وما دعوء الکفرین الا فی ضلال** کہ کافروں کا پکارنا برباد جاتا ہے۔ پکار چار قسم کی ہے۔ گنہگار کی پکار' ابرار کی پکار' دلفگار کی پکار اور بیقرار کی پکار پھر ان میں سے دلفگار اور بے قرار کی پکار بہت ہی پر تاثیر ہے۔ یہ پکار عرش کو ہلا دیتی ہے۔ رب فرماتا ہے **امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء** جب ریڈیو کے ذریعہ بجلی کی مدد سے تمام دنیا میں آواز پہنچ سکتی ہے تو بے چینی دل کی بجلی کے ذریعہ بھی آواز عرش تک پہنچ سکتی ہے اگر خود اپنے میں بے قراری نہیں ہے تو کسی بے قرار سے پکڑو اور ریڈیو والوں کے ذریعہ اعلانات کرائے جاتے ہیں۔ اضطرار والوں کے ذریعے سے دعائیں کرائی جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے سارے ہی دعا کرنے والے مراد ہوں کیونکہ دنیا میں کفار کی بھی بعض دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کی بحث انشاءاللہ خلاصہ تفسیر کے بعد ہو گی۔ **فلیستجیبوا لی** بواسطہ محبوب علیہ السلام بندوں سے غائبانہ کلام ہے اور یہاں استجابت کے معنی قبول کرنا اور بات ماننا ہے یعنی ان بندوں کو بھی چاہئے کہ میرے فرمان مانیں یا میری وجہ سے شریعت کی اتباع کریں۔ **ولیؤمنوا بی** یا تو اس سے ایمان لانا مراد ہے یا ایمان پر قائم رہنا یعنی ایمان کے ساتھ اطاعت کریں کیونکہ بغیر ایمان اعمال معتبر نہیں اور یا یہ کہ ایمان پر قائم رہیں **لعلھم یرشدون** یہ رشد سے بنا' معنی ہدایت پانا' لعل بندوں کے لحاظ سے ہے یعنی ہدایت کی امید پر یہ سارے کام کریں نہ کہ دنیا کی خاطر۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں کہ میں دور ہوں یا نزدیک تو آپ فرما دو کہ میں ان سے بہت قریب ہوں۔ ایک آن کے لئے بھی ان سے دور نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں دعا مانگنے والوں کی دعائیں قبول کرتا ہوں۔ اگر قریب نہ ہوتا تو مجھے ان کی دعا کا کیسے علم ہوتا اور میں ان کے کام کیسے بناتا۔ جب میں غنی ہو کر ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں اور ان کی تمنائیں پوری کرتا ہوں تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ میرے احکام مانیں اور اطاعت کریں اور مجھ پر بغیر دیکھے ایمان لائیں تاکہ راہ جنت کی ہدایت پائیں۔ خیال رہے کہ قبولیت دعا کی شرط علماء کے ہاں اکل حلال'

صدق مقال ہے اور صوفیاء کے ہاں چشم گریاں۔ دل بریاں ہے۔ ام من یجیب المضطر اذا دعاہ مگر یہ سب فرماتے ہیں کہ تم رب کی مانو وہ تمہاری مانے گا۔ اسی لئے فرمایا فلیستجیبوا لی پھر رب کی مانو بے چون وچرا جیسے رعایا حاکم کی مریض حکیم کی اولاد ماں باپ کی شاگرد استاد کی بے چون وچرا مانتا ہے۔ اسی لئے فرمایا ولیومنوا بی مجھ پر ایمان لائیں۔ اعتقاد رکھیں کہ ہم جو کچھ حکم دیتے ہیں وہ غلط نہیں دیتے کیونکہ ہم رب ہیں۔ تمہاری ضروریات ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

مانبودیم و تقاضا مانبود! لطف تو ناگفتۂ ما مے شنود

دعا

دعا مانگنا بھی عبادت بلکہ عبادات کا مغز ہے اس کے عقلی و نقلی بے شمار فائدے ہیں ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) دعا سے انکسار بندگی ہوتا ہے اور دعا نہ مانگنا بے پرواہی کی نشانی ہے بندے کی شان یہ ہے کہ اپنے مولیٰ سے ہر وقت دعا مانگتا رہے۔ (2) دعا سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے کیونکہ انسان اپنے حاجت روا کو محبوب جانتا ہے۔ (3) دعا سے اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس سے اپنی محتاجی اور رب کی بے نیازی کا پتہ لگتا ہے رعایا اپنی مجبوری اور حاکم کے اختیارات جان کر ہی اس کی اطاعت کرتی ہے۔ (4) دعا سنت انبیاء ہے ہر پیغمبر نے ہر موقع پر دعائیں مانگیں۔ (5) دعا رب کو پیاری ہے اسی لئے اس نے جگہ جگہ اس کا حکم دیا۔ (6) ہر مذہب نے دعا کی رغبت دی۔ کفار بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ (7) دعا سے آنے والی مصیبت ٹل جاتی ہے اور بد نصیبوں کے نصیب کھل جاتے ہیں۔ (8) دعا سے رب کی رحمتیں قائم رہتی ہیں۔ (9) ہر عبادت بغیر دعا معلق رہتی ہے دعا اس کا پر ہے جس سے وہ بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہے۔ (10) رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک کام تمہارا ہے اور ایک کام ہمارا۔ تمہارا کام دعا مانگنا ہے ہمارا کام قبول کرنا۔ (درمنثور)۔ (11) حق تعالیٰ اس سے حیا فرماتا ہے کہ بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھ خالی واپس کرے۔ (مشکوۃ کتاب الدعوات)۔

دعا کے آداب : دعا کے بہت سے آداب ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) دعا کے وقت چاہئے کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف پھیلی ہوں۔ دونوں ہاتھوں میں کچھ فاصلہ ہو۔ نہ بہت نیچے ہوں۔ نہ بہت اونچے بلکہ کندھے کے مقابل رہیں اور دعا کے بعد ان کو منہ پر پھیر لیا جائے۔ (مشکوۃ) (2) ضروری ہے کہ دعا کرنے والے کا رزق حلال ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دعا آسمان کے دروازہ کی کنجی ہے اور غذا حلال اس کنجی کے دانتے (روح البیان)۔ (3) دعا کے وقت دل حاضر ہو۔ (4) دعا کے وقت قبول کی قوی امید ہو۔ ناامیدوں کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے۔ (5) طریقہ دعا یہ ہے کہ اولاً حمد الٰہی کرے پھر حضور پر درود بھیجے پھر اپنے گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرے اور پھر عرض حاجات کرے۔ پھر درود شریف پر ختم کرے۔ (6) دعا کے وقت اپنے مقصد کو دھیان میں رکھے کیونکہ خیال کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ (روح البیان)۔ (7) بہتر ہے کہ صرف اپنے ہی لئے دعا نہ کرے بلکہ اور مسلمانوں کیلئے بھی کرے۔ مگر ابتداء اپنے سے کرے۔

دعا کے اوقات : چند وقتوں میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ (1) جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان۔ (2) خطبہ اور نماز کے درمیان۔ (3) جمعہ کے دن سورج غروب ہوتے وقت۔ 4 بارش کے وقت۔ (5) مرغ کے اذان دیتے وقت۔ (6) ہر رات کے

اخیری چھٹے حصہ میں۔ (7) رمضان میں افطار سحری کے وقت۔ (8) قرآن پاک ختم ہوتے وقت۔ (9) اذان کے بعد۔ (10) فرض نمازوں کے بعد۔ (11) شب قدر میں۔

دعا کے مقامات : چند جگہ دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ (1) بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کے وقت۔ (2) طواف میں ملتزم کے پاس۔ (3) بیت اللہ میں چاہ زمزم کے پاس۔ (4) زمزم پیتے وقت۔ (5) صفا اور مروہ پر۔ (6) مقام ابراہیم کے پیچھے 'عرفات' مزدلفہ اور منیٰ میں۔ (8) تینوں جمروں کے پاس۔ (9) انبیائے کرام کے مزارات کے پاس۔ (10) بزرگان دین کی قبروں کے پاس (روح البیان) بلکہ بزرگوں کے پاس دعا مانگنا سنت انبیاء ہے زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کے پاس کھڑے ہو کر اولاد کی دعا کی۔ قرآن فرماتا ہے **ھنالک دعا زکریا ربہ قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ** اولیاء اللہ رحمت رب کے اسٹیشن ہیں یہاں سے رحمت ملتی ہے۔

کن کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے : چند شخصوں کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ (1) روزہ دار کی افطار کے وقت۔ (2) عادل بادشاہ کی۔ (3) مظلوم کی۔ (4) ماں باپ کی۔ (5) مسافر کی۔ (6) بیمار کی (مشکوٰۃ شریف)۔ (7) گھر پہنچنے سے پہلے حاجی کی۔ (8) مسلمان کے لئے اس کے پیچھے دعا۔ (9) مجاہد کی۔

مسئلہ : ناجائز کاموں کے لئے دعا کرنا منع ہے۔ **مسئلہ:** محال چیز کی دعا کرنا منع ہے۔ **مسئلہ:** اگر قبول دعا میں دیر لگے تو بے صبری نہ کرے۔ ورنہ دعا قبول نہ ہوگی۔

حافظ وظیفہ تو دعا کردن است و بس   دربند آں مباش کہ نشنید یا شنید!

دعا تو اظہار بندگی ہے اگر قبول نہ ہو تو بھی مانگنا نہ چھوڑے اور سمجھے کہ اس میں ہماری بہتری ہے۔

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں   میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کا پتہ ہیں کہ انہیں کے پاس آکر اس کا نشان ملتا ہے۔ صحابہ کرام نے حضور سے پوچھا کہ رب کہاں ہے تو پتہ لگا کہ وہ قریب ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

کونین کی ہر چیز کا سامان محمد ہیں   توحید کے مضمون کا عنوان محمد ہیں!

دوسرا فائدہ : رب کو دور سمجھ کر اسے بلند آواز سے پکارنا جہالت ہے کیونکہ وہ قریب ہے۔ انشاء اللہ اس کی بحث **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** میں آئے گی۔ **تیسرا فائدہ:** سچی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ خواہ اس کا ظہور کسی طرح ہو۔ اس کی بحث اعتراض و جواب میں ہوگی۔ **چوتھا فائدہ:** جو چاہے کہ 'رب میری بات مانے تو اسے چاہیے کہ وہ رب کی مانے جیسا کہ **فلیستجیبوا لی** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ذکر ان آیات میں ہے۔ **لقد جاءکم رسول عزیز علیہ ما عنتم' النبی اولی بالمومنین من انفسھم ارسلنا**

الیکم رسولا شاھدا علیکم' ان رحمت اللہ قریب من المحسنین اور رحمتہ کا بیان یوں فرمایا وما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین الحمد للہ مومن سے اللہ تعالیٰ بھی قریب ہے اور اس کے رسول بھی قریب اسی لئے مومن اللہ کو بھی پکارتا ہے۔ ربنا لک الحمد وغیرہ اور حضور کو بھی السلام علیک ایہا النبی چھٹا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ بلکہ سارے عالم غیب کا پتہ ہیں۔ صحابہ کرام رب کا پتہ حضور سے پوچھتے ہیں بلکہ صحابیہ عورتیں اپنے فوت شدہ بچوں کے بارے میں پوچھتی تھی کہ ہمارا بچہ کہاں ہے۔ حضور بتاتے تھے کہ جنت کے فلاں درجہ میں۔ ساتواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو پکارنا بھی عبادت بلکہ بہترین عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب خود دیتا ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قرآن میں پکارا ہے۔ مگر کبوں کافروں کو پکار اظہار غضب کے لئے غافلوں کو پکار اجگانے کے لئے مگر بندہ رب کو پکارتا ہے۔ کبھی اپنا دکھ درد سنانے کو جیسے ربنا ظلمنا انفسنا اور کبھی اس کی حمد ادا کرنے کو جیسے اللھم ملک الملک غرضیکہ رب کی پکار اور بندے کی پکار کے منشاء مختلف ہیں لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ رب تو علیم وخبیر ہے اسے کیوں پکارتے ہو۔

پہلا اعتراض: جب رب تعالیٰ سب سے قریب ہے تو کبھی اپنے بندوں کو بصیغہ غائب کیوں خطاب کرتا ہے جیسے کہ فلیستجیبوا میں جواب: وہ تو سب سے قریب ہے مگر بندے بعض وقت غافل ہو کر اس سے دور رہتے ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

دوست نزدیک تر از من بمن است! ویں عجب تر کہ من ازوے دورم

اور بھی اس میں حکمتیں ہیں۔ دوسرا اعتراض: تو چاہئے کہ رب کا ذکر بلند آواز سے نہ کیا جائے کیونکہ وہ قریب ہے۔ جواب: بلند آواز سے ذکر کرنے میں چند فائدے ہیں۔ اس سے قلب کی غفلت دور ہوتی ہے۔ شیطان بھاگتا ہے دوسروں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے جہاں تک آواز پہنچے وہاں تک کی چیزیں اس کے ایمان کی گواہ بنتی ہیں دیکھو مشکوٰۃ باب الاذان۔ اسی مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الیل میں ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام صحابہ کرام کا امتحان لینے ان کے گھروں پر تشریف لے گئے۔ فاروق اعظم کو خوب بلند آواز سے قرآن پاک پڑھتے ہوئے پایا۔ صبح کو جب یہ حاضر بارگاہ ہوئے تو اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگا رہا تھا شیطان کو بھگا رہا تھا۔ رب کو منا رہا تھا۔ اس آیت میں ان کی تردید ہے۔ جو رب کو دور سمجھ کر پکاریں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ اور اس پر کچھ گفتگو انشاء اللہ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ میں کی جائے گی۔ ذکر بالجہر بھی افضل ہے اور ذکر خفی بھی جیسا موقعہ ویسا ذکر تیسرا اعتراض: دعا مانگنا بے کار ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب لکھا جا چکا۔ لہٰذا تقدیری بات ضرور ہو کر رہے گی۔ دعا مانگیں یا نہ مانگیں نیز رب ہماری حاجتیں خود جانتا ہے کہنے کی کیا ضرورت نیز دعا میں حکم سا معلوم ہوتا ہے کہ خدایا یہ تو کر دے اور رب کو حکم دینا بے ادبی ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ جو میرے ذکر میں مشغول ہو کر دعا نہ مانگ سکے تو میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ غرضیکہ دعا سے کوئی فائدہ نہیں۔ جواب: دعا کے فائدے ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہ اعتراضات محض بے کار ہیں خود اس آیت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بندو نے رب کا پتہ معلوم کرنے کی خواہش کی جو پوری ہوئی اور جیسے کہ لوح محفوظ میں ساری چیزیں لکھی ہیں ویسے ہی بندے کی دعا بھی لکھی ہے کہ فلاں چیز مانگے گا تو ہم دیں گے اور اگر نہ مانگے تو نہ پائے گا۔ دعا مثل دوا کے ضروری ہے کہ

اگرچہ شفا رب کے حکم سے ہے مگر دوا کے ذریعہ۔ اور بے شک وہ علیم و خبیر ہے۔ مگر رب قدیر بھی ہے اور رب کی شان یہ ہے کہ اس کے دروازے پر بھکاری آئیں اور مرادیں لے کر جائیں دعا مانگنے میں ہماری بندگی اور اس کی ربوبیت کا اظہار ہے۔ اسی لئے اس نے جگہ جگہ دعا کا حکم دیا اور انبیاء کرام اور اولیاء نے دعائیں مانگیں۔ ذکر والی حدیث کا منشاء دعا سے روکنا نہیں بلکہ دعا کی رغبت دینا ہے کیونکہ رب کی حمد و ثناء بلکہ درود شریف بھی در پردہ دعا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** پھر ابراہیم علیہ السلام نے آگ نمرود میں جاتے وقت دعا کیوں نہ کی۔ بلکہ حضرت جبریل نے پوچھا کہ کیا آپ کو کچھ رب سے حاجت ہے تو فرمایا کہ وہ خود جانتا ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے اور ان کا دعا نہ مانگنا بہت پسند کیا گیا۔ **جواب:** وہ وقت امتحان تھا کہ آپ کو خطرہ تھا کہ کہیں عرض کرنا بے صبری میں شمار نہ ہو جائے جیسے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے واقعہ کربلا کی خبر دی مگر امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے دعا صبر کی نہ کہ دفع مصیبت کی دعا اور اظہار بندگی کے وقت حضرت خلیل اللہ نے بھی خوب دعائیں مانگیں اور حضور علیہ السلام نے بھی ہمیں چونکہ اس کی تمیز نہیں لہٰذا چاہئے کہ ہر وقت دعا کیا کریں۔ **پانچواں اعتراض:** جب ہم رب کی آواز سنتے ہی نہیں تو اس کے جواب دینے سے فائدہ کیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ' دوسرا عاشقانہ' عالمانہ جواب تو یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں تمام کام واسطوں اور سببوں سے ہوتے ہیں پالتا خود ہے مگر ماں باپ' روزی وغیرہ کے ذریعہ سے اسی طرح رب کا جواب بذریعہ انبیاء' قرآن' علماء' مشائخ کے ذریعہ ہم سن رہے ہیں لہٰذا جواب بیکار نہیں۔ عاشقانہ جواب یہ ہے کہ ہر آواز کان سے ہی نہیں سنی جاتی بعض آوازیں دل سے بھی سنی جاتی ہیں۔ خواب میں ہم دیکھتے' سنتے' کھاتے' پیتے مگر ان کان آنکھ زبان سے نہیں صوفیاء کشف میں آنکھ' کان بند کر کے سب دیکھ' سن لیتے ہیں۔ اسی طرح رب کی آواز دل سے اب بھی سنی جارہی ہے۔ کسی وقت دل میں سوز و گداز جوش کا پیدا ہو جانا اسی لئے ہوتا ہے کہ رب کی آواز دل سنتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست ۔۔۔ ایں گدازو سوز و درد از پیک ماست

ہاں مرنے کے بعد انشاء اللہ بغیر واسطہ و اسباب کے رب کا کلام سنا جاوے گا اور جنت میں بلا واسطہ اس کلو یدار ہو گا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں قبولیت دعا کا وعدہ ہے حالانکہ ہماری صدہا دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں کہ ایک یہ کہ یہاں اجیب کے معنی جواب دینا ہیں نہ کہ قبول کرنا اور بے شک ہر اخلاص کی دعا پر رب کی طرف سے لبیک کا جواب ملتا ہے۔ جس کو ہم نے بواسطہ پیغمبر علیہ السلام سنا۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت مطلق ہے۔ رب کے ہاں دعا قبول ہوتی ہے نہ کہ ہر دعا تیسرے یہ کہ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء** یعنی جو دعائیں مرضی الٰہی کے مطابق ہوں گے وہ قبول ہوں گی۔ دعا خلاف قضا نامقبول ہے۔ بعض دفعہ انبیاء کرام کو دعا سے روک دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ **اعرض عن ھذا** چوتھے یہ کہ قبولیت دعا کی چند صورتیں ہیں اگر بندے کی دعا اس کے لئے بہتر ہے تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ ورنہ دعا کی برکت سے کوئی اور بلا ٹل جاتی ہے یا اسے دعا کا دنیا یا آخرت میں ثواب دے دیا جاتا ہے غرضیکہ دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ حاجت پوری ہو یا نہ ہو پانچویں یہ کہ بندہ کبھی بری چیز کو اچھی سمجھ کر مانگ لیتا ہے تو رب اپنے کرم سے نہیں دیتا۔ جیسے کہ نادان بیمار کامل طبیب سے نقصان دہ غذائیں مانگے اور وہ نہ دے تو اس صورت میں دعا نہ قبول ہونا ہی بہتر ہے۔ چھٹے یہ کہ کبھی دعا کی شرائط پوری ادا نہیں ہوتیں۔ اس لئے قبول نہیں ہوتی۔ جیسے بغیر پرہیز دوا فائدہ نہیں کرتی۔ **ساتواں اعتراض**

: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بندے کی دعا قبول ہے خواہ مومن ہو یا کافر۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ **وما دعٰؤ الکٰفرین الا فی ضلٰل** کہ کافروں کی دعا برباد جاتی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت دنیا کے لئے ہے اور وہ آیت آخرت کے متعلق یعنی جہنمی کفار کی پکار نہ سنی جائے گی دنیا میں ان کی بھی بعض دعائیں قبول ہیں۔ دیکھو شیطان نے زیادتی عمر کی دعا کی تھی جو قبول ہوئی۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافر کی دعا پر رب لبیک نہیں فرماتا اگرچہ ان کی حاجت پوری کر دے۔ تیسرے یہ کہ مسلمان کی دعا اس کی عزت افزائی کیلئے قبول ہوتی ہے اور کافر کی حاجت اس لئے پوری کر دے۔ تیسرے یہ کہ مسلمان کی دعا اس کی عزت افزائی کے لئے قبول ہوتی ہے اور کافر کی حاجت اس لئے پوری کر دی جاتی ہے کہ وہ رب سے زیادہ بات نہ کرے جلد دور ہو جائے۔ چوتھے یہ کہ کافر کی دعا دنیا میں بھی قبول نہیں ہوتی۔ ان کی حاجت روائی ان کی دعا کی وجہ سے نہیں بلکہ ویسے ہی ہو جاتی ہے۔ شیطان نے قیامت تک کی زندگی مانگی تھی۔ عرض کیا تھا **فانظرنی الی یوم یبعثون** وہ موت سے بچنا چاہتا تھا اس کی دعا رد کر دی گئی اور موت اس کے لئے مقرر ہوئی۔ رہی لمبی عمر یہ پہلے ہی سے اس کے لئے مقرر تھی۔ **آٹھواں اعتراض:** دعا میں رب تعالیٰ کو اپنی حاجتیں سنانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا وہ ہماری حاجتیں نہیں جانتا۔ جواب: یہ عرض و معروض اسے بتانے کے نہیں ہے بلکہ اپنی نیازمندی کے اظہار کے لئے ہے تاکہ اس کا دریائے رحمت جوش میں آئے۔

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن — تا نہ گرید طفلکے جوشد لبن!
زرد را بکردار و زاری راگیر — رحم سوئے زاری آید اے فقیر!

تفسیر صوفیانہ : اے نبی علیہ السلام راہ محبت طے کرنے والے بندے آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہماری منزل کتنی دور ہے اور مجھ تک آنے والے سوال کرتے ہیں کہ ہمارا رب کہاں ہے۔ ان سے فرمادو۔ کہ ہمت کر کے چلے آؤ۔ ہم بہت قریب ہیں۔ ہماری شان یہ ہے کہ جو کوئی ہم سے بزبان حال کچھ مانگتا ہے۔ ہم اسے اس کی استعداد کے موافق دے دیتے ہیں۔ کسی کو ایمان کسی کو عرفان کسی کو جنان اور کسی کو لقائے رحمان۔ غرضیکہ جیسی بھکاری کی جھولی ویسی داتا کی دین۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے کو میرے لائق بنائیں کہ زہد اور عبادت سے اپنی قابلیت بڑھائیں۔ اپنے آئینہ دل کو صاف کریں تاکہ میں اس میں تجلی فرماؤں۔ اور وہ مجھے اس آئینہ میں دیکھیں اور بذریعہ استقامت مجھ تک پہنچیں۔ (ابن عربی)۔

دوسری تفسیر : دعا کرنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک تو دعا کے الفاظ بولنے والے۔ ایک **حقیقتہ** "دعا مانگنے والے۔ دعا پڑھنے والوں کو رب کا قرب حاصل نہیں۔ حقیقی دعا گو وہ ہیں۔ جن کا رزق حلال' زبان سچی دل نورانی ہو۔ اور ان کی روح غیر اللہ کے ڈھونڈنے سے پاک ہو۔ اس کی دعا یقیناً قبول ہے اور رب اس کے قریب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رب سے رب ہی کو مانگے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

خلاف طریقت بود کاولیاء — تمنا کنند از خدا جز خدا

بعض عاشق یوں کہتے ہیں کہ خدا سے بارگاہ مصطفیٰ مانگو اور مصطفیٰ علیہ السلام سے بارگاہ خدا۔

خدایا از تو عشق مصطفیٰ را — محمد از تو مے خواہم خدا را

زبان کی دعا افق تک پہنچتی ہے اور جنان (دل) کی دعا آسمان بلکہ عرش رحمان تک اور جو آخرت کی دعا مانگے اس کی دنیوی آرزوئیں بغیر مانگے پوری ہوں گی۔ یہی دعا یہ ہے۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے صورت محمد کی

تیسری تفسیر : اے محبوب جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں یا میرے بندے جب آپ سے میرا سوال کریں یعنی آپ سے مجھے مانگیں تو میں ان سے بہت قریب ہوں اور صرف قریب ہی نہیں بلکہ پھر تو میں ان کی دعائیں قبول کرتا ہوں اگر آپ کے ہاں آکر مجھے پکاریں تو ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں اور اگر آپ سے دور رہیں تو میں بھی ان سے دور رہی ہوں خواہ میری کتنی ہی عبادت کریں اسی لئے یہاں عبادی فرمایا یعنی میری عبادت کرنے والے۔ دیکھو شیطان کے پاس عبادتوں کی کمی نہ تھی۔ مگر نہ اللہ اس سے قریب ہو نہ وہ اللہ سے قریب کیونکہ وہ نبی سے قریب نہ ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند در حضور اولیاء

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ
حلال کیا گیا واسطے تمہارے رات میں روزوں کی جانا طرف عورتوں اپنی کے۔ وہ لباس ہیں واسطے تمہارے
روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا۔ وہ لباس ہیں اور تم اُن کے
اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
اور تم لباس ہو واسطے اُن کے۔ جانا اللہ نے کہ تم تھے خیانت میں ڈالتے جانوں اپنی کو پس توبہ قبول
لباس۔ اللہ نے جانا تم کو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اُس نے تمہاری توبہ قبول کی۔
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ
کی اوپر تمہارے اور معاف کیا تم سے پس اب جماع کرو ان سے اور تلاش کرو وہ جو لکھا اللہ نے واسطے تمہارے
اور تمہیں معاف فرمایا۔ تو اب اُن سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں رب نے اپنے قریب ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی تھی کہ ہم دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتے ہیں۔ اب اس کی دوسری دلیل یہ بیان ہو رہی ہے کہ ہم تمہارے اندرونی حالات کی بھی خبر رکھتے ہیں۔ کہ جنہوں نے روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کیا ہم کو معلوم ہو گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں خبر دی گئی تھی کہ ہم دعا والوں کی دعا قبول کرتے ہیں۔ اب اس وعدہ کا ظہور ہے کہ مسلمانوں نے رمضان کی رات میں جماع جائز ہونے کی خواہش کی۔ ہم نے ان کی آرزو پوری کردی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ تم پر روزے ویسے ہی فرض کئے گئے جیسے کہ پچھلی امتوں پر فرض تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں اتنا فرق کئے دیتے ہیں کہ ان کے لئے روزوں کی راتوں میں عورتوں سے جماع حرام تھا۔ تمہارے لئے حلال کیا گیا۔

شان نزول : اگلی شریعتوں میں افطار کے بعد سے عشاء تک کھانا پینا اور عورتوں سے جماع کرنا حلال تھا بعد نماز عشاء یہ سب چیزیں رات میں بھی حرام ہو جاتی تھیں۔ شروع اسلام میں بھی یہ ہی حکم رہا۔ پھر صرمہ ابن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آجانے پر صبح تک کھانا پینا درست ہوا جس کا تفصیلی واقعہ اسی آیت کریمہ کے اگلے جزو میں آرہا ہے پھر واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے عشاء کی نماز کے بعد بیویوں سے جماع کرلیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب غسل کیا تو رونے لگے اور اپنے کو ملامت کرنے لگے۔ پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اپنے خطاکار نفس کی معذرت کرتا ہوں۔ میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے جماع کرلیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمر تمہارا یہ کام نہ تھا۔ اس پر کچھ دوسرے حضرات بھی کھڑے ہو کر معذرت کرنے لگے کہ ہم سے بھی یہ خطا ہو گئی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں گزشتہ خطا کی معافی اور آئندہ کیلئے صبح تک جماع کی اجازت دی گئی۔ (تفسیر کبیر و درمنثور و روح وغیرہ)

تفسیر : **احل لکم لیلتہ الصیام**' احل' حل سے بنا۔ جس کے معنی ہیں کھل جانا۔ جائز کاموں کو حلال اور زمین حرم کے ماسوا کو حل اسی لئے کہتے ہیں کہ ان پر سے پابندی ہٹادی گئی۔ یہاں احل اگرچہ ماضی ہے لیکن اب حلال فرمانا مراد ہے جیسے کتب علیکم میں تھا۔ لکم میں سارے ہی مسلمانوں سے خطاب ہے اور لام نفع کا ہے۔ یعنی یہ حکم تمہارے نفع کے لئے ہے لہٰذا روزوں کی راتوں میں نہ تو صحبت تم پر حرام ہے نہ فرض بلکہ محض مباح و جائز ہے کیونکہ حرام میں نہ کرنے کی پابندی ہوتی ہے اور فرض میں کرنے کی پابندی ان پابندیوں سے تم پر تنگی ہوگی اور مقصود ہے تم پر آسانی کرنا۔ لیلتہ الصیام سے وہ رات مراد ہے جس کی صبح کو روزہ ہو۔ لہٰذا تیسویں شعبان کی رات اس میں داخل ہے کہ اس کے بعد روزہ ہے اور تیسویں رمضان کی رات اس سے خارج کیونکہ اس کی صبح عید ہے بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں لیلتہ بمعنی جمع ہے کیونکہ چند روزوں کی راتیں بھی چند ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنس ہے۔ (کبیر) لیلتہ الصیام۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ احل کا ظرف ہے اور ممکن ہے کہ رفث کا ظرف مقدم ہو۔ یعنی اے مسلمانوں تمہارے لئے روزوں کی رات میں حلال کیا گیا۔ الصیام میں الف لام عہدی ہے اور اس سے رمضان کے روزے مراد ہیں کیونکہ نفلی روزوں میں تو پہلے بھی یہ پابندی نہ تھی صرف رمضان میں تھی۔ رمضان میں اگرچہ اور عبادتیں بھی ہوتی ہیں۔ تراویح' اعتکاف' شب قدر کی عبادت وغیرہ مگر چونکہ ان سب میں اصل مقصود روزہ ہے۔ اسی لئے اسے ماہ صیام کہا جاتا ہے یعنی روزوں کا مہینہ یہاں بھی صیام سے مراد ماہ صیام یعنی رمضان ہے۔ **الرفث الی نسائکم** رفث' کے لغوی معنی فحش بات کرنا ہے۔ جو سب کے سامنے نہ کی جاسکے۔ اصطلاح میں عورت سے جماع کی باتیں کرنا رفث کہلاتا ہے مگر یہاں جماع ہی مراد ہے کیونکہ پہلے یہ ہی حرام تھا نہ کہ جماع کی باتیں۔ چونکہ اس میں جانے کے معنی بھی تھے۔ اس لئے بعد الی لایا گیا۔ نساء کم سے مراد اپنی بیبیاں یا لونڈیاں ہیں یعنی تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جماع کے لئے جانا حلال ہے۔ اس لئے کہ **ھن لباس لکم وانتم لباس لھن** لباس' لبس سے بنا جس کے معنی ہیں ڈھانکنا اور چھپانا۔ دھوکہ کو التباس مشتبہ لگنے کو لبس اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں اصل شئی چھپ جاتی ہے۔ کپڑے کو بھی لباس اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے ستر چھپایا جاتا ہے۔ یہاں چند وجہ سے عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس کہا گیا۔ (۱)

بوقت جماع ہر ایک دوسرے سے اس طرح ملتے ہیں۔ جیسے بدن سے لباس۔ (2) شوہر بیوی اور بیوی شوہر کے خفیہ راز ایسے چھپاتا ہے جیسے بدن کو لباس۔ (3) عورت مرد کیلئے ایسی خاص رہتی ہے جیسے بدن کیلئے اسکا کپڑا۔ (4) عورت مرد کے اور مرد عورت کے عیبوں کو ایسے چھپالیتے ہیں جیسے لباس بدن کے عیب۔ (5) عورت کو مرد اور مرد کو عورت کی ہروقت ایسی ضرورت ہے جیسے ہر موسم میں کپڑے کی۔ (6) مرد کی وجہ سے عورت اور عورت کی وجہ سے مرد تمام دنیوی طعنے' الزام اور بہتان سے بچ جاتے ہیں۔ کنواری لڑکی اور کنوارے لڑکے کو ہر طرح عیب لگ سکتے ہیں۔ نکاح کی وجہ سے یہ دونوں ایسے محفوظ ہو گئے جیسے کپڑے کی وجہ سے سردی گرمی سے بدن۔ اسی لئے بعض علماء نے لباس کے معنی پردہ کئے۔ بعض نے فرمایا کہ لباس سے مراد ہے سکون واطمینان۔ جس کی تفسیر سورۂ اعراف میں یوں کی گئی کہ **لیسکن الیھا** سورۂ روم میں فرمایا گیا **لتسکنوا الیھا** رات کو بھی قرآن کریم نے لباس فرمایا ہے۔ **وجعلنا الیل لباسا** کہ وہ سکون وچین کا وقت ہے یعنی وہ بیبیاں تمہارے لئے سکون وچین کا باعث ہیں اور تم ان کے لئے اس میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ زوجین کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے عیب پوش ہوں۔ نبھانے کے ارادہ سے نکاح کریں لہٰذا مرد اپنے لئے نیک خصلت دیندار بیوی اختیار کرے اور لڑکی دیندار مرد کو پسند کرے موجودہ زمانہ کی کالج کی تیتریاں خاوند کے لئے لباس نہ بن سکیں گی۔ پردہ دار ہوں گی پردہ پوش نہ ہوں گی۔ **علم اللہ** یہاں اللہ کے علم سے یا تو اس کا ازلی علم مراد ہے یا علم مشاہدہ یعنی اللہ نے ازل ہی میں جان لیا تھا یعنی یہ تبدیلیء قانون وغیرہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوا ہے۔ اتفاقاً" یا اچانک نہیں ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی بادشاہ اپنے قوانین اپنی بے علمی کی وجہ سے بدلتے ہیں۔ اولا" غلط قانون بنادیتے ہیں۔ پھر درست رب کے ہاں یہ تبدیلی مخلوق کی مصلحتوں کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ رب کی بے علمی کی بنا پر یا تم سے جو خطائیں ہوئیں وہ اللہ نے جان لیں کہ **انکم کنتم تختانون انفسکم' تختانون'** خیانت سے بنا۔ جس کا مادہ ہے خون۔ اس کے معنی ہیں بے وفائی' حال کا بدلنا' امانت مارلینا' بد عہدی کرنا (کبیر) یہاں یا بے وفائی کے معنی میں ہے یا امانت مارنے کے معنی ہیں بعض نے فرمایا کہ 'خون اختعل میں آکر ارادۂ خیانت کے معنی میں ہے (کبیر) یہ ماضی ناتمام یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی مستقبل (کبیر و روح البیان) انفس کا زبر یا تو مفعولیت کی وجہ سے ہے اور یا فی کے پوشیدہ ہونے سے اور اب تختانون کا مفعول (لفظ اللہ) پوشیدہ ہوگا۔ یعنی اللہ نے ازل میں جانا تھا کہ اگر تم پر جماع حرام رہا تو تم اپنے نفسوں کے بارے میں اللہ سے بد عہدی کر بیٹھو گے یا اللہ کی امانت میں خیانت کر ڈالو گے یا اللہ نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے۔ یا اپنے نفسوں کے بارے میں رب کی خیانت کرتے تھے کہ باوجود ممانعت کے اپنی بیویوں سے جماع کر لیتے تھے۔ خیال رہے کہ ہمارے نفس اللہ کی امانتیں ہیں اور گناہ اس امانت میں خیانت نیز ہمارے نفس کا ہم پر حق ہے کہ نیک کام کر کے اسے جنت میں پہنچائیں گناہ کرنا نفس کا حق مارنا ہے اسی لئے یہاں خیانت فرمایا گیا **فتاب علیکم وعفا عنکم** یہ علم پر معطوف ہے اور اگر اس سے علم ازلی مراد ہو اور تختانون بمعنی مستقبل ہو تو توبہ سے مراد اجازت جماع اور عفو سے مراد اس میں گنجائش اور وسعت دینا ہے اور دوسری صورت میں یہ دونوں اپنی معنی ہیں (کبیر) یعنی رب نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہاری خطا کو معاف فرما دیا۔ **فالئن باشروھن** ف جزائیہ ہے اور **الئن باشروا** کا ظرف ہے باشروا بشرہ سے ہے۔ جس کے معنی ہیں ظاہری کھال۔ مباشرت کے معنی ہیں کھال کا کھال سے ملانا۔ یہاں مراد جماع کرنا ہے۔ یہ امر وجوب کا نہیں بلکہ جواز کا ہے یعنی جب کہ رب نے

تمہیں اجازت دے دی تو تم اپنی بیویوں سے روزوں کی رات میں جماع کر سکتے ہو۔ خیال رہے کہ عمر میں ایک بار بی بی سے صحبت کرنا ضروری ہے یہ اس کا حق ہے کہ اس کے بغیر وہ فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے اور قاضی مرد کو ایک سال کی مہلت علاج کیلئے دے کر ایک سال کے بعد نامردی کی وجہ سے نکاح فسخ کر سکتا ہے اور کم از کم چار ماہ میں ایک بار صحبت کرنا دیانۃً ضروری ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا ممنوع ہے اسی لئے ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور حضرت عمر فاروق نے اپنے کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ باہر رہنے کی اجازت نہ دی اس سے زیادہ صحبت کرنے میں اپنی قوت کالحاظ چاہئے۔ نقصان وہ حد تک نہ کرے۔ **وابتغوا ما کتب اللہ لکم** یہاں سے ملے سے مراد یا اولاد ہے یا اپنی بیبیاں اور لونڈیاں یا ان کا حیض و نفاس سے پاک ہونا یا جماع کی جگہ یعنی فرج یا شب قدر یا رمضان کی بافراغت عبادات اور کتب یا تو جعل کے معنی میں ہے۔ جیسے **فاکتبنا مع الشھدین** یا قضاء (فیصلہ) یا بمعنی قدر (تقدیر میں لکھا) یا اپنے معنی میں ہے یعنی جماع سے وہ اولاد تلاش کرو جو رب نے تمہارے نصیب میں لکھی۔ یا جماع ان عورتوں سے کرو جو تمہارے لئے حلال کی گئیں یا اس حالت میں اور اس مقام میں جو تمہارے لئے حلال کیا گیا۔ حیض و نفاس اور دبر میں نہ کرو یا جماع کرکے بافراغت شب قدر اور رمضان کی عبادات تلاش کرو۔ جس کا تمہارے لئے فیصلہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ غلبہ شہوت سے تمہارا دل مطمئن نہ ہوتا۔ اب جب کہ جماع کی اجازت ہوئی تمہارے قلب کو سکون رہے گا جس سے تم بخوبی عبادت کر سکو گے۔ خیال رہے کہ نیک اولاد کے حاصل کرنے کے لئے صحبت کرنا ثواب ہے اور اس کی دعا مانگنا سنت انبیاء ہے۔ ابراہیم علیہ السلام، زکریا علیہ السلام نے نیک فرزند کی دعائیں مانگیں۔ حضرت مریم کی والدہ حنہ نے نیک بچہ کی دعا مانگی مگر یہ دعا اس لئے ہو کہ بچہ دین کی خدمت کرے ہمارے لئے صدقہ جاریہ ہو۔ اسی طرح اس لئے صحبت کرنا کہ اس سے دل کو سکون میسر ہو۔ اور عبادات میں دل لگے ثواب ہے۔ (کبیر و احمدی)۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا حلال کیا گیا۔ کیونکہ وہ تو تمہارا پردہ ہیں اور تم ان کا یا وہ تمہارے دل کی چین ہیں اور تم ان کے دل کی راحت۔ تم ایک دوسرے کے بغیر گزر نہیں سکتے۔ رب جانتا ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈال لیتے ہو یعنی غلبہ شہوت سے جماع کر بیٹھتے تھے اور پھر شرمندہ ہو کر توبہ کرتے تھے۔ اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور گزشتہ خطاؤں کو معاف کر دیا اور آئندہ کے لئے جماع حلال فرما دیا۔ اب تم کو اجازت ہے کہ روزوں کی راتوں میں جماع کرو مگر جانوروں کی طرح صرف شہوت پوری کرنے کے لئے نہ کرنا بلکہ اولاد حاصل کرنے کے لئے یا یہ نیت کرنا کہ دلی فراغت حاصل ہو کہ رمضان کی عبادتیں اطمینان سے ہو سکیں۔ اس نیت سے تمہارا جماع بھی عبادت اور باعث ثواب ہوگا ورنہ گنہگار تو نہ ہو گے مگر ثواب سے محروم رہو گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بڑوں کی خطا چھوٹوں کے لئے باعث عطا ہے۔ دیکھو عمر رضی اللہ عنہ سے خطاء جماع ہوا اس کی برکت سے تا قیامت مسلمانوں کو آسانی حاصل ہوئی تمام دنیا کا ظہور آدم علیہ السلام کی ایک خطا کی برکت سے ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہوا مسلمانوں کو تیمم کا حکم ملا۔ **دوسرا فائدہ:** جس خطا کی بدولت رب کریم سے خطاب فرمائے وہ ہزار نیکیوں سے افضل ہے۔ دیکھو عمر رضی اللہ عنہ سے ایک خطا ہوئی۔ رب نے ان سے کئی خطاب فرمائے۔ معافی کی خوش خبری دی۔ ہم صدہا نیکیاں کریں کچھ پتہ ہی نہیں لگتا۔ کوئی رسید ہی نہیں آتی۔ یقیناً وہ

خطا ہماری نیکیوں سے افضل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کا اکثر قانون یہ ہے کہ اپنے بندوں کو رعایتیں کسی مقبول کے طفیل دیتا ہے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس مقبول بندے کے احسان مند رہیں۔ دیکھو رب جانتا تھا کہ اسلام میں رمضان کی راتوں میں عورتیں حلال رہیں گی۔ مگر پہلے حرام رکھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حلال فرمائیں اسلام میں اولاً" تیمم نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا ہار گم ہو جانے پر تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ معراج میں اولاً" نمازیں پچاس فرض ہوئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر پانچ رہیں۔ یہ وسیلے درمیان میں کیوں رکھے تاکہ بندے کبھی ان سے بے نیاز نہ ہوں۔ زمین کبھی بھی آسمان' سورج سے بے نیاز نہیں۔ ایسے ہی ہم کبھی ان بزرگوں سے مستغنی نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی امر محض جواز کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے کہ یہاں باشروا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن کریم سے حدیث کا نسخ جائز ہے۔ دیکھو روزوں کی رات میں جماع کی حرمت حدیث سے ثابت تھی مگر آیت نے اسے منسوخ کیا۔ **چھٹا فائدہ:** رب کا عتاب علامت کرم ہے دیکھو خود ہی فرماتا ہے کہ تم نے خیانت کی۔ اور پھر فرماتا ہے کہ معاف کر دیا اس عتاب عشاق وجد کرتے ہیں۔ صحابہ کرام ان الفاظ کو فخریہ بیان کرتے تھے جو کبھی حضور نے ان سے بطور عتاب فرمائے۔ حضرت ابوذر غفاری کے لئے علی رغم انف ابی ذر فرمایا حضرت عائشہ کو عقری حلقی فرمایا کسی کو **ثکلتک امک** (تجھے تیری ماں روئے) فرمایا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ حضرات ہمیشہ اس پر فخر کرتے تھے۔ **ساتواں فائدہ:** اگر دنیوی کام بھی نیک ارادہ اور نیت خیر سے کئے جائیں تو ان پر ثواب ملتا ہے۔ دیکھو جماع میں نیک اولاد حاصل ہونے یا اطمینان عبادت کرنے کی نیت کا حکم دیا گیا۔ کھانے پینے چلنے پھرنے کا بھی یہ ہی حال ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** گالیاں بکنا حرام ہے کیونکہ اس میں جماع و محل جماع کے صاف صاف نام لئے جاتے ہیں۔ رب نے اس فعل کو کنایہ سے بیان کیا نہ کہ صاف صاف۔ **نواں فائدہ:** عزل (انزال باہر کرنا) بلاوجہ منع ہے کیونکہ جماع سے اولاد مقصود ہے اور اس سے اولاد رکتی ہے۔

پہلا اعتراض : خفیہ گناہ کی توبہ بھی خفیہ ہونی چاہئے گناہ کا اعلان بھی گناہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خفیہ خطا حضور پر کیوں ظاہر کی اور خطا کے بعد یہ گناہ کیوں کیا۔ (رافضی) **جواب:** بے خبر لوگوں سے اپنا گناہ ظاہر کرنا واقعی گناہ ہے۔ حضور علیہ السلام ہر ایک کی حالت سے باخبر ہیں ان پر اظہار عین ایمان ہے۔ نیز حضور کو اپنے گناہ کی خبر دینا ذریعہ مغفرت ہے۔ رب نے فرمایا **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک** خفیہ بیماری لوگوں سے چھپاؤ۔ مگر طبیب کو بتا کر علاج کراؤ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و دیگر صحابہ خیانت کرتے تھے اور خائن خلافت کے قابل نہیں لہٰذا ان کی خلافت باطل ہے نیز تمہارا یہ عقیدہ بھی باطل ہے کہ کوئی صحابی فاسق نہیں۔ اس آیت سے ان کی خیانت ثابت ہوئی جو کہ اول درجہ کا فسق ہے۔ (رافضی) **جواب:** ہم صحابہ کرام کو معصوم نہیں مانتے عادل مانتے ہیں یعنی وہ گناہ پر قائم نہیں رہتے بلکہ اگر غلطی ہو جائے تو توبہ کر کے رب سے معافی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں بھی یہ ہی ہوا نیز یہاں خیانت سے انسانی امانت میں خیانت مراد نہیں۔ بلکہ فقط بے اختیاری گناہ مراد ہے کیونکہ انہوں نے کسی کا مال نہ مارا تھا۔ اپنی حلال بیبیوں سے جماع کیا تھا۔ اسی لئے فرمایا **انفسکم** اپنے نفسوں کی خیانت کی۔ کسی کا مال یا کسی کا باپ نہ مارا۔ نیز جب رب انہیں معافی کا پروانہ دے چکا تو تمہیں ان کے عیب نکالنے کا کیا حق ہے۔ رب تو معاف کرے اور تم شور مچاؤ۔ بلکہ اس آیت سے ان کی عظمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ رب

نے ان کے نفسوں کو اپنی ملک قرار دیا۔ اور فرمایا کہ اے عمر تمہارا نفس تو جنت کے عوض میں خرید چکا۔ اب تو تام تمہارا رہ گیا۔ چیز ہماری ہو گئی۔ تم نے مجھ سے بغیر پوچھے اپنے اختیار سے جماع بھی کیوں کر لیا۔ سبحان اللہ کوئی ایسا خوش نصیب بھی تو ہو۔ جس کے نفس کو رب اپنی ملک بتائے اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم** **تیسرا اعتراض:** بھلا یہ بھی کوئی روزہ ہے کہ دن بھر کچھ نہ کھاؤ اور رات کو مجامعت بھی کر لیا کرو اور جتنی دفعہ چاہو رات میں کھا پی لیا کرو یہ قانون تو قوانین صحت کے خلاف ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** دن میں نہ کھانے اور رات میں کھانے پینے کی اجازت میں بہت سی حکمتیں ہیں جو ہم پچھلی آیت میں بیان کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اسلام دین فطرت ہے اس نے سب کے لئے عام قانون بنائے ہیں۔ لہٰذا ایسی آسانیاں بھی رکھی ہیں۔ جس سے ہر ایک عمل کر سکے۔ ماہ رمضان عبادتوں کا مہینہ ہے۔ اگر نفس فارغ نہ ہو تو کوئی عبادت اطمینان سے نہیں ہو سکتی۔ کبھی غلبہ شہوت سے نہ نماز میں دل لگتا ہے نہ تلاوت میں۔ خیالات پراگندہ رہتے ہیں۔ جماع سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور اطمینانی عبادتیں ادا ہوتی ہیں۔ اسی لئے اس کی اجازت دی گئی۔ اب ہر شخص روزہ رکھ سکتا ہے۔ اسلام آریہ دھرم کی طرح بے اصولا دین نہیں کہ مردوں کو برہم چاری بنا کر عورتوں سے الگ رکھیں۔ اور پھر عورتوں کو بارہ مردوں سے نیوگ (زنا) کی اجازت دیکر دنیا میں بدکاری پھیلائے۔ اس نے انسان کی حالت کا صحیح اندازہ فرما کر مناسب احکام دیئے۔ یہ حکم اصول صحت کے خلاف نہیں۔ جس کا دن رات تجربہ ہے۔؟ اکثر بھی پیٹ کی بیماروں کو اسلامی روزہ کا مشورہ دیتے تھے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تاب اور عفا دونوں کو جمع کیوں فرمایا اور توبہ و معافی میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** اس خطا میں شریعت کا حق تھا۔ جس کی وجہ سے اس روزے کی قضا یا کفارہ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں رمضان کی رات صحبت کرنا ایسا تھا جیسا آج کل بحالت روزہ دن میں صحبت کرنا۔ اور اللہ کا حق بھی جس کا بدلہ آخرت میں ہونا چاہئے تھا۔ دونوں حقوں سے براءت کا ذکر فرمانے کیلئے توبہ اور معافی کا ذکر ہوا یعنی ہم نے تمہاری توبہ قبول کر لی لہٰذا تم پر اس روزے کی نہ تو قضا ہے نہ کفارہ اور تمہیں معافی دے دی۔ لہٰذا آخرت میں بھی تمہاری پکڑ نہیں اسی لئے کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ حضرت عمر سے اس روزے کی قضا کرائی گئی ہو۔

تفسیر صوفیانہ: حاضری بارگاہ کا زمانہ گویا ماہ رمضان ہے۔ نفس گویا بی بی ہے اور حقوق نفس کا ادا کرنا گویا مجامعت ہے۔ فرمایا گیا کہ زمانہ حضور میں غفلت کے وقتوں میں اپنے نفوس کے حصے ان کو دے سکتے ہو۔ کیونکہ اس کو روح کے ساتھ وہ تعلق ہے جو لباس کو جسم سے ہوتا ہے جیسے جسم کی حفاظت کیلئے کپڑے کا لحاظ رکھا جاتا ہے یونہی روحانی نگرانی کیلئے نفس کا بھی خیال رکھو۔ رب جانتا ہے کہ راہ طریقت طے کرنے کی حالت میں تم سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے اس کی معافی دی گئی اور آئندہ کیلئے تمہیں اجازت ہے کہ بقا بعد فنا کی حالت میں کبھی دنیوی حقوق بھی ادا کرو مگر اس کو ذریعہ تقویٰ سمجھ کر اور یہ جان کر کہ معبود نے اپنے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ اس کی رضا کا ذریعہ ہے۔ (از ابن عربی) خلاصہ یہ کہ ترک دنیا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ دنیا کو دین بنا لیا جائے۔ لہٰذا چاہئے کہ کبھی تو تارک الدنیا ہو کر ملائکہ مقربین کی طرح عبادت میں مشغول رہے۔ یہ ہے روزہ اور کبھی دنیا میں مشغول ہو کر ملائکہ مدبرین کی طرح دنیوی انتظام کرے۔ یہ ہیں روزے کی راتیں۔ اس صورت میں ہر وقت عابد ہی رہے گا۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

اور کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ ظاہر ہو جاوے واسطے تمہارے ڈورا سفید ڈورے کالے سے فجر

اور کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہو جاوے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے

الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْ

سے۔ پھر پورا کرو تم روزوں کو رات تک۔ اور نہ صحبت کرو ان عورتوں

پو پھٹ کر پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ

هُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

سے حالانکہ تم ٹھہرنے والے ہو بیچ مسجدوں کے یہ حدیں ہیں اللہ کی پس نہ قریب جاؤ

جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جاؤ۔

تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

ان کے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ آیتیں اپنی واسطے لوگوں کے تاکہ وہ پرہیزگار ہوں۔

اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ انہیں پرہیزگاری ملے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق: یہ جملہ پچھلی آیت ہی کا جز ہے۔ پہلے روزوں کی رات میں جماع کی اجازت دی گئی اور اب صبح تک کھانے پینے کی اجازت دی جا رہی ہے کیونکہ یہ چیزیں جماع سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلے جملے میں جماع کی اجازت کا ذکر تھا اب جماع وغیرہ کی انتہا کا ذکر ہے کہ صبح ہونے پر یہ سب کام بند کر دو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں روزوں کا ذکر ہوا اب اعتکاف کے احکام بیان ہو رہے ہیں کیونکہ اکثر اعتکاف روزہ کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور اس کو روزہ سے بہت مشابہت بھی ہے کہ روزہ میں کھانے پینے سے پرہیز ہوتا ہے اور اعتکاف میں مسجد سے نکلنے سے۔

شان نزول : شروع اسلام میں روزہ کی راتوں میں سونے سے پہلے کھانے پینے کی اجازت تھی سونے یا عشاء کے بعد سب کچھ حرام ہو جاتا تھا۔ ایک صحابی تھے صرمہ ابن قیس یہ محنتی آدمی تھے کہ دن بھر محنت کرتے تھے۔ ایک دن روزہ کی حالت میں دن بھر کام کیا۔ شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کھانا مانگا وہ پکانے میں معروف ہوئیں۔ یہ لیٹ گئے۔ تھکے تو تھے ہی۔ آنکھ لگ گئی۔ جب بیوی نے کھانا تیار کر کے انہیں بیدار کیا تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اب کھانا حرام ہو چکا تھا۔ اور اسی حالت میں دوسرا روزہ رکھ لیا۔ جس سے بہت کمزور ہو گئے اور دوپہر کو غشی آ گئی۔ ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن)

عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفید و کالے ڈورے سے دنیاوی دھاگے سمجھا۔ میں نے دونوں قسم کے دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھے اور رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھتا تھا کہ ان کا رنگ کب ظاہر ہو۔ مجھے تو کچھ بھی نظر نہ پڑا۔ صبح کے وقت بارگاہ

نبوت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ تب تو تمہارا تکیہ بڑا فراخ ہے یعنی وہ ڈورے جو یہاں مراد ہیں تمہارے تکیہ کے نیچے نہیں آسکتے۔ اس سے تو دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی مراد ہے تب لفظ من الفجر اترا۔ جس سے آیت کا مقصد ظاہر ہوا (کبیر) اس اجازت کے بعد صحابہ کرام اعتکاف کی حالت میں بھی عورتوں سے جماع کر لیتے تھے کہ رات کو مسجد سے گھر گئے اور جماع کیا غسل کر کے پھر مسجد میں آبیٹھے تب اعتکاف کے احکام نازل ہوئے جس میں فرمایا گیا کہ رات کی اجازت اس کیلئے ہے۔ جو معتکف نہ ہو (روح البیان) غرضیکہ اس آیت میں مختلف جملوں کے مختلف شان نزول ہیں۔

تفسیر سمجھنے سے پہلے یہ بات لحاظ میں رہے کہ پہلے رمضان میں صبح تک کھانے پینے کی اجازت دی گئی۔ پھر صحبت کی اجازت ہوئی مگر ترتیب میں پہلے صحبت کی اجازت کا ذکر ہے بعد میں صبح تک کھانے کی اجازت کا کیونکہ ترتیب آیات تو لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق ہے۔ مگر نزول حسب حاجت ہوا۔ ترتیب تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ جمع صحابہ نے کیا۔

تفسیر : کلوا واشربوا یہ حکم بھی جواز کے لئے ہے۔ اور روزہ داروں سے خطاب ہے یعنی رمضان کی راتوں میں کھاتے پیتے رہو۔ **حتی یتبین لکم** یہ کھانے پینے اور جماع تینوں ہی کی انتہا ہے **یتبین** بین سے بنا جس کے معنی ہیں ظاہر ہونا۔ باب تفعل میں آکر معنی ہوئے کہ خوب ظاہر ہو جائے یا تو اس طرح کہ تم خود دیکھ لو۔ یا اس طرح کہ علم اوقات (جنتری) سے معلوم کرو۔ فقط شبہ معتبر نہیں **الخیط الابیض من الخیط الاسود** خیط دھاگے کو کہتے ہیں اسی لئے سوئی کو خیاط اور درزی کو خیاط کہا جاتا ہے کہ انہیں ڈورے سے تعلق ہے چونکہ سب سے پہلے صبح کی سفیدی مشرق میں ڈورے کی طرح باریک سی نمودار ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ رات کی سیاہی بھی باریک ڈورے کی طرح بن جاتی ہے۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کالے اور سفید دو ڈورے ملے ہوئے ہیں لہٰذا اس حالت کو سفید اور کالے ڈوروں سے بیان کیا تاکہ معلوم ہو کہ روزہ پوپھٹتے ہی شروع ہو جاتا ہے چونکہ صبح کاذب میں بھی کالے اور سفید دو لمبے ڈورے پڑتے ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا **من الفجر** جس سے معلوم ہوا کہ شرقاً غرباً لمبے ڈورے مراد نہیں کیونکہ اس وقت رات ہی ہوتی ہے بلکہ جنوباً شمالاً ڈورے مراد ہیں جس سے وقت فجر ہو جاتا ہے۔ فجر کے لغوی معنی ہیں جاری ہونا' ظاہر ہونا اور پھیلنا اور چرنا' علانیہ گنہگار کو فاجر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا فسق ظاہر ہے چونکہ صبح کے وقت نور پھیل جاتا ہے اور رات کی ظلمت اس سے چر جاتی ہے۔ اس لئے اسے فجر کہا جاتا ہے من بیانیہ ہے اور یہ سفید اور کالے دونوں ہی ڈوروں کا بیان ہے۔ (کبیر و روح) یہاں تک سحری کی انتہاء اور روزہ کی ابتداء بیان ہوئی۔ اب روزہ کی انتہا کا بیان ہے کہ **ثم اتموا الصیام الی الیل** چونکہ فجر اور مغرب میں پورے دن کا دراز فاصلہ ہے۔ اس لئے ثم فرمایا گیا۔ اتمام سے روزہ کی پابندیوں کا پورا کرنا مراد ہے الی انتہا کا ہے اور لیل سے مراد مطلق رات ہے یعنی روزہ شروع کر کے پھر تم سارا دن کھانے پینے اور جماع سے باز رہو۔ رات تک کہ رات کے آتے ہی روزہ ختم کر دو کہ نہ تو رات میں روزہ رکھو نہ شفق غائب ہونے اور سیاہی پھیلنے کا انتظار کرو اور نہ روزہ وصال (روزہ پر روزہ) رکھو یہ امر وجوبی ہے کیونکہ جیسے صبح سے روزہ شروع کر دینا فرض ہے۔ ایسے ہی رات آنے پر افطار کرنا فرض۔ خیال رہے کہ چند صورتوں میں کھانا پینا فرض شرعی ہے۔ ایک 'جب کہ بھوک پیاس سے جان نکلنے کا خطرہ ہو کیونکہ جان رکھنا فرض ہے۔ دوسرے 'روزہ افطار کے وقت کہ وصال کا روزہ حرام ہے۔ تیسرے 'جس کسی کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کا حکم دیں اور حکم بھی شرعی ہو' محض مشورہ نہ ہو۔ باقی عام حالات میں کھانا پینا سنت یا مباح

ہے روزہ میں نماز میں حرام۔ لہٰذا مرن برت رکھ کر جان دے دینا یا بھوک ہڑتال کرنا سخت منع ہے کہ حکم ' کلوا ' کے خلاف ہے۔ یہاں تک روزہ کی ابتداء ' انتہاء اور اس کی پابندیاں بیان ہوئیں۔ چونکہ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ اعتکاف بھی روزے ہی کی طرح ہے لہٰذا اس میں بھی دن بھر جماع حرام اور رات کو جائز۔ یہ وہم دور کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ **ولا تباشروھن** اس کے لفظی معنی ہم پہلے بتا چکے۔ یہاں جماع مراد ہے نہ کہ فقط چھونا۔ یعنی ان عورتوں سے جماع نہ کرو۔ جب کہ **وانتم عکفون فی المسجد** عاکفون ' عکف سے بنا۔ جس کے معنی ہیں ٹھہرنا اور پکڑنا۔ مقیم کو بھی عاکف کہا جاتا ہے **یعکفون علی اصنام لھم** شریعت میں بہ نیت عبادت مسجد میں ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے۔ مساجد مسجد کی جمع ہے۔ مسجد بفتح جیم سجدہ گاہ کو کہتے ہیں۔ مسجد بکسر جیم نماز کی جگہ یا مکان۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ مردوں کے لئے وہ مسجدیں مراد ہیں جن میں پنجگانہ نماز ہوتی ہے عورتوں کے حق میں وہ جگہ مراد ہے جسے وہ اپنے گھر میں نماز کیلئے خاص کرلیں وہ وہاں ہی اعتکاف بھی کر سکتی ہیں۔ اگرچہ یہاں مردوں سے خطاب ہے لیکن عورتیں بھی اس میں داخل ہیں۔ لہٰذا شوہر اور بی بی میں سے کوئی بھی اعتکاف میں ہو تو جماع حرام ہوگا۔ **تلک حدود اللہ** اس میں روزہ اور اعتکاف کے سارے مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔ حدود ' حد کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں انتہا یا آڑ اور روکنا۔ محروم کو محدود کہتے ہیں کہ وہ رزق سے رکا ہوا ہے۔ دربان کو حداد کہا جاتا ہے کہ وہ غیروں کو اندر جانے سے روکتا ہے۔ لوہے کو حدید۔ چھری کی دھار کو حد۔ تیز نظر کو حدید کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی منع اور روک ہے۔ منطقی لوگ جامع اور مانع تعریف کو حد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی غیر کو داخل نہیں ہونے دیتی۔ (کبیر) یہاں آڑ کے معنی میں ہے یعنی یہ احکام اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود اور آڑیں ہیں۔ جس پر حق و باطل کی انتہا ہے اور ان کی مخالفت اور ان سے آگے بڑھنا منع۔ **فلا تقربوھا** تمہیں چاہئے کہ ان کے قریب بھی نہ آؤ۔ شاہی چراگاہ سے دور رہو۔ تاکہ اس میں پھنس نہ جاؤ **کذلک یبین اللہ ایتہ للناس** ذلک سے گزشتہ بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیات سے مراد یا تو قرآنی آیتیں ہیں یا شرعی احکام یا دلائل قدرت۔ یعنی جیسے کہ ہم نے روزہ اور اعتکاف کے احکام نہایت صاف و واضح بیان فرمائے ایسے ہی اور احکام بھی بیان کرتے ہیں یا کریں گے **لعلھم یتقون** تاکہ مسلمان بے تکلف تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کریں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں جیسے کہ تمہیں روزہ کی راتوں میں جماع کی اجازت ہے ایسے ہی تمہیں یہ بھی اختیار دیا جاتا ہے کہ رات میں کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ صبح کا سفید ڈورا رات کے کالے ڈورے سے ظاہر ہو جائے یعنی پو پھٹ کر صبح صادق نمودار ہو جائے پھر اس وقت سے شروع کر کے رات آنے تک روزے پورے کرو اور یہ بھی خیال رکھو کہ اعتکاف میں کس قدر پابندی ہے وہ یہ کہ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو تو کسی وقت بھی بیبیوں سے جماع نہ کرو نہ دن میں نہ رات میں کیونکہ روزہ تو شام کو ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اعتکاف کسی وقت ختم نہیں ہوتا۔ یہ جو کچھ احکام بیان ہوئے یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان کو توڑنا تو کیا معنی ان کے قریب بھی نہ جاؤ اور حرام سے بچنے کے لئے شبہ کی چیزوں سے بھی بچو۔ جیسے کہ ہم نے روزہ اور اعتکاف کے احکام صاف صاف بیان فرما دیئے۔ ایسے ہی سارے ہی احکام واضح کر کے بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ آسانی سے عمل کر کے تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کریں۔ خیال رہے کہ چند وجوہ سے اعتکاف روزے سے مناسبت رکھتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے روزے کے ساتھ اعتکاف کا ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ اعتکاف کے لئے روزہ ایسا لازمی ہے جیسے نماز کیلئے روبہ قبلہ

ہوئی۔ دوسرے یہ کہ روزے کی طرح اعتکاف میں بھی عشق کا غلبہ ہے۔ اسی لئے عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مسجد میں بیٹھ جانا عبادت کیوں بن گیا۔ تیسرے یہ کہ جیسے روزے میں حلال روزیوں کو حرام فرمادیا گیا ہے ایسے ہی اعتکاف میں بھی حلال چیزوں پر پابندی لگادی گئی ہے۔ چوتھے یہ کہ جیسے روزہ روزہ دار پر لازم ہو جاتا ہے کہ سوتے جاگتے چلتے پھرتے روزہ منہ میں رہتا ہے اور روزہ دار ہر حال میں عابد رہتا ہے۔ ایسے ہی اعتکاف معتکف کو لازم ہو جاتا ہے کہ سوتے جاگتے کھاتے پیتے معتکف عبادت میں رہتا ہے۔ بہرحال اعتکاف روزے سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہے۔ ان وجوہ سے اس کے احکام روزے کے احکام کے ساتھ ذکر ہوئے۔

اعتکاف کے فضائل و مسائل

اعتکاف بہت پرانی عبادت ہے گزشتہ پیغمبروں کے دین میں بھی جاری تھی۔ رب تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل کو حکم دیا تھا کہ **ان طهرا بيتى للطائفين والعكفين** میرے گھر یعنی کعبہ معظمہ کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھو معلوم ہوا کہ دین ابراہیمی میں اعتکاف تھا۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ (1) بعض دینوں میں ترک دنیا بہترین عبادت ہے۔ اسلام نے اس طرح ترک دنیا کرایا جس سے دنیوی کاروبار بھی بند نہ ہوں اور لوگ تارک الدنیا بھی ہو جائیں یعنی ماہ رمضان میں کچھ دن گھر بار چھوڑ کر بال بچوں سے منہ موڑ کر خانہ خدا میں آ بیٹھیں اور جلوت سے نکل کر خلوت کے مزے لیں۔ یہ ترک دنیا جوگی اور سادھو بننے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (2) معتکف اس بھکاری کی طرح ہے جو غنی کے دروازہ پر اڑ کر بیٹھ جائے اور کہے کہ میں تولے کر ہی جاؤں گا۔ ایسے ہی یہ بھی اللہ کے دروازے پر اڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ بغیر لئے نہیں ہٹنا۔ دروازے والے کو اپنے دروازہ کی لاج ہوتی ہے مسجد والے کو اپنے دروازے کا لحاظ ہے وہ ضرور دیکر ہی بھیجے گا۔ مگر اخلاص شرط ہے۔ (3) اعتکاف میں دل ماسوا اللہ سے خالی ہو کر اللہ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ (4) اعتکاف میں لوگوں سے علیحدگی اور رب سے قرب ہوتا ہے۔ جس سے کہ یہ تو لوگوں سے اور لوگ اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ (5) اعتکاف میں نفس کی آگ بجھ جاتی ہے۔ (7) اعتکاف میں رب سے انس' اس پر توکل تھوڑے رزق پر رضا ہوتی ہے۔ (8) اعتکاف میں انسان تمام گناہوں سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ لوگوں سے میل جول کی حالت میں جھوٹ' غیبت وغیرہ بہت سے گناہ ہوتے رہتے ہیں۔ معتکف کو صرف نمازیوں سے ہی ملاقات کا موقعہ ملتا ہے۔ (9) اعتکاف سے انسان رب کی رحمت خاص کے قابل ہو جاتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے چالیس دن کا اعتکاف کرا کر انہیں توریت دی گئی۔ ہمارے حضور علیہ السلام نے بھی غار حرا میں چھ ماہ کا اعتکاف فرمایا تب آپ کو نبوت اور قرآن کریم عطا ہوئے اگرچہ وہ موجودہ اعتکاف سے کچھ مختلف تھے مگر ان میں دنیا سے علیحدگی تو تھی۔ (10) صوفیائے کرام بھی خاص اعمال کے لئے چلے کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا اعتکاف ہے جس سے انہیں صفائی قلب ہوتی ہے۔ (11) اعتکاف میں انسان کو غور و فکر کا موقعہ ملتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ایک سال کے ذکر سے افضل ہے انسان اس زمانہ میں اپنے گناہوں اور رب کی رحمتوں کو یاد کر کے توبہ استغفار بھی کر لیتا ہے اور اعتکاف ہی میں آئندہ زندگی کے لئے پروگرام بنا سکتا ہے کہ اگلی زندگی اس طرح گزارنی چاہیے۔

مسائل : بیسویں رمضان کی عصر سے عید کے چاند دیکھنے تک اعتکاف کرنا سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کسی نے نہ کیا تو سب سنت چھوڑنے کے گناہ گار ہوئے اور اگر ایک نے بھی کر لیا تو سب بری ہو گئے چاہئیے یہ کہ بیسویں رمضان کی عصر پڑھنے جب مسجد میں آئے تو عید کا چاند دیکھ کر وہاں سے نکلے۔ **مسئلہ:** معتکف ضروریات انسانی (پیشاب پاخانہ، غسل، وضو وغیرہ) کے سوا کسی کام کے لئے بھی مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ **مسئلہ:** مسجد سے مراد داخل مسجد ہے۔ جہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ غسلخانے وضو کی جگہ وغیرہ اس سے خارج ہیں۔ بلا ضرورت معتکف یہاں بھی نہ آئے۔ **مسئلہ:** معتکف کو مسجد میں کھانا پینا سونا دنیوی جائز کلام سب جائز ہے۔ **مسئلہ:** اعتکاف میں عورتوں سے جماع ان سے بوس و کنار سب حرام ہے۔ **مسئلہ:** مرد اس مسجد میں اعتکاف کرے جہاں پنجگانہ نماز ہوتی ہو یعنی وہاں امام و مؤذن مقرر ہوں اور عورت مسجد بیت (گھر کی مسجد) میں اعتکاف کرے یعنی گھر کی وہ جگہ جو نماز کے لئے خاص کر لی جائے۔

اعتکاف کی مدت : یہ تو آپ معلوم کر چکے کہ اعتکاف سنت کی مدت نو یا دس دن ہیں۔ اس میں روزہ بھی شرط ہے اعتکاف فرض نذر کا اعتکاف ہے اس کی مدت کم از کم ایک دن اور رات ہے۔ اس میں بھی روزہ شرط ہے۔ مگر اعتکاف نفل جسے حکمی اعتکاف کہتے ہیں۔ اس کے لئے نہ کوئی مدت مقرر ہے نہ روزہ شرط انسان جب بھی مسجد میں آئے تو داہنے پاؤں سے اس میں داخل ہو اور یہ کہہ لے کہ میں نے اعتکاف کی نیت کی اس سے چار فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب پائے گا۔ دوسرے مسجد میں کھانا پینا بھی جائز ہو جائے گا۔ تیسرے مسجد میں سو بھی سکے گا۔ چوتھے مسجد میں دنیوی جائز بات بھی کر سکے گا (بہار شریعت و شامی وغیرہ)

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** روزہ کا وقت شرعی دن ہے نہ کہ عرفی یعنی صبح صادق سے شروع ہو کر آفتاب ڈوبتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہاں من النھار الی اللیل نہ فرمایا بلکہ ختم کیلئے الی اللیل ارشاد ہوا اور شروع کیلئے اتنی بڑی عبارت۔ **دوسرا فائدہ:** کھانے پینے اور جماع کا ایک ہی حکم ہے کہ ہر ایک سے کفارہ واجب ہو گا کیونکہ یہاں ان تینوں کو ایک ساتھ ہی رکھا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** نفلی روزہ بھی شروع کر دینے سے واجب ہو جاتا ہے کیونکہ اتموا الصیام میں ہر روزہ داخل ہے اور اس کا پورا کرنا فرض **چوتھا فائدہ:** علماء نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ روزے کی نیت ضحوائی کبریٰ یعنی نہار شرعی کے نصف (دوپہر) تک جائز ہے۔ **پانچواں فائدہ:** روزہ وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھنا منع ہے۔ کیونکہ رات میں افطار واجب۔ **چھٹا فائدہ:** حضور علیہ السلام پر یہ حکم جاری نہیں کیونکہ آپ ایسے روزے رکھتے تھے چنانچہ آپ نے اولاً سات دن کا۔ پھر پانچ دن کا اور پھر تین دن کا روزہ رکھا ہے۔ جب صحابہ کرام نے بھی ایسا روزہ رکھنا چاہا تو انہیں منع فرما دیا اور فرمایا تم میں ہم جیسا کون ہے ہمیں تو رب کھلاتا پلاتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** مرد کا اعتکاف مسجد ہی میں ہو گا جیسا کہ فی المسجد سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** اعتکاف میں بیوی سے جماع اور جماع کے کام یعنی بوس و کنار وغیرہ حرام ہیں۔ باقی بغیر شہوت چھونا جائز۔ یہاں مباشرت سے جماع ہی مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے سر مبارک میں بحالت اعتکاف کنگھی کرتی تھیں۔ **دسواں فائدہ:** اگر کسی کو سحری میں صبح کا شبہ ہو جائے اور وہ کھائے تب بھی روزہ ہو جائے گا کیونکہ کھانا بند کرنے کے لئے صبح کا یقین ضروری ہے جیسا کہ یتبین سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ روزہ رات میں افطار کیا جائے تو جس جگہ کئی کئی ماہ کا دن ہوتا ہے وہاں روزہ کی کیا صورت ہے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ایسی جگہ آبادی ہی نہیں کیونکہ وہاں سخت سردی ہے۔ دوسرا جواب اگر وہاں آبادی بھی ہو تو وہاں کے باشندے ماہ رمضان پائینگے ہی نہیں لہٰذا ان پر روزہ واجب ہی نہیں جیسے کہ بہت سے علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ جس زمانہ میں بلغاریہ 'لندن میں عشاء کا وقت آتا ہی نہ ہو یعنی شفق غائب ہی نہ ہو تا ہو ان پر نماز عشاء واجب نہیں کیونکہ انہوں نے وقت ہی نہیں پایا۔ یا جیسے کہ جس شخص کے ہاتھ و پاؤں نہ ہوں اس پر وضو کے فرض فقط دو ہیں منہ دھونا۔ اور سر کا مسح کیونکہ اس کے پاس باقی فرضوں کا محل ہی نہیں۔ (شامی کتاب الصلوۃ) رب فرماتا ہے **فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ** جو رمضان پائے وہ روزہ رکھے۔ انہوں نے رمضان پایا ہی نہیں۔ تیسرا جواب ایسے لوگوں پر روزہ کا فدیہ واجب ہے اور ان پر یہ آیت صادق ہے۔ **وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین** یہ جواب اعلیٰ حضرت نے دیا اور یہ ہی قوی ہے۔ دوسرا اعتراض: جب ماہ رمضان روزہ کا سبب ہے اور وہ انہیں نہ ملا تو ان پر فدیہ کیوں واجب ہو۔ فدیہ تو روزہ کا عوض ہے۔ جواب: حدیث شریف میں ہے کہ دجال کے ظہور کا پہلا دن ایک سال کا ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لئے اس دن حکمی وقت معتبر ہے اور چونکہ وہ دن ایک سال کا ہے لہٰذا روزے بھی ضرور رکھے جائیں گے کیونکہ روزہ بھی نماز کی طرح فرض ہے۔ اگرچہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ اس کی بحث شامی کتاب الصلوۃ باب الاوقات میں دیکھو۔ تیسرا اعتراض: اسلام میں ایک فرقہ تھا جس کا عقیدہ یہ تھا کہ جیسے دن غروب آفتاب سے جاتا ہے۔ ایسے ہی طلوع آفتاب سے آتا ہے۔ لہٰذا سورج نکلنے تک کھانا پینا جائز۔ مگر یہ فرقہ مٹ گیا۔ رافضی اب بھی کہتے ہیں کہ جیسے آفتاب کے آثار نمودار ہونے یعنی پو پھٹنے سے دن آتا ہے۔ ایسے ہی آفتاب کے آثار جانے یعنی شفق غائب ہونے سے جاتا ہے لہٰذا اسی وقت روزہ افطار کرنا چاہئے۔ نہ کہ سورج ڈوبے اس کا کیا جواب ہے دن کے آنے اور جانے میں اتنا فرق کیوں ہے۔ جواب: ان دونوں فرقوں کا قیاس عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ عرف میں فجر دن میں اور مغرب رات میں شمار کیا جاتا ہے احادیث میں بھی اس کی بہت تصریح ہے۔ قرآن کریم نے بھی یہاں یہ ہی بتایا کہ ختم سحری کے لئے دراز عبارت ارشاد فرمائی اور سفید اور کالے ڈورے کا ذکر کیا اور افطار کے لئے فقط **الی الیل** فرمادیا۔ اگر دونوں کا حال یکساں ہوتا تو قرآنی عبارت بھی دونوں جگہ یکساں ہی ہوتی۔ لہٰذا ان کا یہ قیاس باطل ہے۔ چوتھا اعتراض: چاہئے کہ رات بھی روزہ میں داخل ہو۔ جیسے کہ کہنی ہاتھ دھونے میں داخل ہے اس کے لئے ارشاد ہوا **الی المرافق** یہاں فرمایا گیا **الی الیل** ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ جواب: ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کہنی ہاتھ کی جنس ہے لہٰذا ہاتھ کے حکم میں داخل۔ اور رات روزہ کی جنس نہیں لہٰذا اس حکم سے خارج اور اگر رات داخل بھی ہوتی تو چاہئے تھا کہ صبح کے قوت روزہ افطار ہوتا نہ کہ عشاء میں تاکہ پوری رات اس میں آجائے۔

تفسیر صوفیانہ : اے راہ محبت طے کرنے والو! تم اس وادی کو طے کرتے ہوئے نفس کے حقوق بھی ادا کئے جاؤ اور کھاتے پیتے جاؤ۔ یہاں تک کہ شب فراق کی ظلمت ختم ہو اور صبح وصال طلوع ہو اور مشرق حضور سے شعاع نور کا ظہور ہو اس وقت تم دنیوی سارے کام ترک کر کے راغب الی اللہ ہو جاؤ۔ پھر جب اس میں فتور واقع ہو اور کبھی غفلت کی رات آجائے تو پھر نفس کے حقوق ادا کر لو۔ اپنی زندگی یوں ہی گزار دو کہ بر وقت ظہور ترک کر دینا اور بر وقت غفلت ادائے حقوق تاکہ تمہارا دین بھی قائم رہے اور دنیا بھی یہ بھی خیال رکھنا کہ جب تم مساجد قلب میں اعتکاف سے ہو تو اس وقت نفوس سے تعلق بالکل ترک کردو

ورنہ تمہارا وقت عزیز ضائع ہوگا اور قلبی اعتکاف ٹوٹ جائے گا ہم نے سارے احکام کھول کر بیان کر دیئے تاکہ تمہیں ہم تک پہنچنے میں آسانی ہو اور تم کو پہلے تو شرک سے پھر گناہوں سے اور پھر شہوات سے امن ملے پھر فضول باتوں کو بھی چھوڑ کر حقیقی متقی بن جاؤ۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

چو پاک آفریدت بش باش و پاک — کہ ننگ است ناپاک رفتن بخاک

مر وزیر بار گناہ اے پسرا! — کہ حمال عاجز بود در سفرا

مکن عمر ضائع بافسوس و حیف — کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

یعنی جب رب کے ہاں سے پاک آئے ہو تو پاک ہی جاؤ۔ پاک خاک میں اپنا جسم ناپاک کر کے نہ لے جاؤ۔ اور جہاں تک ہو سکے گناہوں کا بوجھ زیادہ نہ بڑھاؤ۔ کیونکہ مسافر کے ساتھ جتنا سامان اتنی ہی مصیبت (از ابن عربی و روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان اپنی حد میں رہے تو انسان ہے اگر حد سے بڑھے تو جانور بلکہ شیطان ہے۔ دریا کا پانی اپنی حد میں ہے تو آب رواں ہے حد سے آگے بڑھے تو طغیان ہے۔ سلطنت کی بھی حدیں ہوتی ہیں اور کھیتوں باغوں کی بھی۔ مکانات کی بھی جو کوئی اپنی حد سے نکل کر دوسرے کی حد میں دخل دے وہ مجرم ہے ایسے ہی مسلمان کیلئے بھی اللہ نے حدود مقرر کی ہیں روحانی' نفسانی' شیطانی حدود جدا جدا ہیں ہماری آنکھ' کان' ہاتھ' پاؤں کی حدیں مقرر ہیں۔ سچ بولتے رہے ایمانی حد میں رہے۔ جھوٹ بولا تو نفسانی حد میں داخل ہو گئے۔ کفر بکا تو شیطانی حد میں چلے گئے۔ قرآن و کعبہ و مدینہ منورہ کو دیکھو تو رحانی حد میں رہے لیکن اگر اسی آنکھ سے حرام چیزیں دیکھیں تو نفسانی یا شیطانی حد میں پہنچ گئے۔ اسی لئے ارشاد ہوا **تلک حدود اللہ** جو جانور مالک کے مقرر کردہ باڑے کی حدود میں رہتا ہے وہ شیر بھیڑیئے سے بچا رہتا ہے جو اس کی حد کو توڑتا ہے وہ ان کا شکار ہو جاتا ہے دنیا میں شیطان' نفس امارہ شکاری جانور ہیں۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا باڑہ اسلامی احکام اسی باڑے کی حدود ہیں۔ جو ان حدود میں ہے۔ شیطان سے محفوظ ہے۔ جس نے انہیں توڑا وہ کسی چیز کا شکار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اپنی حدود میں رہنے کی توفیق بخشے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا
اور نہ کھاؤ مال اپنے درمیان اپنے ساتھ ناحق کے اور نہ لے جاؤ اُن کو طرف حاکموں کی تاکہ
اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس اُن کا مقدمہ اس لئے
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾
کھاؤ تم کچھ حصہ مالوں سے لوگوں کے ساتھ گناہ کے حالانکہ تم جانتے ہو
پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھا لو جان بوجھ کر ۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں روزہ کا ذکر تھا جس میں مطلقاً کھانے پینے کی ممانعت تھی اب ناجائز طور پر کھانے پینے کی ممانعت کی جا رہی ہے یعنی پہلے جائز مال کا ناجائز طور پر کھانا حرام کیا گیا تھا اب ناجائز مال کا کھانا حرام فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رمضان کی راتوں میں کھانے پینے کی اجازت دی

گئی اور افطار کا بھی حکم فرمایا گیا اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اس اجازت کے یہ معنی نہیں کہ تم ہر قسم کا جائز و ناجائز مال کھاؤ۔ بلکہ سوچ سمجھ کر حلال مال کھاؤ۔ تاکہ تمہاری عبادتوں میں نور پیدا ہو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم اعتکاف کی حالت میں اپنی حلال خواہشیں (شہوتیں) بھی پوری نہ کرو۔ اب بتایا جارہا ہے کہ حرام خواہشیں کبھی پوری نہ کرو اس کا اعتکاف ہمیشہ باقی اور اس کا روزہ ہمیشہ موجود۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کے قریب بھی نہ جاؤ اس میں حدود کا اجمالی ذکر تھا اب ان حدود کی کچھ تخصیص ارشاد ہو رہی ہے چونکہ کھانا پینا بڑا اہم کام ہے کہ اس کے درست ہو جانے سے عبادات' معاملات' دعائیں وغیرہ درست ہو جاتی ہیں اسی لئے رب تعالیٰ نے کھانے پینے کی شرعی حدود کا خصوصیت سے اس آیت میں ذکر فرمایا۔

شان نزول: عبدان حضرمی اور امراء القیس کندی میں کچھ زمین کے متعلق جھگڑا تھا ان دونوں نے یہ مقدمہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کیا جس میں عبدان تو مدعی تھے اور امراء القیس مدعی علیہ عبدان کے پاس کوئی گواہ نہ تھا امراء القیس کو قسم کا حکم ہوا۔ انہوں نے قسم کھانے کی تیاری کی۔ حضور علیہ السلام نے وہ آیت کریمہ پڑھی کہ **ان الذین یشترون بعھد اللہ** جس پر امراء القیس قسم سے باز رہے اور وہ دونوں مدعی اور مدعی علیہ رونے لگے۔ جن میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ زمین میری نہیں میرے اس بھائی کی ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ حضور علیہ السلام نے ان کو جنت کی خوش خبری دی۔ (احمدی و روح البیان)

تفسیر: **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** اگرچہ تاکلوا اکل سے بنا جس کے معنی ہیں کھانا مگر یہاں کھانا پینا پہننا وغیرہ ہر قسم کے استعمال کی ممانعت مقصود ہے۔ اسی لئے اموال کو جمع فرمایا گیا۔ اور اموالکم سے یا تو خود اپنے ذاتی مال مراد ہیں یا ایک دوسرے کے مال مگر بینکم سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال مراد ہیں۔ باطل بطل سے بنا جس کے معنی ہیں جاتا رہنا اور مٹ جانا۔ اس کی جمع بواطل اور البطولہ کی جمع اباطیل ہے (کبیر) شریعت میں ہر ناجائز اور غلط چیز کو باطل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مٹنے والی ہے یہاں اس سے خرچ اور آمدنی کے تمام ناجائز طریقے مراد ہیں شراب خوری' حرام کاری' فضول خرچی یہ سب باطل خرچ ہیں اور رشوت' غصب' لوٹ' چوری' جھوٹی قسمیں' جوا' کہانت' خیانت وغیرہ ناجائز پیشے یہ سب باطل آمدنیاں ہیں یعنی نہ تو تم اپنے مال غلط طرح خرچ کرو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کر کے استعمال کرو۔ **وتدلوا بھا الی الحکام** یہ لاتاکلوا پر معطوف ہے اور لا کے تحت میں ہے اور تدلوا ادلاء سے بنا جس کا مادہ ہے دلو۔ اس کے معنی ہیں لٹکانا۔ ڈول کو دلو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کنوئیں میں لٹکایا اور چھوڑا جاتا ہے۔ قالی ولوہ' نسبی رشتہ کو بھی اسی لئے اولاء بولتے ہیں کہ جیسے ڈول سے پانی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی اس سے میراث پاتے ہیں۔ یہاں مراد مقدمہ لے جانا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ مال حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حکام کے نذرانہ کو رشوت کہا جاتا ہے کہ وہ رشاء سے بنا۔ جس کے معنی ہیں رسی۔ جیسے بذریعہ رسی بھرا ہوا ڈول کھنچتا ہے۔ ایسے ہی بذریعہ رشوت مال حاصل ہوتا ہے۔ (کبیر) بھا کا مرجع اموال ہے اور مراد مالی مقدمات۔ حکام جمع حاکم کی اور اس سے یا تو شرعی قاضی مراد ہیں اور یا ظالم حکام (احمدی) یعنی مال کے غلط مقدمات حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔ **لتاکلوا فریقا من اموال الناس** یہ تدلوا کے متعلق ہے یہاں بھی اکل یعنی کھانے سے مراد اخذ

یعنی لینا ہے کیونکہ کھانا اصل مقصود ہے۔ فریق کی لغوی تحقیق ہم پہلے کر چکے۔ اس سے مراد یہاں کچھ حصہ ہے۔ کیونکہ مقدمات میں مقابل کا سارا مال نہیں لیا جاتا بلکہ بقدر دعویٰ پر ہی قبضہ کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آگے ' من اموال الناس فرمایا گیا یا تو من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ بالاثم تاکلوا کے متعلق ہے اور اس سے جھوٹی گواہی جھوٹی قسم جھوٹے مقدمہ کی پیروی غرضیکہ ہر ناجائز بات مراد ہے یعنی حکام کے پاس مال کے جھوٹے مقدمے اس لئے نہ لے جاؤ کہ حکام کو رشوتیں وغیرہ دیکر لوگوں کا کچھ مال کھا جاؤ۔ وانتم تعلمون یہ تدلوا کے فاعل سے حال ہے اور تعلمون کا مفعول پوشیدہ۔ یعنی تم اپنا جھوٹا ہونا اور مقدمہ کا غلط ہونا جانتے ہوئے ایسے معاملات حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مالوں پر ناجائز قبضہ نہ کرو اور انہیں غلط طریقہ سے استعمال میں نہ لاؤ اور اپنے ظلم پر مدد لینے کے لئے جھوٹے مقدمات حاکموں کے پاس اس نیت سے نہ لے جاؤ کہ انہیں کچھ دے دلا کر یا جھوٹی گواہی قائم کر کے یا غلط ثبوت پہنچا کر اور حکام کو فریب دیکر ان سے غلط فیصلے لے کر لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھا جاؤ۔ حالانکہ تم یہ جانتے بھی ہو کہ ہم اس مقدمہ میں جھوٹے ہیں۔

حرام و حلال کی پہچان

تفسیر کبیر نے بحوالہ احیاء العلوم حرام و حلال پہچاننے کا نہایت عمدہ قاعدہ بیان کیا۔ وہ یہ کہ مال یا تو خود بخود ہی حرام ہوگا یا خود تو حلال مگر غلط کمائی کی وجہ سے اس کا استعمال حرام ہو گیا ہو گا جو خود حرام ہے اسے حرام بعینہ کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ مال تین قسم کے ہیں۔ (1) معدنیات (ہیرے، موتی، پتھر وغیرہ)۔ (2) نباتات (ترکاریاں سبزیاں اور جڑی بوٹیاں)۔ (3) حیوانات (جانور) معدنیات میں سے جو صحت کو نقصان دیں وہ حرام باقی سب حلال لہٰذا موتی اور دیگر جواہرات جو مضر نہ ہوں وہ حلال ہیں۔ اگر سنکھیا بھی کسی خاص طریقہ سے کھائی جائے جس سے نقصان نہ ہو تو حلال، سنگری، گیرو، چونہ وغیرہ دواؤں اور پان وغیرہ میں کھائے جاتے ہیں اور نقصان دہ چیزیں حرام، مٹی، پتھر، راکھ وغیرہ حرام ہیں کیونکہ یہ بیمار کرتی ہے۔ نباتات میں سے مہلک اور مضر صحت اور نشہ پیدا کرنے والی چیزیں حرام باقی سب حلال بھنگ، چرس، افیون نشہ دیتی ہے لہٰذا حرام ہیں۔ یوں ہی قاتل جڑی بوٹیاں حرام اس کے سوا باقی ہر ایک ترکاری گھاس وغیرہ سب حلال۔ حیوانات کی تفصیل پچھلی آیتوں میں گزر گئی کہ کون حلال ہیں اور کون حرام۔ رہے وہ مال جو خود تو حلال ہوں مگر غلط کمائی کی وجہ سے ان کا استعمال حرام ہو گیا ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال کی ملکیت یا تو اپنے اختیار سے حاصل ہو گی یا بغیر اختیار، بے اختیاری جیسے میراث مل جانا اختیار والی ملکیت یا تو بغیر عطائے مالک حاصل ہو گی۔ جیسے شکار کا جانور اور گھر میں دفینہ کا نکل آنا یا مالک سے۔ مالک سے لینے کی پھر دو صورتیں ہیں یا جبراً جیسے مال غنیمت یا حق شفع وغیرہ یا اسکی خوشی سے۔ خوشی کی صورت میں یا تو کسی عوض سے ہو گی جیسے تجارت، مہر، اجرت وغیرہ یا بغیر عوض جیسے ہبہ، وصیت وغیرہ خلاصہ یہ کہ آمدنی کی چھ صورتیں ہیں۔ (1) ایک غیر مملوکہ مال جس پر قبضہ کیا جاوے۔ جیسے کان، شکار، جنگل کی لکڑیاں یا وہاں کی گھاس لینا اور نہر کا پانی پینا۔ (2) دوسرے یہ کہ مالک سے جبراً لیا جائے، جیسے رعایا سے ٹیکس اور

جنگ میں کفار کا مال غنیمت وغیرہ۔ (3) تیسرے وہ جو مالک کی رضامندی سے بالعوض حاصل کیا جائے۔ جیسے کہ جائز تجارت و نکاح۔ (4) چوتھے یہ کہ مالک کی رضا سے بلا عوض حاصل ہو۔ جیسے جائز ہبہ، صدقہ، وصیت وغیرہ۔ (5) پانچویں یہ کہ جو کسی کا مال بغیر اختیار لیا جاوے۔ جیسے میراث۔ (6) چھٹے یہ کہ کسی کا مال ناجائز طریقہ سے حاصل کیا جاوے۔ جیسے چوری، سود اور حرام پیشے جو ان پانچ طریقوں سے حاصل ہو اور حلال باقی سب حرام۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حرام طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال بھی حرام ہے مثلاً شراب کی تجارت حرام۔ تو اس کے ذریعہ جس طرح بھی مال حاصل کیا جائے وہ حرام ہی ہوگا۔ شراب بیچ کر یا کھینچ کر یا کھینچوا کر خریدار کے گھر پہنچا کر غرضیکہ ہر ذریعہ کا پیسہ حرام ہے مگر اس جگہ اس کی تین صورتیں ہیں۔ (1) بیع باطل اور باطل مزدوریوں سے حاصل کیا ہوا پیسہ تو کمانے والے کی ملک میں آئے گا ہی نہیں۔ سود کے، شراب کا، رشوت کا، گانے بجانے اور ناچنے کا پیسہ کمانے والے کی ملک ہی نہیں اس پر واجب ہے کہ یا تو مالکوں کو واپس کرے اور اگر ان کا پتہ نہ چلے تو ان کے نام پر خیرات کر دے۔ (2) فاسد بیع سے حاصل کیا ہوا پیسہ قبضہ سے ملک میں آجائے گا۔ اگرچہ ایسی تجارت کرنا گناہ ہے۔ بیع بالشرط اور اجارہ فاسدہ وغیرہ کا یہ ہی حال ہے۔ (3) حلال کمائیوں کا پیسہ حلال ہے اگرچہ کوئی اس سے گناہ بھی کرے مثلاً کسی کو مکان یا دکان کرایہ پر دی کرایہ دار نے اس میں شراب خانہ وغیرہ لگایا مالک مکان کو کرایہ کا پیسہ حلال ہے کہ اس نے مکان رہنے کے لئے دیا تھا جو حلال ہے۔ شراب خانہ لگانا رہنے والے کا اپنا گناہ ہے یہ سب مسائل باباطل سے حاصل ہوئے اور اس کی زیادہ تحقیق شامی و عالمگیری کتاب البیوع و اجارات میں دیکھو۔ دوسرا فائدہ: ختم بزرگان فاتحہ و ایصال ثواب کے کھانے اور غذائیں حرام نہیں۔ کیونکہ جب یہ کام باطل نہیں تو ان کے کھانے بھی حرام نہیں فقراء مساکین بلکہ متبرک کھانے عامۃ المسلمین کو بھی جائز ہیں۔ تیسرا فائدہ: ناجائز فائدہ لینے اور جھوٹے مقدمے بنانے کے لئے حکام سے ملنا۔ ان پر اثر ڈالنا انہیں رشوتیں وغیرہ دینا حرام ہیں بلکہ اس مقصد سے حاکم بننا بھی ناجائز۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسی احتیاط کیلئے قضا قبول نہ کی۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے عدل و انصاف قائم کرنے کیلئے ہارون الرشید کی قضا قبول کی۔ استاد کا قبول نہ کرنا اور شاگرد کا قبول کرنا دونوں باعث ثواب۔ دیکھو یوسف علیہ السلام نے خواہش سے حکومت حاصل کی کہ فرمایا **اجعلنی علی خزائن الارض** وہ سمجھتے تھے کہ میرے بغیر یہاں عدل و انصاف قائم نہ ہو سکے گا۔ چوتھا فائدہ: حاکم کا غلط فیصلہ حرام کو حلال نہ کریگا۔ حضور علیہ السلام نے مدعی مدعی علیہ سے فرمایا کہ تم میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی تیز زبان ہو اس کے دلائل سن کر ہم اس کے حق میں فیصلہ کر دیں اگر واقعی وہ اس کا حقدار نہ ہو تو یہ چیز اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے مگر یہ مالی احکام میں ہے اس کی زیادہ تفصیل اعتراضات و جوابات میں آئے گی خیال رہے کہ حاکم کے فیصلے اپنے علم پر نہیں ہوتے بلکہ شرعی ثبوت پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حاکم کسی کو صرف اپنی آنکھ سے زنا کرتے دیکھ لے مگر شرعی گواہی یا مجرم کا اقرار نہ ہو تو اسے رجم نہیں کر سکتا۔ ورنہ ظالم حکام اس آڑ میں بڑے بڑے ظلم کر ڈالتے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم ذاتی پر شرعی فیصلے نہ فرماتے تھے بلکہ شرعی ثبوت پر لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ حضور کو تو رب نے سارے علوم بخشے پھر آپ یہ کیوں فرماتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: بے خبری کی غلطی معاف ہے اسی لئے یہاں **وانتم تعلمون** کی قید لگائی۔ لہٰذا اگر کوئی کسی چیز کو غلطی سے اپنا سمجھ کر اس پر

قبضہ کرلے یا حاکم جھوٹی گواہیوں پر بے خبری میں فیصلہ کردے تو وہ گناہ گار نہیں خیال رہے کہ مسئلہ کی بے خبری معتبر نہیں۔ یہ واقعہ کی بے خبری کا ذکر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ ناجائز ذریعوں سے مال حاصل کرنا جائز ہے تو تلاوت قرآن پر مال لینا کیوں حرام ہے۔ تلاوت تو باطل چیز نہیں۔ جواب: تلاوت تو اچھی چیز ہے مگر جب اس پر اجرت لینا منع ہے تو یہ عقد باطل ہوا۔ اسی لئے یہاں بالباطل فرمایا گیا نہ کہ علی الباطل۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے مال تو ناجائز طریقوں سے نہ کھائے مگر بیگانوں کے مال جس طرح چاہے کھالے کیونکہ فرمایا گیا اموالکم جواب: یہ مطلب جب ہوتا جب کہ فرمایا جاتا اپنوں کے مال ناجائز طرح نہ کھاؤ یہ نہ فرمایا بلکہ فرمایا اپنے مال۔ اور اپنے مال سے مراد ہے اپنی قوم کے مال جیسے حضور کا فرمانا کہ تم پر تمہارے خون 'تمہارے مال 'تمہاری آبروئیں حرام ہیں ان مالوں کو اپنے مال کہنے میں اشارۃً بتایا گیا کہ دوسروں کے مال کا ایسا ہی درد رکھو جیسے اپنے مال کا درد رکھتے ہو۔ اسے اپنا ہی مال تصور کرکے اس کے خیر خواہ رہو یا مطلب یہ ہے کہ جائز ناجائز کی بحث مملوک مالوں میں ہوتی ہے۔ جنگل کے شکار دریا کا پانی سب کے لئے مباح ہے وہ حرام نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا غلط فیصلہ حرام کو حلال نہیں کردیتا یعنی اس کا فیصلہ فقط ظاہر پر ہوتا ہے نہ کہ حقیقت پر تو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے حاکم کا فیصلہ ظاہر و باطن پر کیوں مانا اور انہوں نے یہ کیوں فرمایا کہ اگر حاکم جھوٹی گواہیوں پر کسی کے نکاح کا فیصلہ کردے تو وہ عورت حقیقتاً اس کی بیوی ہے کہ اس سے جماع بھی حلال ہے اور اس کی اولاد بھی حلال۔ (امام بخاری) جواب: یہ آیت مالی معاملات کیلئے ہے ان میں امام صاحب بھی وہی فرماتے ہیں جو آیت فرما رہی ہے ہاں نکاح و طلاق وغیرہ وہ معاملات جنہیں قاضی ابتداء خود بھی جاری کر سکتا ہے ان میں اس کا فیصلہ ظاہر و باطن دونوں طرح جاری ہو گا لہٰذا اگر اس نے جھوٹی گواہیوں پر نکاح یا طلاق وغیرہ کا حکم دے دیا تو حقیقتاً وہ اس کی بیوی ہی ہو گئی یا نکاح سے نکل گئی۔ کیونکہ قاضی بھی رعیت کے نکاح بھی کرتا ہے اور فسخ نکاح بھی ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے کسی عورت سے اپنا نکاح ہونے پر دو گواہ قائم کر دیئے۔ آپ نے نکاح کا حکم دے دیا۔ اس عورت نے عرض کیا کہ میرا نکاح اس سے نہ ہوا تھا۔ یہ جھوٹی گواہیاں ہیں۔ اب آپ نکاح ہی پڑھا دیجئے تاکہ جماع حرام نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ ان گواہوں کی گواہی اور میرا فیصلہ ہی تیرا نکاح ہے۔ (روح المعانی و شرح بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ ایسے معاملات میں قاضی کا فیصلہ ہر طرح نافذ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : مال نفس کیلئے پیدا کیا اور نفس عبادت کے لئے چاہئے کہ ان سب میں بغیر رب کی اجازت اپنا عمل در آمد نہ کیا جائے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں اپنے مال 'باطل یعنی نفسانی خواہش حرص و شہوت فضول خرچی سے استعمال میں نہ لاؤ۔ بلکہ حق سے کھاؤ یعنی قناعت اور قیام عبادت اور بقائے عبودیت کیلئے خرچ کرو اور مالی فیصلے شریعت کے پاس لے جاؤ۔ جھوٹے حکام یعنی نفس امارہ اور شیطان کے پاس نہ لے جاؤ اور اس کی رائے سے خرچ نہ کرو چونکہ مال ذریعہ تقویٰ ہے لہٰذا اسے گناہ میں برباد مت کرو یعنی قطع رحمی 'غفلت اور معصیت پر صرف نہ کرو۔ ورنہ تم جانوروں سے بدتر ہو گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ (روح البیان) جو بلا تحقیق ہر مال کھالے۔ حرام حلال کی تحقیق نہ کرے۔ وہ کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز میں منہ ڈالتا ہے اور یہ مردار دنیا میں بغیر تحقیق کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔ حکیم سنائی نے کیا خوب کہا ہے۔

ایں جہاں بر مثل مردار است	کر گساں اندراں ہزار ہزار
ایں مراں راہمے زند مخلب	واں مریں راہمے زند منقار
آخر الامر بگذرند ہماں!	وزہمہ بازماند ایں مردار

انسان کو یہ کوشش چاہیئے کہ بندوں کے حقوق سے ہلکا ہو کر دنیا سے جائے۔

حکایت : نوشیرواں کا جب انتقال ہوا تو اس کے تابوت کو تمام سلطنت میں گھمایا گیا اور ساتھ میں ایک شخص آواز دیتا جاتا تھا کہ آج یہ بادشاہ دنیا سے جارہا ہے۔ جس کا اس پر کوئی حق ہو وہ آکر لے لے۔ تاکہ یہ مسافر ہلکا پھلکا ہو جائے مگر ساری سلطنت میں کسی کا اس پر ایک پیسہ بھی نہ نکلا۔ (روح البیان)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ

پوچھتے ہیں وہ آپ سے چاندوں کے متعلق۔ فرماؤ وہ علامات وقت ہیں واسطے لوگوں کے اور حج کے اور نہیں ہے بھلائی

تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرما دو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لئے اور یہ کچھ بھلائی

بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا

اس میں کہ آؤ تم گھروں میں طرف سے پچھیتوں اُن کے اور لیکن بھلائی وہ ہے جو پرہیزگار ہو

نہیں کہ گھروں میں پچھیت توڑ کر آؤ ہاں بھلائی تو پرہیزگاری ہے

الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱۸۹)

اور آؤ گھروں میں طرف سے دروازوں اُن کے اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو۔

اور گھروں میں دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں رمضان اور اعتکاف کا ذکر ہوا۔ اور ماہ رمضان چاند ہی سے آتا ہے اور اس سے ہی جاتا ہے۔ اعتکاف بھی چاند کی تاریخوں سے ہوتا ہے۔ اس لئے اب چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فائدے بیان فرمائے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ مال غلط طریقوں سے نہ کھاؤ اور مالی معاملات کو تاریخوں سے بہت تعلق ہے۔ قرض وغیرہ کی مدت اسی سے پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اب چاند کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں روزوں اور اعتکاف کا ذکر تھا اب حج اور اس کے مسائل بیان ہو رہے ہیں کیونکہ یہ بھی رمضان کی طرح سال میں ایک بار آتا ہے۔

شان نزول : اس آیت کے دو جزوں کے دو شان نزول ہیں۔ **یسئلونک** سے **والحج** تک کا ایک شان نزول ہے اور **لیس البر** سے **تفلحون** تک دوسرا۔ پہلے جزو کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضرت معاذ ابن جبل اور ثعلبہ ابن غنم نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ یا حبیب اللہ چاند کا کیا حال ہے کہ یکساں نہیں رہتا۔ شروع تاریخوں میں ڈورے کی طرح باریک ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹتے ہوئے پہلی کی طرح باریک۔ ان کے جواب میں یہ آیت اتری (درمنثور

خزائن) دوسرے جزو کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کا احرام باندھ کر اپنے گھروں میں دروازے سے نہ آتے جاتے تھے بلکہ خیموں کے پیچھے سے اور مکانوں کے چھت توڑ کر اس طرف سے۔ ہاں بنی قریش و بنی خزاعہ اور بنی عامر و بنی ثقیف کے لوگ دروازہ ہی سے آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان قبیلوں کے سوا جو کوئی دروازوں سے آتا جاتا تھا اسے فاجر کہتے تھے۔ ایک بار حضور علیہ السلام اور رفاعہ انصاری احرام باندھتے ہوئے دروازے سے نکلے۔ لوگ رفاعہ کو فاجر کہنے لگے حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم تو انصار سے ہو بنی قریش سے نہیں۔ تم دروازے سے کیوں نکلے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں بھی قریش سے ہی ہوں۔ کیونکہ آپ کے دین پر ہیں اور آپ کا فرمانبردار اور غلام کا شمار مولیٰ کے ساتھ ہے ان کے اس پیارے جواب کی تائید میں یہ آیت کریمہ آئی جس سے اس قاعدہ کو مٹایا گیا۔ (احمدی و درمنثور)۔

تفسیر : **وسئلونک عن الا ھلتہ** اگرچہ چاند کی بابت دو صاحبوں نے ہی سوال کیا تھا مگر چونکہ یہ سوال سب کو پیدا ہو سکتا ہے اس لئے سب کو حکمی سائل مان کر جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اھلتہ ہلال کی جمع ہے۔ پہلی دوسری رات کے چاند کو ہلال کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد قمر اور چودھویں کے چاند کو بدر یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے نئے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ یہ باریک کیوں ہوتا ہے اس **یسئلونک** میں صحابہ کرام کی منقبت بھی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بھی۔ منقبت تو اس طرح کہ سارے مسلمانوں پر اس پوچھنے والے صحابی کا احسان ہے۔ جس کے سوال کی وجہ سے یہ آیت مسلمانوں کو ملی۔ صحابہ کے سوالات و حالات آیات کے شان نزول ہیں۔ توریت و انجیل کی آیتوں کے شان نزول نہ تھے وہ سب یک دم آگئی تھیں۔ قرآنی آیات کے شان نزول ہیں۔ جن سے صحابہ کے احسانات تاقیامت لوگوں پر رہیں گے۔ نعت اس طرح کہ حضور سے سوال گویا رب تعالیٰ سے سوال ہے کہ پوچھتے ہیں حضور سے اور جواب دیتا ہے رب **قل ھی مواقیت للناس والحج** اگرچہ جواب خود رب نے دیا مگر قل فرما کر حضور سے کہلوایا کہ سوال بھی آپ ہی سے ہو اور ھی کا مرجع اھلہ ہے۔ اور مواقیت میقات کی جمع جس کا مادہ وقت ہے۔ وقت کسی کام کے زمانہ کو کہتے ہیں۔ میقات وقت معلوم کرنے کا آلہ اور ذریعہ جیسے وعدے سے میعاد بھی وقت کی انتہاء کو بھی میقات کہہ دیتے ہیں جیسے قسم میقات رب حلال مہینہ کا اختتام ہے اور احرام باندھنے کی جگہ حلت ختم ہونے کا مقام۔ اس لئے ہلال کو مہینہ کا میقات اور ان مقامات کو حج کا میقات کہا جاتا ہے۔ للناس سے مراد لوگوں کے دنیوی اور دینی کاروبار ہیں چونکہ دینی معاملات میں حج کو ایک خاص عزت حاصل تھی کہ ساری عبادتیں زمین کے ہر حصہ میں ہو جاتی ہیں مگر حج صرف مکہ معظمہ میں ہی ادا ہوتا ہے نیز حج کے ذریعے تمام جہان کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو سکتے ہیں نیز حج کے موقعہ پر حاجی متبرک مقامات اور متبرک چیزوں کی زیارت کرتے ہیں۔ دیار محبوب کے ذروں کو اپنی آنکھوں سے لگالیتے ہیں نیز حج ہی سے اہل عرب کی روزی وابستہ ہے کہ وہاں پیداوار کوئی نہیں۔ حج پر زندگی کا مدار ہے۔ اس لئے اسے علیحدہ بیان کیا یعنی آپ فرمادو کہ یہ چاند لوگوں کے کاروبار اور عبادات خصوصاً حج کے اوقات کی علامتیں اور ان کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں کہ اس سے قرض کی مدت، عورتوں کی عدت، سالوں کے شمار، لوگوں کی عمریں، ماہ رمضان اور عید بقر عید کا پتہ لگتا ہے اور اسی سے حج اور اس کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں اور اسی کے ذریعہ ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں۔ چونکہ چاند کے ضمن میں حج کا ذکر بھی آگیا اسی لئے اس کے متعلق ایک ضروری مسئلہ بھی بیان فرمایا گیا اور لوگوں کو ان کی سخت غلطی پر

خبردار کیا گیا۔ ارشاد ہوا کہ **ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا** بیوت۔ بیت کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں شب گزارنا۔ گھر یا کوٹھڑی میں چونکہ رات گزاری جاتی ہے۔ اس لئے اسے بیت کہتے ہیں۔ یعنی مقام بیتوتت۔ ظہور جمع ظہر کی ہے یعنی کھلی ہوئی چیز یا کھلا ہوا حصہ۔ چونکہ انسان کی پیٹھ اور گھر کی چھیت (پچھلی دیوار) بالکل ظاہر ہوتی ہے اس لئے اسے ظہر کہا جاتا ہے یعنی موسم حج میں گھروں میں چھیت سے آنا جانا نیکی نہیں بلکہ ایک بے کار سی معیبت ہے **ولکن البر من اتقی** یا تو بر اسم فاعل کے معنی میں ہے یا من سے پہلے ایک بر پوشیدہ ہے اتقی کا مفعول چھپا ہے یعنی حقیقی بھلائی اس کی بھلائی ہے جو گناہوں سے بچے یا حقیقی نیک وہ ہے جو پرہیزگار ہو گھروں میں پیچھے سے آنا جانا بے کار ہے لہٰذا **واتوا البیوت من ابوابھا** یہ امر اباحت کا ہے جس میں ان کے غلط عقیدہ کی تردید ہے اور ممکن ہے کہ وجوب کا ہو کہ ان کی رسم جاہلیت توڑنے کے لئے دروازوں سے آنا اس وقت واجب کر دیا گیا ہو۔ ابواب 'باب کی جمع ہے باب دروازہ کو کہتے ہیں خواہ شہر کا ہو یا مکان کا یا کوٹھڑی وغیرہ کا۔ کبھی ذریعہ کو بھی باب کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے **فتحنا علیھم ابواب کل شئی** یہاں گھر کے اصل دروازے مراد ہیں جو آنے جانے کیلئے بنائے جاتے تھے نہ کہ وہ سوراخ جو چھیت میں چھوڑ لئے جاتے تھے کیونکہ وہ تو نقب (سوراخ) تھے نہ کہ دروازے یعنی تم بزمانہ حج گھروں میں دروازوں سے جا سکتے ہو یا ضرور دروازوں سے ہی جاؤ تاکہ یہ غلط رسم ٹوٹے مگر ساتھ ہی خیال رکھنا **واتقو اللہ** اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے شرعی احکام کو نہ بدلو اور نہ اس کے افعال پر اعتراض کرو **لعلکم تفلحون** تاکہ تم حقیقی بھلائی اور ہدایت پا کر دونوں جہان میں کامیابی حاصل کرو۔ خیال رہے کہ کفار عرب میں عبادات چار قسم کی رائج تھیں۔ بت پرستی و شرک کو وہ عبادت سمجھ بیٹھے تھے۔ بعض حرام کاموں کو عبادت جان بیٹھے۔ جیسے خانہ کعبہ کا ننگے بدن طواف۔ بعض عبث کاموں کو عبادت سمجھتے تھے جیسے گھروں میں پیچھے سے آنا یا کعبہ کے پاس تالیاں' سیٹیاں بجانا۔ بعض اچھے کام بھی عبادۃً کرتے تھے۔ جیسے کعبہ کی خدمت آب زمزم پلانا وغیرہ حضور انور نے پہلے دو کام تو جبراً بند فرما دیئے۔ تیسرے کام کو نرمی سے بند کیا۔ دیکھو یہاں رب نے ان دیواروں میں سوراخ کرنے کو کفر شرک یا حرام نہ فرمایا بلکہ نرمی سے فرمایا کہ یہ کام نیکی نہیں اور چوتھے قسم کے کاموں کو باقی رکھا مگر جو معمولی کام کسی نبی کی نقل بن گئے وہ عبادت ہو گئے جیسے جمروں کو کنکر مارنا طواف میں اکڑ کر چلنا وغیرہ۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے سے متعلق پوچھتے ہیں چونکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور قدرت کا راز۔ اور اس سے انہیں کوئی فائدہ بھی نہیں۔ لہٰذا آپ انہیں اس کی وجہ تو نہ بتاؤ۔ اس کی حکمتیں بتادو کہ اس کے گھٹنے بڑھنے میں کیا فائدہ ہے فرمادو کہ یہ اس کا گھٹنا بڑھنا ہی لوگوں کے سارے دنیوی اور دینی کاروبار چلنے کا ذریعہ ہے اگر سورج کی طرح یہ بھی ہمیشہ یکساں ہی رہتا تو لوگوں کے کاروبار فیل ہو جاتے اب اس سے اپنے سارے معاملات و عبادات اور خصوصاً حج کے اوقات بخوبی معلوم کر سکتے ہیں۔ دوسری قومیں اپنے اوقات کا تعلق صرف سورج سے رکھتی ہیں مگر اسلام نے نماز کے اوقات سورج سے وابستہ کئے اور زکوۃ' روزے' حج' عدت' بچوں کی شیر خوارگی وغیرہ کے اوقات چاند سے تاکہ رب کی دونوں چیزوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور ان تعلقات کی وجہ سے مسلمان سورج کی رفتار کی بھی پیمائش کریں اور چاند کی رفتار کی بھی۔ مگر چونکہ چاند سے زیادہ عبادتوں کا تعلق ہے اس لئے اسلام میں چاند کی تاریخوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ جیسے نماز کے تعلق کی وجہ سے سورج کا طلوع' غروب' زوال وغیرہ کا بہت خیال رہتا ہے۔ ان سے یہ بھی فرمادو کہ حج کے موسم میں گھروں کے

دروازے بیکار کر دینا اور پیچھے سے سوراخوں کے ذریعہ ان میں آنا جانا بھلائی نہیں بلکہ ایک بے کار سا کام ہے۔ نیک تو وہ جو گناہوں سے بچے نہ کہ دروزوں سے لہٰذا گھروں میں تو ہمیشہ دروازوں ہی سے آیا جایا کرو مگر رب سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں دونوں جہان میں کامیابیاں ملیں اس آیت کی اور تفسیریں بھی ہیں مگر یہ ہی زیادہ بہتر۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو کہ نماز و روزہ چھوڑ کر سینہ کوبی یا بھنگ چرس پینے یا آگ جلانے اس پر دھونی رما کر بیٹھنے یا آج کل کے حرام گانے بجانے کو قوالی کہہ کر انہیں اصل عبادت سمجھ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سمجھ نصیب کرے ہمیں حق کو حق دکھائے اور حرام' باطل کو باطل۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے نبی سے سوالات بہت کم کئے۔ دوسری امتوں کی طرح اپنے پیغمبر کو سوالات سے پریشان نہ کیا چنانچہ قرآن کریم نے ان کے کل چودہ سوالات نقل فرمائے۔ آٹھ سورہ بقر میں۔ (1) رب کہاں ہے (2) چاند کیوں گھٹتا بڑھتا ہے چھ آگے آتے ہیں ایک سورۂ مائدہ میں کہ کیا کیا چیزیں حلال ہیں۔ ایک سورۂ انفال میں کہ انفال کا کیا مصرف ہے۔ ایک سورہ بنی اسرائیل میں کہ روح کیا ہے ایک سورۂ کہف میں کہ ذوالقرنین کے حالات کیا ہیں۔ ایک سورۂ طٰہٰ میں پہاڑوں کے متعلق ایک سورۂ نازعات میں قیامت کے بارے میں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور علیہ السلام کی امت بڑی عزت والی ہے کہ اس کے سوالات کی رب تعالیٰ قدر و منزلت فرماتا ہے کہ خود جواب بھی دیتا ہے۔ اور ان کے سوالات کا بھی ذکر فرماتا ہے کہ یہ بات میرے پیارے بندوں نے پوچھی تھی جس کا یہ جواب دیا گیا تاکہ قیامت تک ان کا ذکر خیر رہے۔ پہلی کتابیں ایک دم بغیر کسی سوال و جواب کے نازل ہو جاتی تھیں۔ **دوسرا فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کا بڑا درجہ ہے کہ سوال تو ان سے ہو اور جواب رب دے مگر اپنا جواب ان سے کہلوائے۔ **تیسرا فائدہ:** قمری مہینے شمسی مہینوں سے افضل ہیں کہ رب نے تاریخیں معلوم کرنے ہی کیلئے چاند کو گھٹایا بڑھایا نیز شمسی مہینوں کی جنتری زمین پر قمری مہینوں کی آسمان پر شمسی مہینوں کی جنتری انسانوں نے بنائی قمری کی خود رب نے شمسی تاریخیں بے دلیل قمری تاریخوں کی دلیل موجود کہ جاہل آدمی بھی چاند کی حالت دیکھ کر تاریخ کا پتہ لگا لیتا ہے نیز شمسی مہینوں میں موسم پرستی ہے۔ قمری میں یہ نہیں شمسی مہینوں میں چند سال کے بعد فرق کرنا پڑتا ہے کہ چار سال پر فروری 29 دن اور کچھ سال کے بعد ہندی سال بجائے 12 مہینہ کے 13 کا کرنا پڑتا ہے تاکہ موسم میں ٹھیک بیٹھیں۔ مگر قمری مہینہ ان مصیبتوں سے آزاد۔ **چوتھا فائدہ:** اسلامی کام قمری مہینہ سے ہوں گے لہٰذا روزے' زکوٰۃ' حج' عدت وغیرہ سب میں قمری مہینہ معتبر ہوں گے نہ کہ شمسی کیونکہ چاند کو میقات یعنی جنتری (وقت کا آلہ) فرمایا گیا نیز چاند میں جمال ہے سورج میں جلال اور امت مصطفیٰ علیہ السلام بھی مرحومہ ہے اس کی تاریخیں بھی جمالی۔ **پانچواں فائدہ:** چاند کے گھٹنے بڑھنے میں بہت سے بہت فائدے ہیں۔ (1) اس سے تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ (2) اس کی زیادتی کمی انسانوں کے کمال و زوال کی علامت ہے کہ انسان بھی اسی طرح کبھی عروج اور کبھی زوال میں ہو گا کہ پہلے معدوم پھر موجود مگر کمزور یعنی بچہ پھر قوی' طاقتور یعنی جوان پھر بڑھا ہو کر کمزور پھر پہلے کی طرح فنا۔ لہٰذا انسان اپنی زندگی و تندرستی کو غنیمت جانے اور جو ہو سکے نیکی کرے۔ ترقی کسی قوم یا کسی شخص کا ٹھیکہ نہیں۔ نیز ایک چیز کا کمال زوال کی علامت ہے۔ چاند' بدر ہو کر گھٹنے لگتا ہے الیوم اکملت لکم کی آیت سن کر بعض صحابہ نے سمجھ لیا تھا کہ حضور انور کی وفات نزدیک ہے۔ کمال ہو چکا ہے اب زوال کی باری ہے۔ (3) اس سے

ستارہ پرست قوموں کو تنبیہ ہے کہ وہ چیزیں پوجا کے قابل نہیں جن کی ترقی و تنزل دوسرے کے قبضہ میں ہے وہ تمہاری مدد کیا کریں گی۔ چھٹا فائدہ: بے کار سوال کا بہتر جواب دینا چاہئے۔ دیکھو پوچھنے والے نے چاند کی تبدیلی کی وجہ پوچھی جو اس کے لئے فائدہ مند نہ تھی مگر رب نے اس کی حکمت بتائی۔ جس سے انہیں بہت فائدہ ہوا۔ ساتواں فائدہ: بے کار کام چھوڑ دینے چاہئیں کہ ان سے کوئی فائدہ نہیں دیکھو مکانوں کے پیچھے سے آنا عبث تھا اس سے منع کر دیا گیا۔ آٹھواں فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں چاند سورج سے افضل ہے اور چاند کے مہینے اور چاند کی تاریخیں سورج کے مہینوں و تاریخوں سے افضل ہیں کہ سواء نماز کے باقی ساری عبادات چاند کے مہینوں سے وابستہ ہیں اور متبرک تاریخیں چاند سے وابستہ ہیں۔ شب قدر' روز عرفہ وغیرہ چاند کی تاریخوں سے ہوتے ہیں۔ دیکھو مسجدیں دیگر عمارتوں سے افضل ہیں کیونکہ ان سے دینی عبادات نماز اعتکاف وغیرہ وابستہ ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ و اہل بیت پھر علماء و اولیاء دوسروں سے افضل ہیں۔ کیونکہ ایمانیات بلکہ ایمان ان سے وابستہ ہے۔ کلمہ' نماز' قرآن ان سے ہی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب نہیں۔ کیونکہ حضور نے سائل کا جواب خود نہ دیا بلکہ رب نے دیا۔ پھر بھی چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ نہ بتائی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو بغیر انتظار وحی خود ہی وجہ بتا دیتے۔ (دیوبندی) جواب: آپ نے بڑا ہی کام کیا کہ رب پر بے علمی کا الزام نہ لگایا اور یہ نہ کہہ دیا کہ سائل نے پوچھا تو کچھ تھا جواب کچھ اور۔ معلوم ہوتا ہے کہ رب کو بھی اس گھٹنے بڑھنے کی وجہ معلوم نہ تھی۔ افسوس ہے کہ آج ہر علم ہیئت جاننے والا جانتا ہے کہ چونکہ چاند کا نور آفتاب سے ہے اور چاند بھی گول ہے اور سورج بھی اور جب گول چیز کسی گول چیز سے روشنی لے تو آدھی روشن ہوگی اور آدھی تاریک لہٰذا چاند بھی آدھا روشن اور آدھا تاریک رہتا ہے۔ پھر چونکہ چاند کبھی تو آفتاب سے قریب ہوتا ہے کبھی دور اس لئے کبھی تو اس کا پورا نورانی حصہ زمین کی طرف ہوتا ہے کبھی بعض حصہ اور کبھی پورا تاریک رخ اس طرف ہوتا ہے اس لئے یہ اختلاف ہے۔ آٹھویں کلاس والے بچہ کو یہ علم ہو مگر اعلم الاولین والاخرین کو نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے جناب ان کو اس اختلاف کی وجہ کا بھی علم تھا اور اس کا بھی کہ اس سوال پر آیت آئے گی۔ جس میں یہ جواب دیا جاوے گا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے عبادات ایجاد کرنا جرم ہے دیکھو کفار عرب نے گھر کے پیچھے سے آنا عبادت جانا۔ جس کی تردید کر دی گئی لہٰذا ختم خواجگان اور میلاد وغیرہ کو عبادات یا باعث ثواب جاننا مردود ہے۔ (دیوبندی) جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ان کا یہ کام عبث تھا جو عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے میلاد و ختم خواجگان عبث نہیں بلکہ اس میں صدہا خوبیاں ہیں قرآن خوانی نعت خوانی خیرات وغیرہ لہٰذا یہ باعث ثواب دوسرے یہ کہ کفار عرب اس عبث فعل کو فرض جانتے تھے کہ جو اس پر پابندی نہ کرے اسے فاجر کہتے تھے اور واقعی جائز کام کو فرض جاننا سخت غلطی ہے کوئی مسلمان ان امور خیر کو فرض نہیں جانتا ہاں منکر کو وہابی جانتا ہے۔ کہ یہ وہابیوں کی علامت ہے تیسرے یہ کہ رب نے کفار کے اس فعل کو شرک یا کفر یا حرام نہ فرمایا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اس کو بھلائی جاننا غلطی ہے۔ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ یہ تو بے فائدہ کام ہے آپ کی طرح شرک و کفر نہ کہا چوتھے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کار خیر ایجاد کرنا گناہ ہے تو مدرسہ دیوبند وہاں کی تعلیم قرآن پاک میں اعراب سب ہی گناہ ہوں گے کیونکہ یہ بھی اس زمانہ میں نہ تھے بعد کی ایجاد ہے۔ میلاد پاک کی عداوت میں اپنے گھر کو آگ کیوں لگاتے ہو۔ پانچویں یہ کہ

کسی جائز چیز کو حرام جاننا سخت جرم ہے رب فرماتا ہے۔ کلو من طیبت ما رزقنکم ولا تتبعوا خطوت الشیطن اہل عرب حج کے زمانہ میں گھر کے دروازوں سے آنا جو مباح تھا اسے حرام جانتے تھے اسی لئے ان پر یہ عتاب ہوا تم لوگ بھی میلاد شریف وغیرہ حلال و مباح چیزوں کو بلا دلیل حرام جانتے ہو تو انہیں کی طرح مجرم ہو۔ خیال رہے کہ جیسے مباح چیز کو فرض سمجھنا جہالت یا بے دینی ہے ایسے ہی مباح چیز کو حرام جاننا بھی بے دینی ہے۔ جس میں آپ حضرات گرفتار ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : روح سورج ہے اور دل چاند کہ اس پر روح سے مختلف طرح روشنی آتی ہے لوگ پوچھتے ہیں کہ قلبی نور کا حال مختلف کیوں رہتا ہے۔ یکساں کیوں نہیں۔ اے محبوب آپ فرمادو کہ یہ اختلاف سفر فی سبیل اللہ کا میقات ہے۔ جس سے اس راہ کا پتہ لگتا ہے اس کے ذریعے روحانی حج یعنی بیت قلب کا طواف صفائی کے صفا اور موت کے مروہ کی سعی عرفان کے عرفات میں قیام ہوتا ہے۔ اس قلب کا دروازہ رب کی طرف اور پشت دنیا اور ظاہری حواس اور بدن کی طرف ہے تم اس گھر میں بدن کی طرف سے نہ جاؤ کہ یہ اس کی چھیت ہے بلکہ دروازے سے جاؤ پرہیزگار وہ ہے۔ جو شیطانی وسوسوں نفسانی خواہشوں سے بچے۔ تم کو چاہئے کہ ان گھروں میں اصلی دروازوں یعنی روح کی طرف سے آؤ۔ جس سے حق کی طرف بھی راستہ جاتا ہے۔ اور ماسوی اللہ میں مشغولیت سے بچو تاکہ دارین کی کامیابی پاؤ۔ (ابن عربی)

دوسری تفسیر : صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی کے چار حصے کرنے چاہئیں۔ بچپن کھیل کود کیلئے' پھر بعد کی عمر بڑھنے کمال حاصل کرنے کے لئے' جوانی کھانے کمانے کے لئے' بڑھاپا یار کو منانے اور سفر آخرت کی تیاری کے لئے۔ جو عمر کا ہر حصہ غفلت میں گزارے وہ سخت غلطی پر ہے' بال سفید پڑ گئے گویا سویرا ہو گیا اب سونے کا وقت نہیں جاگ جاؤ' چاند کا اوتار چڑھاؤ گویا لوگوں کا میقات یعنی زندگی کی تقسیم معلوم کرنے کا آلہ و ذریعہ ہے۔ والحج۔ اور رب کی بارگاہ میں حاضری کے مقصد کا ذریعہ ہے۔ پھر خیال رہے کہ ہر گھر کا راستہ اور دروازہ ہوتا ہے بلایا ہوا تو اس دروازے سے جاتا ہے مگر چور چھیت سے بلائے ہوئے کو وہاں جگہ ملتی ہے اور چور کو سزا۔ اسی طرح بارگاہ الٰہی کا دروازہ تقویٰ اور اس کا راستہ شریعت مصطفیٰ علیہ السلام ہے جو اس راہ اور اس دروازے سے جائے گا وہاں جگہ پائے گا اور جو کوئی شیطان کی طرح غلط راہ اور جھوٹی پرہیزگاری سے جانا چاہے گا دھکے دیکر نکالا جاوے گا غرضیکہ علماء کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے جاؤ۔ صوفیاء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے گھروں میں ان کے دروازوں سے جاؤ جو عبادت نبوت کے سایہ میں کی جاوے۔ وہ اللہ کے گھر کا دروازہ ہے اور جو عبادت بغیر نبوت کے سایہ کے ہو وہ دنیا کا دروازہ۔ ابلیس کی عبادات دنیا کا دروازہ تھی۔ مگر یہ دروازے ہمارے کھولے نہیں کھلتے۔ ان کا کھولنے والا کوئی اور ہی ہے۔ ہماری زمین کی اندرونی پیداوار ولایت کے محققین آکر بتاتے ہیں کہ یہاں تیل کا چشمہ ہے یہاں فلاں چیز کی کان ہے ایسے ہی ہمارے دلوں کے خفیہ خزانے کوئی ماہر ہی بتا سکتا ہے ہم خود نہیں معلوم کر سکتے۔ پھر صرف ظاہر سنبھالنا تقویٰ نہیں تقویٰ حقیقی یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ اپنا باطن بھی درست کرلے کہ رب کی اطاعت کرلے نہ کہ نافرمانی۔ شکر کرے نہ کہ کفران۔ اسے یاد رکھے کبھی نہ بھولے اور رب کی پناہ میں یہ راہ طے کرے تاکہ شیطان و نفس امارہ سے امن میں رہے۔ (از تفسیر روح البیان) یعنی ہمارے قرب کے گھروں میں صحیح راستے اور دروازوں سے آؤ تاکہ عزت پاؤ' غلط راستے سے آنے کی کوشش نہ کرو کہ اس میں بھلائی اور خیر نہیں۔ تقویٰ اور خوف خدا کا انجام ہے فلاح و

کامیابی۔ صوفیاء کے ہاں مومن کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ واصل باللہ ہو جائے انسان واصل باللہ ہو کر اللہ کے سے کام کرنے لگتا ہے۔ گھڑے لوٹے کنوئیں کے پانی میں روانی نہیں کیونکہ وہ حدود میں محدود ہے پنجرے کی قید میں پرندے کے پاس پر ہیں مگر پرواز نہیں لیکن اگر گھڑے کا پانی دریا میں ڈال دیا جائے تو اس میں روانی، طغیانی، موج، دھار پاٹ سب کچھ پیدا ہو جاتی ہے اور پرندہ میں بھی آزاد ہو کر پرواز پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی جب تک روح یا قلب دنیا یا نفس امارہ کے پنجرے میں پھنسا ہے تب تک اس میں پرواز ہے نہ روانی مگر جب ان قیدوں سے آزاد ہو جاوے واصل باللہ ہو جائے تو اس میں سب کچھ پیدا ہو جاتا ہے۔ عمر فاروق نے مدینہ منورہ سے ساریہ کو پکار کر نقشہ جنگ سمجھا دیا حضرت آصف ایک پل میں تخت بلقیس اٹھلائے یہ اسی پرواز اور روانی کا نتیجہ تھا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور جنگ کرو بیچ راستے اللہ کے ان سے جو جنگ کرتے ہیں تم سے اور نہ حد سے بڑھو۔ تحقیق اللہ نہیں پسند فرماتا

اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم

حد سے بڑھنے والوں کو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ تم ان کو اور نکالو ان کو جہاں سے

بڑھنے والوں کو اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے

مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ

نکالا انہوں نے تم کو اور فساد زیادہ سخت ہے قتل سے اور نہ جنگ کرو ان سے پاس مسجد حرمت

تمہیں نکالا تھا اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ

والی کے یہاں تک کہ جنگ کریں وہ تم سے بیچ اس کے۔ پس اگر جنگ کریں وہ تم سے پس جنگ کرو تم

جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کافروں کی یہ ہی سزا ہے۔

جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾

ان سے مثل اس کے بدلہ ہے کافروں کا پس اگر باز رہیں پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر اگر باز رہیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حج کا ذکر تھا جو مکہ معظمہ میں ہوتا ہے۔ چونکہ یہ شہر اس وقت کفار کے قبضہ میں تھا کہ ان سے بغیر تیاری جنگ کئے ہوئے حج دشوار تھا اس لئے حج کے بعد جہاد کا ذکر فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حج کا ذکر تھا جس میں وطن چھوڑنا اور مال کی قربانی کرنا پڑتی ہے۔ اب جہاد کا حکم

ہے۔ جس میں مالی اور جانی قربانی ہے غرضیکہ حج اور جہاد میں قربانی کے لحاظ سے بہت مناسبت ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ہلال اور قمری مہینوں کا ذکر تھا چونکہ قمری مہینوں میں چار مہینے محترم بھی تھے۔ رجب' ذیقعد' ذی الحجہ اور محرم جن میں جنگ وغیرہ حرام تھی اس لئے اب جنگ کا ذکر ہوا یعنی چاند اور مہینوں کو بھی جہاد سے قوی تعلق ہے۔ **چوتھا تعلق:** پہلے فرمایا گیا کہ گھروں میں دروازوں سے آؤ اور چونکہ جہاد عزت و حرمت کا دروازہ ہے اس لئے اب اس کا ذکر ہوا یعنی فتح مندی اور کامیابی کی عمارت میں جہاد کے دروازے سے داخل ہو۔

شان نزول: اس کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ (۱) حضرت ربیع اور ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ آیت اجازت جہاد کی پہلی آیت ہے کہ اولاً مسلمانوں کو حکم تھا کہ کفار کی ایذائیں برداشت کریں۔ ان کے ہاتھوں مار کھائیں مگر اف نہ کریں۔ اس میں اجازت دی گئی کہ جو تم سے لڑے تم اس سے جنگ کر سکتے ہو یعنی حملہ کو دفع کرو خود حملہ نہ کرو۔ اس صورت میں یہ آیت **اقتلوا المشرکین** سے منسوخ ہے۔ (کبیر) دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذیقعد 6 ہجری میں صحابہ کرام کو لے کر عمرہ (چھوٹا حج) کے ارادہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مشرکین مکہ نے آپ کو وہاں داخل ہونے سے روکا اور آپ نے مقام حدیبیہ میں جو حدود حرم میں کنوئیں کے پاس ایک جنگل ہے وہاں ایک ماہ قیام فرمایا۔ بہت ردو کد کے بعد اس پر صلح ہوئی کہ حضور علیہ السلام تو بغیر عمرہ ہی واپس جائیں۔ سال آئندہ آئیں اور تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کر کے عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور اگلے سال یعنی سات ہجری میں عمرہ قضاء کے لئے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لائے۔ مسلمانوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کفار بے وفائی کریں اور ہمیں ان سے جنگ کرنا پڑ جائے اور ماہ حرام یعنی ذیقعد اور حرم شریف میں بحالت احرام جنگ کرنا سخت گناہ ہے اگر ایسا واقعہ درپیش آیا تو ہم کیا کریں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں انہیں اجازت دی گئی کہ اگر وہ جنگ کی ابتداء کریں تو تمہیں بھی لڑنے کی اجازت ہے۔ مہینہ محترم اور حرم وغیرہ تم کو جنگ سے نہ روکیں گے (کبیر و احمدی و خزائن و غیرہ) اس صورت میں یہ آیت غیر منسوخ ہے اور اس کا حکم اب بھی باقی۔

تفسیر: **وقاتلوا فی سبیل اللہ** بظاہر یہ امر وجوب کا ہے۔ سبیل اللہ سے مراد اللہ کا دین ہے کیونکہ یہ رب تک پہنچنے کا ذریعہ ہے یعنی اے مسلمانو تم اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ دین الٰہی کی خاطر جنگ کرو خیال رہے کہ دوسرے دینوں نے انسانی طاقتوں کو معطل کر دینے کو عبادت قرار دیا مگر اسلام نے ہر طاقت کو اچھی جگہ خرچ کرنے کو عبادت بنایا شہوت کو جائز جگہ خرچ کرنے کیلئے نکاح عبادت ہے۔ اسی طرح غصہ کو برمحل خرچ کرنے کیلئے جہاد عبادت ہے۔ بارش میں چھت کا پانی پرنالہ سے نکال دو اگر روکو گے تو چھت توڑ دے گا۔ غصہ تین قسم کا ہے۔ شیطانی' نفسانی' رحمانی عبادات اور نیکیوں پر غصہ شیطانی ہے دنیاوی کاروبار میں غصہ نفسانی ہے اور کفر یا معاصی پر غصہ رحمانی ہے۔ نیز ہر چیز کی بقا و ترقی کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں اسی کے اسباب کا جمع کرنا اور موانع کا دفع کرنا ہم شخصی زندگی میں غذا کے ساتھ دوا کے ساتھ حاجتمند ہیں اور قومی زندگی میں شفاخانہ' دواخانہ وغیرہ کے ساتھ جیل خانہ و پھانسی گھر کے بھی محتاج اسی طرح ہم دینی و ایمانی زندگی کے لئے نماز و روزہ و حج کے بھی محتاج ہیں اور جہاد کے بھی حاجتمند ہیں۔ غرضیکہ مسئلہ جہاد بقاء قوم کے لئے بہت ضروری ہے۔ **الذین یقاتلونکم** یا تو الذین سے کفار مکہ مراد ہیں یا عام کفار یقاتلون میں تین احتمال ہیں۔ جنگ کی ابتداء کرنا' جنگ کی تیاری کرنا' جنگ کرنا یعنی ان کافروں سے لڑو جو جنگ کی ابتداء کریں خود ان پر حملہ نہ کرو۔ اس صورت میں یہ آیت منسوخ یا ان کفار مکہ سے لڑو جو تم پر حملہ کریں۔ ذمی اور امن میں

آنے والے کفار سے نہ لڑو صرف حربی کفار سے ہی جنگ کرو جو جنگ کی تیاری کرتے رہتے ہیں یا ان کفار سے لڑو جو بلاواسطہ یا بالواسطہ میدان جنگ میں آکر تم سے لڑیں۔ بچوں، عورتوں بوڑھوں اور مذہبی کفار کو جنہیں جنگ سے کوئی واسطہ نہ ہو نہ مارو۔ ان صورتوں میں یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ جہاد کے اب بھی یہی احکام ہیں۔ خیال رہے کہ قتال فی سبیل اللہ اور ہے اور قتل فی سبیل اللہ کچھ اور قتال فی سبیل اللہ کی تین صورتیں ہیں۔ کفار سے جنگ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد فاروقی و عثمانی کے جہاد۔ مرتدین سے جنگ جیسے حضرت صدیق کا منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے لوگوں سے جہاد باغیوں سے جنگ جیسے عہد مرتضوی کے زمانہ کی جنگیں کہ اگرچہ انہیں جہاد نہ کہا جاوے گا مگر قتال فی سبیل اللہ ضرور ہیں۔ ان حضرات صحابہ کی یہ لڑائیاں اس آیت کی تفسیریں ہیں۔ اور قتل فی سبیل اللہ کی بھی تین صورتیں ہیں۔ مرتد کا قتل، زانی کا رجم "ظلما" قاتل کا قتل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کا قتل کہ حضور کا گستاخ اگرچہ ہمارا بھائی برادر ہو مگر ہے مستحق قتل عبداللہ ابن ابی کے بیٹے نے ایک گستاخی پر اپنے باپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک صحابی نے اپنی گستاخ ماں کو قتل کر دیا۔ **ولا تعتدوا** یہ عدو سے بنا۔ معنی حد سے بڑھنا، یعنی حد سے نہ بڑھو اس کے بھی تین معنی ہیں۔ ابتداء کفار پر حملہ نہ کرو صرف ان کا حملہ دفع کرو اس صورت میں یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ اب حملہ کرنے کی بھی اجازت ہے یا ذمی اور مستامن یا جنگ سے دور رہنے والے کفار یا بچوں و عورتوں وغیرہ کو قتل کر کے حد سے نہ بڑھو۔ یہ احکام اب بھی باقی ہیں۔ تفسیر احمدی نے یہ بھی کہا کہ بغیر دعوت اسلام جنگ نہ چھیڑو یا مقتول کفار کا مثلہ نہ کرو یعنی ان کے ناک کان وغیرہ نہ کاٹو کیونکہ یہ حد سے بڑھنا ہے یہ احکام بھی اب تک باقی ہیں کیونکہ **ان اللہ لا یحب المعتدین** اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور تم چونکہ رضاء الٰہی کے لئے لڑتے ہو نہ کہ کسی ذاتی غرض سے لہذا کوئی کام اس کے خلاف مرضی نہ کرو۔ اور جب کفار مکہ جنگ چھیڑ دیں اور تم کو بھی جواب میں جنگ کرنی پڑ جائے تو ماہ حرام یا مسجد حرام وغیرہ کا کوئی فرق نہ کرو بلکہ **واقتلوھم حیث ثقفتموھم** یہ لفظ ثقف سے بنا جس کے معنی ہیں پانا پکڑنا یا پکڑنے کی تدبیر کرنا یعنی حل یا حرم ماہ حرام یا دیگر وقت جب بھی اور جہاں بھی ان کافروں کو پاؤ قتل کر ڈالو کیونکہ حرم شریف کی حرمت انہوں نے توڑی نہ کہ تم نے جنگ کی ابتداء ان کی طرف سے ہوئی نہ کہ تمہاری طرف سے لہذا اس کے ذمہ دار بھی وہی ہیں نہ کہ تم اور پھر فقط جنگ پر ہی قناعت نہ کرو بلکہ **واخرجوھم من حیث اخرجوکم** یہ امر بھی وجوب کا ہے اور ھم سے مراد کفار مکہ اور **من حیث** سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ حیث تعلیلیہ ہو یعنی تم بھی ان کو مکہ مکرمہ سے نکال دو۔ جیسے کہ انہوں نے پہلے تم کو نکالا تھا یا چونکہ انہوں نے تم کو نکالا۔ تم بھی انہیں نکال کر مکہ مکرمہ کی زمین شرک و کفر سے پاک کر دو۔ اس میں در پردہ مسلمانوں کی فتح کی بھی پیشینگوئی ہے اور اسکی بھی کہ عنقریب یہ مبارک شہر کفار کی نجاست سے پاک ہو جائے گا۔ نیز اشارۃً یہ بھی فرمایا کہ بحالت جنگ اپنے کسی کافر عزیز کی رعایت نہ کرو اس وقت صرف کفر و اسلام تمہاری مد نظر ہو نیز اس حالت میں مال غنیمت پر نظر نہ کرو اگر فتح تمہاری ہو گئی تو پھر سب مال تمہارا ہی ہے نیز کفار خواہ میدان میں ڈٹے ہوں یا بھاگ جائیں یا کسی آڑ، مکان میں چھپ جاویں جہاں ہوں، جس حال میں ہوں انہیں قتل کرو جب تک کہ وہ ہتھیار ڈال کر اپنے کو تمہارے حوالہ نہ کر دیں کیونکہ دوران جنگ میں بہت چالیں چلی جاتی ہیں۔ اسی ایک جملہ میں جنگ کے بہت سے قوانین ارشاد فرمادیئے۔ چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ زمین حرم میں جہاں شکار کی بھی ممانعت ہے انسانی خون کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ **والفتنۃ اشد من القتل** فتنہ، فتن سے بنا۔ جس کے معنی ہیں سونے کو بھٹی میں تپا کر صاف کرنا۔ پھر ہر سخت

امتحان کو فتنہ کہنے لگے۔ پھر کفار کے ان دکھوں اور مصیبتوں کو بھی فتنہ کہنے لگے جو مسلمانوں کو پہنچاتے ہیں جیسے **فتنوا المومنین** یہاں یا تو اس سے کفار کی ایذائیں اور تکلیفیں مراد ہیں جو مسلمانوں کو پہنچیں یا ان کا کفر اور بے دینی یا عذاب جہنم یعنی ان کفار کی ایذا رسانی قتل سے بڑھ کر ہے یا ان کا زمین مکہ میں کفر و شرک کرنا قتل سے سخت یا عذاب جہنم ان کے قتل سے بڑھ کر کہ یہ تو ایک آن کا ہے اور وہ دائی۔ جب وہ یہاں کفر و شرک سے باز نہیں رہتے تو تم ان کے حملے کا جواب دینے میں کیوں پوغدغہ کرتے ہو۔ (تفسیر کبیر) یا جب یہ حاجیوں کو حج سے روکتے ہیں جو کہ قتل سے بدتر گناہ ہے تو ان کو قتل کرنے میں کیا حرج ہے مگر ہم پھر صاف کہہ دیتے ہیں کہ **ولا تقتلوهم عند المسجد الحرام** یہ گویا پچھلے حکم کی شرح ہے مسجد حرام سے مراد یا تو بیت اللہ ہے یا مسجد پاک۔ عند سے مراد حدود حرم ہیں۔ جن کی حد مکہ مکرمہ سے ہر چہار طرف تقریباً" تین تین میل ہے یعنی تم حدود حرم میں ان سے ابتدائی جنگ نہ کرو۔ **حتى يقتلوكم فيه** یہ **لا تقاتلوا** کی انتہاء ہے اور فیہ کی ضمیر حرم شریف کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہاں تک کہ وہ تم سے حدود حرم میں جنگ کریں کہ اس صورت میں مجرم وہ ہیں نہ کہ تم لہذا **فان قتلوكم فاقتلوهم** قاتلوا کا فاعل کفار مکہ ہیں اور یہاں فیہ پوشیدہ یعنی پس اگر کفار مکہ حرم میں تم سے جنگ کریں تو تم بھی انہیں بے دریغ قتل کرو کیونکہ **كذلك جزاء الكافرين** ظاہر یہ ہے کہ الکفرین سے حرم پاک کی بے حرمتی کرنے والے کافر مراد ہیں۔ یعنی ایسے کافروں کو ایسی ہی سزا ہے لیکن اس قدر ظلم و شرک کرنے کے بعد بھی **فان انتهوا** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی اگر یہ لوگ جنگ اور کفر سے اب بھی باز آجائیں تو دروازہ رحمت کھلا ہے **فان الله غفور رحيم** اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے کہ ان کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیگا۔ اور مہربان ہے کہ آئندہ ان پر رحم بھی فرمائے گا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تم عبادات اور خصوصاً" حج میں مشغول رہو اور اگر تمہیں اس کے لئے کسی قوم سے جنگ بھی کرنا پڑے تو در گذر نہ کرو۔ جنگ کے موقعہ پر جنگ کرو اور اس سے پہلے جنگ کی تیاری کرو جیسا زمانہ ویسی تیاری کہ فرض کے اسباب جمع کرنا فرض ہے نماز کے لئے طہارت بھی فرض ہے مگر یہ سب کچھ فتنہ فساد 'مال' زمین' نفسانی خواہشوں کے لئے نہ ہو۔ بلکہ اللہ کے دین کی عزت اور عبادات کی آزادی کے لئے ان کفار سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کریں مگر خیال رہے کہ حد سے آگے نہ بڑھنا کہ نہ تو نفس کے لئے جنگ کرنا۔ نہ ضرورت سے زیادہ نہ بے خبر عورتوں اور چھوٹے بچوں کو قتل کرنا نہ ذمی اور مستامن کافروں پر ہاتھ صاف کرنا۔ نہ بدعہدی کرنا کیونکہ یہ حد سے بڑھنا ہے اور اللہ حد سے بڑھنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جنگ چھڑ جائے تو کسی کافر کی رعایت نہ کرو بلکہ جہاں کہیں انہیں پاؤ قتل کر دو۔ اور جیسے کہ انہوں نے تمہیں مکہ معظمہ میں نہیں رہنے دیا تمہیں وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ بلکہ اب عمرہ کرنے سے روکا تم بھی انہیں وہاں سے نکال دو۔ اگرچہ حرم شریف میں جنگ کرنا سخت بات ہے مگر ان کا حرم میں فساد مچانا فتنے پھیلانا وہاں قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے اور بڑے فتنہ کو دبانے کے لئے تھوڑی سختی بری نہیں بلکہ اچھی ہے۔ ہاں یہ خیال رہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود حرم میں ان سے جنگ نہ کرو۔ جب تک کہ وہ خود وہاں جنگ کی ابتداء نہ کریں اور اگر وہاں رہ کر جنگ سر پر آہی پڑے کہ اس کے بعد کوئی چارہ ہی نہ ہو اور وہ تم سے وہاں لڑنے ہی لگیں تو تم انہیں وہاں ہی قتل کرو کیونکہ ایسے بے غیرت کافروں کی یہ ہی سزا ہے اور اگر یہ کافر اتنے گناہ کے بعد بھی جنگ سے باز رہیں اور کفر سے توبہ کرلیں تو ان کے لئے دروازہ رحمت اب بھی کھلا ہوا ہے۔

جہاد : اللہ کی راہ میں جنگ کرنا بہترین عبادت ہے اس کے بے شمار عقلی اور نقلی فائدے ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) جیسے کہ مالداروں کا امتحان زکوۃ سے اور دنیاداروں کا امتحان نماز سے لیا گیا کہ وہ مال و موقع میں اپنا مال و وقت صرف کریں۔ ایسے ہی جاںدار کا امتحان جہاد سے ہے کہ وہ بوقت طلب اپنی جان بھی حاضر کر دیں۔ گویا میدان جنگ محبت کی کسوٹی ہے۔ (2) محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے جہاد سے یہ محبت ختم ہے کیونکہ غازی جنگ میں جاتے وقت مال و اولاد و جان سب سے منہ پھیر کر رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (3) دنیا میں شجاع اور سخی آدمی ہی عزت و آبرو سے رہ سکتا ہے۔ کمزور دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارتا ہے۔ دیکھو ہندوستانی مسلمان دس کروڑ ہیں اور ترک پانچ لاکھ سے بھی کم مگر دنیا میں جو عزت ان تھوڑوں کی ہے وہ ہم بہت سوں کی نہیں کیونکہ ان میں جہاد ہے ہم اس سے محروم بلکہ ہماری جو کچھ رہی سہی عزت ہے وہ انہیں اسلامی سلطنتوں کی بدولت اللہ انہیں قائم رکھے اور ترقی دے جہاد سے شجاعت بھی حاصل ہوتی ہے اور سخاوت بھی کیونکہ جو جان کی سخاوت کر سکتا ہے وہ مال کی بھی کر سکتا ہے۔ (4) زندگی عبادت کے لئے ہے مگر عبادت آزادی سے اور آزادی جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہمارے پاس جہاد کی طاقت نہ ہو تو زبردست قومیں مسجدیں بھی شہید کر سکتی ہے اور ہمیں نماز سے بھی روک سکتی ہیں۔ (5) جیسے کہ تندرستی کے لئے بیماریوں کے اسباب دور کرنا ضروری ہیں۔ ایسے ہی دینی قوت کے لئے غلبہ کفر کے اسباب مٹانا لازمی۔ یہ بات جہاد سے حاصل ہوگی۔ (6) حدیث شریف میں ہے کہ بعد موت دنیا میں آنے کی کوئی تمنا نہیں کرتا سواء مجاہد شہید کے وہ عرض کرے گا کہ مولیٰ مجھے پھر اس گرم ریت کی تمنا ہے اور زخم کھانے کی آرزو اور پھر تلوار کی جھنکار جو میدان جہاد میں سنی تھی۔ مگر چونکہ رب تعالیٰ کسی کو پاس کر کے دوبارہ امتحان نہیں لیتا اس لئے انہیں واپس نہ کیا جاوے گا وہ تو اس کی تمنا کرتے ہیں۔ (7) مجاہد شہید کو جان کنی کی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ چیونٹی کے کاٹنے جیسی چبک۔ (حدیث) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تمنا کرتا ہوں کہ راہ الٰہی میں جہاد کروں اور شہید ہوں پھر زندہ ہوں۔ پھر شہید ہوں۔ پھر زندہ ہوں۔ پھر شہید ہوں (مشکوۃ باب الجہاد)۔ (8) جنت کے سو درجے مجاہدین کے لئے خاص ہیں جن کے درمیانی حصہ کا نام فردوس ہے۔ اسی پر عرش الٰہی ہے اور اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ (مشکوۃ)۔ (9) تیاری جہاد کرنے والا حساب قبر اور عذاب قبر سے محفوظ ہے اگرچہ اسے جہاد میسر نہ ہو۔ (شامی)۔ (10) جیسے کہ بغیر نلائی (کھیت کو گھاس سے صاف کرنا) کھیتی نہیں ترقی کر سکتی یونہی بغیر جہاد مومن ترقی نہیں کر سکتے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد محض رضا الٰہی اور دینی ترقی کی نیت سے چاہئے۔ ملکی اور قومی یا بیہودہ سیاسی جنگ جہاد نہیں اور نہ اس میں کچھ ثواب جیسا کہ فی سبیل اللہ سے معلوم ہوا۔ موجودہ مسلمانوں کی تحریکیں زیادہ تر اسی لئے فیل ہوتی ہیں کہ ان کی غرض ملک گیری یا ذاتی عزت ہے جیسے کہ خاکسار تحریک کا حال ہوا۔ اسی لئے عام تحریک والے شرعی پابندیوں پر نہیں رہتے اللہ نیت درست کرے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر کافر حربی سے جہاد جائز ہے خواہ وہ حملہ کرے یا نہ کرے جیسا کہ **یقتلونکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جن کافروں کو جنگ سے کوئی تعلق نہ ہو انہیں قتل کرنا منع۔ ایسے ہی مردوں کے ناک کان کاٹنا سخت جرم ہے کہ یہ حد سے بڑھنا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حرم شریف میں قتل اور جنگ ناجائز ہے۔ ہاں حملہ دفع کیا جا سکتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اگر کوئی مجرم حرم شریف میں داخل ہو جائے تو اسے نہ تو وہاں قتل کیا جا

سکتا ہے اور نہ گرفتار بلکہ اسکا دانہ پانی بند کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ جب وہاں کفر کی سزا نہ دی گئی تو دوسرے جرم تو اس سے ہلکے ہیں۔ چھٹا فائدہ : زمین حرم میں جرم کرنے والے کو وہاں ہی سزا دی جاوے گی۔ وہاں چوری یا زنا کرنے والا۔ شرابی اور مرتد سزا پائے گا۔ (شامی کتاب الحج) جیسا کہ فاقتلوھم سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ : یوں تو ہر مسجد ہی حرمت والی ہے کہ وہاں جنبی، حائضہ کو داخل ہونا حرام ہے۔ گندے بدبودار شخص کو آنا ممنوع۔ مگر مسجد بیت اللہ شریف کی حرمت بہت زیادہ ہے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ یہ جگہ آدم علیہ السلام کی عبادت گاہ ہے اور کعبہ حضرت ابراہیم کی تعمیر عمارت کی عزت تعمیر کرنے والے کی عظمت سے ہوتی ہے۔

کعبہ را ہر دم کہ عزت مے فزود ۔۔۔ ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

دوسرے یہ کہ یہ مسجد حضور سید الانبیاء کی مسجد و عبادت گاہ خاص ہے۔ تیسرے یہ کہ مطاف شریف میں قریباً چار سو پیغمبروں کے مزارات ہیں۔ پانچویں یہ کہ حطیم کعبہ میں حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل علیہ السلام کے مزارات ہیں۔ چھٹے یہ کہ یہ مسجد اپنے میں کعبۃ اللہ شریف کو لئے ہوئے ہے۔ جس مسجد میں کعبہ واقع ہے وہ تمام مسجدوں سے افضل ہے تو جس مسجد قلب میں مدینہ والے سرکار جلوہ گر ہو جائیں وہ دل تمام ہی دلوں سے بہتر ہو گا ہم نے عرض کیا ہے۔

سینہ میں جو آ جاؤ بن آئے مرے دل کی ۔۔۔ سینہ تو مدینہ ہو دل اس کا ہو سودائی
یہ دل ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن ۔۔۔ پھر کعبہ و طیبہ کی پہلو میں ہو یکجائی

جس شہر میں کعبہ ہے وہاں امن ہے۔ جس دل میں حضور رہیں وہاں انشاء اللہ عذاب سے امن ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو صرف کفار کا حملہ روکنے کی اجازت ہے۔ ابتداءً ان پر حملہ کرنا سخت منع کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ تم صرف انہیں سے لڑو جو تم سے جنگ کریں۔ ان پر حملہ کرنا تم نے کہاں سے نکالا۔ (مرزائی) جواب : ہماری تفسیر میں اس کے چند جواب گزر گئے۔ ایک یہ کہ یہ آیت حرم شریف کی جنگ کے بارے میں ہے اور جگہ کے لئے نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے حربی کفار مراد ہیں۔ جو کہ ذمی (مسلمانوں کی رعایا) اور مستامن نہ ہوں۔ تیسرے یہ کہ اس سے جنگجو کفار مراد ہیں۔ مندروں کے پجاری یا کفار کی عورتیں بچے جنہیں جنگ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ انہیں قتل نہ کیا جائے گا۔ چوتھے یہ کہ یہ آیت منسوخ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو صرف جوابی حملہ کی اجازت دی گئی اور پھر ابتدائی حملہ کی بھی۔ مرزائی اتنا نہیں سمجھتے کہ سوا جنگ احد اور خندق کے باقی تمام غزوات میں حضور علیہ السلام نے ہی کفار پر حملے کئے۔ بدر، حنین، فتح مکہ میں کفار نے اولاً حملہ نہ کیا تھا۔ نیز عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ، یرموک وغیرہ میں بھی مسلمانوں ہی نے کفار پر حملے کئے کیا یہ جنگیں ناجائز ہوئیں۔ نیز یہ کون سی عقل مندی ہے کہ کفار کو جنگ کی تیاری کی مہلت دے دو جب وہ پٹنے لگیں سر بچا لو ضروری ہے کہ جس قوم سے جنگ کا خطرہ ہو اس کی پوری سرکوبی کر کے جنگ کے قابل نہ رکھا جائے۔ بیچارے مرزائی جہاد کے راز کیا جانیں۔ جن کے نبی کی نبوت دوسروں کے زیر سایہ پھلی پھولی ہو جہاد مردوں کا کام۔ سانپ کو کاٹنے کا موقعہ مت دو پہلے ہی سے مار دو۔ دوسرا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قتل اور خونریزی سے ہی پھیلا۔ اگر اس میں کوئی خوبی ہوتی تو اس کی اشاعت میں یہ ظلم کیوں کرنے پڑتے اور مظلوم غیر مسلموں کو بلا قصور کیوں قتل کیا جاتا۔ (ستیارتھ پرکاش)

جواب: پنڈت جی ہم مانتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ یہ ہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ ہر اچھی چیز تلوار اور قوت سے ہی پھیلتی ہے بری چیز خود بخود بڑھتی رہتی ہے۔ بدامنی' بیماری' حرامکاری خود بخود پھیلتی ہے۔ مگر امن و تندرستی پھیلانے اور حرامکاری روکنے کے لئے بہت قوت اور دولت خرچ کرنی پڑتی ہے تمہارا دھرم گھاس پھوس اور بیماری کی طرح خود بخود پھیلا ہو گا ہمارا اسلام تو بے شک طاقت اور جہاد سے ہی پھیلا۔ پنڈت جی تمہارے دھرم نے طاقتوروں کے سایہ میں رہنا سکھایا۔ ہمارے اسلام نے خود طاقت ور بن کر دوسروں کو اپنے سایہ میں رکھنے کی تعلیم دی۔ انہیں غلط اصولوں سے ہندوستان ہمیشہ دوسروں کا غلام رہا۔ آپ جو آرام کر رہے ہو یہ بھی برٹش گورنمنٹ کی تلوار کے سایہ صدقہ ہے۔ اسلام نے بے قصوروں سے جنگ نہ کی بلکہ مذہبی آزادی کے لئے آڑ کو ہٹایا۔

تفسیر صوفیانہ : روح مومن ہے۔ نفس امارہ اور شیطان جنگجو کافر دل بیت اللہ۔ کیونکہ تجلی گاہ الٰہی ہے۔ سینہ اس کا حرم۔ یہاں روح سے خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اے روح تو اپنے ساتھی ملائکہ وغیرہ کو لے کر شریعت کے ہتھیار اور طریقت کی ڈھال کے ذریعہ نفس و شیطان سے جنگ کر جو ہر وقت تیری تباہی کے فکر میں رہتے ہیں مگر حد سے نہ بڑھنا کہ نفس کے شرعی حقوق بھی مار کر اسے بالکل تباہ کر دے بلکہ اس کی سرکشی مٹا کر راہ راست پر لگا دے۔ اللہ تعالیٰ محبت اور توحید و عدالت کی حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے روح تو جہاں کہیں نفس اور اس کے افعال کو پائے اسے قتل کر ڈال جیسے کہ اس نے کعبہ دل اور حرم سینہ سے تجھے نکالنے کی کوشش کی اور اس کعبہ میں لذتوں اور شہوتوں کے بت رکھ دیئے تو بھی وہاں سے اسے نکال کر اپنا قبضہ کر اور اس دل کو بجائے بیت الاصنام (بت خانہ) کے بیت الحرام بنا دے۔ پھر جب یہ کافر نفس عاجزی کرتا ہوا اس کعبہ میں آنا چاہے تو اس سے قتال نہ کر جب تک وہ تجھ سے جنگ نہ کرے کیونکہ اب وہ نفس تیرا مددگار ہو گا نہ کہ دشمن غرضیکہ کعبۂ دل کو دنیوی بتوں سے پاک کر کے اسے خانہ خدا بناؤ۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ پہلے قریبی کافروں کو مارو پھر دور والوں کو انسانی کفار دور کے کافر ہیں مگر بہت قریب اور سخت تر کافر نفس اور شیطان ہے۔ وہ کفار تو صلح وغیرہ سے بھی راضی ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بغیر دین برباد کئے راضی نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں مولینا فرماتے ہیں۔

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں! ماند خصمے زوبتر در اندروں

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست شیر باطن سخرہ خرگوش نیست

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند شیر آں است آنکہ خودرا بشکند

غیر کو مارنا آسان ہے اپنے کو مارنا بہت مشکل۔ قتل کفار سہل مگر نفس نابنجار کا قتل سخت دشوار۔ (تفسیر روح البیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے مگر اس کی قسمیں بہت ہیں۔ بت خانہ' کوڑی' عام زمین' مسجد' کعبہ معظمہ کی زمین سب اللہ کی زمینیں ہیں مگر ان کے فوائد و فضائل یکساں نہیں۔ اسی طرح انسانوں کے دل اللہ کی مخلوق ہیں مگر کفار کا دل جس میں کفر و عناد ہے۔ بت خانہ ہے اور جن دلوں میں حسد' کینہ' طمع' بخل وغیرہ بھرے ہیں وہ گویا کوڑی ہیں جن دلوں میں غفلت ہے وہ عام زمین شورہ کی طرح ہیں۔ جن دلوں میں اطاعت الٰہی کا جذبہ ہے۔ وہ مسجدیں ہیں اور جن میں عشق الٰہی' محبت مصطفوی ہے وہ کعبتہ اللہ یا حرم کعبہ' میں تمام مسجدیں کعبہ کی طرف ہیں مگر مسجد حرام میں کعبہ واقع ہے لہٰذا یہ مسجد تمام

مسجدوں سے افضل اسی طرح مطیعوں کے دل رب کی طرف ہیں مگر عشاق کے دل میں رب کا نور رہتا ہے لہذا یہ دل ان دلوں سے افضل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در دل مومن بگنجیم اے عجب! گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

اللہ وہ دل دے جو کاشانہ عیار ہے وہ دل نہ دے جو پاخانہ اغیار ہے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا
اور جنگ کرو اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جاوے دین واسطے اللہ کے پس اگر باز آجائیں
اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور ایک اللہ کی پوجا ہو۔ پھر اگر وہ باز آئیں
فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾
تو نہیں ہے زیادتی مگر اوپر ظالموں کے
تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حرم شریف میں جنگ کی ابتداء کا ذکر تھا۔ اب اس کی انتہا کا تذکرہ ہے۔ جنگ و جہاد کے تین حالات ہوتے ہیں۔ ابتداء' دوران جنگ کے حالات انتہا' ان میں سے کسی حال میں ذرا سی غلطی قوم کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کے پہلے دو حالات کی تعلیم دے کر اب جنگ ختم کرنے کی تعلیم دی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر کفار حرم میں جنگ کریں تو تم بھی انہیں قتل کرو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ فقط قتل ہی مقصود نہیں بلکہ اگر وہ جنگ چھیڑ کر بعد میں ایمان لے آئیں تو بھی تم جنگ ختم کر دو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر کفار باز رہیں تو اللہ غفور رحیم ہے یہ نہ معلوم ہوا کہ کس چیز سے باز رہیں۔ اب اس کی شرح فرمائی جا رہی ہے کہ فتنہ سے۔

تفسیر: **و قاتلوھم** یہ قاتلوا فی سبیل اللہ پر معطوف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جنگ چھڑ جانے کے بعد کا حکم ہے اور ھم سے مراد کفار مکہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس قاتلوا سے ابتداء جنگ مراد ہو اور ھم کا مرجع کفار مکہ یا عام کفار ہوں۔ اس صورت میں یہ آیت پچھلی آیت کی ناسخ ہے کہ اس میں جہاد کی بلاقید اجازت دی گئی۔ یہی تفسیرات احمدیہ نے اختیار کیا یعنی جب کفار مکہ سے جنگ چھڑ جائے تو تم انہیں اس وقت تک قتل کرو یا اے مسلمانو ماہ حرام اور حرم کی کوئی قید نہیں تم ہر حال ہر وقت ہر جگہ ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ **حتی لا تکون فتنۃ** بعض نے فرمایا کہ فتنہ سے مراد غلبہ کفار ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ان کی ایذا رسانی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس سے شرک' کفر مراد ہے۔ کیونکہ یہی تمام فتنوں کی جڑ ہے یعنی تم کفار مکہ سے یہاں تک

جنگ کرو کہ اس زمین پاک میں کفر شرک باقی نہ رہے۔ جزیہ یا صلح پر فیصلہ نہ کرلو۔ کیونکہ کفار حرم سے جزیہ وغیرہ کی اجازت نہیں۔ ان کو اسلام ہی لانا پڑے گا۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں جب کفار سے جنگ چھڑ جائے تو ان کی پوری سرکوبی کئے بغیر جنگ بند نہ کرو ان کی ظاہری خوشامد اور پالیسی کی صلح کی درخواست پر کان نہ دھرو کہ اس سے تم دھوکہ کھا جاؤ گے اس وقت تک جنگ کرو کہ فتنہ بالکل نیست و نابود ہو جائے۔ **و یکون الدین للہ** ظاہر یہ ہے کہ 'الدین میں الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور اس کا مضاف الیہ یا کفار ہیں یا حرم۔ للہ کا لام خصوصیت کا ہے۔ یعنی کفار مکہ کا دین یا اس زمین پاک کا دین 'دین الٰہی (اسلام) ہو جائے کہ خدا کے سوا کسی اور کی پرستش نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سے مراد عبادت ہو یعنی اس زمین پاک میں اللہ ہی کی عبادت ہوا کرے نہ کہ بتوں اور درختوں وغیرہ کی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے فقط کفار مکہ ہی مراد نہیں بلکہ عام کفار مقصود ہیں اور یہ آیت جزیہ کی آیت سے منسوخ ہے گویا پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ کفار کو اسلام لانے پر ہی مجبور کریں۔ پھر جزیہ کی بھی اجازت دی گئی۔ تفسیر احمدی نے اس کی نہایت نفیس تفسیر اور بھی کی ہے۔ وہ یہ کہ **قاتلوھم** میں 'ھم سے مراد سارے ہی مشرکین ہیں اور حتیٰ 'لام کے معنی میں ہے اور الدین سے مراد دین غالب ہے یعنی تم کفار سے شرک مٹانے کی نیت سے جنگ کرو اور اس لئے جہاد کرو کہ دین الٰہی غالب ہو کہ یا تو کفار ایمان لے آئیں یا جزیہ قبول کرلیں۔ اس صورت میں یہ آیت عام کفار کے حق میں ہے اور منسوخ بھی نہیں۔ **فان انتھوا** یہ پچھلے جزء کا بیان ہے یعنی اگر یہ کفار جنگ کی حالت میں یا جنگ سے پہلے ہی شرک یا تمہارے مقابلہ سے باز آجائیں اور جزیہ قبول کرلیں یا اگر یہ کفار مکہ اسلام لے آئیں **فلا عدوان الا علی الظلمین** اگر انتھوا سے ایمان لانا مراد ہے تو ظالم سے مرتد 'ڈاکو زانی 'قاتل و باغی مراد ہے اور اگر وہاں جنگ سے باز آنا مراد تھا تو یہاں ظالم سے باغی اور جزیہ کا منکر مراد ہے یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد مرتدین 'باغی 'زانی 'قاتل وغیرہ ظالموں کے سوا کسی پر سختی نہ کرو یا کفار کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد سوا سرکش ظالموں کے اور کسی پر زیادتی نہ کرو۔ خلاصہ یہ کہ پہلے تو ان سے مذہبی جنگ لڑی جائے گی مگر ان کے اطاعت کرلینے پر یہ جنگ تو ختم ہو جائے گی۔ پھر اگر کوئی جرم کریں گے تو اس کی سزا ہوگی۔

خلاصہ تفسیر : جنگ پانچ قسم کی ہے۔ دو 'مدعیان اسلام سے سیاسی جنگیں اور تین 'کفار سے مذہبی لڑائیاں۔ باغیوں' خارجیوں سے جنگ پہلی قسم کی جنگیں ہیں۔ کفار عرب سے جنگ 'کفار عجم سے جنگ 'مرتدین سے جنگ۔ یہاں کفار سے پہلی دو قسموں کی جنگوں کا ذکر ہے یعنی کفار عرب سے جنگ یا کفار عجم سے جنگ اور **فان انتھوا** میں باغیوں 'خوارج سے جنگ کی طرف اشارہ ہے اور ڈاکوؤں 'چوروں 'زانیوں کی سزا کی طرف بھی یعنی اے مسلمانوں تم کفار عرب سے یہاں تک جنگ کرو کہ اس زمین پاک میں شرک 'کفر 'بے دینی بالکل نہ رہے اور اس خطہ میں خالص اللہ کا دین یعنی اسلام ہی رہ جائے۔ کیونکہ یہاں کفار سے جزیہ یا صلح جائز نہیں۔ اس زمین کا کفر سے پاک ہونا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ جگہ عبادت الٰہی کے لئے خاص ہے۔ پس اگر یہ بے دینی اور کفر سے باز آجائیں تو ان پر کوئی دست درازی نہ کرو۔ ہاں مجرموں کو سزا ضرور دو۔ زانی 'قاتل 'مرتد ضرور سزا کے مستحق ہیں۔

دوسری تفسیر : اے مسلمانو! کفار سے جنگ اس نیت سے کرو کہ زمین میں فتنہ اور فساد نہ رہے اور غلبہ دین الٰہی یعنی اسلام کو ہو جائے۔ یا تو اس طرح کہ کفار ایمان لے آئیں یا جزیہ قبول کرلیں۔ پس اگر یہ جنگجو لوگ اسلام لا کر یا جزیہ قبول کر کے جنگ

سے باز آجائیں تو ان پر کوئی زیادتی نہ کرو۔ ہاں باغیوں' جزیہ سے انکار کرنے والوں یا ڈاکوؤں وغیرہ کو ضرور سزا دو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد خدمت اسلام سمجھ کر کرنا چاہئے۔ اس میں دنیوی فائدہ مد نظر نہ ہو۔ اسی کا ثواب ہے اور یہی حقیقی جہاد۔ **دوسرا فائدہ:** عرب اور دیگر ممالک کے کفار میں یہ فرق ہے کہ عرب کے کفار سے جزیہ یا صلح قبول نہ کی جائے گی یا تو وہ مسلمان ہوں یا زمین عرب خالی کردیں کیونکہ یہ جگہ عبادت الٰہی کے لئے بنی۔ وہاں دو دین نہیں رہنے چاہئیں۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ نیز خود آپ نے یہودیوں کو مدینہ پاک سے خیبر کی طرف نکالا اور عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں سے بھی ان کو نکالا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کے دیگر احکام میں تو خود حکم پر عمل کرنا ہر ایک پر لازم ہے ہر مسلمان نماز پڑھے' ہر مالدار زکوٰۃ دے' حج کرے' ہر مومن روزہ رکھے مگر قاتلوا کے حکم میں ہر شخص پر قتل لازم نہیں۔ بلکہ مجاہدین میں کوئی لڑے گا کوئی لڑائے گا کوئی غازیوں کا کھانا پکائے گا کوئی وطن میں رہ کر ملک کی حفاظت کرے گا کوئی غازیوں کے بال بچوں کی خدمت کرے گا۔ یہ سب لوگ قاتلوا کے امر پر ہی عامل ہوں گے۔ جہاد نام ہے شمشیر و تدبیر کا ان دونوں سے ہی فتح و نصرت کی نعمت ملتی ہے۔ فتح کے لئے تدبیر عمل بنیاد کے ہے اور جوانوں کی شمشیر عمل دیوار کے شمشیر کے لئے نوجوان بہادر بھرتی کرو اور تدبیر کے لئے جہاندیدہ بوڑھے حضرات کی خدمات حاصل کرو خالد ابن ولید کی شمشیر اور ابو عبیدہ ابن جراح کی تدبیر پر فتوحات فاروقی کا سہرا ہے۔

مسئلہ : جزیرہ عرب میں کفار کو وطن بنانے کی اجازت نہیں اور اگر بزور رہنا چاہیں تو غیر حرم میں جنگ کرکے بھی ان کو نکال دیا جائے گا اور حدود حرم میں اولاً ان سے جنگ نہ کی جائے بلکہ تنگ کرکے یہاں سے نکل جانے پر مجبور کیا جائے اور گروہ کسی طرح وہاں سے نہ ہٹیں اور نکالنے پر لڑنے کو آمادہ ہو جائیں تو اس وقت ان سے جنگ بھی جائز ہے۔ غیر عرب کے کفار جو عارضی طور پر وہاں جائیں ان کا یہ حکم نہیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں کفار بادشاہوں کے ایلچی (قاصد) حاضر ہوا کرتے تھے۔ **مسئلہ:** چند شخصوں کا قتل جائز ہے۔ کافر حربی' باغی' مرتد' قاتل' ڈاکو اور شادی شدہ زانی۔ یہ سب مسائل اسی آیت سے حاصل ہوئے۔ اور در مختار و رد المحتار وغیرہ میں ان کی پوری تشریح ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے اور دنیا میں فقط اسلام ہی باقی رکھا جائے۔ حدیث میں بھی ہے۔ **امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ** (مشکوٰۃ کتاب الایمان)۔ یعنی مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے یہاں تک جنگ کروں کہ وہ کلمہ پڑھ لیں۔ مگر قرآن پاک میں دوسری جگہ فرمایا گیا **لا اکراہ فی الدین** دین میں جبر جائز نہیں۔ نیز قرآن کریم نے جزیہ کے احکام بتائے۔ اور حضور علیہ السلام نے بھی جزیہ لیا۔ ان دونوں باتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** تفسیر میں اس کے چند جواب گزر گئے۔ ایک یہ کہ یہ آیت اور حدیث کفار عرب کے لئے ہے اور جزیہ کی آیتیں دیگر کفار کے لئے کیونکہ عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت و حدیث میں حتیٰ لام کے معنی میں ہے یعنی تم دنیا کے لئے نہیں بلکہ فساد مٹانے اور اسلام پھیلانے کی نیت سے جہاد کرو اور ریاکاری سے دور رہو۔ تیسرے یہ کہ فتنہ سے مراد جنگ اور دین سے مراد دین غالب ہے یعنی اس وقت تک جنگ کرو جب تک کہ جنگ کی آگ بجھ نہ جائے اور اسلام سے دینی رکاوٹیں اٹھ نہ جائیں کہ مسلمانوں کو دینی آزادی حاصل ہو۔ **دوسرا اعتراض:** عرب میں کفار کے

رہنے کی اجازت کیوں نہیں۔ یہ تو ایک قسم کا ظلم ہے۔ جواب: جیسے کہ شاہی محل میں صرف شاہی نوکر چاکر اور خدام رہتے ہیں کسی اور کو رہنے کی اجازت نہیں۔ باقی زمین میں جو چاہے رہے ایسے ہی وہ زمین رب کی خاص زمین ہے۔ وہاں اس کے خاص بندے مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ گرجا اور مندر کے حدود میں غیروں کو نہیں رکھا جاتا۔ کیونکہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے عقیدوں میں وہ جگہ خاص رب کی ہے ایسے ہی یہ ملک خاص اسی کا ہے۔ اب دنیوی حکومتوں نے بھی افریقہ وغیرہ ممالک کے لئے یہ قانون بنا دیئے ہیں کہ وہاں دوسرے ملک کے باشندے وطن بنا کر نہیں رہ سکتے۔ ایسے ہی یہاں بھی کیا گیا نیز زمین عرب صرف عبادت کے لئے ہے کیونکہ وہاں بیت اللہ واقع ہے چاہئے کہ وہ جگہ سیاسی اڈہ اور جنگی اکھاڑہ نہ بنے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جبکہ وہاں صرف مسلمان آباد ہوں۔ مختلف قوموں میں فساد یقینی ہے۔ اسی لئے قدرت نے وہ زمین دنیوی خوبصورتیوں سے پاک صاف رکھی۔ خشک ریگستان ہے تاکہ وہاں دنیاداروں کو جانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ **تیسرا اعتراض:** مذہبی آزادی چاہئے۔ جہاد در حقیقت غیر مذہب والوں پر ظلم ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے مذہبی آزادی دی۔ آپس کی محبت بندوں پر مہربانی اچھی چیز ہے۔ مگر قرآن اس سے خالی ہے۔ انجیل نے اس کا بہت اچھا سبق دیا۔ ہندو مذہب تو بڑا ہی رحم والا ہے۔ جس میں آدمی تو کیا جانور کا بھی قتل روا نہیں (نیچری)۔ جواب: اخلاق اور چیز ہے اور ملکی سیاست دوسری چیز ہے۔ اپنے ذاتی معاملات میں محبت، مہربانی، سلوک بہتر ہے جس کی قرآن کریم و حدیث شریف نے جگہ جگہ تعلیم دی۔ فرمایا **ادفع بالتی ھی احسن**۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو۔ دوسری جگہ فرمایا **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان**۔ اللہ انصاف اور نیک سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اس جیسی بہت سی آیتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا **صل من قطعک واعف عمن ظلمک** جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو۔ جو تم پر ظلم کرے تم اسے معافی دے دو۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہربانیاں اور معافیاں دنیا بھر میں مشہور و معروف ہیں۔ یہ سب ذاتی معاملات ہیں۔ مگر عدل و انصاف کے قانون سرکشوں اور گمراہوں کو سزا، بدمعاشوں اور نالائقوں پر سختی ملکی قانون ہے۔ اگر ہر جگہ معافی اور مہربانی ہی استعمال کی جائے تو دنیا سے امن اٹھ جائے۔ پچھلے پیغمبروں نے بھی کفار سے جنگ کی۔ عیسائی بادشاہوں نے دنیوی حقوق کے لئے اور انسانی آزادی ہٹا کر سب کو اپنا غلام بنانے کے لئے بڑی بڑی خونریزیاں اور لڑائیاں کیں اور کر رہے ہیں۔ اسپین میں مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم ہوئے، ہندوؤں میں بھی ویدیوں اور بدھ مذہب والوں سے سالہا سال قتل عام ہوئے۔ ہندوؤں کی مہابھارت اور کوروؤں پانڈوؤں کی لڑائیاں اب تک مشہور ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے یہ معافی کے قانون فقط زبانی ہیں۔ ان پر عمل ناممکن مگر اسلام چونکہ عملی مذہب ہے اس میں اخلاق کی بھی تعلیم ہے اور سیاست کی بھی۔ مسلمانوں کی لڑائیاں ان جنگوں کے مقابلہ میں سراپا رحمت تھیں۔ حضور علیہ السلام کی ساری جنگوں میں 1008 آدمی مارے گئے۔ عورتیں، بچے، بیمار ہمیشہ قتل سے محفوظ رہے مگر اب وحشیانہ بمباری میں پہلے عورتوں بچوں پر ہی ہاتھ صاف ہوتا ہے۔ اور ہزار آدمی تو ایک منٹ میں مرتے ہیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کی آنکھ میں تنکا ڈھونڈا جاتا ہے۔ اس کی پوری تحقیق کے لئے تفسیر حقانی یہی آیت دیکھو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظالموں پر عدوان یعنی ظلم جائز ہے۔ ظلم تو کسی پر بھی اچھا نہیں۔ اور مجرم کی سزا جرم نہیں۔ پھر یہاں عدوان کیوں فرمایا گیا۔ جواب: عدوان کے معنی سبیل اور حجت کے بھی ہیں۔ جیسے **ایما الاجلین** قضیت فلا عدوان علی، ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی عدوان کے یہی معنی ہوں۔ اور ممکن ہے کہ سزاء ظلم کو مجازاً "ظلم کہا گیا ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے نتیجہ کار بد کا کاربد ہے۔ یا جزاء

تبلغہ ستھنہ(مواہب الرحمن)۔

تفسیر صوفیانہ : نفس نے کعبہ دل پر قبضہ جمالیا اور حرم سینہ میں فتنہ پھیلایا۔ روح کو حکم ہوا اے روح تو اس نفس سے یہاں تک جنگ کر کہ اس حرم و کعبہ میں اس کا کوئی فساد باقی نہ رہے کہ نہ برے خیالات پیدا ہوں اور نہ عبادات میں بے لطفی سب کی توجہ رب کی طرف ہی ہو جائے اور وہاں رحمانی سلطنت قائم ہو۔ شیطان اور طغیان کا یہاں سے دخل جاتا رہے اگر نفس ان حرکتوں سے باز آجائے تو اے روح تو بھی اس پر زیادتی نہ کر اور اگر پھر بھی یہ حدود شریعت توڑنا چاہے تو تو اس ظالم کو سخت سزا دے کر اس سے باز رکھ۔ غرضیکہ اسے اس حرم میں رکھ تاکہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ روح انسانی ہزارہا کفار کے زغہ میں گھری ہے۔ نفس امارہ 'شیطان' برے یار 'دنیاوی کاروبار یہ وہ لشکر ہے جو روح و دل کو رب سے غافل کرتا ہے۔ روح کو چاہئے کہ شریعت کے ہتھیار 'طریقت کی ڈھال' شیخ وقت کی مدد قرآن کریم 'صبر کے ذریعے نفس پر جہاد اکبر کرے۔ نفس کو مغلوب کرنے والا بڑا ہتھیار اس کی مخالفت ہے۔ اگر دو رکعت نماز سے روکے تو چھ نفل پڑھو۔ اور کہو کہ اگر آئندہ روکے گا تو بارہ پڑھوں گا اگر دو پیسہ خیرات سے روکے تو ایک روپیہ صدقہ کرو اور کہو کہ اگر آئندہ تو نے مجھے خیرات سے روکا تو دو روپیہ خیرات کروں گا۔ انشاء اللہ چند دن میں نفس رام ہو جائے گا بلکہ کچھ عرصہ بعد یہی نفس امارہ 'ملمت بن کر اچھی باتوں کا مشورہ دینے لگے گا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا ان النفس الامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی یہ نفس مرحوم جس پر اللہ کا رحم ہے۔ یہی تابع کیا ہوا نفس ہے۔ رب توفیق بخشے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى
مہینہ حرمت والا ہے بدلے مہینے حرمت والے کے ہے اور عظمتیں بدلہ ہیں پس جو زیادتی کرے
ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے تو جو تم پر زیادتی کرے اس پر
عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
اوپر تمہارے پس زیادتی کرو اوپر اس کے مثل اسی کے جو زیادتی کی اوپر تمہارے اور ڈرو اللہ سے
زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی اور اللہ سے ڈرتے رہو
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
اور جانو کہ تحقیق اللہ ساتھ پرہیزگاروں کے ہے۔
اور جان رکھو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق : عمرۃ قضا میں مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ اگر کفار نے بدعہدی کی اور ہمیں جنگ کرنی پڑ گئی تو ہم پر تین گناہ ہوں گے۔ حرم شریف اور احرام کی بے حرمتی کا اور ماہ حرام یعنی ذیقعد کی بے حرمتی کا۔ پہلے دو اندیشے تو پچھلی آیت میں دفع کر دیئے گئے کہ تمہیں وہاں حملہ روکنے اور جوابی حملہ کرنے کی اجازت ہے۔

تیسرا شبہ اب دور کیا جارہا ہے کہ ماہ حرام کی حرمت بے شک اچھی ہے مگر جان بچانا بھی فرض ہے اگر جان پر آ پڑے تو ضرور بچاؤ۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں محترم جگہ یعنی مسجد حرام کا ذکر تھا اب محترم وقت یعنی ماہ ذیقعد کی حرمت کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ظالموں کو سزا دو۔ اب گویا اس کی شرح ہو رہی ہے کہ جو ماہ حرام کا لحاظ نہ کرے اور تم پر اس میں حملہ کرے، تم اس کو ضرور جواب دو۔ کیونکہ اس میں اس مہینہ کی بے حرمتی نہیں بلکہ بے حرمتی کرنے والوں کو سزا ہے۔ جس سے اس کی حرمت کا بقا ہے۔

تفسیر: **الشھر الحرام بالشھر الحرام** ۔ یہاں شہر جنسی معنی میں ہے۔ جس میں چاروں محترم مہینے یعنی رجب، ذیقعد، ذی الحجہ، محرم داخل ہیں۔ حرام یا تو بمعنی محترم ہے یا حلال کا مقابل۔ محترم مہینے یا وہ مہینے جن میں جنگ حرام ہے اور **بالشھر** سے پہلے مقابل فعل پوشیدہ ہے۔ یعنی محترم مہینہ کی حرمت، حرمت کے مقابلہ میں کی جائے گی۔ کہ اگر مشرکین اس کا ادب کرتے ہوئے جنگ سے باز رہیں تو تم بھی باز رہو اور اگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جنگ شروع کر دیں تو تم اس کا لحاظ کر کے اپنے کو ہلاک نہ کرا دو۔ تفسیر روح المعانی و روح البیان وغیرہ نے یہ بھی کہا کہ سال حدیبیہ میں کفار مکہ نے مسلمانوں پر کچھ پتھر اور تیر پھینکے تھے جس کا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب عمرۃ القضاء کے وقت فرمایا گیا کہ اگر تمہیں جنگ کرنا پڑ جائے تو تم پر کوئی کافر اعتراض کرے تو جواب دے دینا کہ یہ گذشتہ سال کی بے حرمتی کا بدلہ ہے کہ تم نے پچھلے سال ماہ حرام میں ہی ہم پر تیر چلائے تھے۔ اب تمہیں سزا دی جارہی ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ کفر سے ہلکی ہے۔ جب تم ماہ حرام میں کفر سے باز نہیں رہتے تو اگر ہم تم سے جنگ کریں اور سزا دیں تو تم کیوں اعتراض کرتے ہو اور ماہ حرام پر ہی کیا موقوف ہے بلکہ **والحرمت قصاص** ۔ ساری عزتیں، حرمتیں بدلے کی ہیں۔ حرم، احرام، مسجد حرام، ماہ حرام کی حرمتوں کا یہی حال ہے بلکہ جانی، مالی عزت وغیرہ کی حرمت کا بھی یہی حال کہ تم ہماری حرمت کرو ہم تمہاری عزت کریں گے۔ اگر تم ہمارا لحاظ نہ کرو تو ہم سے بھی لحاظ کی امید نہ رکھو (روح البیان)۔ اگر تم ہم کو یہاں سے روکتے ہو تو ہم جبراً داخل ہوں گے۔ اسی ایک جملہ والحرمات قصاص میں بڑا اسلامی قانون بیان ہو گیا۔ جس سے دنیا کا امن اور عالم کا انتظام قائم ہے اگر بعض کا ادب شرعی سزاؤں سے مانع ہو جایا کرے تو دنیا میں کوئی امن سے نہ رہ سکے [illegible] جو چاہیں ظلم کریں۔ دینی قانون توڑیں۔ حاکم ان کے ہاتھ ہی چوم لے تو امن ختم ہو گیا۔ اگر کفار جنگ میں قرآن شریف یا مسلمانوں کو سامنے کر دیں ہم ادب کی وجہ سے حملہ نہ کر سکیں تو ہمارے مسلمان مارے جائیں۔ ان موقعوں پر ادب پر قانون کا احترام غالب رہے گا۔ غرضیکہ یہ جملہ صوفیانہ عاقلانہ بہت سے مسائل کو حاوی ہے۔ **فمن اعتدی علیکم** ۔ اعتدٰی اگرچہ ہر زیادتی کو شامل ہے مگر یہاں ماہ حرام کی زیادتی مراد ہے کیونکہ اسی کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جو کافر تم پر ماہ حرام میں زیادتی کرے تو تم برداشت نہ کرتے رہو بلکہ **فاعتدوا علیہ** ۔ تم بھی اس پر زیادتی کرو یعنی اس کا جواب دو کہ اگر تمہیں بیت اللہ سے روکیں تو تم جبراً وہاں جاؤ اور اگر اسی میں تمہیں ان سے لڑنا پڑ جائے جس سے زمین حرم انسانی خون سے رنگین ہو جائے تو اس کی پرواہ نہ کرو۔ خیال رہے کہ اعتدٰی، عدو سے بنا بمعنی حد سے بڑھ جانا جیسے عالم اجسام میں گھر، محلہ، شہر، گلی کوچہ، ضلع، ملک، سلطنت کی حدیں مقرر ہوتی ہیں۔ ایسے ہی عالم ارواح میں عقائد، عبادات، معاملات کی حدیں مقرر ہیں حتیٰ کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک کی حدود ہیں مگر یہ حدود

مسلمانوں کے لئے ہیں۔ لہذا یہاں ان حدود سے بڑھنا مراد ہے۔ جو صلح حدیبیہ میں فریقین میں طے ہوئے تھے کہ آئندہ سال تین دن مکہ معظمہ میں مسلمان ٹھہریں ہم ان کو مثل مہمانوں کو ٹھہرائیں گے۔ اگر ان شرطوں کی حدود سے کفار مکہ آگے بڑھیں تو تم بھی ان طے شدہ شرطوں کے خلاف کرسکتے ہیں۔ مگر حد سے بڑھ کر نہیں بلکہ **بمثل ما اعتدی علیکم** اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی۔ خیال رہے کہ یہاں مثل سے برابری مراد ہے نہ کہ مشابہت کیونکہ بعض جرموں کی سزا اس کی مثل دی جاتی ہے۔ چپت کا جواب چپت اور جوتے کا جواب جوتا اور بعض جرموں کی سزا اور طریقہ سے۔ چوری کا بدلہ ہاتھ کاٹنا' زنا کا بدلہ رجم یعنی سنگسار کرنا۔ پھر یہ برابری ہم اپنی عقل سے معلوم سے نہ کریں بلکہ شریعت نے جو سزا جس جرم کے برابر قرار دی وہی اس کی برابری ہوگی لہذا ہاتھ کاٹ ڈالنا چوری کی اور رجم کرنا زنا کی مثل ہے اگرچہ ہماری عقل اس کی مثلیت محسوس نہ کرے۔ روئی کا ایک من کے باٹ کے برابر ہونا آنکھ سے معلوم نہیں ہوتا ترازو سے معلوم ہوتا ہے۔ شریعت ترازو ہے عقل مثل آنکھ کے بیکار ہے۔ غرض یہ ہے کہ نہ تو تم جنگ کی ابتدا کرو اور نہ زیادتی کی سزا حد سے زیادہ دو۔ **واتقوا اللہ** بدلے لیتے وقت اللہ سے ڈرتے رہو کہ نہ تو جرم سے زائد بدلہ اور نہ ناجائز کام کرو لہذا ایک تھپڑ کا بدلہ دو سے نہ لو۔ اور زنا کے بدلے زنا نہ کرو۔ **و اعلموا ان اللہ مع المتقین** یہ ہمیشہ خیال رکھو کہ پرہیزگاروں کے ساتھ رب ہے کہ ان کی ہمیشہ مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ اور شوکت دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگر قضا عمرہ کے وقت کفار بد عہدی کریں اور تمہیں ان سے جنگ کرنا پڑ جائے تو تم ضرور جنگ کرو۔ اگر وہ تم سے کہیں کہ تم نے جنگ کرکے ماہ ذیقعد کی بے حرمتی کی تو انہیں جواب دے دو کہ ان مہینوں کی حرمت عوضی اور بدلے کی ہے۔ اگر تم حرمت کرو گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر تم اس کا لحاظ نہ کرکے ہم سے جنگ کرو گے۔ اور اس بہانہ سے ہمیں قتل کرنا چاہو گے تو ہم خاموش رہ کر قتل نہ ہوں گے تم ان مہینوں کو ہمارے قتل کی آڑ نہ بناؤ۔ ماہ حرام پر ہی کیا موقوف ہے ساری حرمتیں اور عظمتیں بدلہ کی ہیں۔ عزت کرو' عزت کرالو لہذا تم پر جو کوئی زیادتی کرے تم اس کو ضرور جواب دو۔ مگر خیال رکھنا کہ تم بھی جواب میں حد سے نہ بڑھ جانا۔ ورنہ پھر ظالم تم ہوگے اور مظلوم وہ۔ عیش و طیش بلکہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کا مددگار ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بے ادب کا کوئی ادب نہیں۔ جن دیوبندیوں یا دیگر کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی ان کا ادب کرنا جرم ہے۔ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کرنے والے کفار سزا کے مستحق ہوئے تو حبیب اللہ کے گستاخ دیوبندی وغیرہ عزت و عظمت کے مستحق کیسے ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ **والحرمت قصاص** اسی طرح جو اپنے کو سید کہے اور صحابہ کبار یا اہل بیت اطہار پر تبرا کرے وہ تعظیم کا مستحق نہیں وہ سید تو کیا مسلمان بھی نہیں اگر بیٹا حاکم لگا ہو اور باپ اس کی کچہری میں مجرم ہو کر پیش ہو تو اب باپ کا ادب نہ ہوگا۔ بلکہ اس پر شرعی سزا جاری ہوگی۔ استاد' پیر سب کی عزت و حرمت کا یہی حال ہے کہ اگر یہ شرعی مجرم یا بے ادب ہو تو ان کا ادب کوئی نہیں یہ قانون بہت صورتوں پر حاوی ہے۔

دوسرا فائدہ: بدلہ لینے میں بھی شرعی احکام کی پابندی لازم ہے بلکہ بہتر ہے کہ نفس کی خاطر بدلہ نہ لے بلکہ رب کے لئے لے۔ بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

تیسرا فائدہ: بدلہ میں برابری ضروری ہے نہ کہ مشابہت لہٰذا چپت کا بدلہ چپت ہے مگر زنا کا بدلہ زنا نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** اگر غاصب کے پاس چیز ہلاک ہو جائے تو مثلی چیز کا مثل واپس کرے اور غیر مثلی کی قیمت لہٰذا غلہ کے عوض غلہ دے اور جانور کے عوض قیمت۔ **پانچواں فائدہ:** اسلام میں ماں باپ قرآن کعبہ' رمضان' نماز وغیرہ کا بھی ادب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ادب مگر ان سب میں نبی کا ادب و احترام زیادہ ہے کہ ان کے مقابل کسی کا ادب نہیں۔ دیکھو اس موقعہ پر خانہ کعبہ کا بھی ادب درپیش تھا اور ماہ حرام ذیقعد کا بھی اور احرام کا بھی مگر قرآن شریف نے ان تمام ادبوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے مقابل ختم فرما دیا اور فرمایا کہ جو کافر تم پر یا تمہارے نبی پر اس وقت حملہ کردے تو تم جواب دو۔ ظاہر ہے کہ کفار کا حملہ مسلمانوں پر حضوری کی نسبت سے تھا۔ ورنہ کعبہ' ماہ ذیقعد' احرام کا ادب تو وہ بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دامن سے غلامی کا داغ دور کرنے کے لئے تمام جہان کو سات سال کے قحط میں گرفتار کرکے سب کے مال و اسباب کو یوسف علیہ السلام کے ہاں پہنچا دیا بلکہ ساتویں سال تمام لوگ گندم کے عوض اپنے کو آپ کے ہاتھ فروخت کر گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک بے ادب کافر سے فرمایا **امصص بظر اللات** بھلا صدیق اکبر کی پاک و ستھری زبان اور ایسی سخت گالی مگر الحرمات قصاص۔

مسئلہ : چور کے گھر سے اپنا چرایا ہوا مال جبراً" اور چھپا کرلینا جائز ہے۔ جبکہ اور طریقہ سے حاصل نہ ہو سکے یہی حکم سودی پیسہ کا ہے بشرطیکہ بعینہ اپنا پیسہ موجود ہو۔

ترتیب فرضیت جہاد : اس جگہ تفسیر احمدی میں ہے کہ اولاً" حضور علیہ السلام پر صرف تبلیغ فرض تھی۔ جنگ وغیرہ کی اجازت نہ تھی۔ حکم تھا **وما علیک الا البلاغ**۔ کفار کی سختی جھیلنے اور ان سے درگزر کرنے کی سخت تاکید تھی۔ حکم تھا **فاعفوا واصفحوا** انہیں معافی کی آیتیں کہتے ہیں۔ یہ تقریباً" 70 بلکہ تفسیر اتقان میں فرمایا کہ 124 ہیں۔ پھر یہ ساری آیتیں اس آیت سے منسوخ ہوئیں۔ **فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین** جس سے آٹھ مہینے جنگ جائز رہی اور چار محترم مہینوں میں حرام۔ پھر ماہ محترم کی حرمت بھی اس آیت سے منسوخ ہوگئی **وقاتلوا المشرکین کافۃ**" اب حرم کے سوا ہر جگہ ہر وقت حربی کفار سے جنگ جائز ہے۔ ایک زمانہ میں ابتداء" جنگ کرنے کی بھی ممانعت تھی۔ صرف کفار کے حملہ کے جواب کی اجازت تھی پھر وہ بھی منسوخ ہو کر جنگ کی ہر طرح اجازت ہوگئی۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار ماہ حرام کی عزت نہ کریں۔ تو مسلمان بھی نہ کریں۔ یہ عجیب تعلیم ہے کیا اگر کافر' قرآن' نماز' مسجد وغیرہ کی بے ادبی کریں تو مسلمان بھی بے ادبی کرنے میں ان کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ گناہ کا جواب گناہ نہ ہونا چاہئے بلکہ مجرم کو سمجھا کر سیدھے راستہ پر لگانا چاہئے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** معترض بھی عجیب عقلمند ہیں۔ آیت کا مقصد ہی نہ سمجھا۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ اگر کفار کسی بزرگ چیز کو ظلم کا بہانہ بنا کر مسلمانوں کو جنگ کا نشانہ بنائیں تو انہیں اس سے روک دو۔ اگر کوئی مسجد میں نمازی کو قتل کرنا چاہے تو یہ مظلوم نماز یا مسجد کا خیال نہ کرتے ہوئے

نماز توڑ کر اپنی جان بچائے نہ یہ مطلب کہ بے حرمتی کرنے میں اس کی امداد دے۔ ایسے نفیس مضامین ساگ کھانے والے آریوں کے ذہن میں کیسے آئیں؟ بولو پنڈت جی! اگر تمہیں کوئی مندر میں قتل کرنا چاہے تو تم جان بچاؤ گے کہ نہیں؟ یا اگر مسلمانوں سے تمہاری جنگ ہو اور لشکر اسلام کے سامنے گائیں ہوں اور تمہیں خطرہ ہو کہ ان پر حملہ کرنے سے بہت سی گائیں مریں گی اور رحو ہتیا ہو گی تو کیا تم اس ڈر سے ہتھیار پھینک کر اپنا ملک دشمن کے حوالے کر دو گے۔ اگر کر دو تو واقعی تم بڑے عقل مند ہو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان بچانے کے لئے حرم و احرام کا احترام کرنا ضروری نہیں حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ زمین مدینہ میں کچھ مصریوں کے ہاتھوں شہید تو ہو گئے مگر اپنے غلاموں یا دیگر اہل مدینہ کو جنگ کی اجازت نہ دی بلکہ جب قاتل نے گھر میں گھس کر تلوار کا وار کیا تو آپ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ آپ نے روکنے کے لئے ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔ بتاؤ کہ انہوں نے جان کے مقابل زمین مدینہ کا کیوں احترام کیا۔ اس آیت پر کیوں عمل نہ کیا۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت جواز کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے انہیں جان بچانے کی کوشش جائز تھی نہ کہ واجب۔ اگر اس کی کوشش کرتے تب بھی گنہگار نہ ہوتے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت عبادات اور دین کے متعلق ہے یعنی اگر کفار عبادت سے روکنے کے لئے قتل کرنا چاہیں تو اپنی جان بچا کر عبادت کر لو۔ وہاں یہ صورت نہ تھی۔ تیسرے یہ کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی سے معلوم ہو چکا تھا کہ ہماری شہادت یقینی ہے۔ تو جان تو بچے گی نہیں اس زمین پاک کی بے حرمتی بھی کیوں کرائیں۔

تفسیر صوفیانہ : جو وقت یا دن یا مہینہ یا سال اللہ کی یاد میں گزر جائے وہی ماہ حرام ' ہمل حرام ' وقت حرام ہے اور جو غفلت میں گزرے وہ غیر محترم ' فرمایا گیا کہ اے روح اگر نفس امارہ تیرے ذکر اللہ کے محترم وقتوں میں تجھ پر حملہ کر کے ان میں فتور ڈالے تو تو بھی اس کے آرام کے وقتوں میں حملہ کر کے اسے آرام نہ کرنے دے۔ دن کا بدلہ دن سے ' مہینہ کا بدلہ مہینے سے ' سال کا بدلہ سال سے ' ساعت کا ساعت سے کر لے اگر نماز کے وقت سو گیا تو کام کے وقت نماز پڑھ لے اگر روزوں کے زمانہ میں کھاتا پیتا رہا تو کھانے کے زمانے میں روزے رکھ لے۔ اسی طرح نفس تجھ پر جتنا اور جس طرح ظلم کرے تو بھی اتنی اور اسی طرح بدلہ لے بخل کا سخاوت سے غصہ کا بردباری سے اور حرص کا ترک دنیا سے ' شہوت کا ریاضت سے بدلہ لے مگر اس میں زیادتی نہ کرنا کہ مجاہدہ سے نفس کو ہلاک ہی کر ڈالے۔ اس کو زندہ رکھ اور حق کی راہ پر لگا یاد رکھ کہ اللہ ایسے مجاہدوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کے ساتھ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان پر تین قسم کے حالات گزرتے ہیں۔ نارمل حالت ' شہوت یا غضب کی حالت ' جب نفس گناہ کی طرف مائل ہو۔ رب کی رحمت و کرم کی حالت۔ جب نفس نیکی کی طرف مائل ہو ان تینوں حالتوں میں رب کا خوف چاہئے۔ نارمل حالت میں تو اس لئے کہ نفس و شیطان آنا "فانا" گناہ اس طرح کرا دیتا ہے کہ ہم کو احساس بھی نہیں ہوتا بد نظری ' بد کلامی ' ہر وقت کے ہمارے معمولات ہیں آدم علیہ السلام معصوم اور جنت مقام محفوظ پھر احتیاط کس طرح کریں۔ شہوت و غضب میں بھی خدا کا خوف کرے کہ یہ گناہ چند منٹ میں ہو گا مگر اس کی سزا بہت سخت و دراز ہو گی۔ حاکم فیصلہ کرتے وقت بھی ' دکاندار سودا تولتے وقت ' اولاد کی تربیت و تعلیم کے وقت ' دشمن سے بدلہ لیتے وقت خوف خدا کرے۔ عبادت کے وقت بھی خوف خدا کرے کہ نہ تو نفس کے بہکانے سے عبادت سے رک جائے اور نہ عبادت کرنے کے بعد فخر و تکبر کرے اللہ تعالٰی اسی قول کو حال بنا دے۔ اسی لئے رب تعالٰی جگہ جگہ واتقوا اللہ فرماتا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

اور خرچ کرو بیچ راستہ اللہ کے اور نہ ڈالو ہاتھوں اپنے کو طرف ہلاکت کے

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور بھلائی کرو تحقیق اللہ پسند فرماتا ہے بھلائی والوں کو

اور بھلائی والے ہو جاؤ بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا جو کہ بغیر ہتھیار اور اسباب نہیں ہو سکتا اور یہ سامان مال ہی سے جمع ہو سکتا ہے لہٰذا اب صدقہ اور خیرات کا حکم دیا جا رہا ہے گویا جانی قربانی کے بعد مالی قربانی کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں جہاد کا حکم تھا بعض کمزور مالدار اپنے ضعف کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے۔ اب انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تم خود مجبور ہو تو کسی غریب بہادر کو سامان جنگ دے کر جہاد کراؤ یعنی پہلے جہاد کرنے کا حکم تھا اب کرانے۔ تیسرا تعلق: گذشتہ آیتوں میں حج کرنے کا حکم تھا اب غریبوں کو حج کرانے کا ذکر ہے یعنی اے مالدارو! غربا اور مساکین پر پیسہ خرچ کر کے انہیں حج کراؤ۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ چونکہ مالی عبادت بھی تقویٰ کا ذریعہ ہے لہٰذا اب اس کا حکم ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول میں دو روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فتوحات اسلامیہ کافی ہو گئیں اور اسلام خوب پھیل گیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ ہم اب تک اپنے گھر بار اور مال وغیرہ سے غافل رہ کر اشاعت اسلام میں مشغول رہے۔ اب جبکہ رب نے دین کو پھیلا دیا تو آؤ گھروں میں بیٹھ کر دنیوی کام و کاج کریں اور باقی زندگی آرام سے گزاریں۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں انہیں جہاد چھوڑنے اور گھر بیٹھ رہنے کی سخت ممانعت کی گئی کہ جہاد چھوڑ کر اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو فنا نہ کرلو۔ چنانچہ ابو ایوب انصاری آخر عمر تک جنگ کرتے رہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں شہید ہوئے اور وہاں ہی شہر پناہ کے نیچے دفن کئے گئے۔ مسلمان اب تک ان کی قبر شریف سے شفا اور برکت پاتے ہیں (روح البیان و کبیر و احمدی)۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب مسلمان عمرہ قضا کے لئے مکہ معظمہ چلنے لگے تو ایک جماعت فقراء صحابہ کی حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگی کہ ہمارے پاس نہ پیسہ ہے نہ توشہ یہ فریضہ کیونکر ادا ہو۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں مالدار مسلمانوں کو ایسے غرباء کی مدد کرنے کی رغبت دی گئی (احمدی)۔

تفسیر : وانفقوا فی سبیل اللہ۔ انفقوا 'انفاق' سے بنا جس کے لفظی معنی اور معنوی تحقیق ہم شروع پارہ الم میں کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ جائز جگہ خرچ کرنے کو نفقہ یا انفاق کہا جاتا ہے۔ فضول خرچی کو اسراف اور ناجائز جگہ خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں۔ یہاں انفقوا کا مفعول ظاہر نہ کر کے اشارۃً یہ بتا دیا کہ جان' مال' علم' عزت آبرو جس چیز کی اسلام کو ضرورت پڑ جائے خرچ کر ڈالو مگر کہاں' اللہ کی راہ میں۔ سبیل اللہ سے دین اور ساری دینی چیزیں مراد ہیں۔ جہاد' زکوٰۃ' حج' عمرہ' غریبوں کی

مدد، بال بچوں کی پرورش غرض کہ جس چیز میں رضائے الٰہی ہو وہ سب اس میں شامل ہے (روح البیان)۔ یعنی اپنی ہر چیز ہر عبادت اور دینی کام میں خرچ کرو۔ غرضیکہ اسی مختصر سے جملہ نے چند باتوں کا اجمالی ذکر کیا کہ کیا چیز خرچ کرو۔ کہاں خرچ کرو، کس طرح خرچ کرو اور کب خرچ کرو؟ ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

دھن دے تن کو رکھئے اور تن دے رکھئے لاج ۔۔۔ تن من دھن سب واریئے ایک دھرم کے کاج

اسی جملہ کی اگر تفصیلی شرح دیکھنی ہو تو واقعہ کربلا پر نظر کرو حضرت حسین اسی کی زندہ جاوید تفسیر اپنے خون سے کربلا کے ذرات پر ایسے لکھ گئے جو کسی کے مٹائے نہ مٹے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کو غازیوں، حاجیوں، علماء پر خرچ کرنے کا بہت جگہ تاکیدی حکم دیا تاکہ قوم میں ان چیزوں کا شوق پیدا ہو۔ بازار میں وہی مال زیادہ آتا ہے۔ جس کی قوم میں کھپت ہو۔ اسی قسم کے افراد زیادہ پیدا ہوتے ہیں جن کی قوم میں قدر ہو اگر غازیوں، حاجیوں، عالموں کی قوم میں قدر ہوگی تو یہ طبقے زیادہ پیدا ہوں گے۔ دیکھو آج قوال، میراثی، زنخے، ڈوم صرف مسلم قوم میں ہیں۔ سکھ، ہندو، عیسائی وغیرہ میں یہ قومیں نام کو نہیں کیوں صرف اسی لئے کہ مسلم قوم عموماً" عیاش ہے ان طبقوں کی قدر و پرورش کرتی ہے اس لئے یہ بد معاش طبقے صرف مسلمانوں میں ہیں اور یہ طبقے مسلم قوم کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔ **ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ** یہ **لقا** **القاء** سے بنا۔ جس کے معنی ہیں ڈالنا اور ملانا، یہ اپنے آپ متعدی ہے۔ **بایدیکم** کی ب، یا زائدہ ہے اور **ایدی** سے مراد جان اور ذات جیسے **ید اللہ** چونکہ اکثر کام ہاتھ سے ہوتے ہیں اس لئے ید سے ذات اور جان مراد لے لیتے ہیں یا ب، استعانت کی ہے۔ اور **تلقوا** کا مفعول **انفسکم** پوشیدہ ہے اور **ایدی** بمعنی ہاتھ یعنی اپنی جانوں کو نہ ڈالو یا اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو (روح المعانی)۔ الیٰ اس لئے لایا گیا کہ القاء میں پہنچانے کے معنی کا بھی لحاظ ہے۔ **تہلکۃ** اسم مصدر ہے بمعنی ہلاکت، ہلک اور ہلاکت موت کو بھی کہتے ہیں۔ اور کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کو بھی جیسے **ھلک عنی سلطنیہ**۔ اور بگاڑ اور فساد کو بھی ہلاک کہا جاتا ہے۔ جیسے **یھلک الحرث والنسل**۔ اور تہلکہ ہلاکت کے اسباب کو بھی کہتے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ اصل میں **تہلکۃ** لام کے زیر سے ہے جیسے تجربہ اور تبصرہ، پھر لام کو پیش دیا گیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ لام کا پیش اصلی ہے (کبیر) یعنی اے مسلمانو تم بخیل بن کر، یا جہاد چھوڑ کر، یا دنیا میں مشغول ہو کر، یا لوگوں کی امداد ترک کر کے، یا فضول خرچی سے اپنا مال برباد کر کے، یا بے موقعہ جہاں شکست یقینی ہو جنگ کر کے، یا بے سروسامان کسی طاقتور سے لڑ کر اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو (کبیر و روح المعانی)۔ پھر یہ بھی نہیں کہ ہمیشہ خونخوار ہی بنے رہو بلکہ **واحسنوا** مسلمانوں سے یا اپنے اہل قرابت سے یا فقراء سے یا کفار رعایا سے یا بحالت جنگ لوگوں سے بھلائی اور مہربانی کرو کیونکہ **ان اللہ یحب المحسنین** اللہ بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے کہ انہیں ثواب دے گا۔ بعض علماء نے اس جملہ کے یہ معنی کئے کہ نیک اعمال کر کے اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھو کہ وہ ضرور قبول فرمالے گا یا گناہ کر کے رب سے مایوس نہ ہو بلکہ بخشش کی امید پر توبہ کرو۔ توبہ کرتے وقت تو یہ خیال کرو کہ اگر رب تعالیٰ ہم کو بخشنا نہ چاہتا تو توبہ کی توفیق ہی نہ دیتا۔ بخشنا تھا تو توبہ کی توفیق دی۔ نیک اعمال پر یہ خیال کر لو کہ اس نے ہمیں اپنے دروازہ پر بلایا ہے تو کچھ دینے ہی کو بلایا ہے۔ کریم فقیر کو بلائے تو فقیر یہی سمجھ کر جھولی پھیلائے دوڑتا ہے کہ کچھ ملے گا۔

جھولیاں کھول کے یونہی نہیں دوڑے آئے ۔۔۔ ہم کو معلوم ہے دولت تری عادت تیری

اللہ نیک گمان والوں کو پسند فرماتا ہے۔ مایوسوں سے ناراض ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! بخیل نہ ہو بلکہ جہاد' حج' صدقات' کفارات وغیرہ میں اپنی جان و مال عزت و آبرو بقدر ضرورت خرچ کرو اور بخیل یا بزدل بن کر' یا جہاد چھوڑ کر' یا ہلاکت کی جگہ بلا ضرورت جا کر اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لوگوں سے سلوک کرو' ہمیشہ اچھے کام کرو اور رب سے نیک گمان رہو۔ مایوس نہ ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ ایسے ہی نیک کاروں کو پسند فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ خرچ تین طرح کے ہیں اللہ کی راہ میں۔ دنیا کی راہ میں' شیطان کی راہ میں' جس خرچ سے رضاء الٰہی مقصود ہو دنیوی کاموں کے لئے ہو یا دینی وہ فی سبیل اللہ ہے اسی کا یہاں حکم۔ کسی دنیوی جائز کام میں روپیہ صرف کرنا جس میں رضاء الٰہی کا خیال نہ ہو وہ دنیا کی راہ میں ہے اور گویا بیکار کہ نہ اس پر عذاب نہ ثواب۔ حرام رسموں' نام نمود کے کاموں' ناجائز موقعوں پر خرچ کرنا فی سبیل الشیطان یا تبذیر ہے یہ سخت گناہ کہ اس میں پیسہ بھی برباد اور رب کی بھی ناراضی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بخل اور اسراف دونوں ہی ہلاکت کا سبب ہیں۔ ان دونوں سے بچ کر درمیانی چال اختیار کرنا چاہئے۔ دوسرا فائدہ: شیر کے منہ میں جانا' سانپ سے اپنے کو کٹوانا' زہر پینا غرضکہ کسی طرح خودکشی کرنا حرام ہے۔ تیسرا فائدہ: خطرہ کی جگہ بلا احتیاط' بلا ضرورت جانا جیسے بے ہتھیار میدان جنگ میں جانا منع کہ یہ بھی اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ چوتھا فائدہ: بھوک ہڑتال کرنا۔ مرن برت رکھنا حرام ہے کہ اس میں اپنی ہلاکت کا سامان خود مہیا کرنا ہے فی زمانہ مسلمانوں نے یہ حرکتیں ہندوؤں سے سیکھی ہیں اسلام یہ چیزیں نہیں سکھاتا۔

مسئلہ : جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ کیونکہ اس میں بھی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے مگر جہاں تم ہو اور طاعون آ جائے' وہاں سے نہ بھاگو (تفسیر احمدی و خزائن العرفان)۔ مسئلہ: خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھی جائے ہاں اپنے ماں یا باپ کے قاتل پر نماز جنازہ نہ پڑھو۔ ویسے ہی دفن کر دو' آٹھ شخصوں پر نماز جنازہ نہ پڑھو جن میں سے یہ شخص بھی ہے (درمختار صلوۃ الجنازۃ)۔ مسئلہ: امت موسوی میں توبہ کے لئے خودکشی جائز تھی فاقتلوا انفسکم مگر ہمارے ہاں حرام لہٰذا زانی یا قاتل خودکشی نہیں کر سکتا بلکہ اپنے کو قاضی کے سپرد کرے وہ اسے قتل کرائے (از تفسیر احمدی)۔ مسئلہ: بحالت جنگ مسلمانوں کی چھوٹی جماعت کا کفار کی بڑی جماعت پر حملہ کر دینا خودکشی نہیں بلکہ یہ بڑی بہادری ہے۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے اس جگہ ایک روایت نقل کی کہ ایک لڑائی میں کسی مہاجر نے اکیلے ہی لشکر کفار پر حملہ کر دیا لوگوں نے یہی آیت پڑھی اور کہا کہ یہ اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ ابو ایوب انصاری فرمانے لگے کہ نہیں یہ مجاہد ہے اور یہ آیت جہاد چھوڑ دینے کے بارے میں آئی ہے۔ اس کا مقصد میں خوب جانتا ہوں کہ میرے ہی متعلق اتری پہلے تو دس مسلمانوں کو سو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا حرام تھا اب دگنوں کے مقابلہ سے بھاگنا حرام اور زیادہ کے مقابلہ سے نہ بھاگنا مستحب اور بھاگ جانا جائز۔ مسئلہ سلطان اسلام کو چاہئے کہ یقینی شکست کے موقعہ پر جنگ نہ کرے صلح وغیرہ سے ٹال دے (کبیر)۔ مسئلہ: سارا مال خیرات کر کے خود فقیر بن جانا ٹھیک نہیں کیونکہ اس آیت کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ تو کرو مگر سب خیرات کر کے اپنے کو فقیری سے ہلاک نہ کر لو۔ مسئلہ: کوئی نیکی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے اور کبھی کوئی گناہ معمولی سمجھ کر نہ کر لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے۔ بعض گنہگار صرف اسی لئے بخش دیئے جائیں گے کہ انہوں نے ایک دفعہ راستہ سے کانٹا ہٹا دیا تھا جیسا کہ احسنوا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ خیرات لے کر حج کر سکتے ہیں بلکہ حج یا عمرہ کے لئے سوال بھی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ غریب پر حج فرض نہیں اور حج نفل کے لئے سوال جائز نہیں۔ پھر فقراء صحابہ نے نفلی عمرہ کے لئے صدقات کیوں لئے اور رب نے کیوں دلوائے؟ جواب: نفل کی قضا فرض ہے۔ جس کا ادا کرنا ضروری ہے چونکہ ان سب نے پہلے سال عمرہ کا احرام باندھ کر بغیر ادا کئے ہوئے کھول دیا تھا جس کی قضا فرض ہو گئی تھی مگر اس سال بعض کے پاس مال نہ رہا اور قضا واجب تھی۔ اب ان کے لئے صدقات لینا بلکہ سوال کرنا بھی جائز تھا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا منع ہے۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات غار ثور میں سانپ سے اپنے انگوٹھے میں کیوں کٹوایا اور خطرناک غار میں کیوں گھس گئے۔ جواب: بلاوجہ جان دینا گناہ ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ حضور علیہ السلام کی حفاظت اور ان کے آرام کی خاطر کیا۔ اس میں جان جانا جان کی حقیقی قیمت ہے اس سے بہتر جان کا کوئی مصرف ہی نہیں۔ تیسرا اعتراض: اگر سارا مال خیرات کرنا منع ہے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایسا کیوں کیا کہ سب کچھ حضور کی خدمت میں حاضر کر کے گھر میں اللہ رسول کا نام چھوڑا تھا۔ جواب: یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو غریبی پر صبر نہ کر سکیں۔ صدیق اکبر اور ان کے بال بچے صابرین کے سردار ہیں ان کے لئے یہ سب کچھ جائز ہے۔

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان و رواناں دیگر اند

تفسیر صوفیانہ: رب نے مسلمانوں کا جان و مال جنت کے عوض خرید لیا۔ رب خریدار اور مسلمان تجار ہیں۔ ان کے جان و مال در حقیقت رب کی امانت ہے۔ میدان جنگ ادائے امانت کے مقامات' فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! میدان جہاد میں آ کر ہماری امانت ہمیں دو اپنی جنت تم لو۔ اس امانت کو روک کر جنت سے محروم نہ ہو جانا اور اپنے کو ہلاکت میں مت ڈال لینا اور ہر ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرو۔ نفس کو شہوتوں سے' دل کو غفلتوں سے' روح کو غیر اللہ کے تعلقات سے' سر کو مطالعہ مکونات سے بچاؤ۔ نیز خلق سے بھلائی کے ساتھ اور رب سے عبادت کے ساتھ معاملہ کرو۔ بلاؤں پر صبر' نعمتوں پر شکر' ساری مشکلوں میں توکل' رب کی قضا پر رضا اور ذات قدیمہ میں فنا اختیار کرو کہ یہی حقیقی بھلائی ہے۔ اللہ بھلائی کرنے والوں کو پسند کر کے انہیں اپنے دربار تک بلا لیتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو چاہتا ہے کہ ملائکہ کے ساتھ اڑے وہ مہربانی میں سورج کی طرح' پردہ پوشی میں رات کی طرح' عاجزی میں زمین کی طرح بردباری میں میت کی طرح اور سخاوت میں نہر جاری کی طرح رہے (روح البیان) دنیا والوں کے لئے اپنے کو ہلاک کرنا حرام ہے۔ مگر دل والوں کو موت سے پہلے مر جانا حلال۔ مثنوی شریف میں ہے۔

مرگ بے مرگے بود مارا حلال برگ بے برگے بود مارا نوال!

چوں مرا سوئے اہل عشق و ہواست نہی لا تلقوا بایدیکم مراست

زانکہ نہی از دانہء شیریں بود تلخ را خود نہی حاجت کے شود

دانہء مردن مرا شیریں شدہ است بل ہم احیاء پئے من آمدہ است

(روح البیان)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا
اور پورا کرو حج اور عمرہ کو واسطے اللہ کے پس اگر روک لئے جاؤ پس جو کچھ میسر ہو ھدی سے اور نہ
اور حج و عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے اور
تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا
منڈاؤ تم سر اپنے یہاں تک کہ پہنچ جائے ھدی جگہ میں اپنی۔ پس جو ہو تم میں سے بیمار یا ہو ساتھ
اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔ پھر جو تم میں بیمار ہو یا اُس
اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ
اُس کے تکلیف سر اُس کے میں پس فدیہ ہے روزوں یا صدقہ یا قربانی سے
کے سر میں کچھ تکلیف ہے تو بدلہ دے روزے یا خیرات یا قربانی

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اس رکوع میں اصل مضمون حج ہے جنگ کا ذکر جملہ معترضہ کے طور پر آگیا۔ لہٰذا اب حج و عمرہ پورا کرنے اور مجبوری کی حالت میں ھدی دینے کا حکم دیا جارہا ہے یعنی پہلے حج کی ابتدا کا ذکر تھا اور اب اس کی انتہا کا تذکرہ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حج کی رکاوٹ دور کرنے کے لئے اگر تمہیں جنگ بھی کرنا پڑے تو کرو اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر یہ رکاوٹ دور نہ ہوسکے تب کیا کرنا چاہئے اور احرام کیسے کھولنا چاہئے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس کا مقصود بیان ہو رہا ہے یعنی خرچ کرکے حج و عمرہ پورا کرلو اور اگر حج نہ کرسکو تو ھدی پر کچھ خرچ کرڈالو۔

شان نزول : علی ابن امیہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں تھے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں جبہ پہنے اور خوشبو لگائے حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ یا رسول اللہ میں عمرہ کو کیونکر ادا کروں یعنی یہ محرم تھا مگر بے خبری سے سلا کپڑا اور خوشبو استعمال کر رہا تھا۔ اس نے یہ سوال کیا ہی تھا کہ یہ آیت کریمہ اتری۔ علی فرماتے ہیں کہ مجھے بہت روز سے تمنا تھی کہ وحی اترتے ہوئے دیکھوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے چہرہ انور سے چادر اٹھائی۔ میں نے چہرہ پاک دیکھا آپ اس وقت خراٹے لے رہے تھے اور منہ میں کچھ جھاگ سے تھے۔ جب یہ حالت ختم ہوئی اور وحی آچکی تو حضور نے فرمایا سائل کہاں ہے۔ اسے بلا کر حکم دیا کہ خوشبو دھو ڈال اپنا جبہ اتار دے۔ (بغیر سلے کپڑے پہن اور جو حج میں کرتا ہے وہ عمرہ میں کر (درمنثور)۔

تفسیر : **واتموا الحج والعمرة** - اتموا اتمام سے بنا۔ جس کے معنی ہیں پورا کرنا کامل کرنا انتہا کو پہنچانا۔ یہاں ہر معنی بن سکتے ہیں۔ حج ح کے زبر سے بمعنی قصد و ارادہ۔ حج ح کے زیر سے بمعنی سال اور برس ہے چونکہ حج سال میں ایک بار ہوتا ہے اور اس میں بیت اللہ کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے لہٰذا اسے حج کہتے ہیں۔ عمرہ عمر سے بنا بمعنی زندگی چونکہ یہ عبادت عمر بھر

میں ہروقت کی جاسکتی ہے اس لئے عمرہ کہا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ عمرہ بمعنی آبادی ہو۔ چونکہ بیت اللہ اس عبادت کے بدولت ہروقت آباد رہتا ہے لہٰذا اسے عمرہ کہا جاتا ہے ان یعمروا مسجدا للہ یہ حکم یا تو استحبابی ہے۔ کیونکہ پہلے حج فرض نہ تھا صرف مستحب تھا و للہ علی الناس حج البیت سے فرض ہوا۔ اور عمرہ بھی سنت ہے نہ کہ فرض یا حج و عمرہ ایک ساتھ ختم کرنا یعنی قران مستحب ہے یا سارے مستحبات اور سنتوں کے ساتھ ادا کرنا مستحب یا گھر سے احرام باندھ کر جانا کہیں سستی نہ کرنا دنیوی غرض سے خالی ہونا مستحب ہے ان وجوہ سے یہ حکم استحبابی ہوا اور ممکن ہے کہ امر وجوبی ہو۔ کیونکہ عمرہ بھی شروع کر دینے سے واجب ہو جاتا ہے۔ اس لئے پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اتموا حج کے تعلق سے وجوب کے لئے اور عمرہ کے لحاظ سے استحباب کے لئے ہو۔ جیسے صلوا علیہ میں کہ ایک بار درود پڑھنا فرض اور اس سے زیادہ مستحب یا سنت۔ خیال رہے کہ جیسے رب تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا یعنی ہمیشہ پڑھنا' درست پڑھنا وغیرہ ایسے ہی رب نے حج کرنے کا یہاں حکم نہ دیا بلکہ حج تمام و کامل کرنے کا کہ حج صحیح طور پر کیا جاوے عمر میں ایک دو بار تو یہ نعمت نصیب ہوتی ہے بہت مشقت و خرچ سے نصیب ہوتی ہے پھر مکمل کیوں نہ ادا کی جاوے نیز جوانی میں حج کیا جاوے۔

کیونکہ بڑھاپے میں حج مکمل نہیں ہو سکتا اتموا میں اس جانب بھی اشارہ ہے افسوس کہ اکثر حجاج اس اتمام کا اہتمام نہیں کرتے۔

حاجی تو سارے کہلاویں حج کرے کوئی ایک ہزاروں میں تو ہے نہیں لاکھوں میں جا دیکھ

غرضیکہ حج و عمرہ کے اتمام کی چند صورتیں ہیں۔ صحیح طور پر ادا کرنا' حلال کمائی سے کرنا' حج و عمرہ ملا کر کرنا یعنی قران جب ان میں سے کسی کا احرام باندھ لے تو پھر پورا کرنا۔ ایام حج میں گھر سے احرام باندھ کر جانا وغیرہ اور حضور کے پردہ فرمانے کے بعد سے تاقیامت مدینہ پاک کی حاضری بھی حج کے اتمام ہی سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے حج کیا مگر میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی' حضور کی حیات میں جو حج ہوا اس میں حضور انور خود حج میں تھے اس لیے ان حجاج کو مدینہ پاک حاضر ہونا ضروری نہ تھا۔ اب وہ بات نہیں غرضیکہ حج کے متمات پانچ چھ ہو گئے (از تفسیر احمدی)۔ یعنی اے مسلمانوں حج و عمرہ شروع کر کے ناقص نہ چھوڑو۔ بلکہ پورا کرو' مگر خیال رہے یہ دنیوی غرض سے نہ ہو بلکہ للہ و رضا الٰہی کے لئے ہو۔ کفار کی طرح فقط میلہ دیکھنے بازار سے چیز خریدنے اپنی قومی بڑائی بیان کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ بہتر ہے کہ اس میں تجارت یا اور کوئی دنیوی غرض بھی شامل نہ کرو۔ پیسہ بھی حلال خرچ کرو' یہ سب باتیں اتموا اور للہ سے حاصل ہوئیں۔ چونکہ حج سے انسان کا نام حاجی پڑ جاتا ہے نماز و روزے سے نام نمازی یا صائم نہیں پڑتا۔ نیز حج سے لوگ حاجی کی عزت' عظمت' خدمت بھی کرتے ہیں نیز حج میں ملکوں کی سیر بھی ہوتی ہے۔ حج میں تجارت کا موقع بھی ہاتھ آتا ہے۔ اندیشہ تھا کہ حاجی ان اغراض سے حج کرے اس لئے فرمایا گیا کہ حج و عمرہ پورا تو کرو مگر عزت' خدمت' تجارت' سیر و تفریح کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کی رضا کے لئے کرو فان احصرتم اس کا مصدر احصار اور مادہ حصر ہے۔ بمعنی روکنا' اسی لئے چٹائی کو حصیر کہتے ہیں کہ وہ ایک جگہ پڑی رہتی ہے۔ بعض نے کہا کہ حصر تو بیماری کے روکنے کو اور احصار دشمن اور بیماری دونوں کے روکنے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں بھی دونوں ہی رکاوٹیں مراد ہیں یعنی اے مسلمانو اگر تم احرام باندھنے کے بعد کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے روک لئے جاؤ کہ حج یا عمرہ ادا نہ کر سکو تو فما استیسر من الھدی یہاں علیکم یا الواجب یا فھدوا پوشیدہ ہے۔ استیسر یسر سے بنا۔ بمعنی آسانی اور یہ تیسر کے

معنی میں ہے۔ من یا تبعیضیہ ہے یا بیانیہ 'ھدی' ھدیۃ کی جمع ہے بمعنی تحفہ **بھدیتکم تفرحون** شریعت میں ھدی وہ اونٹ یا گائے یا بھیڑ بکری ہے جو خانہ کعبہ قربانی کے لئے لے جائی جائے۔ گویا حاجی رب کی بارگاہ میں یہ تحفہ لے کر حاضر ہوتا ہے یعنی اگر تم بعد احرام حج سے روک لئے جاؤ تو تم پر وہ ھدی واجب ہے جو تمہیں میسر ہو **ولا تحلقوا رء وسکم۔ تحلقوا۔ حلق** سے بنا بمعنی مونڈنا۔ یہاں سر منڈانے سے حلال ہونا مراد ہے یعنی تم اس وقت تک سر منڈا کر حلال نہ ہو۔ جب تک کہ **حتی یبلغ الھدی محلہ** ھدی اپنی جگہ پہنچ جائے۔ **محل** حلول سے بنا بمعنی نزول۔ یہ ظرف زمان بھی ہوتا ہے اور مکان بھی قرض کی میعاد ختم ہونے کو **محل الدین** کہتے ہیں۔ ھدی کی قربانی کی جگہ یا وقت کو محل ھدی کہا جاتا ہے۔ مذہب حنفی میں اس قربانی کی جگہ حرم ہے اس کو دم احصار کہتے ہیں۔ کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا **ثم محلھا الی البیت العتیق** وہ آیت اس کی تفسیر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو معذور بعد احرام **مکہ معظمہ** نہ پہنچ سکے تو وہ کسی کے ہاتھ ایک اونٹ یا گائے یا بکری وہاں بھیج دے اور اس سے پوچھ لے کہ تم یہ جانور کس تاریخ کو ذبح کرو گے اس دن تک احرام ہی میں رہے جب وہ دن آئے تب یہ اپنا سر منڈا کر احرام کھولے اور سال آئندہ اس کی قضا کرے۔ یہاں ہی ذبح کرنا جائز نہیں ہاں اگر حدود حرم میں پہنچ کر معذوری پیش آئی تو وہاں خود ہی ذبح کر کے احرام کھول دے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے صلح حدیبیہ میں کیا **فمن کان منکم مریضا "** مریض سے وہ بیمار مراد ہے جسے سر منڈانا ہی پڑ جائے۔ یعنی بحالت احرام سر منڈانا حرام مگر جو بیمار ہو۔ **او بہ اذی من راسہ** اذی " سے مراد عام سر کی تکلیف ہے زخم ہو یا درد سر یا شقیقہ یا جوں وغیرہ کوئی بھی وہ تکلیف جو بغیر سر منڈائے نہ دور ہو یعنی جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو وہ حرم تک ھدی پہنچنے کا انتظار نہ کرے بلکہ پہلے ہی سر منڈا دے پھر اس کے بعد **ففدیۃ** یہاں علیہ یا وجب پوشیدہ ہے۔ **فدیۃ۔ فدا** سے بنا۔ جس کے معنی ہیں نثار ہونا 'فدا ہونا' کسی پر قربان ہو جانا' یہاں بدلہ مراد ہے کیونکہ وہ بھی جرم کو مٹا دیتا ہے یعنی اس پر اس کوتاہی کا بدلہ واجب ہے۔ وہ کیا **من صیام او صدقۃ او نسک** یا تین روزے رکھے یا تین صاع گیہوں چھ مسکینوں پر صدقہ کرے یا اونٹ۔ گائے 'بکری' ان میں سے جو چاہے ذبح کرے **او** اختیار کے لئے ہے۔ مجبوراً " سر منڈانے والے کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو چاہے کرے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس جملہ میں حج کے دو ضروری مسئلے بیان ہوئے۔ ایک حج و عمرہ کا پورا کرنا۔ دوسرے احرام باندھ کر بوجہ معذوری حج نہ کر سکنا۔ **للہ** 'تک پہلا مسئلہ ہے اور **نسک** 'تک دوسرا یعنی اے مسلمانو حج وغیرہ شروع کر کے ضرور پورا کرو یا بہتر یہ ہے کہ حج 'عمرہ ایک ساتھ ختم کرو یعنی قران کرو کہ یہ افضل ہے۔ اب اگر تم حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر بیماری یا دشمن کی وجہ سے ادا سے معذور ہو جاؤ یعنی محصر ہو جاؤ تو تم پر جو بھی ھدی میسر ہو واجب ہے اور اس میں یہ کرو کہ اونٹ یا گائے یا بکری کسی ذریعہ سے حرم میں بھیج دو اور لے جانے والے سے کوئی دن یا تاریخ مقرر کر لو کہ وہاں پہنچ کر ھدی ذبح کرے۔ تم اس وقت تک سر وغیرہ منڈا کر احرام نہ کھولو۔ جب وہ تاریخ آئے تو سر منڈا لو۔ ہاں جو کوئی سخت بیمار ہو جائے کہ بغیر سر منڈائے آرام نہ ہو سکے (جیسے سر سام وغیرہ) یا اس کے سر میں جوں آدھا سیسی یا درد سر کی تکلیف ہو۔ وہ پہلے ہی سر منڈا لے اور اس کے عوض یا تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع گیہوں صدقہ کر دے اور یا اونٹ یا گائے 'بکری ذبح کر دے۔ خلاصہ یہ کہ اس پر دو چیزیں لازم ہوئیں ایک احصار (حج سے رک جانا) کی قربانی جو حرم میں ذبح کی جائے دوسرے تاریخ مقررہ سے پہلے احرام کھولنے کا کفارہ جو کہ یہاں ہی ادا کیا جائے۔

حج کے فضائل و مسائل : حج کے بے شمار عقلی و نقلی فضائل اور فائدے ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔(1) ساری عبادتیں ہر جگہ ادا ہو سکتی ہیں مگر حج اللہ کے گھر پہنچ کر اور اس کا مہمان بن کر معمولی ڈگریاں ہر جگہ مل جاتی ہیں مگر اعلیٰ ڈگری ولایت جا کر حاصل کی جاتی ہے۔ اپنے گھر میں رہ کر کوئی ولایت پاس نہیں ہو سکتا۔ جیسے ولایت پاس دوسرے اہل علم سے اعلیٰ ہے۔ ایسے ہی حاجی دوسرے عابدوں سے افضل اسی لئے دوسری عبادات ہیں اکثر اخفاء بہتر ہے مگر حج میں اعلان افضل سب کو اطلاع دے کر علانیہ حج کو روانہ ہو تاکہ اگر کسی نے پیام سلام ہدیہ و سوغات وہاں بھیجنا ہو تو اس کے ذریعہ بھیج سکے اور دوسروں کو بھی حج کی رغبت ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب اعلان فرما کر حج کیا تھا۔ دیکھو ساری عبادتیں کرو تو کوئی خاص لقب نہیں ملتا مگر حج کرتے ہی حاجی کا لقب مل جاتا ہے۔(2) دیگر عبادات میں اطاعت غالب ہے مگر حج میں عشق کہ حاجی عاشقوں کی سی کفنی پہن کر چیختا، شور مچاتا، گردو غبار میں بھرا ہوا بڑے ناخن، بڑے بال لئے ہوئے دربار الٰہی میں حاضر ہو کر کعبہ کے ارد گرد ایسے گھومتا ہے جیسے شمع کے آس پاس پروانہ۔ پھر کہیں دوڑتا ہے کہیں پتھر پھینکتا ہے کہیں ٹھہرتا ہے یہ سب کام عشق کے ہیں اور پچھلے عاشقوں کی یادگاریں اور ظاہر ہے کہ اطاعت میں ترقی آہستہ ہوتی ہے اور عشق میں ایک دم۔ تمام عبادات کا عبادت ہونا کچھ سمجھ میں آتا ہے اس لئے وہ کام ہر جگہ عبادت ہیں مگر ارکان حج کا عبادت ہونا سمجھ سے وراء ہے کہ کودنا دوڑنا کنکر پھینکنا عبادت کیوں ہو گئے اسی لئے یہ کام اور جگہ کرنا عبادت نہیں۔ اطاعت عقل کے اندر رہتی ہے مگر عشق عقل سے وراء عبادت، اطاعت کی جزاء انعام، اکرام، تنخواہ، پنشن وغیرہ ہے مگر عشق کی جز اوید اریار لقاء محبوب لہٰذا نماز و روزے کی جزاء جنت ہے مگر حج کی جزاء رضاء رب ذوالجلال، اطاعت و عبادات میں اصل ہے۔ مگر حج میں اچھوں کی نقل کہ حضرت ہاجرہ، اسماعیل، ابراہیم خدا کے پیارے حضور محمد مصطفیٰ علیہم الصلوۃ والسلام کی مقبول حرکات و افعال کی نقل کا نام ہے۔ طوطا مینا تمہاری نقل کریں تمہیں پیاری ہیں تم اللہ کے مقبولوں کی نقل کرو۔(3) باقی عبادتیں یا صرف بدنی ہیں یا صرف مالی مگر حج میں دونوں عبادتیں داخل ہیں۔ (4) حج کے ذریعہ دنیا بھر کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں جس سے سارے عالم کا نظام قائم رہ سکتا ہے دنیوی سلطنتیں اپنی کانفرنسوں میں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے مختلف بادشاہوں کو جمع کر کے نظام بناتی ہیں مگر اسلامی کانفرنس یعنی حج ہر سال عرب کی زمین میں بے تکلف ہو جاتی ہے۔ مختلف بادشاہ جمع ہو کر مشورہ کر سکتے ہیں۔(5) ہر میزبان کو اپنے مہمان کا خیال ہوتا ہے بلکہ غنی میزبان غریب مہمانوں کو خالی نہیں بھیجتے۔ حج میں بندے مہمان اور رب میزبان ہوتا ہے وہ بھی انہیں خالی نہیں بھیجتا بلکہ دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے بشرطیکہ حج مقبول نصیب ہو۔(6) حدیث شریف میں ہے کہ حج عمرہ ملا کر کرو کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہ کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی کے میل کو۔(7) بعض دیگر عبادات سے صرف گناہ معاف ہوتے ہیں مگر حج سے گناہوں اور حقوق العباد دونوں کی معافی ہو جاتی ہے۔ دیکھو مشکوۃ و درمنثور وغیرہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج سے حق مٹ جاتے ہیں بلکہ یہ کہ ادائے حقوق کی کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ جیسے قرض کی وعدہ خلافی، باقی فضائل کے لئے مشکوۃ شریف وغیرہ دیکھو۔(8) حج میں دراز سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ جس سے دنیوی تجربہ بڑھتا ہے۔(9) متبرک مقامات دیکھ کر اللہ والوں کی محبت بڑھتی ہے اور عبادت کا شوق و ذوق پیدا ہوتا ہے۔(10) حج سے دل میں نرمی اخلاق میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے مگر یہ حج مقبول کی صفت ہے۔ حج غیر مقبول سے تو دل میں الٹی سختی پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ بعض حاجی بنتے ہیں اور بعض پاجی۔

حج کے مسائل : حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ حج دو ہیں۔ حج اکبر اور حج اصغر یعنی عمرہ۔ حج عمر میں ایک بار مالدار پر فرض ہے اور عمرہ سنت۔ حج کے لئے مہینہ اور تاریخیں مقرر ہیں۔ مگر عمرہ میں نہیں۔ جب چاہو کر لو۔ عمرہ میں احرام شرط ہے اور طواف اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا رکن یعنی عمرہ صرف یہ ہے کہ حرم سے باہر احرام باندھ کر طواف کرے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول دے۔ حج میں تین فرض ہیں اور پانچ واجب۔ احرام 'عرفات میں ٹھہرنا اور طواف زیارت تو فرض اور مزدلفہ میں ٹھہرنا' صفا مروہ کی سعی کرنا اور جمروں پر کنکر مارنا اور طواف وداع کرنا اور سر منڈانا یا کٹوانا (تفسیر احمدی و خزائن العرفان) حج کی قسمیں انشاء اللہ اگلی آیت میں بیان ہوں گی۔ باقی مسائل کے لئے کتاب بہار شریعت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تمتع یا افراد سے قران افضل ہے جیسا کہ **الحج والعمرۃ** سے معلوم ہوا دوسرا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ حج میں دنیوی کام کی نیت نہ کرے جیسا کہ **للہ** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نفل شروع کر دینے سے واجب ہو جاتے ہیں جیسا کہ **اتموا** سے معلوم ہوا۔ جب نفلی حج و عمرہ شروع کر دینے سے واجب ہو جاتے ہیں تو نفل نماز و روزہ کا بھی یہی حال ہے کہ ابتداء یہ نفل ہوتے ہیں مگر شروع کر دینے سے واجب ہو جاتے ہیں کہ ان کا توڑنا منع اور اگر توڑ دیا گیا تو قضا واجب رب فرماتا ہے۔ **لا تبطلوا اعمالکم** لہذا یہ آیت احناف کی قوی دلیل ہے ہے۔ شوافع کے خلاف ہے ان کے ہاں نفلی عبادت توڑ دینے سے قضا واجب نہیں ہوتی۔ **چوتھا فائدہ:** احصار کی قربانی حرم میں ہی ذبح ہو سکتی ہے جیسا کہ **محلہ** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** معذوری دشمن سے بھی ہو سکتی ہے اور بیماری سے بھی جیسا کہ **احصرتم** کے اطلاق اور اس کے ساتھ مریض کا ذکر کرنے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جو محرم مجبوراً سر منڈا دے اسے کفارہ میں اختیار ہے مگر جو بلا عذر سر منڈائے اس میں اختیار نہیں۔ بلکہ چوتھائی سے کم منڈانے میں صدقہ اور چوتھائی منڈانے میں قربانی ہی واجب ہو گی (تفسیر احمدی)۔ **ساتواں فائدہ:** ھدی بکری کی بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ **استیسر** سے معلوم ہوا (روح البیان وغیرہ)۔ **آٹھواں فائدہ:** حج کی طرح عمرہ کا بھی احصار ہو سکتا ہے کیونکہ احصرتم مطلق ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً عمرہ سے ہی روکا گیا تھا اور دونوں احصاروں کا یکساں حکم۔ **نواں فائدہ:** حج میں مرد کے لئے بال کٹوانے سے سر منڈانا افضل کیونکہ یہاں سر منڈانے کا ہی ذکر کیا گیا۔ نیز حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تین بار کتروانے والوں کے لئے ایک بار دعا فرمائی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احرام کھولتے وقت سر منڈایا ہی تھا۔ **دسواں فائدہ:** ھدی کا جانور صرف حرم شریف میں ہی ذبح ہو سکتا ہے۔ دوسری جگہ نہیں جیسا کہ **حتی یبلغ الھدی** سے معلوم ہوا اگر یہ جانور ہر جگہ ذبح ہو جاتا تو محصر اسی جگہ ذبح کر دیتا جہاں روکا گیا۔ حرم میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ **گیارھواں فائدہ:** ھدی کے لئے حرم شریف کی زمین شرط ہے کہ اور جگہ ذبح نہیں ہو سکتی مگر قربانی کے لئے حرم شرط نہیں وہ ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں نے قربانی کا انکار کرتے ہوئے حرم کی شرط لگائی اور ان آیات سے استدلال کیا۔ انہوں نے سخت غلطی کی قربانی اور ہے۔ ھدی کچھ اور۔

مسئلہ : عورت کے لئے سر منڈانا' بال کٹوانا حرام ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکل بنائیں۔ صرف احرام کھولتے وقت بالوں کا کچھ اوپری حصہ کاٹ دیں۔ **مسئلہ:** حج کے علاوہ مردوں کے لئے بال رکھنا سنت

نبوی ہے اور سر منڈانا سنت مرتضوی مگر چونکہ حدیث شریف میں وہابیوں کی علامت سر منڈانا فرمائی گئی ہے اس لئے اس سے بچے سر کا بعض حصہ کٹوانا یا منڈانا اور بعض رکھنا مکروہ ہے جیسے انگریزی بال وغیرہ۔ **مسئلہ**: مردوں کو عورتوں کی طرح لمبے بال رکھنا چوٹی باندھنا عورتوں کی طرح مانگ نکالنا مکروہ ہے۔ **مسئلہ**: حج کا فرض چھوٹ جانے سے حج جاتا رہا ہے۔ مگر واجب چھوٹ سے قربانی واجب اور سنت رہ جانے سے صدقہ لازم ہے۔ جیسے نماز کا فرض رہ جائے تو نماز فاسد، واجب رہ جائے تو سجدہ سہو واجب۔

اعتراض: **پہلا اعتراض**: حج بت پرستی سے مشابہ ہے۔ جیسے ہندو گنگا پر، عیسائی صلیب پر میلے لگاتے ہیں۔ ایسے ہی مسلمان کعبہ پر نیز جیسے کہ ہندو پتھروں کو چومتے ہیں۔ مسلمان سنگ اسود اور رکن یمانی کو (بعض ملحد)۔ **جواب**: اس کا نہایت نفیس فرق ہم قبلہ کی آیتوں میں بیان کر چکے یہاں اتنا سمجھ لو کہ کہیں جمع ہونا بت پرستی نہیں۔ شادی بیاہ عام جلسے اور بازار اور دنیوی کاروبار کے لئے ہزاروں میلے ہوتے ہیں۔ یہ بھی عبادت الہی کا میلہ ہے نیز چومنے اور پوجنے میں فرق ہے۔ ماں باپ کے ہاتھ چومے جاتے ہیں استاد کے پاؤں بھی، اولاد کی پیشانی بھی، بیوی کا رخسار بھی، روٹی اور رزق بھی۔ بزرگوں کی یادگاریں بھی۔ ان سب بوسوں کا حال یکساں نہیں۔ سنگ اسود کا بوسہ صرف اسی لئے ہے کہ بزرگوں نے اسے چھوایا چوما ہے اور اس کو اللہ کے مقبول بندوں سے نسبت حاصل ہے۔ اگر مسلمان پتھروں کے پجاری ہوتے تو خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک صاف نہ کرتے مقامات حج میں نہ تو کہیں بت ہے نہ دیوی نہ کسی کا اس میں تھان نہ کسی پانی کا اشنان۔ خانہ کعبہ میں نہ کوئی نبی پیدا ہوا نہ دفن۔ یہ تو مسلمانوں کے قومی اور مذہبی اجتماع کا ذریعہ ہے۔ چونکہ یہ جگہ زمین کا مرکز (ناف) اور اس کا مبدا ہے۔ اسی جگہ پہلے انسان یعنی آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی جگہ نبیوں کے والد ماجد ابراہیم علیہ السلام کا خاندان آباد ہوا لہذا اس بڑی عبادت کے لئے یہ مقام مقرر ہوا۔ افسوس کہ عیسائیوں کو اپنی صلیب پرستی اور آریوں کو اپنی روح، مادہ پرستی نہیں سوجھتی مسلمانوں کے خالص توحیدی افعال پر بیہودہ اعتراضات کرتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حج و عمرہ دونوں فرض ہیں کیونکہ ان دونوں کے لئے ایک صیغہ اتموا بولا گیا۔ **جواب**: اس کے چند جواب تفسیر گزر گئے کہ یا تو اس وقت حج فرض ہی نہ ہوا تھا یا (اتموا) کے معنی ہیں شروع ہو چکنے کے بعد پورا کرنا یا اتموا حج کے لئے وجوبی حکم ہے اور عمرہ کے لئے استحبابی۔ اسے حقیقت و مجاز کا اجتماع نہیں کہتے وغیرہ۔ **تیسرا اعتراض**: اگر بیماری سے بھی احصار ہو جاتا ہے تو اس آیت میں احصار کے بعد بیمار کا علیحدہ کیوں ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احصار صرف دشمن سے ہوتا ہے (شافعی)۔ **جواب**: احصار میں وہ مرض داخل ہے جو مکہ معظمہ کی حاضری سے روک دے اور بعد والے مرض سے وہ بیماری مراد ہے جو وقت سے پہلے سر منڈانے پر مجبور کرے۔ **چوتھا اعتراض**: اگر ھدی کا جانور صرف حرم شریف میں ذبح ہوتا اور جگہ نہ ہو سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ ہی میں ھدی ذبح کیوں فرما دیں مکہ معظمہ کیوں نہ بھیجیں معلوم ہوا کہ ہدی ہر جگہ ذبح ہو سکتی ہے (شافعی)۔ **جواب**: حدیبیہ ایک بڑے میدان کا نام ہے جس کا ایک حصہ حل میں ہے اور دوسرا حرم میں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہدی ذبح کیں وہ حصہ حرم میں تھا لہذا احناف پر کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عوام کا حج بیت اللہ کا قصد اور اس کی زیارت ہے اور خواص کا حج رب البیت کا قصد اور اس کی بارگاہ کی

حاضری ہے۔ انی ذاهب الی ربی سیهدین۔ عوام میقات پر پہنچ کر دنیاوی لباس اور زینتیں چھوڑ کر لباس احرام پہنتے ہیں اور خواص لوگ دل ہی سے اپنے مال اور اولاد کی محبت ترک کر دیتے ہیں۔ فانهم عدو لی الا رب العلمین۔ عوام جانور کی قربانی کرتے ہیں مگر خاص لوگ اپنے نفس کی۔ ان خواص میں بھی بعض رب کا حج کرنے جاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کو ان کا حج طور اور شام میں ہوا۔ مگر خاص الخاص اس حج کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی۔ مسجد حرام دوسروں کے حج کی انتہا ہے۔ مگر حضور کے حج کی ابتداء آپ کی انتہا دور کی مسجد (مسجد اقصیٰ) یعنی عرش اعلیٰ ہے۔ یہ انتہا تو ظاہری ہے حقیقی انتہا فکان قاب قوسین او ادنی جہاں دوئی یکی میں فنا ہے اور عبد فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا احصار ہوا تو آپ نے اسمٰعیل کی قربانی دی۔ حبیب اللہ کا روکنے والا کون تھا۔ وہاں نہ احصار تھا نہ اس قربانی کی ضرورت ما زاغ البصر و ما طغی اس کے بعد تجلی صفات کا محو ہوا جس میں محب محبوب کے درمیان خاص راز تھے (از روح البیان مع زیادتی)۔

دوسری تفسیر: اے توحید ذات کے حاجی اور توحید صفات کے محو کرنے والے تو یہ حج معہودوں ہی پورے کر تمامی مقامات طے کرتا ہو اللہ سے اللہ کی طرف اللہ میں اللہ کے لئے جا۔ اگر کافر نفس امارہ تجھے روکے تو اس نفس کی قربانی کعبہ قلب میں بھیج دے اور جیسی قربانی تجھے آسان ہو وہ کر ڈال خود نفس کی یا اس کی صفات کی اور جب تک کہ یہ نفس اپنے قربانی گاہ میں نہ پہنچ جائے تب تو سر نہ منڈا یعنی دل کو غموں سے جسم کو دنیوی تعلقات سے اور خیال کو عادات سے خالی نہ کر۔ جب یہ نفس قتل ہو جائے تب یہ سب بال کو بال دور کر دے۔ مگر جو کوئی بیمار ہو یعنی اس کی استعداد کمزور اور دل دنیوی عوارض سے بھرا ہوا ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو یعنی برے خیالات کا ہجوم ہو جس وجہ سے اس راستہ کو طے نہ کر سکے اور منازل قلب پر قناعت کرنا چاہے تو اس پر فدیہ لازم ہے کہ جائز مشغلے اختیار کرے اور ناجائز چھوڑ دے۔ عبادات اور مخالفت نفس میں مشغول رہے (از ابن عربی)۔ حاجی ذات کا کعبہ معظمہ بھی طواف کرتا ہے۔ شامی میں ہے کہ کعبہ معظمہ بعض اللہ والوں کی زیارت کے لئے جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے۔

اور پروانے ہیں ہوتے ہیں جو کعبہ پہ نثار   شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف   کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا

ابراہیم ادھم اور رابعہ بصریہ کے استقبال کے لئے کعبہ گیا۔ اس پر بہت سے مسئلے فقہیہ مبنی ہیں۔ (از شامی جلد دوم باب الهدی)۔

فَإِذَآ أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

پس جب امن سے ہو تم پس جو نفع حاصل کرے ساتھ عمرے کے طرف حج کے پس اس پر وہ ہے جو میسر ہو

پھر جب تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ

بدلے سے پس جو نہ پائے پس اس پر روزے رکھنا ہے تین دن کے بیچ حج کے اور سات جب لوٹو تم یہ دس

پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دن میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پہنچ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا

ہیں پورے۔ یہ واسطے اس کے ہے کہ نہ ہوں گھر والے اس کے موجود مسجد حرمت والی میں اور

یہ پورے دس ہوئے یہ حکم اس کے لئے ہے جو مکے کا رہنے والا نہ ہو اور اللہ سے

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

ڈرو تم اللہ سے اور جانو تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: یہ جملہ پچھلی آیت کا ہی جز ہے۔ اس میں بغیر حج کے احرام کھولنے کا طریقہ بتایا گیا تھا۔ اس میں حج کرنے کے احکام فرمائے جارہے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلے جزء میں حج و عمرہ پورا کرنے یعنی قران یا تمتع کا اجمالی حکم دیا گیا۔ اب اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلے جزء میں دم احصار (یعنی حج سے رک جانے کی قربانی کا طریقہ بتایا گیا۔ اب دم تمتع یعنی تمتع کے شکریہ کی قربانی کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔

تفسیر : **فاذا امنتم** یہ امن سے بنا۔ جس کے معنی اطمینان بلاء کا مقابل۔ یہاں احصار کے مقابلہ میں بولا گیا کیونکہ وہ بھی گویا بلا ہی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس امن سے صرف احصار کے بعد امن حاصل ہونا ہی مراد نہیں بلکہ خواہ احصار کے بعد ہو' اس طرح کہ دشمن راستے دیدے یا بیماری جاتی رہے یا پہلے ہی سے کہ کوئی واقعہ در پیش ہی نہ آئے۔ یعنی پس جبکہ تم دشمن کے خوف سے امن میں آجاؤ یا بیماری سے شفا پا جاؤ اور حج کا وقت باقی ہو یا پہلے ہی سے امن اور وسعت میں ہو کہ کوئی عذر پیش نہ آئے۔ **فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج**' تمتع' متاع سے بنا۔ بمعنی نفع یا نفع حاصل کرنا۔ سامان اسی لئے متاع کہتے ہیں کہ اس سے نفع ملتا ہے۔ شریعت میں عمرہ کا حج کے ساتھ ملانا تمتع کہلاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کی جائے گی۔ یہاں لغوی معنی مراد ہیں یا شرعی اور اسی میں قران و تمتع دونوں داخل ہیں کیونکہ دونوں ہی میں قربانی واجب ہوتی ہے کہ ان دونوں میں حاجی عمرہ و حج سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ب اور الیٰ یا تمتع کا صلہ ہے یا ب سببیہ اور تمتع کا متعلق پوشیدہ۔ یعنی جو کوئی عمرہ کے ذریعہ حج تک قرب الٰہی کا نفع حاصل کرے اس طرح کہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج سے پہلے عمرہ کر کے احرام باندھ سکتا تو بغیر حج کئے نہ کھول سکتا۔ وہ یہ کرلے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ ادا کر کے احرام سے کھل جائے اور حج کے وقت تک حلال رہے پھر حج کا احرام باندھ کر حج کرے (تو گویا یہ عمرہ دنیوی نفع کا ذریعہ بنا۔ اس تفسیر سے ب اور الیٰ کے معنی خوب واضح ہو گئے (احمدی و روح المعانی و روح البیان وغیرہ)۔ یہ تمام صورتیں غیر حدی والے تمتع کی ہیں۔ اس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں انشاء اللہ

آئے گا۔ **فما استیسر من الھدی** یہاں علیہ پوشیدہ ہے اور من الھدی ' ما کا بیان۔ یعنی اس پر قربانی واجب۔ جو بھی میسر ہو۔ اونٹ یا گائے یا بکری۔ خیال رہے کہ مذہب حنفی میں یہ شکریہ کی قربانی ہے۔ لہذا دسویں ذی الحجہ کو ذبح ہوگی اور خود کرنے والا بھی اسے کھا سکے گا۔ گویا یہ حج و عمرہ کے جمع ہونے کا شکریہ ہے جیسے کہ قران کی قربانی اور عام قربانیاں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک گویا کفارہ کی قربانی ہے چونکہ اس نے میقات کو چھوڑ کر مکہ سے حج کا احرام باندھا اس کوتاہی کے عوض قربانی دلائی گئی۔ لہذا دسویں ذی الحجہ سے پہلے ذبح ہوگی۔ اور قربانی کرنے والا اس میں سے کچھ نہ کھا سکے گا۔ جیسے کہ دیگر کفارات کی قربانیاں لیکن آیت کی عبارت مذہب حنفی کی حمایت کرتی ہے کیونکہ **فما استیسر** کی ف **من تمتع** کے جواب میں ہے اور تمتع خدا کی نعمت ہے نہ کہ جرم اور نعمت کا شکریہ ہوتا ہے نہ کہ جرمانہ **فمن لم یجد** جو کوئی قربانی کا جانور نہ پائے کہ یا تو جانور ہی میسر نہ آئے یا اس کے پاس قیمت نہ ہو یا کوئی بازاری قیمت سے بہت مہنگی بیچ رہا ہو (کبیر) **فصیام ثلثۃ ایام فی الحج** یہاں یا تو علیہ پوشیدہ ہے یا یجب اور صیام یا صوم کا مصدر ہے **ثلثۃ** اس کا مفعول فیہ مضاف الیہ اور یا صوم کی جمع اور اضافت فی کی۔ فی الحج یا صیام مصدر کے متعلق ہے اور یا یجب فعل پوشیدہ کے۔ حج سے مراد حج کے مہینے ہیں۔ یعنی شوال 'ذیقعد اور دس دن ذی الحجہ کے۔ مگر چاہئے کہ یہ روزے حج و عمرہ کے احراموں کے درمیان میں ہوں۔ خواہ لگاتار رکھے یا علیحدہ اگرچہ یہ تین روزے شوال سے ذی الحجہ تک ہر وقت رکھ سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ساتویں آٹھویں نویں ذی الحجہ میں لگاتار رکھے **و سبعۃ اذا رجعتم** سبعۃ کا عطف ثلثۃ ایام پر ہے اور اس کو بھی صیام سے وہی تعلق ہے جو ثلثۃ کو تھا۔ رجعتم میں غائب سے التفات ہے کہ لم یجد غائب تھا اور رجعتم حاضر اگرچہ رجوع کے معنی پلٹنا ہیں مگر یہاں حج سے فارغ ہونا مراد ہے کیونکہ حاجی فارغ ہو کر ہی واپس ہوتے ہیں۔ مسبب سے سبب مراد لیا گیا یعنی جو قربانی نہ پائے وہ تین روزے تو حج کے مہینوں میں حج سے پہلے ادا کرے اور سات روزے حج سے فارغ ہو کر تین اور سات کل کتنے **تلک عشرۃ کاملۃ** یہ پورے دس ہوئے۔ چونکہ پچھلی عبارت سے وہم پڑ سکتا تھا کہ یہ واؤ او کے معنی میں ہو اور مطلب یہ ہو کہ یا تو حج سے پہلے تین روزے رکھ لو۔ اور یا حج کے بعد سات یعنی اگر پہلے رکھو تو تین اور بعد میں رکھو تو سات۔ جیسے جی مثنیٰ و ثلث و ربع کا القرآن ہو او بمعنی او ہے نہ کہ جمع کا۔ نیز احتمال تھا کہ شاید سبع سے مراد بہت سے روزے ہوں نہ کہ صرف سات۔ نیز احتمال تھا کہ کوئی کاتب غلطی سے سبع کو تسع لکھ جائے یا پڑھنے والا تسع (نو) پڑھ لے۔ نیز احتمال تھا کہ سبع (سات) سے اگلے تین روزے مل کر سات مراد ہوں۔ یعنی تین تو حج سے پہلے اور چار حج کے بعد۔ کل سات۔ ان تمام وہموں کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ کل دس ہوئے۔ پھر شاید کوئی وہم کرتا کہ ان روزوں کا ثواب قربانی سے کم ہے اور اس سے تمتع ناقص ہوگا اس لئے فرمایا گیا کہ کاملۃ کہ یہ دس روزے قربانی کی طرح ہی کامل ہیں کہ ان سے تمتع بھی کامل ہی ہوگا۔ **ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام** ذلک سے تمتع کی طرف اشارہ ہے۔ **اھلہ** سے گھر والے یعنی بال بچے مراد ہیں۔ حاضر غائب کا مقابل ہے۔ بمعنی موجود۔ یہاں مقیم ہونا یا وہاں کا باشندہ ہونا مراد۔ مسجد حرام سے حرم شریف بلکہ سارا داخل میقات مراد ہے۔ یعنی یہ تمتع ان لوگوں کو جائز ہے۔ جو میقات کے اندر رہاشندہ نہ ہوں۔ باہر سے حج کے لئے آئے ہوں (احمدی وغیرہ) کیونکہ مکہ یا میقات والوں کو زمانہ حج میں عمرہ کرنا منع ہے۔ چونکہ باہر کے لوگ بار بار یہاں نہیں آسکتے انہیں ایک ہی سفر میں حج و عمرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ مکہ والے ہر وقت کر سکتے ہیں۔ وہ زمانہ حج میں عمرہ کرکے پردیسیوں کی تکلیف کا باعث نہ بنیں۔ **واتقوا اللہ** اے مسلمانوں ادائے عبادات میں رب سے ڈرتے رہو۔ اس کے

احکام کی مخالفت نہ کرو۔ خصوصاً حج اور احرام اور زمین حرم میں و اعلموا ان اللہ شدید العقاب سے دھیان رکھو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے تاکہ تم سے کوئی گناہ صادر نہ ہو۔ چونکہ حج کے جواز کے لئے شرعی مسائل ہیں اور حج کی قبولیت کے لئے عشقی قواعد ہیں۔ شرعی قوانین پورا کرلینا آسان ہے مگر عشقی قواعد بمشکل ادا ہوتے ہیں اس لئے فرمایا گیا ہے کہ بحالت حج اللہ کا خوف رکھو اس کا عذاب سخت ہے۔ عشقی قواعد حرمین طیبین اور وہاں کی ہر چیز ہر شخص کا ادب ہے۔ ادب والا وہاں سے گناہوں سے پاک ہو کر لوٹتا ہے اور بے ادب نیکیوں سے صاف ہو کر واپس ہوتا ہے۔ غرضیکہ کوئی لے کر آتا ہے کوئی دے کر دریا شک کو کاٹ جاتا ہے مگر بوئی کو زیادہ بھاری کر دیتا ہے۔ وہاں گناہوں کا شک لے کر جاؤ۔ عذاری کی روئی لے کر نہ جاؤ اللہ حج مقبول نصیب کرے حج مردود سے بچائے۔

خلاصہ تفسیر : زمانہ جاہلیت میں حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اونٹوں کے زخم اچھے ہو جائیں اور ماہ صفر آجائے۔ تب عمرہ حلال ہے۔ اسلام نے ان کا یہ عقیدہ توڑا اور عمرہ کو حج میں داخل فرمایا۔ اسی لئے یہ آیت کریمہ اتری (در منثور) جس میں فرمایا گیا کہ اے مسلمانو یہ تو احصار یعنی معذوری کے حکم تھے اگر تمہاری معذوری دفع ہو جائے اور حج کا وقت باقی ہو کہ تم حج پاسکو یا اگر تم محصر نہ ہوا امن میں ہو تو جو کوئی عمرہ اور حج کا تمتع کرے کہ انہیں ملا کر ادا کرے۔ تو اس پر اس بڑی نعمت کے شکریہ میں قربانی واجب ہے۔ اونٹ گائے یا بکری جو میسر آئے ذبح کر دے۔ ہاں جو غریبی یا مجبوری یا جانور کی نایابی کی وجہ سے قربانی نہ کرسکے۔ اس پر دس روزے واجب ہیں۔ تین تو ادائے حج سے پہلے مگر حج کے مہینوں اور دونوں احراموں کے بیچ میں ہوں۔ اور سات حج سے فارغ ہو کر ان تین اور سات سے دھوکا نہ کھانا۔ کل دس روزے ہیں اور قربانی ہی کی طرح کامل اور مکمل مگر خیال رہے کہ تمتع انہی لوگوں کو جائز ہے جو حدود میقات کے رہنے والے نہ ہوں۔ دوسرے حج کرنے والوں سے ڈرتے رہو اس کا عذاب سخت ہے۔ لہٰذا حج کرنے اور حاجی بن جانے کے بعد بھی اس سے ڈرتے رہو یہ نہ سمجھو کہ اب تو ہم حاجی ہو گئے جو نیک و بد اعمال چاہیں کریں۔ جیسے روپیہ کمانا آسان مگر اس کا سنبھالنا مشکل ایسے ہی حج کرلینا آسان ہے مگر حج کا سنبھالنا بہت دشوار ہر وقت ڈرتے رہو کہ کہیں ایسی حرکت نہ ہو جائے جس سے حج وغیرہ سارے اعمال برباد ہو جاویں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے اس حج کے مضمون کو ختم کرتے وقت اپنے عذاب کا ذکر فرمایا اے گنہگار و مایوس نہ ہو اللہ غفار ہے اور اے نیک کار و دلیر نہ ہو اللہ قہار و جبار ہے۔

حج کی قسمیں : حج و عمرہ کے چار طریقے ہیں۔ (1) افراد بالحج (2) افراد بالعمرہ (3) قران (4) تمتع۔ افراد بالحج یہ ہے کہ صرف حج کا احرام باندھ کر وہی ادا کرے اس کے ساتھ عمرہ نہ کرے۔ اس کا احرام دسویں ذی الحج کو طواف زیارت سے کھلے گا خواہ کب ہی باندھے۔ افراد بالعمرہ یہ ہے کہ صرف عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ہی کرے یا تو اس سال حج کرے ہی نہیں یا گھر لوٹ آئے اور پھر نئے سفر سے حج کرے اس واپسی کا نام المام ہے۔ اگر اسی سفر میں اسی سال حج کرلیا تو تمتع ہو گیا اس کا احرام مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کے افعال یعنی طواف و سعی کرتے ہی کھل جاتا ہے۔ قران یہ ہے کہ حج و عمرہ دونوں کو ایک ہی احرام میں جمع کرلے۔ یعنی دونوں کا احرام باندھ لے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر پہلے عمرہ کے افعال ادا کرے پھر بغیر احرام کھولے حج کے افعال بھی ادا کرکے دسویں ذی الحجہ کو احرام کھولے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ شخص مکہ معظمہ پہنچ کر پہلے طواف اور سعی عمرہ کے لئے کرے۔ پھر حج کا طواف

قدوم وسعی کرے پھر احرام پر ہی قائم رہ کر آٹھویں ذی الحجہ سے دسویں تک افعال حج یعنی قیام منیٰ اور وقوف عرفات و مزدلفہ اور دوبارہ منیٰ میں حاضر ہو کر جمرہ کی رمی کرکے قربانی اور حلق کرے پھر طواف زیارت کرکے احرام کھول دے۔ تمتع کی دو صورتیں ہیں ایک ھدی والا۔ دوسرا بغیر ھدی کا" ھدی والے تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرکے احرام بغیر کھولے مکہ معظمہ میں رہے اور آٹھویں ذی الحجہ کو اس احرام پر حج کا احرام بھی باندھ کر حج بھی ادا کرے۔ بغیر ھدی کا تمتع یہ ہے کہ اولاً" صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کرکے احرام کھول دے آزادی سے رہے پھر آٹھ تاریخ حج کا احرام باندھ کر حج کرے آج کل عام حاجی یہی کرتے ہیں اور یہی تمتع اس آیت میں مراد ہے (احمدی وغیرہ)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مکہ والوں بلکہ میقات والوں کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران کیونکہ انہیں زمانہ حج میں عمرہ کرنا ہی منع۔ اگر وہ لوگ تمتع یا قران کر بھی لیں تو ان پر کفارہ جرم کی قربانی واجب ہوگی نہ کہ شکریہ کی کیونکہ انہوں نے یہ جرم کیا (روح البیان)۔ لہٰذا وہ خود اس قربانی سے کچھ نہیں کھا سکتے۔ دوسرا فائدہ: تمتع کی قربانی شکریہ کی ہے۔ نہ کہ جرم کی کیونکہ زمانہ حج میں عمرہ کی اجازت ملنا خدا کی نعمت ہے۔ نیز ایک سفر میں چھوٹے بڑے دو حج کرکے جانا بھی خدا کا عین کرم۔ قربانی اس کا شکریہ ہے نہ کہ گناہ کا کفارہ۔ خیال رہے کہ ذبیحہ دو قسم کے ہیں۔ ذبیحہ عادت و ذبیحہ عبادت ذبیحہ عادت تو وہ ہے جو دن رات ہم کھانے کے لئے جانور ذبح کرتے رہتے ہیں۔ ان پر نہ عذاب نہ ثواب ذبیحہ عبادت وہ ہے جو رب کو راضی کرنے کے لئے کیا جاوے۔ اس ذبیحہ کی دو قسمیں ہیں۔ ذبیحہ جنایت و ذبیحہ شکر۔ ذبیحہ جنایت تو حج یا عمرہ میں ہی ہوتا ہے جبکہ کوئی واجب چھوٹ جاوے اس ذبیحہ کی نہ تاریخ مقرر ہے نہ اس میں سے مجرم خود کھا سکتا ہے۔ ذبیحہ شکر تین قسم کے ہیں۔ بچہ کا عقیقہ۔ بقرعید کی قربانی۔ تمتع یا قران کا ذبیحہ۔ اس ذبیحہ کی تاریخ بھی مقرر ہے اور خود کرنے والا کھا بھی سکتا ہے۔ تیسرا فائدہ: مرد اپنے بیوی بچوں کے مقیم ہونے سے مقیم مانا جائے گا کیونکہ اس آیت میں اہل بچوں کے مقیم ہونے کا ذکر کیا گیا لہٰذا جہاں کسی کی بیوی مقیم ہو کر موجود ہو وہاں پہنچ کر یہ شخص مقیم ہو گا نہ کہ مسافر نماز پوری پڑھے گا۔ نہ کہ قصر جیسا کہ مشہور ہے کہ سسرال کے سفر میں قصر نہیں مگر یہ رخصت سے پہلے ہے جبکہ بیوی وہاں مقیم ہو۔ چوتھا فائدہ: حقیقی اہل بیت بیوی بچے ہیں۔ لڑکی نکاح کے بعد جب شوہر کے گھر چلی جائے تو وہ اس کی اہل بیت مجازی رہی۔ دیکھو یہاں اہل سے بیوی اور اپنے گھر میں رہنے والے بچے ہی مراد ہیں اگر کسی کی بیٹی مکہ معظمہ میں رہتی ہو مگر یہ خود کہیں اور کا رہنے والا ہو تو بھی اسے تمتع جائز ہو گا لہٰذا رافضیوں کا ازواج مطہرات کو حضور کا اہل بیت نہ ماننا باطل ہے۔ وہ اس آیت کا کیا مطلب کریں گے۔ دیکھو ایک وقت حضرت زینب بنت رسول اللہ مکہ مکرمہ میں اپنے شوہر ابوالعاص کے پاس رہتی تھیں اور حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں مگر حضرت زینب کے وہاں رہنے سے حضور علیہ السلام کرکے مقیم نہ مانے گئے اور جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں بھی ایک نکاح کر لیا۔ اور اپنی اس بیوی کو وہاں ہی رکھا۔ تب آپ نے یہاں آ کر قصر نہ کیا۔ پوری نماز پڑھی جیسا کہ حدیث جاننے والوں پر ظاہر ہے لہٰذا اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضائل قرآن کریم میں وارد ہوئے۔ اس میں ازواج پاک حقیقتہ" داخل ہیں اور اولاد شریف مجازا" یا بطریقہ عموم مجاز اہل بیت سکونت اور اہل بیت ولادت۔ بدنی عبادت مالی کی قائم مقام ہو جائے یا مالی بدنی کی تو دونوں کا فائدہ یکساں ہوتا ہے۔ لہٰذا روزہ کا فدیہ روزے کی مثل ہے اور قربانی کا روزہ قربانی کی مثل۔

مسئلہ : بدنی عبادت کا فدیہ مالی عبادت ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ مالی عبادت کا فدیہ بدنی عبادت ہو جاتی ہے ' دیکھو تمتع والے پر قربانی واجب ہے مگر قدرت نہ ہونے پر اس کے عوض دس روزے 'قربانی' مالی عبادت ہے اور روزہ بدنی عبادت۔ دوسری جگہ قرآن نے روزے کا کفارہ ایک مسکین کا کھانا قرار دیا۔ لہذا میت کی طرف سے حیلہ اسقاط کرنا جائز ہے کہ اس میں میت کی چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ مال سے دیا جاتا ہے۔ ساتواں فائدہ: دو عبادتوں کا جمع کرنا حرام نہیں بلکہ بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے دیکھو حج بھی عبادت ہے اور عمرہ بھی عبادت ان دونوں کے جمع پر شکریہ قربانی سے ادا کرایا گیا۔ لہذا ختم فاتحہ جائز ہے کہ اس میں دو عبادتوں کا اجتماع ہے۔ آٹھواں فائدہ: خدا کی نعمت کا شکریہ کرنا ضروری ہے۔ دیکھو حج و عمرہ کے اجتماع کی نعمت کا شکریہ قربانی سے کرایا گیا لہذا محفل میلاد عید معراج منانی اس دن عبادتیں کرنی جائز ہے۔ مسئلہ: حج کے میقات پانچ ہیں۔ یمن اور ہند والوں کے لئے یلملم پہاڑ۔ مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ 'عراق والوں کے لے ذات عرق 'شام والوں کے لئے جحفہ ' نجد والوں کے لئے قرن 'ان حدود کے اندر رہنے والوں کو میقاتی کہتے ہیں۔ انہیں کے لئے تمتع منع ان سے باہر رہنے والوں کو آفاقی کہتے ہیں جن کے لئے تمتع وغیرہ سب حلال۔ مسئلہ: اس آیت میں تمتع کا ذکر ہے کیونکہ قران تمتع کی مثل یا اس سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے اس میں قربانی واجب کی گئی۔ مسئلہ: جو قارن یا متمتع ادائے حج سے پہلے یعنی نویں ذی الحجہ تک تین روزے نہ رکھ سکے اس کو قربانی ہی دینی پڑے گی۔ جیسے بھی ہو سکے۔ مسئلہ: حنفیوں کے نزدیک سب سے افضل قران ہے پھر تمتع پھر افراد۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے تمتع کا جواز بلکہ اس کا بہتر ہونا معلوم ہوا۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں تمتع کو بند کر دیا اور فرمایا کہ دو متعہ حضور کے زمانہ میں تھے میں ان سے منع کرتا ہوں اور کرنے والے کو سزا دوں گا۔ ایک متعہ نکاح۔ دوسرے متعہ حج انہوں نے قرآن پاک کی صریح مخالفت کی (رافضی)۔ جواب: متعہ نکاح کا جواب تو ہم انشاء اللہ نکاح کی آیتوں میں دیں گے کہ یہ حضور پاک کے زمانہ میں ہی منسوخ ہو چکا تھا۔ حج کے ہر تمتع سے منع نہ کیا۔ بلکہ خاص اس تمتع سے جو صحابہ کرام نے حجۃ الوداع کے موقع پر کیا تھا یعنی حج کا احرام باندھ کر اس پر عمرہ کر کے کھل جانا چونکہ زمانہ جاہلیت میں اس کو بہت گناہ جانتے تھے۔ اس رسم کو توڑنے کے لئے ضرورۃً حضور علیہ السلام نے یہ کرایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب ایسا تمتع کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ اب وہ ضرورت نہ رہی اور واقعی مسئلہ بھی یہی ہے (تفسیر کبیر)۔ ان کے فرزند عبد اللہ ابن عمر اس زمانہ میں بھی موجودہ تمتع کیا کرتے تھے۔ دوسرا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اہل بیت بیوی ہے مگر حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت** نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا حسن و حسین و علی رضی اللہ عنہم کو کمبل شریف میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ انہیں پاک فرمادے۔ حضور کی بیوی ام سلمہ نے بھی اس کمبل میں آنا چاہا مگر انہیں یہ کہہ کر روک دیا **مکانک انت علی خیر** وہاں ہی رہو تم بھی خیر پر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت میں بیوی داخل نہیں بیٹی داخل ہے۔ جواب: یہ حدیث تو ہمارے ہی کلام کی تائید کرتی ہے کہ ام سلمہ سے حضور نے فرمایا کہ تم تو خیر پر ہو یعنی اس آیت میں داخل ہی ہو اور تمہیں رب نے پاک فرما ہی دیا۔ تمہارے لئے دعا کی چنداں ضرورت نہیں۔ میں رحمت الٰہی کو وسیع کرنے کے لئے اپنے دیگر اہل قرابت کو بھی اہل بیت کہہ کر ان کے لئے طہارت مانگ رہا ہوں۔ دیکھو حضرت علی کو بھی اسی کمبل شریف میں داخل فرمایا۔ دوسرے دن حضرت عباس کے

گھر جا کر ان کو اور ان کے بچوں پر بھی یہی کرم فرمایا۔ حالانکہ سیدنا علی اور آل عباس حضور کی اولاد نہیں۔ جیسے کوئی بادشاہ وزیر سے کہے کہ تم اپنے اہل قرابت کو ہمارے پاس لاؤ ہم ان سب کو انعام دیں گے۔ وزیر اپنے پڑوسیوں بلکہ محلہ والوں کو بھی لے جا کر کہے کہ حضور یہ بھی میرے قریبی ہیں انہیں انعام سے نوازا جائے۔ یہ وزیر کا کرم ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوا (تحفہ) غرضیکہ صحیح یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کی بیبیاں اور اولاد دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** حج تو بہترین عبادت ہے پھر حج کی آیت کو عذاب کے ذکر پر کیوں ختم فرمایا گیا یہاں تو رحمت و قبولیت کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ عذاب کا ذکر گناہوں کے ساتھ مناسب ہوتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ حج مقبول رب کی رحمت کا باعث ہے اور حج مردود اس کے عذاب کا سبب ہے عذاب کا ذکر فرما کر بتایا گیا کہ حج مقبول ادا کرنا۔ حج مردود سے بچنا ورنہ ہمارا عذاب بہت سخت ہے۔ خیال رہے کہ حج مقبول کی علامات تین ہیں۔ حج کے بعد ہمیشہ کے لئے دل نرم ہونا۔ گناہوں سے نفرت ہو جانا نیک اعمال کی رغبت ہو جانا۔ حج مردود کی علامات ان کے برعکس ہیں۔ دل سخت ہو جاتا ہے گناہوں کی طرف میلان نیکیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے ذات الٰہی کے حاجیو اور وادی سلوک طے کرنے والو جب تم نفس امارہ دشمن سے امن پالو تو تم میں سے جو کوئی تجلی صفات کی لذت چکھ کر تجلی ذات کا حج کرنا چاہے اور ان دونوں کمالات سے تمتع (نفع) حاصل کرے۔ تو اس پر اپنے حال کے لائق قربانی واجب ہے اور جو کوئی کمزوری نفس اور اس کے سکون کی وجہ سے قربانی نہ کر سکے۔ تو اس پر پہلے تو تین روزے یعنی عقلی اور وہمی اور خیالی وسوسوں سے باز رہنا ضروری ہے کیونکہ کبھی یہ چیزیں بھی انسان کو اوپر سے نیچے گرا دیتی ہیں اور سات روزے اس حج سے فارغ ہو کر یعنی وحدت سے کثرت کی طرف اجمال سے تفصیل کی طرف لوٹتے وقت واجب ہیں۔ وہ سات روزے کیا ہیں۔ پانچوں حواس ظاہری اور غضب شہوت کے فسادات سے بچنا اور محفوظ رہنا۔ یہ دس روزے بہت کامل بنانے والے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاکر کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے (الخ) یہ تمام پابندیاں اس کے لئے ہیں جس کا قلب اور روح بارگاہ الٰہی میں پہلے سے موجود نہ ہوں بلکہ دور سے چل کر آئیں وادی محبت طے کر کے وہاں قدم رکھیں۔ جو حاضرین بارگاہ ہیں انہیں نہ ایسے مجاہدہ کی ضرورت اور نہ اتنی ریاضات کی حاجت۔ وہ تو شروع ہی سے داخل حق ہیں اور حجلہ نشین محبوبین میں سے ہیں۔ تم ان پر اپنے کو قیاس نہ کرو اور اللہ تک پہنچنے میں گناہوں کے بوجھ سے بچو کہ اس سے راستے میں بہت تکلیف ہوگی۔ اس کا عذاب بھی سخت ہے اور راستہ بھی کٹھن ہے۔

مرو زیر بار گنہ اے پسر — کہ حمال عاجز بود در سفر
تو پیش از عقوبت در عفو کوب — کہ سودے نہ دارد فغاں زیر چوب

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَ
حج چند مہینے ہیں جانے ہوئے۔ پس جو فرض کرے بیچ ان کے حج کو پس نہیں ہے جماع اور نہ فسق کی باتیں اور
حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے تو جو ان میں حج کی نیت کرے تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو

لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

نہ جھگڑا ہے حج کے اور جو کچھ کرو گے بھلائی سے جانتا ہے اسے اللہ اور توشہ لو پس تحقیق بہتر

اور نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت تک ہو اور تم جو جو بھلائی کرو اللہ اسے جانتا

خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

توشہ پرہیزگاری ہے اور ڈرو مجھ سے اے عقل والو۔

ہے اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں تمتع کا ذکر تھا اور تمتع میں عمرہ حج کے مہینوں میں ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اب حج کے مہینے بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ تمتع کا پورا پتہ لگ جائے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حج کا بھی ذکر تھا اب اس کا وقت بتایا جا رہا ہے تو گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حج و عمرہ پورا کرو جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ حج بھی عمرہ کی طرح ہمیشہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اب فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں حج کے لئے کچھ مہینے مقرر ہیں۔ عمرہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیا گیا۔ اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ حج میں جماع و گناہ اور جھگڑا چھوڑنا، چوری اور بھیک وغیرہ سے بچنے کے لئے توشہ ساتھ لے جانا تقویٰ ہے۔

شان نزول: بعض یمنی لوگ بے سروسامان ہی حج کے لئے چل پڑتے تھے اور اپنے کو متوکل کہتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کے حاجی ہیں کیا ہمیں روٹی نہ کھلائے گا اور مکہ معظمہ پہنچ کر لوگوں سے سوال شروع کر دیتے تھے بلکہ کبھی غربت کی وجہ سے غصب، خیانت اور لوٹ مار بھی کر لیتے تھے۔ ان کے حق میں یہ آیت کا آخری جملہ و تزودوا سے الباب تک نازل ہوا۔ جس میں انہیں ہدایت کی گئی کہ توشہ لے کر حج کو چلو تاکہ تمہیں آخرت کا بہترین توشہ یعنی تقویٰ حاصل ہو۔

تفسیر: **الحج اشھر معلومت** حج سے پہلے وقت پوشیدہ ہے کیونکہ حج چند کاموں کا نام ہے۔ اس کی خبر اشھر یعنی مہینے نہیں بن سکتی۔ الحج میں الف لام عہدی ہے یعنی وہ حج جو گذشتہ انبیاء کرام کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں حج طواف اور وقوف عرفات کا نام تھا پھر زمانہ ابراہیمی سے اس میں رمی، قربانی، صفا مروہ کی سعی کا اضافہ ہوا۔ ہمارے حضور کے زمانہ میں طواف قدوم، وداع اور طواف قدوم میں رمل یعنی اکڑ کر چلنے کا اضافہ ہوا ارکان حج میں زیادتی ہوتی رہی ہے۔ مشرکین نے اس میں بت پرستی، ننگے طواف کرنا، زمانہ حج میں دروازوں کی راہ مکان میں نہ جانے کا اضافہ کیا جسے اسلام نے مٹا دیا معنی یہ ہوئے کہ وہ اصل حج جو زمانہ آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے وہ معلوم مہینوں میں ہے۔ اشھر شہر کی جمع ہے بمعنی مہینہ اگرچہ جمع کم سے کم تین پر بولتے ہیں مگر یہاں دو ماہ دس دن یعنی شوال اور ذیقعد اور دس دن ذی الحجہ کے مراد ہیں کیونکہ کبھی ایک سے زیادہ کو بھی جمع سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسے قلوبکما اور اشہر سے عربی مہینے مراد ہیں نہ کہ شمسی کیونکہ

اسلامی کام چاند کے مہینوں سے ہوتے ہیں اس کی حکمتیں پہلے عرض کی جا چکی ہیں۔ معلومات سے 'پہلے جانے پہچانے ہوئے مہینے مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی حج کے یہی مہینے تھے۔ شریعت نے وقت حج میں تبدیلی نہ کی بلکہ کفار جو مہینوں میں تبدیلی کر دیتے تھے کہ رجب کو شوال کر دیتے اور شوال کو صفر اسے بند کر دیا یعنی حج کے مہینے وہ ہیں جو پہلے سے جانے پہچانے ہوئے ہیں 'جو دنیا کی پیدائش کے وقت سے مقرر ہیں تمہارے بنائے ہوئے نہیں۔

نکتہ : آمنہ خاتون کو استقرار حمل بارھویں ذی الحجہ منیٰ شریف میں ہوا کہ حضرت عبداللہ جمار کی رمی کر کے آئے اور مقاربت کی مگر وہ درحقیقت رجب تھا جسے کفار مکہ نے اس سال ذی الحجہ قرار دے کر حج کیا تھا اسی حساب سے ربیع الاول تک نو ماہ پورے ہوتے ہیں اگر اصل ذی الحجہ ہو تا تو ربیع الاول تک چار ماہ ہوتے یعنی اے مسلمانو! حج کا وقت وہی دو مہینے اور دس دن ہیں جو تمہیں پہلے سے معلوم ہیں۔ رہی یہ بات کہ حج تو فقط نویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے پھر اس کا وقت اڑھائی مہینے کیونکر ہوئے۔ اس کی وجہ انشاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کی جائے گی۔ **فمن فرض فیھن الحج**۔ فرض کے لفظی معنی ہیں کاٹنا' کھودنا۔ چونکہ کاٹنے کا اثر چیز میں لازم ہو جاتا ہے اس لئے لازم اور ضروری کو بھی فرض کہہ دیتے ہیں یا فرض کے معنی ہیں جدا کرنا۔ جیسے **سورة انزلنها و فرضنها** چونکہ ضروری چیز بھی غیر ضروری سے جدا ہوتی ہے اس لئے اسے فرض کہہ دیتے ہیں۔ یہاں **فرض** بمعنی اوجب ہے یعنی جو کوئی ان مہینوں میں احرام' تلبیہ یا ھدی تیار کر کے اپنے پر حج فرض کرے۔ خیال رہے کہ حج تو رب نے عمر میں ایک بار فرض کیا۔ مگر جب بھی کوئی احرام باندھ لے اس پر ضرور فرض ہو جاتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ سے نماز۔ **فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج** یہ ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ مَن کی جزا۔ رفث کے معنی ہیں۔ جماع مگر یہاں جماع اور اس کے اسباب بوسہ وغیرہ بلکہ عورت کے سامنے اس کا تذکرہ بھی اسی میں داخل ہے۔ فسوق کے معنی ہیں شریعت کے حدود توڑنا اور گناہ کرنا جیسے غیبت گالی گلوچ وغیرہ۔ جدال مفاعلت کا مصدر ہے اس کا مادہ جدل بمعنی فتل (بٹنا و لپٹنا) ہے۔ لگام کو جدیل کہا جاتا ہے۔ جھگڑا کو اسی لئے جدال کہتے ہیں کہ اس میں ہر ایک دوسرے کو اپنے جال میں لپیٹتا ہے۔ یہاں یا تو نوکر چاکر' ساتھیوں یا کرایہ داروں وغیرہ سے جھگڑا کرنا مراد ہے یا تاریخ حج کے بارے میں اختلاف کرنا کہ کوئی کہے کہ اس سال حج غلط ہوا۔ چاند چھوٹا ہے کوئی کہے کہ حج صحیح ہوا۔ یا امیر حج کی مخالفت کرنا یا حج کی شیخی مارنا یعنی اگرچہ گناہ ہمیشہ ہی برا ہے مگر جو حج کا احرام باندھ لے اس پر جماع بلکہ جماع کی باتیں گالی گلوچ جھگڑے وغیرہ بہت سخت منع بلکہ مکہ معظمہ پہنچ کر گناہ کرنا تو خدا کی پناہ کہ جیسے وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کا ہے ایسے ہی وہاں ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ کا اسی لئے وہاں تو گناہ سے بہت ہی ڈرو **وما تفعلوا من خیر** جو کچھ تم بھلائی کرو گے صدقہ و خیرات فرضی' نفلی نماز' طواف' بارگاہ الٰہی میں خشوع و خضوع وغیرہ **یعلمه الله** اللہ اسے جانتا ہے تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اے حاجیو تم حج کے زمانہ میں جو بھلائی ہو سکے کر گزرو یہ موقع پھر میسر ہونا مشکل ہے یا اے انسانو اپنی زندگی میں جو ہو سکے خیر کما لو ہر دم کو آخری دم سمجھو تمہارے اعمال سے نہ تو ہم بے خبر ہیں نہ ہمارے خزانوں میں کمی ہے نہ ہم بخیل ہیں تمہیں اجرت اپنی شان کے لائق دیں گے نہ کہ تمہارے عمل کے لائق۔ اس کے سوا خیال رکھو کہ **و تزودوا** اس کا مادہ ہے زاد بمعنی بڑھانا اور زیادتی کرنا۔ **و نزداد کیل بعیر** توشہ کو اس لئے زاد کہتے ہیں کہ وہ کسی قدر زیادہ لیا جاتا ہے تاکہ کام آئے۔ **تزودوا** کے معنی ہیں توشہ ساتھ لینا۔ یعنی

حج کے لئے توشہ ساتھ لے لیا کرو۔ فان خیر الزاد التقوی یہاں یا تو تقوے سے بھیک لوٹ مار سے بچنا مراد ہے یا پرہیز گاری یعنی حج میں آکر گناہوں اور بھیک سے بچنا بہتر توشہ ہے یا دنیوی توشہ اطمینان قلب اور تقویٰ کا ذریعہ ہے پھر یہ تقویٰ آخرت کا توشہ واتقون یا ولی الالباب۔ الباب لب کی جمع ہے بمعنی عقل اسی لئے عقلمند کو لبیب کہا جاتا ہے یعنی اے عقل والو! ہمیشہ ہم سے خوف کرتے رہو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! عمرہ کی طرح حج ہمیشہ ادا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے وہی مقرر مہینے ہیں جو تمہیں پہلے سے معلوم ہیں۔ اب بھی زمانہ جاہلیت کی طرح مہینوں میں ردوبدل کر کے حج کو آگے پیچھے نہ کر لینا جو کوئی ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے پر حج لازم کرے اسے چاہئے کہ نہ تو اپنی بیوی سے جماع کرے نہ جماع کے اسباب یعنی بوسہ وغیرہ نہ اس کا ذکر نہ کسی کی چغلی غیبت وغیرہ نہ کسی سے لڑائی جھگڑا اور دنگہ فساد۔ یہ باتیں ہمیشہ ہی بری ہیں مگر حج میں بہت بری اور صرف گناہ سے بچنے پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ یہاں نیکیاں کمانا کیونکہ تم جو نیکی بھی کرو گے وہ ہمارے علم سے باہر نہیں۔ ہم ضرور اس کی جزا دیں گے اور غلط پرہیز گاری سے بچو کہ توشہ نہ لاؤ اور متوکل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ۔ توشہ ضرور ساتھ لو۔ بہترین توشہ گناہوں سے بچنا ہے ہم سے ڈرتے رہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ حج میں عشق الٰہی کا ظہور ہے۔ اس لئے اس میں بعض وہ حلال چیزیں جو جذبہ عشق کو کم کریں حرام کر دی گئیں۔ اپنی بی بی سے جماع۔ عمامہ باندھنا سلا لباس پہننا اس لئے حرام ہوا تاکہ جذبہ عشق کی آگ ٹھنڈی نہ پڑ جائے اور رب کی محبت میں غیر کی محبت کی ملاوٹ نہ رہے۔ دوسرا فائدہ: حج میں اسلامی مساوات دکھلانا منظور ہے۔ اسی لئے شاہ و گدا امیر و فقیر ایک ہی وردی یعنی کفنی میں اللہ کے سامنے حاضر کر دیئے گئے اور لا جدال فرما کر امیروں وزیروں کو اپنے غلاموں کی مار پیٹ بلکہ جھڑکنے سے بھی روک دیا گیا کہ وہاں سب کی عزت و آبرو محفوظ ہے۔ تیسرا فائدہ: چونکہ حج روحانیت کی آخری منزل ہے اور گناہ دل میں تاریکی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے لا فسوق فرما کر ہر چھوٹے بڑے گناہ سے روک دیا گیا۔ چوتھا فائدہ: چونکہ حج محبت الٰہی کا زینہ ہے اس لئے فرمایا کہ تم صرف گناہ سے باز رہنے پر قناعت نہ کرو بلکہ نیکیوں میں کوشش کرو۔ پانچواں فائدہ: چونکہ حاجی رب کے مہمان ہیں اور میزبان کبھی گوارا نہیں کرتا کہ میرا مہمان بھیک مانگتا پھرے لہٰذا انہیں حکم دیا کہ ہماری دی ہوئی نعمتیں یہاں لا کر کھاؤ۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ چھٹا فائدہ: غریب پر حج فرض نہیں کیونکہ توشہ لانے کا حکم ہے اور توشہ میں سواری کا کرایہ اور راستہ کا خرچ سب ہی داخل ہیں۔ ساتواں فائدہ: مال کمانا بڑا اہم فرض ہے کیونکہ یہ صدہا گناہوں سے روک دیتا ہے دنیوی توشہ اخروی توشہ کا ذریعہ ہے۔ آٹھواں فائدہ: محترم جگہوں اور محترم وقتوں میں گناہ کا زیادہ عذاب ہے۔ دیکھو لڑائی جھگڑا فسق و فجور ہمیشہ ہی منع مگر بحالت حج زیادہ گناہ جیسے کہ مرد کو ریشم پہننا ہر وقت منع مگر نماز میں سخت گناہ باجے گانے ہر وقت منع مگر قرآن کریم باجے پر گانا زیادہ باعث عذاب۔ اس لئے حرم شریف میں جیسے ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر یونہی وہاں کا ایک گناہ لاکھ کی طرح۔ نواں فائدہ: حرام کے اسباب بھی حرام ہیں دیکھو جب احرام میں جماع حرام ہوا تو عورتوں کے سامنے اس کا ذکر کرنا بھی حرام کر دیا گیا۔ دسواں فائدہ: نفلی عبادت شروع کر دینے سے فرض ہو جاتی ہیں دیکھو نفلی حج و عمرہ شروع کر دینے سے فرض ہو گئے۔ رب

نے فرمایا فمن فرض فیھن الحج

مسئلہ : محرم کو جماع تو حرام مگر نکاح حرام نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بحالت احرام ہی نکاح فرمایا (احمدی)۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حج رب نے فرض نہیں کیا بلکہ انسان نفل نماز کی طرح خود اپنے پر فرض کر لیتا ہے کیونکہ یہاں فرض کا فاعل انسان ہے۔ جواب: حج عمر میں ایک بار ہی فرض ہے جب چاہے ادا کرے مگر احرام باندھنے سے وہ معین ہو جاتا ہے جیسے نماز عشاء کا وقت ساری رات ہے مگر جس وقت شروع کر دی گئی تب ادا لازم ہو گئی۔ لہذا فرضیت تو خدا کی طرف سے ہے اور اس کا تقرر بندہ کی طرف سے نیز جن پر حج فرض نہیں ان پر بھی احرام باندھنے سے فرض ہو جاتا ہے۔ دوسرا اعتراض: حج تو چند روز میں ادا ہوتا ہے پھر اس کے کیا معنی کہ اس کا وقت اڑھائی مہینے ہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ان مہینوں میں احرام بلا کراہت جائز ہے کہ رمضان میں حج کا احرام باندھنا مکروہ اور شوال میں بلا کراہت جائز۔ چونکہ ان مہینوں میں حج کے بعض کام یعنی احرام ہو سکتے ہیں۔ اس لئے انہیں حج کا وقت قرار دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ جو کوئی ایک سفر میں ان مہینوں میں عمرہ کر کے حج کر لے وہ متمتع ہو جاتا ہے۔ رمضان میں عمرہ کرنے والا متمتع نہ کہلائے گا تو عمرہ کے لحاظ سے یہ زمانہ وقت حج ہے۔ تیسرے یہ کہ کام کے وقت کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ تیاری کے لئے دوسرا ادا کے لئے۔ سارا رمضان روزہ کا وقت ہے مگر اس کی راتیں تیاری روزہ کے لئے مقرر ہیں اور دن روزہ کے لئے۔ ایسے ہی عید کا چاند دیکھتے ہی حاجی سفر کی تیاری کرتے ہیں اور مکہ والے حاجیوں کے لئے اپنے مکانوں وغیرہ کی مرمت صفائی قلعی وغیرہ کراتے ہیں اس لئے ان مہینوں کو وقت حج کہا گیا۔ تیسرا اعتراض: تو چاہئے کہ شوال سے پہلے احرام بالکل ناجائز ہو پھر حنفی رمضان وغیرہ میں احرام کیوں جائز مانتے ہیں۔ جواب: اس لئے کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج اس میں سارے قمری مہینوں کو حج کا وقت قرار دیا گیا اور اس آیت میں صرف اڑھائی مہینوں کو۔ یہ دونوں آیتیں اس طرح جمع کی گئیں کہ ہر وقت احرام با کراہت جائز اور ان مہینوں میں بلا کراہت۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی مناظرے ناجائز ہیں۔ اگر یہ عبادت ہوتے تو حج میں ان کی ممانعت نہ کی جاتی۔ لا جدال فی الحج سے ہر دینی اور دنیوی جھگڑا سخت منع کر دیا گیا۔ نیز رب فرماتا ہے ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ جواب دینی مناظرے بہترین عبادت ہیں۔ رب نے فرمایا و جادلھم بالتی ھی احسن نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے عرض کیا تھا ینوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا۔ حق یہ ہے کہ جھوٹ پر اڑنے یا مال و عزت کی طلب کے لئے جھگڑا بہت بری چیز ہے مگر اظہار حق، تبلیغ دین کے لئے مناظرہ وغیرہ بہتر۔ یہاں جھگڑوں سے دنیوی جھگڑے مراد ہیں اور حج میں اسی کی ممانعت ہے (کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے حج بیت اللہ کے لئے چند مہینے مقرر ہیں ویسے ہی حج رب البیت کے لئے بھی ایک وقت مقرر یعنی دنیوی زندگی کہ موت کے وقت یا بعد موت کوشش کرنا بیکار اور جیسے کہ اس حج کے لئے میقات معین ویسے ہی اس حج کے لئے جوانی کا زمانہ مقرر کہ بلوغ سے چالیس سال تک کی عمر میں جو کچھ ہو سکے کما لے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ چالیس سال کے بعد

صوفی بننا بہت مشکل ہے پھر اس حاجی کے لئے ضروری ہے کہ رَفَث یعنی شہوانی خیالات اور فسوق یعنی غضب و غصے اور جدال یعنی وہمیات وغیرہ سے دور رہے اور شیطانی وسوسوں سے بھاگے۔ عقل پر زور دے اور اپنے میں فرشتہ کی خصلتیں پیدا کرے۔ اس میں جتنی ترقی کرے گا اتنا ہی نفع میں رہے گا نیز اس سفر کے لئے شریعت کی سواری اور تقویٰ کا توشہ ضروری ہے۔ پہلے یہ توشہ اختیار کرو پھر اولیٰ محبت میں قدم رکھو۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ جو شخص تین چیزیں نہ لائے اس کا حج فائدہ مند نہیں۔ ایک یہ کہ کامل تقویٰ جو اسے حرام سے بچائے۔ دوسرے بردباری جو اسے غضب و غصے سے محفوظ رکھے۔ تیسرے مسلمانوں خصوصاً اپنے ساتھیوں سے اچھا برتاؤ بلکہ ضروری ہے کہ حاجی سفر حج سے پہلے اپنے کو بندوں کے حقوق سے پاک و صاف کر لے ورنہ کامیابی نہ پائے گا۔ شاہی دربار میں جانے سے پہلے غسل و کپڑوں کی صفائی اور درباری لباس پہننا ضروری ہے۔ اس دربار کی حاضری سے پہلے بھی اپنا قلب و قالب اور روح کی صفائی بہت لازم ہے (روح البیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ عقل انسانی تین طرح کی ہے۔ عقل شیطانی جو کفر و معاصی کی طرف رہبری کرتی ہے اسی عقل سے شیطان مارا گیا۔ عقل نفسانی جو دنیاوی کاروبار چلاتی ہے۔ اسی عقل سے سائنسی ایجادات ہیں۔ عقل رحمانی جس کے ذریعہ رب کی اطاعت آخرت کی تیاری نصیب ہوتی ہے یہاں اولی الالباب میں انہیں عقل رحمانی والوں سے خطاب ہے جیسے آنکھ بغیر خارجی نور کے بیکار ہے ایسے ہی عقل بغیر ایمانی نور اور رحمانی کرم کے بیکار ہے اسی لئے ارشاد ہوا کہ اے عقل والو! تقویٰ کا توشہ لو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ

نہیں ہے اوپر تمہارے گناہ یہ کہ تلاش کرو فضل طرف سے رب اپنے کے۔ پس جب چلو عرفات سے

تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو جب تم عرفات سے پلٹو تو اللہ کی یاد کرو

عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَ

تو ذکر کرو اللہ کا نزدیک مشعر حرام کے۔ اور یاد کرو اس کی جس طرح کہ ہدایت دی تم کو

مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی اور بیشک اس سے پہلے تم بہکے ہوئے تھے

اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ

تحقیق تھے تم پہلے سے البتہ بھٹکے ہوؤں سے۔ پھر چلو تم جہاں سے کہ چلیں لوگ اور دعائے

پھر بات یہ ہے کہ اے قریشیو تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

مغفرت کرو اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حج میں جھگڑے سے منع کیا گیا تھا جس سے شبہ ہو تا تھا کہ شاید حج میں تجارت بھی منع ہو کیونکہ اس میں بھی قیمت طے کرنے میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے اب فرمایا جارہا ہے کہ تجارت جائز ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حج میں جماع نہ کرو۔ نیز سلے کپڑے پہننا، سر ڈھکنا اور بہت سے جائز کام منع کر دیئے گئے۔ خیال ہو تا تھا کہ تجارت بھی حرام ہو گی۔ اس آیت میں یہ وہم دفع کیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حج میں توشہ لینے کا حکم دیا گیا اور توشہ میں سواری بھی داخل ہے اور سواری کرایہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا اب تجارت کی اجازت دی جارہی ہے تاکہ کرایہ کی بھی اجازت ہو جائے۔ **چوتھا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ حج و عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔ جس سے وہم ہو تا تھا کہ اس سفر میں سوائے حج کوئی دنیوی کام جائز نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ نہیں تجارت بھی کر سکتے ہو۔ مگر اصل مقصود سوائے حج ہو۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ توشہ لے کر حج کو آؤ اب اس حکم میں وسعت دی گئی کہ اگر کوئی صاحب کمال شخص کماتا کھاتا حج کر آوے تو بھی حرج نہیں حج میں چوری، قزاقی، بھیک منع ہے۔ بہت سے غریب غرباء جو کچھ ہنر جانتے ہیں حج میں اپنے ہنر سے کمائی بھی کرتے ہیں، حج بھی۔ ہم نے بعض نائی، درزی دیکھے جو حجامتیں کرتے، کپڑے سیتے ہوئے گئے حج کر آئے۔

شان نزول : اس کے شان نزول کے متعلق چند روائتیں ہیں۔ (۱) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ زمانہ حج میں تجارت سے سخت پرہیز کرتے تھے بقر عید کا چاند دیکھتے ہی بازار کے قریب بھی نہ جاتے اور حج میں تجارت کرنے والے کو کہتے تھے کہ یہ حاجی نہیں داجی ہے۔ یعنی کمائی کرنے والا (اس سے دجاجہ بنا بمعنی مرغی) بلکہ بعض تو اس زمانہ میں مہمان نوازی، کمزوروں کی مدد اور دوسرے نیک کام بھی بند کر دیتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف حج ہی کا زمانہ ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (2) عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ہم لوگ اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ تمہارا حج نہیں ہو تا کیا یہ سچ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھی ایک ایسا ہی سوال پیش ہوا تھا۔ جس پر یہ آیت کریمہ اتری تھی۔ لہٰذا حج میں تجارت، مزدوری، کرایہ کا کاروبار جائز ہے۔ (3) عرب میں عکاظ۔ مجنہ اور ذوالمجاز بڑے بڑے بازار تھے۔ جہاں حج کے موسم میں بڑے بڑے کاروبار ہوتے تھے اس پر ان کی گزر اوقات تھی جب اسلام دنیا میں تشریف لایا اور لوگوں کے دلوں میں تقویٰ کا جذبہ پیدا ہوا۔ تب انہوں نے حج میں تجارت بھی گناہ سمجھی اور حضور علیہ السلام سے دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر کبیر و روح المعانی و بخاری وغیرہ)۔ مگر ان تینوں روایتوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ساری ہی صورتیں جمع ہو گئی ہوں۔ جن پر یہ آیت کریمہ اتری ہو۔

تفسیر : **لیس علیکم جناح**، جناح، جنح سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں میلان۔ **فان جنحوا للسلم**۔ گناہ کو جناح اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ صحیح راستہ سے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی اے حاجیو تم پر گناہ نہیں بعض نے فرمایا کہ اکثر گناہ کبیرہ کو سیئہ یا معصیت وغیرہ کہتے ہیں اور گناہ صغیرہ کو جناح یعنی درستی سے قدرے ہٹ جانا اسی صورت میں اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ زمانہ حج میں کمائی کرنا گناہ کبیرہ تو کیا گناہ صغیرہ بھی نہیں بلکہ کبھی یہ کاروبار باعث ثواب بن جاتے ہیں۔ کہ بغیر کاروبار حج ناممکن ہے اگر مکہ معظمہ منیٰ عرفات وغیرہ میں دکانیں نہ ہوں تو حجاج کہاں سے کھائیں اگر وہاں سواریاں اور خیمے کرایہ پر نہ دیئے جائیں تو

حجاج عرفات وغیرہ کیسے پہنچیں اور وہاں کس جگہ ٹھہریں۔ غرضیکہ تجارت و کرایہ پر حج موقوف ہے۔ نیز اہل مکہ کا گزارہ حج پر ہے اس زمانہ میں وہ کماتے ہیں سال بھر کھاتے ہیں اگر حج میں سارے کام ممنوع ہوں تو اہل مکہ گزارہ نہیں کر سکتے۔ **ان تبتغوا فضلا" من ربکم** ان سے پہلے فی پوشیدہ ہے۔ تبتغو کا مادہ بغی ہے جس کے معنی حد سے نکلنا' کوشش کرنا' تلاش کرنا' ڈھونڈنا ہیں۔ یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں۔ فضل کے معنی ہیں زیادتی' خواہ کسب سے حاصل ہو یا بغیر کسب' چونکہ تجارتی نفعے وغیرہ اصل مقصود (حج سے) زیادہ ہیں۔ اس لئے انہیں یہاں فضل فرمایا گیا اور فضل میں تجارت' کرایہ' مظلوموں کی امداد' ضعیفوں کی دستگیری غرضیکہ ہر جائز اور نافع کام سب ہی شامل ہیں یعنی حاجیوں پر اس میں گناہ نہیں کہ وہ حج کے ساتھ ہی اللہ کا فضل تجارتی نفع وغیرہ بھی تلاش کرلیں۔ ناجائز دھندے عموماً" نہ کریں اور حج میں خصوصاً" اس سے بچیں لہذا اکوئی گویا گا تا بجاتا اس سے روزی کما تا حج کو نہ جاوے۔ مگر ضروری ہے کہ یہ تجارت ادائے حج میں نقصان نہ پیدا کرے اس لئے اس کے ساتھ ہی ذکر اللہ اور عرفات سے روانگی وغیرہ کا بیان ہوا کہ **فاذا افضتم من عرفات' افضتم** افاضہ سے بنا۔ جس کا مادہ ہے فیض بمعنی زور سے بہنا۔ آنسو بہنے کو بھی فیض کہتے ہیں۔ تفیض من الدمع کسی جگہ سے لوگوں کے ایک دن نکلنے کو بھی اسی لئے فیض کہہ دیتے ہیں کہ وہ مثل بہتے پانی کے بہہ رہے ہیں بلکہ بڑی مہربانی کو فیض اور سپرد کرنے کو تفویض کہا جاتا ہے چونکہ عرفات سے لوٹتے وقت انسانوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں افضتم فرمایا گیا۔ عرفات عرفہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں جاننا۔ پہچاننا یا خوشبو یا اعتراف و اقرار۔ اصطلاح میں اس میدان کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل فاصلہ پر مزدلفہ سے آگے واقع ہے۔ اسی جگہ ٹھہرنے کا نام حج ہے چونکہ یہ علم نہیں بلکہ اس جنگل کے ہر حصہ کا اسم ہے۔ اس لئے غیر منصرف نہ ہوا لفظ تانیث غیر منصرف نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ تسمیہ اور فضائل وغیرہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں بیان کئے جائیں گے یعنی پس جب تم عرفات سے نکلو تو سیدھے منیٰ یا مکہ معظمہ آجاؤ **فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام** ذکر اللہ سے تلبیہ' تسبیح' رب کی حمد و ثنا' دعا وغیرہ سارے ہی ذکر مراد ہیں۔ عند سے معلوم ہوا کہ مشعر حرام کے پاس ٹھہرنا زیادہ بہتر ہے اگرچہ سارے مزدلفہ میں ٹھہرنا جائز ہے۔ مشعر مشعور یا شعار سے بنا۔ اس کے معنی ہیں نشان اور علامت حرام بمعنی محترم اور عزت والا۔ مشعر حرام مزدلفہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اسی کو قزح اور مقیدہ بھی کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ عرفات سے واپس ہو کر تمام رات اس پر آگ جلاتے تھے۔ اسلام نے حکم دیا کہ یہ بیہودہ بات ہے۔ یہاں آکر اللہ کا ذکر کرو۔ پھر ذکر بھی اپنی رائے سے نہیں بلکہ **واذکروہ کما ھدکم** اسے ایسے ہی یاد کرو جیسے اس نے تمہیں بتایا۔ عاجزی' زاری' ڈر اور امید کے ساتھ۔ پہلے جملہ میں مقام ذکر کا بیان تھا۔ اور اس میں طریقہ ذکر کا کہ مشعر حرام کے پاس ذکر کرو اور ایسا کرو جیسا کہ اس نے تمہیں بتایا **وان کنتم من قبلہ لمن الضالین** قبلہ میں' ہ کا مرجع یا تو اسلام ہے اور یا ہدایت جو کہ ھدکم سے معلوم ہو چکے۔ واؤ ابتدائیہ ہے یا عاطفہ' اور ان۔ ان سے بنا۔ ان کا اسم یعنی کم پوشیدہ ہے یعنی اس میں شک نہیں کہ تم ہمارے بتانے یا اسلام سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے کہ حج تو کرتے تھے مگر غلط طریقہ سے عبادات میں عادات شامل ہو گئی تھیں جہالت کی رسموں کو اس میں داخل ہو گیا تھا۔ **ثم افیضوا من حیث افاض الناس**۔ ثم صرف ترتیب ذکری کے ہے نہ کہ واقعہ کی ترتیب کے لئے۔ کیونکہ عرفات سے روانگی کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ افیضوا میں قریش سے خطاب ہے۔ اور ناس سے قریش کے علاوہ دیگر لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ اسلام سے پہلے قریش تو مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں۔ حدود حرم سے باہر نہ جائیں گے اور دیگر لوگ

عرفات تک پہنچتے تھے۔ واپسی کے وقت قریش تو مزدلفہ سے اور دیگر لوگ عرفات سے پلٹتے تھے۔ قریش اپنی شیخی کی وجہ سے سنت ابراہیمی سے محروم رہتے تھے۔ عرفات تک پہنچنا اور وہاں سے لوٹنا سنت ابراہیمی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اے قریش! پھر یہ بھی خیال رکھو کہ تم بھی وہیں سے لوٹو جہاں سے باقی لوگ لوٹیں یعنی عرفات سے اور لوٹنے کے لئے وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ خیال رہے کہ عرفات سے لوٹنے کو رب تعالیٰ نے یہاں افاضہ سے تعبیر فرمایا ہے کہ پہلے فرمایا **افضتم** پھر **افیضوا**۔ کیونکہ افاضہ کے معنی ہیں بہنا۔ یا اس لئے کہ اس میں اشارۃً غیبی خبر ہے کہ ابھی تو صرف اہل عرب ہی حج کرتے ہیں مگر آئندہ اسلام تمام دنیا میں پھیلے گا اور لوگ ہر ملک سے یہاں حج کے لئے اتنی کثرت سے آیا کریں گے جب عرفات سے حجاج لوٹیں گے تو انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوا کرے گا یا اشارۃً فرمایا گیا کہ جیسے دریا میں غوطے لگانے اور بہہ جانے سے ناپاک آدمی پاک ہو جاتا ہے ایسے ہی عرفات میں آتے ہی گنہگار بے گناہ بن جاتا ہے۔ **واستغفروا اللہ** اور اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگو کیونکہ **ان اللہ غفور رحیم** اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اس جملہ استغفروا اللہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ روئے سخن سرداران قریش سے ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ تم لوگ جو زمانہ کفر میں اپنے حج برباد کرتے رہے ہو کہ عرفات نہ آتے تھے وغیرہ وغیرہ ان کی رب سے معافی مانگو اس طرح کہ مسلمان ہو کر زبانی، جنانی، ارکانی استغفار کرو اگرچہ کفار احکام شرعیہ کے دنیا میں مکلف نہیں مگر آخرت کے لحاظ سے مکلف ہیں کہ انہیں عقائد و اعمال دونوں کی سزا ملے گی۔ **قالوا لم نک من المصلین** اسی لئے معافی مانگو وہاں کے عذاب سے بچو دوسرے یہ کہ روئے کلام مسلمان حجاج سے ہو یعنی اے حاجیو! یہاں آکر دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہو زیادہ توبہ و استغفار کرو اور پھر حاجی بن چکنے کے بعد شیخی نہ مارو کہ ہم تو حاجی ہو گئے بلکہ ہمیشہ ہم سے معافی مانگتے رہو ہم تو ایسے غفور رحیم ہیں کہ برسوں کے گنہگار کو ایک دم میں معافی دے دیتے ہیں۔ سورج پانچ منٹ میں رات بھر کی برف گلا دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے حاجیو! تم یہ نہ سمجھنا کہ جماع و جدال وغیرہ کی طرح حج میں تجارت بھی منع ہے۔ نہیں اس کی تمہیں اجازت ہے کیونکہ تجارت اور کرایہ وغیرہ کے بغیر حج ناممکن ہے۔ لہذا تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ حج کے ساتھ ہی ساتھ تجارتی نفع، محنت مزدوری وغیرہ اور خدا کے دیگر فضل بھی حاصل کر لو۔ تو جب تم تمام ارکان ادا کر کے عرفات سے پلٹو تو مزدلفہ میں آکر مشعر حرام کے پاس بھی ٹھہر کر اللہ کا ذکر ایسا کرو جیسا تمہیں اس نے بتایا تم پہلے بہکے ہوئے تھے۔ عبادات بگاڑ کر کرتے تھے۔ غلطیوں میں پھنسے تھے۔ اس نے تمہیں ہدایت دی پھر اے قریش یہ بھی خوب یاد رکھو کہ تم مزدلفہ سے ہی مت لوٹ آیا کرو بلکہ دوسروں کی طرح عرفات جا کر سب کے ساتھ وہاں سے ہی لوٹا کرو کہ یہ سنت ابراہیمی ہے اور اللہ سے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگو کہ وہ تو غفور رحیم ہے اور یہ حرم کی زمین وہ ضرور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ استغفار ہر طرح کا چاہئے زبانی بھی کہ زبان سے استغفر اللہ پڑھا کرے یہ ہمارے جد امجد کی سنت ہے کہ آپ نے دنیا میں آکر پہلی عبادت یہی کی۔ جنانی استغفار یعنی ندامت و شرمندگی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد بھی کرو۔ ارکانی استغفار بھی کرو کہ آئندہ عمل میں تبدیلی ہو جاوے حاجی کو چاہئے کہ اپنے حج کی یادگار میں کوئی گناہ چھوڑ دے کہ کبھی وہ گناہ نہ کرے۔

عرفات، مزدلفہ وغیرہ

آٹھویں ذی الحجہ کو یوم الترویہ اور نویں کو یوم عرفہ دسویں کو یوم النحر کہتے ہیں۔ حاجی مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں قیام کرتے ہیں جس کا پورا ذکر انشاء اللہ اگلی آیت میں آئے گا۔ ہم یہاں ان الفاظ کے معنی اور وجہ تسمیہ اور فضائل بیان کرتے ہیں۔

یوم الترویہ: یہ روی سے بنا جس کے معنی ہیں غور کرنا یا پانی پلانا۔ اس دن کو ترویہ کہنے کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ جب آدم علیہ السلام کو بیت اللہ بنانے کا حکم دیا گیا تو آٹھویں ذی الحجہ کو آپ نے غور کیا اور رب سے عرض کیا کہ مجھے اس کی کیا اجرت ملے گی۔ حکم الہٰی آیا کہ اس کے اول طواف میں تمہاری تمام خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ عرض کیا مولا کچھ اور دے۔ فرمایا کہ تمہاری اولاد میں بھی جو طواف کرے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ عرض کیا کچھ اور دے۔ حکم ہوا کہ حاجی طواف کرتے وقت جس کے لئے دعا بھی کر دیں گے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ عرض کیا بس مجھے کافی ہے چونکہ اس تاریخ آدم علیہ السلام نے غور و فکر کیا اس لئے اس کا نام یوم الترویہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے آٹھویں ذی الحجہ کی شب میں خواب دیکھا تھا جس میں بیٹے کی قربانی کا حکم تھا۔ صبح کو غور کیا کہ یہ سچی خواب ہے یا شیطانی۔ یہ دن غور میں گزرا۔ نویں کی شب کو پھر یہی خواب دیکھا تو پہچانا کہ سچا خواب ہے۔ اس لئے آٹھویں کا نام یوم الترویہ یعنی غور کرنے کا دن اور نویں کا نام یوم عرفہ یعنی پہچاننے کا دن رکھا گیا۔ تیسرے یہ کہ مکہ والے آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں دعائیں سوچا کرتے تھے کہ کل عرفات میں رب سے کیا کیا مانگیں۔ لہٰذا اس کا نام یوم الترویہ یعنی دعائیں سوچنے کا دن رکھا گیا۔ چوتھے یہ کہ مکہ والے آٹھویں ذی الحجہ میں اپنے جانوروں کو بھی پانی پلاتے تھے اور عرفات میں اپنے پینے کے لئے بھی جمع کر لیتے تھے اس لئے اسے یوم الترویہ یعنی پانی پلانے کا دن کہا جاتا ہے۔

عرفہ یا عرفات: اس کے دس نام ہیں۔ (1) عرفہ۔ (2) یوم ایاس۔ (3) یوم اکمال۔ (4) یوم اتمام۔ (5) یوم رضوان۔ (6) یوم حج اکبر۔ (7) شفیع۔ (8) وتر۔ (9) شاہد۔ (10) مشہود۔ یہ سب نام قرآن سے معلوم ہوئے۔ عرفہ یا تو معرفت سے بنا یا عرف یا اعتراف سے۔ چونکہ اس میدان میں حاجیوں کی یک رنگی دیکھ کر خالق کی معرفت اور پہچان ہوتی ہے اور سخت دل والوں پر بھی ہیبت اور گریہ زاری طاری ہو جاتی ہے لہٰذا اسے عرفہ ہے نیز اسی میدان میں جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ارکان حج بتائے اور آپ نے اس کا طریقہ جانا اور پہچانا۔ لہٰذا عرفہ کہا گیا۔ نیز جنت سے آدم علیہ السلام تو سراندیپ میں اور حضرت حوا جدہ میں اور ابلیس نیسان میں اور سانپ اصفہان میں اتارے گئے۔ تین سو برس کے بعد آدم علیہ السلام نے اسی میدان عرفات اور نویں ذی الحجہ کے دن حضرت حوا سے ملاقات کی اور انہیں پہچانا لہٰذا یہ میدان تو عرفہ اور یہ تاریخ یوم عرفہ کہی گئی نیز ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیوی بچے بیت اللہ کے پاس چھوڑے اور خود شام کی طرف لوٹ گئے۔ کئی سال کے بعد نویں ذی الحجہ میدان عرفات میں اپنے لخت جگر سے ملے اور انہیں پہچانا۔ لہٰذا اسے عرفہ کہا گیا نیز اسی میدان میں پہنچ کر حاجی اپنے گناہوں اور رب کی رحمت کا

اعتراف و اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے اسے عرفہ کہتے ہیں یعنی اقرار کرنے کی جگہ نیز حضرت آدم و حوا نے اسی میدان میں کھڑے ہو کر اپنے قصور کا اقرار ان الفاظ سے کیا ربنا ظلمنا انفسنا تب ارشاد الٰہی ہوا الان عرفتما انفسکما تم نے اپنے کو اب پہچانا (کبیر) ممکن ہے کہ عرف، بمعنی خوشبو سے بنا ہو جیسے کہ روزہ دار کے منہ کی بو۔ رب کو مشک سے زیادہ پیاری ہے۔ ایسے ہی حاجی کا عرفات والا پسینہ اسے پیارا ہے اسی لئے اسے عرفہ کہا گیا۔ چونکہ حج وداع سے پہلے کفار کو اسلام کے مٹ جانے کی امید تھی مگر حج وداع میں عرفہ کے دن وہ اس سے مایوس ہوئے۔ رب نے فرمایا الیوم یئس الذین کفروا۔ اسی تاریخ اور اسی جگہ میں یہ آیت کریمہ بھی اتری الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا "۔ جس میں دین کے کامل ہونے نعمت کے پورا ہونے اور اسلام کے پسندیدہ دین ہونے کی خوشخبری دی گئی۔ اس لئے اس دن کا نام یوم ایاس یوم اکمال اور یوم رضوان رکھا گیا۔ چونکہ بڑا حج یعنی حج اسی تاریخ میں ہوتا ہے اور چھوٹا حج یعنی عمرہ ہمیشہ لہٰذا اس کا نام یوم حج اکبر بھی ہوا۔ رب نے فرمایا والشفع والوتر۔ قسم ہے جفت اور طاق کی۔ اور یہ دن یوم ترویہ کا جفت ہے اور چونکہ نویں تاریخ ہے لہٰذا طاق بھی۔ اس لئے اسے یوم الشفع اور یوم الوتر بھی کہا جاتا ہے نیز رب نے فرمایا و شاھد و مشھود قسم ہے اس دن کی جو لوگوں کے پاس حاضر ہو اور لوگ بھی اس میں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں اور یہی وہ دن ہے۔ اس لئے اس کا نام شاہد و مشہود بھی ہوا (کبیر)۔

یوم النحر : دسویں ذی الحجہ کا نام ہے۔ نحر کے معنی ہیں قربانی فصل لربک وانحر چونکہ اس دن میں ہر جگہ عموماً اور منیٰ میں خصوصاً قربانیاں ہوتی ہیں لہٰذا اس کا نام یوم النحر ہوا۔

مزدلفہ : یہ زلف سے بنا۔ بمعنی قرب و لیقربونا الی اللہ زلفی " یہ باب افتعال کا اسم فاعل یا مفعول ہے چونکہ ف کلمہ ز تھا۔ اس لئے افتعال کی ت دال بن گئی۔ اس کے معنی ہیں قریب کرنے والی جگہ۔ چونکہ یہاں حاجیوں کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے نیز آدم علیہ السلام حضرت حوا سے پہلی بار اسی مقام پر قریب ہوئے لہٰذا اس جگہ کا نام مزدلفہ ہوا (کبیر)۔

فضائل : ان دنوں اور ان مقامات کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) سیدنا عبادہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا بقر عید کے عشرہ میں ہر روزہ کا ثواب ایک ماہ کے برابر ہے اور آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ ایک سال کے برابر اور نویں کا دو سال کے برابر (2) حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آٹھویں ذی الحجہ کے روزہ رکھنے والے کو رب تعالیٰ صبر ایوب کا ثواب اور نویں کے روزہ دار کو عیسیٰ علیہ السلام کا ثواب عطا فرماتا ہے (کبیر)۔ (3) حضور علیہ السلام نے عرفات میں حاجیوں کی بخشش کی دعا فرمائی تو حقوق اللہ معاف کر دیئے گئے۔ پھر مزدلفہ میں دعا کی تو حقوق العباد بھی بخش دیئے گئے (مشکوٰۃ)۔ (4) نویں ذی الحجہ کو شیطان بہت ذلیل اور حقیر ہوتا ہے۔ (5) ایک حج مقبول بیس جہادوں سے افضل ہے۔ (6) علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس اونٹ پر سات حج کر لئے جائیں اللہ اسے جنت کے باغوں میں چرنے کی اجازت دیتا ہے۔ (7) امام نہرانی نے فرمایا کہ ایک تنور والے نے ایک اونٹ کی رسی کو تنور میں جلانا چاہا مگر وہ نہ جلی۔ بہت کوشش کرنے پر بھی کامیاب نہ ہوا۔ ہاتف سے آواز آئی کہ یہ اونٹ کی وہ رسی ہے۔ جس پر دس بار حج کیا گیا۔ اسے آگ کیونکر جلائے (روح البیان)۔ (8) آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور نویں کا روزہ دو سال کے (کبیر)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شخصی عبادت سے قومی عبادت بہتر ہے اکیلے نماز سے جماعت کی نماز افضل کہ ایک کی قبول تو سب کی قبول۔ دیکھو قریش کا مزدلفہ سے لوٹ آنا گویا ان کی شخصی عبادت تھی اور عرفات سے واپس ہونا قومی عبادت تھی۔ رب نے انہیں عرفات سے لوٹنے کا حکم دیا تاکہ عبادت قومی بنے جس میں امیر غریب، سردار ماتحت سب یکساں ہوں۔ دنیا اور دنیا کی چیزیں باعث امتیاز ہیں آخرت اور وہاں کی چیزیں اسی امتیاز کی اٹھانے والی گھر پہنچ کر امیر، فقیر، مکان، لباس، غذا وغیرہ میں ممتاز ہو جاتے ہیں مگر مسجد میں پہنچتے ہی سب یکساں۔ حج میں اس یکسانیت کا وہ نمونہ قائم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اسی لئے حکم ہوا کہ جہاں سے سب آئیں وہاں سے تم بھی آؤ۔ دوسرا فائدہ: تجارت بہت بہتر چیز ہے کہ حج جیسی عبادت میں بھی اس کی اجازت دی گئی۔ تجارت ہی سے دنیا کا بقا ہے اور یہی ذریعہ حج اگر سواریاں کرایہ پر نہ لی جائیں اور احرام کا لباس اور قربانی کے جانور نہ خریدے جائیں تو حج کیونکر ہو۔ اسی لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارہا تجارت فرمائی۔ تجارت مسلمانوں کا خاص فن تھا۔ افسوس کہ وہ اس کو بھی کھو بیٹھے۔ تیسرا فائدہ: ادائے عبادت کے وقت قومی امتیاز اور دنیوی بڑائیاں محرومی کا باعث ہیں دیکھو قریش کو حکم ہوا کہ تم بھی عام لوگوں کے ساتھ عرفات ہی پہنچا کرو۔ اور ان کے ساتھ ہی واپس ہوا کرو۔ چوتھا فائدہ: ہمیشہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ جماعت سے علیحدگی ہلاکت ہے۔ پانچواں فائدہ: عرفات و مزدلفہ اور مسجد وغیرہ کی زمینیں کسی کی ملک نہیں۔ بادشاہ بھی فقیر کو کہیں سے نہیں ہٹا سکتا۔

حکایت : مشہور ہے کہ ایک دفعہ سلطان ہارون الرشید نے اپنی بیوی زبیدہ خاتون سے کہا کہ اگر تو آج شام تک میری سلطنت سے باہر نہ نکل جائے تو تجھے طلاق۔ بعد میں سلطان بہت پچھتائے اور زبیدہ بھی پریشان ہوئیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں تیز سواریاں نہ تھیں اور اس کی سلطنت مشرق و مغرب میں تھی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے زبیدہ کو فرمایا کہ تو مسجد میں چلی جا کہ وہاں سلطان کی بادشاہت نہیں۔ سلطان نے امام پر زر و جواہر نچھاور کئے۔ چھٹا فائدہ: حلال پیشے اور حلال تجارتیں اختیار کرنی چاہئیں۔ گانے بجانے کا پیشہ اور شراب وغیرہ کی تجارت حرام ہے اسی لئے یہاں فرمایا گیا۔ **فضلا** " من ربکم۔ رب کا فضل یعنی حلال کمائی تلاش کرو۔ ساتواں فائدہ: حج میں تجارت جائز مگر اس شرط سے کہ ادائے حج میں اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہ ہو اور اصل مقصود حج ہو نہ کہ تجارت۔ پھر بھی علماء فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ اس سے بچے اور حج خالص کرے (روح البیان)۔ آٹھواں فائدہ: اگرچہ سارا مزدلفہ حاجیوں کا قیام گاہ ہے مگر مشعر حرام کے پاس ٹھہرنا زیادہ بہتر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں ذکر اللہ کا حکم دو جگہ کیوں دیا گیا۔ ایک ہی کافی تھا؟ جواب: پہلے تو ذکر کی جگہ بتائی گئی اور پھر اس کا طریقہ یا پہلے ذکر سے ذکر زبانی۔ اور دوسرے سے ذکر قلبی مراد ہے یا پہلے ذکر سے مغرب و عشاء جمع کرنا اور دوسرے ذکر سے عام دعائیں مراد یا چونکہ کفار مکہ یہاں رات بھر آگ جلاتے تھے۔ یہ رسم توڑنے کے لئے ذکر اللہ کا بار بار حکم دیا گیا۔ دوسرا اعتراض: **ثم افيضوا** ' **واذكروه** پر معطوف ہے اور ثم ترتیب چاہتا ہے تو لازم آیا کہ قیام عرفات مزدلفہ کے بعد ہو۔ جواب: اس سے پہلے **فاذكروا الله** ' **فاذا افضتم** کی جزا بن کر آ چکا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ مزدلفہ کا قیام عرفات کے بعد ہے۔ **ثم افيضوا** سے محض قریش کی رسم توڑنا مقصود ہے نہ کہ بیان ترتیب۔ بعض لوگوں نے یہ فرمایا کہ **ثم**

افیضوا سے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلنا مراد ہے اور ناس سے قریش مراد ہیں۔ یعنی مزدلفہ سے فارغ ہو کر صبح کے بعد سب لوگوں کے ساتھ منیٰ جاؤ۔ رات ہی میں بلا ضرورت نہ چلے جاؤ (کبیر و احمدی)۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے تمام حاجیوں کو بخشش مانگنے کا حکم دیا حالانکہ ان میں ایسے نیک بھی ہیں جنہوں نے کبھی گناہ نہ کیا اور جو گنہگار حاجی ہیں ان کے سارے گناہ عرفات میں معاف ہو چکے آج وہ تو گناہوں سے ایسے پاک ہیں جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر معافی کس چیز کی مانگی گئی۔ **جواب:** استغفار کرنا نماز روزہ کی طرح ایک عبادت ہے جسے نیک کار بھی کریں اور بدکار بھی۔ اس سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوں گے اور نیک کاروں کے درجے بڑھیں گے جس عمل سے ہمارے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی سے نیکوں کے درجے بڑھتے ہیں۔ (کبیر)

تفسیر صوفیانہ : اے ذات الٰہی کے حاجیو! تم معرفت الٰہی کے عرفات سے لوٹو اور وحدت سے کثرت کی طرف رجوع کرو تو راستہ میں ایک مقام سر روحی ملے گا جسے مشعر حرام بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں مشاہدہ جمال ہوتا ہے اور عقل و شعور بھی درست ہوتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر بھی رب کا ذکر کرو مگر ہر جگہ اپنی رائے سے اس کا ذکر نہ کرنا لطف جب ہے کہ اس کا ذکر اسی کے بتانے سے اسی کی توفیق سے اسی کے لئے ہو۔ اولاً اس کا ذکر زبانی کرو پھر ذکر نفسانی پھر ذکر قلبی۔ جس میں خدا کی نعمتوں کا شکر بھی ہے پھر ذکر سری جس میں تجلیات صفات کا کشف ہو۔ پھر ذکر روحی جس میں تجلیات صفات کے ساتھ نور ذات کا مشاہدہ ہوتا پھر ذکر خفی جس میں جمال ذات کا مشاہدہ تو ہو مگر دوئی میں رہ کر پھر ذکر ذات یا اخفیٰ جس میں شہود ذاتی اس طرح ہو کہ فنا فی اللہ اور ذاکر مذکور میں فنا ہو جائے اور ذکر و ذاکر مذکور و ذکر کو اور لہ کو اور مذکور بہ میں فرق نظر نہ آئے۔ تم معرفت کے عرفات میں حاضر ہونے سے پہلے ان ذکروں سے غافل تھے۔ پھر جب یہاں سے آگے بڑھو تو ظاہری عبادات اور اطاعت اور شرعی احکام اور معاملات سب لوگوں کے ساتھ ادا کرو اور ان میں سے بن جاؤ۔ کسی نے حضرت جنید سے پوچھا کہ انتہا کیا ہے؟ فرمایا ابتدا کی طرف لوٹ جانا۔ ابتدا پر لوٹنے سے ہی دائرہ بنتا ہے مگر اے حاجیو! اپنے اس حج پر اطمینان نہ کر بیٹھنا ہمیشہ نفس کی سرکشی اور شیطان کے دھوکوں سے استغفار پڑھتے رہو۔ اللہ بڑا غفور رحیم ہے سب معاف فرمائے گا (ابن عربی)۔ غرضیکہ اس حج میں وحدت میں کثرت ہے اور کثرت میں وحدت۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ
پس جب ادا کر لو تم ارکان حج اپنے کے پس ذکر کرو اللہ کا مثل ذکر کرنے تمہارے باپ دادوں
پھر جب اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ
ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
اپنے کا یا زیادہ سخت ذکر۔ پس لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمارے دے ہم کو بیچ دنیا کے
اس سے زیادہ۔ اور کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾
اور نہیں ہے واسطے اس کے بیچ آخرت کے کوئی حصہ
اس کا کچھ حصہ نہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پہلے عین حج میں ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب بعد حج اس ذکر کا حکم دیا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق: اب تک حج کا طریقہ بیان ہوا۔ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ حج کے بعد کیا کرنا چاہئے گویا پہلے عبادت کا ذکر ہوا۔ اب اس سے فراغت کا یا گویا پہلے روزہ کا ذکر تھا اب افطار کا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں حج کی اصلاح فرمائی گئی اور کفار مکہ نے اس بہترین عبادت میں جو رسم و رواج داخل کر لئے تھے اس کی تردید ہوئی۔ اب حج کے بعد کی بے قاعدگیاں مٹائی جارہی ہیں۔

شان نزول: اہل عرب حج سے فارغ ہو کر ایک جلسہ کرتے تھے۔ جس میں اپنے باپ دادوں کے فضائل اور نسبی خوبیاں نظم و نثر میں بیان کرتے تھے۔ بہت پہلے سے اس کے لئے قصیدے اور غزلیں تیار ہوتی تھیں۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ بعض لوگ اپنے علمی کمالات کا اظہار بھی اسی موقعہ پر کرتے تھے کہ بہترین غزلیں بنا کر لاتے تھے۔ امراء القیس کے قصیدے انہیں میلوں کی یادگار ہیں۔ یہ بری رسم مٹانے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں بجائے باپ دادوں کی تعریف کے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا (درمنثور)۔

تفسیر: **فاذا قضیتم مناسککم** یہ ف تعقیبیہ ہے "قضیتم" قضا سے بنا۔ اگر قضا اپنے کام سے متعلق ہو۔ تو فراغت کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے **فاذا قضیتم الصلوۃ** اور اگر دوسرے کے کام یا دوسروں کی ذات کے متعلق ہو تو بمعنی الزام ہوتا ہے۔ جیسے **فقضھن سبع سموت** اور جیسے **و قضینا الی بنی اسرائیل**۔ یہاں چونکہ خود اپنے فعل سے متعلق ہے اس لئے پورا کرنا اور فارغ ہونا ہی مراد ہے (کبیر)۔ مناسک نسک کی جمع ہے۔ اس کا مادہ ہے نسک بمعنی عبادت یہاں یا تو ظرف کے معنی میں ہے اور یا بمعنی مصدر چونکہ حج میں بہت سی جگہ جانا پڑتا ہے اور بہت سی عبادات ہوتی ہیں۔ اس لئے جمع لایا گیا۔ یعنی اے حاجیو! جب تم ان متبرک مقامات سے فارغ ہو کر آجاؤ یا وقوف عرفات اور قیام مزدلفہ وغیرہ عبادات پورے کر لو تو اپنے باپ دادوں کی تعریفیں نہ کرو بلکہ **فاذکروا اللہ** بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم وجوبی ہے اور ذکر سے مراد نماز کے بعد کی تکبیریں ہیں یعنی تکبیر تشریق جن کا پڑھنا واجب ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد دعائیں اور ادائے شکر ہے۔ جو کہ قریب قریب واجب ہی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ امر استحبابی ہے یعنی ادائے حج کے بعد بجائے اپنی شیخی مارنے اور خاندانی فخر بیان کرنے کے اللہ کا ذکر کرو **کذکرکم آباءکم** یہاں ذکر سے گذشتہ ذکر مراد ہے اور کاف طریقہ ذکر کی تشبیہ کے لئے ارشاد ہوا اور آباء سے نسب و خاندان مراد ہے یعنی جیسے جوش و خروش اور محنت سے تم لوگ اپنے خاندانی فخر بیان کرتے تھے اب بجائے اس کے خلوت و جلوت میں کوشش سے اللہ کا ذکر کرو۔ یہی معنی اس آیت کے شان نزول کے مطابق ہیں۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر سے موجودہ ذکر مراد ہو اور آباء سے ماں باپ یعنی جیسے بچہ مصیبت میں ہر وقت ماں باپ کا ہی ذکر کرتا ہے ایسے ہی

تم رب کا ذکر کیا کرو یا جیسے تم اپنے ماں باپ کے اوصاف کا فخریہ ذکر کرتے ہو۔ ایسے ہی رب کے صفات کا ذکر کیا کرو یا جیسے کہ تم اپنے کو ایک باپ کا بیٹا کہتے ہو اگر تمہیں کوئی دوباپ کی اولاد کہے تو اس سے لڑتے ہو ایسے ہی اپنے کو ایک رب کا بندہ کہو یا جیسے کہ بچہ ہر حاجت کے وقت اپنے باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایسے ہی تم بھی ہر ضرورت میں رب کی طرف رجوع کرو یا جیسے کہ تم ماں باپ کی قسمیں کھایا کرتے ہو بجائے ان کے رب کی قسمیں کھایا کرو یا جیسے کہ تم ماں باپ کی برائی کسی سے نہیں سن سکتے۔ ان کا اچھا ذکر چاہتے ہو ایسے ہی رب کو عیب نہ لگاؤ بلکہ اسے اچھی صفتوں سے یاد کرو مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ **اشد ذکرا** " او بمعنی بل ہے اور اشد پہلے ذکر پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ذکرا ' اشد کی تمیز اور ہو سکتا ہے کہ اللہ کم پر عطف ہو اور ذکر مصدر مجہول۔ یا اشد 'فعل ناقص پوشیدہ کی خبر ہو یعنی **لکن ذکر اللہ اشد** یہاں 'کو نوا فعل پوشیدہ ہو۔ (روح المعانی)۔ یعنی بلکہ خدا کا ذکر اپنے باپ دادوں کے ذکر سے بھی زیادہ کرو۔ کیونکہ باپ دادوں کی غلط تعریف جھوٹ ہے اور بچی تعریف شیخی۔ غرضیکہ اس میں جھوٹ بھی خطرناک اور سچ بھی۔ رب کی جتنی بھی تعریف کرو بچی ہی ہوگی اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔ خیال رہے کہ اگرچہ ذکر اللہ ہر وقت ہی چاہئے مگر اس کی خصوصی نعمتوں پر خصوصیت سے ذکر زبانی بھی ہوتا ہے۔ جو زبان اللہ کے ذکر میں تر رہے وہ دوزخ میں نہیں جلے گی۔ دوسرے ذکر جنانی یعنی دل کا ذکر کہ دست بکار ہو مگر دل یار میں رہے یا یار دل میں بسیرا کرے۔ تیسرے ذکر ارکانی کہ ہر عضو اللہ کی یاد کرے ہر عضو کا ذکر علیحدہ ہے اس کی مفصل بحث **فاذ کرونی اذ کر کم** میں گزر گئی۔ یہاں تک تو کفار عرب کی غلط رسم کو رد کا گیا۔ اب ان کی غلط دعاؤں کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے کہ یہ بے وقوف رب سے دعا بھی مانگیں تو بھی غلط **فمن الناس من یقول** ظاہر یہ ہے کہ ناس سے حاجی مراد ہیں اور من سے کفار اور یقول سے ان کی دعا یعنی حاجیوں میں سے کفار حاجی یہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ناس سے عام لوگ مراد ہوں حاجی ہوں یا غیر حاجی۔ اور یقول سے بھی عام دعائیں مقصود۔ اور من سے جاہل مسلمان اور عام کفار مراد ہو (کبیر و روح المعانی) یعنی بعض بے عقل لوگ دعا میں صرف دنیا پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ **ربنا اتنا فی الدنیا** - خدایا ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بعض مشرکین عرفات میں کہتے تھے۔ اے اللہ ہمیں اونٹ 'گائے' بکریاں' غلام و لونڈیاں دے۔ اپنے گناہوں کا بھی ذکر نہ کرتے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حج میں بارش اور دشمنوں پر فتح ہی مانگا کرتے تھے ان سب کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے (تفسیر کبیر)۔ **وما لہ فی الاخرۃ من خلاق**۔ خلاق 'خلق بمعنی لائق ہونا سے بنا۔ یا خلق بمعنی پیدائش ہے نصیب اور حصہ کو اسی لئے خلاق کہتے ہیں کہ وہ حصہ دار کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ اس کے لائق ہے (روح المعانی)۔ یعنی ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ جنہیں وہاں کی طلب نہ ہو۔ اگر اس سے کفار مراد ہیں تو خلاق سے ساری رحمتیں مقصود اور اگر جاہل مسلمان بھی اس میں شامل ہیں تو خلاق سے کامل حصہ مراد۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو تم ارکان حج ادا کر کے اپنے باپ دادوں کی تعریف میں مشغول نہ ہو جایا کرو بلکہ خدا کا ذکر و شکر کیا کرو۔ عبادت پر شکر کرنا ضروری ہے اور ایسے اہتمام سے رب کو یاد کیا کرو۔ جیسے پہلے اپنے باپ دادوں کا چرچا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ تمہارے باپ دادوں کے اوصاف بناوٹی ہیں۔ رب تعالیٰ کے حقیقی' تمہارے باپ دادوں کے صفات تھوڑے سے ہیں۔ اس کے بے شمار نسب پر فخر بیکار بلکہ جھگڑے فساد کی جڑ' رب کا ذکر فائدہ مند۔ اس لئے اس کا خوب ذکر کرو یا

تو اس کی ذات و صفات کے چرچے کرو یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گیت گاؤ یا اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر کرو یا اپنے گناہ' رب کی عطاؤں کے تذکرے کرو کہ یہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ ہی کا ذکر ہے اور فاذکروا اللہ سب کو شامل ہے معلوم ہوا کہ منیٰ شریف میں میلاد شریف کے جلسے کرنا بہت بہتر ہے۔ مگر خیال رکھو کہ دعا میں بھی کم ہمتی نہ کیا کرو ہمارے دربار میں بعضے کم ہمت صرف دنیا مانگتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدایا ہمیں دنیا ہی میں جو کچھ دینا ہے دیدے۔ ان کی یہ دعا قبول ہو یا نہ ہو اور وہ دنیوی نعمتیں پائیں یا نہ پائیں آخرت سے تو محروم ہو ہی گئے ان کے لئے وہاں کوئی حصہ نہ رہا۔ چاہئے کہ بڑے دربار میں بڑی چیز مانگو۔ رب تعالیٰ نے اس دعا کی دو برائیاں بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ اس میں صرف دنیا مانگی گئی ہے آخرت کا ذکر بھی نہیں حالانکہ دنیا تو کھیتی ہے آخرت اس کا پھل۔ پھل کے بغیر کھیتی بیکار ہے۔ دوسرے یہ کہ اس دعا میں دنیا کی بھلائی نہ مانگی گئی بلکہ کہا یہ گیا کہ دنیا میں ہر خیر یا شر دے دے حالانکہ دنیا کی خیر مانگنا چاہئے۔ زندگی' مال' اولاد خیر بھی ہوتی ہے شر بھی خیر زندگی اچھی ہے شر بری۔

حج کرنے کا طریقہ

یہاں تک اعمال حج متفرق بیان ہوئے۔ اب ہم مختصر مکمل طریقہ عرض کرتے ہیں چونکہ آج کل عام حاجی بغیر ہدی والا تمتع کرتے ہیں لہٰذا اسی کا طریقہ عرض کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانیوں کا میقات یلملم ہے جو کہ کامران سے آگے جہاز میں ہی آجاتا ہے وہاں پہنچ کر صرف عمرہ کا احرام باندھے یعنی غسل یا وضو کر کے مرد بے سلے کپڑے یعنی صرف ایک چادر اور تہبند پہنے۔ اور عورت سلے ہوئے ہی پہنے مگر منہ نہ ڈھکے۔ پھر دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھ کر تلبیہ کہے احرام بندھ گیا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کی نیت سے طواف کعبہ کرے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے عمرہ ختم ہوا۔ پھر ساتویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے ہی حج کا احرام باندھے۔ حرم شریف میں بعد ظہر خطبہ ہوتا ہے۔ جس میں طریقہ حج بیان ہوتا ہے۔ پھر طواف قدوم اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرے۔ آٹھویں ذی الحجہ کو نماز فجر پڑھ کر منیٰ روانہ ہو جائے اور وہاں نویں کی فجر تک قیام کرے پھر فجر پڑھ کر عرفات روانہ ہو۔ راستہ میں مزدلفہ پڑے گا وہاں نہ ٹھہرے سیدھا عرفات پہنچے۔ اور بہتر ہے کہ جبل رحمت کے پاس قیام کرے اگر جماعت سے نماز میسر ہو تو ظہر و عصر ملا کر ظہر کے وقت میں ادا کرے اور اگر اکیلے پڑھے تو اپنے اپنے وقتوں میں پھر اگر ہو سکے تو خاص جبل رحمت پر کھڑے ہو کر سورج چھپے تک دعائیں مانگتا رہے۔ بہتر ہے کہ ان چٹانوں کے پاس کھڑا ہو جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا قبلہ رخ رہے۔ آفتاب ڈوبنے کے بعد بغیر نماز مغرب پڑھے ہوئے مزدلفہ روانہ ہو جائے۔ وہاں پہنچتے ہوئے عشاء کا وقت آجائے گا۔ اب مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں پڑھے۔ خواہ جماعت سے ہو یا اکیلے اور بہتر ہے کہ جبل قزح یعنی مشعر حرام کے پاس ٹھہرے۔ یہاں سے چھوٹے چھوٹے کنکر چنے کے دانے سے کچھ بڑے مٹھی دو مٹھی لے لے۔ تمام رات یہیں رہے فجر کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھ کر دعا میں مشغول ہو جائے۔ روشنی ہو جانے پر آفتاب نکلنے سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو۔ یہ دسویں ذی الحجہ ہے یعنی بقر عید کا دن مگر حاجی پر نماز بقر عید معاف ہے منیٰ میں سب سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے یعنی اسے سات کنکر مارے پھر قربانی کرے۔ پھر سر منڈاوے۔ اب حج کا احرام بھی کھل گیا۔

سوا عورتوں کے جماع کے ساری چیزیں حلال ہو گئیں۔ بہتر ہے کہ دسویں ہی کو طواف کعبہ کرکے پھر منیٰ میں لوٹ آئے اور چاہے تو گیارہویں یا بارہویں کو کرے۔ منیٰ میں تیرہویں ذی الحجہ تک ٹھہرنا بہتر ہے اور بارہویں تک ضروری کہ گیارہویں اور بارہویں کو بعد نماز ظہر تینوں جمروں کی رمی کر لیا کرے کہ پہلے جمرہ اولیٰ کو پھر بیچ والے جمرہ کو پھر جمرہ عقبہ کو سات سات کنکر مارا کرے پھر مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ جب وہاں سے وطن کی طرف چلے تو طواف وداع کرے اور زمزم کا پانی ضرور پیئے بلکہ چاہ زمزم پر کھڑا ہو کر کنوئیں میں جھانکے اور ملتزم سے لپٹ کر روئے اور دوبارہ آنے کی دعائیں کرے اور کعبہ معظمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا الٹے پاؤں باب الوداع تک چلے۔ مدینہ پاک کی حاضری کے آداب انشاء اللہ جاءوک کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ حج فرض میں پہلے حج کرنا پھر مدینہ پاک حاضر ہونا افضل ہے اور حج نفل میں پہلے حاضری دربار بہتر۔ مگر میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ نے فرمایا کہ جذبہء عشق کہتا ہے کہ پہلے مدینہ پاک حاضر ہونا کہ وہاں سے روانگی حج کے لئے ہو نہ کہ وطن کے لئے یعنی وطن کے لئے مدینہ نہ چھوڑو۔ اللہ پاک اس قال کو حال بناوے۔ اور وہاں کی دائمی حاضری نصیب فرمائے جو کوئی یہ کتاب پڑھے جب بھی مدینہ پاک حاضر ہو مجھ فقیر بے نوا کی طرف سے شہنشاہ دوسرا کی بارگاہ میں ضرور صلوٰۃ و سلام عرض کر دے اللہ اسے ثواب دے گا۔ خیال رہے کہ روضہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بحکم شرع واجب ہے۔ اس کے چھوڑنے پر سخت وعیدیں ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا مگر بحکم عشق اہم فرض بلکہ حج کی روح ہے کیونکہ کعبہ اور منیٰ انہیں کے صدقہ میں بنا۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ہوتے کہاں خلیل و بناء کعبہ و منیٰ   لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عبادت کے بعد دعا اور ذکر کرنا بہت بہتر ہے۔ دیکھو حج کے بعد ذکر الٰہی کا اس آیت میں حکم دیا گیا لہٰذا نماز عید اور نکاح وغیرہ کے بعد بھی دعا بہتر ہے بعض دیوبندی بلاوجہ اس سے روکتے ہیں۔ دوسرا فائدہ: بلند آواز سے بلکہ جماعت کے ساتھ ذکر اللہ کرنا رب کو پسند ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ جیسے اپنے باپ داداوں کا ذکر کرتے تھے ویسے بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر رب کا ذکر کرو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ لوگ اپنے باپ داداوں کا ذکر مجمع میں بلند آواز سے ہی کیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد مع صحابہ کرام کے اس قدر بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے تھے کہ سارا محلہ گونج جاتا تھا۔ جن آیات یا روایت میں جہری ذکر سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں خاص حالات مراد ہیں۔ جیسے جب کہ جہر میں ریا کا اندیشہ ہو یا دشمن کے ملک میں جہری ذکر سے کوئی جنگی مصلحت فوت ہوتی ہو لہٰذا نہ تو آیات متعارض ہیں نہ آیات و روایات متعارض۔ تیسرا فائدہ: رب ایسا کریم ہے کہ زیادہ مانگنا پسند فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے اس سے فقط دنیا مانگی ان پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ دین و دنیا دونوں چیزیں مانگو۔ چوتھا فائدہ: طالب دنیا دین سے محروم رہ جاتا ہے اور دنیا بھی بقدر نصیب ہی ملتی ہے۔ یہاں انہیں کے حق میں فرمایا گیا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں مگر طالب دین۔ فضلہ تعالیٰ دین بھی پالیتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ پانچواں فائدہ: نسبی فخر اور باپ داداوں پر پھولنا جاہلا کا طریقہ ہے اور رب کو ناپسند۔ اس کی بجائے اللہ اللہ کرنی چاہیے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب کی یاد باپ دادوں کی یاد کی طرح چاہئے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے رب کو اور صفتوں سے یاد کریں اور انہیں دیگر صفات سے۔ جب رب بے مثل ہے تو اس کا ذکر بھی بے مثل ہی چاہئے۔ جواب: یہاں طریقہ ذکر کی مثال ہے نہ کہ ذکر کی یعنی جس مشغولیت اور محبت و شوق سے ان کا ذکر کرتے ہو اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ شوق و جذبہ سے رب کا ذکر کیا کرو۔ دوسرا اعتراض: کیا دنیا کی دعا کرنے والے آخرت سے بالکل محروم ہیں اگر یہ صحیح ہے تو بہت سے مصیبت زدہ مسلمان دنیا کی ہی دعا کرتے ہیں۔ ان کا کیا حال ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یا تو یہاں کفار مراد ہیں، جو دعائے آخرت اس لئے نہ کرتے تھے کہ وہ اس کے قائل ہی نہ تھے۔ وہ تو واقعی آخرت سے بالکل ہی محروم اور یا اس میں کم ہمت مسلمان بھی شامل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آخرت میں کامل مسلمانوں کا سا حصہ نہ پائیں گے جو دین و دنیا دونوں مانگتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : صاحب دل کو چاہئے کہ اپنا وقت عزیز بیکار باتوں میں صرف نہ کرے۔ ذاتی بڑائیاں اور نسبی فخر یا عزت یا اعمال پر اترانا دل کو خراب کرتا ہے۔ جیسے کہ طالب علم سبق پڑھ کر آپس میں تکرار کرتے ہیں ایسے ہی حاجی ذات کو چاہئے کہ اپنے ہم پیشوں کے ساتھ رب کا ذکر کرے کہ اس سے صفائی میں ترقی اور نورانیت میں برکت ہوتی ہے بعض کم ہمت صوفی نما بے صبرے وہ بھی ہیں جن کا یہ سارا کاروبار محض دکھلاوے کے لئے ہے۔ گدڑی اور تصوف کا لباس فقط لوگوں کے شکار کا جال ہے وہ بزبان حال ہر وقت یہی کہتے رہتے ہیں کہ ہمیں دنیا ملے۔ ایسے کم ہمتوں کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ پھول بلبل کو ہی ملتا ہے کیونکہ وہ گندگی پر نظر نہیں کرتی۔ کم ہمت کوے کے نصیب میں غلاظت اور گندگی ہی ہے ایسا صوفی مثل کوے کے محروم ہے (از ابن عربی)۔

دوسری تفسیر : جیسے کہ بچہ ماں باپ کے نام پر زبان کھولتا ہے کہ پہلے ابا اماں ہی بولتا ہے۔ ایسے ہی صوفی کو چاہئے کہ پہلے رب پر ہی نظر کرے۔ پھر یہ بھی خیال رکھے کہ جیسے سیکھا ہوا علم بغیر مشق جاتا رہتا ہے ایسے ہی طے کیا ہوا راہ سلوک بھی بے پرواہی سے بھول جاتا ہے۔ لہذا طریقت کا حج کر چکنے کے بعد بھی اس سے غافل نہ ہو جاؤ۔ شیطان اور نفس کبھی عبادات کو عادات بنا کر برباد کر دیتے ہیں۔ رب کی بارگاہ میں فقط دنیا کی طلب لے کر حاضر ہونا محرومی ہے۔ ہمت تو یہ ہے کہ وہاں حور و قصور جنت وغیرہ کی خواہش لے کر بھی نہ جاؤ۔ اس کی بارگاہ میں اسی کو حاصل کرنے کی خاطر حاضر ہو۔ صوفیاء کی اصطلاح میں ماسوا اللہ دنیا ہے۔ جنت بھی اسی لئے مانگو کہ وہاں لقائے مصطفیٰ اور دیدار خدا ہو گا نہ اس لئے کہ وہاں حور و قصور اور نہریں ہیں۔ غرضیکہ طالب دنیا رب کی رضا سے محروم۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ طالب مولیٰ رب تعالیٰ کو ہر حال میں ایسے یاد رکھے جیسے بچہ گہوارے میں ہر وقت ماں باپ کو یاد رکھتا ہے کہ ہر وقت بچہ کو ماں کا دھیان رہتا ہے اور ہر چیز رو رو کر مانگتا ہے ایسے ہی مومن ہر وقت خدا کو یاد رکھے اور ہمیشہ ہر چھوٹی بڑی چیز اس سے رو رو کر مانگے بادل کے رونے سے چمن ہنستا ہے اور بچے کے رونے سے ماں کا دودھ پستان میں جوش مارتا ہے ایسے ہی مومن کی گریہ و زاری سے ایمان کا چمن ہنستا ہے اور دریائے رحمت الٰہی جوش میں آتا ہے **فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم**

تانہ گرید ابر کے خندد چمن   تانہ گرید طفلکے جوشد لبن

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
اور اُن میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمارے دے ہمیں بیچ دُنیا کے بھلائی اور بیچ آخرت
اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دُنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۚ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
کے بھلائی اور بچا ہم کو عذاب آگ سے ۔ یہ لوگ وہ ہیں کہ واسطے اُن کے حصّہ ہے اُس سے ۔
اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا ۔ ایسوں کو اُن کی کمائی سے بھاگ ہے ۔ اور اللہ جلد
الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾
جو کمایا انہوں نے اور اللہ جلد حساب فرمانے والا ہے ۔
حساب کرنے والا ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں غلط دعا کا ذکر تھا اب دعا کا صحیح طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کم ہمت حاجیوں کا ذکر تھا جو فقط دنیا کے طالب تھے۔ اب باہمت لوگوں کا ذکر ہے جو دین و دنیا دونوں ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں غلط دعا مانگنے والوں کے عذاب یعنی محرومی کا ذکر تھا اب صحیح دعا مانگنے والوں کے ثواب یعنی انہیں کونین کی نعمتیں ملنے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

تفسیر : **و منهم من يقول** ھم کا مرجع حاجی ہیں۔ اور من سے مراد مسلمان یعنی حاجیوں میں سے مسلمان یہ دعا عرض کرتے ہیں '**یقول**' فرما کر یہ بتایا گیا کہ دعا میں زبانی عرض و معروض ضروری ہے صرف دل میں اپنا مقصد سوچ لینا کافی نہیں کیونکہ اسی عرض و معروض میں بندے کی عبدیت اور رب کی ربوبیت کا اظہار ہے اور یہ اظہار ہی دعا کا مقصد اعلیٰ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا آگ نمرود میں جاتے وقت کچھ زبان سے عرض نہ کرنا اس لئے تھا کہ وہ وقت امتحان کا تھا نہ کہ اظہار عبدیت کا اس وقت دعا کا نہ کرنا ہی قرین مصلحت تھا اور یہاں اظہار عبدیت کے اوقات کا تذکرہ ہے کیونکہ 'منہم کی ضمیر یا تو حجاج کی طرف لوٹ رہی ہے یا عباد کی طرف نہ کہ امتحان دینے والوں کی طرف لہٰذا یقول بالکل واضح ہے۔ **ربنا اتنا فى الدنيا حسنة**' ربنا سے پہلے 'یا پوشیدہ ہے چونکہ یہ کلمہ دعائیہ ہے۔ اس لئے خدا کو رب کے نام سے پکارا کیونکہ پالنے والے سے ہی نعمتیں مانگی جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ خاص دعاؤں پر رب تعالیٰ کو اس کے مخصوص ناموں سے پکارنا بھی مناسب ہے جیسے یا غفار مجھے بخش دے۔ اے ستار مجھ عیبی کے عیب چھپالے وغیرہ مگر عموماً" دعاؤں میں اللہم میں اللہ تو رب کا ذاتی نام ہے اور میم میں تمام ان ناموں کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے۔ جیسے مالک 'ملک 'منان 'مجید وغیرہ اور ربنا میں اپنے استحقاق طلب کا ذکر ہے کہ تو ہے ہمارا رب ہم ہیں تیرے پالے اور پالے ہمیشہ رب سے مانگا ہی کرتے ہیں۔ نیز مربی اپنے گندے پالے سے نفرت نہیں کرتا' بلکہ اسے پاک و صاف کرتا ہے۔ ماں گندے بچے سے بھاگتی نہیں بلکہ اسے نہلا دھلا کر گلے سے لگا لیتی ہے۔ ایسے ہی اے

مولا ہم ہیں گناہوں سے بھرے ہوئے گندے۔ تو ہے ہم کو پاک فرمانے والا ہم کو نہ دیکھ بلکہ اپنی شان ربوبیت پر نظر فرما۔ اسی لئے آدم علیہ السلام نے جو پہلی مقبول دعا مانگی اس میں ربنا ہے یعنی **ربنا ظلمنا انفسنا**۔ **اتنا** میں بتایا گیا کہ دعا صرف اپنے واسطے نہ ہونی چاہئے سب کے لئے ہو چونکہ دنیا آخرت سے پہلے بھی ہے اور اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ **حسنۃ** قبیح کا مقابل ہے۔ جس کے معنی ہیں بھلائی اور خوبی۔ اس کے اطلاق میں دنیا کی ساری خوبیاں آ گئیں۔ تندرستی' رزق' اعمال کی توفیق' امن و امان غرضیکہ کوئی چیز باقی نہ رہی۔ کسی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

اے خالق ہر بلند و پستی ۔۔۔ بخشش چیز عطا بکن زہستی

علم و عمل و فراغ دستی ۔۔۔ ایمان و امان و تندرستی

وفی الاخرۃ حسنۃ آخرت سے اس زندگی کے علاوہ ساری ہی حالتیں مراد ہیں۔ موت' قبر' حشر' پل سے گذرنا جنت اور وہاں کی نعمتیں وغیرہ اور ہر جگہ کی بھلائی۔ اسی کے مناسب خاتمہ بالخیر' نزع کی بھلائی' عذاب قبر سے نجات' برزخ کی بھلائی' ہول قیامت سے امن' محشر کی بھلائی' صراط پر آسانی وہاں کی بھلائی غرضیکہ آخرت کی ہر بھلائی اس میں شامل ہے۔ چونکہ بھلائی کا حاصل کرنا بغیر مصیبت سے بچے ناممکن ہے۔ اس لئے عرض کیا **وقنا عذاب النار** ہم سب کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اس لفظ میں بھی بہت گنجائش ہے۔ قبر' حشر' پل صراط وغیرہ۔ ہر جگہ آگ کا ہی عذاب ہو گا۔ اس سے بچ گئے تو ہر جگہ خیریت سے رہے نیز دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں بھی آگ کا ہی عذاب ہے کہ کہیں تو آگ کے قرب سے گرمی ہے اور کہیں اس کی دوری سے ٹھنڈک۔ جیسے دنیوی گرمی اور سردی سورج کے قریب و دور ہونے سے ہے اس لئے یہاں آگ کا ہی ذکر ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آگ سے بچا کر وہاں ٹھنڈے طبقے میں ڈال دے۔ نیز جہنم کہنے میں قبر اور حشر کا ذکر نہ آتا۔ **اولئک** ظاہر یہ ہے کہ اس میں دوسری جماعت یعنی مومنین کی طرف اشارہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے دونوں جماعتیں مراد ہوں۔ یعنی یہ مسلمان یا دونوں جماعتیں **لھم نصیب مما کسبوا** ' **لھم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا کہ ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ خود ہی پائے گا۔ **نصیب** کی تنوین یا عموم کے لئے ہے یا تعظیمی **مما** کا **من** یا **تبعیضیہ** ہے یا بیانیہ۔ **کسبوا** کا مادہ کسب ہے بمعنی کمانا۔ ہر نفع بخش کام اور کمائی کو کسب کہا جاتا ہے یعنی ان مسلمانوں کو اپنے کمائے ہوئے اعمال کا بڑا ثواب ملے گا یا ان دونوں گروہوں کو اپنے اپنے اعمال کا حصہ ملے گا۔ کفار کو محرومی اور مومنوں کو کرم الٰہی یا یہ کہ ان مسلمانوں کو ان کے اعمال کا کچھ حصہ دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں تو ہے ہی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہوس سے دنیا بڑھ نہیں جاتی اور قناعت سے گھٹتی نہیں۔ **واللہ سریع الحساب** سریع' سرعت سے بنا۔ بمعنی جلدی اور تیزی۔ حساب کا مادہ حسب ہے۔ جس کے معنی ہیں تیار کرنا' گمان کرنا' جزا اور کافی ہونا معاملات کے حساب و کتاب کو اسی لئے حساب کہتے ہیں کہ اس سے بقدر ضرورت مال علیحدہ ہو جاتا ہے اور فاضل علیحدہ اس عبارت کے چند معنی ہیں۔ (1) اللہ قیامت کے دن ایک آن میں سارے ہی بندوں کا حساب لے لے گا۔ (2) اللہ عنقریب حساب لینے والا ہے قیامت دور نہیں۔ (3) اللہ بہت جلد سزا اور جزا دینے والا ہے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قیامت میں طریقہ حساب یہ ہو گا کہ ہر ایک کے نامہ اعمال اس کے داہنے یا بائیں ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا۔ **اقرا کتبک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا** " تو اپنا نامہ اعمال خود ہی پڑھ کر خود ہی حساب لگا لے (کبیر)۔ مگر یہ تقسیم ایک آن میں ہو جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ سارے حساب میں اتنی دیر بھی نہ لگے گی جتنی اونٹنی

دوبنے میں (کبیر)۔ رہا وزن اعمال اور کفار کی جرح قدح یہ اس کے علاوہ ہے مگر یہ بھی بہت جلدی ختم ہوگی۔ تفسیر کبیر نے یہ بھی کہا کہ یہ جملہ دنیوی حساب کے متعلق ہے یعنی رب تعالیٰ روزانہ سب کی روزیاں بانٹتا ہے لوگوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ ہر ایک کی سنتا ہے مگر اتنے بڑے حساب میں نہ اسے کچھ دشواری ہے نہ لکھنے اور شمار کرنے کی حاجت۔ روزانہ کا اتنا بڑا حساب آن کی آن میں طے ہو جاتا ہے۔ اب اس کا تعلق نصیب سے پورا پورا ہو گیا کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینا اور آخرت میں بلا تکلف نہایت آسانی سے مل جائے گا کیونکہ اللہ بہت جلد حساب فرمانے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : دعا دو قسم کی ہے۔ دعا صراحۃ" اور دعا اشارۃ" صراحۃ" دعا تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف عرض مدعا کر دے اشارۃ" دعا کی تین صورتیں ہیں۔ رب کی حمد کرنا کہ کریم کی ثنا بھی دعا ہے۔ حضور پر درود شریف بھیجنا کہ کریم کے محبوبوں کو دعائیں دینا بھی دعا ہے۔ ہمارے بھکاری ہمارے بچوں کو دعا دیتے ہیں اپنے عجز و نیاز مندی کا بیان کرنا کہ یہ بھی دعا ہے۔ یہ چاروں قسم کی دعائیں قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ یہاں پہلی قسم کی دعا کا تذکرہ۔ قرآن شریف میں چاروں طرح کیا ہے۔ ایک تو اپنے نبیوں ولیوں کی دعائیں نقل فرمائیں۔ جیسے فرمایا کہ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا مانگی **لا الٰہ الا انت** یا موسیٰ و یوسف علیہما السلام نے یہ دعا مانگی **انت ولی فی الدنیا والاخرۃ** دوسرے یہ کہ اپنے حبیب کو خاص دعاؤں کا حکم دیا جیسے **قل اللھم ملک الملک** (الخ) ان دونوں طریقوں کا منشا یہ ہے کہ مسلمانو تم بھی یہ دعائیں مانگو کہ ان میں الفاظ اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہیں۔ گولی کے ساتھ بندوق کی تاثیر ضروری ہے۔ تیسرے یہ کہ خود ہم کو دعا کے الفاظ بتائے۔ چوتھی یہ کہ ہم کو عام دعاؤں کا حکم دیا کہ جو چاہو مانگو۔ فرمایا **ادعونی استجب لکم**۔ یہاں پہلا طریقہ بیان فرمایا گیا ہے یعنی محبوبوں کی دعاؤں کی نقل لہٰذا ارشاد ہوا اے مسلمانو کم ہمتوں کا ذکر تو سن چکے۔ جو لوگ کہ آخرت کے ماننے والے باہمت ہیں۔ وہ حج میں آکر یہ دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ ہم دنیا ہی نہیں مانگتے۔ ہم تو یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے یعنی یہاں کی ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کر۔ اور انہیں ذریعہ آخرت بنا اور نزع قبر' حشر' پل صراط پر گزر اور جنت میں بھی ہر مقام کے مناسب نعمتیں عطا فرما کہ خاتمہ بالخیر دے۔ حساب قبر میں کامیابی بخش' محشر میں اپنے حبیب کے دامن کے سایہ میں رکھ۔ پل صراط پر نور دے۔ جنت میں حور و قصور بلکہ رضائے رب غفور عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے کہ دنیا میں دوزخ کے کاموں سے بچیں۔ قبر میں وہاں کی گرم ہوا سے محفوظ رہیں۔ میدان قیامت میں سورج کی تپش سے امن میں رہیں اور پل صراط پر آگ کی تیزی سے سلامت نکل جائیں ایسی دعا مانگنے والوں کو ان کی کمائیوں کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور اللہ پر یہ بات کوئی دشوار نہیں کیونکہ وہ بہت جلد حساب فرمانے والا ہے۔ اعمال کی شمار اس پر سزا اور جزا کا تقسیم فرمانا اس کے نزدیک کوئی مشکل نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کی دنیا بھی بہتر ہے کیونکہ وہ اسے بھی دین ہی کے لئے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے دنیوی بھلائیاں مانگنے کا حکم دیا گیا۔ دوسرا فائدہ: بڑی ذات سے صرف چھوٹی چیز مانگنا گویا اس کی ہتک ہے اسی لئے رب نے حکم دیا کہ ہم سے دین و دنیا کی بھلائیاں مانگو۔ تیسرا فائدہ: دعا اور اعمال بھی کسب میں داخل ہیں۔ دیکھو رب نے دعا کو **کسبوا** میں داخل فرمایا۔

دعا کے آداب : دعا میں چند باتوں کا خیال رکھیں۔ (1) نہ تو صرف دنیا ہی کی دعا مانگے اور نہ صرف آخرت کی بلکہ دونوں کی۔ (2) یہ نہ کہے کہ مولیٰ اگر تو چاہے تو دے دے بلکہ جزم اور وثوق سے مانگے کہ دے ہی دے۔ دعا کے وقت قبولیت کی پوری امید رکھے۔ مایوس کی دعا غیر مقبول ہے۔ (3) کبھی بھول کر بھی اپنے لئے بددعا نہ کرے کہ شاید یہی ساعت قبولیت کی ہو۔ (4) رب سے عدل نہ مانگے فضل مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بیمار صحابی کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کو سخت بیمار اور کمزور پایا۔ فرمایا کیا تم نے اپنے لئے بددعا کی تھی۔ عرض کیا کہ یہ کہا کرتا تھا کہ خدایا مجھے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں دیدے۔ آخرت کے عذاب سے بچالے۔ فرمایا سبحان اللہ اس کا قہر کون برداشت کر سکتا ہے۔ تم نے یہ دعا کی ہوتی **ربنا اتنا** (الخ) جامع دعائیں مانگے جن کے الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ۔ یہ **ربنا اتنا** جامع دعا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ایک شخص انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کے لئے یہی دعا کی **ربنا اتنا** (الخ) اس نے عرض کیا۔ اور دعا کیجئے آپ نے پھر یہی دعا کی اس نے کہا کچھ زیادہ دعا کیجئے۔ آپ نے پھر یہی دعا کی اور فرمایا کہ اب اس کے بعد بچی کیا چیز جو مانگوں۔ دین و دنیا کی ساری بھلائیاں اس میں آگئیں۔ (6) حج میں خصوصاً طواف میں خاص کر رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا ضرور مانگے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رکن اسود پر اسی دن سے ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے۔ جب سے آسمان و زمین بنے اور آمین آمین کہہ رہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے آمین کہتے رہتے ہیں۔ لہذا یہاں **ربنا اتنا** پڑھا کرو۔ (درمنثور)۔ (7) دعا میں اچھی عبارت سے بچے خشوع و خضوع کی کوشش کرے۔ اچھی عبارت کبھی حجاب بن جاتی ہے۔ (8) دعا صرف اپنے لئے نہ کرے سب مسلمانوں کو شامل کرے۔ (9) صرف مصیبت ہی میں دعا نہ مانگا کرے بلکہ رنج و راحت، غم و خوشی ہر وقت اپنے ہاتھ اس بارگاہ میں پھیلائے رکھے۔

پہلا اعتراض : اس دعا میں آگ کے عذاب سے بچنے کی دعا کیوں ارشاد ہوئی یہ کیوں نہ کہا گیا کہ ہمیں آگ سے بچالے۔ **جواب:** اس لئے کہ جنت کو جاتے وقت ہر شخص پل صراط پر گزرے گا۔ جس کے نیچے آگ ہے اور جنت میں پہنچنے کے بعد جنتی لوگ جہنمی گنہگاروں کو نکالنے کے لئے دوزخ میں بارہا جائیں گے مگر عذاب پانے کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کو عذاب سے نکالنے کے لئے اسی لئے آگ سے بچنے کی دعا نہ کی گئی بلکہ عذاب آگ سے بچنے کی دنیا میں آگ نعمت بھی ہے عذاب بھی ایسے ہی دوزخ کی آگ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اپنے ہی اعمال کا بدلہ ملے گا۔ حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اولاد کے اعمال کی ماں باپ کو بھی جزا اور سزا ملتی ہے۔ **جواب:** اولاد بھی اپنی کمائی ہے اور ان کی نیکیاں اور برائیاں اصل میں ماں باپ ہی کا کسب ہے۔ بچے کو نیک و بد بنانا انہیں کا کام ہے۔ بچے کی نماز کا ثواب ماں باپ کو بھی اس لئے ملا کہ انہوں نے ہی اسے نمازی بنایا تھا۔ اس کے اور جواب بھی ہو سکتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** ان آیات میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا ایک تو طالبین دنیا۔ دوسرے طالب کونین مگر تیسری جماعت کا ذکر نہ ہوا یعنی فقط طالب دین جو آخرت ہی کی دعا کریں۔ دنیا پر نظر نہ اٹھائیں۔ **جواب:** ایسے لوگ موجود ہی نہیں کہ جنہیں دنیا کی بالکل طلب نہ ہو۔ کم از کم اعمال کی توفیق اور ایمان تو طلب کریں گے اور یہ چیزیں بھی دنیا کی بھلائی میں سے ہیں۔ نماز کے لئے غذا، کپڑا، پانی سب ہی درکار ہیں۔ لہذا ایسوں کا ذکر نہ کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس دعا سے معلوم ہوا کہ دین و دنیا کی ہر چھوٹی بڑی بھلائی صرف اللہ سے مانگنا چاہئے۔ تم لوگ پیروں، نبیوں،

ولیوں سے اولاد و دولت مانگتے ہو۔ اس آیت کے منکر ہو۔ جواب: اور تم بھی منکر ہو کیونکہ تم بھی حاکم سے داو حکیم سے دوا مانگتے ہو امیروں سے چندے کرتے ہو جناب اللہ کے بندوں کو وسیلہ سمجھ کر ان سے کچھ مانگنا بلواسطہ اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا ہے۔ حضرت ربیعہ نے تو حضور سے جنت مانگی جو عطا فرمائی گئی۔ پانچواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ قیامت کا حساب ایک آن میں ہو جائے گا۔ حالانکہ قرآن پاک فرمارہا ہے کہ قیامت کلون پچاس ہزار سال کا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حساب میں بھی انتہائی وقت صرف ہو گا۔ جواب: اس دن حساب کے سوا اور بہت سے کام بھی ہوں گے۔ بہت وقت تو حساب کے انتظار میں صرف ہو گا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں۔ پھر آپ کے سجدہ فرمانے اور باب شفاعت کھولنے میں پھر آپ کو دولہا بنانے۔ تخت شاہی یعنی مقام محمود پر جلوہ گری فرمانے اور لوگوں کو وہ نظارہ دکھانے اور سب کی تعریف کرنے اور ان کی نعت خوانی میں پھر شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ رب تعالیٰ کے ظہور رحمت کے لئے بھی وقت ہی درکار غرضیکہ حساب تو تھوڑے وقت میں مگر اس کے علاوہ دیگر کاموں میں بہت وقت اور حقیقت تو یہ ہے کہ۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا   کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

ورنہ علیم خبیر اور مالک مختار کو حساب کی کیا ضرورت۔ چھٹا اعتراض: مما کسبوا سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال کی جزا ملے گی نہ کہ کل کی کیونکہ من تبعیضیہ ہے۔ جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ یا تو یہ من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ بیانیہ کی صورت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ تبعیضیہ کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کے بعض اعمال کی جزا کامل ہے کہ دنیا میں بھی ملے۔ اور آخرت میں بھی۔ مگر بعض کی فقط آخرت میں۔

تفسیر صوفیانہ : بے وقوف لوگ باغ میں پہنچ کر وہاں کے پتوں اور کانٹوں اور سبزی وغیرہ میں مشغول ہو کر پھول کو بھول جاتے ہیں اور دل بہلانے والی چیزوں یعنی گھاس پتے وغیرہ پر پھول جاتے ہیں مگر عقلمند پھول اور وہاں کی گھاس دونوں چیزیں لے کر گلدستہ بناتے ہیں۔ ایسے ہی بے وقوف لوگ باغ عالم میں آکر اصل پھول یعنی آخرت کو بھول گئے۔ اور گھاس پھوس یعنی غذا اور لباس پر ہی مطمئن ہو کر اس کی طلب میں لگ گئے مگر اہل وصول دونوں ہی چیزوں کے طالب رہے۔ انہوں نے دنیا و آخرت یعنی قلب و قالب سب نعمتوں کو جمع کر لیا اور دعائیں مانگی کہ خداوندا ہمیں دنیوی بھلائی یعنی جسمانی ظاہری نعمتیں عافیت 'صحت' وسعت' رزق' فراغت' اطاعت اور بدن کی استطاعت اور وجاہت' ارشاد اخلاق وغیرہ عطا فرما اور آخرت کی بھلائی اور قلبی باطنی نعمتیں یعنی کشف' مشاہدہ' قربت وصال' بھی دے اور ہمیں فراق کی آگ سے بچا کر وصال کے باغ میں پہنچا ان مردوں کو مطابق نیات کے مقامات' کرامات' درجات خیرات اور حسنات عطا ہوں گے کہ ہم حساب سے بقدر رحمت ہی عطا فرماتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک دنیوی نعمتیں تو سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت ہے اور اخروی بھلائی قبر میں بشارت اور صراط پر سلامتی ہے۔ رب تعالیٰ اپنے کاملوں کے طفیل ہم ناقصوں کو بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے۔ علماء کے ہاں دنیا دو قبروں کے درمیان زمانہ کا نام ہے یعنی ماں کا پیٹ اور قبر کا غار اور حسنہ سے وہ چیز مراد ہے۔ جس کا انجام اچھا ہو اگر انجام خراب ہے تو وہ قبیح ہے۔ صوفیاء کے ہاں غفلت کا نام دنیا ہے اور بیداری کا وقت آخرت ہے اور جو چیز دل کو مفید ہو وہ حسنہ ہے اور جو دل کو مضر ہو وہ قبیح ہے ان کے ہاں اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ اے رب جب ہم پر نفس کا ظہور ہو اور غفلت طاری ہو اس وقت میں بھی

ہم کو بھلائی دے یعنی یہ غفلت دل پر نہ چھا جائے دل اس سے محفوظ رہے تو یہ غفلت بھی مفید ہے کہ تقاضاء بشریت ہے اور بیداری کا زمانہ' آخرت ہے اس وقت میں ہم کو حسنہ یعنی عجز و نیاز نصیب فرما۔ قبیحہ یعنی فخرو تکبر سے بچالے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خوف خدا اور عشق جناب مصطفیٰ دنیا کی بھلائی ہے اور دیدار خدا و قرب جناب مصطفیٰ آخرت کی بھلائی جسے یہ نعمتیں مل گئیں اس نے سب کچھ پالیا اللہ نصیب کرے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ
اور ذکر کرو اللہ کا بیچ دنوں گنے ہوؤں کے۔ پس جلدی کرے بیچ دو دن کے پس نہیں ہے گناہ
اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوؤں دنوں میں۔ تو جو جلدی کرکے دو دن میں چلا جاوے اس پر کچھ
عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اوپر اُس کے اور جو دیر لگائے پس نہیں ہے گناہ اوپر اُس کے واسطے اُس کے جو ڈرے اور ڈرو
گناہ نہیں اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں پرہیزگار کے لئے اور اللہ سے
اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
اللہ سے اور جانو کہ تحقیق تم طرف اُس کے جمع کیے جاؤ گے۔
ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اُسی کی طرف اُٹھنا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں وقوف عرفات اور مشعر حرام میں ٹھہرنے وغیرہ کا ذکر کیا گیا بلکہ وہاں کی دعائیں بھی بتائی گئیں۔ اب منیٰ میں ٹھہرنے اور وہاں ارکان ادا کرنے کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں غلط دعاؤں کی اصلاح فرمائی گئی۔ اب قیام منیٰ کے متعلق جو غلط فہمی تھی اسے دور کیا جارہا ہے۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں دعا کا طریقہ اور اس کے الفاظ بلکہ قبولیت کی جگہ بتائی گئی۔ اب قبولیت دعا کا وقت اور اس کا زمانہ بتایا جارہا ہے۔

شان نزول : بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض اہل عرب منیٰ میں تین دن یعنی تیرہویں تک ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے اور جو کوئی بارہویں ذی الحجہ کو لوٹ آتا اسے گنہگار بتاتے اور بعض کا خیال اس کے برعکس تھا وہ کہتے تھے کہ بارہویں کو چلا آنا ضروری ہے۔ تیرہویں تک وہاں ٹھہرنا گناہ۔ ان دونوں کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ دونوں باتیں جائز ہیں نہ یہ گناہ ہے نہ وہ (خزائن العرفان و احمدی)۔

تفسیر : **واذکروا للہ فی ایام معدودت** یا تو ذکر اللہ سے مراد فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہنا ہے۔ یا قربانی کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا تب تو یہ امر وجوبی ہے کہ یہ دونوں ذکر واجب ہیں اور یا اس ذکر سے جمروں کی رمی میں ہر کنکر پر اللہ اکبر کہنا مراد ہے تو یہ حکم استحبابی کہ اگرچہ جمروں کی رمی واجب مگر تکبیر سنت (احمدی) اس آیت میں اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ منیٰ کے قیام کا اصل مقصد ذکر اللہ ہے باقی تمام کام اس کے تابع ہیں تو جو اس زمانہ قیام کو دنیاوی مشاغل اور کھیل کود میں گنوا دے وہ بڑا بیوقوف ہے۔ ایام سے اشارۃً معلوم ہوا کہ رمی دن میں چاہئے نہ کہ رات میں۔ قربانی بھی دن ہی میں مستحب ہے اور اگر ذکر اللہ سے تکبیر تشریق مراد ہو تو ایام بمعنی اوقات ہوگا کہ یہ تکبیریں رات میں بھی ہوتی ہیں۔ معدودات سے بتایا کہ وہ دن بہت سے تھوڑے سے ہیں۔ جیسے **دراہم معدودۃ** " یہاں تو معدودات فرمایا اور سورۂ حج میں معلومات اس سے بقرعید کے بعد آنے والے تین دن یعنی گیارہویں' بارہویں' تیرہویں مراد ہیں۔ گیارہویں کو یوم القر (منیٰ میں قرار کا دن) کہتے ہیں اور بارہویں کو یوم النفر الاول (پہلی روانگی کا دن) کہا جاتا ہے کہ کام کاج والے لوگ اسی دن چلے جاتے ہیں اور تیرہویں کو یوم النفر الثانی (دوسری روانگی کا دن کہا جاتا ہے کہ اس دن عام لوگ روانہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچھ دن منیٰ میں رہ کر تکبیر تشریق یا قربانیوں پر تکبیریں یا رمی پر تکبیریں کہو۔ ایام کی شرح یہ ہے کہ **لمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ** ظاہر یہ ہے کہ یہاں تعجل' استعجل کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اپنے ہی معنی ہوں۔ **یومین** سے بقرعید کے بعد کے "دن یعنی گیارہویں' بارہویں ذی الحجہ مراد ہیں اور **لا اثم** میں ان لوگوں کی تردید ہے جو تیرہویں کا قیام ضروری جانتے تھے۔ اگرچہ اب بھی مستحب یہی ہے کہ تیرہویں کی رمی بھی کرے۔ یعنی جو کوئی بقرعید کے بعد صرف گیارہویں' بارہویں دو دن ہی میں رمی کر کے جلد مکہ معظمہ واپس جانا چاہے یا واپس ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں **و من تاخر فلا اثم علیہ** یہاں بھی یا تو **تاخر** بمعنی **استاخر** ہے یا اپنے ہی معنی میں یعنی اور جو کوئی تیسرے دن تیرہویں ذی الحجہ کو بھی وہاں ٹھہرنا چاہے یا ٹھہر جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے چونکہ کچھ لوگ اسے گناہ سمجھتے تھے اس لئے گناہ کی ہی نفی کی گئی۔ ثواب کا ذکر نہ فرمایا۔ مگر خیال رہے کہ **لمن اتقی** یہاں **ھذا** محذوف ہے یعنی یہ گناہ نہ ہونا اس پرہیزگار کے لئے ہے۔ جو حج اور حج کے بعد قانون شکنی اور گناہوں سے بچا رہے۔ ورنہ اگرچہ فرض تو ادا ہو ہی جائے گا مگر اس پر ثواب نہ ملے گا۔ جب تقویٰ اتنا ضروری ہے تو **واتقوا اللہ** تم ہمیشہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ **واعلموا انکم الیہ تحشرون** یہ بھی جانتے رہو کہ تم آخر کار سب جمع ہو کر رب ہی کی بارگاہ میں حاضری دو گے لہذا حاجی بن کر پاجی نہ بننا بلکہ ہمیشہ تقویٰ اختیار کرنا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! دسویں بقرعید کے بعد کاموں سے فارغ ہو کر ہی' واپس نہ لوٹ جاؤ۔ بلکہ چند روز اور بھی منیٰ میں قیام کر کے اللہ کا ذکر کرو کہ نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہو اور قربانیوں پر بھی تکبیر کہو اور جمروں کی رمی میں بھی ہر کنکر پر تکبیر کہو۔ مگر اب تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ جسے جلدی ہو اور دو دن ہی رہ کر وہاں سے واپس ہونا چاہے۔ وہ بھی گنہگار نہیں ہو واپس جا سکتا ہے اور جو زیادہ ثواب کی نیت سے وہاں تیرہویں ذی الحجہ تک قیام کرے تو اس پر بھی گناہ نہیں مگر یہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اگر کھیل کود یا دیگر بیکار باتوں یا گناہوں کی نیت سے وہاں ٹھہرے۔ تو اس نیت کا ضرور گنہگار ہو گا اور خیال رکھنا کہ اپنے حج کے دھوکے میں آئندہ گناہوں پر دلیر نہ ہو جانا۔ بلکہ ہمیشہ رب سے ڈرتے رہنا۔ جان رکھو کہ حشر و نشر' حساب و کتاب اخیر

ہی میں ہو گا اور تم سب آخر کار رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے تم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جائے۔ جو نیکیاں برباد کردے۔ اس لئے ہمیشہ تقویٰ اختیار کرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک پنجگانہ نماز باجماعت کے بعد بآواز بلند ایک بار تکبیر کہنا واجب ہے اور تین بار مستحب۔ دوسرا فائدہ: دسویں ذی الحجہ کے بعد دو دن یعنی گیارہویں بارہویں کو منیٰ میں قیام کرنا واجب ہے اور تیرہویں کا قیام مستحب لیکن جو بارہویں کو لوٹنا چاہے وہ تیرہویں کی صبح صادق سے پہلے ہی وہاں سے چل دے تیرہویں کی صبح صادق تک ٹھہر جانے سے اس دن کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : گیارہویں 'بارہویں میں زوال کے بعد رمی کرے۔ مگر تیرہویں میں زوال سے پہلے بھی رمی کرکے لوٹ سکتا ہے۔
مسئلہ۔ قیام منیٰ کی تاریخوں میں راتیں بھی منیٰ میں ہی گزارنا' ضروری ہیں ہاں چرواہوں اور پانی پلانے والوں کو اجازت ہے کہ دن میں رمی کو جایا کریں اور راتیں گھر ہی میں گزارا کریں۔ تیسرا فائدہ: کسی عمل پر پھول کر عذاب الٰہی نہ بھولے۔ کیونکہ خاتمہ کا اعتبار ہے اور وہ ابھی باقی ہے۔ تقویٰ شہد یا قوام کی طرح نیکیوں کی باقی رکھتا ہے۔ جیسے کہ قوام میں کوئی چیز نہیں بگڑتی۔ ایسے ہی تقویٰ سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں۔ چوتھا فائدہ: متبرک مقامات اور متبرک تاریخوں میں دعا مستحب ہے اور زیادہ قابل قبول۔ اسی لئے منیٰ میں خوب دعائیں مانگے۔ عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ منیٰ کو اس لئے منیٰ کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام قبول توبہ کے بعد عرفات سے یہاں پہنچے تو حضرت جبریل نے فرمایا کچھ تمنا کرو۔ آپ نے جنت کی آرزو کی۔ لہٰذا اس کا نام منیٰ ہوا یعنی امنیہ (خواہش) کی جگہ (درمنثور)۔ ممکن ہے کہ اس لئے منیٰ کہا جاتا ہو کہ منیٰ کے دنوں میں روزہ حرام ہے۔ یہ دنیوی خواہشات یعنی حلال غذا اور جماع حاصل کرنے کا زمانہ ہے۔ پانچواں فائدہ: جیسے حج کو جانا ثواب ایسے ہی وہاں سے واپسی میں بھی ثواب ہے۔

مدینہ پاک کی حاضری

اس کا پورا بیان تو انشاء اللہ جاء وک کی تفسیر میں ہو گا۔ یہاں اس کے کچھ فضائل و مسائل تفسیر درمنثور وغیرہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے اور وہاں کی حاضری نصیب فرمائے۔ حق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی حاضری واجب ہے۔ جس سے محروم رہنا گناہ بھی ہے اور بد نصیبی بھی بعض اہل دل تو کہتے ہیں کہ مدینہ پاک کی حاضری حج کی جان ہے جس کے بغیر حج کا قالب تیار ہوتا ہے مگر اس میں جان نہیں پڑتی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا" رحیما "** یعنی اے محبوب اگر یہ لوگ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے آستانہ پر آجائیں پھر اللہ سے معافی مانگیں اور تم بھی ان کی سفارش کرو تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اسی لئے بعض مکہ والے بھی ہر سال حج کرتے ہیں تو بعد حج ہر سال مدینہ پاک بھی حاضری دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ بغیر حاضری کے حج قبول ہی نہیں ہوتا۔ (۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے حج کیا

اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا(دار قطنی)۔(2) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس نے میری وفات کے بعد میری قبر شریف کی زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری ملاقات کی (بیہقی وغیرہ)۔(3) فرماتے ہیں جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی (ابن خزیمہ وغیرہ)۔(4) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم جو صرف میری زیارت کے لئے آیا نہ کہ دنیوی غرض سے تو مجھ پر واجب ہے کہ اس کا قیامت کے دن شفیع ہوں (طبرانی)۔(5) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو حرمین میں سے کہیں مرے وہ قیامت میں امن سے ہو گا (بیہقی طیالسی)۔(6) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مدینہ پاک میں رہے اور یہاں کی بلاؤں پر صبر کرے وہ قیامت کے دن میری امن میں ہو گا اور میں اس کا گواہ ہوں گا (عقیلی)۔ (7) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو کوئی میری قبر پر آکر مجھے سلام کرے اللہ اس پر ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے دین و دنیا کے کام سنبھالتا رہے گا اور میں اس کا قیامت میں شفیع ہوں گا (بیہقی)۔(8) محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر کو حضور کی قبر شریف کے پاس روتے ہوئے دیکھا اور فرماتے تھے کہ یہاں آنسو بہائے جاتے ہیں' میں نے حضور سے سنا کہ فرمایا میری قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان جنت کا باغ ہے (بیہقی)۔(9) انس ابن مالک قبر انور کے پاس ایسے کھڑے ہوتے تھے جیسے نمازی نماز میں (ابن ابی الدنیا)۔(10) سلیمان ابن سحیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ عشاق روضہ پاک پر آکر سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ سنتے ہیں۔ فرمایا ہاں! بلکہ ہر ایک کا جواب بھی دیتا ہوں (بیہقی)۔(11) عمر ابن عبدالعزیز مدینہ پاک کی طرف قاصد بھیجا کرتے تھے تاکہ حضور کو سلام پہنچا آئیں (بیہقی)۔(12) جو کوئی روضہ پاک پر کھڑے ہو کر ایک بار آیت **ان اللہ و ملئکتہ** الخ پڑھے اور ستر بار صلی اللہ علیک یا محمد کہے تو فرشتہ جواب دیتا ہے کہ صلی اللہ علیک یا فلان۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ اب تیری کوئی حاجت نہ رکے گی (ابن ابی الدنیا و بیہقی)۔(13) ابی حرب ہلال فرماتے ہیں کہ ایک بدوی مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور روضہ پاک پر کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں گناہوں اور خطاؤں کا بوجھ اپنے سر پر لایا ہوں۔ خود نہ آیا بلکہ مجھے قرآن کریم نے بھیجا ہے کہ فرمایا **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک** (الخ) میں آپ کی شفاعت چاہتا ہوں۔ رب سے میرے گناہ معاف کرا دیجئے۔ پھر یہ پڑھنے لگے۔

یا خیر من دفنت فی الترب اعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فیه العفاف و فیه الجود والکرم (بیہقی)

جس کا ترجمہ حضرت مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ نے یوں کہا۔

اے بہتر ان سب سے کہ جو زیر زمیں مدفون ہوں!
ہو معطر ان کی خوشبوؤں سے گورستاں کی خاک!
میری جاں اس قبر پر قرباں کہ جس میں آپ ہیں
اس میں ہو جود و کرم اور موہبت اے جان پاک!

بعض روایتوں میں ہے کہ ابی حرب ہلالی پر نیند طاری ہوئی۔ خواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ڈولو یدوی سے کہہ دو کہ تو بخشا گیا۔ رب تعالیٰ ہم کو بھی وہاں کی مقبول حاضری نصیب فرمائے۔

مسئلہ : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی سفر سے اپنے گھر آئے تو کچھ نہ کچھ لے کر آئے۔ اگرچہ کچھ ڈھیلے ہی ہوں (درمنثور از بیہقی)۔ لہٰذا حاجی کو چاہئے کہ حرمین شریفین کے تحفے لے کر گھر آئے۔ کچھ نہ بن پڑے تو مدینہ پاک کی خاک شفاءی لے آئے۔ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کو کہا ہو اس کا سلام یاد لے کر ضرور پہنچائے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔ مسئلہ: جب بھی مواجہ شریف میں سلام عرض کرے تو ہاتھ باندھ کر ایسا کھڑا ہو کہ جیسے نمازی نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور نیچی نگاہ رکھے نرم آواز سے صلوۃ و سلام عرض کرے، وہاں چیخنا چلانا ضبطی اعمال کا سبب ہے۔ مسئلہ۔ جب بھی مواجہ شریف میں حاضر ہو تو یہ سمجھ کر حاضر ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں مری ہر حرکت ہر ادا کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اپنی گذشتہ کوتاہیاں پچھلے گناہ یاد کر کے عرض کرے کہ یا رسول اللہ یہ منہ اس قابل نہ تھا کہ حضور کے سامنے ہوتا مگر سواء حضور کے بروں کا ٹھکانہ کہاں ہے اچھوں کے سب ہیں ہم بروں کا سواء تمہارے کوئی نہیں۔

پہلا اعتراض : اگر اس آیت میں ذکر اللہ سے تکبیر تشریق یا قربانی کی تکبیریں مراد ہوں تو چاہئے کہ مسلمانوں کو اختیار ہو کہ بقر عید کے بعد دو دن تکبیریں اور قربانی کریں یا تین دن حالانکہ تکبیر تشریق تین دن یعنی تیرھویں تک ضروری ہیں اور قربانی کی مدت صرف بارھویں تک ہے۔ پھر اختیار کے کیا معنی؟ جواب: یہ اختیار منیٰ میں ٹھہرنے اور وہاں رہ کر تکبیریں کہنے میں ہے یعنی جو چاہے وہاں دو دن رہ کر تکبیریں کہے اور جو چاہے تین دن رہ کر۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اختیار پرہیزگاروں کے لئے نہ کہ گنہگاروں کے لئے۔ کیونکہ **فلا اثم علیہ** میں **لمن اتقی** کی قید لگائی گئی ہے۔ جواب: روح المعانی میں فرمایا کہ **لمن** کلام تعلیلیہ ہے۔ یعنی پرہیزگاروں کی رعایت کے لئے یہ اختیار دیا گیا کہ ان میں سے بعض تو بارھویں کو جا کر کچھ نیکی کریں گے اور بعض تیرھویں تک رہ کر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **لمن** میں لام صلہ کا ہو مگر **لا اثم** میں گناہ سے عام گناہ مراد ہوں یعنی حاجی خواہ بارھویں تاریخ منیٰ سے روانہ ہو جائے خواہ تیرھویں۔ اس پر گناہ کوئی نہ رہا۔ اور وہ سارے گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا گویا کہ آج ہی وہاں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ مگر یہ درجہ پرہیزگار حاجی کا ہے۔ جو کہ اخلاص کے ساتھ مال حلال سے حج مقبول کرے۔ عبداللہ ابن عباس نے یہی تفسیر کی (روح المعانی)۔

تفسیر صوفیانہ : اے مسلمانو! تم حج ذات سے فارغ ہو کر لوٹو تو چند مرتبوں میں ذکر الٰہی کر لیا کرو۔ اور وہ مراتب مرتبہء روح، مرتبہ قلب اور مرتبہ نفس ہیں جو کوئی صرف مرتبہ روحی اور قلبی کا ہی ذکر کرے اور مرتبہ نفس پر توجہ نہ کرے۔ اس پر بھی کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس مقام پر ترقی بلا تاخیر ہے اور جو کوئی مرتبہ نفس کا بھی ذکر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ مگر یہ اجازت اس کو ہے جو نفس میں آ کر اس کے وسوسوں سے بچا رہے۔ کیونکہ یہاں بہت قدم پھسل جاتے ہیں اور یہاں کے حجاب بہت تاریک ہیں اور ان تینوں مقامات میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ کبھی شیخی میں نہ آ جاؤ۔ اپنا تعلق رب سے رکھو۔ قلب، روح اور نفس میں پھنس کر نہ رہ جاؤ اور یاد رکھو کہ تم رب کے پاس حاضر کئے جاؤ گے تم ہی کو بڑا خطرہ ہے۔ **مخلصین** بروقت خطرہ

میں ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ یارسول اللہ گنہگاروں کو خوشخبری دے دو کہ میں غفور ہوں اور صدیقین کو ڈرا دو کہ میں غیور ہوں۔ یہاں مخلصین مذنبین سے زیادہ خطرہ میں ہیں (ابن عربی)۔ روح البیان نے فرمایا کہ حاجی قیامت میں بے گناہ آئے گا۔ بشرطیکہ حج کے بعد باقی عمر گناہوں سے بچا رہے۔ حج مقبول کی علامت یہ ہے کہ حاجی دنیا سے بے رغبت اور آخرت میں راغب ہو جائے۔ ایسا شخص مغفور ہے اور دعا اس کی مقبول۔ لوگوں کو چاہئے کہ واپسی کے وقت حاجیوں سے ملاقات کریں اور اپنے لئے دعاء مغفرت کرائیں۔ مقبولیت حج کی پہلی شرط مال حلال ہے۔ جس کو یہ میسر نہ ہو وہ قرضہ لے کر حج کرے اور اپنے مشکوک مال سے یہ قرضہ ادا کرے۔ حکیم ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ قرض سے اپنی ضروریات پوری کرتے اور سلطانی وظیفہ سے قرض ادا کرتے تھے (روح البیان)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى

اور لوگوں میں سے وہ ہے کہ تعجب میں ڈالے تمہیں بات اُس کی بیچ زندگی دنیا کے اور گواہ بناتا ہے وہ اللہ کو اوپر

اور بعض آدمی وہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں اُس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ

مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

اس کے جو بیچ دل اُس کے ہے اور سخت دشمنی والا ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرے تو کوشش کرے بیچ زمین

لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ

کے تاکہ فساد پھیلائے بیچ اس کے اور ہلاک کرے کھیتی اور نسل کو اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد اور جب کہا جاوے واسطے

کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔ اور جب اُس سے کہا جاوے

لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اُس کے کہ ڈر اللہ سے تو پکڑے اُسکو عزت ساتھ گناہ کے پس کافی ہے اسے دوزخ اور البتہ بُرا ہے وہ بستر ٭

کہ اللہ سے ڈر تو اُسے ضد چڑھے گناہ کی ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت بُرا بچھونا ہے ٭

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں کفار اور مسلمانوں کی دعاؤں کا ذکر ہوا۔ اب منافقین کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفار تو رب سے ایسی بیہودہ دعائیں کرتے ہیں اور منافقین آپ سے ایسے بیہودہ کلام۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کعبہ اجسام میں پہنچ کر کفار تو دنیا سازی کی دعائیں اور مسلمان دونوں جہان کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کعبہ ارواح یعنی بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے والے دو قسم کے ہیں بعض محض زبان سے میٹھی باتیں کرنے والے اور دل میں کافر یعنی منافقین اور بعض قلب و قالب دل و زبان دونوں سے مومن۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حج کے تفصیلی احکام بیان ہوئے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ حج کر کے مدینہ منورہ بارگاہ محبوب میں ضرور حاضری دو کہ اس کے بغیر حج بے جان ہے بلکہ حج اگر نفلی ہو تو گھر سے مدینہ منورہ کی نیت سے چلو مگر خیال رکھنا کہ راستے میں

چونکہ کعبہ معظمہ بھی ملے گا۔ حج بھی کرلو۔ شعر

اصل مقصود حاضری اس پاک در کی ہے
ان کی طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے

اے مسلمانو! اس راہ میں راہ مار بہت ہیں اور ذیاب فی ثیاب کثرت سے (کپڑے پہنے ہوئے بھیڑیئے) ایسا نہ ہو کہ تمہیں میٹھی باتوں میں لے کر حج سے محروم کردیں یا مدینہ پاک کی حاضری سے محروم کردیں۔ (نوٹ) خیال رہے کہ اب بھی راہ مار بہت ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ حج کی کیا ضرورت۔ اتاروپیہ قومی فنڈ، غریب فنڈ، یتیم خانہ میں لگاؤ تاکہ قوم کی ترقی ہو۔ ریلوے اور جہاز کمپنی کو مدد دینے سے کیا فائدہ۔ کوئی کہتا ہے کہ قربانی بیکار ہے اس میں روپے کی بربادی۔ جانوروں کی خونریزی اور قومی فساد یعنی ہندو مسلم جھگڑے ہوتے ہیں۔ جانور کی قیمت خیرات کرنا بہتر ہے۔ ایسے ڈاکوؤں سے اس آیت میں خبردار کیا گیا۔

شان نزول : یہ تین آیتیں اخنس ابن شریق منافق کے متعلق نازل ہوئیں جو بڑا فصیح و بلیغ اور بہت تیز زبان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت لجاجت سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا اور اپنے اسلام اور آپ کی محبت کے لیے چوڑے دعوے کرتا اور قسمیں کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلاتا اور درپردہ فتنہ و فساد میں مشغول رہتا تھا اس نے کئی مسلمانوں کے جانور ہلاک کر ڈالے اور ان کے کھیتوں کو آگ لگادی۔ کچھ مسلمانوں نے اس سے کہا کہ خدا سے ڈر اور فساد سے باز آجا۔ تو اور بھی ضد میں آگیا۔ اس کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں (از خزائن العرفان و کبیر و روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر : **و من الناس من یعجبک**۔ من تبعیضیہ ہے اور ناس سے یا کفار مراد ہیں یا منافقین یا عام لوگ۔ یعجب، عجب سے بنا۔ جس کے معنی ہیں حیرت۔ برائی خوشی اور پسند آنا۔ اسی لئے انوکھی بات کو دیکھ کر جو حالت طاری ہوتی ہے اسے تعجب کہا جاتا ہے اور شی کو عجیب۔ یہاں پسندیدگی کے معنی میں ہے۔ یعنی لوگوں یا کفار یا منافقین میں سے بعض ایسے پرلے درجے کے چالاک ہیں کہ آپ کو خوش کردیتا ہے۔ **قولہ فی الحیوۃ الدنیا**۔ قول یعجب کا فاعل ہے اور فی کا تعلق یا تو یعجب سے ہے اور یا قول سے حیوۃ دنیا سے یا دنیوی زندگی ہی مراد ہے یا اس کے اسباب (روح المعانی) یعنی آپ کو دنیوی زندگی میں تو اس کی باتیں پسند آتی ہیں۔ مگر آخرت میں پسند نہ آئیں گی۔ کیونکہ وہاں اس کی یہ بولنے والی زبان گونگی ہو جائے گی۔ مومن کا کلمہ دل و جان میں رہتا ہے اسی لئے وہ ایمان پر دونوں جہان میں قائم رہتا ہے۔ منافق کا کلمہ صرف زبان پر ہے اس لئے وہ مرتے وقت ہی بھول جاتا ہے۔ اسی لئے مومن بغیر دیکھے ہوئے بھی قبر میں حضور کو پہچان لے گا اور منافق جس نے عمر بھر تک حضور کو دیکھا تھا حضور کو نہ پہچان سکے گا۔ مومن کا کلمہ اس درخت کی طرح ہے۔ جس کی جڑ مضبوط ہو ہمیشہ پھل دے منافق کا کلمہ ان پودوں کی طرح ہے جو برسات میں چھتوں دیواروں پر اگ جاتے ہیں بعد میں پھینک دیئے جاتے ہیں یا دنیوی کاروبار کے متعلق اس کی باتیں آپ کو پسند آتی ہیں نہ کہ آخرت کے متعلق۔ کیونکہ ان باتوں میں اس کی زبان لکنت کرتی ہے یا دنیوی تدابیر میں بڑا ہوشیار وہ تدبیریں سوچتا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے کہ آپ کو بھی خوش کردے مگر آخرت کی تدبیروں میں اس کا ذہن کند ہے اور زبان گنگ۔ منافق کی عقل دنیا خوب بنالیتی ہے دین نہیں بنا سکتی۔ مومن کی عقل دین بھی بناتی ہے اور دین کی تابع دنیا بھی **و یشھد اللہ علی ما فی قلبہ**۔ یعجب پر معطوف ہے۔ ہماری قرأت ی کے پیش اور ہ کے زیر سے ہے۔ باب افعال کا مضارع اور سیدنا عبداللہ ابن عباس کی قرأت میں۔ یشھد سمع، یسمع سے ہے اور لفظ اللہ اس کا فاعل۔ ہمارے ہاں یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی دلی

بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے یعنی کہتا ہے کہ خدا میرا گواہ کہ میرے قلب میں آپ کی بڑی محبت ہے یعنی اپنی ادعائی محبت پر خدا کو گواہ بناتا ہے۔ اس قرات کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اس کے قلبی نفاق پر گواہی دیتا ہے۔ اس صورت میں اگلا جملہ اس کی تفسیر ہے (روح المعانی)۔ **و ھو الد الخصام** ھو کا مرجع من ہے۔ الد' لد سے بنا بمعنی سخت جھگڑا **قوما لدا** گردن کی آس پاس سخت رگوں کو لدیدہ کہتے ہیں۔ الد بمعنی بہت سخت۔ خصام یا تو قتال وجدال کی طرح مصدر ہے۔ بمعنی دشمنی یا خصم بمعنی دشمن کی جمع۔ جیسے صعب کی جمع صعاب اور ضخم کی جمع ضخام۔ پہلی صورت میں اضافت فی کی ہے اور دوسری صورت میں من والی یعنی اور وہ دشمنی میں بہت سخت ہے یا دشمنوں میں سے سخت دشمن ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ **و اذا تولی سعی فی الارض**۔ **اذا** یا شرطیہ ہے یا ظرفیہ۔ تولی یا تو ولی سے بنا۔ بمعنی پشت پھیرنا اور چلا جانا یا ولایت سے بمعنی غالب ہونا اور حاکم بن جانا۔ سعی سعی سے بنا ہے۔ جس کے معنی دوڑنے کے بھی ہیں اور کوشش کرنے کے بھی۔ **فاسعوا الی ذکر اللہ**۔ **الارض** سے مراد ساری زمین عرب ہے اسی لئے اس کا ذکر بھی کیا گیا یعنی جبکہ آپ کی مجلس سے پیٹھ پھیرتا اور غالب ہوتا ہے تو ساری زمین میں دوڑتا اور کوشش کرتا پھرتا ہے یا اگر یہ حاکم بن جائے تو تمام زمین میں کوشش کرے کہ **لیفسد فیھا و یھلک الحرث والنسل**' لام بمعنی کے ہے اور اس کا تعلق سعی سے ہے فساد کے معنی ہیں بگاڑنا اور فتنہ پھیلانا۔ یہاں مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ڈالنا۔ انہیں کفار سے ڈرانا اور کفار کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کی رغبت دینا اور انہیں طریقہ جنگ سکھانا مراد ہے۔ یہلک' ہلاک سے بنا بمعنی برباد کرنا۔ حرث کے لفظی معنی ہیں زمین چیرنا۔ کھیتی کو اسی لئے حرث کہتے ہیں کہ اس میں زمین چیر کر غلہ بوتے ہیں۔ نسل کے لفظی معنی ہیں علیحدہ ہونا اور تیزی سے نکل آنا **الی ربھم ینسلون** اولاد کو اسی لئے نسل کہتے ہیں کہ باپ کی پیٹھ اور ماں کے پیٹ سے نکلتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں کھیتی سے غلہ کی کھیتیاں اور نسل سے جانور مراد ہیں کیونکہ اخنس نے مسلمانوں کے کھیتوں کو جلایا اور گدھوں کو ذبح کیا تھا مگر تفسیر کبیر نے یہ بھی فرمایا کہ حرث سے مراد عورتیں اور نسل سے مراد بچے ہیں۔ یعنی یہ خبیث آپ سے غائب ہو کر کوشش کرتا پھرتا ہے کہ جنگ کرا کر زمین میں فساد پھیلادے اور عورتوں بچوں کو ہلاک کرادے کہ جنگ میں ان پر بھی بڑی مصیبت آتی ہے یا زمین میں گناہ کرتا ہے تاکہ اس کی شامت سے بارش رک جائے۔ جس سے کھیتیاں اور جانور ہلاک ہوجائیں یا مسلمانوں کو کافر بنانے کی کوشش کرتا ہے اور ان کے کھیتوں کو آگ لگاتا ہے اور جانوروں کو قتل کرتا ہے۔ **واللہ لا یحب الفساد** فساد میں الف لام جنسی ہے یعنی اللہ' جانی' مالی' جنگی کسی قسم کا فساد پسند نہیں فرماتا۔ لہذا مفسد اس کی بارگاہ میں مردود ہے۔ **و اذا قیل لہ اتق اللہ** یا تو اذا ظرفیہ ہے یا شرطیہ ظاہر یہ ہے کہ کسی مسلمان نے اس کو یہ نصیحت کی تھی۔ اور ممکن ہے کہ اس کی بختی قلب کی حالت بتائی جارہی ہو یعنی جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر اور ان حرکتوں سے باز آجا۔ یا اس کی بدبختی اس درجہ کی ہے کہ اگر اس سے کہا جائے تو خدا سے خوف کر تو بجائے اسے قبول کرنے اور فساد سے باز آنے کے **اخذتہ العزۃ بالاثم** یا تو اخذ کے معنی ہیں بھڑکانا۔ عزت سے مراد ہے ضد اور بالاثم کی ب علی کے معنی میں ہے یا اخذ کے معنی ہیں گرفتار کردینا عزت سے مراد ہے آبرو اور ب بمعنی فی۔ ان دونوں صورتوں میں اثم سے مراد اگلے گناہ ہیں یا اخذ کے معنی ہیں لازم پکڑنا' عزت سے مراد ہے شیخی اور غرور' ب سببیہ اور اثم سے مراد پچھلے گناہ یعنی اس کو ضد اور زیادہ گناہ پر بھڑکا دیتی ہے کہ ضد میں آکر زیادہ گناہ کرتا ہے یا اس کی آبرو اور بڑائی اسے اور بھی

زیادہ گناہ میں گرفتار کردیتی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھ عزت والے کو اس معمولی مسلمان نے نصیحت کیوں کی۔ اب تو ڈبل گناہ کروں گا اور یا گزشتہ گناہوں کی وجہ سے اس پر نصیحت کا الٹا اثر ہوتا ہے کہ اسے شیخی کا خیال زیادہ چٹ جاتا ہے (کبیر و روح المعانی) خیال رہے کہ عزت بمعنی آبرو دو قسم کی ہے۔ عزت خیالی جسے شیخی کہتے ہیں کہ انسان اپنے کو بڑا جانے لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو۔ دوسری عزت واقعی جسے وقار کہتے ہیں کہ لوگ بھی اس کی عزت کریں۔ وقار دو قسم کا ہے' وقار عارضی جو فانی ہو وقار اصلی جو باقی ہے۔ جو وقار دولت' حکومت' فوج سے حاصل ہو وہ عارضی ہے۔ جیسے گھڑے یا حوض کا پانی جو عنقریب فنا ہو جاوے گا اور جو وقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے نصیب ہو وہ اصلی اور باقی ہے جیسے سورج کی روشنی یا سمندر کا پانی اللہ تعالیٰ نے جیسے تاروں کے لئے سورج کو نور کا مرکز بنایا دنیا والوں کے لئے سمندر کو پانی کا مرکز بنایا۔ اسی طرح رب نے حضور کو عزت اور وقار کا مرکز بنایا ہے کہ ان کی دی ہوئی عزت فنا نہیں ہوتی العزۃ للہ و لرسولہ و للمؤمنین یہاں عزت سے مراد پہلی عزت یعنی شیخی ہے۔ پھر عزت کی تین قسمیں ہیں ایک وہ عزت جو گناہوں سے روک دے جیسے عالم دین جوئے' شراب' سینما سے بچے کہ میری ذلت ہو گی دوسری وہ عزت جو نیکیوں سے روک دے۔ ابلیس کو سجدہ سے صرف اسی کی عزت نے روکا۔ ابو جہل' فرعون وغیرہ اپنی عزت کے خیال سے ایمان سے محروم رہے۔ تیسری وہ عزت جو گناہ کرائے جیسے نمبردار چودھری کا اپنی عزت کے لئے کنجر نچانا۔ یہاں یہ آخری تیسری قسم کی عزت مراد ہے یعنی یہ اپنی مفروضہ عزت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ ایسی عزت والے کا انجام یہ ہے کہ فحسبہ جھنم حسب کے معنی کافی ہونا۔ حسبک اللہ جہنم یا تو عربی لفظ ہے۔ اصل میں جہنام تھا بمعنی گہرا غار۔ یا عجمی لفظ ہے اصل میں چاہ نم تھا بمعنی بہت گہرا کنواں چونکہ دوزخ بھی بہت گہرا ہے اس لئے جہنم کہلایا جاتا ہے (کبیر)۔ روح المعانی نے کہا کہ اس کی اصل جہم سے ہے بمعنی برا جاننا اور سخت ہونا نون کی زیادتی سے بروزن فعنل ہو گیا یا تو حسب کا فاعل ہے یا اس کا مبتداء یعنی ایسے مغرور اور شیخی والے کو دوزخ ہی کافی ہے کیونکہ وہ متکبرین کی جگہ ہے۔ و لبئس المھاد مہاد مہد سے بنا۔ جس کے معنی ہیں قدرت اور موقعہ فنعم الماھدون' گہوارہ' فرش' بستر اور ٹھکانے کو اسی لئے مہد کہا جاتا ہے کہ وہ آرام کا موقعہ ہے۔ شروع کلام کو تمہید اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے بولنے پر قدرت ہوتی ہے۔ یہاں بستر یا ٹھکانہ مراد ہے۔ یعنی دوزخ بڑا برا بستر یا برا ٹھکانا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ دنیوی کاروبار کے متعلق ان کی باتیں آپ کو بڑی بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنا اطمینان بڑھانے کے لئے اپنی اوعائی محبت اور زبانی خلوص پر قسمیں کھا کھا کر رب کو گواہ بنا کر آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ دشمنی میں بہت سخت ہے اور تمام دشمنوں سے بڑھ کر موذی اگر اسے حکومت مل جائے تو سب کو پتہ چل جائے کہ یہی محب قوم زمین میں فساد پھیلا ڈالے اور انسانوں اور کھیتی باڑیوں کو تباہ کر ڈالے یا جب آپ کی مجلس سے غائب ہوتا ہے تو زمین میں اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ فساد برپا کر دے' کھیتوں کو بھی برباد کرتا ہے اور جانوروں کو ہلاک۔ اللہ تو کسی قسم کا فساد پسند نہیں فرماتا۔ پھر ایسا موذی اس کا پیارا کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کی سختی قلب کا یہ حال ہے کہ جب اسے کوئی نصیحت کے طور پر کہتا ہے کہ رب سے ڈر۔ تو وہ ضد میں آکر اور بھی زیادہ گناہ کرتا ہے۔ ایسے ضدی کو دوزخ کافی ہے اور وہ تو بہت برا ٹھکانہ ہے برے آدمیوں کو بری ہی جگہ چاہئے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوق کو فیض

دینے والا بنایا اور بعض کو لینے والا آسمان بادل سورج دینے والی مخلوق ہے اور زمین کھیت باغ تمام جانور و انسان لینے والی مخلوق سب دینے والوں میں بڑے دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور نے ہی ایمان عرفان کلمہ قرآن رحمان سب کچھ عطا فرمایا مگر لینے دینے کے لئے جیسے یہ شرط ہے کہ دینے والے میں دینے کی طاقت ہو ایسے ہی یہ شرط ہے کہ لینے والے میں لینے کی صلاحیت ہو۔ زمین شورہ بادل سے فیض نہیں لیتی۔ چمگادڑ سورج سے روشنی نہیں لیتا کیوں؟ اس لئے کہ دینے والا تو زور دار ہے مگر لینے والے میں زور نہیں ہے وہ کمزور ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دینے کا تو زور ہے مگر منافقین و کفار میں لینے کی قوت نہ تھی محروم رہے آج جو کہتے ہیں کہ نبی ولی کچھ نہیں دے سکتے وہ اپنی کمزوری اس طرف منسوب کرتے ہیں انہیں کہنا چاہئے کہ ہم نبی ولی سے کچھ نہیں لے سکتے۔ یہ بدنصیب تو خدا سے بھی کچھ نہیں لے سکتے۔ غرضیکہ حضرت صدیق و فاروق میں لینے کی طاقت تھی۔ انہوں نے سب کچھ لے لیا۔ ابو جہل وغیرہ میں یہ طاقت نہ تھی وہ محروم رہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیوی غرض سے دینی کام کرنا بھی دنیا ہی میں داخل ہے۔ دیکھو اخنس کا کلمہ پڑھنا چاپلوسی ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعریف کرنا۔ ان سب چیزوں کو رب نے حیوۃ دنیا یعنی دنیوی کاروبار فرمایا۔ اعمال کا مغز اچھی نیت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کھلے کافر سے منافق بدتر ہے کہ اسے رب نے **الد الخصام** یعنی سخت تر دشمن فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** قول کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے نہ کہ فقط جھوٹی قسموں سے۔ رب نے اخنس کے قول کی اس کے عمل سے تردید کی اور اس کی قسم کو جھوٹا قرار دیا۔ چاہئے کہ اپنے اعمال قول کے مطابق رکھو۔ **چوتھا فائدہ:** بدترین شخص وہ ہے جو نصیحت کی بات یا رب کا نام سن کر الٹا ضد میں آجائے۔ حدیث شریف میں اسے گناہ کبیرہ فرمایا گیا کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عمر اللہ سے ڈرو۔ آپ نے فوراً اپنا منہ مبارک زمین پر رکھ دیا (درمنثور) دیکھو رب کے نام پر الٹی ضد کرنے والے کے متعلق فرمایا گیا کہ اسے جہنم کافی ہے۔ اگر کسی کو سخت غصہ ہو اور کوئی رب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف لے دے تو چاہئے کہ فوراً غصہ جاتا رہے۔ **پانچواں فائدہ:** گناہوں کی نحوست سے کبھی بارش بھی بند ہو جاتی ہے۔ جس سے بے گناہ انسانوں اور جانوروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور اس کا وبال گنہگاروں پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہر چمکدار چیز سونا نہیں اور ہر میٹھی باتیں کرنے والا دوست نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** افسوس ہے کہ جو چیزیں اسلام میں نفاق تھیں ان کا نام آج پالیسی ہو گیا۔ عیب ہنر بن گئے۔ آج مہذب قومیں ظلم کرنے اور دوسروں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتیں۔ موجودہ مسلمان قرآنی راستہ چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لئے۔ مسلمانوں میں بہت سی تحریکیں اسی قسم کی ہیں جن کے دعوے لمبے چوڑے مگر مقصود عیاشی خود غرضی قوم فروشی غرضیکہ ہم میں منافقوں کے صفات آگئے۔ خدمت قوم کا دعویٰ کرنے والے درحقیقت قوم کے سخت دشمن ہیں کہ موقعہ پا کر کسی عہدہ پر پہنچ کر اپنی ہی قوم کی جڑیں کاٹتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** حکومت کا مقصد دین کی عظمت خلق کی ہمدردی زمین کی آبادی اور شادابی ہے نہ کہ اپنی بڑائی اور خلق خدا کی تباہی۔ **نواں فائدہ:** الحمد للہ سچے مومن کو قسمیں کھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ منافق لوگ قسمیں کھا کر اپنا ایمان ثابت کرتے ہیں۔ اصلی سونے والا قسمیں نہیں کھاتا نقلی سونے والا ہر طرح خریدار کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے۔ **دسواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی منافقوں سے دھوکا نہ ہوا ورنہ آپ نے کسی منافق کو کبھی مسلمان یا

متقی جاننا جیسا کہ قولہ ' سے معلوم ہوا یعنی آپ کو ان کا صرف قول پسند ہے نہ خود وہ پسند ہیں نہ ان کے اعمال نہ ان کا دلی حال۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلص صحابہ کی تعریفیں فرمائیں کہ صدیق جنتی ہیں۔ حسین جنتیوں کے سردار کبھی کسی منافق کی تعریف نہ کی جیسے رب نے کبھی شیطان کے اعمال 'عبادات کی تعریف نہ کی تھی۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں اور نہ آپ کو لوگوں کی جنت کی خبر۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ آپ کو منافقین کی باتیں بڑی پسند آتی ہیں اگر آپ ان کے دل سے واقف ہوتے تو ان کی باتیں کیوں پسند فرمالیتے (دیوبندی)۔ نیز رب فرماتا ہے **لا تعلمھم نحن نعلمھم** "اے محبوب منافقوں کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ صاف فرمایا کہ حضور منافقوں کو نہیں جانتے تھے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یعجبک میں ہر مسلمان یا قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہے نہ کہ خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگرچہ شان نزول خاص ہو مگر آیت کی عبارت عام ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام سے ہی ہو۔ مگر یہ آیت ہی بتا رہی ہے کہ آپ کو علم غیب ہے کیونکہ یہاں یہ نہ کہا گیا کہ آپ بولنے والے کو پسند کرتے ہیں بلکہ یوں فرمایا کہ آپ کو اس کی میٹھی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ باتیں تو اس کی واقعی بھلی تھیں وہ خود بھلا نہ تھا روزہ دار کے سامنے کوئی گنہگار پانی پی رہا ہے روزہ دار کو پانی بھلا معلوم ہوتا ہے نہ کہ پینے والا۔ یہاں بھی بات بھلی معلوم ہوتی ہے نہ کہ بولنے والا۔ اگر کافر قرآن شریف پڑھے تو مسلمان کو قرآن شریف تو اچھا ہی معلوم ہو گا مگر کافر برا جب منافق بارگاہ پاک میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ واقعی اللہ ایک ہے آپ سچے رسول ہیں۔ اسلام سچا دین ہے تو ان کی باتیں واقعی اچھی تھیں اور اچھی ہی معلوم ہوتی تھیں۔ اگرچہ وہ برے معلوم ہوتے تھے۔ خیال رہے کہ بھلا معلوم ہونا اور بات ہے۔ اور اس کی بات کو قبول کرنا اس سے راضی ہونا دوسری چیز۔ رہا رب کا فرمانا کہ منافقوں کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں یہ منافقوں پر غضب ظاہر فرمانے کے لئے ہے۔ جیسے نالائق بیٹے کو باپ مارنے لگے ماں بچائے تو باپ کہے کہ اس مردود کو تو نہیں جانتی اسے تو میں ہی جانتا ہوں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو نہ جانتے ہوتے تو آج ہم کو کیسے پتہ لگتا کہ فلاں فلاں منافق تھے اور فلاں فلاں مخلص صحابہ۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ تو پھر اس نے مسلمانوں کو جہاد کا کیوں حکم دیا۔ یہ بھی تو فساد ہے نیز رب تعالیٰ خود بھی بہت چیزوں کو تباہ و برباد کرتا ہے یہ بھی تو فساد ہے ' (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: فساد کے معنی ہیں کسی چیز کو بلاوجہ بگاڑنا۔ مصلحت اور حکمت سے بگاڑنا فساد نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ بلاوجہ کسی کو قتل کر دینا فساد مگر قاتل کو پھانسی دینا اصلاح ہے۔ کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالنا فساد مگر گلے ہوئے ہاتھ کو چیرنا پھاڑنا کاٹنا اصلاح۔ لہذا اسلامی جہاد اور بعض مفسد قوموں کا زوال اصلاح ہے اسی طرح انسان کی غذا کے لئے جانور کا ذبح فساد نہیں عین اصلاح ہے کیونکہ وہ انسان ہی کے لئے بنے۔ جیسے کھیت کاٹنا اور باغ کے پھل توڑنا۔

تفسیر صوفیانہ : بعض جھوٹے صوفی تصوف کا لباس پہن کر ایسی عمدہ باتیں کرتے ہیں کہ لوگ انہیں قطب وقت سمجھیں اور قرآن و حدیث پڑھ کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ روح اور قلب کے سخت دشمن ہیں ان کی دشمنی شیطان و نفس سے بھی زیادہ سخت ہے اور ان کی یہ خداری کی باتیں سب دنیوی سامان جمع کرنے کے لئے لہذا وہ دنیادار بلکہ پکے دکاندار ہیں اور ان کی یہ ساری باتیں دنیا سازی۔ جب موقعہ پائیں تو اپنے معتقد کی اعمال کی کھیتی برباد کر ڈالیں اور رہی سہی استعداد بھی خراب کر

دیں۔ یہ محبت الٰہی کے دعویدار در حقیقت مفسد بدکار ہیں۔ ایسے مفسدین خدا کے پیارے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رب فساد اور فسادی کو پسند نہیں فرماتا۔ جب کوئی اللہ کا بندہ ایسے جھوٹے صوفی کو خدا سے ڈراتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے مریدوں کے حال پر رحم کرو تو اسے اور ضد چڑھ جاتی ہے اور زیادہ گناہ کرتا ہے ایسا شخص خواہشات نفس کے جہنم میں گرفتار ہے جہاں سے کبھی نہیں نکل سکتا اور یہ اس کے لئے کافی عذاب ہے (از ابن عربی)۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دست نباید داد دست

بہت سے شیطان انسانی لباس میں ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دو۔ پانی پینا چھان کر مرشد کرنا جان کر۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان دکاندار ہے۔ زندگی دکان اعمال اس کے سودے ہیں۔ اگر اعمال اچھے ہیں تو ان کا خریدار خدا ہے اور قیمت جنت رب فرماتا ہے **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم** (الخ) اور اگر اعمال خراب ہیں تو شیطان خریدار ہے دوزخ اس کی قیمت۔ جیسے سودے ویسے خریدار، شراب کی دکان پر شرابی خریدار۔ تسبیح و مصلے کی دکان پر نمازی خریدار۔ ان جھوٹوں کی دکان پر فریب، جھوٹ، دھوکے کے سودے ہیں۔ ان کے پاس سے جسے ملے گا یہی ملے گا۔ اور فرماتے ہیں کہ جو عقل دل کے ماتحت ہو وہ یزدانی، رحمانی عقل ہے۔ جس سے ایمان، عرفان وغیرہ بنتا ہے اور جو عقل جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آزاد ہو وہ شیطانی عقل ہے۔ جس سے طغیان بنتا ہے۔ منافقوں کی عقل شیطانی تھی کہ رب نے فرمایا **وھو الد الخصام** جب تک کعبہ پر حضور کا راج نہ تھا کعبہ بت خانہ تھا اور جب حضور کا راج آگیا تو خدا خانہ بن گیا جس عقل و دل پر حضور کا راج ہے وہ دل کعبہ ذات الٰہی ہے اور جو ان کے راج سے آزاد ہو وہ پاخانہ شیطان ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو خریدتے ہیں جان اپنی تلاش کرتے ہوئے رضا اللہ کی اور اللہ
اور کوئی آدمی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ
رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾
بہت مہربان ہے ساتھ بندوں کے ۞
بندوں پر مہربان ہے ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کا ذکر ہوا اب مخلصین مومنین کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان دنیاداروں کا تذکرہ تھا جو دنیا کے عوض دین فروخت کر ڈالیں۔ اب ان دینداروں کا ذکر ہے۔ جو دین کے لئے دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور گھر بار مال اولاد سب پر لات مار دیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی

آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا قول زیادہ اور عمل کوئی نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو کہیں کم مگر عمل کریں زیادہ۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں خدا کو ناراض کرنے والے عیوب کا ذکر تھا۔ اب خدا کو راضی کرنے والی صفات کا ذکر ہے۔

شان نزول : اس کے شان نزول میں بہت روایتیں ہیں۔ جن میں سے ہم چند بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت صہیب ابن سنان اور عمار ابن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ اور والد یاسر اور حضرت بلال و خباب رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ سے ہجرت کے ارادہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں تھے کہ مشرکین نے آن گھیرا۔ حضرت خباب اور ابوذر تو بھاگ کر نکل گئے۔ حضرت یاسر کو قتل کر دیا اور حضرت سمیہ کے دونوں پاؤں دو اونٹوں کے پیروں سے باندھ کر ان کو علیحدہ علیحدہ سمتوں میں ہانک دیا۔ جس سے وہ بھی شہید ہو گئیں۔ حضرت صہیب سو برس کے بڈھے تھے اور نہایت تیر انداز۔ انہوں نے اپنا تیر و کمان سنبھالا اور فرمانے لگے اے قریش جب تک میرے تیر ختم نہ ہو جائیں تم میرے پاس نہیں آسکتے۔ ایک ایک تیر سے کئی کئی آدمیوں کو ہلاک کر دوں گا۔ تیروں کے بعد تلوار کی باری ہے تمہاری جماعت کو کھیت کی طرح کاٹ کر رکھ دوں گا۔ میں بڈھا آدمی ہوں میرے چلے جانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں اور رہنے سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں اگر تم مجھے میرے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جانے دو تو مکہ مکرمہ میں میرا بہت سا سامان مدفون ہے میں تمہیں اس کا پتہ بتاتا ہوں تم جا کر سب لے لو۔ کفار اس پر راضی ہو گئے اور آپ نے اپنے مال کا پتہ بتا دیا اور مدینہ پاک آ گئے۔ مدینہ منورہ آکر سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے صہیب تم بڑے نفع کا بیوپار کر کے آئے۔ صہیب نے پوچھا کون سا بیوپار۔ تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا کہ تم اپنا وہاں مال دے کر کفار سے جان چھڑا رہے تھے اور یہاں یہ آیت اتر رہی تھی جس میں تمہاری تجارت کی تعریف ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت حضرت صہیب کے بارے میں آئی (کبیر و روح البیان وغیرہ)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہجرت کی رات جب کفار نے حضور علیہ السلام کے دولت خانہ کا محاصرہ کر لیا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پاک پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لٹا کر خود روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری اور حضرت جبریل مولیٰ علی کے سرہانے اور حضرت میکائیل ان کے پاؤں کی طرف کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اے ابو طالب کے فرزند مبارک ہو آج تم پر رب فخر فرماتا ہے کہ تم نے اپنی جان کو اس کے محبوب پر نثار کر دیا (کبیر)۔ مگر روایت اول زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ آیت بلکہ ساری سورۃ بقر مدنی ہے اور اس روایت کی بنا پر مکی ہوگی۔ روح المعانی میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت حضرت زبیر ابن عوام اور مقداد ابن اسود کے حق میں نازل ہوئی۔ جب انہیں حضور علیہ السلام نے خبیب کی لاش کو سولی پر سے اتارنے کے لئے مکہ معظمہ بھیجا جبکہ انہیں مشرکین مکہ نے سولی دی تھی۔ یہ حضرات اپنی جان پر کھیل کر وہاں پہنچے اور لاش اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر : و من الناس من یشری نفسہ۔ ناس سے مراد مومنین ہیں۔ خیال رہے کہ لفظ ناس سے مراد کبھی تو سارے انسان ہوتے ہیں۔ مومن ہوں یا کافر متقی ہوں یا فاجر اور کبھی مراد صرف کفار ہوتے ہیں۔ تب یہ لفظ ہتک و توہین کا ہوتا ہے اور کبھی اس سے مراد صرف مومن و پرہیزگار ہوتے ہیں تب یہ لفظ عظمت کا ہوتا ہے۔ دیکھو ابھی چند آیات سے پہلے بھی و من الناس آیا تھا اور وہاں اس سے کفار مراد تھے یعنی دنیا میں پھنس کر آخرت کو شہوات نفسانی میں پھنس کر طریقہ رحمانی کو بھول

جانے والے اور یہاں ناس سے مراد صحابہ ہیں یعنی عشق مصطفوی میں گرفتار ہو کر دنیا و مافیہا کو بھول جانے والے حضرات اور شری یا فروخت کرنے کے معنی میں ہے۔ جیسے و شروہ بثمن بخس یا بمعنی خریدنا یا بمعنی خرچ کرنا۔ حضرت صہیب کا اپنا مال خرچ کر کے اپنی جان بچالینا یہ گویا کفار سے اپنے کو خریدنا ہوا۔ حضرت علی یا حضرت زبیر کا رضاء الٰہی کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا گویا اپنے کو رب کے ہاتھ فروخت کرنا ہوا۔ یا عام مجاہدین کا جہاد 'تبلیغ' نیک اعمال کرنا اپنی جان خرچ کرنا ہے یعنی مسلمانوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اپنے کو کفار سے بعوض مال خرید لیتے ہیں۔ جیسے صہیب یا مسلمانوں سے بعض وہ ہیں جو اپنے کو بعوض جنت خدا کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے ہیں اور اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جیسے حضرت علی' یا حضرت زبیر' یا مسلمانوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان' روزہ' نماز وغیرہ نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں مگر منافقوں کی طرح دنیوی لالچ سے نہیں بلکہ ابتغاء مرضات اللہ ابتغاء' یشری کا مفعول لہ ہے۔ اور مرضات مصدر بمعنی رضا۔ جیسے مدعات بمعنی دعا (روح المعانی) ابتغاء کا مادہ بغی ہے بمعنی چاہنا اور ڈھونڈنا جیسے دنیاوی نعمتیں مختلف طریقوں سے تلاش کی جاتی ہیں۔ آنکھ سے زبان سے قلم سے اور بھاگ دوڑ کر کے بھی حکام و سلاطین سے مل کر اسی طرح رضاء الٰہی تلاش کرنے کے بہت طریقے ہیں اسے عبادات سے بھی تلاش کرتے ہیں۔ ریاضات سے بھی اسی طرح مجاہدات سے بھی کبھی ترک عادات سے اسے ڈھونڈتے ہیں اور جان دے کر۔ ان حضرات نے اسی موقع پر آخری طریقہ سے رضاء یار تلاش کی تھی۔ یعنی ان کا یہ بیوپار رضاء رب کی طلب کے لئے ہے نہ کہ کسی نفسانی لالچ میں۔ تو یہ بیوپاری بھی یاد رکھیں کہ واللہ رءوف بالعباد۔ رءوف۔ رافتہ سے بنا۔ بمعنی بڑی رحمت۔ پھر بروزن فعول آکر اور بھی زیادتی کے معنی پیدا ہوئے۔ عباد سے یا تو عام بندے مراد ہیں یا یہ انوکھے بیوپاری جنہوں نے رضائے الٰہی کے عوض اپنا سب کچھ دے ڈالا یعنی اللہ اپنے ایسے پیارے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ اس نے ان کی یہ تجارت قبول فرمالی۔

خلاصہ تفسیر : منافقین کا تو حال تم سن چکے وہ سب ہی پاجی ہیں مگر ان میں بعض' بہت ہی خبیث' اب **مخلصین** کا حال بھی سنو کہ یہ سب ہی اچھے ہیں مگر ان میں بعض تو ایسے جانباز بہادر ہیں جو محض رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان بھی فروخت کر ڈالتے ہیں اور پھر مالک کے سپرد کر کے اسی کی مرضی پر صرف کر دیتے ہیں۔ وہ بھی یاد رکھیں کہ ایسوں پر اللہ بھی بہت ہی مہربان ہے کہ اس نے نہایت قدر و عزت سے ان کی جان و مال کو خریدا۔ اور اسے اپنی خالص ملک بنا کر پھر بطور وکیل انہیں کے حوالہ کر دیا اب وہ جو کچھ کریں گے ہماری طرف سے کریں گے ان کا کام ہمارا کام ہو گا گویا کرنے والے وہ ہیں کرانے والے ہم۔ سبحان اللہ اس سے بڑھ کر جان کی اور کیا قیمت ہو سکتی ہے کہ وہ رب کی ہو جائے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور کی محبت میں جان و مال صرف کرنا در حقیقت رب سے سودا کرنا ہے۔ حضرت علی یا صہیب یا دیگر حضرات نے جو کچھ بھی کیا۔ حضور ہی کے عشق میں تو کیا تھا مگر رب نے اسے مرضات اللہ فرمایا لہٰذا اب بھی مسلمانوں کا حضور کی محبت و عشق میں جان و مال خرچ کرنا رب سے ہی تجارت ہے۔ غرضیکہ حضور کی اطاعت رب کی اطاعت ہے حضور کی سننا رب کی سننا ہے۔ حضور کی نافرمانی رب کی نافرمانی ہے۔ حضور پر یا حضور کے خدام پر یہ خرچ کرنا رب کے ذمہ کرم پر قرض ہے۔ رب فرماتا ہے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا" حسنا۔ بلا تشبیہ

یوں سمجھو کہ ہمارے پیارے بیٹے کا دوست ہمارا دوست ہے اس کا دشمن ہمارا دشمن ہے حتیٰ کہ جو ہمارے بچے پر کچھ خرچ کرلے وہ ہم پر قرض ہوتا ہے۔ نیوتہ وغیرہ میں دن رات اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ عالم شہادت عالم غیب کا نمونہ ہے۔ دوسرا فائدہ: کوئی غیر صحابی' صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ہمیں اپنی کسی نیکی کی قبولیت کی خبر نہیں۔ ان حضرات کی نیکیوں کی رب کی طرف سے رسیدیں بھی آگئیں اور انہیں قبولیت کا سرٹیفکیٹ بھی مل گیا۔ بلکہ ہماری نیکیوں سے ان کی خطائیں افضل۔ جن کی معافی کا قرآن میں اعلان ہو گیا۔ تیسرا فائدہ: جیسے کہ خریدار چیز کا مالک ہے ایسے ہی رب تعالیٰ مسلمانوں کی جان و مال کا مالک ہے یعنی خالقیت کی ملکیت سب پر ہی ہے۔ اس پر کوئی ثواب نہیں۔ یہ تملیک اختیاری ہے۔ جس پر بہت بڑا ثواب۔ چوتھا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اپنا آرام' مال' اولاد' عزت' جان یہ پانچوں چیزیں اسلام کی ملکیت سمجھے۔ جس وقت جس چیز کی اسلام کو ضرورت ہو تو فوراً" حاضر کر دے۔ پانچواں فائدہ۔ ہر قسم کی نیکی کرنے والا اس آیت میں داخل ہے بشرطیکہ نیک نیتی سے کرے (کبیر)۔

پہلا اعتراض : جان مال سب اللہ کا ہی ہے پھر بیچنے خریدنے کے کیا معنی؟ کیونکہ تجارت میں مال بیوپاری کا ہونا چاہئے اور قیمت خریدار کی۔ جواب: اس معاملہ کو تجارت فرمانا مسلمانوں کی عزت افزائی ہے۔ اس کی مثال بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ مالک اپنے اس غلام سے کوئی چیز خریدے جسے تجارت کی اجازت دے دی ہو۔ اسے بھی تجارت ہی کہا جاتا ہے اگرچہ غلام اور اس کا سارا مال مولیٰ کا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ بعض لوگ اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اپنی جان کا سودا کرتے ہیں تو رب تعالیٰ ان سے پہلے راضی نہ تھا اگر ناراض تھا تو وہ لوگ مومن کیسے ہوئے تھے اور اگر راضی تھا تو حاصل چیز کو حاصل کرنا' تلاش کرنا عبث ہے۔ جواب: اللہ تعالیٰ کی رضا بہت قسم کی ہے رضا عامہ یہ تو ہر مسلمان کو نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ گنہگار ہو اس لئے آخر کار گنہگار مومن بھی جنتی ہو گا۔ رضائے خاصہ' یہ متقی مسلمان کو میسر ہے۔ رضاء خاص الخاص یہ ابرار و اخیار کو نصیب ہوتی ہے جیسے باپ اپنے نالائق بیٹے سے بھی راضی ہوتا ہے اسی لئے اس کا دکھ نہیں برداشت کرتا اور لائق بیٹے سے بھی اور کماؤ پوت سے بھی اور اس فرزند سے بھی جو والدین کی مرضی میں فنا ہو مگر یہ رضائیں مختلف ہیں اللہ تعالیٰ ان حضرات سے پہلے بھی راضی تھا کہ وہ مومن صحابی تھے اور اب جس رضا کی جستجو میں وہ لوگ جان کی بازی لگا رہے ہیں وہ رضا وہ ہے جو عشاق کو میسر ہوتی ہے۔ مومنین کی رضا اور ہے متقین کی رضا کچھ اور مگر عاشقین' خاشعین کی رضا کچھ اور۔ رب فرماتا ہے۔ **رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ**

تفسیر صوفیانہ : عام مسلمانوں نے تو اپنی جانیں جنت کے عوض فروخت کر دیں۔ مگر خاص اولیاء اللہ نے رضائے الٰہی کے عوض۔ تو گویا عام جانوں کی قیمت جنت اور نفوس اولیاء کی قیمت رضاء الٰہی ہے ایسے خواص کو چاہئے کہ وطن بشریت سے نکل کر میدان محبوب میں مسافر بن کر حاضر ہوں اور اسی کی راہ میں مجاہد بن کر شہید معنوی ہوں۔ حدیث شریف میں ہے طوبیٰ للغرباء یعنی ان مسافروں کو خوشخبری ہو۔ یہ مسافر وہی ہیں جو خلق سے رشتہ توڑ کر خالق سے جوڑ بیٹھے اور عادات و شہوات میں عوام کے مخالف ہو گئے۔ جیسے کہ ظاہری پاکیزگی' ظاہری رزق بڑھاتی ہے۔ ایسے ہی باطنی وضو باطنی رزق یعنی معرفت' کمالات' واردات میں برکت دیتا ہے اور اس سے دل زندہ اور نفس مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی سے انسان قید نفس سے چھوٹ کر موت اختیاری حاصل

کر کے موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے بسا نفس شہید معتمد مردہ در دنیا و زندہ مے رود

اس بندہ کو چاہئے کہ خلق سے خالق کی طرف عروج کرے۔ جو رب کی طرف بھاگے اور اس کے جمال کو پالے اور مشاہدہ جلال میں غرق ہو جائے۔ وہ قل اللہ ثم ذرھم کے اسرار سے واقف ہو جاتا ہے۔ اولاً ”ترک مال پھر ترک اولاد کرکے آخر کار نفس سے منہ موڑ بیٹھتا ہے۔ ترک مال پر توحید افعال کی اور ترک اولاد پر توحید صفات کی تجلی ہوتی ہے اور ترک نفس پر تجلی توحید ذات جو کہ اعلیٰ درجات ہے۔ عاقل کو چاہئے کہ ذکر اللہ کے صیقل سے آئینہ قلب کو صاف کرتا رہے کہ یہی طالب کو مطلوب تک اور مسافر کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ تاجر کو چاہئے کہ مال خریدار کے حوالہ کرے۔ ایسے ہی عاشق پر لازم ہے کہ اپنا سب کچھ رب کے سپرد کردے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے داخل ہو جاؤ بیچ اسلام کے پورے اور نہ پیروی کرو قدموں کی شیطان کے
اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک
الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ
تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے کھلا ہوا پس اگر پھسل جاؤ تم پیچھے سے اس کے کہ آئیں
وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اگر اس کے بعد بھی پھسلو کہ تمہارے پاس
الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾
تمہارے پاس کھلی نشانیاں پس جانو کہ تحقیق اللہ عزت والا حکمت والا ہے
روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی رغبت دی گئی اور راہ مولیٰ میں مال و اولاد پر لات مار دینے کے فضائل بیان ہوئے اب تقویٰ میں بے جا غلو اور غلط افراط سے روکا جا رہا ہے کہ بلاوجہ حلال چیزوں سے محروم ہو جانا اور شرعی اجازتوں سے فائدہ نہ اٹھانا پرہیزگاری نہیں۔ گویا پہلے تقوے کی تعریف تھی اب اس کی حد بندی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین کا حال بیان کیا گیا کہ ان کا ظاہر اسلام کے موافق اور باطن اس کے خلاف ہے۔ اب مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اپنا ظاہر و باطن دونوں اسلام کے موافق رکھو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ایک تجارت کا ذکر ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی جانیں رب کے ہاتھ فروخت کیں۔ اب انہیں قبضہ دینے کا حکم ہو

رہا ہے کہ اپنی بچی ہوئی جانیں رب کے حوالے کرو۔ اس طرح کہ اسلام میں پورے آجاؤ اور شیطان کی راہ نہ جاؤ۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کا ذکر تھا جن کے دل میں کفر تھا زبان پر اسلام۔ اور مسلمانوں کو اس حرکت سے منع فرمایا گیا تھا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے دل میں ایمان ہے مگر ظاہر پر کفر و کفار کی رعایت تاکہ مسلمان اس سے بھی بچیں۔ انسان چار قسم کے ہیں مجاہر یعنی کھلے چھپے کافر مخلص یعنی کھلے چھپے مومن۔ منافق یعنی کھلے مومن چھپے کافر۔ ساتر یعنی کھلے کافر چھپے مومن۔ مخلص ہونا کمال ہے۔

شان نزول : حضرت عبداللہ ابن اسلام اور ان کے بعض ساتھی اسلام لانے کے بعد بھی شریعت موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے۔ سنیچر کی تعظیم کرتے اس دن شکار سے بچتے تھے۔ اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ چیزیں اسلام میں ضروری نہیں محض جائز ہیں اور توریت میں سخت منع تو ان کے چھوڑ دینے میں اسلام کی مخالفت نہیں اور دین موسوی پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں انہیں اس سے روکا گیا (خزائن العرفان)۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت منافقین کے حق میں آئی انہیں دو رنگی سے منع کیا گیا (کبیر) مگر خزائن عرفان کی روایت قوی ہے کیونکہ اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے نہ کہ منافقین سے۔ منافقین کو الذین امنوا میں داخل کرنا تکلف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس آیت کا نزول یہود کے بارے میں ہوا۔ اور اس میں ان کو دعوت اسلام دی گئی (کبیر)۔

تفسیر : **یایھا الذین امنوا**۔ بعض احکام مسلمانوں کو پکار کر سنائے گئے ہیں تاکہ اس ندا سے مسلمان میں عشق الٰہی کی آگ بھڑکے کہ رب بندے کو پکار رہا ہے اور عشق سے مشکل احکام آسان ہو جاتے ہیں عشق سے ہی حضرت ابراہیم نار نمرود میں بے خطر چلے گئے مشکلات عقل کے لئے ہیں۔ عشق کے لئے نہیں۔ چونکہ اسلام میں پورا پورا داخل ہونا نفس پر شاق تھا۔ اس شاق کو آسان فرمانے کے لئے پہلے ندا سے عشق کی آگ بھڑکائی پھر حکم سنایا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں مخلص مومنین سے خطاب ہے اور ایمان سے ایمان شرعی مراد۔ جیسا کہ اس کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ رب کی بڑی نعمت دنیا میں ایمان ہے۔ آخرت میں دیدار الٰہی۔ اس لئے ہم کو امنوا کہہ کر خطاب کیا یہ نہ فرمایا کہ اے مال والو گے کو ٹھیوں جائیداد والو بلکہ فرمایا اے ایمان والو ہو سکتا ہے کہ اس سے منافقین مراد ہوں۔ اور ایمان سے ان کا زبانی اسلام اور ممکن ہے کہ یہود مراد ہوں اور ایمان سے توریت و انجیل پر ایمان۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارے ہی انسانوں سے خطاب ہو۔ اور ایمان سے میثاق والا ایمان مراد جو بلیٰ سے حاصل ہو اتھا یعنی اے وہ لوگو جو قرآن پاک پر حقیقی ایمان لا چکے یا اے وہ منافقو! جو زبان سے ایمان کا دعویٰ کر چکے یا اے وہ یہودیو! جو توریت و انجیل کو مان چکے یا اے وہ لوگو جو میثاق کے دن بلیٰ کہہ کر فطری ایمان لا چکے **ادخلوا فی السلم** داخل ہو جانے سے یا تو دین میں آجانا مراد ہے یا قائم رہنا۔ سلم کے معنی راضی ہونا۔ مطمئن ہونا' صلح کرنا' جنگ چھوڑ دینا اور اطاعت فرمانبرداری کرنا ہیں۔ اسلام اور استسلام اسی سے بنا کیونکہ مسلمان رب کی قضا پر راضی اس کی مخالفت سے علیحدہ اور اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ اور یہاں اسلام ہی مراد ہے (کبیر)۔ **کافۃ**' کف سے بنا بمعنی روکنا اور آڑ۔ آدمی کو کفاف کہا جاتا ہے کہ وہ فقیری کو روکتی ہے۔ ہتھیلی کو اسی لئے کف کہتے ہیں کہ اس سے مار وغیرہ روکی جاتی ہے۔ نابینا کو مکفوف البصر بھی اس لئے کہتے ہیں۔ پوری چیز یا پورے اجتماع کو اسی لئے کافۃ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سارے افراد کو گھیر کر انہیں نکلنے سے روکتی ہے۔

یعنی سب کی سب۔ اس کی ”ۃ“ تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے یا تو ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے یا سلم سے یعنی تم سب اسلام میں داخل ہو جاؤ یا پورے اسلام میں آجاؤ اور اس کے سارے احکام مان لو۔ عقائد و اعمال ہر حیثیت سے مسلمان بنو۔ خیال رہے کہ اسلام گویا عمارت ہے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ اسلام کے ستون نمازیں ہیں جو کوئی عمارت سے باہر رہ کر اس کی دیوار کی آڑ لے لے وہ اگرچہ سایہ حاصل کرے گا مگر گرمی‘ سردی‘ بارش‘ چوری‘ سے محفوظ نہیں رہ سکتا جو مکان میں داخل ہو جائے اس طرح کہ مکان ہر طرف سے اسے ایسے گھیرے جیسے مرکز کو دائرہ کہ سر پر مکان کی چھت ہو نیچے اس کا فرش آگے پیچھے داہنے بائیں اس کی دیواریں تو اب مکان اسے سردی گرمی چوری وغیرہ سے بچائے گا۔ منافقین نے کلمہ پڑھ کر اسلام کی آڑ لے لی۔ جس سے وہ قتل سے تو بچ گئے۔ مگر شیطان چور اور دوزخ کی سردی گرمی سے نہ بچ سکے۔ مومن اسلام میں اس طرح داخل ہو گئے کہ دل میں اسلام کے عقائد آگئے۔ دماغ میں عشق نبی کا سودا اعضاء میں اسلام کے احکام۔ وہ بفضلہ تعالیٰ ہر طرح محفوظ ہو گئے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ یعنی محض اس کی آڑ نہ لو۔ **ولا تتبعوا خطوت الشیطن** یہ اتباع سے بنا بمعنی پیچھے چلنا۔ خطوات ”خطوۃ (خ کے پیش سے) کی جمع ہے بمعنی دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ۔ یہاں اس سے راستہ مراد ہے چونکہ شیطانی راستے بہت ہیں۔ اس لئے جمع فرمایا گیا۔ یعنی شیطان کے پیچھے مت چلو یا شیطان کے بنائے ہوئے راستے پر نہ جاؤ اور اس کے وسوسوں اور شبہات میں نہ آؤ۔ کیونکہ **انہ لکم عدو مبین**۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے کہ تمہارے والد آدم علیہ السلام کی بھی مخالفت کر چکا ہے اور اب بھی تمہارے پیچھے پڑا ہے۔ لکم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانوں خاص کر مسلمانوں کا ہی زیادہ دشمن ہے کہ وہ انہیں کی بدولت جنت سے نکلا۔ فرشتوں اور جنات سے اسے اتنی عداوت نہیں۔ نیز چور بھرے گھر میں ہی جاتا ہے۔ مسلمانوں کے دل چونکہ نور ایمانی سے معمور ہیں اسے انہیں کی زیادہ فکر ہے۔ کفار کا پہلے ہی سے بیڑا غرق کر چکا ان سے مطمئن اور خیال رکھو کہ **فان زللتم** یہ لفظ زلل سے بنا بمعنی پھسلنا۔ چکنی جگہ کو زلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ پھسلن ہے یعنی اگر تم عقیدوں میں یا فرائض‘ واجبات‘ مستحبات کسی عمل میں بھی سیدھے راستے سے ڈگمگائے (کبیر) **من بعد ما جاء تکم البینت** یہ بینۃ کی جمع ہے بمعنی کھلی دلیل یا تو اس سے قرآنی آیتیں مراد ہیں یا حقانیت اسلام کے عقلی‘ نقلی دلائل یا حضور علیہ السلام کے معجزات یا خود حضور علیہ السلام کی ذات پاک کیونکہ ان کی ہر ادا رب کی دلیل اور ان کا ہر کمال مظہر ذو الجلال ہے یعنی اگر تم قرآن کریم یا معجزات یا اسلام کی حقانیت کے دلائل یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد بھی اسلام سے ڈگمگا گئے تو **فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم** یہ وہم بھی نہ کرنا کہ تم رب کی پکڑ سے باہر ہو وہ تم پر ہر وقت غالب ہے اور تم ہر دم اس کے قبضہ میں۔ اپنی حکمت سے ہی تمہیں کچھ مہلت دے کر تمہاری سخت پکڑ فرمائے گا۔ جس جرم کے بعد واللہ غفور رحیم یا ستار وغیرہ آئے تو اس میں اشارۃ“ فرمایا جاتا ہے کہ یہ گناہ بخش دیا جائے گا اور اگر بعد میں عزیز ذو انتقام یا عزیز حکیم وغیرہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کہ اس جرم کی سزا ملے گی۔ یہاں دوسری جانب اشارہ ہو رہا ہے یعنی یہ پھسلنا قابل معافی نہیں اس پر پکڑ ہوگی۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! دورنگی سے بچو اور پلپلے پن سے دور رہو۔ اسلام میں ظاہر و باطن پورے طور سے داخل ہو جاؤ۔ مسلمان ہو کر دوسرے مذاہب یا کفار کی رعایت کیسی۔ مضبوط مسلمان بنو اور راہ حق کو چھوڑ کر شیطانی راستے اختیار نہ کرو اور نہ

اس کے قدموں پر چلو کیونکہ وہ صرف تمہارا ہی کھلا دشمن ہے چونکہ تمہاری وجہ سے وہ ذلیل ہوا۔ جنت سے نکالا گیا۔ اب وہ تمہیں بھی جنت سے دور رکھنا اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ دولت ایمان تمہارے پاس ہے۔ جس کی وہ تاک میں ہے تم غفلت سے کام نہ لو۔ یا اے وہ لوگو جو میثاق کے دن ایمان لا چکے تھے اب پورے مسلمان بنو کہ دنیا میں اسلام لاؤ کیونکہ اسی فطری اسلام پر جزاء و ثواب۔ وہاں تمہیں اسلام سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی اب یہاں اسلام لاؤ تاکہ جزا پاؤ یا اے یہود و نصاریٰ جو توریت و انجیل پر ایمان لا چکے ہو پورے مسلمان بنو کہ قرآن' آخری نبی پر بھی ایمان لاؤ کہ اس کے بغیر تمہارا اپنی کتاب' اپنے رسول پر بھی ایمان ناقص ہے کیونکہ انہوں نے یہ بھی خبر دی تھی کہ قرآن اور آخری نبی آئیں گے اگر تم نے انہیں نہ مانا تو تم نے ان آیات کو نہ مانا اور اگر قرآن سچی کتاب نہیں تو توریت و انجیل کی وہ آیات بھی غلط ہو گئیں جن میں اس قرآن کی آمد کی خبر دی گئی ہے۔ یا اے منافقو جو زبان سے ایمان لا چکے پورے مسلمان ہو جاؤ کہ دل سے ایمان لاؤ اس کے بغیر اسلام ناقص ہے اسلام کے دو رکن ہیں دل سے تصدیق زبان سے اقرار جب تم نے دل سے تصدیق نہ کی تو تم مسلمان کیسے بنے یا اے مخلص مسلمانوں تم سب مسلمان بن جاؤ کہ اپنا طور طریقہ ایسا رکھو کہ تمہیں دیکھ کر تمہارے بال بچے بلکہ تمہارے نوکر چاکر بلکہ تمہارے پڑوسی محلہ والے مسلمان ہو جائیں سب کو اسلام کے رنگ میں رنگ دو۔ جیسے صلح حدیبیہ کے بعد جو مکہ سے کافر دو چار دن کے لئے مدینہ منورہ آ جاتا وہ مسلمانوں کے اخلاق دیکھ کر دل سے مسلمان ہو جاتا تھا غرضیکہ اس کی عالمانہ تفسیریں پانچ ہیں۔ آگے ارشاد ہو رہا ہے یہ بھی یاد رکھو تمہارے پاس حقانیت اسلام کی کھلی ہوئی دلیلیں آ چکیں۔ قرآن کریم' صاحب قرآن' ان کے معجزات سب کچھ پہنچ گئے۔ اب بھی اگر تم سیدھے راستہ سے ڈگمگا گئے تو یاد رکھو کہ اللہ بہت غالب بھی ہے۔ تم اس سے بچ نہیں سکتے اور حکمت والا بھی ہے کہ بے دینوں کو جنت میں اور پرہیزگاروں کو جہنم میں نہ بھیجے گا۔ ہر ایک کو اس کا حق دینا تقاضاء حکمت ہے لہذا نیک بن کر آؤ تاکہ اچھی جزا پاؤ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بدمذہبوں اور بے دینوں کی رعایت کرنا سخت جرم ہے۔ دیکھو اونٹ کا گوشت کھانا اور ہفتہ کے دن شکار کرنا اسلام میں واجب نہیں بہت سے مسلمان نہیں کرتے مگر چونکہ عبداللہ ابن سلام وغیرہ نے یہودیت کی رعایت کرتے ہوئے اس سے بچنا چاہا۔ عتاب الٰہی آ گیا اور اس رعایت کو شیطانی راستہ کہا گیا۔ مسلمان ہو کر کفر کی رعایت کیسی؟ **دوسرا فائدہ:** محفل میلاد شریف وغیرہ فرض یا واجب نہیں۔ مگر جو کوئی دیوبندیت یا وہابیت کی رعایت کرتے ہوئے اس سے بچے اور کہے کہ اہلسنت کے نزدیک یہ واجب نہیں اور دیوبندیوں کے نزدیک حرام ہے۔ لہذا اس سے بچنا بہتر۔ وہ بھی اسی آیت میں داخل ہے۔ مسلمان اس بلاء میں بہت گرفتار ہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔ **تیسرا فائدہ:** اس آیت میں بہت ہی وسعت ہے سارے اسلامی عقیدے اور سارے اعمال اس میں داخل داڑھی منڈا' مشرکین کا سا لباس پہننے والا' کفار کے سے نام رکھنے والا سب اس میں داخل ہیں۔ عقیدے بھی اسلامی اختیار کرو اور اعمال بھی صورت بھی مسلمانوں کی سی بناؤ اور سیرت بھی' نام بھی مسلمانوں کا سا رکھو اور کام بھی' زندگی بھی اسلامی ہو اور موت بھی' شادی بھی اسلامی ہو اور رسم و رواج بھی۔ غرضیکہ مرنا جینا اسلامی ہو اس کی پوری تفصیل کے لئے ہماری کتاب "اسلامی زندگی" کا مطالعہ کرو۔ **چوتھا فائدہ:** ہر قلب کا قالب پر قالب کا قلوب پر اثر پڑتا ہے۔ جڑ بھی درست کرو۔ اور شاخیں بھی تاکہ ایمانی پھل کھا سکو۔

مسلمان اپنے اہل قرابت خصوصاً" بال بچوں کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش کرے کہ اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تم صرف اکیلے ہی مسلمان نہ بنو۔ سب مل کر مسلمان ہو جاؤ۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا **قوا انفسکم و اھلیکم نارا**" **پانچواں فائدہ:** گناہ کبیرہ سے بھی بچے اور صغیرہ سے بھی۔ صغیرہ کو ہلکا جاننا بے وقوفی ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا **فان زللتم** اگر تم پھسل بھی جاؤ۔ جس میں صغائر میں بھی داخل ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** بے خبری رب کے ہاں پکڑ نہیں۔ دلائل آنے کے بعد جو پھسلے اس کی پکڑ ہے۔ **ساتواں فائدہ:** دلائل سے بے خبر رہنا عذر نہیں کیونکہ یہاں دلائل آنے کا ذکر فرمایا گیا نہ کہ جاننے کا۔ آج اسلام کے دلائل بے شمار موجود ہیں جو اس سے غافل رہے وہ اس کا قصور ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** غیر ممنوع چیز کو منع جاننا بے دینی ہے دیوبندی' وہابی بھی اس میں داخل ہیں کہ تمام امور خیر جنہیں شریعت نے حرام نہ کیا انہیں حرام جانتے ہیں وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔ حلال چیز کو حرام کر لینا تقویٰ نہیں بلکہ حرام سے بچنا' نیک کام کرنا تقویٰ ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ظاہری فقیر بن کر گوشت' نکاح وغیرہ سے بچتے ہیں۔ مگر جھوٹ' غیبت' بھنگ وغیرہ سے نہیں بچتے۔ تقویٰ تو حضور کی پیروی میں ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض**۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کی رعایت منع ہے۔ حالانکہ حنفی بارہا شافعیوں کی رعایت کرتے ہیں اور شافعی مذہب حنفی کی۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حنفی امام جب اس کے پیچھے شافعی بھی نماز پڑھتے ہوں تو عورت یا ذکر کے چھونے سے وضو کر لے یہ رعایت کیسی؟ **جواب:** کفار کی رعایت جرم ہے یہ چاروں مذہب حق ہیں اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔ فقہاء کے اختلاف سے بچنا بہت بہتر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **زللتم** سے معلوم ہوا کہ خطاء" گناہ کی بھی پکڑ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ میری امت سے بھول چوک معاف ہے۔ **جواب:** خطاء" گناہ کی معافی ہے نہ کہ بد عقیدگی کی۔ یہاں اصل مقصود یہی ہے۔ یعنی جو غلطی سے برے عقائد اختیار کرلے اس کی پکڑ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسیان یعنی بھول چوک اور خطا معاف ہے مگر مسئلہ سے بے خبری معاف نہیں یا گناہ صغیرہ ہلکا جان کر کرتے رہنا معاف نہیں۔ متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالتے وقت شیطان پہلے سنت و مستحب کی دیوار توڑتا ہے۔ پھر واجبات کی پھر فرائض کی پھر عقائد کی پہلی دیوار مضبوط کرو۔ یا خطاء" بد عقیدگی اختیار کر لینا معاف نہیں۔ معاف اور چیز ہے پکڑ کسی اور چیز پر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا صرف اسلام ہی کو پسند کرتا ہے تو مسلمانوں کا خدا ہوا نہ کہ سارے جہان کا۔ اسے چاہئے کہ سب بندوں کو پسند کرے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اسلام رب کی اطاعت ہے اور کفر اس کی نافرمانی اور اطاعت کو پسند کرنا نافرمانی سے ناراض ہونا عین انصاف ہے۔ شائد آریوں کا بھگوان گائے پوجنے والوں اور گائے کھانے والے ملیچھوں سب ہی کو پسند کرتا ہو گا۔ اسلام میں ایسی اندھیر نگری اور چوپٹ راج نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** دل میں ایمان چاہئے مولویوں نے شکل پر پابندی کیوں لگادی؟ **جواب:** صورت اور سیرت دونوں درست کرنا ضروری ہیں۔ اچھا کھانا' اچھے ہی برتن میں کھاؤ۔ صورت شاخیں ہیں اور دل جڑ۔ دونوں کی ہی اصلاح کرو "اسلامی زندگی" کا مطالعہ کرو۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت بڑی بری چیز ہے۔ دیکھو جن لوگوں نے ترک گوشت کو ضروری جانا ان پر عتاب آگیا۔ ایسے ہی جو کوئی غیر شرعی چیز کو ثواب جانے وہ گمراہ ہے (اشرف علی تھانوی تفسیر)۔ **جواب:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی غیر ممنوع چیز کو ممنوع جانے وہ بے دین ہے اونٹ کا گوشت منع نہ تھا اسے حرام جاننا گناہ ہوا۔ امور خیر میلاد وغیرہ منع نہیں۔ انہیں منع سمجھنا بے دینی ہے۔

بدعت حسنہ اچھی چیز ہے۔ جیسے قرآن کے اعراب جلد رسد دیوبند۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں عام لوگوں کو عام خطاب ہے اور خاص لوگوں کو خاص۔ خطاب عام تو وہ ہے جس کی تفسیر حدیث شریف میں ہوئی کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مومن وہ جس سے لوگ امن میں رہیں۔ خطاب خاص 'خاص لوگوں سے ہے کہ اے لوگو اپنے ظاہری و باطنی سارے اعضاء کو اسلام میں داخل کردو کہ سب سے رضائے الٰہی کا کام لو۔ آنکھ سے ایمانی چیزیں دیکھو۔ کان سے ایمانی آوازیں سنو۔ منہ سے اسلامی غذائیں کھاؤ اور شرمگاہ اسلامی اجازت پر کام میں لاؤ۔ ہاتھ سے ایمانی چیزیں پکڑو۔ اور پیر سے ایمانی جگہ میں جاؤ۔ بلکہ کسی عضو کو بھی بیکار کام میں خرچ نہ کرو۔ اسی طرح باطنی اجزاء کہ نفس کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرو بری عادتیں چھوڑ کر اچھے صفات پیدا کرو تاکہ ارجعی الی ربک کا خطاب پاؤ۔ اسی طرح قلب کو نفسانی اخلاق سے بچا کر روحانی اخلاق سے موصوف کرو۔ روح کو اخلاق اللہ سے متصف بناؤ۔ ماسوای اللہ سے بچاؤ اللہ کا بنادو۔ اپنے سر کو فانی فی اللہ کرکے باقی باللہ بنادو۔ ظاہری کام تو منافقین کے بھی درست تھے۔ باطن سنبھالنا مردوں کا کام ہے۔ انکار اور غرور شیطانی راستے ہیں اس سے بچو اور شیطان تمہاری فطرت کا دشمن ہے وہ تمہارا فطری نور بجھانا چاہتا ہے اس کی کوشش ہے کہ تم نور سے نار میں آجاؤ۔ اے مسلمانو! اگر تم تجلیات دیکھ کر بھی راہ مولیٰ سے پھسل گئے تو یاد رکھو کہ رب کی بارگاہ بڑی عزیز ہے وہاں تک پہنچنا ہر ذلیل اور کم ہمت کا کام نہیں اور وہ حکمت والا بھی ہے اہل ہی کو اپنے تک پہنچاتا ہے نااہلوں کا وہاں کام نہیں۔ اگر وہاں کا شوق ہے تو اپنے میں اہلیت پیدا کرو۔ اس تمام کی تفسیر یہ دو شعر ہیں۔

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا ۔۔۔ حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں
سر کٹانے کی تمنا ہے تو سر پیدا کر ۔۔۔ تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر

دوسری تفسیر : مومن کا ابتدائی دور تو یہ ہے کہ وہ اسلام میں پورا پورا آجائے اور انتہائی دور یہ ہے کہ اسلام اس میں پورا پورا آجائے کہ نور اسلام اس کی رگ رگ میں سرایت کر جائے روئی آگ میں گئی تو صرف گرم ہو کر پک گئی مگر آگ نہ بن سکی۔ کوئلہ میں آگ گئی تو کوئلہ خود آگ بن گیا کہ اس کا نام کام رنگ روپ سب آگ کا سا ہو گیا کالا تھا سرخ ہو گیا ہاتھ یا کپڑے پر پہنچا تو اسے جلا دیا۔ ایسے ہی اگر تم میں اسلام آگیا تو تم سراپا نور ہو جاؤ گے کہ جہاں بیٹھو گے آگ لگاؤ گے۔ جہاں دفن ہو گے وہاں میلے لگ جائیں گے جس جگہ بیٹھ جاؤ گے وہ جگہ نور بن جائے گی۔

جس طرف کو اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے ۔۔۔ میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

چور اندھیری کوٹھڑی میں چوری کرتا ہے اگر نور ایمانی رگ رگ میں رچ جائے تو شیطان چوری نہ کرسکے۔ صوفیاء کرام کا قتلی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس چار چیزیں ہیں۔ جسم 'دل 'دماغ 'روح اور اسلام میں بھی چار چیزیں ہیں۔ شریعت 'طریقت 'حقیقت 'معرفت اسلام میں پورے آجانے کے معنی یہ ہیں کہ جسم پر شریعت دل میں طریقت دماغ میں حقیقت اور روح میں معرفت رچ جائے اس وقت مومن تو آئینہ ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دار' آئینہ کا فوٹو اپنے اصل کی نقل ہوتا ہے کہ اصل پر جو حرکت و سکون طاری ہوتا ہے وہی آئینہ کے عکس پر طاری ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کے جسم و دل و دماغ و

روح پر وہ واردات طاری ہوتی ہیں جو اس مدینے والے سرکاری کی طرف سے وارد ہوں۔

تیسری تفسیر : مسلمانو! تم اپنے جان و مال رب کے ہاتھ فروخت کر چکے اب اسے سپرد بھی کر دو کہ ہر کام میں اسی کی اطاعت کرو۔ شیطان تمہارا فطری دشمن ہے کہ وہ ناری ہے تم نوری۔ وہ تمہارے پاس دوستانہ شکل میں آکر تمہیں خیانت پر آمادہ کرے گا۔ خبردار امانت میں خیانت نہ کرنا۔ اگر تم نے تسلیم سے سر پھیرا تو خدا غالب ہے جبراً اپنی چیز تم سے لے گا اور پھر تمہیں کچھ ثواب بھی نہ ملے گا (ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا پھسلن بھی ہے اور یہاں اندھیرا بھی جب راستہ میں پھسلن اور اندھیرا دونوں ہوں تو مسافر کو ایک لاٹھی بھی چاہئے جس کی ٹیک سے وہ پھسلنے سے بچے اور روشنی کی بھی ضرورت ہے تاکہ غار، خار وغیرہ میں پھنس نہ جائے۔ عشق مصطفوی دنیا کی شمع ہے اور شریعت مصطفوی یہاں کی لاٹھی اگر مسافر کے پاس یہ دونوں چیزیں ہیں تو انشاء اللہ بخیریت منزل مقصود پر پہنچ جائے گا لیکن اگر ان دونوں سے الگ رہا تو پھسل کر غار میں گرے گا غار میں الجھے گا اسی لئے رب نے فرمایا **فان زللتم من بعد ما جاء تکم البینت الخ۔**

ذرۂ عشق نبی از حق طلب سوز صدیق و علی از حق طلب

یعنی جب تمہارے پاس یہ دونوں چیزیں بھیج دیں تم پھر بھی ان سے کام نہ لو اور پھسل جاؤ تو تمہاری سخت پکڑ ہوگی۔ یہاں بینات سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کیونکہ حضور حق و باطل نیک و بد میں ایسا فرق فرماتے ہیں جیسے کسوٹی کھرے کھوٹے سونے میں اسی لئے حضور کا نام بینات بھی ہے یعنی روشن دلائل کا مجموعہ کہ آپ کی ہر بات ہر اداء روشن دلیل ہے جو آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کی پیروی کرے وہ ایسا ہی بے وقوف ہے۔ جیسے دھوپ میں بیٹھ کر چراغ سے کتاب پڑھنے والا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
نہیں انتظار کرتے ہیں وہ مگر اس کا کہ آئے اُن کے پاس اللہ بیچ سائبانوں بادلوں کے اور
کاہے کے انتظار میں ہیں مگر یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں اور فرشتے
وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ؁۲۱۰
فرشتے اور فیصلہ کیا جائے معاملہ کا۔ اور طرف اللہ کے ہی لوٹائے جاتے ہیں معاملات۔
اتریں اور کام ہو چکے اور سب کاموں کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں جان بوجھ کر غلط راستہ اختیار کرنے سے روکا گیا تھا۔ اب اس کی سزا کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر انہوں نے اب بھی گمراہی اختیار کی تو عذاب کی سزا دی جائے گی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ حقانیت اسلام کی روشن دلیلیں آچکیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو اب بھی ایمان نہ

لائے شاید وہ اللہ اور فرشتوں ہی کے دیکھنے کا منتظر ہے مگر اس کا دیکھنا ان کے لئے بہتر نہیں پھر فیصلہ ہی ہو جائے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب کے قہر غلبہ اور حکمت کا ذکر ہوا۔ اب اس کی قدرے تفصیل ہو رہی ہے۔

تفسیر: **هل ينظرون** ہل سوال بمعنی نفی ہے۔ **ينظرون** نظر سے بنا جس کے معنی ہیں دیکھنا' غور کرنا' انتظار کرنا' یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی کفار اس قدر دلائل سن چکنے کے بعد بھی ایمان قبول نہیں کرتے۔ اب انہیں اور کسی چیز کا انتظار نہیں۔ **الا ان ياتيهم الله** ظاہر یہ ہے کہ یہاں امر یا عذاب پوشیدہ ہے کیونکہ اللہ جانے آنے سے پاک ہے یعنی مگر یہ کہ ان پر اللہ کا عذاب یا حکم ہلاکت آجائے۔ اور ممکن ہے کہ کوئی مضاف پوشیدہ نہ ہو اور باعتبار عقیدہ یہود یہ کلام فرمایا جارہا ہو کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم بغیر رب کو دیکھے آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب علیہ السلام یہ تو آپ پر ایمان لانے کے لئے بھی اسی بات کے منتظر ہوں گے کہ رب کو دیکھیں پھر آپ کو مانیں (کبیر)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے قیامت مراد ہو۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن رب تعالیٰ بادلوں میں سے عرش سے کرسی کی طرف تجلی فرمائے گا (در منثور)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یاتی لانے کے معنی میں ہو اور "فی" ظلل میں فی بمعنی ب ہو یعنی یہ اسی انتظار میں ہیں کہ اللہ ان پر کالے بادل اور ملائکہ بھیجے (کبیر)۔ **في ظلل من الغمام** ظلل ظلۃ کی جمع ہے جیسے قلہ کی جمع قلل۔ سایہ کو ظل اور سایہ کرنے والی چیز یعنی سائبان کو ظلہ کہتے ہیں۔ مگر قرآن کریم میں یہ عذاب ہی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے **عذاب يوم الظلة** یا جیسے **ظلل من النار** یا جیسے **موج كالظلل** غمام غم سے بنا بمعنی چھپنا اور ڈھانپنا۔ رنج کو اسی لئے غم کہا جاتا ہے کہ وہ دل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اصطلاح میں غمام اکثر سفید بادل کو اور کبھی ہر بادل کو کہہ دیتے ہیں (روح المعانی)۔ یعنی اللہ کا عذاب سائبان کی طرح چھائے ہوئے بادلوں میں آئے۔ من بیانیہ ہے۔ اور غمام ظلل کا بیان ہے اور ہو سکتا ہے کہ من ابتدائیہ ہو۔ **والملئكة** یہ لفظ اللہ پر معطوف ہے اور اس سے عذاب کے فرشتے مراد ہیں۔ یعنی یا تو ان پر عذاب ہی آجائے یا عذاب کے فرشتے۔ **وقضى الامر**۔ یہ یاتی پر معطوف ہے اور قضا بمعنی پورا کرنا ہے۔ امر سے مراد ان کی ہلاکت کا فرمان یا حساب و کتاب۔ یعنی ان سب کا کام تمام کر دیا جائے یا قیامت کا حساب کتاب ختم ہو جائے **والى الله ترجع الامور**۔ الی اللہ کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اور امور سے خلق کا حساب اور ان کے سارے اعمال مراد ہیں یعنی مخلوق کے اعمال ان کے سارے حساب و کتاب کا رجوع صرف اللہ ہی کی طرف ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ بندوں کو چاہئے کہ اس سے ڈریں اور اسی کی عبادت کریں کیونکہ اس کی پکڑ سے کوئی چھڑانے والا نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار حقانیت اسلام کے دلائل سن کر بلکہ قرآن اور صاحب قرآن کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ تو اب صرف اسی انتظار میں ہیں کہ عذاب کے بادل ان پر چھا جائیں۔ جنہیں یہ رحمت سمجھ کر خوش ہوں اور اس سے ان پر عذاب آئے اور عذاب کے فرشتے بھی ان پر اتریں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ اب بجز عذاب اور کوئی چیز انہیں ہدایت نہیں دے سکتی۔ مگر عذاب دیکھ کر ایمان لانا بیکار۔ تمام کاموں کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ یہ کس کے بھروسے پر اس کی مخالفت کر رہے اس کی پکڑ سے انہیں کون بچائے گا۔

دوسری تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار دنیا میں تو ایمان لانے کے نہیں۔ اب انہیں قیامت کا انتظار ہے۔ جبکہ

رب تعالیٰ بادلوں میں عرش سے کرسی پر تجلی فرمائے گا اور حساب کے فرشتے ان کے سامنے آئیں گے اور کفار کے عذاب اور مومنوں کے ثواب کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ تب یہ چیخیں گے اور چلائیں گے اور ایمان لائیں گے اور دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے مگر اس وقت کی ساری کوششیں بیکار ہوں گی۔ تمام معاملات کا تعلق پروردگار سے ہے۔ لوھری سے سارے احکام جاری ہوتے ہیں پھر یہ کس کے بھروسے پر اس سے بگاڑ رہے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بدبخت کے لئے دلائل بیکار ہیں اس کا انجام عذاب نار ہے۔ جیسے کہ اصلی اور عارضی نور مل کر چیز نظر آتی ہے کہ نہ اندھا کچھ دیکھ سکے نہ اندھیرے میں انکھیارا۔ آنکھ اور سورج یا چراغ کی دونوں روشنیاں ضروری ہیں ایسے ہی دل اور دلیل دونوں کی روشنی چاہئے۔ بے بصیرت اور بے رہبر کبھی مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ دوسرا فائدہ: بے وقوف بھی مان جاتا ہے مگر اس وقت جب ماننا کام نہیں آتا۔ ہر کافر عذاب یا موت دیکھ کر ایمان لائے گا۔ مگر بے فائدہ۔

آنچہ دانا کند کند ناداں! لیک بعد از خرابی بسیار!

تیسرا فائدہ: جن آیتوں کے ظاہری معنی نہ بن سکیں ان میں تاویل ضروری ہے۔ چونکہ رب کے لئے آنا اور جانا ناممکن لہٰذا یہاں تاویل کر کے عذاب کا آنا مراد لیا گیا۔ بلکہ بعض علماء نے اسے متشابہات میں قرار دیا (روح البیان)۔

پہلا اعتراض : یہاں بادل کی قید کیوں لگائی گئی کہ اللہ کا عذاب بادلوں میں آئے۔ جواب: اس لئے کہ بادل سے رحمت یعنی بارش آتی ہے۔ ادھر سے عذاب آنا بہت تکلیف اور مایوسی کا سبب ہے۔ جہاں خیر کی امید ہو وہاں سے بلا آنے میں بہت مصیبت ہوتی ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام معاملات کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے حالانکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی قیامت میں خلقت رجوع کرے گی۔ ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: وہ بھی رب ہی کی طرف رجوع ہے شاہی حاکم کے پاس جانا در حقیقت بادشاہ ہی کے پاس جانا ہے کہ وہ اسی لئے مقرر کیا ہوا ہے نیز ان کے پاس جانا اسی غرض سے ہے کہ وہ رب تک پہنچا دیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ جاء و ک کی تفسیر میں عرض کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ : جو راہ محبت کا مسافر ادھر سے بھٹک جائے اور رب کے قائم کئے ہوئے نشانات نہ دیکھے وہ اسی کا منتظر ہے کہ رب تعالیٰ صفات قہریہ کے پردے سے تجلی فرمائے اور آسمانی بلاؤں کے فرشتے اس پر نازل ہوں اور جو ناکامی اور محرومی اس کے مقدر میں تھی اس کا فیصلہ ہو کر ظہور میں آ جائے۔ چاہئے کہ پھسلنے کے بعد بھی رب کے قائم کئے ہوئے نشانات کے ذریعے راستہ کا پتہ لگا لے۔ محبوبان خدا نشان ہدایت ہیں۔ اور اس سے غافل کرنے والی چیزیں پھسلن و الجھن لہٰذا چاہئے کہ اس راستہ میں کاملین کے قدم بہ قدم چلے (از روح البیان و ابن عربی)۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : جو چیزیں ظاہری حواس سے معلوم نہ ہو سکیں انہیں دلیل دکھاتی ہے اور دل دیکھتا ہے مگر دلیل سے دل جب ہی دیکھ سکتا ہے جبکہ دل میں خود روشنی یعنی بصیرت ہو بغیر بصیرت دلیل بیکار ہے جیسے سورج دکھاتا ہے اور آنکھ دیکھتی ہے مگر کب جبکہ خود آنکھ میں بھی روشنی اور بصارت ہو دیکھو معجزات نبوت کی دلیل ہوتے ہیں مگر وہ صحابہ کے کام آئے

ابو جہل ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا پھر جیسے آنکھ کی بعض بیماریاں آنکھ کی روشنی ضائع کردیتی ہیں ایسے ہی حسد و بغض، کینہ و عناد وغیرہ دل کو اندھا کردیتی ہیں اور جیسے بعض سرے دوائیں آنکھ کی بینائی بڑھا دیتی ہیں۔ ایسے ہی خاک در اولیاء دل کی بصیرت زیادہ کردیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء　تابہ بینی ز ابتداء تا انتہاء

نیز رب کے اس کے رسول کے قرآن ہدایت کے نشان ضرور ہیں۔ مگر فیضان کے بغیر یہ سب غیر مفید۔ جیسے پاور کے بغیر بجلی کی فٹنگ بیکار ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ یہ غیبی فیضان اس دل پر آتا ہے جہاں نرمی و عاجزی فروتنی ہوتی ہے۔ مٹی نرم ہو کر برتن بن سکتی ہے لوہا نرم ہو کر مشین کا پرزہ بنتا ہے' زمین نرم ہو کر کاشت کے قابل ہوتی ہے' انسان کا دل نرم ہو جائے تو وہ ولی غوث قطب بن سکتا ہے۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ جن بدبختوں کو تمہاری نصیحت کام نہ دے کہ وہاں فیضان نہ ہو تو اس پر عذاب ہی آئے گا۔

سَلْ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
پوچھو بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئی　اور جو بدلے نعمت اللہ
بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دیں　اور جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی
اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۞
کی پیچھے اس کے کہ آئیں اُن کے پاس۔ پس تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے۔
نعمت کو بدل دے تو بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب کی قائم کردہ دلیلوں پر غور نہ کرنا اور اس کی نعمتوں کی بےقدری کرنا بدبختی کی دلیل اور سزا کا باعث ہے۔ اب ایک واقعہ سنا کر اس کی شہادت دی جارہی ہے کہ پہلے بنی اسرائیل نے بھی یہی حرکتیں کیں۔ دیکھو ان کا کیا حال ہوا۔ اس سے عبرت پکڑو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ عزیز و حکیم ہے یعنی اس کا فیصلہ نہ تو رشوت یا زبردست سفارش سے ٹل سکتا ہے کیونکہ وہ عزیز ہے اور نہ کوئی قابل وکیل اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرسکتا ہے کیونکہ وہ حکیم ہے لہٰذا اس کی پکڑ سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اب اس کے ثبوت میں گذشتہ بنی اسرائیل کا واقعہ پیش کیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مشرکین و کفار کی رعایت کرنے والے مسلمین کو ہدایت کی گئی تھی۔ اب اہل کتاب کا ایک واقعہ سنا کر انہیں ڈرایا جارہا ہے کہ اپنی موجودہ نعمت پر دھوکہ نہ کھاؤ۔ ہمیں دے کر چھیننا بھی آتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ پہلے قانون کی اشاعت کرتے ہیں پھر خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا اعلان' پھر اس سزا کی مثال کہ فلاں قوم نے خلاف قانون حرکت کی تو انہیں یہ سزا ملی۔ رب تعالیٰ نے پہلے قانون بیان فرمایا کہ مسلمان پختہ مسلمان بنیں پھر خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا بیان کیا اب اسی سزا کی مثال دی جارہی

ہے کہ بنی اسرائیل نے اسلام میں کفر ملا تو انہیں یہ سزا ملی۔

تفسیر : سل بنی اسرائیل ' سل ' اسئل ' سے بنا۔ درمیانی ہمزہ کا زبر سین کو دے کر پہلا ہمزہ گرا دیا گیا تخفیف کے لئے۔ یا تو حضور علیہ السلام کو خطاب ہے یا ہر قرآن شریف پڑھنے والے کو اور اس سوال سے پوچھنا منظور نہیں بلکہ ان سے اقرار کرانا مقصود ہے۔ جیسے کوئی آقا نافرمان غلام کے سامنے کسی سے کہے کہ تم اس کمبخت سے پوچھو کہ میں نے اس پر کتنے احسانات کئے اور اگر ہر مسلمان سے خطاب ہے تو مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانوں ان بنی اسرائیل کی تواریخ کا مطالعہ کرو۔ ان کے علماء سے دریافت کرو کہ ان پر ہم نے کیا احسان کئے اور انہوں نے کیسی ناشکریاں کیں تاکہ تمہیں عبرت ہو۔ دوسروں کی حالت سے تم عبرت لو تاکہ دوسرے تمہاری حالت سے عبرت نہ لیں۔ بنی اسرائیل سے یا تو عام موجودہ بنی اسرائیل مراد ہیں یا ان کے تاریخ داں علماء یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانو! ذرا ان بنی اسرائیل سے یہ تو پوچھو۔ ان لوگوں کا مذہبی و دینی نام تو ہے یہود اور انصاری کیونکہ انہوں نے کہا تھا انا ھدنا الیک اور عیسائیوں نے کہا تھا نحن انصار اللہ اور قومی نام ہے۔ بنی اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد لفظ یہود میں سارے موسوی داخل ہیں خواہ کسی قوم سے ہوں اور لفظ نصاریٰ میں سارے عیسائی داخل خواہ کسی جماعت کے ہوں مگر لفظ بنی اسرائیل میں صرف اولاد یعقوب داخل ہوگی۔ چونکہ اولاد نبی ہونا رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں اس خطاب سے پکارتا ہے۔ یہ لوگ ایک زمانہ میں سارے جہاں سے افضل رہے ہیں۔ صرف اولاد انبیاء ہونے کی وجہ سے رب فرماتا ہے۔ انی فضلتکم علی العلمین ' کم اتینھم من ایتہ بینتہ کم اصل میں کما تھا الف گرا کر میم کو ساکن کر دیا گیا۔ کاف تشبیہ اور ما استفہامیہ ہے۔ اس سے عدد کا سوال یا اس کی خبر دی جاتی ہے بمعنی کتنا اور اتنا ظاہر یہ ہے کہ یہ استفہامیہ ہے (کبیر)۔ آیت سے مراد یا تو گذشتہ پیغمبروں کے معجزات ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا ' ید بیضا ' فرعونیوں پر مینڈک ' خون ' جوں وغیرہ کا عذاب یا رب تعالیٰ کے انعامات جیسے فرعون کا غرق کرنا۔ دریا کا چیرنا میدان تیہ میں ان پر بادل سے سایہ کرنا۔ من سلویٰ اتارنا ' پہاڑ اکھیڑنا ' موسیٰ علیہ السلام سے رب کا کلام فرمانا توریت دینا ' ان کے لئے پتھر سے پانی جاری کرنا وغیرہ یہ تمام چیزیں اگرچہ ان کے باپ دادوں کو ملیں مگر چونکہ یہ ان کی اولاد تھے تو گویا ان کو بھی ملیں یا آیت سے توریت شریف یا توریت کی آیتیں یا قرآن پاک یا رب تعالیٰ کے دلائل قدرت مراد ہیں چونکہ یہ تمام چیزیں گمراہی سے نجات دینے والی ہیں اس لئے انہیں نعمت بھی فرمایا گیا یعنی ہم نے انہیں کتنی بہت سی کھلی نشانیاں یا کھلی ہوئی نعمتیں عطا فرمائیں مگر ان بد نصیبوں نے صرف لاپرواہی نہ کی بلکہ انہیں بدل بھی ڈالا۔ مگر یاد رکھیں کہ و من یبدل نعمتہ اللہ تبدیل سے بنا بمعنی بدل دینا۔ کسی چیز کی حالت بدل دینے کو تغیر کہتے ہیں اور اصل بدل دینے کو تبدیل۔ نعمت اللہ سے مراد یا توریت کی آیتیں ہیں کہ انہوں نے ان میں تحریف کی یا پچھلی نعمتیں جو ان کی ناشکری کی وجہ سے بدل دی گئیں۔ من و سلویٰ کے عوض ساگ پات دیا گیا۔ مصر کی بادشاہت کے عوض دوسروں کا غلام بنایا گیا۔ نبوت کی ناقدری کی وجہ سے ولایت بھی ہاتھ سے گئی وغیرہ یا نعمت سے تندرستی ' فراغت ' عیش و آرام مراد ہیں۔ جس کی ناشکری میں یہ دن رات مشغول یعنی جو کوئی اللہ کی دی ہوئی نشانیاں یا رحمتیں یا آیتیں یا کتابیں یا دلائل بدلے یا گناہ کر کے انہیں بدلوائے من بعد ما جاء تہ بے خبری میں نہیں بلکہ ان کے پہنچ جانے انہیں پہچان لینے کے بعد جان بوجھ کر تو فان اللہ شدید العقاب۔ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ جس سے چھٹکارا ناممکن۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! تم موجودہ بنی اسرائیل سے تو پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی نشانیاں دی تھیں اور ان پر کتنی رحمتیں کی تھیں۔ ہزاروں پیغمبر ان میں بھیجے۔ توریت' زبور' انہیں پر اتاریں۔ آسمانی صحیفے انہیں کو دیئے۔ اولیاء ان میں پیدا کئے۔ نیز فرعون کی مصیبت سے انہیں کو نجات دی۔ دولت' عزت' شوکت' حشمت' سلطنت انہیں عطا ہوئی۔ من و سلویٰ انہی پر اترا۔ مقام تیہ میں صدہا طریقہ سے ان کی دستگیری کی۔ انہیں کی خاطر فرعون اور فرعونیوں کو غرق کیا۔ مگر انہوں نے ہمیشہ رب کی نعمتیں بدلیں یا گناہ کر کے بدلوائیں موسیٰ علیہ السلام سے بت پرستی کی اجازت مانگی۔ توریت ماننے سے انکار کیا۔ انہیں قسم قسم کی تہمتیں لگائیں اور پیغمبروں کو قتل کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی کوشش کی۔ کتابوں کو بدل ڈالا۔ من و سلویٰ خود کہہ کر بند کرایا غرضیکہ ہمیشہ اوندھے ہی چلے۔ جس قدر ان کی ناز برداری کی گئی۔ اسی قدر انہوں نے نئے نئے انداز سے نافرمانی ہی کی۔ اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے سزا بھی سخت دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ اب ان کا کیا حال ہے مگر ان کی آنکھ اب بھی نہیں کھلتی۔ مسلمانو ان سے عبرت پکڑو اور ان کی صفات سے بچو۔ خیال رہے کہ تبدیلی نعمت تین طرح ہوتی ہے۔ (1) نعمت قبول نہ کرنے سے۔ (2) اس کو ظاہرا یا خفیہ بدل دینے سے۔ (3) اس کا شکر ادا نہ کرنے سے۔ بنی اسرائیل نے یہ تینوں ہی حرکتیں کیں۔ لہٰذا انجام یہ ہوا کہ بجائے عزت و عظمت کے **ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ** ان پر ہمیشہ کی ذلت اور خواری ڈال دی گئی کہ انہیں کہیں ٹھکانا ہی نہیں ملتا اور قیامت تک کے لئے ان پر سختی کرنے والے بادشاہ مقرر ہوتے رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** پوچھنا ہمیشہ جاننے کے لئے نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ بے علمی کی دلیل۔ رب تعالیٰ بھی قیامت میں کفار سے ان کے گذشتہ اعمال کا سوال فرمائے گا۔ فضلاء دیوبند اس آیت سے نصیحت حاصل کریں کہ وہ پوچھنے کو بے علمی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** نعمت کی ناشکری اس کے چھن جانے کا ذریعہ ہے۔ ہر نعمت کی قدر کرنی چاہئے مگر ہر نعمت کی قدر جدا گانہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** انبیائے کرام کی صفات گھٹانا اور ان کی شان میں بکواس بکنا نعمت الٰہی کی تبدیلی ہے اور بیہودہ حرکت نہ معلوم وہابیوں' دیوبندیوں کو یہ میراث کہاں سے ملی۔ یہ جرم قابل معافی نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** تبدیلی نعمت بے علمی سے جرم ہے اور جان بوجھ کر سخت جرم۔ اسی لئے گنہگار بے علم عالم جاہل سے بدتر ہے اور اس کا عذاب بھی سخت۔ **پانچواں فائدہ:** نصیحت کے لئے گذشتہ قصے سننا سنانا سیکھنا بہت ضروری ہیں' تاکہ لوگوں کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے پر دروازہ ملکوت کھول دیتا ہے اور اسے ملک اور ملکوت کی بعض نشانیاں دکھاتا ہے۔ اگر وہ اس حال میں صحیح رہے تو آگے ترقی کرتا ہے مگر کبھی بعض بندے اس حالت پر فخر اور غرور کرنے لگتے ہیں۔ اور اظہار کرامات اور خرق عادات نفسانی شہوات کے لئے کرتے ہیں۔ یعنی اپنے اس کمال کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی یہ نعمت چھن جاتی ہے اور ان کا حال بدل جاتا ہے۔ ان کا کمال جاتا رہتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح فرمایا کہ رب تعالیٰ کسی قوم کا حال اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنا حال خود نہ بدل لیں۔ اسی طرح جو کوئی گناہ صغیرہ کر کے توبہ نہ کرے تو پھر آئندہ گناہ کبیرہ کی جرات اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کی بھی پروا نہ کرے تو دنیوی و

اخروی نعمتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جو عالم یا شیخ طریقت اپنے علم اور تقویٰ کو دنیا سازی کا ذریعہ بنا لے وہ بھی علم کے فوائد سے محروم رہتا ہے اور یہ علم اس کے لئے وبال جان بن جاتا ہے اور وہ **واضله الله علی علمه** کے ماتحت آتا ہے۔ یہ تمام صورتیں تبدیلی نعمت کی ہیں یہ نہ سمجھو کہ یہ آیت صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے ہے۔ ہمیشہ رب کی پناہ مانگو اور اپنے علم و عمل پر بھروسہ نہ کرو (از روح البیان)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں پر اگر فخر کیا جائے تو زحمتیں ہیں اور اگر شکر کیا جاوے تو رحمتیں بنی اسرائیل کے لئے وہ نعمتیں عذاب کا باعث اس لئے بن گئیں کہ انہوں نے ان پر فخر کیا۔ شکر نہ کیا تبدیلی نعمت کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ایسی حرکتیں کرے جس سے رب تعالیٰ نعمتیں چھین لے یا تو اس طرح کی نعمتیں پا کر رب سے غافل ہو جائے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

یا اس طرح کہ رب کی نعمتوں کو اپنے کمال سے سمجھے نہ کہ عطاء ذوالجلال سے قارون اس لئے ہلاک ہوا کہ اس نے اپنے خزانوں کے متعلق کہا تھا **انما اوتیته علی علم** مجھے یہ خزانے میرے علم کی فراوانی کی وجہ سے ملے اگر ان پر خدا کا شکر کرتا نفع میں رہتا بنی اسرائیل کو رب تعالیٰ نے تمام عالم پر بزرگی دی تھی وہ سمجھے کہ اس میں ہمارا کمال ہے اس لئے وہ بزرگی ذلت سے بدل گئی۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
زینت دی گئی واسطے ان کے جنہوں نے کفر کیا زندگی دنیاوی اور دل لگی کرتے ہیں ان سے جو ایمان لائے اور جو
کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی اور مسلمانوں سے ہنستے ہیں اور ڈر والے ان سے اوپر ہوں گے
اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾
پرہیزگار ہوئے اوپر ان کے ہیں دن قیامت کے۔ اور اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔
قیامت کے دن اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں یہود کا حال بیان ہوا کہ انہوں نے رب کی نعمتیں بدلیں۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ان تمام بدکاریوں کی وجہ محبت دنیا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ دلائل نہ ماننے والے عذاب یا قیامت کے انتظار میں ہیں۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ان کی غفلت اس حد تک پہنچ گئی کہ اپنی دنیوی نعمتوں کو دلیل حقانیت سمجھنے لگے اور مسلمانوں کی بے سروسامانی کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل بنانے لگے۔ ایسے عاقلوں کی ہدایت کی کیا امید۔

شان نزول : حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابوجہل اور دیگر سرداران قریش حضرت بلال و عمار و خباب وغیرہ

فقرائے مسلمین کا مذاق اڑاتے تھے کہ اگر رب ان سے راضی اور ہم سے ناراض ہے تو انہیں فقیر اور ہمیں امیر کیوں کیا۔ اس پر یہ آیت اتری (کبیر و روح المعانی) مگر یہ قول کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ سورہ بقر پوری مدنیہ ہے اور اس صورت میں یہ آیت مکیہ ہوگی لہٰذا اگلی دو روایتیں ہی قوی ہیں اور یہ آیت مدنیہ ہی ہے نیز اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہو رہا تھا اب بھی انہی کا چاہئے ورنہ آیت کچھ بے ربط سی ہو جائے گی۔ واللہ و رسولہ اعلم۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ جن میں بعض بڑے مالدار تھے مگر وہاں پہنچ کر ایک دم غریب ہو گئے کیونکہ سارا مال مکہ ہی میں چھوڑ گئے تھے تو روسائے یہود نے انہیں بے عقل کہہ کر ان کا مذاق اڑایا کہ یہ کون سی عقلمندی ہے کہ امیری پہ لات مار کے دین کی خاطر غریبی لے لی جائے۔ تب یہ آیت اتری۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو اپنے کو عقلمند اور غریب مسلمانوں کو بے وقوف بتا کر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس کا نزول ان سارے ہی موقعوں پر ہو (کبیر)۔

تفسیر : **زین للذین کفروا الحیوۃ الدنیا**۔ زین کا مصدر تزیین اور مادہ زان یا زین ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کا حسن ظاہر کرنا۔ قول سے ہو یا فعل سے یعنی زینت دینا۔ ظاہر یہ ہے کہ زینت دینے والا رب تعالیٰ ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا **انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم**۔ یعنی ہم نے زمین کی چیزوں کو خوشنما بنایا تاکہ لوگوں کا امتحان لیں۔ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے بعض نے کہا کہ زینت دینے والے شیطان یا کفار یا نفس ہیں۔ جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے **زین لھم الشیطن ما کانوا یعملون** اور دوسری جگہ ہے **زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم**۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا کو خوشنما دکھانا شیطان یا بتوں کا کام ہے۔ کیونکہ یہ عیب ہے اور رب تعالیٰ عیب سے پاک۔ اس کا جواب تو انشاء اللہ ہم اعتراض و جواب میں دیں گے۔ یہاں اتنا سمجھو کہ فرمایا گیا ہے کہ "**للذین کفروا**" جس میں سارے ہی کفار داخل ہیں شیاطین بھی اور سردار بھی اور دیگر کفار بھی تو چاہئے کہ زینت دینے والا کوئی اور ہو نہ کہ خود کفار۔ ورنہ دور لازم آئے گا۔ دنیا یا تو دنو سے بنا یا دناءۃ سے۔ یعنی قریب الفنا یا حقیر چیز دنیا دو قبروں کے درمیان کی چیز کا نام ہے۔ یعنی ماں کے پیٹ اور قبر۔ بچہ پیدا ہوا اور دنیا میں آگیا' مر گیا دنیا سے چلا گیا۔ یہ زندگی برزخ کے مقابل بہت حقیر ہے اور برزخ آخرت کے مقابل معمولی ہے۔ حیوۃ دنیا سے دنیوی زندگی اور اس کے سارے ساز و سامان مراد ہیں اور زینت دینے سے ان چیزوں کا خوشنما بنانا مراد ہے۔ جس سے کفار کے دل ادھر مائل ہو جائیں۔ یعنی کافروں کے لئے دنیوی زندگی اور یہاں کی ٹیپ ٹاپ بڑی خوشنما بنائی گئی کہ ان کو آراستہ و پیراستہ معلوم ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ یہ زندگی تین قسم کی ہے۔ دنیا میں زندگی' دنیاوی زندگی' دنیا کی زندگی' دنیا میں زندگی ہر مومن کو حاصل ہے کہ یہ دنیا میں رہتا ہے دنیا اس میں نہیں رہتی اور دنیا کی زندگی غافل کی ہے کہ دنیا اس کے دل میں اتر جاوے اور دنیاوی زندگی کفار کی ہے کہ دنیا اس کی زندگی بن جائے۔ جیسے سمندر میں موتی بھی ہے' مچھلی بھی اور پانی کی موج و بلبلے بھی مگر موتی سمندر میں ہے وہاں عارضی ہے وہاں سے نکل کر شاہی تاج میں پہنچتا ہے۔ مچھلی میں دریا سرایت کر گیا کہ پانی سے نکلتے ہی مر جاتی ہے۔ بلبلہ کی زندگی عین پانی ہے مومن دنیا میں موتی کی طرح رہتا ہے۔ غافل مچھلی کی طرح کافر بلبلے کی طرح یہاں تیسری زندگی کا ذکر ہے اسی وجہ سے **و یسخرون من الذین امنوا** یسخرون۔ سخر سے بنا۔ جس

کے معنی ہیں کسی کو اپنے ماتحت کر لینا یا کسی پر ہنسنا اور اس کا مذاق اڑانا۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ مومنین سے یا تو فقراء مراد ہیں یا سارے مسلمان یعنی یہ کفار اپنی دنیا پر پھول کر غریب مسلمانوں سے مذاق اور دل لگی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے دنیوی لذات چھوڑیں۔ یہاں کی راحت و کرامات پر لات ماری اور اپنے کو عبادات کی مصیبت میں پھنسالیا۔ خیال رہے کہ کبھی سخریہ کے بعد ب آتی ہے اور کبھی من مگر من سے سخت مذاق اور دل لگی مراد ہوتی ہے۔ **والذین اتقوا فوقھم یوم القیمتہ** جملہ یا تو حال ہے اور واؤ حالیہ یا علیحدہ جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ تقوی سے یا تو برے عقیدوں سے بچنا مراد ہے یعنی ایمان اور یا بدکاریوں سے بچنا مراد یعنی پرہیز گاری۔ فوق سے یا تو جگہ کی بلندی مراد ہے یا درجہ کی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ مذاق مراد ہو یعنی قیامت کے دن مسلمان یا پرہیز گار اونچی جگہ یعنی جنت میں ہوں گے اور کفار نیچے یعنی جہنم میں یا دنیا میں ان کو جتنا مسلمانوں پر رتبہ ہے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کو ان پر بلندی ہوگی یا آج کفار مسلمانوں سے معمولی سا جھوٹا اور چند روزہ مذاق کرتے ہیں۔ آئندہ مسلمان کفار کا سچا' دائمی اور سخت مذاق اڑائیں کہ انہیں جوتے کھاتے ہوئے دیکھ کر ان پر ہنسا کریں گے۔ رہی دنیوی مالداری اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کا مدار قسمت پر ہے نہ کہ کمال اور مقبولیت پر کیونکہ **واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب**۔ یہاں رزق سے دنیوی رزق مراد ہے یا آخرت کا۔ اگر دنیوی مراد ہو تو یرزق یا معنی مستقبل ہے یا معنی حال۔ حساب سے یا اندازہ مراد ہے یا حساب کتاب یا گمان اور خیال یعنی اللہ جس کو چاہے گا ایسے رزق دے گا کہ اس کے خیال و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ انہیں غریب مسلمانوں کو عرب و عجم کا مالک بنادے گا اور ایسے ہی ہوا۔ یا آخرت میں انہیں بغیر حساب کتاب رزق دے گا کہ دنیوی رزق کا حساب بھی ہے۔ جنتی نعمتوں کا کوئی حساب نہیں۔ یا مسلمانوں کو اتنا دے گا کہ ان سے حساب نہ لگ سکے کیونکہ عرب میں ہزار تک گنتی ہے اور انہیں کروڑوں روپے ملیں گے۔ یا جسے چاہے اللہ بے حساب دے۔ حساب لگا کر وہ دیتا ہے جسے اپنا خزانہ گھٹنے کا اندیشہ ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کی بعض نعمتیں اعمال کے عوض ہوں گی اور بعض محض رب کے فضل سے عوض والی نعمتیں حساب سے اور فضل والی بے حساب یا بعض کو اعمال سے جنت ملے گی اور بعض کو فضل ذوالجلال سے۔

خلاصہ تفسیر : کافروں کی نگاہ میں دنیا بڑی آراستہ کردی گئی کہ وہ انہیں بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے اور ان کے دل اس پر فریفتہ ہیں۔ اس لئے وہ دنیا کی خاطر دین کی پرواہ نہیں کرتے اور اسی گھمنڈ میں ان مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں جنہوں نے دین کی خاطر دنیا چھوڑی اور انہیں بیوقوف بناتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن مسلمان ان سے کہیں اعلیٰ و افضل ہوں گے۔ اور اس مذاق کا بدلہ وہاں اچھی طرح لیں گے۔ دنیوی رزق پر پھول کر رب کو نہ بھولنا چاہئے۔ کیونکہ یہ چلتی پھرتی چاندنی ہے اور اس کا تعلق تقدیر سے ہے نہ کہ اپنے کمال اور مقبولیت سے۔ جسے رب چاہتا ہے بے شمار مال دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب بنا دیتا ہے۔ پھر ایک ہی آدمی کبھی دولت مند ہوتا ہے اور کبھی فقیر۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بےوقوف مالدار اور چالاک فقیر اس کو مقبولیت کی نشانی بتانا حماقت ہے۔ قارون مالدار تھا اور ایوب علیہ السلام کچھ دن تکلیف میں رہے۔ غرضیکہ مومن کی دنیا اور ہے کافر کی دنیا کچھ اور۔ مومن کی دنیا آخرت کا تخم ہے جس کا پھل اسی جہان ملے گا۔ کافر کی دنیا اس کی تمام کوششوں کا نتیجہ ہے مومن کا دنیا سے محبت کرنا عبادت ہے۔ کافر کا اپنی دنیا سے محبت کرنا غفلت۔

لوتوانگر دوست در جہاں بسیار بے ہنر ارجمند عاقل خوار

غفلت کے چار درجہ ہیں جن میں سے پہلے دو قابل علاج ہیں اور تیسرا لاعلاج۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ کر کے نادم ہو جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ بھی کرے اور نادم بھی نہ ہو۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ گناہ کرے اور اس پر خوش ہو کہ میں نے بہت اچھا کیا۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ گناہ پر خوش ہو' اپنے کو بہادر سمجھے' اور گناہ سے بچنے والوں کو حقیر و ذلیل جانے' ان کی نیکیوں کا مذاق اڑائے' یہ درجہ لاعلاج ہے۔ اس آیت میں کفار کے اس آخری درجہ کا ہی ذکر ہے اسی غفلت کو رب تعالیٰ نے یہاں کفر قرار دیا اور غافل کو کافر کیونکہ یہ درجہ کہ گناہ کو اچھا جاننا نیکی کو برا اور نیک کاروں کا مذاق اڑانا یقیناً کفر ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: محبت دنیا اور اس کے مقابلہ میں دین سے بے رغبتی کفار کی نشانی ہے۔ دوسرا فائدہ: غریب کا غریبی کی وجہ سے مذاق اڑانا حرام ہے اور ایمان کا مذاق اڑانا کفر۔ کیونکہ اس میں ایمان کی توہین ہے۔ تیسرا فائدہ: کفار کا مذاق اڑانا ایسے ہی مذاق کے عوض مذاق کرنا جائز ہے۔ فوقہم کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ مسلمان قیامت میں ان سے بڑھ چڑھ کر مذاق کریں گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔ **و یسخرون من الذین کفروا**۔ چوتھا فائدہ: جنت اوپر اور جہنم نیچے ہے۔ اس طرح کہ وہاں سے جہنم نظر آئے گی جیسا کہ فوقہم کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **علی الارائک ینظرون**۔ پانچواں فائدہ: دنیا بڑھانے اور جمع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ کچھ آخرت کے لئے بیج بوئے کہ یہ وقت کھیتی کا ہے۔ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ زیادتی دنیا کبھی ہلاکت کا باعث ہے۔

حکایت : عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک یہودی سفر کر رہا تھا۔ آپ کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ آپ نے وہ یہودی کو سپرد کیں اور خود کسی کام کیلئے تشریف لے گئے واپس لوٹ کر روٹیاں مانگیں اس نے دو حاضر کیں۔ کیونکہ ایک چھپا کر کھا چکا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ تیسری روٹی کہاں گئی۔ اس نے کہا مجھے آپ نے دو ہی دی تھیں۔ ہر چند کوشش کی مگر اس نے اقرار نہ کیا اور بے شمار جھوٹی قسمیں کھا گیا۔ کچھ دور چلے تھے کہ سونے کی تین اینٹیں پڑی ملیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک اینٹ تیری ایک میری اور ایک روٹی کھانے والے کی۔ تب وہ بولا کہ حضرت روٹی میں نے ہی کھائی تھی آپ وہ تینوں اینٹیں اس کے حوالے کر کے چل دیئے۔ وہ ان کی حفاظت کے واسطے وہیں بیٹھ گیا۔ تین چوروں نے اسے آگھیرا اور ہلاک کر دیا۔ ان میں سے دو اس کی نگرانی کے لئے بیٹھے اور ایک چور کو بازار کھانا خریدنے بھیجا۔ اس کے پیچھے ان دونوں نے مشورہ کیا کہ جب تیسرا آدمی بازار سے لوٹے تو اسے قتل کر دو تاکہ زیادہ سونا ہمارے ہاتھ آئے۔ اس تیسرے نے خود تو کھالیا اور ان دو کے لئے کھانے میں زہر ملا دیا تاکہ سارا سونا اس کے ہاتھ آئے۔ جب لوٹا تو ان دو نے تو اس تیسرے کو مار دیا اور پھر زہریلا کھانا کھا کر خود بھی لیٹ رہے۔ دوسرے دن عیسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ سونا ویسے ہی پڑا ہے اور اس کے پاس چار آدمی ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں (روح البیان) یہ دنیوی ہوس کا انجام ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب نے دنیا کفار کی آنکھ میں خوبصورت بنائی۔ حالانکہ یہ دھوکا ہے۔ اگر دنیا واقعی اچھی تھی تو اس میں پھنسنے والے گنہگار نہ ہونے چاہئیں۔ اور اگر بری تھی تو اسے دلفریب بنانا سخت معیوب۔ جواب:

بری چیز کو اچھا کہنا جھوٹ بھی ہے اور عیب بھی لیکن اس کی برائی بتا کر اور خوش نما بنا کر سامنے رکھ دینا جھوٹ نہیں بلکہ بہترین امتحان ہے۔ رب نے یہی کیا ہے نیز دنیوی چیزیں غلط استعمال سے بری ہو جاتی ہیں۔ اگر ان کے ذریعے دین کمایا جائے تو بہتر ہے۔ گھر والے نے لذیذ کھانا مہمان کے آگے رکھا اور بتایا کہ عمدہ کھانا تم کھالو۔ ہڈیاں کتے کو ڈال دو۔ پھلوں کے چھلکے پھینک دو۔ اگر بے وقوف مہمان ہڈی چھلکا سب کھا جائے اور ضرورت سے زیادہ کھا کر بیمار ہو جائے تو اس میں خود اس کا قصور ہے نہ کہ مکان والے کا۔ یہی حال کفار کا ہے۔ نیز ممکن ہے کہ یہاں خوشنما بنانے سے مہلت دینا مراد ہو جیسا کہ تفسیر کبیر نے فرمایا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ پرہیزگار کفار سے افضل و اعلیٰ ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار بھی جنت میں ہوں گے۔ مگر مسلمان ان سے اعلیٰ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں' مال میں فلاں سے اونچا ہے یعنی مالدار دونوں مگر ایک زیادہ۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو اس سے اونچی جگہ مراد ہے یعنی جنت یا مذاق میں اعلیٰ یا عزت میں اعلیٰ یعنی جتنی بڑائی دنیا میں کفار کو مسلمانوں پر حاصل ہے اس سے زیادہ مسلمانوں کو ان پر حاصل ہو گی۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پرہیزگار تو قیامت میں کفار سے افضل ہیں مگر گنہگار مسلمان ان سے افضل نہیں بلکہ ان کی طرح ہمیشہ عذاب میں مبتلا۔ جواب: تفسیر سے معلوم ہوا کہ یا تو متقی سے مراد مومنین ہیں یعنی شرک و کفر سے بچنے والے یا پرہیزگار مراد تو گنہگار بھی کچھ دن جہنم میں رہ کر یا معافی پا کر متقیوں کے زمرہ میں ہی شامل کر دیئے جائیں گے۔ گویا وہ بھی حکمی متقی ہوں گے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا بغیر استحقاق ہی رزق دیتا ہے تو پھر نیکی کرنا بیکار ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی مرضی پر چلا کریں کیونکہ رزق تو انہیں یقیناً ملے گا (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: لولا تو حساب کے معنی استحقاق ہے ہی نہیں۔ اس کے وہ معانی ہیں جو ہم تفسیر میں عرض کر چکے اور اگر مان بھی لیا جائے تو بھی صحیح ہے۔ اعمال تو رضاء الٰہی کے لئے ہیں نہ کہ دنیوی رزق حاصل کرنے کے لئے۔ پنڈت جی اگر رزق اعمال سے ملتا تو پاپی مہاپاپی ہمیشہ بھوکے مرتے۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ قصائی جیسے ہتھیارے مالدار بنے بیٹھے ہیں اور جگہ جگہ پنڈت اور برہمن یا تو امیروں کی رسوئی میں روٹی پکا رہے ہیں یا ان کی غلامی کر رہے ہیں۔ کیوں پنڈت جی یہ کیا معاملہ ہے؟ ذرا ہوش کی بیؤ۔ خدا پر واقعی اپنا ذاتی حق کسی کا نہیں۔ اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے کہ کفار کا رزق ان کی نیکیوں کا بدلہ ہے مگر مسلمانوں کا رزق ایسا نہیں ان کا بدلہ آخرت میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حیوۃ دنیا وہ ہے جو غفلت میں گزرے یہی کفار کو پیاری ہے اور اگر یہ زندگی آخرت کی تیاری میں گزرے تو وہ حیات آخرت ہے۔ مومن اس زندگی کو پسند کرتا ہے کافر کی وہ پسند مردود ہے مومن کی یہ پسند محبوب۔ خیال رہے کہ دنیا کی مالداری کو رضاء الٰہی کی علامت سمجھنا پوری حماقت ہے۔ بارات کے تین حال ہوتے ہیں راستہ میں جانے کی حالت اس وقت جو دولہا پر نچھاور ہوتی ہے وہ اپنے پرائے سب ہی لوٹتے ہیں۔ دولہن کے گھر پہنچ کر چھانٹ ہو جاتی ہے کہ بلائے ہوئے لوگ تو کھانا کھاتے ہیں مگر اجنبی لوگ وہاں دستر خوان پر پھٹکنے بھی نہیں پاتے۔ پھر کھانے کے بعد جوڑے گھوڑے دولہا کے خاص خدام' نائی' دھوبی وغیرہ یا خاص عزیزوں کو ملتے ہیں۔ دنیا ایک بارات ہے جہاں کی بکھیر دوست دشمن سب ہی لوٹ رہے ہیں۔ یہاں کی دولت محبوبیت الٰہی کی دلیل نہیں کہ بکھیر میں جو زیادہ لوٹ لے وہ دولہا کا محبوب نہیں ہو جاتا آخرت میں بخشش کے جوڑے جنت کی نعمتیں انہی کو ملیں گی جو مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام یا خاص پیارے

ہیں۔ اسی لئے فرمایا والذین اتقوا فوقھم یوم القیمۃ' یہ بھی خیال رہے بدکاریوں کی مختلف سزائیں ہیں جن میں سے سخت تر سزا وہ ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی یعنی دل کا دنیا کی طرف مائل ہو جانا اور اللہ والوں کو ذلیل جاننا۔ جب تک گیدڑ کے دل میں انسان کی ہیبت رہتی ہے زندہ رہتا ہے۔ جب یہ ہیبت اٹھی اور یہ سمجھ کر آبادی میں آیا کہ انسان میرا کیا کر سکتا ہے۔ تب ہی مارا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو بستی کو بھاگتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ رازِ کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں دہد

اولیاء اللہ کی ہیبت ایمان کی نشانی ہے۔ ان پر جرأت بے ایمانی کی علامت گنہگار مسلمان اگر جہنم میں بھی کچھ روز کے لئے گئے تو بھی کفار سے اوپر ہی رہیں گے یعنی جہنم کے اونچے طبقوں میں یہ لوگ ہوں گے جہاں عذاب ہلکا اور نیچے طبقوں میں کفار جہاں عذاب زیادہ دنیا دار کا رزق مصیبت سے خالی نہیں کہ حرام رزق کا عذاب ہے اور حلال کا حساب مگر اللہ والوں کا رزق ان دونوں مصیبتوں سے پاک وہ حرام سے محفوظ ہیں اور حلال کے حساب سے بے خوف کیونکہ وہ دنیا کے لئے رزق حاصل ہی نہیں کرتے۔ ان کا کھانا پینا آخرت کے لئے ہے۔ گویا دو سال رہ کر بھی جنت ہی میں ہیں (از روح البیان)۔ ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا۔

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور   دونوں کی ہے پرواز اسی ایک فضا میں

کافر دنیا حاصل کرنے میں صرف سلطانی قانون کا خیال رکھتا ہے کہ میں قانونی زد میں نہ آجاؤں۔ مومن تحصیل دنیا میں رحمانی قانون کو مد نظر رکھتا ہے کہ رب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اس لئے مومن کی دنیا باقی ہے اور مومن کو بھی بقا کافر کی دنیا بھی فانی اور خود کافر بھی فانی۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

تھے لوگ جماعت ایک۔ پس بھیجا اللہ نے پیغمبروں کو بشارتیں دینے اور ڈرانے والے اور اتاری ساتھ

لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے اور ان کے ساتھ سچی

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۗ وَمَا

ان کے کتاب ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کرے درمیان لوگوں کے بیچ اس کے کہ اختلاف کیا اس میں اور

کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے اور کتاب میں اختلاف انہیں نے

اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا

نہیں اختلاف کیا اس میں مگر انہوں نے جو دیئے گئے وہ کتاب پیچھے سے اس کے کہ آئیں ان کے کھلی نشانیاں

ڈالا جن کو دی گئی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے آپس کی سرکشی سے

بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ

سرکشی سے درمیان اپنے پس ہدایت دی اللہ نے انہیں جو ایمان لائے اس کی اختلاف کیا بیچ اس کے حق کے

تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

ساتھ حکم اپنے کے اور اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے طرف راستے سیدھے کے۔

اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ موجودہ کفار کی ضد محبت دنیا کی وجہ سے ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ پہلے ہی سے ہوتا آیا ہے کہ لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ حسد اور حب دنیا کی وجہ سے ان میں اختلاف پیدا ہوئے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر انجام کار مسلمان ہی اعلیٰ رہیں گے۔ اب گذشتہ واقعات سے اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کی حب دنیا کا ذکر فرمایا گیا اب بتایا جا رہا ہے کہ یہ حب دنیا بیماری کی طرح خود بخود ہی لوگوں میں پھیلتی ہے مگر اسے کم کرنے اور دل میں حب آخرت پیدا کرنے کے لئے بڑی کوشش کرنا ہوتی ہے دیکھو رب نے اس مرض سے شفا دینے کے لئے ہزارہا انبیاء بھیجے۔

تفسیر : کان الناس امۃ واحدۃ " کان ماضی کے لئے بھی آتا ہے۔ معنی تھا اور ہمیشگی کے لئے بھی جیسے کان الانسان کفورا " کبھی معنی صار بھی آتا ہے جیسے و کان من الکافرین شیطان کافروں میں سے ہو گیا۔ یہاں کان دوسرے معنی میں نہیں ہو سکتا لہٰذا یا تو پہلے معنی میں ہے یا تیسرے معنی میں یعنی لوگ ایک جماعت تھے یا ایک جماعت ہو گئے۔ کہ سب کافر بن گئے تھے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اسے دوام کے لئے سمجھنا غلطی ہے۔ الناس میں الف لام یا تو استغراقی ہے اور اس سے سارے انسان مراد یعنی میثاق کے دن بلیٰ کہنے والے سارے ہی مومن تھے اسی ایمان پر دنیا میں آئے پھر یہاں مختلف صحبتیں پا کر مختلف ہو گئے۔ جیسے بارش کا پانی سارا کا سارا صاف و شفاف اترتا ہے۔ پھر زمین پہ آکر کچھ تو مٹی سے مل کر میلا گدلا ہو جاتا ہے کچھ صاف جگہ گر کر صاف ہی رہتا ہے یا عہدی ہے اور اس سے خاص لوگ مقصود یا آدم علیہ السلام کی اپنی اولاد اور یا آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک کے لوگ یا اس سے کشتی نوح کے لوگ مراد ہیں کہ یہ سب مومن تھے۔ ہود علیہ السلام کے زمانہ تک ایمان پر متفق رہے (روح المعانی) امۃ امم سے بنا معنی قصد یا اطاعت۔ متفق جماعت کو اسی لئے امت کہتے ہیں کہ ان میں بعض بعض کی اطاعت کرتے ہیں یعنی دنیا میں آتے وقت تک سب لوگ ایک گروہ یعنی مومن تھے یا آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک سب ایمان پر متفق تھے یا طوفان نوحی کے بعد سے ہود علیہ السلام تک سب مومن تھے۔ ان تمام صورتوں میں امت واحدہ سے مومن جماعت مراد ہے۔ عبداللہ ابن عباس و دیگر مفسرین رضی اللہ عنہم نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے جماعت کفار مراد ہے (درمنثور)۔ یعنی ایک زمانہ وہ بھی گزرا ہے جب گذشتہ پیغمبروں کا نور نبوت دنیا سے غائب

ہو گیا تھا۔ اور سب کافر ہی رہ گئے۔ یہی قول حضرت حسن اور عطا کا بھی ہے (کبیر) بعض لوگ توقف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سب لوگ تھے تو ایک ہی جماعت۔ یہ خبر نہیں کہ کفار تھے یا مومن۔ بعض نے یہ بھی فرمایا کان الناس سے یہودی مراد ہیں۔ یعنی سارے یہودی پہلے ایک ہی دین یہودیت پر قائم تھے (کبیر) فبعث اللہ النبین مبشرین و منذرین۔ اگر پچھلے جملے میں امت واحدہ سے مراد مسلمان ہوں تو یہاں ایک عبارت چھپی ہے۔ یعنی پہلے تمام لوگ مومن ہی تھے مگر پھر نفسانیت و حسد سے اختلاف کر بیٹھے کہ بعض کافر ہو گئے تب اللہ نے پیغمبر بھیجے اور اگر امت واحدہ سے کفار مراد ہوں تو کوئی عبارت پوشیدہ نہیں یعنی لوگ سب کافر ہو چکے تھے۔ لہٰذا اللہ نے ان کی دستگیری فرماتے ہوئے ان میں پیغمبر بھیجے۔ خیال رہے کہ یہ ف تعقیب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ تفصیلیہ ہے اور نبیین سے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے پیغمبر مراد ہیں۔ کیونکہ اختلاف کا فیصلہ کرنے یہ ہی حضرات تشریف لائے یعنی سب لوگ مومن تھے مگر پھر اختلاف کر بیٹھے۔ لہٰذا رب نے خوشخبریاں دینے کے لئے پیغمبر بھیجے یا ایک زمانہ میں سارے لوگ کافر ہو چکے تھے۔ رب نے پیغمبر بھیجے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے متعلق فرماتا ہے۔ خلقکم اس نے تمہیں پیدا فرمایا مگر حضرات انبیاء کرام کے لئے یا تو بعث فرماتا ہے۔ یا ارسل یا جاء اسی وجہ سے ان حضرات کو رسول یا مبعوث کہتے ہیں ہم کو رسول نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم لوگ یہاں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے۔ یہاں آکر سب کچھ بنے وہ حضرات سب کچھ بن کر یہاں آئے اسی لئے ہم تو دنیا کے ماحول کے مطابق ہوتے ہیں وہ حضرات ماحول کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ ماحول کو اپنے مطابق کر لیتے ہیں۔ دیکھو یہاں فرمایا کہ لوگوں کا فیصلہ فرمانے کے لئے نبی بھیجے گئے معلوم ہوا کہ انہیں فیصلہ کرنا پہلے ہی سکھا دیا گیا تھا۔ کشتی اسلام میں ہم بھی سوار ہیں اور حضرات انبیاء بھی مگر ہم پار لگنے کو سوار ہیں اور وہ حضرات پار لگانے کو۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرات انبیاء نے خصوصی بشارت و نذارت کی اور عمومی بھی نیز مسلمانوں کو بشارتیں دیں انہیں ڈرایا بھی۔ کسی کو عذاب نار سے کسی کو غضب جبار سے کسی کو فراق یار سے ڈرایا اسی طرح کسی کو جنت کی کسی کو حور و قصور کی کسی کو دیدار رب غفور کی بشارتیں دیں۔ و انزل معھم الکتب بالحق الکتب میں الف لام جنسی ہے۔ اس میں صحیفے بھی داخل ہیں چونکہ ہر پیغمبر پر نئی کتاب یا نیا صحیفہ نہ اترا تھا بعض مستقل کتاب یا صحیفہ لے کر آئے اور بعض پیغمبروں نے اگلی ہی کتاب کی تبلیغ کی اس لئے یہاں معھم فرمایا گیا نہ کہ علیھم اور کتاب واحد فرمایا گیا نہ کہ جمع تاکہ معلوم ہو کہ ہر ایک پر علیحدہ کتاب نہ آئی۔ ہم یہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ کتابیں کل چار ہیں۔ توریت، زبور، انجیل، قرآن اور صحیفوں میں اختلاف ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ وہ کل سو تھے۔ آدم علیہ السلام پر دس، شیث علیہ السلام پر تیس۔ ادریس علیہ السلام پر پچاس۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر توریت سے پہلے دس۔ بالحق یا تو انزل کے متعلق ہے یا کتاب کی صفت یعنی رب نے ان پیغمبروں کو سچی کتابیں بھی عطا فرمائیں گویا کتاب قانون تھیں۔ اور وہ حضرات ان قوانین کو جاری فرمانے والے لیحکم بین الناس۔ یہ انبیاء کے بھیجنے کی حکمت کا بیان ہے۔ یحکم، حکمۃ سے بنا جس کے معنی ہیں روکنا۔ مضبوط کرنا۔ فیصلہ کرنا لازم کرنا اور حکم کرنا۔ جب اس کے بعد علیٰ آئے تو حکم کے معنی میں ہوتا ہے اور اگر بین ہو تو بمعنی فیصلہ یعنی جھگڑا چکانا لہٰذا یہاں بمعنی فیصلہ ہے اس کا فاعل یا اللہ ہے یا کتاب یا پیغمبروں کو کتاب دے کر اسی لئے بھیجا گیا تاکہ اللہ یا وہ کتاب یا پیغمبر لوگوں میں فیصلہ کر دیں۔ فیما اختلفوا فیہ، ما سے مراد حق ہے اور فیہ کی ضمیر اسی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس حق میں فیصلہ کر دیں جس میں یہ لوگ متفق رہ کر اختلاف کر بیٹھے تھے۔ و ما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ فیہ کا مرجع کتاب ہے یا اس کتاب کی حق باتیں۔ اوتو۔ ایتاء سے بنا

بمعنی دینا۔ الذین سے علماء اہل کتاب مراد ہیں جنہیں کتاب کا علم دیا گیا۔ کیونکہ حقیقتاً کتاب علماء ہی کو ملتی ہے یعنی یہ کتابیں تو اختلاف مٹانے اور فیصلہ کرنے کے لئے آئی تھیں۔ مگر علمائے اہل کتاب نے خود ان کتابوں میں ہی اختلاف ڈال دیا۔ اور کتاب کے مقصد کو بدل دیا اور پھر لطف یہ ہے کہ دھوکے سے نہیں بلکہ **من بعد ما جاء تھم البینت** بینات کے معنی ہیں روشن نشانیاں۔ اور یہاں اس سے آیات کتاب کے علاوہ دیگر دلائل مراد ہیں۔ جس سے حق و باطل ظاہر ہو گیا (کبیر) یعنی بہت سے روشن دلائل دیکھ کر بھی وہ کتاب میں اختلاف کر بیٹھے **بغیا بینھم** آپس کے حسد اور سرکشی کی وجہ سے کہ ہر فرقہ کے راہب نے اپنی بات پالنی چاہی اور اپنی بڑائی کی کوشش کی دلائل سے آنکھیں بند کر لیں۔ جب اہل کتاب کا بھی اختلاف حد کو پہنچا تو **فھدی اللہ الذین امنوا** یہاں اہل ایمان سے یا تو اہل کتاب کے مومنین مراد ہیں (کبیر و روح البیان) اور یا مسلمان۔ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ احادیث سے ثابت ہے اور ہم خلاصہ ء تفسیر میں عرض کریں گے۔ **لما اختلفوا فیہ من الحق** ما سے مراد حق ہے۔ اختلفوا کا فاعل اہل کتاب اور فیہ کی ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی جس حق میں اہل کتاب اختلاف کر بیٹھے اور اس کی مخالفت کرکے کھو بیٹھے رب نے مسلمانوں کو اس کی ہدایت دے دی ان کے اپنے کمال سے نہیں بلکہ **باذنہ** اپنے حکم اور کرم سے۔ یہ ھدی کے متعلق ہے اور کیوں نہ ہو کہ ہدایت رب کے قبضہ میں ہے **واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم** اللہ اپنے کرم سے جسے چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے کسی کا اس پر زور نہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خلاصہ تفسیر : اس آیت کا مضمون سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت آدم تو نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن کا فاصلہ ہے۔ ہر قرن اسی برس کا۔ اس حساب سے آٹھ سو سال کا فاصلہ ہوا (روح البیان)۔ اور اگر سو سال کا قرن ہو تو کل ہزار سال ہوئے۔ اس زمانہ میں کل دس پیغمبر آئے۔ ہر قرن میں ایک (در منثور) ادریس علیہ السلام تک لوگ عموماً "مومن رہے اگرچہ قابیل گمراہ ہوا اور کچھ لوگ اس کے ساتھی بن گئے۔ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کفر بہت پھیل چکا تھا اور آپ ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے (روح المعانی) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ پہلے وہ نبی ہیں جو کفار کی ہدایت کے لئے آئے۔ اگلے پیغمبر مومنین ہی کو ہدایت پر رکھنے کے لئے آتے تھے پھر طوفان نوحی میں سارے کفار ڈبو دیئے گئے۔ صرف کشتی والے مسلمان بچے۔ اور اب پھر دنیا میں اسلام ہی رہ گیا۔ ہود علیہ السلام تک یہی حالت رہی جیساکہ ہم تفسیر میں روح المعانی سے نقل کر چکے۔ پھر یہ حال رہا کہ کوئی پیغمبر آکر اصلاح کر دیتے۔ موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحب شریعت پیغمبر ہوئے جن کے بعد بہت عرصہ تک لوگ ہدایت پر قائم رہے اور دیگر بڑے بڑے پیغمبر بھی آتے رہے۔ پھر لوگوں نے ان کتابوں میں بھی خلط ملط کر دیا اور ان کی تعلیم بگاڑ دی۔ یہاں تک کہ دنیا میں اندھیرا ہی چھا گیا تب۔

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت بڑھا جانب بو قبیس ابر رحمت!
ادا خاک بطحا کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت!
ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل اور نوید مسیحا!

خیال رہے کہ گذشتہ کتابیں اور گذشتہ دین بدل جانے اور قرآن و اسلام نہ بدلنے کی چار وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی دین میں ان کے نبی کی حدیثیں جمع نہ کی گئی تھیں۔ اسلام میں قرآن کے ساتھ احادیث رسول بھی محفوظ ہوئیں۔ حدیث رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قرآن کی شرح ہیں۔ جن کے بغیر قرآن کا بقا ناممکن ہے۔ اگر حدیث نہ ہو تو صلوٰۃ و زکوٰۃ اور قیام احکام کی تحصیل کون کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی دین میں ان کے نبیوں کا میلاد نہ منایا گیا اسلام میں اول سے ہی میلاد شریف کا رواج رہا۔ اس میلاد شریف کی وجہ سے کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ خدا کہہ سکا نہ خدا کا بیٹا کیونکہ جو پیدا ہو، جو دودھ پئے، جو ماں کی گود میں پرورش پائے وہ عبد اللہ ہے۔ اللہ نہیں ہے۔ میلاد میں انہی باتوں کا ذکر ہوتا ہے وہ لوگ اپنے نبی کو یا خدا کہہ بیٹھے یا خدا کا بیٹا۔ اسی لئے قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی ولادت شیر خوارگی کئی رکوعوں بیان فرمائی۔ تیسرے یہ کہ ان قوموں میں کتاب اللہ کی تلاوت کا قرآن کی طرح رواج نہ تھا۔ ہمارے ہاں روزانہ اور پنجگانہ نمازوں میں اور ختم وغیرہ میں تلاوت قرآن کے لئے حافظ طریقہ ادا کے لئے قاری بقاء مسائل کے لئے علماء بقاء اسرار قرآنیہ کے لئے صوفیاء پیدا کئے یہ جماعتیں ان لوگوں میں موجود نہ تھیں ان وجوہ سے قرآن و اسلام محفوظ رہا اور وہ دین و کتب پہلے بگڑے اب بالکل فنا ہو گئے۔ اسی کا اس آیت میں بیان ہے۔ اب تفسیر سمجھو کہ آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک تقریباً" سارے لوگ مومن تھے۔ پھر زمانہ ادریس سے ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ تو اللہ نے حضرت نوح وغیرہم کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لئے کتابیں اور صحیفے دے کر بھیجا۔ تاکہ لوگوں کا اختلاف دور کریں۔ مگر افسوس کہ جو آسمانی کتابیں جھگڑا مٹانے کے لئے آئی تھیں اہل کتاب نے انہیں میں اختلاف ڈال دیا اور آپس کی حسد کی وجہ سے روشن دلائل سے آنکھیں بند کر لیں۔ جب ان کا اختلاف حد کو پہنچ چکا تو رب نے قرآن اتارا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو اس حق کی ہدایت دے دی۔ جس میں اہل کتاب مختلف تھے۔ چنانچہ عیسائیوں کا قبلہ مشرقی بیت المقدس تھا اور یہودیوں کا مغربی مسلمانوں کا قبلہ دونوں سے افضل یعنی خانہ کعبہ ہوا۔ ان میں سے بعض کی نماز میں رکوع تھا اور سجدہ غائب اور بعض میں اس کا برعکس مسلمانوں کی نماز میں دونوں۔ ان میں سے بعض لوگ نماز میں بات چیت بھی کرتے تھے اور بعض نماز میں چلتے پھرتے تھے۔ اسلامی نماز میں یہ کوئی عیب نہیں۔ روزوں کے دنوں میں وہ لوگ اختلاف ہی کرتے رہے۔ اصل مہینہ یعنی رمضان کوئی نہ پاسکا۔ وہ مسلمانوں کو ملا۔ ہفتہ کے بڑے دن میں بھی جھگڑا ہی رہا۔ یہودیوں نے سنیچر اور عیسائیوں نے اتوار پکڑ لیا۔ مگر صحیح دن یعنی جمعہ مسلمانوں کے سوا کسی کے ہاتھ نہ لگا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ جھگڑتے ہی رہے کہ عیسائیوں نے انہیں خدا کا بیٹا مان لیا اور یہودیوں نے ان کی کنواری پاک والدہ مریم بتول کو عیب لگا دیا۔ مسلمانوں نے حق بات کہی کہ عبد اللہ و رسولہ۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا ہی رہا۔ کسی نے انہیں یہودی کہا۔ کسی نے عیسائی۔ قرآن نے ان کی صفائی بیان فرمائی کہ **ما کان ابراھیم یھودیا" ولا نصرانیا" الخ** حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی لوگ تہمت لگانے سے باز نہ آئے۔ قرآن کریم نے ان کی شانیں لوگوں کو بتائیں کہ فرمایا **و ما کفر سلیمن** وغیرہ۔ غرضیکہ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کا سب پر احسان ہے ماننا نہ ماننا ہمارا کام ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم دنیا میں آخر ہیں۔ اور قیامت میں اول ہوں گے۔ اور جنت میں اول ہم ہی جائیں گے۔ اہل کتاب کو پہلے کتاب ملی اور ہمیں ان کے بعد۔ رب نے اس حق کی ہمیں ہدایت کر دی۔ جس میں وہ مختلف رہے۔ جمعہ ہی وہ بزرگ دن ہے۔ جو رب نے ہمیں عطا فرمایا۔ یہ لوگ پیچھے ہی رہے کہ ہفتہ یہود نے لیا اور اتوار عیسائیوں نے (درمنثور)۔

دوسری تفسیر : ایک زمانہ میں سب لوگ کافر ہو گئے تھے۔ اللہ نے دستگیری فرمائی کہ ان میں ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے پیغمبر بھیجے اور انہیں کتاب بھی عطا فرمائی تاکہ ان کے اختلاف کا فیصلہ فرمائیں اور ان کے جھگڑے چکائیں۔ پھر اہل

کتاب نے ان کتابوں میں ہی جھگڑا ڈال دیا اور محض حسد سے روشن دلائل کی پرواہ نہ کی اور دین حق کو چھپا ڈالا۔ لہٰذا رب نے مسلمانوں کو وہ حق سمجھا دیا جو انہوں نے چھپایا تھا۔ ہدایت رب کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ ہدایت کی بنیاد فضل الٰہی پر ہے۔ اور گمراہی کی بنیاد حسد اور ضد پر ہدایت رب کی عطا ہے اور گمراہی اپنے بڑوں کی تقلید۔ کیونکہ گمراہی کے لئے بغیا" اور ہدایت کے متعلق باذنہ فرمایا۔ دوسرا فائدہ: ہر تنظیم اچھی نہیں۔ گمراہی کا اتفاق مٹا دینا چاہئے۔ جیسا کہ دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلے سب لوگ کفر پر متفق تھے۔ اسی اتفاق کو توڑنے کے لئے انبیاء بھیجے گئے۔ عرب میں بھی اسلام سے پہلے اسی تنظیم و اتفاق کا دور دورہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے اسی اتفاق کی دھجیاں اڑا دیں۔ موجودہ مسلمان اس آیت سے عبرت پکڑیں اور ہر تنظیم و اتفاق کے فدائی نہ بنیں ہدایت اور ایمان پر اتفاق بہت مبارک ہے۔ تیسرا فائدہ: ہر پیغمبر کے ساتھ کتاب یا صحیفہ ضروری ہے خواہ نیا ہو یا پرانی کتاب اور پیغمبر لوگوں کے فیصلہ کے لئے ہی تشریف لاتے ہیں۔ ان کے فیصلوں پر راضی نہ ہونا بے دینی ہے۔ چوتھا فائدہ: نفسانیت کا اختلاف عذاب ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ میں ہوا۔ تحقیق کا اختلاف رحمت جیسا کہ آئمہ دین میں ہے کہ اس میں ضد کا دخل نہیں۔ بلکہ اس سے دین کی تحقیق ہو گئی۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں ملاحظہ کرو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ علماء کا اختلاف بڑی بری چیز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس اختلاف کو برائی سے بیان فرمایا مگر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے تو حدیث و قرآن میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں عناد و حسد کی بناء پر اختلاف کی برائی بیان ہوئی اور حدیث شریف میں تحقیقی اختلاف کی تعریف ہے۔ جس کی بناء تحقیق مسئلہ ہو۔ اس لئے رب نے فرمایا! بغیا" بینھم لہٰذا احدیث و قرآن میں تعارض نہیں۔ دوسرا اعتراض: مسلمانوں میں بھی بڑے اختلاف ہیں۔ حنفی' شافعی وغیرہ میں اختلاف ہے یونہی قادریوں' چشتیوں میں اختلاف تو ان دینوں اور اسلام میں فرق ہی کیا ہوا۔ جواب: ان اختلافوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ ان دینوں کے اختلاف حسد کے تھے ہمارے یہ اختلاف تحقیق کے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اختلاف اصل دین میں تھے۔ خدا کی ذات و صفات' انبیاء کے ذات و صفات' کتاب اللہ کی تعداد ان سب ہی میں اختلاف تھے۔ خدا ایک ہے یا تین حضرت عیسیٰ خود خدا ہیں یا خدا کے بیٹے۔ انجیل ایک ہے یا چار حضرت سلیمان نبی ہیں یا نہیں وغیرہ ہمارے اختلاف صرف فروعی مسائل میں ہیں غرضیکہ وہاں اختلاف عقائد تھا یہاں اختلاف مسائل لہٰذا وہ اختلاف عذاب تھا۔ یہ اختلاف رحمت ہے۔ تیسرا اعتراض: مسلمانوں میں بھی بہت فرقے دینی اختلاف رکھتے ہیں۔ جیسے مرزائی' چکڑالوی وغیرہ لہٰذا ان دینوں اور اسلام میں کیا فرق رہا۔ جواب: بے شک اسلام میں یہ اختلافات بھی موجود ہیں مگر یہود و نصاریٰ میں تو سارے فرقے بے دین ہو گئے تھے ایک بھی حق پر نہ رہا تھا۔ اسلام میں تاقیامت ایک فرقہ اہلسنت والجماعت حق پر رہے گا اور غالب رہے گا۔ اصل اسلام نہ مٹ سکے گا۔ لہٰذا اس اختلاف اور اس اختلاف میں بڑا فرق ہو گیا۔ چوتھا اعتراض: پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ از آدم تا ادریس علیہ السلام سب مومن رہے تو کیا قابیل اور اس کے ساتھی بھی مومن تھے؟ جواب: تفسیری میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہاں ناس سے عام لوگ مراد ہیں نہ کہ سب لوگ یعنی اس زمانہ میں عام لوگ مسلمان ہی تھے۔ دو چار کافروں کا اعتبار نہیں اور اگر اس سے سب لوگ مراد ہوں تو الناس سے میثاق یا نوح علیہ السلام کی کشتی

والوں کی طرف اشارہ ہے۔ **پانچواں اعتراض:** دوسری تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب کسی پیغمبر کی نبوت نہ تھی اور دنیا میں سب کافر ہی تھے۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے **و لکل قوم هاد**۔ ہر قوم میں ہادی اور رہبر ہوئے۔ **جواب:** کوئی وقت و زمانہ نبوت سے خالی نہیں۔ کسی نہ کسی نبی کی نبوت دنیا میں ضروری ہے ہاں کبھی ایسا بھی ہوا کہ نبوت ظاہر نہ رہی لوگوں نے اس کی اطاعت چھوڑ دی۔ جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی علیہ السلام کا درمیانی زمانہ اس کو فترۃ کہتے ہیں۔ نبوت کا ہونا اور چیز ہے۔ ماننا دوسری چیز۔ اس آیت میں ہونے کا ذکر ہے اور یہاں نہ ماننے کا۔ **چھٹا اعتراض:** دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلے سب لوگ کفر پر متفق ہو گئے۔ بعد میں پیغمبر آئے۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ پہلے ہی پیغمبر آتے تاکہ کفر پر اتفاق نہ ہو تا۔ **جواب:** اس آیت کے یہ معنی نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ چونکہ لوگ کفر پر متفق ہو گئے لہذا پیغمبر آئے۔ ف جزائیہ ہے نہ کہ **تعقیبیہ**۔ نبی آتے ہی رہتے تھے مگر ایک نبی کے بعد لوگ جلدی ہی گمراہ ہو جاتے تھے۔ یہ ہمارے آقا کی شان ہے کہ قیامت تک ان کا دین باقی ہے۔ **ساتواں اعتراض:** کیا اس گمراہی سے پہلے نبی نہ آئے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ گمراہ ہوئے تو نبی بھیجے گئے۔ **جواب:** تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں وہ پیغمبر مراد ہیں جو کفر مٹانے کے لئے آئے۔ ان سے اگلے پیغمبر مسلمانوں کو ہدایت پر قائم رکھنے کے لئے آتے تھے نہ کہ کفر مٹانے کہ ان کے زمانہ میں کفر تھا ہی نہیں۔

نوٹ: ان دشواریوں کو دیکھتے ہوئے قادیانیوں نے اس آیت کی تحریف کی اور اس کے معنی یہ کئے کہ لوگ ایک ہی گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سب سے یکساں ہی معاملہ ہوتا رہا کہ سب میں نبی آتے رہے یہ نہیں کہ بعض لوگ نبوت سے محروم رہے اور ہر نبی نئی کتاب لے کر ہی آئے یہ نہیں کہ کوئی کتاب سے محروم رہا۔ دیکھو بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری مرزائی۔ یہ تفسیر نہیں بلکہ آیت کی تحریف ہے۔ الحمد للہ ہماری اس تحقیق سے آیت پر کوئی غدشہ باقی نہ رہا۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے یہاں بہت تحقیقات فرمائی ہیں۔ وہاں مطالعہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ ماں کے پیٹ سے بچہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے بعد میں بیماریاں اور مرض لگتے ہیں ایسے ہی ہر بچہ دین فطرت اور عقیدہ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر دنیوی صحبتیں اسے بگاڑتی ہیں۔ عالم اجمال میں سب دین حق پر تھے اور روحانیات میں سب متفق۔ عالم تفصیل میں آکر طبیعت اور نفس کی صحبت سے اختلاف پیدا ہوا۔ اور بعض کا مادہ بدن رب سے حجاب بن گیا۔ رب نے پیغمبروں کو اسی لئے بھیجا کہ انہیں اختلاف سے اتحاد کی طرف اور کثرت سے وحدت کی طرف عداوت سے محبت کی جانب دعوت دیں۔ نیکوں نے ان کی اطاعت کی جس سے وہ اعلیٰ علیین میں پہنچے۔ بدلوگ مخالفت کرکے اسفل السافلین میں گئے۔ گویا انبیائے کرام کے ذریعے دودھ کا دودھ ہو گیا اور پانی کا پانی (از روح البیان و روح المعانی وغیرہ)۔

دوسری تفسیر: میثاق کے دن سب ہی بلے کہہ کر بظاہر مومن تھے اور سارے ایک گروہ معلوم ہوتے تھے۔ منشاء الٰہی یہ تھا کہ ایسی چھلنی قائم فرمائی جائے۔ جس سے آٹا بھوسی سے علیحدہ ہو جائے۔ اور کھرے کھوٹوں سے ممتاز ہو جائیں لہٰذا ان میں انبیاء اور کتابیں بھیجیں جنہوں نے صدق دل سے بلے کہا تھا۔ وہ اپنی اصلی صفائی پر باقی رہے اور ان کی اطاعت کرکے دیدار یار سے مشرف ہوئے۔ جنہوں نے بے دلی سے منافقانہ طریقہ پر بلی کہا تھا ان کی اصلیت اب ظاہر ہو گئی غرضیکہ انبیائے کرام کی ذات کھرے کھوٹے میں فرق کرنے والی ہے۔ اس آیت نے بتایا کہ کتاب اللہ بھی رب کی طرف سے آتی ہے اور رسول اللہ

بھی مگر حق و باطل کا فیصلہ صرف کتاب اللہ سے نہیں ہوتا بلکہ رسول اللہ کرتے ہیں رب نے فرمایا لیحکم بین الناس تاکہ رسول و نبی لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادیں۔ دوسری جگہ فرمایا انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس۔ اے محبوب ہم نے تم پر حق کے ساتھ قرآن اس لئے اتارا کہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ صرف کتاب سے ایمان و ہدایت نہیں ملتے بلکہ رسول کے ذریعے میسر ہوتے ہیں۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر علم و حکمت از کتب دیں از نظر

کتاب دل کا نور ہے اور نبوت سورج کا نور ان دونوں نوروں کے بغیر ہدایت غیر ممکن ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بے شمار نعمتیں بخشیں مگر سب نعمتوں سے اعلیٰ ہدایت ہے۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے۔ جس پر رب کا خاص کرم ہو اگر منزل کا راستہ معلوم نہ ہو تو موٹر کار بس وغیرہ سب بیکار ہیں اگر راستہ خراب ہو مستقیم نہ ہو تو یہ ہی بسیں الٹ کر مسافروں کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ غرضیکہ سید ھارلو اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ بڑا احسان اسی کا ہے جو راستہ بتائے ریگستان میں رہبر بڑی بڑی رقمیں صرف رہبری کی وصول کرتے ہیں دنیا ریگستان ہے جہاں راہ حق کا پتہ نہیں چلتا درود ہو اس پر جس نے ہمیں یہاں رب کا راہ دکھایا۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ
کیا گمان کیا تم نے یہ کہ داخل ہو جاؤ تم جنت میں حالانکہ اب تک نہ آئی تم پر مانند ان لوگوں کے جو گزرے
کیا اس گمان میں ہو کر جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر اگلوں کی سی روداد نہ آئی
قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ
پہلے سے تمہارے۔ کہ پہنچی ان کو سختی اور ضرر اور شدت اور جھنجوڑے گئے یہاں تک کہ کہنے لگے رسول
پہنچی انہیں سختی۔ اور شدت اور ہلا ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور
وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾
اور وہ جو ایمان لائے ساتھ اُن کے کہ کب ہے مدد اللہ کی خبردار تحقیق مدد اللہ کی قریب ہے۔
اس کے ساتھ کے ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ اب ہدایت لینے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کے لینے کے لئے سخت مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ یہ مفت نہیں مل جاتی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ دنیا سے اختلاف مٹانے کے لئے مسلمانوں کو قرآن کریم عطا فرمایا گیا اور انہیں سب سے افضل و اعلیٰ بنایا گیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو تم اس دینی فضیلت کے برقرار رکھنے کے لئے سخت مصیبتیں اور مشقتیں جھیلنے پر آمادہ ہو جاؤ کیونکہ دنیا کی اصلاح آسان نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ گمراہوں کی گمراہی اور ان کے جھگڑے فساد ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اب نئے نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ والوں کی استقامت اور دین حق کی تبلیغ کے لئے کوشش اور مخالفین کے مقابلہ میں صبر بھی ہمیشہ سے ہی ہوتے رہے ایسا نہ ہو کہ

تم ان صفات میں ان سے پیچھے رہ جاؤ۔

شان نزول : غزوہ احزاب میں مسلمانوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا تھا۔ سردی اور بھوک کی تکلیفیں سخت دشمن کا مقابلہ اپنی بے سرو سامانی پھر اس حال میں خالی پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کی کھدائی ممکن تھا کہ مسلمان ہمت چھوڑ جاتے۔ قرآن کریم نے فرمایا **و بلغت القلوب الحناجر** خود مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ اور منافقین کی یورش بھی تھی۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں مسلمانوں کو گزشتہ لوگوں کے واقعات سنا کر صبر دلایا گیا (کبیر و خزائن العرفان وغیرہ)۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین اپنا گھر بار مال دولت مشرکین کے قبضہ میں چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں یہود نے ظاہرو خفیہ عداوتیں شروع کردیں اور ہر طرح انہیں ایذائیں پہنچائیں۔ مسلمانوں کو ایک تو گھر بار چھوٹنے کا صدمہ تھا دوسرے یہ غم تھا۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں فرمایا گیا تھا کہ راہ خدا میں مصیبتیں برداشت کرنا اللہ والوں کا کام ہے۔

تفسیر : ام حسبتم ان تدخلوا الجنة۔ ام درمیانی سوال کے لئے آتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کیا گھر میں زید ہے یا عمر۔ یہاں بھی ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ جس کے بعد یہ ام ہے۔ یعنی کیا تم گزشتہ صابر مسلمانوں کا طریقہ اختیار کرو گے یا یہی سمجھے رہو گے کہ بغیر محنت جنت پالو (کبیر) بعض نے فرمایا کہ ام بمعنی بل ہے مگر پہلے معنی بہت مناسب ہیں۔ حسبتم میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی یہ خیال فرمایا اور نہ فرما سکتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس خطاب میں حضور علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خطاب پیغمبر سے ہے مگر مسلمانوں کو سنانا منظور۔ خیال رہے کہ اس قسم کے مضامین سامعین کو شوق دلانے کے لئے ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ سامع کے دل میں ایسا خیال پیدا ہو چکا ہے لہٰذا اس آیت سے یہ لازم نہیں کہ حضرات صحابہ کو یہ خیال پیدا ہو چکا تھا یا وہ بزدل ہو چکے تھے یہ آیت تو مدنیہ ہے جو بعد ہجرت نازل ہوئی۔ حضرات صحابہ نے ہجرت سے پہلے وہ جانبازیاں کیں کہ زمانہ انہیں ہمیشہ یاد رکھے گا۔ بعد ہجرت بھی اس آیت کے نزول سے پہلے ان کی قربانیاں زندہ جاوید رہیں گی **ولما یاتکم** یہ واؤ حالیہ ہے اور جملہ تدخلوا کی ضمیر سے حال۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ لما ایک ہی لفظ ہے اور بعض کے نزدیک لم اور ما نافیہ سے مل کر بنا ہے (روح المعانی) **مثل الذین خلوا من قبلکم** یا تو مثل بمعنی صفت ہے اور یا بمعنی کہاوت یا قصہ عجیبہ جیسے **و للہ المثل الاعلی** (کبیر) یا بمعنی مشابہ و مماثل۔ الذین سے گزشتہ امتوں کے مجاہدین و صابرین مراد ہیں۔ یعنی کیا تم یہ سمجھ گئے کہ جنت میں پہنچ جاؤ۔ حالانکہ اب تک تم پر اگلوں کی سی مصیبتیں اور محنتیں نہ پہنچیں **مستهم الباساء و الضراء** یہ جملہ مثل کا بیان ہے۔ باساء بؤس کے معنی میں ہے بمعنی شدت و فقیری و مسکنت یعنی وہ تکلیف جس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جائے۔ ضراء ضر سے بنا بمعنی خارجی مصیبت یعنی ان کو بہت سی اندرونی تکلیفیں خوف و غربت بھوک اور بہت سی بیرونی مصیبتیں دشمنوں کا مقابلہ وغیرہ پہنچیں۔ **و زلزلوا** اس کا مصدر زلزلہ ہے بمعنی ہلانا اور جگہ سے ہٹانا زمین کی جنبش میں بھی مکانات جگہ سے ہٹ جاتے ہیں لہٰذا اسے بھی زلزلہ کہتے ہیں۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ زل سے بنا بمعنی پھسلن مکرر کرنے سے بار بار ہٹانے کے معنی پیدا ہوئے۔ جیسے کف سے کفکف اور قل سے قلقل اور صلصل اور صر سے صرصر وغیرہ یعنی بار بار ہلائے گئے اور انہیں خوب جھنجھوڑا گیا۔ **حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ** مصیبت کی انتہاء ہے اور قول سے بے قراری اور اضطرابی حالت میں پکار اٹھنا مراد ہے۔ یعنی انہیں یہاں

تک مصیبتیں پہنچیں کہ بے قرار ہو کر پیغمبر اور ان کے ساتھی مسلمان پکار اٹھے متی نصر اللہ متی کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے اور مدد سے وہ مدد مراد ہے جس کا وعدہ ہو اتھا یعنی اللہ کی مدد موعود اب کب آئے گی اور اس سے بڑھ کر کون سی مصیبت کا انتظار ہے۔ **الا ان نصر اللہ قریب** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ ان پیغمبروں کی دعا کا جواب ہے۔ یعنی تب ہم نے ان سے فرمایا کہ مت گھبراؤ اللہ کی مدد بہت قریب ہے اور ممکن ہے کہ موجودہ مسلمانوں سے خطاب ہو یعنی اے مسلمانوں گھبراؤ نہیں مدد الٰہی بہت قریب ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت جیسی اعلیٰ نعمت یونہی بغیر محنت حاصل کر لو اب تک تم پر وہ مصیبتیں نہ آئیں جو تم سے اگلوں پر آچکیں تم تو ان سے اعلیٰ ہو۔ تمہیں چاہئے کہ صبر کا اچھا نمونہ پیش کرو اور کسی وصف میں ان سے پیچھے نہ رہو۔ انہیں تو اندرونی بیرونی مصیبتیں اور تکلیفیں بہت پہنچیں اور انہیں ہلا ہلا ڈالا گیا اور بار بار سخت مصیبتوں کا سامنا ہوا اور شدت کی انتہا اس حد تک پہنچی کہ ان امتوں کے رسول اور ان کے فرمانبردار مومن بھی طلب مدد میں جلدی کرنے لگے اور بے قرار ہو کر پکار اٹھے کہ مولا اب تیری مدد کب پہنچے گی اور اس سے بڑھ کر کون سی مصیبت آئے گی حالانکہ رسول بڑے صابر ہوتے ہیں اور ان کے ساتھی بھی باوجود ان انتہائی مصیبتوں کے وہ لوگ اپنے دین پر قائم رہے اور دنیا ان کا حال نہ بدل سکی۔ تب انہیں تسلی اور خوشخبری دی گئی کہ مت گھبراؤ رب کی مدد قریب ہے۔ ان حالات کو دیکھو اور صبر اختیار کرو۔ بخاری شریف میں حضرت خباب ابن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام خانہ کعبہ کے سایہ میں چادر مبارک کا تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ ہم نے حضور سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کی اور عرض کیا کہ حضور ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے تو آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ زمین میں داب دیئے جاتے تھے۔ آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے سر کے گوشت نوچ لئے جاتے تھے مگر انہیں کوئی مصیبت دین سے نہ روک سکتی تھی۔ قسم رب کی یہ دین پورا ہو کر رہے گا۔ دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہو گا کہ صنعاء سے حضر موت تک لوگ بے دھڑک جائیں گے۔ مگر تم جلدی کرتے ہو (درمنثور و خزائن العرفان) الحمد للہ کہ صحابہ کرام نے استقامت اور صبر کی مثالیں قائم فرمادیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کے سردار ہیں ویسے ہی ان کے صحابہ اصحاب انبیاء کے سردار اگر ان کی صبر و استقامت دیکھنا ہو تو تاریخ کا مطالعہ کرو اور قرآن پاک میں بھی ان کی بہت تعریفیں کی گئی ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ نیکی کی رغبت دینے کے لئے گذشتہ لوگوں کے کارنامے سنانا سنت الٰہیہ ہے۔ واعظین کا یہ دستور اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** نیکی میں دوسروں کی حرص کرنا اور سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے دنیوی حرص گناہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** بغیر عمل جنت کی خواہش کرنا حماقت ہے بے شک شفاعت اور رب کی رحمت حق ہے مگر شفاعت اور رحمت حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** انسان کو چاہئے دینی معاملات میں ہمیشہ اپنے سے اونچے کو دیکھے تاکہ دل میں شیخی نہ پیدا ہو۔ **پانچواں فائدہ:** دنیوی رنج و غم اور پریشانی کا دل پہ اثر ہونا خلاف نبوت نہیں۔ جیسے کہ زہر یلی اور نقصان دہ چیزوں کا اثر انبیاء کرام کے جسم پر ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی دنیا کی پریشانیوں کا اثر ان کے دل پر بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں کوئی پریشانی ان کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتی۔ چھٹا

فائدہ: دنیوی تکلیفیں رب کی ناراضی کی علامت نہیں۔ ایسے ہی یہاں کے آرام رضاء الٰہی کی دلیل نہیں۔ بہت دفعہ رب کے پیاروں کو غم اور دشمنوں کو راحتیں مل جاتی ہیں بلکہ روح البیان شریف نے شروع سورۂ کہف میں فرمایا کہ رنج و غم ترقی کا زینہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت بغیر سخت مشقت نہیں ملتی تو چاہئے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے 'دیوانہ مسلمان یا جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہو جائیں وہ جنتی نہ ہوں کہ انہوں نے کوئی مشقت جھیلی ہی نہیں۔ **جواب:** حصول جنت تین قسم کا ہے۔ کسبی 'وہبی 'عطائی اپنے عمل سے میسر ہو تو کسبی ہے۔ دوسرے کے طفیل ہو تو عطائی 'بلاواسطہ رب کے فضل و کرم سے ہو وہ وہبی ہے یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے عطاو فضل دوسری چیز ہے۔ **دوسرا اعتراض:** بعض مسلمانوں کو ہمیشہ ہر طرح آرام رہتا ہے وہ تکلیف مشقت سے آشنا بھی نہیں ہوتے تو چاہئے کہ وہ جنتی نہ ہوں۔ **جواب:** اس آیت میں مسلمانوں کو مصائب جھیلنے پر آمادہ کیا گیا ہے کہ اگر آفات آپڑیں تو گھبرائیں نہیں آگے رب کی مرضی ہے کہ وہ مصیبت بھیجے یا نہ بھیجے امام حسین ہمیشہ آرام سے رہے مگر جب مصیبت آپڑی تو نہایت خندہ پیشانی سے جھیل گئے۔ مصیبت جھیلنا اور ہے اور جھیلنے کے لئے آمادہ رہنا کچھ اور۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلے پیغمبر بھی مصیبتوں سے گھبرا گئے اور رب کے وعدۂ مدد میں شک کر کے کہنے لگے کہ مدد کب آئے گی۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا **و ظنوا انهم قد كذبوا** حالانکہ گھبراہٹ بھی جرم ہے اور رب کے وعدوں میں شک کرنا سخت جرم اور انبیائے کرام معصوم ہیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک وہ جو تفسیر میں گزرا کہ تکلیف کی بے چینی تقاضائے بشریت ہے۔ نبوت کے خلاف نہیں۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ انبیائے کرام پر زہر اور تلوار و جادو کا اثر ہونا خلاف نبوت ہے دوسرے یہ کہ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں نے تو کہا تھا کہ مدد کب آئے گی اور انبیاء کرام نے کہا گھبراؤ نہیں عنقریب آتی ہے۔ یعنی دو جماعتوں کے دو قول ہیں۔ اب کوئی اعتراض نہیں۔ تیسرے یہ کہ متی نصر اللہ شک کا کلمہ نہیں بلکہ پریشانی کا اظہار ہے۔ کہ مولیٰ اب تو تکلیف انتہا کو پہنچ چکی۔ تو کب مدد فرمائے گا۔ وہ آیت جو معترض نے پیش کی اس کے معنی غلط کئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کرام کو قوم کے جھٹلانے کا اندیشہ ہو گیا کہ ایسا نہ ہو دیر میں مدد آنے سے لوگ سمجھیں کہ پیغمبروں نے ہم سے غلط وعدہ کیا تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بغیر عمل جنت حاصل کرنا چاہتے تھے اسی لئے رب نے انہیں اس ارادہ سے روکا اور فرمایا **ام حسبتم** الخ **جواب:** کبھی سوال کے پیرایہ میں ممانعت کی جاتی ہے تاکہ سننے والا وہ کام نہ کرسکے یہاں بھی ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے عزیز قریب سے کہے کہ کیا تم نوکری چھوڑنا چاہتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ نہ چھوڑو۔ ایسے ہی یہاں فرمایا گیا کہ یہ خیال نہ کرنا۔ حضور کے صحابہ نے حضور کی اطاعت اور اسلام کی خدمت میں وہ مصیبتیں جھیلیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت بلال نے امیہ ابن خلف کے ہاتھوں کیسے دکھ دیکھے۔ حضرت عمار ابن یاسر نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماں کو کفار کے ہاتھوں چرتے دیکھا۔ حضرت نضر ابن انس نے جنگ احد میں اتنے زخم کھا کر جام شہادت نوش کیا کہ صورت نہیں پہچانی جاتی تھی صرف انگلیوں کے پوروں سے پہچانا گیا۔ آخر میں حضرت سید الشہداء جناب حسین نے ہر قسم کے صبر کے جو نمونے قائم کئے وہ تو ازل تا قیامت مثال نہیں رکھتے۔ غرضیکہ حضور کے صحابہ پچھلی امتوں کے صحابہ سے ہر طرح آگے رہے کسی طرح

پیچھے نہ رہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے راہ محبت کے مسافرو کیا تم یہ خیال کئے ہوئے ہو کہ دیدار یار کی جنت میں بغیر مشقت داخل ہو جاؤ اور تمہیں پچھلوں کی سی دشواریاں درپیش نہ آئیں۔ یہ کبھی خیال نہ کرنا' پچھلے مسافروں کو ترک دنیا' ترک وطن' فقیری مسکینی کی سخت مشقتیں اور مجاہدہ ریاضت' مخالفت نفس اور عبادات کی سخت تکلیفیں درپیش آئیں اور ان کو شوق محبت۔ سفر کی مصیبتوں سے ہلا ہلا ڈالا گیا تاکہ ان کی استعداد اور قابلیت پوری پوری ظاہر ہو جائے۔ یہاں تک کہ رہبر اور مسافر دونوں درازی فراق اور مشقت جہاد اور دوری منزل شوق وصل اور راستہ کی دشواری سے گھبرا کر رب سے مدد مانگنے لگے کہ مولیٰ تو ہی ہمیں صبر سے سفر طے کرنے کی توفیق اور مشقتیں برداشت کرنے کی طاقت دے۔ جب ان کی مشقتیں انتہاء کو پہنچیں اور طاقتیں ختم ہو ئیں تب ان کے کان میں غیبی آوازیں آئیں کہ مت گھبراؤ منزل قریب ہے اور رب کی مدد آنے والی ہے اور تب ہی آثار جمال ظاہر ہوئے۔ مجاب اٹھے جب تم دنیوی کامیابیاں حاصل کرنے میں بڑی مصیبتیں جھیل جاتے ہو اور معشوق مجازی کے وصال کے لئے ہزاروں مشقتیں برداشت کرتے ہو تو یہ اخروی کامیابی ہے اور محبوب حقیقی کا وصال ہے۔ یہاں ہر بوالہوس کا کام نہیں۔ بہت ٹھونک بجا کر آزمائش کر کے اہل کو بلایا جاتا ہے۔

محبوب یہ کہتا ہے کوئی آنے نہ پائے
اور جو کوئی آ جائے تو پھر جانے نہ پائے

اے اچھو ہم بدوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو۔ ہوا غبار کو بھی آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا ہے وہ جو خرچ کریں۔ فرما دو جو کچھ خرچ کرو تم بھلائی سے پس واسطے ماں باپ

تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

اور قرابت داروں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہے اور جو کچھ کرو گے

قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لئے ہے اور جو

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

بھلائی پس تحقیق اللہ اس کو جاننے والا ہے۔

بھلائی کرو بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جانی قربانی کے لئے آمادہ کیا گیا اب انہیں مالی قربانی کرنے پر متوجہ کیا جا رہا ہے تاکہ نقد نعمتوں میں مشغول ہو کر آئندہ کی کامل نعمتوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اشارۃً آنے والی مصیبتوں کی خبر دی گئی۔ جس میں جہاد بھی داخل ہے اور

جہاد میں مال خرچ کرنے کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اب انہیں خیرات کے مصرف بتائے جا رہے ہیں تاکہ انہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کی عادت پڑے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ربانی امتحان کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اس امتحان کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو آئی ہوئی مصیبت پر گھبرانہ جانا۔ دوسرے کمائی ہوئی نعمت کو اس کی رضا کے لئے بخوشی خرچ کرو بنا۔ پچھلی آیت میں پہلے امتحان کا ذکر تھا اور اب دوسرے امتحان کا ذکر ہے۔

شان نزول: حضرت عمرو بن جموح بہت مالدار اور بڈھے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا خرچ کروں اور کس پر خرچ کروں۔ ان کے جواب میں یہ آیت اتری (خزائن و در منثور وغیرہ) سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے کیا کروں۔ فرمایا اپنی جان پر خرچ کر عرض کیا دو ہیں فرمایا اپنے گھر والوں پر خرچ کر ' عرض کیا تین ہیں ' فرمایا اپنے غلام پر خرچ کر۔ عرض کیا چار ہیں۔ فرمایا اپنے ماں باپ پر خرچ کر۔ عرض کیا پانچ ہیں فرمایا اپنے رشتہ داروں پر خرچ کر عرض کیا چھ ہیں فرمایا راہ الٰہی میں خرچ کر اس کی تائید میں یہ آیت اتری (کبیر و معانی)۔

تفسیر: یسئلونک ما ذا ینفقون اگرچہ سوال کرنے والا ایک ہی شخص تھا۔ مگر چونکہ یہ جواب سب کے لئے کار آمد ہے اس لئے سب ہی کو سائل قرار دے کر جمع کا صیغہ فرمایا گیا۔ چونکہ سائل نے سوال حضور ہی سے کیا تھا نہ کہ رب تعالیٰ سے اس لئے فرمایا گیا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں یعنی پوچھتے آپ سے ہیں مگر جواب ہم بتاتے ہیں۔ کیونکہ آپ سے پوچھنا دراصل ہم سے ہی پوچھنا ہے ایسے ہی جو حضور سے مانگے تو اسے دیتا رب تعالیٰ ہے کہ حضور سے مانگنا در حقیقت رب تعالیٰ سے ہی مانگنا ہے۔ چونکہ اس آیت کا نزول اس صحابی کے ایک سوال پر ہوا ہے اس لئے ان کے سوال کا بھی ذکر فرمایا تاکہ تاقیامت مسلمان ان کے احسان مند رہیں۔ جن کے سوال کے صدقے سے انہیں یہ آیت ملی بعض آیات کی عطا بعض صحابہ کے طفیل ہوئی ہے۔ جیسے بعض احکام بعض صحابہ کے صدقے سے ملے دیکھو تیمم کے احکام حضرت عائشہ صدیقہ کے طفیل رمضان میں رات بھر کھانے پینے کی اجازت حضرت صرمہ ابن قیس کی طفیل رمضان کی رات میں عورتوں سے صحبت کی اجازت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقے سے تو ان آیات کے نزول میں ان صحابہ کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے۔ جن کے سبب یہ آیات اتریں۔ ماذا یا تو ایک ہی لفظ ہے اور ینفقون کا مفعول۔ اور یا ' ما ' استفہامیہ ہے اور ذا بمعنی الذی۔ اس صورت میں ما مبتداء کا ہوگا اور ذا اگلے فعل سے مل کر اس کی خبر (کبیر) ماذا سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یہ تھا کہ کس قسم کا مال خرچ کریں اور ممکن ہے کہ دونوں ہی سوال ہوئے ہوں کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں مگر ایک سوال کا ذکر فرمایا۔ ینفقون ' نفقہ ' سے بنا بمعنی متفرق کرنا اور بکھیرنا چونکہ خرچ میں بھی جمع شدہ مال بکھیرا جاتا ہے اس لئے اسے نفقہ کہتے ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یا کیا ہے وہ مال جو خرچ کریں قل ما انفقتم من خیر ' ما ' موصولہ ہے اور من خیر اس کا بیان خیر سے یا تو زیادہ مال مراد ہے یا مال حلال۔ روح البیان نے فرمایا کہ جو مال کار خیر میں خرچ ہو جائے وہ خیر ہے۔ خیر میں چند احتمال ہیں۔ مال حلال ' اچھی جگہ خرچ کیا ہوا مال۔ نیت خیر سے خرچ والا مال۔ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال۔ زندگی و تندرستی میں دیا ہوا مال کے مرتے وقت کی خیرات کا ثواب آدھا ملتا ہے۔ اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت سے خیرات کیا ہوا مال۔ ریاکاری کی

خیرات کا ثواب نہیں۔ فرضیکہ جیسے پیداوار حاصل کرنے کے لئے تخم بھی اعلیٰ ہونا چاہئے زمین بھی زرخیز اور وقت کاشت بھی مناسب اور پھر وقت پر بارش ملتی رہنی چاہئے کھیت کی خدمت بھی چاہئے۔ اسی طرح خیرات کیلئے مال حلال مصرف بہترین نیت خیر، زندگی و تندرستی کا زمانہ مناسب ہے۔ بہرحال یہ جملہ ان کے سوال اول کا جواب ہو گیا یعنی جو کچھ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال یا حلال مال یا کسی قسم کا کوئی سامان بھی خرچ کرو۔ **فللوالدین والاقربین** چونکہ دنیا میں بڑے احسان والے ماں باپ ہیں کہ انہیں کی بدولت انسان نیستی سے ہستی میں آیا اور انہوں نے ہی پالا اور پرورش کیا لہذا پہلے ان کا ذکر ہوا۔ لہذا پہلے ان کا ذکر ہوا۔ پھر ان میں بھی حق خدمت ماں کا زیادہ کیونکہ اس نے خون پلا کر پالا ہے اور حق مالی باپ کا مقدم کہ اس نے زر سے پالا۔ پھر قرابتداروں سے بھی انسان کی عزت آبرو بڑھتی ہے نیز انہیں سے قوت اور طاقت حاصل ہوتی ہے اگر ہمارے قرابتدار فقیر ہوں تو ہماری آبرو نہیں۔ اس لئے ماں باپ کے بعد ان کا ذکر کیا۔ جس قدر قرابت قوی اسی قدر اس کا حق زیادہ۔ خیال رہے کہ ماں باپ اور اہل قرابت پر خرچ کرنا کبھی واجب ہے اور کبھی صرف مستحب **والیتمٰی والمسکین وابن السبیل** یتمٰی یتیم کی جمع ہے۔ یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کا باپ مر گیا ہو مسکین مسکین کی جمع یہ وہ محتاج ہے جس کے پاس اپنی حاجت روائی کیلئے بھی مال نہ ہو۔ ابن السبیل سفر میں مشغول، مسافر کو کہتے ہیں یعنی راہ گیر۔ پردیس میں رہنے والے کو مسافر تو کہہ سکتے ہیں مگر ابن السبیل نہیں کہہ سکتے۔ اگر مالدار آدمی بھی سفر میں محتاج ہو جائے تو اس کی بھی امداد کرنی چاہئے یعنی جو کچھ مال خرچ کرو وہ ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں میں کرو۔ چونکہ ابھی خرچ کی جگہ اور بہت سی باقی تھیں اس لئے اجمالاً فرمایا کہ **وما تفعلوا من خیر** اس خیر سے ہر نیک کام مراد ہے۔ صدقات، خیرات، نماز، روزے، حج مسافر خانے اور مسجدیں بنانا وغیرہ یعنی اور جو کچھ بھلائی کرو گے۔ **فان اللہ بہ علیم** اللہ اس کو جانتا ہے۔ بے خبر نہیں۔ بقدر اخلاص ثواب عطا فرمائے گا۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے خرچ کرنے کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں انہیں دونوں سوالوں کا جواب دے دو کہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال راہ الٰہی میں خرچ کرو۔ صحیح جگہ خرچ کرو۔ غلط مصرف پر خرچ کرنا فضول یا نقصان دہ ہے۔ لہذا اپنے ماں باپ کو دو۔ کیونکہ انہیں کے دم سے تم دنیا میں آئے۔ اپنے قرابت داروں کو دو کیونکہ ہر شخص کو اپنے قرابت داروں کے حال کی زیادہ خبر ہوتی ہے اگر تمہارے قرابتدار دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں تو اس میں تمہاری بھی ذلت ہے۔ بہتر ہے کہ تمہاری ضرورتیں آپس میں ہی پوری ہو جایا کریں۔ لاوارث، غریب یتیموں کو بھی دو کیونکہ ان کا والی وارث کوئی نہیں جو ان کی حاجتیں پوری کرے اور نہ وہ خود کمانے پر قادر ہیں اور مسکینوں اور راہ گیروں کو بھی دو تاکہ ان کی فوری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ اس پر ہی کیا موقوف ہے۔ جہاں تک ہو سکے ہر بھلائی کی کوشش کرو تمہارے کسی کام سے رب غافل نہیں۔ وہ تمہیں ضرور جزا دیگا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال خرچ کرنا چاہئے خیرات کر کے خود محتاج بن جانا اور بھیک مانگنا ناجائز ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حلال مال خرچ کرنا چاہئے پاک بارگاہ میں پاک مال بھیجو۔ **تیسرا فائدہ:** ہر قسم کا مال خرچ کرنا بہتر ہے۔ بھوکے کو کھانا، ننگے کو کپڑا، محتاج کو پیسہ وغیرہ دو۔ زمین والے زمین بھی خیرات کریں کہ مسجد مدرسہ مسافر خانہ بنوائیں۔ یہ تینوں فائدے لفظ خیر سے حاصل ہوئے۔ **چوتھا فائدہ:** خرچ میں قرابت اور

حاجت کی ترتیب کا خیال رکھے۔ زیادہ قریب پر پہلے خرچ کرے اس کے بعد دور کے رشتہ دار پر اسی طرح سخت ضرورت مند کو پہلے دے۔ پھر معمولی حاجت مند کو جس کے قبل قرابت حاجتمند بیٹھے ہوں اور وہ اوروں کو خیرات دے وہ مقبول نہیں کیونکہ یہاں واؤ اگرچہ ترتیب کے لئے نہیں مگر ذکر کی ترتیب فائدے سے خالی بھی نہیں۔

مسئلہ : ماں باپ کو زکوۃ فطرہ اور کوئی صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں۔ ایسے ہی بیوی اور اپنی اولاد کو (از خزائن العرفان) مسئلہ: یہاں انفاق سے صدقہ نفلی مراد ہے۔ اور اگر صدقہ واجبہ مراد ہو تو یہ آیت حکم زکوۃ سے منسوخ ہے۔ (در منثور) مسئلہ: اس یتیم اور مسافر کو صدقہ واجبہ دے سکتے ہیں جن کے پاس مال نہ ہو۔ غنی یتیم اور مالدار مسافر جو اپنے ساتھ مال رکھتا ہو صدقہ واجبہ نہیں لے سکتا پانچواں فائدہ: انسان کو جس نیکی کا موقع ملے کر ڈالے ہلکا سمجھ کر چھوڑ نہ دے۔ ممکن ہے کہ معمولی ہی نیکی اسے نجات دلا دے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یہ تھا کہ کیا خرچ کریں مگر جواب یہ دیا گیا کہ کہاں خرچ کرو۔ یہ جواب سوال کے مطابق نہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ سوال دو تھے اور ان دونوں کے جواب دیئے گئے۔ پہلے سوال کا جواب من خیر ہے یعنی حلال اور اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال خرچ کرو۔ اور دوسرے کا جواب فللوالدین سے اخیر تک۔ دوسرے یہ کہ سوال اگرچہ ایک ہی ہے مگر دوسرا جواب اس لئے دیا گیا کہ یہ زیادہ ضروری تھا۔ تیسرے یہ ان کا سوال معمولی تھا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بچا ہوا مال خرچ کرنا چاہئے انہیں جواب میں بہت ضروری بات بتائی گئی۔ جیسے بیمار طبیب سے پوچھے کہ کیا کھاؤں۔ طبیب جواب دے کہ جو بھی کھاؤ بھوک سے زیادہ مت کھانا اور وقت ہی کھانا یہ نہایت حکیمانہ جواب ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں خیرات کے پورے موقع کیوں نہ بیان کئے۔ بھکاری اور غلاموں کے آزاد کرانے کا ذکر نہ فرمایا گیا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ جواب: وما تفعلوا من خیر میں اجمالاً سارے موقع آگئے بعض صراحۃً اور بعض اشارۃً۔ تیسرا اعتراض: قرآن کریم سوالات کیوں نقل فرماتا ہے۔ چاہئے کہ صرف مسئلہ فرمایا کرے یہ کیا کہ لوگ یہ پوچھتے ہیں آپ یہ جواب دیں کلام کو یکا دو دراز فرمانے سے کیا فائدہ۔ جواب: قرآن پاک توریت و انجیل کی طرح ایک دم نہ آیا بلکہ بقدر ضرورت اس کی آیات اتریں سوال نقل فرمانے میں اس ضرورت کا اظہار ہے کہ فلاں ضرورت پر یہ آیت آئی نیز اس سے مسلمان سائلین کی عزت بڑھ گئی۔ قیامت تک ان کی یادگار قائم ہو گئی جب بھی کوئی اس آیت کی تفسیر کرے ان کا نام بھی لے اس میں محبوب کے غلاموں کی عزت افزائی ہے۔ چوتھا اعتراض: جب مسئلہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال خیرات کرے تو ایک بار حضرت ابو بکر صدیق نے اپنا سارا گھر راہ خدا میں کیوں خیرات کر دیا یہ عمل اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: یہ حکم عام لوگوں کے لئے عام حالات میں ہے۔ جو آج سب خیرات کر کے کل بھیک مانگے وہ گناہ گار ہے جو ابو بکر صدیق جیسا صابر و شاکر متوکل ہو اس کے بال بچے بھی انہیں سرکار جیسے متوکل ہوں ان کے لئے یہ حکم نہیں۔

موسیا آداب دانا دیگر اند! سوختہ جان و رواناں دیگر اند

پانچواں اعتراض: من خیر کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات سے بچا ہوا مال ماں باپ پر خرچ

کرنا چاہئے حالانکہ ان کا حق تو سب پر مقدم ہے۔ جواب: ماں باپ کا حق احسان سب پر مقدم ہے مگر حق قانونی بیوی بچوں کے بعد ہے۔ بیوی اگر لکھ پتی بھی ہو تب بھی اس کا خرچہ خاوند پر واجب ہے لیکن اگر ماں باپ امیر ہوں تو ان کا خرچ اولاد پر واجب نہیں۔ نیز بیوی اپنے نفقہ میں خاوند کا سامان قاضی کے ذریعے بکوا سکتی ہے مگر ماں باپ ایسا نہیں کر سکتے۔ بہرحال حق قانونی بیوی کا مقدم ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یہاں روح سے خطاب ہے کہ اے روح تو جو خیر یعنی کشف و الہام پائے اسے حاجتمندوں پر صرف کر جسم و نفس تیرے والدین کی طرح ہیں کہ انہیں کے ذریعے تو اس عالم میں آئی پہلے ان پر علوم ربانی خرچ کرکے ان ہی کی اصلاح کر پھر دیگر اہل قرابت قلب و دماغ کو بھی اپنے علم سے فائدہ پہنچا کہ ان سے تجھے قوت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ جہنم میں گئے تو تو بھی مصیبت میں گرفتار ہو گی تیری نجات ان کی نجات سے ہے۔ پھر اپنے خیالات ' افعال ' حرکات و سکنات پر بھی اپنا علم صرف کر۔ تجھے ان سے بھی بہت قوی تعلق ہے۔ جب ان سب کی اصلاح کر لے۔ تب دوسرے مسافران راہ خدا کی دستگیری کر اپنی اور اہل قرابت مریدین متوسلین کی دستگیری کر۔ رب کی بارگاہ میں تنہا نہ آ۔ اپنی جماعت کو ساتھ لا رب کا فرمان سن **قوا انفسکم و اھلیکم نارا** اپنے کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچا۔ اس کے ماسوا جس کسی بندۂ خدا سے کسی قسم کا بھی تو سلوک کرے گی۔ رب تجھے اس کی جزا دیگا۔ چاہئے کہ تیرا فیض خاص نہ ہو ' عام ہو۔ مدرس کی ترقی اس کے شاگردوں کی کامیابی سے ہے۔ تیری ترقی بھی تیرے ساتھیوں کی ترقی میں ہے غرضیکہ پہلے اپنی پھر دوسروں کی اصلاح کر۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ

فرض کیا گیا اوپر تمہارے جہاد حالانکہ وہ ناگوار ہے واسطے تمہارے اور قریب ہے یہ کہ برا سمجھو تم کسی

تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ

چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہو واسطے تمہارے اور قریب ہے یہ کہ پسند کرو تم کسی چیز کو حالانکہ وہ بری ہو واسطے

اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور تمہارے حق میں بری

لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

تمہارے ۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں پہلے تو مسلمان کو جانی قربانی کیلئے آمادہ کیا گیا پھر مالی قربانی کا صاف صاف حکم دیا گیا۔ اب جانی قربانی یعنی جہاد کا صاف حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ جہاد جان و مال کا بہترین مصرف ہے گویا یہ آیت پچھلی آیتوں کا تتمہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ تم جو بھی بھلائی کرو گے۔ رب اس

سے خبردار ہے اب اعلیٰ نیکی یعنی جہاد کا حکم دیا گیا گویا یہ آیت پچھلے مضمون کی تفصیل ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا
گیا تھا کہ ماں باپ اہل قرابت مساکین اور مسافروں کے لئے مال خرچ کرو تاکہ انہیں راحت حاصل ہو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ
اسلام و مسلمانوں کی خاطر اللہ کے لئے جان خرچ کرو یعنی جہاد کرو کہ مجاہد کی قربانی سے ملک و قوم و دین و ملت سب ہی کا بھلا ہے۔
گویا پہلے بھی دینی و قومی خدمت کا ذکر تھا اور اب بھی اسی کی اعلیٰ قسم کا تذکرہ ہے اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف رجوع۔

تفسیر: کتب علیکم القتال' کتب بمعنی فرض ہے اور اس سے جہاد فرض فرمانا مقصود ہے گویا یہ خبر بمعنی حکم ہے اور
ہو سکتا ہے کہ اس سے خبر دینا مقصود ہو یعنی ازل سے ہی تمہارے ذمہ جہاد لکھا گیا تھا لوح محفوظ میں تھا کہ امت مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم جانباز اور سرفروش ہو گی یا پچھلی آسمانی کتب توریت و انجیل وغیرہ میں تمہارے اوصاف و حالات میں لکھا گیا تھا کہ
امت مصطفوی مجاہد ہو گی ان پر جہاد فرض ہو گا لہٰذا یہ فرضیت جہاد تمہاری حقانیت کی دلیل ہے جیسے تبدیلی قبلہ وغیرہ علیکم
ظاہر یہ ہے کہ اس میں سب مسلمانوں سے خطاب ہے اور کتب سے مراد فرض کفایہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں صحابہ کرام یا خاص
ان مسلمانوں سے خطاب ہو جن پر کفار حملہ کریں کہ اس صورت میں جہاد فرض عین ہے یہ بھی ممکن ہے کہ سب مسلمانوں پر
جہاد یا جہاد میں امداد دینا فرض ہو گویا قتال سے شرکت جہاد مراد ہے (از کبیر و درمنثور) مگر حق یہی ہے کہ اسلام میں تا روز
قیامت جہاد فرض ہے مگر اس فرضیت کے ظہور کے لئے کچھ شرائط ہیں جیسے نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج مسلمانوں پر فرض ہے مگر اس کے
ظہور کے لئے کچھ شرائط ہیں کہ فقیر پر فرضیت زکوٰۃ کا ظہور نہیں اور راستہ پر خطر ہونے کی صورت میں فرضیت حج کا ظہور نہیں
فرضیت اور ہے ظہور فرضیت کچھ اور القتال میں الف لام عہدی ہے کیونکہ جو فرض ہے اور اس سے کفار سے جنگ کرنا مراد ہے
یعنی اے عام مسلمانو! یا اے خاص کفار میں گھرے ہوئے مسلمانو تم پر کفار سے جنگ کرنا یا اس جنگ میں مدد دینا فرض کیا گیا۔
خیال رہے کہ جنگ و قتال چار قسم کے ہیں۔ جنگ شیطانی' جنگ نفسانی' جنگ رحمانی' جنگ حقانی' حلال اشیاء کا حرام چیز پر لڑنا جنگ
شیطانی ہے جیسے غیر عورت کے متعلق و جوا و شراب کے لئے لڑنا' یعنی ان چیزوں کے حصول کیلئے لڑیں اور زن' زر' زمین کی
لڑائیاں جائداد و زمین' مال و جان کے لئے جو لڑائیاں ہوتی ہیں وہ جنگ نفسانی ہیں۔ مسلمانوں کا کفار سے لڑنا تاکہ اسلام کو فروغ
ہو جنگ رحمانی ہے اور محض اس لئے کفار سے لڑنا کہ رب تعالیٰ راضی ہو جائے جنگ روحانی و عرفانی ہے یہاں جنگ رحمانی کا ذکر
ہے۔ وھو کرہ لکم واؤ عاطفہ ہے اور جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر جائز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حالیہ ہو اور جملہ حال ہو۔ مگر
حال موکدہ میں واؤ نہیں آتی۔ (روح المعانی) ھو کا مرجع یا تو قتال ہے یا کتب کا مصدر یعنی فرضیت جہاد۔ کرہ (کاف کے پیش سے) اور کرہ
(کاف کے زبر سے) کے ایک ہی معنی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ کرہ بمعنی مجبوری اور کرہ بمعنی ناگواری (کبیر) بعض نے فرمایا کہ
عارضی مشقت کو کرہ (مفتوح) کہتے ہیں اور دلی مشقت کو کرہ (مضموم) بہر حال یہاں یہ لفظ گرانی یا طبعی مشقت کے معنی میں ہے
نہ کہ بمعنی ناراضی کیونکہ مسلمان رب کے حکم سے ناراض نہ تھے یعنی وہ جہاد تمہیں طبعاً گراں ہے۔ کبیر نے فرمایا کہ یہ
فرضیت جہاد سے پہلے کا حال بتایا جا رہا ہے یعنی اب تک تمہیں جہاد ناپسند تھا کہ تمہارے دشمن زیادہ ہیں اور تم بظاہر کمزور مگر
خیال رکھو کہ عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم' عسیٰ کسی چیز کا قریب ہو جانا ہے۔ شک کیلئے نہیں۔
درمنثور نے فرمایا کہ قرآن کریم میں عسیٰ ضروری چیزوں پر فرمایا گیا سوا دو جگہ کے ایک تو عسیٰ ربہ ان طلقکن اور دوسرے
عسیٰ ربکم ان یرحمکم۔ تکرھوا کراہت سے بنا بمعنی گرانی یا ناگواری۔ شیئا سے تمام عبادات و فرائض مراد ہیں کیونکہ

عبادت کی مشقت نفس کو ناگوار ہے۔ خیر سے نافع اور فائدہ بخش مراد ہے۔ یعنی قریب ہے کہ تم کسی چیز کو طبعاً ناپسند کرو اور وہ درحقیقت تمہارے لئے فائدہ مند ہو۔ **وعسی ان تحبوا شیئا وھو شرلکم** یہاں محبت سے دلی میلان اور طبیعت کا رجحان مراد ہے۔ شئی سے تمام لذیذ ممنوع و حرام چیزیں مراد ہیں شر کے لفظی معنی ہیں پھیلنا۔ کہا جاتا ہے کہ شررت الثوب میں نے کپڑا سوکھنے کے لئے پھیلا دیا (کبیر) آگ کے شعلوں کو شرر کہتے ہیں کہ وہ بھی پھیلتے ہیں چونکہ برائی و مصیبت بہت جلد پھیل جاتی ہے اس لئے اسے شر کہا جاتا ہے۔ یعنی بہت ممکن ہے کہ تم کسی ممنوع چیز کو طبعاً پسند کرو اور تمہارا دل ادھر مائل ہو اور وہ تمہارے حق میں مصیبت ہو۔ خوب یاد رکھو کہ **واللہ یعلم وانتم لا تعلمون** اللہ تمہاری بھلائی برائی جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے تم تو ظاہر پر مائل ہو جاتے ہو۔ حقیقت کا علم رب کو ہے لہٰذا اس کے احکام بلا توقف قبول کر لیا کرو۔

خلاصہ تفسیر : ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ تھی بعد ہجرت جب کتابی و غیر کتابی کفار نے بہت پریشان کیا اور مسلمانوں کی زندگی دوبھر ہو گئی تب انہیں بدلہ لینے کی اجازت دی گئی کہ جو تم پر ظلم کرے اور لڑے تم بھی اس سے بدلہ لو۔ اس پر بھی مخالفین ظلم و ستم سے باز نہ آئے۔ اور ایمان والوں کو ہر جگہ اور ہر طرح ستانا شروع کیا۔ تب انہیں جہاد کی عام اجازت دی گئی۔ یہ آیت عام اجازت بلکہ فرضیت کی ہے۔ چونکہ جنگ میں جانی و مالی قربانی کرنا ہوتی ہے اور یہ نفس پر بہت شاق ہے نیز مسلمانوں کو اب تک جنگ کی عادت نہ تھی۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ اے مسلمانو تم پر راہ خدا میں کفار سے جنگ کرنا فرض کیا گیا۔ تمہیں جہاد گراں ضرور ہے مگر رب کے حکم پر سر جھکاؤ بہت ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناگوار ہو مگر حقیقت میں وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہو مگر در اصل وہ تمہارے لئے مصیبت ہو۔ لہٰذا تم رب کے حکم کی اطاعت کرو۔ اپنی پسند و ناپسند کا خیال نہ کرو۔ کڑوی دوا مریض کو ناگوار ہے مگر صحت اسی میں ہے۔ اگر شروع بیماری میں ہی علاج نہ کر لیا گیا تو آئندہ مرض لاعلاج ہو جاوے گا اگر ابھی تم نے کفار کا زور نہ توڑا تو آئندہ تمہاری زندگی ناممکن ہو جاوے گی اور پھر کفر کا سیلاب روکے نہ رکے گا۔ تمہاری نگاہ فقط ظاہری عیش و آرام پر ہوتی ہے ہم حقیقت کو جانتے ہیں لہٰذا تم ہمارا حکم بلا تامل قبول کر لو۔ اسوقت کی تکلیف تمہیں آئندہ آرام دے گی اور اس وقت کا آرام بعد میں بہت مصیبت ڈال دیگا۔ خیال رہے کہ اسلامی جنگیں چند قسم کی ہیں حربی کفار سے جنگ۔ مرتدین سے جنگ۔ باغیوں یا خوارج سے جنگ عہد صدیقی میں اکثر جنگیں مرتدین سے ہوئیں اور عہد فاروقی و عثمانی میں کفار حربی سے جنگیں رہیں اور عہد مرتضوی میں باغیوں خارجیوں سے جنگ ہوئی۔ ان جنگوں کی اقسام و احکام جدا گانہ ہیں۔ جن کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو اور خوارج و باغیوں کا فرق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر میں دیکھو۔ قرآن کریم میں عموماً کفار سے جنگ کا ذکر ہوتا ہے یہاں بھی حربی کفار سے ہی جنگ مراد امام حسین کی یزید سے جنگ ایسی تھی جیسے محافظ ملک کی ڈاکوؤں سے جنگ کہ یزید دین کا چور و ڈاکو تھا اور حضرت حسین دین کے محافظ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد بہت بہتر عبادت ہے۔ اس میں عقلی و نقلی بے شمار فائدے ہیں جو ہم پہلے تفصیل وار بیان کر چکے۔ یہاں چند عقلی فائدے عرض کرتے ہیں۔ (1) جہاد سے دنیاوی رغبت کم اور عقبیٰ کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے جو کہ اطاعت کی اصل ہے۔ (2) سپاہیانہ زندگی بقاء کا ذریعہ ہے نہ کہ عیش کی زندگی۔ کمزور مہاجن سپاہی کے بل بوتے پر زندہ رہتا ہے اور سپاہیانہ زندگی جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ (3) اگر دشمن کو ہماری بزدلی کا پتہ چل جاوے تو

ہم کو پیس دے کیونکہ طاقتور کمزور سے ہر بات منوا سکتا ہے لیکن اگر ہم طاقت ور رہے تو دشمن یا تو ہماری اطاعت پر مجبور رہو گا یا ہم سے دور ہی رہے گا۔ (4) جیسے انسان میں آگ، پانی، ہوا، مٹی، چار دشمن جمع ہیں۔ انہیں کے اجتماع کا نام مزاج ہے اس نظام کے قیام کیلئے قوت و طاقت کی ضرورت ہے۔ صدہا مقویات اسی طاقت کیلئے استعمال کرائی جاتی ہیں۔ اگر جسم میں طاقت نہ ہو تو ہر بیماری دبا لیتی ہے۔ نزلہ عضو ضعیف پر گرتا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں مختلف انسان جمع ہیں اور ایمان کے بہت دشمن۔ اگر مسلمانوں میں طاقت نہ ہو تو وہ دشمن ہلاک کر ڈالیں لہذا ضروری ہے کہ ایمانی مقویات کا استعمال رہے اور وہ جہاد ہے۔ (5) آج یورپ والوں کو عزت بھی ہے اور حکومت بھی صرف اس لئے کہ ان کے پاس قوت ہے۔ موجودہ مسلمان اسی لئے کمزور ہو گئے کہ ان میں جہاد کی طاقت نہ رہی۔ (6) گلے عضو کو کاٹ ڈالنا کھیت سے خود رو گھاس کو اکھیڑ دینا جسم اور کھیتی کی اصلاح ہے۔ طاقت کفر کو زائل کر دینا ایمان کی کھیتی کی حفاظت ہے اور یہ بات جہاد ہی سے حاصل ہو گی۔ (7) جہاد ہی سے امن و امان کا قیام ہے۔ اسی سے نسل انسانی کی بقا، چوروں کو سزا دینا ملک کی امن ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر بات میں عقل کو دخل نہ دینا چاہئے۔ بہت سی باتیں بظاہر خلاف عقل ہوتی ہیں۔ مگر مفید اس آیت سے نئی تعلیم یافتہ عبرت پکڑیں۔ شریعت کے اسرار معلوم کرنا اچھا ہے مگر عقل کی اطاعت بری۔ اطاعت اللہ و رسول ہی کی کرو خواہ عقل میں آئے یا نہ آئے۔ **تیسرا فائدہ:** نفس کی ناپسندیدگی پر عذاب نہیں بلکہ اگر اسکی مخالفت کر کے رب کی اطاعت کی جاوے تو زیادہ ثواب ہے۔ دیکھو سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو بارش میں مسجد کی حاضری نفس پر گراں ہے مگر ان پر ثواب زیادہ ہے کہ جو کوئی اپنے نفس کو مجبور کر کے یہ کام بجالاوے تو ڈبل ثواب پائے۔ **چوتھا فائدہ:** عقل انسانی برائی بھلائی کے پہچاننے میں کافی نہیں اس کے لئے شرعی معیار کی ضرورت ہے اسی لئے انبیاء کرام کو بھیجا گیا دیکھو اس آیت کریمہ میں سارے عاقلوں سے خطاب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو اور وہ ہو بری۔ اس لئے عقل پر ان چیزوں کا مدار نہیں۔

مسئلہ : جہاد فرض ہے جبکہ اس کے شرائط پائے جاویں۔ اگر کسی ملک پر کفار چڑھائی کریں تو وہاں کے مسلمانوں پر فرض عین۔ اگر وہ مقابلہ سے عاجز ہوں تو ان سے قریبی مسلمانوں پر فرض۔ ورنہ فرض کفایہ کہ اگر کسی نے نہ کیا تو سب گنہگار اور بعض نے کر لیا تو سب بری۔ جیسے کہ نماز جنازہ یا جواب سلام **مسئلہ:** مجاہد کی مدد کرنا بھی فرض کفایہ ہے اگر اس کو ضرورت ہو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے۔ **کتب علیکم الصیام** اور **کتب علیکم القتال** یکساں عبارتیں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ روزے تو فرض عین ہوں اور جہاد فرض کفایہ۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یا تو خاص ان مسلمانوں سے خطاب ہے جن پر کفار نے حملہ کر دیا ہو۔ ان پر واقعی فرض عین یا القتال سے جنگ اور جنگ میں مدد دونوں ہی مراد ہیں واقعی مسلمانوں پر لازم ہے کہ مجاہد کی امداد کریں اگرچہ دعائے خیر سے ہی ہو۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا **وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ** سب مسلمان جہاد میں نہ جاویں۔ روزے کے متعلق کوئی ایسی آیت نہ آئی لہذا وہ فرض عین رہا اور جہاد فرض کفایہ۔ بارہا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں تشریف نہ لے گئے۔ صحابہ کرام ہی کو بھیج دیا اور بارہا کچھ حضرات کو چھوڑ کر خود جہاد میں تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ فعل اس آیت کی تفسیر ہے اگر جہاد فرض عین ہوتا تو ہر جہاد میں سب جایا کرتے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حکم جہاد ناپسند تھا

حالانکہ حکم الہٰی سے ناراضی کفر ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر ہی میں گزر گیا کہ انہیں حکم سے ناراضی نہ تھی بلکہ دشمنوں کی زیادتی اپنی کمزوری اور عادت جنگ نہ ہونے کی وجہ سے جہاد شاق معلوم ہوتا تھا یہ ناگواری باعث ثواب ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں۔ دیکھو رب نے عام خطاب فرمایا کہ تم نہیں جانتے اس میں حضور علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو بھی فوائد جہاد کی خبر نہ تھی (دیوبندی) جواب: اس آیت میں اول سے آخر تک مسلمانوں سے ہی خطاب ہے۔ انہیں کو جہاد گراں معلوم ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام کو کبھی بھی اس سے ناگواری نہ ہوئی بلکہ آپ نے ہمیشہ اس کی رغبت دی اور فضائل بیان فرمائے۔ اگر آپ کو بھی فوائد جہاد کو خبر نہ تھی تو امت کو کیسے معلوم ہوئے کیا کسی دیوبندی پر وحی آئی تھی اور اگر مان لیا جاوے تب بھی اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ حضور کو فوائد جہاد کی خبر دی بھی نہ گئی واقعی بالذات علم تو اللہ کا ہے اس کی عطا سے حضور کو ملا۔

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمانو! تم پر نفس امارہ و شیطان سے جہاد کرنا فرض ہے چونکہ تم نفسانیات میں مبتلا ہو۔ اس لئے وہ تمہیں فی الحال ناگوار ہے۔ نفس کے حجاب میں سے اچھی چیز تو بری معلوم ہوتی ہے اور بری چیز اچھی۔ یہ ہی تمہارا حال ہے۔ جب یہ حجاب اٹھے گا تب تمہیں اس جہاد کا فائدہ معلوم ہوگا۔ تم جسمانی لذات کو پسند کرتے ہو اور روحانی لذات کو ناپسند۔ یہ نفس کا اثر ہے اس پسندیدگی میں بھی راز ہے کہ رب نے عبادات کو تمہارے لئے شاق اور گناہ کو پسندیدہ بنایا تاکہ تم مخالفت نفس سے ثواب پاؤ۔ نفس کی موت میں قلب کی زندگی ہے اور قلب کی موت میں نفس کی حیات۔ خیال رکھو کہ تمہیں اور رب میں تمہاری خودی آڑ ہے۔ جب آڑ کو پھاڑ دیا تو سامنے دربار یار ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

بینی و بینک انی قد یزاحمنی　　　فارفع بجودک لی انی من البین

مولیٰ تجھ میں اور مجھ میں میری خودی آڑ ہے اپنے فضل سے میری خودی دور کردے تاکہ میں نہ رہوں تو ہی ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اقتلونی اقتلونی یا ثقات　　　ان فی قتلی حیاتا" فی حیات!

خنجر و شمشیر و شد ریحان من!　　　مرگ من شد نرم و نر گسدان من

عاشق خود بخود جاتے ہیں اغیار کو جبراً ادھر کھینچا جاتا ہے قلب و روح خود جارہے ہیں۔ نفس ادھر سے کتراتا ہے۔ اسے جبراً ادھر لے چلو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما التصوف قال وجدان الفرح　　　فی الفوا عند اتیان الترح!

جملہ در زنجیر بیم و ابتلاء　　　مے روند ایں رہ بغیر اولیاء

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ چھ چیزوں سے خلق خراب ہوئی۔ نیت کا فساد، شہوات کا غلبہ، لمبی امیدیں، خلق کو راضی رکھنے کی کوشش۔ خواہشات کی پیروی اور سنت سے بے پرواہی۔ بزرگان دین کی عبادات سے غفلت اور ان کی عیب جوئی کی کوشش۔ لہٰذا نفس سے ایسا جہاد کرو کہ اس میں یہ عیوب نہ رہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادات کی گرانی بھی رب کی رحمت ہے جس سے ثواب زیادہ ہو جاتا ہے۔ جس کا دل عبادات میں لگے اس کو قرب الٰہی زیادہ ہے۔ حضور فرماتے ہیں جعلت قرۃ عینی فی

الصلوۃ اور جس پر نماز یا تلاوت گراں ہو مگر وہ نفس کو مجبور کر کے عبادات پر قائم رہے اس کا ثواب زیادہ ہے دیکھو فرشتوں کو عبادات کا ثواب نہیں کہ وہاں گرانی طبع نہیں۔ نیز بعد موت مردے قبر میں تلاوت و نماز ادا کرتے ہیں مگر ان پر ثواب نہیں بلکہ زندے انہیں ایصال ثواب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہاں گرانی نفس ختم ہو چکی جنت میں لوگ ذکر اللہ کریں گے مگر اس ذکر پر ثواب نہیں کہ وہاں نفس امارہ ختم ہو چکا گرانی جاتی رہی ثواب بھی جاتا رہا غرضیکہ گرانی طبع زیادتی ثواب کا موجب ہے اور **وھو کرہ** لکم صحابہ کی تعریف ہے۔ برائی یا تنقیص نہیں یوں ہی محبت شئی کی تین صورتیں ہیں۔ اسے اچھا جاننا طبعاً پسند کرنا دل کا میلان اگر کسی بری شئی کی طرف میلان ہو مگر اس سے رہے علیحدہ تو اس پر ڈبل ثواب ہے حضور فرماتے ہیں کہ جیسے حسینہ عورت زنا کے لئے بلائے اور وہ خوف الٰہی کی بنا پر اس سے الگ رہے تو قیامت میں عرش کے سایہ میں ہوگا۔ یہاں ان تحبوا شیئا میں یہ ہی میلان مراد ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے باریک یا دور کی چیز دیکھنے کیلئے خوردبین یا دوربین آنکھ پر لگانا پڑتی ہے ایسے ہی عقل پر عشق و اطاعت کی حقیقت بین عینک لگانا ضروری ہے۔ جس سے عقل اصل حقیقت پا سکے ورنہ ٹھوکریں کھائے گی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَ

پوچھتے ہیں آپ سے بابت مہینہ حرمت والے کے جنگ سے بیچ اس کے ۔ فرمادو جنگ کرنا بیچ اس کے بڑا

تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنے کا حکم۔ تم فرمادو اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے

صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ

ہے۔ اور روکنا راستے سے اللہ کے اور انکار کرنا اس کا اور مسجد حرمت والی سے ۔ اور نکالنا رہنے والوں کا

روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ

مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ

اس کے اس سے بہت بڑا ہے نزدیک اللہ کے اور فتنہ بہت بڑا ہے قتل سے اور رہیں گے وہ جنگ کرتے

کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے اور ہمیشہ تم سے لڑتے

يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا

تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تم کو دین سے تمہارے اگر طاقت رکھیں ؎

رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر بن پڑے ؎

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پہلی آیت میں فرضیت جہاد کا ذکر تھا اب وقت جہاد کے متعلق کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں گویا عبادات کے بعد اس کے اوقات بیان ہوئے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کبھی ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور واقعہ کچھ اور اب اسی کے متعلق ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ جس میں صحابہ کرام کا ایک

کام بظاہر گناہ تھا اور حقیقت میں ثواب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد بہت ضروری چیز ہے۔ اب دشمنی کفار کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ جہاد کی ضرورت ثابت ہو جائے۔

شان نزول: ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر سے دو مہینہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین کا سردار بنا کر کفار کی خبر لینے بھیجا اور انہیں ایک فرمان نامہ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اسے ابھی نہ پڑھو۔ دو دن کا راستہ طے کر کے کھول کر پڑھنا۔ حضرت عبداللہ نے ایسا ہی کیا جب دو دن کے بعد فرمان نامہ کھولا تو اس میں لکھا پایا کہ تم بطن نخلہ پہنچ کر قریش کے قافلہ کی خبر لو اور اپنے ساتھ جانے پر کسی کو مجبور نہ کرو۔ جو چاہے جائے جو چاہے نہ جائے۔ حضرت عبداللہ نے یہ فرمان اپنے آٹھوں ساتھیوں کو سنایا۔ وہ سب آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے جب فرع منزل میں پہنچے تو حضرت سعد ابن ابی وقاص اور عتبہ ابن غزوان کا اونٹ گم گیا جس کی تلاش میں یہ دونوں یہاں ہی رہ گئے باقی چھ عکاشہ اور ابو حذیفہ، سہیل، عامر، واقد، خالد ابن بکیر آپ کے ساتھ روانہ ہو کر بطن نخلہ میں پہنچے جو مکہ مکرمہ اور طائف کی درمیانی منزل ہے۔ یہ جمادی اخری کی اخیر تاریخیں تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد قریش کا ایک قافلہ طائف سے تجارتی سامان لئے ہوئے یہاں سے گزرا۔ جس میں عمر ابن حضرمی اور حکم ابن کیسان اور نوفل ابن عبداللہ تھے۔ یہ لوگ صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ کر ڈر گئے۔ عبداللہ ابن جحش اور ان کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ آج جمادی اخری کی آخری تاریخ ہے۔ اگر ابھی ان پر حملہ نہ کیا گیا تو آج شام کو رجب کا چاند ہو جائے گا۔ جس میں جنگ حرام ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے اس قریشی قافلہ پر حملہ کر کے عمرو ابن حضرمی کو تو قتل کر دیا اور دو کو گرفتار کر کے اور مال غنیمت لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خدا کی شان کہ اس حملہ کے دن رجب کی پہلی تھی۔ چاند انتیس کا ہو چکا تھا مگر انہیں پتہ نہ لگا اور اس دن کو تیسویں جمادی اخری سمجھے۔ اس پر کفار عرب نے شور مچا دیا کہ مسلمانوں نے ماہ حرام کی بھی عظمت نہ کی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو بھی ملی۔ تو آپ نے عبداللہ سے فرمایا کہ ہم نے تم کو کفار کی خبر لانے بھیجا تھا نہ کہ جنگ کرنے۔ تم نے جنگ کیوں کی۔ حضرت عبداللہ سخت پریشان ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو یہ مال غنیمت قبول فرمایا اور نہ ان قیدیوں کے متعلق کچھ فیصلہ کیا۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سے جو کچھ ہوا غلطی سے ہوا۔ ہم اس دن کو جمادی اخری سمجھے ہمیں چاند کا پتہ نہ لگا۔ اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں عبداللہ کی تائید اور کفار مکہ کی سخت تردید کی گئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضور نے مال غنیمت تقسیم فرمایا اور قیدیوں کا فیصلہ فرمایا۔ یہ اسلام میں پہلی جنگ تھی اور پہلی غنیمت اور پہلے قیدی ان دو قیدی میں سے حکم ابن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور بیر معونہ میں شہید ہوئے اور عثمان ابن عبداللہ اسلام نہ لایا۔ (روح البیان و در منثور وغیرہ)۔

تفسیر: **یسئلونک** اس فعل کا فاعل یا تو مسلمان ہیں کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں ہی سے خطاب تھا۔ اور انہیں کے سوالات کے جوابات دیئے گئے تھے اور یا کفار ہیں۔ کیونکہ آئندہ کفار ہی کے حالات بیان ہو رہے ہیں یعنی اے محبوب یہ عبداللہ اور ان کے ساتھی مجاہدین یا کفار عرب آپ سے پوچھتے ہیں۔ **عن الشهر الحرام** حرام سے محترم مہینہ مراد ہے۔ جس میں جنگ و جدال ناجائز ہے وہ چار مہینے ہیں۔ رجب ذیقعدہ ذی الحجہ اور محرم یعنی یہ لوگ محترم مہینے کے متعلق پوچھتے ہیں مسلمان تو مسئلہ دریافت کرنے کی نیت سے اور کفار عناد و سرکشی کے لئے **قتال فيه** یہ شہر حرام کا بدل اشتمال ہے یعنی جنگ کے متعلق

دریافت کرتے ہیں کہ ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے۔ قل قتال فیه کبیر جواب تو رب نے دیا مگر حضور سے کہلوایا۔ کیونکہ سوال بھی آپ ہی سے تھا۔ کبیر کے معنی ہیں بڑا مگر بڑی برائی پر یہ لفظ خصوصیت سے بولا جاتا ہے۔ جیسے کبرت کلمته۔ اسی لئے بڑے گناہ کو کبیرہ کہتے ہیں۔ یعنی فرماؤ کہ ماہ حرام میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں دونوں جگہ قتال نکرہ لایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان سے مختلف لڑائیاں مراد ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ لوگ عبداللہ ابن جحش کی جنگ کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یہ حلال تھی یا حرام۔ آپ فرماؤ کہ ماہ حرام میں وہ جنگ منع ہے جو جان بوجھ کر ہو۔ یہ جو کچھ ہوا خطاء ہوا جس کی کوئی پکڑ نہیں (کبیر) کیونکہ جب نکرہ دوبارہ لایا جاوے تو دوسرے نکرہ سے پہلے کے سوا وہ کچھ اور مراد ہوتا ہے۔ جیسے فی السماء اله وفی الارض اله رب تعالیٰ کی معبودیت آسمان میں اور نوعیت کی اور زمین میں دوسری نوعیت کی لہٰذا یہاں پہلے قتال سے اور قسم کا قتال مراد ہے اور دوسرے قتال سے دوسری قسم کا قتال یعنی قتال عمداً یعنی لوگ آپ سے خطاء" جنگ کے بارے میں یا مطلقاً جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرماؤ کہ عمداً جنگ بری ہے۔ لہٰذا اس میں حضرت عبداللہ کی بے قصوری بیان ہوئی نہ کہ ان کا گناہ۔ اب معترضین کی طرف اشارہ کر کے ان کے چار عیب بیان فرمائے جا رہے ہیں ایک یہ کہ وصد عن سبیل الله صد کے معنی پھرنا اور رک جانا بھی ہیں اور دوسرے کو پھیرنا اور روک دینا بھی۔ یہاں دونوں ہی بن سکتے ہیں مگر دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں سبیل اللہ سے مراد ہے یعنی اسلام سے باز رہنا یا اوروں کو روکنا۔ خیال رہے کہ کسی کو اسلامی عقائد یا نیک اعمال سے قولاً یا فعلاً روکنا طریقہ کفار ہے اور بہت برا اس میں بڑی وسعت ہے کسی کو نماز کے وقت باتوں میں لگا کر مسجد نہ جانے دینا اولاد کو اسلامی طرف سے روک کر انہیں صرف کالج سینما کی طرف بھیج دینا اپنے گھر والوں کو اچھے کام کی رغبت نہ دینا سب اسی میں داخل ہیں۔ دوسرے وکفر به یہ صد پر معطوف ہے اور به کا مرجع لفظ اللہ ہے یعنی اللہ کا انکار کرنا۔ اگرچہ کفار رب کے منکر نہ تھے مگر انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کا انکار گویا رب ہی کا انکار ہے اور رب کا انکار یا اس کی اطاعت نہ کرنا وہ عیب ہے جسے کتے بھی عیب سمجھتے ہیں وہ بھی مالک کی نمک حلالی کرتے ہیں۔ تیسرے والمسجد الحرام یہ سبیل اللہ پر معطوف ہے اور مسجد حرام سے کعبہ معظمہ یا مکہ مکرمہ مراد ہے یعنی مسجد حرام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو روکنا اور انہیں وہاں نماز ادا کرنے اور عمرہ سے محروم کر دینا یا حدیبیہ کے موقع پر انہیں مکہ معظمہ میں نہ جانے دینا کہ اگرچہ صلح حدیبیہ اس واقعہ کے بعد ہوئی مگر رب کے تو علم میں تھی ہی (کبیر) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہو کہ ابوجہل نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں سجدہ کرتے دیکھا تو انہیں ایذا دوں گا۔ جس پر سورۂ اقراء کی آخری آیات آئیں ارء یت الذی ینھی عبدا اذا صلی چوتھے واخراج اهله منه ان دونوں ضمیروں کا مرجع مسجد حرام ہے اور اہل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مراد ہیں کیونکہ یہ مکہ کے رہنے والے تھے بلکہ اب بھی اس کے حقدار مسلمان اگرچہ مسجد سے دور رہو مگر وہ مسجد والا ہے کافر اگرچہ مسجد ہی میں رہتا ہے لیکن مسجد والا نہیں نیز آئندہ بھی مکہ میں مسلمان ہی رہیں گے نہ کہ کفار۔ اس لحاظ سے بھی مسجد حرام والے وہی ہوئے (روح البیان) یعنی مسجد حرام والوں کو وہاں سے نکالنا اکبر عندالله اکبر کے بعد منه پوشیدہ ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک یہ چار گناہ ماہ حرام میں جہاد کرنے سے بدتر ہیں کیونکہ کفر وغیرہ بے دینی ہے اور یہ جنگ فقط گناہ نیز ان مسلمانوں نے غلطی سے جنگ کی۔ تم یہ گناہ جان بوجھ کر کرتے ہو۔ نیز تمہاری حرکتیں دین حق میں فتنہ ہیں اور وہ جنگ دین کی خدمت والفتنة اکبر من القتل الفتنة میں الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور القتل میں عہدی۔ یعنی اے

کفار تمہارے یہ فتنے ایسے قتلوں سے بڑھ کر گناہ ہیں۔ کیونکہ اس قتل سے دین حق کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور تمہاری حرکتوں سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں فتنہ سے یا تو کفر مراد ہے اور یا کفار کا مسلمانوں کو ایذا دینا یا انہیں وہاں سے نکالنا یا ملک میں ناحق فساد پھیلانا۔ اس کے لفظی معنی ہیں مصیبت میں پڑنا اور جانچنا جیسے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ اسی لئے دیوانہ کو بھی مفتون کہتے ہیں جیسے بایکم المفتون (کبیر) اب مسلمانوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ ولا یزالون یقاتلونکم' یزالون' زوال سے بنا جس کے معنی ہیں ہٹنا اور مٹنا۔ اس پر لا داخل ہو کر ہمیشگی کے معنی پیدا ہو گئے یعنی یہ کفار تمہاری جنگ سے نہ ہٹیں گے اور باز نہ آئیں گے بلکہ ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ خواہ گرم جنگ لڑیں شمشیر سے یا سرد جنگ کریں تدبیر سے۔ بہر حال تمہارے دین کے پیچھے پڑے رہیں گے دیکھ لو آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہندوستان کے مسلمانوں کی ایمانی قوت کیسی تھی اور آج انگریزوں کی مہربانی سے ہم کیا ہو گئے صورتیں سیرتیں سب ہی بگڑ گئیں یہ ہے ان کی سرد جنگ حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا یہاں حتیٰ یا تو بمعنی کے ہے (روح البیان) یا انتہا کے لئے یردوا' رد سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا۔ استطاعوا طوع سے بنا بمعنی فرمانبرداری۔ طاقت کو استطاعت اسی لئے کہتے ہیں کہ طاقتور کی فرمانبرداری کی جاتی ہے یعنی یہ کفار تمہیں تمہارے دین سے پھیرنے کے لئے تم سے لڑتے ہی رہیں گے۔ اگر یہ طاقت رکھیں یا یہ کفار تم سے اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک کہ تمہیں اپنے دین سے پھیر دیں اگر طاقت رکھیں۔ خلاصہ یہ کہ کفار تمہاری جان' مال' عزت کے ہی دشمن نہیں بلکہ وہ تمہارے ایمان کے دشمن ہیں۔ جس طرح ہو سکے گا تمہیں اسلام سے ہٹائیں گے تو جیسے تم جان و ایمان کی حفاظت کیلئے مضبوط عمارتیں بناتے ہو حکومتیں تمہاری حفاظت کیلئے پولیس وغیرہ رکھتی ہیں ایسے ہی تم ایمان کی حفاظت کیلئے مضبوط قلعوں میں رہو' اولیاء' علماء تمہاری حفاظتی پولیس ہے ان کے سایہ میں رہو۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کرنے کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ فرما دو کہ اس زمانہ میں جنگ کرنا بڑا ہی گناہ ہے۔ مگر اے معترضین تم لغزش کرنے والوں پر تو اعتراض کرتے ہو۔ اپنے جرموں کو نہیں دیکھتے تم ایسی حسب ذیل عیوب ہیں تم ہی نے لوگوں کو ایمان سے روکا۔ تم ہی نے رب کا انکار کیا۔ تم ہی نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور عمرہ کرنے سے باز رکھا۔ تم ہی نے حرم میں رہنے والوں کو تنگ کر کے وہاں سے نکالا۔ تم ہی آئندہ ماہ حرام میں مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکو گے کیا مکہ کی زمین حرم نہیں اور وہاں جرم کرنا گناہ نہیں۔ جس زمین پاک میں جانور کو بھی ایذا نہیں دے سکتے وہاں اللہ والوں کو ستانا کیسا سخت گناہ ہے۔ جہاں سے شکاری جانور کو بھی نکالنا حرام ہے کیا وہاں کے حقدار باشندوں کو نکال دینا بے ایمانی نہیں۔ یقیناً تمہارے یہ گناہ رب کے نزدیک قتل سے بدتر ہیں کیونکہ یہ افعال فتنہ ہیں اور فتنہ قتل سے بڑھ کر جرم ہے کہ اس کے ذریعہ عام خونریزی ہوتی ہے۔ لہذا دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال لو اور اے مسلمانوں تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ کفار ماہ حرام کی عظمت کیلئے تم پر اعتراض کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ سب کچھ تمہاری عداوت میں ہے ان کی دشمنی اور عداوت تو یہاں تک ہے کہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے ہی رہیں گے جب تک کہ تمہیں اپنا ہم مسلک نہ بنالیں۔ لہذا تم ان سے غافل نہ رہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بارگاہ الٰہی میں ایسے مقبول و محبوب ہیں کہ ان کے فعل پر اعتراض ہو تو رب تعالیٰ ان کی صفائی بیان فرماتا ہے کہ نہیں وہ گنہگار نہیں ہیں تم غلطی پر ہو۔ دیکھو عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی تو رب نے ان کی براءت بیان کی حضرت صدیق کی نیت و اخلاص پر اعتراض ہوا تو رب نے ان کی صفائی بیان کی کہ فرمایا **وما لاحد عنده من نعمة تجزى الا ابتغاء وجه ربه الاعلى** صحابہ کرام کے صدقات پر لوگوں نے ریاکاری کا الزام لگایا تو فرمایا **ومنهم من يلمزك فى الصدقات** الخ ان کے بارے میں فرمایا **ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم** اگر آپ ستر بار بھی ان کے لئے دعاء مغفرت کریں ہم نہیں بخشیں گے۔ حضرت ابو امیہ زہری نے تو منہ سے کفر بولا۔ رب نے ان کی صفائی بیان فرمائی کہ **الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان**۔ دوسرا فائدہ: صحابہ کرام کے اعمال ان کی نیتوں پر اعتراض کرنا طریقہ کفار ہے اور ان کی صفائی بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے الحمد للہ۔ اہل سنت والجماعۃ سنت الٰہیہ پر عامل ہے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ دشمنان صحابہ کے عیب کھول دیتا ہے۔ جیسے حضور کے دشمن ولید ابن مغیرہ کے دس عیب کھولے۔ **عتل بعد ذلك زنيم** ایسے ہی یہاں ان معترضین کے چار عیب بیان فرمائے۔ چوتھا فائدہ: بدنیتی سے کچھ پوچھنا بھی گناہ ہے۔ کفار کا یہ سوال عناداً تھا۔ جس پر عتاب ہوا۔ پانچواں فائدہ: بھول چوک اور خطا معاف ہے۔ عبداللہ ابن جحش نے خطاءً "ماہ رجب میں جنگ کرلی جو کہ گناہ تھا مگر رب نے ان کی حمایت کی۔ چھٹا فائدہ: معترض کو چاہئے کہ اعتراض سے پہلے اپنے پر بھی نظر کرلے۔ اپنے عیوب بھی دیکھے۔ عیب دار کو دوسروں کی عیب جوئی کرنا برا ہے۔

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہان میں کوئی برا نہ رہا

دوسروں کی عیب جوئی اور اپنے عیبوں سے چشم پوشی کفار کا طریقہ ہے۔ ساتواں فائدہ: زمین حرم کی عزت ماہ حرام سے بڑھ کر ہے۔ وہاں گناہ کرنا سخت جرم ہے مگر کفار کی نگاہ میں کسی کی عزت نہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں مسلمانوں کی ایذا کیلئے کرتے ہیں۔ آٹھواں فائدہ: کافر مسلمان سے کبھی بھی محبت نہیں کرسکتا۔ وہ تو مسلمان کے ایمان کا دشمن ہے انکو راضی کرنے کی کوشش بے کار ہے سب کو راضی نہ کرو رب کو کرو۔

مسئلہ : ماہ حرام میں ممانعت جنگ منسوخ ہوچکی۔ اب ہر وقت کفار سے جنگ جائز ہے۔ رب فرماتا ہے **فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم** جب صلح کے مہینے گزر جاویں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو (روح المعانی) عبداللہ ابن عباس سفیان ثوری وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اسی پر عام علماء متفق (کبیر) بلکہ روح المعانی نے فرمایا کہ اس آیت کے منسوخ ہونے پر امت کا اتفاق ہے۔ مسئلہ: خطاء اجتہادی معاف ہے بلکہ اگر مجتہد صحیح اجتہاد کرے تو دو ثواب پائے گا ایک اجتہاد کا دوسرے صحت کا اور اگر غلطی کرے تو تب بھی اجتہاد کا ایک ثواب ضرور پائے گا۔ دیکھو عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ نے اجتہادی غلطی کی مگر اس جہاد کا ثواب پایا جو کوئی جنگل میں کعبہ کا رخ نہ پاسکے اور دوسری طرف نماز پڑھ لے تب بھی نماز کا ثواب پالیگا کیونکہ خطاء اجتہادی معاف ہے۔ نواں فائدہ: حق پر لڑنا فتنہ نہیں ناحق جنگ کرنا ظلم بھی ہے اور فتنہ

بھی۔ دیکھو قرآن کریم نے کفار کی ایذا رسانی کو فتنہ فرمایا نہ کہ عبداللہ ابن جحش کی جنگ کو لہٰذا اگر عالم دین کی حق گوئی پر لوگ فتنہ برپا کریں تو وہ لوگ گنہ گار ہوں گے نہ کہ یہ عالم جو لوگ علمائے حق کو فتنہ گر کہتے ہیں وہ اس آیت سے عبرت حاصل کریں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام فاسق تھے دیکھو عبداللہ ابن جحش کی اس جنگ کو رب نے گناہ کبیرہ فرمایا اور گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق۔ پھر اہل سنت تمام صحابہ کو متقی کیوں مانتے ہیں۔ (رافضی) جواب : اس کے چند جواب ہیں ایک تو وہی جو تفسیر میں گزرا کہ یہاں قتل سے جان بوجھ کر ماہ حرام میں جنگ کرنا مراد ہے اور عبداللہ ابن جحش کی یہ جنگ غلطی سے تھی اسی لئے رب نے کبیر نہ فرمایا۔ بلکہ علیحدہ قتال کا ذکر کیا۔ دوسرے یہ کہ یہ جنگ واقعی گناہ تھا۔ مگر جنگ کرنے والے گناہ گار نہ ہوئے۔ رب نے جنگ کو گناہ فرمایا۔ مجاہدین کو گناہ گار نہ کہا۔ فعل کا گناہ ہونا اور بات ہے۔ اور فاعل کا گناہ گار ہونا دوسری بات۔ روزے میں کھانا گناہ ہے مگر بھول کر کھانے والا گناہ گار نہیں۔ کفر کی بات منہ سے نکالنی گناہ ہے مگر مجبور کے منہ سے نکل دینے سے وہ مجبور گنہگار نہیں۔ یہ ہی نیکیوں کا حال ہے کہ عمل کا نیکی ہونا اور ہے اور عامل کا نیک ہونا کچھ اور تلاوت قرآن نماز نیکیاں ہیں مگر منافق و کفار یہ دونوں کام کریں نیک کار نہیں۔ تیسرے یہ کہ فاسق وہ جو گناہ کبیرہ سے توبہ نہ کرے۔ توبہ کرنے والا مثل بے گناہ کے ہو جاتا ہے۔ ہم نے صحابہ کرام کو متقی مانا ہے نہ کہ معصوم یعنی وہ حضرات گناہ پر قائم نہیں رہتے حضرت ماعز سے زنا کا قصور ہو گیا مگر خود سزا لے کر تائب ہوئے اور متقیوں کے سردار رہے۔ غرضیکہ معصوم' محفوظ اور عادل و ثقہ میں بڑا فرق ہے معصوم وہ جو گناہ کر نہ سکے جیسے انبیاء اور فرشتے محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے جیسے بعض اولیاء و بعض صحابہ اور ثقہ عادل وہ جو گناہ پر قائم نہ رہے جیسے تمام صحابہ۔ دوسرا اعتراض: قرآن پاک نے اس جگہ کفار کے اعتراض کا جواب تو نہ دیا بلکہ معترضین کے عیب گنا دیئے کہ تم اپنے عیوب کو دیکھو۔ یہ تو لاجواب ہو جانے کی علامت ہے کہ جب معترض کا جواب نہ بن تو اس کو دو چار سنا دی جاویں (آریہ) جواب: یہاں اعتراض کے دو جواب دیئے گئے ایک 'قتال فیہ کبیر' سے اور دوسرے 'وصد' سے پہلے جملہ میں نہایت مکمل جواب ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ دیدہ و دانستہ اس ماہ میں جنگ کرنا گناہ ہے۔ مگر ان لوگوں سے خطاء" یہ کام سرزد ہوا یہ حضرات گناہگار نہیں۔ اور دوسرے میں معترضین کی اصلاح کہ اگر تمہیں اعتراض کرنے کا شوق ہے تو پہلے خود پاک و صاف ہو۔ یہ حکیمانہ طریقہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : نفس و شیطان کفار ہیں اور روح مومن راہ محبت طے کرنے کا زمانہ ماہ حرام ہے اور قلب بیت الحرام۔ ایمانی خیالات اس حرم کے باشندے فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ سلوک الی اللہ کی حالت میں جہاد نفس کیسا ہے۔ فرما دو کہ ایسے نازک موقعہ پر یہ جہاد بہت بڑی ہمت و جرات کا کام ہے۔ کیونکہ ایک وقت میں دو کام یعنی راستہ طے کرنا اور ڈاکوؤں سے جنگ کرنا بہت شاق ہے مگر اے مسلمانو! نفس و شیطان کا قلبی باشندوں کو حرم قلب سے نکالنا اور انہیں عبادات کے راستہ سے روکنا بہت سخت جرم ہے۔ اسی طرح شرک و کفر و سرکشی کا فتنہ قتل نفس سے بھی سخت ہے لہٰذا تم ریاضت و مجاہدہ کی تلوار لے کر شیطان و نفس سے ہر وقت جنگ کرتے رہو۔ کبھی خیال نہ کرنا کہ یہ تمہارے دوست بن جاویں گے یہ تو تمہارے ایمان کے پیچھے پڑے ہیں جب تک کہ تمہیں راہ ہدی سے پھیر کر راہ ہوی پر نہ لگویں انہیں چین نہ آوے گا لیکن اگر تم شریعت کی پناہ میں رہے تو انشاء اللہ انہیں تم پر قابو نہ ہو گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ تمام گناہوں سے سخت تر گناہ

رب کے محبوب بندوں پر طعنہ کرتا ہے۔ دیکھو جن لوگوں نے ان صحابہ پر طعن کیا رب تعالیٰ نے ان کے چار عیب گنا دیئے۔ جیسے ولید ابن مغیرہ نے حضور کو مجنون کہا تو رب نے ولید کے دس عیب بیان کئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

نیز مومن کو چاہئے کہ شیخ کامل کی اگر کوئی بات بظاہری بری معلوم ہو تو اس پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرے ورنہ معتوب ہو گا ایسے رہے جیسے موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ دیکھو کفار نے ان صحابہ کے اس فعل پر اعتراض کیا جو بظاہر برا تھا مگر پھر بھی رب کے عتاب میں آگئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو! ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن!

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اور جو پھر جاوے تم میں سے دین سے اپنے پھر مر جاوے حالانکہ وہ کافر ہو پس یہ لوگ ہیں کہ ضبط ہو
اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت
اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
گئے اعمال ان کے بیچ دنیا اور آخرت کے اور یہ لوگ آگ والے ہیں وہ
گیا دنیا اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾
بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں
انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے

تعلق : اس جملہ کا پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ کفار تمہیں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کریں گے۔ اب اسلام سے پھرنے کی سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ گویا پہلے شیطان کے بہکانے کا ذکر تھا۔ اب بہکنے والوں کی سزا کا تذکرہ ہے دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کے مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کا ذکر تھا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ جو کوئی ان کے بہکانے میں آجائے تو پھر بھی موت سے پہلے اسلام میں آسکتا ہے۔ مرنے سے پہلے اس کے لئے دروازہ رحمت کھلا ہوا ہے۔

تفسیر : ومن یرتدد منکم یہ لفظ ارتداد سے بنا۔ جس کے معنی ہیں اس راستہ پر لوٹ جانا جس سے آیا تھا۔ فارتدا علی

اثارھما قصصا مگر شریعت میں اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جانے کو ارتداد کہا جاتا ہے۔ اور ردۃ تو خاص اس کے معنی کے لئے ہے۔ **منکم** میں ہر عاقل بالغ مسلمان سے خطاب ہے کیونکہ بچے اور دیوانے کا اسلام تو معتبر ہے مگر ان کا ارتداد معتبر نہیں۔ **عن دینہ** دین کی تحقیق سورہ فاتحہ میں کی جاچکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اصول عقائد کو دین اور فروعات کو مذہب کہتے ہیں۔ کسی مسئلہ شرعی سے رجوع کرنا یا فرعی عقیدہ کا انکار ارتداد نہیں کہلائے گا۔ دین کو مسلمان کی طرف نسبت کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اسلام ہی سب کا اصل دین ہے۔ جس پر وہ پیدا ہوا۔ کفر عارضی بیماری ہے۔ نیز صرف اسلام انسان کے ساتھ جاتا ہے باقی تمام دین مرتے وقت ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مسلمان مرتے وقت بھی مومن ہوتا ہے اور قبر میں بھی ایمان پر قائم رہتا ہے۔ توحید، رسالت، اسلام کو پہچانتا ہے مگر کافر مرتے وقت اپنا دین چھوڑ دیتا ہے۔ فرشتوں وغیرہ کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس وقت کا ایمان معتبر نہیں اور نکیرین کے سوال پر کہ رب تیرا کون ہے دین تیرا کیا نہ رب ہی کو پہچان سکتا ہے نہ اپنے اس دین کو جو اس نے دنیا میں اختیار کیا معلوم ہوا کہ اسلام ہی انسان کے ساتھ جاتا ہے۔ باقی دین یہاں رہ جاتے ہیں ان وجوہ پر فرمایا گیا **دینہ** یعنی تم مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی اپنے اصل دین یعنی اسلام سے پھر جائے۔ **فیمت وھو کافر** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے اور واؤ حالیہ یعنی پھر وہ مرتے وقت تک اسلام میں نہ لوٹا بلکہ بحالت کفر ہی مرگیا تو **فاء ولئک حبطت اعمالھم اولئک** سے من کی طرف اشارہ ہے چونکہ من سے ایک جماعت مراد تھی۔ اس لئے اشارہ جمع لایا گیا **حبطت** حبط یا حبوط سے بنا حبط کے معنی ہیں جانور کا اتنا زیادہ چارہ کھالینا کہ اس سے پیٹ پھول جائے یا مضر گھاس چر کر بیمار ہو جانا۔ اصطلاح میں ضبط اور برباد ہو جانے کو حبط کہتے ہیں کیونکہ یہ بربادی بھی بری غذا کی طرح ہلاک کردیتی ہے۔ اعمال سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو اس نے بحالت اسلام کیں۔ کیونکہ ارتداد سے صرف نیکیاں برباد ہوتی ہیں نہ کہ گناہ جیسے کہ اسلام لانے سے زمانہ کفر کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ نہ کہ نیکیاں **فی الدنیا والاخرۃ** اس کا تعلق حبطت سے ہے۔ دنیا سے مراد موت سے پہلے کی حالت ہے اور آخرت سے برزخ اور محشر مراد۔ یعنی ان مرتدین کی نیکیاں دنیا میں بھی برباد کہ نہ اس کا نکاح قائم نہ وہ اپنے قرابتدار کی میراث پائے اور نہ اس کی کوئی امداد کرے بلکہ مرتد مرد کو زندہ رہنے کا بھی حق نہیں اور آخرت میں بھی برباد کہ اس کی نیکیاں قبر میں کام آئیں نہ حشر میں۔ نہ ان پر کوئی ثواب ملے۔ نہ ان کی نماز جنازہ ہو نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ **واولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون** نار سے مراد دوزخ ہے۔ کیونکہ اس کے اکثر طبقوں میں آگ ہی ہے اور بعض میں ٹھنڈک۔ خلود سے ہمیشگی مراد ہے یعنی مرتد بھی دوسرے کفار کی طرح جہنم میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ بلکہ اس کے احکام زیادہ سخت ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کفار تو تمہیں بہکانے کی کوشش کرتے ہیں تم خیال رکھنا کہ تم میں سے جو بھی ان کے بہکانے میں آکر اسلام سے پھر جاوے اور پھر بحالت کفر ہی مرجائے تو اس کی ساری نیکیاں دین و دنیا میں برباد ہیں کہ نہ تو دنیا میں اس پر اسلامی احکام جاری ہوں اور نہ آخرت میں۔ دنیا میں تو اس کا خون محفوظ نہ رہے گا۔ جہاں پایا جائے گا قتل کردیا جائے گا۔ اس کا مال بھی غیر محفوظ ہو گا کہ بادشاہ اسلام ضبط کرلے گا۔ نہ اس کا کوئی وارث ہو اور نہ وہ کسی کا اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی اور آئندہ وہ کسی سے بھی نکاح نہ کر سکے گا۔ مسلمانوں پر اس کی مدد و حمایت کرنا حرام ہو گا اور مرے بعد اس کا نماز جنازہ نہ ہو گا مسلمانوں کے

قبرستان میں دفن نہ کیا جائے گا۔ اسلامی کفن بھی نہ ملے گا اس کو ایصال ثواب بھی نہ کیا جائے گا اور حشر میں اس کی کوئی نیکی کام نہ آئے گی جنت سے محروم ہو کر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مرتد وہ ہے جو اسلام سے نکل جاوے یا تو اس طرح کہ کھلم کھلا عیسائی یا آریہ ہو جائے اور یا اس طرح کہ وہ تو اپنے کو مسلمان ہی کہتا ہے مگر کسی عقیدہ اسلامی کے انکار کی وجہ سے شریعت اسے کافر فرمائے۔ جیسے قادیانی، تبرائی رافضی اور توہین پیغمبر کرنے والے دیوبندی وغیرہ کیونکہ سارے عقائد اسلامیہ کے ماننے کا نام اسلام ہے۔ ان میں سے ایک کا بھی انکار کفر ہے اور یا اس طرح کہ مسلمان کے منہ سے کفریہ کلمہ نکل جائے۔ یہ بھی ارتداد ہے۔ دیکھو منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کو نبی مان لینے والوں نے سارے اسلامی عقائد کا انکار نہ کیا تھا۔ صرف زکوۃ کی فرضیت کا اور دوسروں نے حضور کی ختم نبوت کا انکار کیا تو حضرت صدیق نے ان پر حکم ارتداد دیکر ان سے جنگ کی ٹھان لی۔ یوں ہی شیطان نے سارے عقائد اسلامی کا انکار نہ کیا تھا صرف نبی کی اہانت کی، مرتد ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم** اور فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** غرضیکہ ارتداد کیلئے یہ ضروری نہیں کہ بالکل اسلامی عقائد کا انکار کرے بلکہ اس کی تین صورتیں ہیں اور وہ تینوں صورتیں اس آیت میں داخل ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** بچے اور دیوانے کا ارتداد صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں ارتداد کی سزا ضبطی اعمال فرمائی گئی اور ان دونوں کے اعمال ہی معتبر نہیں جس کے اعمال معتبر اسی کا ارتداد بھی معتبر۔ **تیسرا فائدہ:** مرتد کا ذبیحہ، نماز، روزہ سب غیر مقبول یعنی اگر وہ بحالت ارتداد کوئی جانور ذبح کرے تو مردار اور نماز روزہ ادا کرے تو بے کار۔ کیونکہ یہ بھی اعمال ہیں۔ اسی طرح مرتد کا نکاح بھی صحیح نہیں کہ یہ بھی ایک عمل ہے۔

مسئلہ : دنیاوی احکام میں مرتد کے اعمال صرف مرتد ہونے سے ہی باطل ہو جاتے ہیں لہٰذا اگر حاجی مرتد ہو کر دوبارہ اسلام لائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اگر کوئی نماز پڑھ کر مرتد ہوا۔ اور وقت نماز باقی تھا کہ اسلام لے آیا تو اس نماز کی قضا کرے۔ ہاں گزشتہ نمازوں کی قضا واجب نہیں مگر ان پر ثواب کی بھی امید نہیں دوبارہ اسلام لانے سے یہ گناہ اٹھ جائے گا ثواب واپس نہ ہوگا۔ (روح البیان و کتب فقہ)۔ **مسئلہ:** مرتد کی زمانہ کفر میں نیکیاں بے کار مگر کافر کی نیکیاں ایمان پر موقوف رہتی ہیں یعنی اگر کافر زمانہ کفر میں صدقہ خیرات کرے اور بعد میں اسلام لے آئے تو اس کا ثواب پائے گا لیکن مرتد اس ثواب کا مستحق نہیں۔ **مسئلہ:** زمانہ اسلام کی چھوڑی ہوئی نمازیں ارتداد کے بعد قضا کرنی پڑیں گی یہ تمام مسائل شامی و عالمگیری میں دیکھو۔ **مسئلہ:** ارتداد کے اخروی احکام موت پر موقوف ہیں یعنی اگر مرتد اسلام لا کر مرا تو اس کے سارے گناہ معاف ہیں ورنہ سب کی پکڑ۔ **مسئلہ:** مرتد مرد کو بادشاہ اسلام قتل کرے گا اور مرتد عورت کو قید دوام۔ **مسئلہ:** کافر اصلی سے جزیہ لیا جاسکتا ہے مرتد سے نہیں مرتد کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا اسلام یا قتل جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

پہلا اعتراض : اس سے معلوم ہوا کہ مرتد وہ ہے جو اسلام میں آکر کافر بنے۔ تو چاہئے کہ پیدائشی رافضی اور قادیانی وغیرہ مرتد نہ ہوں۔ کیونکہ یہ اسلام میں کبھی آئے ہی نہیں حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ سب لوگ مرتدین ہیں۔ **جواب:** بچے کا اسلام معتبر ہے کفر معتبر نہیں لہٰذا ان لوگوں کا بچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان تو ہو جاتا ہے اور کفریات بول کر کافر نہیں ہوتا پھر جب بالغ ہو

کر کفر بکتا ہے تو اب اس بچپن کے اسلام سے نکل جاتا ہے لہٰذا وہ مرتد ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی عقیدہ اسلامی کا انکار کردے وہ کافر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا وہ جنتی ہو گیا نیز امام اعظم فرماتے ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو۔ نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس شخص میں 99 باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات بھی ایمان کی ہو۔ اسے کافر مت کہو۔ تمہاری تفسیر حدیث و فقہ کے خلاف ہے۔ (نیچری)۔ **جواب:** یہ حدیث مشرکین کے متعلق ہے جو توحید کے منکر تھے۔ ان کا کلمہ پڑھنا ہی ان کے اسلام کی علامت تھی مگر جو توحید والے اور قسم کا کفر کریں ان کا یہ حکم نہیں ان کے لئے وہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا ایک قوم پیدا ہو گی جو بہت نمازی اور قرآن خواں ہوں گے مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ دیکھو مسلم، بخاری اور مشکوٰۃ باب قتل مرتدین۔ نیز فرمایا کہ میری امت کے 73 فرقے ہوں گے صرف ایک جنتی باقی سب دوزخی یا یہ تمہاری حدیث اس وقت کی ہے۔ جب اسلام میں کوئی احکام نہ آئے تھے صرف کلمہ طیبہ پڑھنا کافی تھا جیسے قبل ہجرت فرضیت نماز سے پہلے کا زمانہ پھر جب کچھ شرعی احکام بھی آ گئے تب وہ حدیث ارشاد ہوئی **من صلی صلوٰتنا واکل ذبیحتنا** بعد ہجرت جب نمازی مسلمانوں کی شکل میں منافق بھی ہو گئے تو یہ حکم آیا **واللہ یشھد انھم لکٰذبون** پھر آئندہ کے متعلق جب مسلمانوں میں صدہا فرقے ہوں گے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ایک جنتی باقی دوزخی غرضیکہ یہ مختلف احادیث مختلف زمانوں کے لحاظ سے ہیں۔ اگر فقط توحید ماننا ہی اسلام کے لئے کافی ہو تا تو چاہئے کہ آریہ مسلمان ہوں۔ فقہ میں اہل قبلہ وہ ہی کہلاتا ہے جو سارے عقائد اسلامیہ کا ماننے والا ہو۔ صرف کعبہ کی طرف نماز پڑھنے والے کو اہل قبلہ نہیں کہتے دیکھو شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری منافقین بھی کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے کیا وہ مسلمان تھے یہ کہنا غلط ہے کہ جس میں ایک بات بھی ایمان کی ہو وہ مومن ہے۔ یہ کسی عالم نے نہ کہا۔ ہاں فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کے کلام میں 99 معنی کفر کے نکلتے ہوں اور ایک معنی اسلام کے تو نیک گمانی کرتے ہوئے اس سے اسلام ہی کے معنی مراد لو۔ اور کہنے والے کو کافر نہ کہو۔ اگر تمہاری بات صحیح ہوتی تو دنیا میں کوئی بھی کافر نہ ہوتا کیونکہ مشرکین بھی زنا، چوری اور جھوٹ کو برا جانتے ہیں اور عدل و انصاف کو اچھا تو چاہئے کہ وہ مسلمان ہوں کیونکہ یہ بھی ایمانی باتیں ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فقط مرتد ہونے سے اعمال ضبط نہیں ہوتے بلکہ بحالت ارتداد مر جانے سے، پھر بھی حنفی لوگ فقط ارتداد پر اعمال کیوں باطل کر دیتے ہیں۔ (شافعی) **جواب:** یہاں ضبطی اعمال اور ہمیشہ کا جہنمی ہونا موت کفر پر موقوف رکھا گیا ہے اور واقعی ان دونوں کا مجموعہ موت کفر پر موقوف ہے۔ دوسری جگہ قرآن نے فرمایا **ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ** یعنی جو بھی ایماندار کافر ہو اس کے اعمال ضبط ہو گئے۔ یہاں موت کی قید نہیں۔ لہٰذا ان دونوں آیتوں کی اس طرح جمع کیا گیا کہ اعمال کی ضبطی صرف مرتد ہونے سے ہے اور جہنمی ہو جانا کفر کی موت سے۔ **چوتھا اعتراض:** مرتد کو قتل کرنا اور مرتدہ کو قید کرنا ظلم ہے۔ مذہب میں آزادی چاہئے نیز یہ مسئلہ قرآن کریم سے ثابت نہیں۔ مولویوں کی ایجاد ہے۔ رب تو فرماتا ہے **لا اکراہ فی الدین** دین میں جبر نہیں۔ پھر مرتد کو اسلام پر مجبور کیوں کیا جاتا ہے۔ (قادیانی)۔ **جواب:** اسلام نے مذہبی آزادی دی ہے کہ جو چاہے مسلمان ہو جو چاہے نہ ہو لیکن مسلمان ہونے کے بعد اس پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ اسلام چھوڑنے کی اجازت دینا ہی آزادی نہیں بلکہ فساد کی اجازت دینا ہے۔ مرتد حکومت الٰہیہ کا باغی ہے جس کی سزا یا توبہ یا قتل۔ نیز قرآن کریم نے ڈاکوؤں کے قتل کا حکم دیا۔ ڈاکو مسافروں کا مال لوٹتا ہے اور مرتد لوگوں کا ایمان۔ جب ایمان مال سے افضل تو اس کی سزا بھی

قتل چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جادوگر کو قتل کرو نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دفعی ہو الو کو قاتل کو قتل کیا جائے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جو دین اسلام چھوڑ دے اسے قتل کرو صحابہ کرام نے بھی اس پر بہت عمل کیا۔ اس مسئلہ کو مولویوں کی ایجاد کہنا بے دینی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں اس کا ایک باب باندھا باب قتل اہل الردۃ۔ گلا ہوا عضو کاٹ دو ورنہ سارے جسم کو خراب کر دیگا۔ مرتد بھی مسلمانوں کا گلا ہوا عضو ہے۔ آیت لا اکراہ کے یہ معنی ہیں کہ کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہ کرو نہ یہ کہ مسلمان رہنے پر بھی مجبور نہ کرو۔ خیال رہے کہ مرتد کے قتل کی اصل قرآن مجید سے ملتی ہے۔ رب تعالیٰ نے بچھڑا پوجنے والے یہود سے فرمایا تھا **توبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم** رب کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دو دیکھو یہ بنی اسرائیل مومن ہو کر مرتد ہوئے تھے بچھڑا پوج کر۔ انہیں اپنے کو قتل کے لئے پیش کرنے کا حکم دیا اور گزشتہ دینوں کے احکام جب بغیر نسخ و تردید قرآن میں نقل فرمائے جاویں وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل جیسے رب نے زبور شریف کے احکام قصاص نقل فرمائے کہ **ان النفس بالنفس والعین بالعین** پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے مرتد ہو جانے کا خطرہ تھا اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں خطاب کرکے مرتد پر عذاب کا ذکر فرمایا چنانچہ بعد میں تمام صحابہ مرتد ہو گئے۔ (روافض) جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک الزامی دو تحقیقی "الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر اہل بیت کے ایمان کی بھی خیر نہیں کیونکہ اس آیت میں تمام صحابہ و اہل بیت سے خطاب ہے کسی کو علیحدہ نہیں فرمایا گیا تو لازم آیا کہ ان سب کا ایمان مشکوک تھا نعوذ باللہ۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ بیان قانون میں کہا کسی سے جاتا ہے او رسنایا کسی اور کو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے جب انبیاء کرام سے عہد و میثاق لیا تو ان سے فرمایا **فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون** جو اس عہد سے پھر گیا وہ فاسق یعنی کافر ہو گا۔ بولو انبیاء تو معصوم ہیں جن کے گناہ کا بھی احتمال نہیں پھر ان سے یہ کیوں فرمایا جناب وہاں ہم کو سنانا مقصود ہے کہ جب معصوموں سے یہ فرمایا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ تیسرے یہ کہ یہاں خطاب صحابہ سے ہے ہی نہیں بلکہ بعد والوں سے ہے۔ پھر کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : راہ سلوک بہت دراز اور سخت ہے۔ مسافر کو چاہئے کہ اسے طے کرتے وقت کسی طرف دھیان نہ کرے جو کوئی بہکانے والوں کی آواز پر چل پڑا۔ اس کی گزشتہ محنت برباد ہو گئی اور طے کیا ہوا راستہ بیکار رہا کہ نہ دنیا میں اس کا کچھ فائدہ اور نہ آخرت میں وصال یار حاصل۔ یہ ہمیشہ حجاب اور عذاب کی آگ میں جلیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ارتداد کی وجہ یقین نہ ہونا ہے۔ موحد حقیقی کے پاس شیطان نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ قیود سے نکل کر رب معبود کی بارگاہ میں حاضر ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم عمل سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ قلب کی صیقل ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن کلمہ طیبہ تمام اعمال سے زیادہ وزنی ہو گا کیونکہ یہ علم ہے اور وہ چیزیں عمل۔

ہدایت : ہر مسلمان کو چاہئے کہ سوتے وقت چھٹا کلمہ اور سورۂ کافرون پڑھ لیا کرے انشاء اللہ اسلام پر قائم رہے گا نیز اکثر ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور بدمذہبوں کی صحبت سے بچے۔ اچھی صحبت اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق کن بانگ غولاں رابسوز　　چشم نرگس راہ ازیں کرگس بدوز

کوئی شخص اپنے پر اعتماد نہ کرے۔ کنعان پیغمبر زادہ تھا۔ مگر بری صحبت سے کافر ہو گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو توریت پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔ حالانکہ ان سے شیطان بھاگتا ہے تو کیا ہمارا ایمان فاروقی ایمان سے قوی ہے ہم کو بھی چاہئے کہ نہ ہر صحبت میں بیٹھیں اور نہ ہر رسالہ و کتاب کا مطالعہ کریں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نگاہ دارد آں شوخ در کیسہ در   کہ داند ہمہ خلق راہ کیسہ بر

جیسے جڑ کٹ جانے سے شاخیں سوکھ جاتی ہیں۔ ایسے ہی ایمان جاتے رہنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا بیچ راستہ اللہ کے۔
وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے
اُولٰٓىِٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۲۱۸)
یہ لوگ اُمید رکھتے ہیں رحمت اللہ کی۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
وہ رحمت الٰہی کے اُمیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اسلام سے پھر جانے والوں کا عذاب بیان کیا گیا۔ اب ایمان پر قائم رہنے والوں اور پرہیزگاروں کے ثواب کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ارتداد نیکیاں مٹا دیتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اسلام پر قائم رہنا گناہ معاف کرا دیتا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ ماہ حرام میں بے خبری سے جنگ کرنا گناہ نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بلکہ اس میں ثواب کی امید ہے۔

شان نزول : عبداللہ ابن جحش کی جماعت کے متعلق بعض لوگوں نے کہا کہ چونکہ انہیں خبر نہ تھی کہ یہ دن رجب کا ہے۔ اس لئے اس روز جنگ کر لینا گناہ تو نہ ہوا مگر اس جہاد کا کچھ ثواب بھی نہ ملے گا۔ یہ خیال دور کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری (خزائن) کبیر اور روح نے فرمایا کہ خود عبداللہ ابن جحش نے ہی بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ صلی اللہ علیک وسلم الحمد للہ اس جنگ سے ہم پر کوئی گناہ تو نہ ہوا۔ مگر کیا کچھ ثواب کی بھی امید ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر : **ان الذین امنوا** اس سے سارے مسلمان مراد ہیں اگرچہ اس کا نزول ایک خاص جماعت کے بارے میں ہے اور یہاں ایمان سے ایمان پر قائم رہنا مراد ہے۔ (روح البیان) یعنی وہ لوگ جو مرتد نہ ہوئے بلکہ اخیر تک ایمان پر قائم رہے۔ کیونکہ یہاں ایمان ارتداد کے مقابل ارشاد ہوا ہے۔ ارتداد کے معنی تھے مومن نہ رہنا۔ ایمان سے پھر جانا تو لامحالہ ایمان کے معنی

ہوں گے ایمان پر قائم رہنا اس سے نہ پھرنا بھی لفظ کے معنی اپنے مقابل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔ **انک لا تسمع الموتی** پھر آگے فرماتا ہے کہ **ان تسمع الا من یؤمن بایتنا** اس ایمان کے مقابل سے معلوم ہوا کہ وہاں مردے' اندھے' بہرے سے مراد کفار ہیں یعنی دل کے مردے دل کے اندھے' دل کے بہرے نہ کہ یہ مردے اندھے بہرے۔ خیال رہے کہ ایمان پر قائم رہنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں راحت و کلفت' بروں کی صحبت و الفت وغیرہ کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں کہ خدا کی پناہ ان آندھیوں میں مضبوط درخت کی طرح ایمان پر قائم رہے اور ایمان پر قائم رہنے کا وقت مرتے تک ہے کہ مرنے کے بعد ارتداد وغیرہ کا خطرہ ہی نہیں مر کر تو کافر بھی سب کچھ مان لیتا ہے چہ جائیکہ مومن منکر ہو جاوے۔ **والذین ھاجروا** یہ ہجر سے بنا۔ جس کے معنی ہیں الگ ہو جانا اور چھوڑ دینا لغو کلام کو بھی ہجر کہتے ہیں کہ وہ چھوڑنے کے قابل ہے۔ دوپہری کو ہاجرہ یا **ھجیرہ** کہا جاتا ہے۔ کہ اس وقت کام چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ملاقات کو وصل اور فراق کو ہجر بھی اسی لئے کہا جاتا ہے۔ شریعت میں ہجرت کے معنی ہیں رضاء الہٰی کے لئے وطن اور اہل قرابت کو چھوڑ دینا۔ یہاں شرعی معنی ہی مراد ہیں۔ کبیر نے فرمایا کہ یہ ایمان کی تفسیر ہے یعنی جنہوں نے مسلمان ہو کر اپنے کفار اہل قرابت کو چھوڑ دیا **وجاھدوا فی سبیل اللہ** یہ لفظ مجاہدہ سے بنا جس کا مادہ ہے جہد بمعنی مشقت' شریعت میں رضائے الہٰی کے لئے کفار سے لڑنے کو جہاد یا مجاہدہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ لشکر اسلام کا ہر سپاہی دوسرے کے ساتھ مل کر مشقت کرتا ہے۔ گویا جہاد میں چند مشقتوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اسے باب مفاعلت سے لایا گیا۔ جیسے مساعدہ کے لفظی معنی ہیں کلائی سے کلائی ملا دینا یعنی ایک دوسرے کے مدد کرنا۔ فی سبیل اللہ فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہی جہاد قبول ہے جو غلبہ دین کے لئے ہو۔ اور اس میں خواہش نفسانی کا کوئی دخل نہ ہو۔ **اولئک یرجون رحمتہ اللہ** اولئک سے مومنین' مہاجرین اور مجاہدین سب ہی کی طرف اشارہ ہے **یرجون** رجاء سے بنا بمعنی خیر کی توقع و امید۔ کبھی یقین کو بھی رجاء کہہ دیتے ہیں۔ جیسے **الذین یظنون انھم ملقوا ربھم** یہاں ظن بمعنی یقین ہے یعنی یہ لوگ رحمت الہٰی کے امیدوار ہیں **واللہ غفور رحیم** غفور غفر سے بنا اور رحیم' رحم سے۔ جن کے معنی پہلے بیان ہو چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ مغفرت میں گناہوں پر پکڑ نہ فرمانا معتبر ہے اور رحمت میں انعام دینا ملحوظ۔ چونکہ معافی عطا سے پہلے ہوتی ہے۔ لہٰذا غفور' رحیم سے پہلے فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تم مرتدین کا حال تو سن چکے۔ اب پختہ دینداروں کا حال بھی سن لو یا اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھنا کہ عبداللہ ابن جحش کا یہ جہاد بے فائدہ رہا۔ نہیں بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اسلام پر قائم رہے اور جنہوں نے راہ خدا میں اپنا گھر بار اور اہل قرابت چھوڑے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور رب کا یہ دستور ہی نہیں کہ کسی امیدوار کو مایوس واپس کرے۔ وہ خوب یاد رکھیں کہ اللہ بہت بخشش فرمانے والا اور بڑا ہی رحمت والا ہے کہ اس کے دروازے سے امیدوار خالی نہیں جاتا تو یہ لوگ وہاں سے خالی کیوں لوٹیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ایمان خوف و امید سے حاصل ہوتا ہے دیکھو رب نے نیک کاروں کی امید کا ذکر کیا نہ کہ یقین کیونکہ کبھی یقین نجات سے بے خوفی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کے خلاف ہے۔ دوسرا فائدہ: عمل سے اجر واجب نہیں بلکہ ثواب محض فضل ربانی ہے عمل تو اظہار بندگی کے لئے ہے اس لئے یرجون رحمتہ اللہ'

ارشاد ہوا یعنی وہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں۔ رب سے اپنے عمل کی اجرت نہیں مانگتے وہ رب کے بھکاری ہیں مزدور نہیں۔ (خزائن)۔ تیسرا فائدہ: امید خوف سے افضل ہے۔ روح البیان نے فرمایا کہ ڈرنے والا بھاگتا ہے اور امیدوار آتا ہے جو تھا فائدہ: صحابہ کرام کی امید خوف پر غالب تھی۔ دیکھو یہاں رحمت کی امید کا ذکر تو فرمایا مگر ضبطی اعمال کے خوف کا ذکر نہ ہوا۔ رب کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ پانچواں فائدہ: بغیر ایمان و اعمال رحمت کی امید کرنا سخت غلطی ہے دیکھو یہاں اعمال کے بعد امید کا ذکر فرمایا گیا کسان پہلے بیج بوتا ہے پھر کھیت کی ہر طرح خدمت کرتا ہے پھر رب کی رحمت سے پیداوار کی امید کرتا ہے یہ امید اچھی ہے جو کاشتکار نہ بیج بوئے نہ کھیت کی خدمت کرے اور رب کی رحمت سے پیداوار کی امید رکھے وہ بے وقوف ہے یہ امید نہیں بلکہ بوالہوسی ہے رحمت کی امید اچھی ہے بوالہوسی بری ہے بعض منہ زور' بے غیرت دن رات بے دھڑک گناہ کرتے ہیں اور جب انہیں ہدایت کی جائے تو کہہ دیتے ہیں اعمال کی کیا ضرورت خدا غفور رحیم ہے۔ انہیں اس آیت سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ چھٹا فائدہ: گناہ گار کو بھی رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ تمہارے گناہوں سے اس کا رحم زیادہ ہے۔ جب بھی توفیق ملے نیک اعمال کرکے رب کو راضی کرلے۔ ساتواں فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خطاء "اجتہادی پر پکڑ نہیں ہوتی بلکہ اس پر ثواب ملتا ہے دیکھو ان حضرات کار جب میں جنگ کرنا اور حقیقت جرم تھا مگر چونکہ خطاء "تھا اس لئے اس پر بھی ثواب کا وعدہ فرمایا گیا دیکھو اگر کوئی جنگل میں خطاء "غلط سمت پر نماز پڑھ لے کعبہ کا رخ نہ پاسکے جب بھی وہ نماز کا ثواب پالے گا لہٰذا صحابہ کی آپس کی جنگیں ان لوگوں کے لئے باعث ثواب ہی ہوں گی ان میں سے کوئی مجرم نہ ہو گا۔

حکایت: روح البیان نے فرمایا کہ ایک دن ابو عمرو رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک جوان کو پولیس نے گرفتار کیا ہے لوگ اس کی گرفتاری پر خوش ہیں مگر اس کی ماں اس کے پیچھے روتی جارہی ہے۔ ابو عمرو کو اس بڑھیا پر رحم آیا اور ضمانت دیکر اسے چھوڑا لیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بڑا بد معاش ہے اسے کیوں چھوڑایا کچھ دن بعد پھر بڑھیا کے دروازے سے گزرے تو وہاں سے رونے کی آواز سنی سمجھے کہ شاید اس کا بیٹا پھر گرفتار ہو گیا بڑھیا سے پوچھا اس نے کہا وہ مرگیا اور مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری موت کی کسی کو خبر نہ دینا کیونکہ میں نے سب کو ستایا ہے اور میری انگوٹھی جس پر بسم اللہ لکھی ہوئی ہے میری ساتھ دفن کردینا اور دفن کے بعد میرے لئے دعائے مغفرت کرنا۔ جب میں قبر پر دعا کرنے لگی تو قبر سے آواز آئی کہ اے ماں تو واپس جا میرا رب مجھ پر تجھ سے زیادہ مہربان ہے۔

رحمت حق بہائے نمے طلبد! رحمت حق بہانہ مے طلبد!

خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی بہانہ چاہتی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رحمت الٰہی کی صرف وہی امید رکھیں جو مومن بھی ہوں اور مجاہد و مہاجر بھی تو ہم لوگ جنہیں نہ ہجرت نصیب ہوئی نہ جہاد۔ رحمت کی کیونکر امید کریں؟ جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ان تینوں صفتوں سے خالی ہو وہ رحمت کی امید نہ کرے اور جس میں ان میں سے کوئی بھی صفت ہو وہ امید کرے۔ اسی لئے دو جگہ الذین فرمایا گیا یعنی مومن و مہاجر اور مجاہد سب ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن جحش کے لشکر میں سارے مہاجر نہ تھے۔ گویا یہ قضیہ مانعتہ الخلو ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مومن ہو مگر مہاجر و مجاہد نہ ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی مومن

نہ ہو مگر مجاہد یا مہاجر ہو کیونکہ کافر کی جنگ جہاد نہیں بلکہ فساد ہے یونہی کافر کا ترک وطن ہجرت نہیں بلکہ غربت ہے لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ صرف ایمان لائے اور جو ایمان کے ساتھ مہاجر یا مجاہد بھی ہوئے یہ دونوں قسم کے لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں۔ اب آیت بالکل صاف ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مومن مہاجر بھی ہے یعنی کفر چھوڑنے والا اور مجاہد بھی یعنی عبادت کی مشقتیں برداشت کرنے والا۔ دوسرا اعتراض: یرجون سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو رب کے وعدہ پر یقین نہیں۔ امید تو شک کے موقعہ پر کی جاتی ہے۔ جب وہ مسلمان کی مغفرت کا وعدہ کر چکا تو اس کا یقین چاہئے نہ کہ امید جواب: مسلمانوں کو رب کے وعدہ پر تو پورا اعتماد ہے۔ مگر اپنے مومن رہنے کا یقین نہیں نہ معلوم ہمارا انجام کیا ہو نیز اپنے اعمال کی قبولیت کا بھی یقین نہیں۔ نہ معلوم وہ قابل قبولیت ہیں یا نہیں۔ یہ خوف اپنے متعلق ہے نہ کہ وعدہ الٰہی کے متعلق۔ یا ممکن ہے کہ مسلمانوں کی صفت ہو۔ یعنی ان حضرات کی یہ شان ہے کہ ایمان لا کر اور ہجرت اور جہاد کر کے بھی رحمت کی امید ہی کرتے ہیں۔ رب سے بے خوف نہیں ہو جاتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے عمل اس کچی کھیتی کی طرح ہیں جسے صدہا مصیبتیں درپیش ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں رحمت کا تو یقین ہے مگر وقت رحمت اور مقدار رحمت میں شک یعنی یہ خبر نہیں کہ رحمت کب ملے گی اور کتنی یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں امید سے یقین مراد ہو (تفسیر کبیر) تیسرا اعتراض: جن لوگوں کے متعلق رب نے ان کے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا ہے انبیاء کرام اور خاص دو صحابہ جن کی جنت کی بشارت قرآن یا حدیث میں دے دی گئی۔ چاہئے کہ یہ لوگ رحمت کے امیدوار نہ ہوں بلکہ انہیں تو یقین ہو کیونکہ نہ انہیں رب پر بے اعتباری ہے اور نہ ان کے پھسل جانے کا خطرہ ہے پھر یرجون کیسے درست ہوا؟ جواب: بیشک انہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کا خوف نہیں۔ ان ہی کے متعلق رب فرماتا ہے کہ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** مگر انہیں ہیبت دربار الٰہی ہے۔ اور ضرور ہے یہ ہیبت مدار ایمان ہے اسی ہیبت کی بنا پر وہ امیدوار کرم ٹھہرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : شرعی ایمان یقین ہے اور حقیقی ایمان مشاہدہ۔ یونہی ہمارے مشرب میں مومن وہ ہے۔ جو رب تعالیٰ کے ہاں مومن ہے۔ جس کا نام مومنین کی فہرست یعنی علیین میں آ چکا ہو ورنہ دنیا کے بہت سے مومن اللہ کے ہاں کافر ہیں۔ رب تعالیٰ ایسا مومن بنائے۔ ایسے ہی شرعی ہجرت وطن چھوڑنا ہے اور حقیقی ہجرت گناہوں کا ترک کرنا۔ اسی طرح ظاہری مجاہدہ جہاد کفار ہے اور حقیقی مجاہدہ جہاد نفس ظاہری اعمال کی انتہا جنت اور رحمت ہے اور باطنی اعمال کی انتہا مشاہدہ جمال مطلق یوں ہی ظاہری عامل شہید ہے اور باطنی عامل صدیق۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ جن لوگوں نے حقیقی ایمان اختیار کیا اور نفس اور نفسانیات کو چھوڑا اور شیطانی لشکروں سے مجاہدہ کیا انہیں تجلیات صفات اور مشاہدہ ذات کی قوی امید ہے۔ وہ اس شوق و ذوق میں کسی سفر کی مصیبتوں کا احساس نہیں کرتے۔ رب تعالیٰ بھی غفور رحیم ہے۔ ضرور ان کی امیدیں پوری فرمائے گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس سفر کی شرط اول نفس کو مارنا ہے۔

حکایت : کسی نے اپنے شیخ سے کہا کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابھی تجھ میں اس کی اہلیت نہیں عرض کیا کہ میرا امتحان لے لیجئے۔ فرمایا اچھا آج دروازہ شہر پر جا کر بیٹھو۔ اور وہاں کے واقعات کی آ کر مجھے خبر دو۔ اس نے کہا بہت اچھا جب وہاں سے لوٹ آیا تو شیخ نے پوچھا کیا کیا بات دیکھی۔ عرض کیا حضرت یہاں کی پولیس بڑی ظالم ہے ایک مسکین بڈھا جنگل

سے لکڑیاں لایا تھا سپاہی نے اس کو پیٹا بھی اور لکڑیاں بھی چھین لیں۔ شیخ نے کہا اگر تمہیں اسم اعظم یاد ہو تا تو اس سپاہی کو کیا سزا دیتے۔ جوان تڑپ کر بولا کہ میں اس ظالم کو ہلاک کرڈالتا۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ لکڑیوں والا مظلوم بڈھا ہی میرا شیخ ہے اسی نے مجھے اسم اعظم سکھایا ہے۔ جب اتنا صبر اور رحم ہو تو اسم اعظم سکھایا جاتا ہے مولینا فرماتے ہیں۔

طفل جان از شیطان باز کن ۔۔۔ بعد از انش با ملک انباز کن!

تا تو تاریک و ملول و تیرۂ ۔۔۔ داں کہ با دیو لعیں ہمشیرۂ

لقمہ کو نور افزود و کمال ۔۔۔ آں بود آورد ہ از کسب حلال

روغن کاید چراغ ما کشد ۔۔۔ آب خوانش چو چراغے راکشد

نفس امارہ بچہ ہے شیطان اس کی دایہ۔ جب تک دودھ پئے گا مردوں میں اس کا شمار نہ ہو گا اس بچہ کا یہ دودھ چھوڑا کر پھر کسی ترقی کی امید رکھو جو روغن چراغ گل کردے وہ روغن نہیں پانی ہے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ
پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے سے ۔ فرمادو کہ بیچ ان کے گناہ ہے بڑا
تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں ۔ تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے
لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا
اور نفعے ہیں واسطے لوگوں کے اور گناہ ان کا بڑا ہے نفعے سے ان کے
اور لوگوں کے کچھ دنیاوی نفعے بھی اور ان کا گناہ ان کے نفعے سے بڑا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں جہاد کا ذکر تھا جس سے دین و قوم، ملت کا بقا ہے اب شراب اور جوئے کی برائی بیان ہو رہی ہے۔ جس سے قوم و دین و ملک کی بربادی ہے یعنی اعلیٰ چیزوں کی برائی بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں جنگ کا حکم دیا گیا اور عموماً لوگ جنگ کے وقت سپاہیوں کو شراب پلاتے تھا کہ مست ہو کر خوب لڑیں اور جنگ کی ہی خاطر جوئے سے مال جمع کرتے تھے تاکہ جیتا ہوا مال لڑائی میں کام آئے۔ لہٰذا اب ان دونوں ہی چیزوں کی برائی بیان ہو رہی ہے تاکہ مسلمان جہاد کے لئے ایسی گندی چیزیں اختیار نہ کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ بے خبری کا قصور معاف ہے چونکہ شراب پی کر بے خبری طاری ہو جاتی ہے لہٰذا فرمایا جا رہا ہے کہ نشہ کے قصور معاف نہ ہوں گے۔ کیونکہ عبداللہ ابن جحش کی بے خبری غیر اختیاری تھی اور شرابی کی بے خبری اختیاری ہوتی ہے۔ لہٰذا شرابی کے جرموں کی سزا ہے۔ **نکتہ**: سوئے ہوئے اور بے ہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لیکن اگر شرابی نشے میں طلاق دے تو ہو جائے گی۔

شان نزول : جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں شراب اور جوئے کا بہت رواج ہے تب حضرت عمر اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ شراب اور جوئے کا فیصلہ فرمایئے کیونکہ شراب عقل برباد کر دیتی ہے اور جوا مال تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان دونوں کی برائیاں بیان فرمائی گئیں مگر انہیں **صراحتہ** حرام نہ کیا گیا۔ (روح المعانی)

تفسیر : **یسئلونک** عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام سے بڑھ کر کوئی جماعت نہ دیکھی گئی جنہوں نے کہ حضور علیہ السلام سے صرف تیرہ سوالات کئے۔ قرآن کریم نے ان سب کو مع سوال نقل فرمایا۔ اور وہ سوال ان کے لئے بھی اور دیگر مسلمانوں کیلئے بھی بہت نافع تھے (روح البیان) ان سوالات کے نقل فرمانے میں ان پوچھنے والوں کی عزت افزائی بھی ہے اور تا قیامت مسلمانوں کو ان کا احسان مند رہنا بھی کہ مسلمان یہ سمجھیں کہ یہ آیات فلاں بزرگوں کے طفیل ہمیں ملیں۔ اگرچہ ہمارا خالق رب تعالٰی ہی ہے مگر چونکہ ماں باپ ہماری پیدائش کا ذریعہ بنے اس لئے ہم پر ان کا بھی احسان ہے۔ غرضیکہ ماں باپ سے جان ملی تو وہ ہمارے محسن ان صحابہ کے ذریعہ قرآن بلکہ ایمان ملا اس لئے وہ حضرات بھی ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اگرچہ یہاں پوچھنے والے دو صاحب تھے مگر چونکہ اس سوال کا تعلق سب ہی سے تھا یا بہت صحابہ کے دل میں یہ ہی خواہش تھی کہ یہ چیزیں حرام ہو جاویں۔ جیسے صدیق اکبر وغیرہم۔ یہ دونوں حضرات درحقیقت ان سب کے نمائندے تھے اور نمائندوں کا کام اپنا ہی کام ہوتا ہے۔ لہٰذا **یسئلون** جمع لایا گیا **عن الخمر والمیسر** خمر کے معنی ہیں ڈھانک لینا اور چھپانا۔ اسی لئے چادر کو خمار کہا جاتا ہے۔ **ولیضربن بخمرھن** یہ تن ڈھکنے کی تخمیر پھولے ہوئے آٹے کو خمیر کہتے ہیں چونکہ شراب بھی عقل کو چھپالیتی ہے لہٰذا اسے خمر کہا جاتا ہے۔ عرب میں خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں۔ دیگر نشی شربتوں کو شراب اس لئے انگوری شراب کی حرمت قطعی ہے اور باقی کی ظنی اور انگوری شراب ہر حال بالاتفاق حرام ہے خواہ نشہ دے یا نہ دے۔ دیگر شرابوں کی حرمت میں اختلاف بعض کے نزدیک وہ بھی ہر طرح حرام ہیں اور بعض کے نزدیک نشہ کی حد تک حرام ورنہ نہیں۔ نیز شراب انگوری نجاست غلیظہ ہے اس کا پورا ذکر خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ میسر یسر سے بنا بمعنی آسانی چونکہ جوئے میں آسانی سے مال بھی آجاتا ہے اور نکل بھی جاتا ہے۔ یہ مصدر میمی ہے جیسے مرجع اور موعد تفسیر کبیر نے فرمایا کہ میسر کے معنی ہیں تقسیم کرنا اور بانٹنا اسی لئے اونٹ کو بھی میسر کہتے ہیں کہ اسکا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ نیز عرب والے اونٹوں کو لاٹری سے تقسیم کرتے تھے لہٰذا اسے میسر کہا گیا خیال رہے کہ ہر دو طرفہ مالی ہار جیت جوا ہے۔ لہٰذا تاش شطرنج لاٹری نرد شیر بلکہ بچوں کا تیر پیسوں اور پانسوں سے کھیلنا جب کہ دو طرفہ مال کی شرط ہو اور سٹہ یہ سب جوا ہے اور حرام ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے احکام پوچھتے ہیں کہ ان کا استعمال اور ان کی تجارت ان کا کاروبار اور ان میں امداد ان کا پینا حرام ہے یا حلال غرضیکہ یہ ساری باتیں ہی پوچھنا مقصود تھیں۔ اگلے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال سارے معاملات کے متعلق تھا (روح البیان)۔ **قل فیھما اثم کبیر** فیہما کا مرجع شراب و جوا دونوں ہیں۔ اثم سے مراد جنسی گناہ ہے نہ کہ صرف ایک گناہ کبیر سے ہر گناہ کی برائی مراد ہے۔ یعنی فرما دو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے۔ خیال رہے کہ یہاں نہ تو شراب اور جوئے کو حرام کہا گیا اور نہ گناہ بلکہ فرمایا گیا کہ ان میں گناہ ہے۔ کیونکہ اس وقت تک یہ دونوں حرام نہ ہوئے تھے۔

لہذا ان کا استعمال بھی گناہ نہ تھا مطلب یہ تھا کہ ان کے استعمال سے کبھی بہت سے گناہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس سے بچنا بہتر کیونکہ شراب سے عقل جاتی ہے اور جوئے سے حرص بڑھتی ہے نیز اس میں مال کی بربادی۔ نماز کا ضائع کرنا، جھگڑے اور فساد ہو جاتے ہیں تو گویا یہ چیزیں بھی حرام کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ (تفسیر احمدی)۔ **ومنافع للناس** یہاں منافع سے چند قسم کے نفعے اور ناس سے مختلف قسم کے لوگ مراد ہیں یعنی جوئے اور شراب میں بہت سے لوگوں کو کچھ دنیوی نفعے بھی ہیں مثلاً شراب سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ قوت باہ بڑھتی ہے۔ رنج و غم دور ہوتے ہیں۔ بخیل سخی بن جاتے ہیں چہرے کا رنگ صاف ہو جاتا ہے۔ کمزور آدمی نشہ میں بہادر ہو جاتا ہے۔ شراب کے تاجر اور شراب بنانے والے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح جوئے میں بغیر مشقت مال ہاتھ لگتا ہے۔ جوا کرانے والا دو طرفہ مال مارتا ہے۔ جیتنے والا غربا فقراء کی امداد کرتا ہے۔ جوا جیت کر دل میں خوشی اور سرور پیدا ہوتا ہے یہ سب کچھ صحیح مگر **واثمهما اكبر من نفعهما** ان کا گناہ ان کے نفعے سے کہیں بڑھ کر ہے کہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے اور عقل ہی گناہ کو روکتی تھی جب یہ نہ رہی تو انسان ہر برائی کر سکتا ہے شراب ہی خدا کے ذکر سے روکتی ہے۔ اس سے آپس میں عداوت و بغض پیدا ہوتا ہے بسا اوقات شرابیوں میں کشت و خون بھی ہو جاتا ہے شرابی شراب کے لئے چوری بھی کرتا ہے۔ اس سے صدہا قسم کی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہ معدہ کو فاسد کرتی ہے اسی لئے اسے ام الخبائث یعنی گناہوں کی جڑ کہتے ہیں۔ کسی پیغمبر نے کبھی شراب نہ پی۔ یہی حال جوئے کا ہے کہ اس میں جبراً غیر کے مال پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ جواری ہار کر چوری بھی کرتے ہیں۔ جواری بال بچوں کے پالنے کی پرواہ نہیں کرتے کبھی کبھی اپنے مکان بلکہ بیوی کو بھی ہار جاتے ہیں۔ کبھی ہارا ہوا جواری جیتنے والے کو قتل بھی کر دیتا ہے۔ جوا عداوت کی جڑ ہے نیز شراب میں شخصی نفعے کچھ ضرور ہیں کہ اس سے بعض لوگوں کے بیوپار چلتے ہیں مگر قوم، ملک، دین کے نقصان ہیں۔ جوئے شراب کا رواج قوم میں بربادی ملک میں فساد پیدا کرتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور ہمیشہ شخص و قوم، ملک، دین پر قربان ہونے چاہئیں۔ جب قوم شخص پر قربان ہونے لگے تو تباہ ہو جاوے گی چور کے ہاتھ کاٹنا زانی کو سنگسار کرنا وغیرہ ان سب میں شخص کو قوم پر قربان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کی بربادی قوم و ملک کی آبادی ہے غرضیکہ اس کے نقصانات بے شمار ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں اثم سے مراد دنیوی خرابیاں ہیں نہ کہ شرعی گناہ۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت یہ چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں یا اثمهما سے ان سے پیدا ہونے والے گناہ مراد ہیں جیسا کہ ہم تفسیر احمدی نے نقل کر چکے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام آپ سے شراب اور جوئے کے احکام پوچھتے ہیں آپ فرما دو کہ ان میں بہت بڑے بڑے گناہ ہیں اور یہ چیزیں صدہا گناہوں کا ذریعہ ہیں ہاں لوگوں کو ان کے ذریعہ کچھ دنیوی نفعے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ برائیوں کے مقابل بہت تھوڑے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کا نفع کم اور نقصان زیادہ ہو۔ اس سے بچنا چاہئے۔ لہذا ان سے بچنا عقلاً و نقلاً ہر طرح بہتر ہے۔

شراب کا حرام ہونا

شراب اور جوا مذہب قوموں خاص کر عیسائیوں کی دو خطرناک بیماریاں ہیں۔ جن کا علاج سوائے اسلام کے کسی اور مذہب نے نہیں کیا۔ یہ بلا بظاہر اچھی اور حقیقت میں سخت نقصان دہ ہے۔ تمام مذاہب نے اس کی ظاہری خوبیوں کو دیکھ کر اسے حلال مانا بلکہ ہندوؤں کے مذہب میں تیوہاروں پر بھی استعمال ہونے لگی۔ اسلام نے اس کے برے نتائج کی بنا پر اس سے روکا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عرب جیسے ملک سے شراب اور جوئے کو مٹانا بانی اسلام علیہ السلام کا ایک بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ وہاں شراب پانی کی طرح استعمال ہوتی تھی بچوں کو گھٹی میں دی جاتی تھی چونکہ اس کا ایک دم چھڑوا دینا ممکن تھا۔ اس لئے اس کی حرمت کے احکام بہت آہستگی سے آئے مکہ مکرمہ میں تو آیت **ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون منه سكرا** اتری۔ مسلمان عام طور پر پیتے رہے پھر مدینہ منورہ میں پہنچ کر حضرت عمر و معاذ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور شراب کے بارے میں کچھ حکم دیجئے۔ یہ تو عقل و مال کو برباد کرنے والی ہے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو اس سے کچھ نفرت دلائی گئی۔ اس آیت سے ہی بعض لوگ شراب چھوڑ بیٹھے۔ مگر بہت سے پیتے رہے۔ پھر ایک بار حضرت عبدالرحمان ابن عوف کے یہاں صحابہ کرام کی دعوت تھی۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا۔ اتنے میں نماز مغرب کا وقت آگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا (روح المعانی) آپ نے نماز میں سورۂ کافرون پڑھی مگر نشے کی وجہ سے ہر جگہ لا اڑا گئے یعنی اعبد ما تعبدون پڑھ گئے تب یہ آیت اتری **لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى** یعنی نشے میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ اس کے بعد شراب کا استعمال بہت کم ہو گیا۔ لوگ یا تو عشاء کے بعد پیتے تھے یا فجر کے بعد کیونکہ ظہر سے عشاء تک نمازوں کی وجہ سے انہیں شراب پینے کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ پھر عتبان ابن مالک نے کچھ لوگوں کی دعوت کی جن میں سعد ابن وقاص بھی تھے۔ کھانے کے بعد شراب پلائی گئی۔ نشے میں یہ لوگ آپس میں لڑ پڑے اور زخمی ہو گئے۔ یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا۔ تب حضرت عمر نے دعا کی۔ کہ مولا شراب کے متعلق پورا بیان نازل فرما۔ تب آیت کریمہ **انما الخمر والميسر** **فهل انتم منتهون** تک نازل ہوئی اور شراب قطعاً حرام کر دی گئی۔ (عام تفاسیر)۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اس دن ہمارے گھر مسلمانوں کی دعوت تھی۔ جس میں شراب کا دور چل رہا تھا۔ ہمارے گھر میں بہت سے مٹکے شراب کے تھے کہ اچانک منادی کی آواز کان میں آئی۔ میرے والد نے کہا۔ انس سن کر تو آؤ کیسی منادی ہے میں نے واپس آکر بتایا کہ شراب حرام ہونے کی منادی ہو رہی ہے۔ یہ بات سن کر اہل مجلس کی یہ حالت ہوئی کہ جس کے ہاتھ میں جام تھا اس نے وہیں پھینک دیا جو مٹکے سے شراب انڈیل رہا تھا اس نے وہیں پیالہ توڑ دیا۔ جس کے منہ میں تھی اس نے کلی کر دی۔ جو منہ تک پیالہ لے گیا تھا اس نے وہاں سے ہی واپس کر لیا۔ پھر میں نے ڈنڈے سے سارے مٹکے پھوڑ دیئے۔ اس دن مدینہ کی گلیوں میں بارش کے پانی کی طرح شراب بہتی تھی۔ سوکھ جانے پر بھی کئی ماہ تک زمین سے شراب کی بو آتی رہی۔

مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

اس اطاعت کی دنیا میں مثال نہ ملے گی۔

مسئلہ : فتویٰ یہ ہے کہ ہر نشے والی پتلی چیز یعنی انگوری شراب اور تاڑی وغیرہ مطلقاً حرام ہیں۔ ان کا ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں۔ (شامی کتاب الاشربہ) مسئلہ: انگوری شراب اور دیگر نشے کی پتلی چیزوں میں چند فرق ہیں۔ (1) شراب انگوری حرام قطعی ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔ (2) اس کا کسی طرح بھی استعمال جائز نہیں۔ جسم پر اس کی مالش بھی نہیں کر سکتے۔ (3) اس کی تجارت بھی حرام ہے۔ (4) اس کی کوئی قیمت نہیں یعنی اس کے ضائع کرنے والے یا غصب کرنے والے پر تاوان واجب نہیں۔ (5) یہ نجاست غلیظہ ہے۔ (6) اس کے پینے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ اگرچہ نشے کی حد سے کم ہی پئے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر اس کا ایک قطرہ کنوئیں میں گر جائے پھر اس جگہ مینار بن جائے تو میں اس پر اذان نہ کہوں۔ اور اگر دریا میں گر جائے پھر خشک ہو کر وہاں گھاس جمے تو میں اپنے جانور کو نہ چراؤں۔ (احمدی سورۂ مائدہ و شامی کتاب الاشربہ) مسئلہ: انگوری شراب کے علاوہ دیگر شرابیں بھی حرام ہیں مگر ان میں اتنی سختی نہیں۔ انہیں نشہ سے کم حلال جاننے والا کافر نہیں۔ اس کے پینے پر بغیر نشہ حد واجب نہیں اس کی نجاست غلیظہ نہیں خفیفہ ہے۔ ان کی تجارت جائز ہے کیونکہ وہ پینے کے سوا دیگر کاموں میں آسکتی ہے۔ (تفسیر احمدی سورۂ مائدہ) مسئلہ: نشہ کی خشک چیزیں جیسے بھنگ اور افیون وغیرہ سے نشہ لینا بھی حرام ہے لیکن دواء" کھانا جائز۔ اسی لئے بچوں کو کھلائی جاتی ہے۔ دیگر استعمال میں بھی آسکتی ہے۔ یہ نجس نہیں۔ اس سے نشہ پر حد (اسی کوڑے) واجب نہیں۔ (شامی)۔ مسئلہ: بھنگ میں 120 نقصان ہیں (شامی) اور افیونی کے خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ مسئلہ: تمباکو اور حقہ 1015ھ میں دمشق میں ایجاد ہوا۔ اسے بطریق نشہ استعمال کرنا حرام ہے۔ اگر نشہ نہ ہو تو حلال مگر پھر بھی اس سے بچنا بہتر اور جب تک کہ منہ میں اس کی بو آئے مسجد میں آنا منع۔ اس کی پوری تحقیق شامی کتاب الاشربہ میں دیکھو۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں شراب کے ساتھ جوا کیوں بیان ہوا۔ جواب: چند وجوں سے ایک یہ کہ جواری کو بھی جیت کر شراب کا سا نشہ ہوتا ہے۔ دوسرے اسلئے کہ یہ بھی شراب کی طرح عبادات سے غافل کرتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ یہ بھی شراب کی طرح مال کو برباد اور آپس میں فساد پیدا کرتا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شراب اور جوئے میں کچھ نفعے بھی ہیں۔ مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام میں کوئی نفع نہیں اس آیت اور حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس آیت کے نزول کے وقت شراب حلال تھی حرام ہونے کے بعد اس میں کوئی نفع نہ رہا (احمدی یہ ہی آیت) اب اس کے ظاہری نفعے بھی در حقیقت نقصان ہیں۔ اس کے ذریعہ کمایا ہوا پیسہ حرام۔ تیسرا اعتراض: جب اس آیت کے نزول کے وقت شراب حلال تھی تو اسے گناہ کیوں کہا گیا کیا حلال میں بھی گناہ ہوتا ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ یا تو گناہ سے دنیوی نقصان مراد ہیں یا دیگر وہ گناہ جو شراب سے کبھی کبھی پیدا ہو جاتے تھے۔ جیسے آپس کے جھگڑے فساد وغیرہ۔ چوتھا اعتراض: کتب فقہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سوائے شراب انگوری کے دیگر شرابیں حد نشہ سے کم حلال ہیں۔ بشرطیکہ محض فرحت و سرور کے لئے نہ پئے۔ اس کی کیا وجہ؟ جواب: اس کا جواب انشاء اللہ سورۂ مائدہ ساتویں سیپارہ میں دیا جائے گا۔ پانچواں اعتراض: یہاں اثم کے مقابل نفع بولا گیا حالانکہ اثم کے مقابل تو ثواب بولنا چاہئے تھا۔ یہ مقابلہ کیونکر درست ہوا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اثم سے مراد گناہ نہیں کہ اس وقت شراب حرام ہی نہ ہوا تھا بلکہ اس سے مراد نقصان ہے۔ لہٰذا اس کا مقابلہ نفع سے بہت ہی موزوں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیوی شرابیں انگور، کھجور، کشمش و دیگر غلوں سے بنتی ہیں مگر نفسانی شرابیں غفلت، شہوت، محبت دنیا وغیرہ سے بنتی ہیں۔ دنیوی شرابیں انسان کو دنیا سے غافل کردیتی ہیں۔ مگر یہ شرابیں آخرت سے بے پرواہ کرتی ہیں۔ لہذا یہ حرام ہیں۔ اگرچہ ان میں نفس کو لذت آتی ہے مگر روح کی بربادی ہوتی ہے اور اس کا یہ نقصان اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ظاہری شراب کے نشے سے نماز حرام۔ غفلت کی شراب کے نشے سے وصل یار سے محرومی ہے۔ نفسانی شراب کا عادی شراب طہور یعنی شراب روحانی سے محروم رہے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اب شراب کے علاوہ ایک اور شراب بھی ہے جو حلال ہے۔ جس سے قلب، روح اور سر کو نشہ ہوتا ہے۔ وہ شراب محبت ہے جو مشاہدہ کے پیالے میں ساقی لم یزل کے ہاتھ سے ملتی ہے۔ جس سے نفس کی شہوت ٹوٹ جاتی ہے اور قلب توحید کے نشہ میں دوئی سے غافل ہو جاتا ہے۔ روح شہود کی وجہ سے وجود سے بے خبر اور سر جمال دیکھ کر کمال سے بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ یہ شراب لوگوں کو نافع ہے اور حلال۔ دیگر شرابوں کا نشہ اتر جاتا ہے۔ مگر جس کو ساقی اس پیانہ سے مست کردے۔ وہ کبھی ہوش میں نہیں آتا۔ مثنوی میں ہے۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم ۔۔۔ مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

مست بے ہوشیار گرد واز دور ۔۔۔ مست حق ناید بخود از نفخ صور!

جرعہ چوں ریخت ساقی الست ۔۔۔ برسرایں شورہ خاک زیر دست

جوش کرد آں خاک و ماز آں جوشیم ۔۔۔ جرعہ دیگر کہ بس بے کوشش ایم

بعض الست کے دن سے ایسے مست ہوئے کہ صور پھونکنے پر بھی انہیں ہوش نہ آئے گا۔ جیسے حضور غوث پاک جو مستی میں فرما گئے۔ سقانی الحب کاسات الوصال۔ نفسانی جو اکل سے اور روحانی جو اعمال سے ہے شیطان دین چھین کر غفلت دینا چاہتا ہے۔ اگر انسان اس پر غالب آگیا تو کامیاب ہے ورنہ ناکام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا حاصل کرے اور دین ہاتھ سے نہ جانے دے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اور پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا ہے وہ جو خرچ کریں۔ فرمادو بچا ہوا۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ

اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ تم فرمادو جو فاضل بچے۔ اسی طرح اللہ تم سے آیتیں

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

واسطے تمہارے نشانیاں تاکہ تم غور کرو۔ بیچ دنیا اور آخرت کے اور پوچھتے ہیں تم سے

بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم دنیا اور آخرت کے کام سوچ کر کرو اور تم سے یتیموں

الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ

یتیموں کے بارے۔ فرمادو اصلاح کرنا ان کی بہتر ہے اور اگر ملا لو تم انہیں پس بھائی ہیں تمہارے

کا مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ
اور اللہ جانتا ہے بگاڑنے والے کو اصلاح کرنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ البتہ مشقت
میں اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں
اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾
میں ڈالتا۔ تم کو تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے ⁂
ڈالتا۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے ⁂

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ جاہلوں میں جوئے وغیرہ سے حاصل کیا ہوا روپیہ صرف نہ کرو۔ اب بتایا جارہا ہے کہ کونسا مال وہاں خرچ کرو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جوئے اور شراب وغیرہ حرام کاموں میں پیسہ صرف نہ کرو۔ اب بتایا جارہا ہے کہ کہاں اور کتنا پیسہ خرچ کرو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اپنے مال کا بچاؤ بتایا گیا تھا۔ اب یتیموں کے مال کی اصلاح کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ یعنی پہلے اصلاح نفس کا حکم تھا۔ اب غیروں کی اصلاح کا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں حقوق اللہ مارنے سے روکا گیا۔ اب حقوق العباد یعنی یتیموں کا مال مارنے سے روکا جارہا ہے۔

شان نزول : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ دینے کی رغبت دی۔ تب آپ سے دریافت کیا گیا کی اس کی مقدار ارشاد فرمایئے کہ کتنا مال راہ خدا میں خرچ کریں۔ تب پہلا جملہ نازل ہوا۔ (خزائن العرفان) دوسری روایت یہ ہے کہ معاذ ابن جبل اور ثعلبہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور بال بچے بھی۔ ہم ان پر کتنا مال خرچ کریں اس پر پہلا جملہ نازل ہوا۔ 2 عرب میں ہندوستان کی طرح یتیموں کے مال کھا جانے میں احتیاط نہ کی جاتی تھی۔ اس لئے انہیں فرمایا گیا تھا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ جسے سن کر مسلمان ڈر گئے اور بہت احتیاط کرنے لگے کہ یتیموں کا کھانا الگ پکاتے۔ ان کا پانی الگ رکھتے۔ اور انکا بچا ہوا کھانا خرچ نہ کرتے۔ کبھی وہ سڑ گل جاتا تو پھینک دیتے۔ اتنی احتیاط مسلمانوں پر گراں تھی۔ جس کی شکایت انہوں نے بارگاہ نبوت میں کی۔ عبداللہ ابن رواحہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ اس صورت میں لوگ یتیموں کی پرورش چھوڑ دیں گے۔ تب آیت کا دوسرا جملہ **ویسئلونک عن الیتمی** نازل ہوا (کبیر و روح المعانی وغیرھما)۔

تفسیر : **ویسئلونک ما ذا ینفقون** یہ جملہ پہلے یسئلون پر معطوف ہے۔ اور نفقہ سے یا تو راہ خدا میں خرچ کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ پہلے شان نزول سے معلوم ہوا یا گھر بار میں خرچ کرنا جیسا کہ دوسرے شان نزول سے معلوم ہوا۔ اگر خیرات مراد ہو تو پھر یا تو صدقہ واجبہ یعنی زکوۃ مراد ہے یا صدقہ نفل 'ماذا' سے یا تو مال کی نوعیت مراد ہے یا مقدار یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کس قسم کا یا کتنا مال راہ الٰہی میں یا اپنے گھر بار میں خرچ کریں' **قل العفو** عفو کے معنی ہیں آسان و

نرم جہد کا مقابل۔ اس لئے نرم زمین کو عفو کہتے ہیں۔ یا فاضل اور بچا ہوا جیسے خذ العفو۔ حتی عفو" یا معافی جیسے عفا اللہ عنک۔ یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں یعنی فرمادو کہ ضرورت سے بچا ہوا مال راہ خدا میں خرچ کردو جس کا خرچ کرنا آسان ہو وہ دو یا جس کے خرچ کرنے کا اثر دل پر نہ رہے وہ دو۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ بعض نے اس کے معنی افضل اور طیب مال بھی کئے ہیں۔ یہ جوئے کے مقابل فرمایا گیا ہے یعنی راہ خدا میں پاک مال خرچ کرو جس کا کھانا حرام نہیں بلکہ معاف ہے خبیث مال نہ دو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں بقدر ضرورت مال لے کر باقی سب خیرات کرنا واجب تھا اور صحابہ کرام سارا بچا ہوا مال راہ خدا میں صرف کردیتے تھے۔ کیونکہ مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی تھی کھانا وہاں سے نکلتے نہ تھے کہ بہت مہاجر مکہ معظمہ حبشہ وغیرہ سے پہنچ گئے ان کی آباد کاری اور ان کے گزارہ کا اہم مسئلہ درپیش آگیا انصار نے بے مثال میزبانی کی اس وقت ہنگامی حالات کے ماتحت اس قسم کے احکام نافذ کئے گئے تھے۔ جب وہ حالات جاتے رہے تو وہ ہنگامی احکام بھی ختم ہو گئے یعنی جب بنی قریظہ قتل کردیئے گئے اور بنی نضیر یہودی جلاوطن ہوئے تب ان کی متروکہ جائدادیں بچیں اور مہاجرین وہاں آباد کئے گئے اور انصار کے مکانات باغات وغیرہ ان کو یہ واپس کردیئے گئے۔ یہی آیت میں مراد ہے۔ اس صورت میں یہ آیت زکوٰۃ کی آیت سے منسوخ ہے۔ (از کبیر و احمدی) اب صرف چالیسواں حصہ خیرات کرنا واجب رہ گیا بعض نے فرمایا کہ یہاں نفلی صدقہ مراد ہے اور عفو سے ضرورت سے بچا ہوا مال مراد یعنی ضروری مال خیرات کرکے خود محتاج نہ ہو جاؤ۔ اور اپنے بال بچوں کو فقیر نہ بناؤ بلکہ بچا ہوا مال خرچ کیا کرو اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ غنی سے کرنا چاہئے (احمدی و کبیر وغیرہ) **کذلک یبین اللہ لکم الایت**' ذلک سے مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔ یبین تبیین سے بنا۔ جس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ یا خوب بیان کرنا آیات سے یا تو احکام کی آیتیں مراد ہیں یا ساری آیتیں۔ کیونکہ ہر آیت عبرت ہے یعنی جیسے کہ ہم نے یہ احکام بہت واضح طور پر بیان کردیئے۔ اسی طرح اور بھی آیتیں تم پر بیان فرماتے ہیں۔ **لعلکم تتفکرون ۝ فی الدنیا والاخرۃ**۔ لعل امید کے لئے ہے یا بیان حکمت کیلئے تفکر سے یا تو غور و خوض کرنا مراد ہے یا سوچ سمجھ کر کام کرنا۔ فی الدنیا تفکر کے متعلق ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یبین کے متعلق الدنیا کا الف لام مضاف کے بدلہ میں ہے اور یہاں احکام پوشیدہ ہے۔ یعنی آیتیں اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے کام سوچ سمجھ کر کیا کرو یا دنیا اور آخرت کے متعلق آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو سمجھو۔ اب تک تو اپنا مال خرچ کرنے کے احکام بیان ہوئے۔ اب یتیموں کا مال خرچ کرنے کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں کہ **ویسئلونک عن الیتمی**' یتامی یتیم کی جمع ہے۔ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ ہے۔ جس کا باپ مرجائے۔ حضرت عیسیٰ و آدم علیہ السلام یتیم نہ تھے۔ کیونکہ ان کے والد تھے ہی نہیں۔ نیز آدم علیہ السلام بالغ ہی پیدا ہوئے نیز جس بچہ کا باپ تو ہو جس کے نطفے سے یہ پیدا ہوا ہو مگر شرعی باپ نہ ہو جسے شریعت باپ مانے اس کے مرجانے سے بھی بچہ یتیم نہیں کہلائے گا جیسے حرامی اولاد کا وہ باپ جس نے اس کی ماں سے زنا کیا اس سے یہ بچہ پیدا ہوا۔ اس زانی کے مرجانے سے یہ حرامی بچہ یتیم نہ ہوگا کہ شریعت نے اس شخص کو اس بچہ کا باپ مانا ہی نہیں۔ اس لئے ان میں ایک دوسرے کو میراث نہیں ملتی نہ نان نفقہ واجب۔ جانوروں میں یتیم وہ بچہ ہے جسکی ماں فوت ہو جائے در یتیم وہ موتی جو سیپ میں اکیلا ہو۔ الیتمی میں الف لام عہدی ہے۔ اس سے وہ یتیم مراد ہیں جو مسلمانوں کی پرورش میں تھے اگرچہ عن الیتمی بغیر قید کے ہے مگر جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یتیموں کے مال کے متعلق تھا یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے ان یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں جو کسی کی

پرورش میں ہوں کہ ان کے مال کیسے خرچ کئے جائیں۔ **قل اصلاح لھم خیر** اس مختصر جملہ میں بے شمار احکام بیان ہو گئے۔ اصلاح صلح سے بنا ہے بمعنی درستی۔ فساد کا مقابل اس کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے اور خیر کے بعد لکم پوشیدہ اصلاح سے جانی۔ مالی 'نفسانی' روحانی ساری درستیاں مراد ہیں یتیموں کو علم و ادب سکھانا انہیں نمازی پرہیزگار بنانا۔ انکا مال احتیاط سے خرچ کرنا بلکہ ان کے مال کو نافع تجارت میں لگادینا سب ہی اس میں داخل ہیں۔ (روح المعانی) یعنی فرمادو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ یتیموں کی اصلاح کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور ان کے لئے بھی کہ تم تو ثواب پاؤ گے اور انکی جسمانی' روحانی درستی ہو جائے گی چونکہ کبھی تو مالی اصلاح علیحدہ کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی اپنے مال کے ساتھ ملا لینے سے لہٰذا ارشاد ہوا کہ **وان تخالطو هم فاخوانکم** یہ خلط سے بنا۔ جس کے معنی ہیں چند چیزوں کے اجزاء آپس میں ملادینا۔ اس لئے دوست اور شریک اور پڑوسی کو خلیط کہتے ہیں۔ لہٰذا مخالطت سے مراد شرکت یا آپس میں مل جل کر رہنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مال ملانا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ نکاح مراد (کبیر و روح المعانی) اخوان ہم محذوف کی خبر ہے اور یہ اخ کی جمع ہے بمعنی بھائی۔ اخ وہ ہے جو ماں باپ یا ایک میں شریک ہو۔ مگر مجازاً ہم قبیلہ ہم پیشہ ہم مذہب اور یاروں کو بھی اخ کہا جاتا ہے یہاں یا تو ہم مذہب مراد ہے یا ہم قبیلہ یعنی اگر تم ان یتیموں کو اپنے ساتھ ملالو۔ یا ان سے نکاح کا رشتہ قائم کر لو کہ خود اپنے سے یا اپنی اولاد سے ان کا نکاح کر لو۔ یا ان کا مال اپنے مال سے بقدر خرچ ملالو تو جائز ہے کیونکہ وہ تمہارے دینی اور قبیلہ کے بھائی ہیں اور اگر ایک بھائی کا مال دوسرے بھائی کے خرچ میں آ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر خیال رہے کہ **واللہ یعلم المفسد من المصلح** یہاں علم یا بمعنی معرفت ہے اور یا بمعنی تمیز۔ اسی لئے اس کا مفعول ایک ہی آیا۔ اور اس کے بعد من بھی لایا گیا۔ اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ یعنی اگرچہ رب نے تمہیں تجارت اور کھانے پینے میں ان کا مال ملا لینے کی اجازت دے دی۔ مگر وہ خوب جانتا ہے کہ فسادی کون ہے اور مصلح کون **ولو شاء اللہ لا عنتکم** شاء کا مفعول پوشیدہ ہے۔ اعنت اعنات سے بنا جس کا مادہ عنت ہے اس کے معنی ہیں ناقابل برداشت مشقت۔ رب فرماتا ہے۔ **عزیز علیه ما عنتم** بھی بمعنی ذلت اور عاجزی بھی آتا ہے جیسے عنت الوجوہ للحی القیوم۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یعنی اگر رب چاہتا تو تمہیں یتیموں کے متعلق سخت مشقت میں ڈال دیتا کہ ان کا ہر مال علیحدہ رکھنے کا ہی حکم دیتا۔ جس میں تم کو سخت دشواری ہوتی مگر اپنے کرم سے خلط کی اجازت دی **ان اللہ عزیز حکیم** عزیز' عزت بمعنی غلبہ سے بنا اور حکیم' حکمت سے یعنی اللہ سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کے احکام روک نہیں سکتا اور حکمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیسا اور کتنا مال راہ خدا میں خرچ کریں۔ آپ فرمادو کہ ضرورت سے بچا ہوا مال خیرات کرو جسکی تمہارے دل پر چوٹ نہ لگے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح سارے احکام صاف صاف فرماتا ہے تاکہ تم دنیوی اور اخروی کام سوچ سمجھ کر کرو کہ نہ تو دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھو اور نہ آخرت کو چھوڑو۔ یہاں کے لائق الگ خرچ کرو اور وہاں کے لائق وہاں بھیج دو۔ اے محبوب علیہ السلام لوگ آپ سے ان یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں جو کسی کی پرورش میں ہوں کہ ان کا خرچ علیحدہ رکھیں یا شامل۔ کیونکہ وہ شامل رکھنے میں ڈرتے ہیں کہ یتیموں کا مال کھانے کی ممانعت ہے مقصود ان کی مصلحت ہے۔ اگر خرچ شامل کرنے میں ان کی مصلحت ہے تو وہ ہی بہتر ہے لہٰذا تم اگر انہیں اپنے ساتھ ملا تو

کوئی ڈر نہیں کیونکہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور بھائی ساتھ ہی رہتے ہیں۔ اتنا خیال رہے کہ اللہ فساد کرنے اور اصلاح کرنے والوں کو جانتا ہے۔ لہٰذا ایسی شرکت نہ کرنا جس میں یتیموں کا نقصان ہو کہ تھوڑا سا آٹا اپنا ملا دیا۔ باقی ان کا کھالیا۔ اور اگر رب چاہتا تو اس کے بارے میں سخت قانون بنا کر تمہیں مصیبت میں ڈال دیتا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے جو چاہے حکم دے مگر حکیم بھی ہے اس لئے نرم احکام نازل فرماتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سارا مال خیرات کر دینا منع ہے کہ اس میں اپنی اور اپنے بچوں کی حق تلفی ہے۔ دوسرا فائدہ: جس طرح کمانے میں حلال و حرام کا خیال ضروری ہے ایسے ہی خرچ کرنے میں بھی۔ جو کچھ دنیوی یا دینی کام میں خرچ کیا جائے وہاں خوب غور کر لیا جائے کہ یہ خرچ کرنے کی جگہ ہے یا نہیں مثلاً گناہ میں خرچ کرنا حرام ہے اور نیکی میں خرچ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ صدقہ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ ضرور دے۔ صدقہ نفلی میں یہ خیال رکھے کہ اس سے اپنے نفس اور اولاد کا حق نہ مارا جائے۔ دنیوی خرچ و اخراجات میں اگر عبادت پر طاقت حاصل کرنے کی نیت ہے تو ثواب ہے اور گناہ کی نیت سے خرچ گناہ اور محض دل خوش کرنے کے لئے خرچ کرنا مباح۔ یہ سب باتیں تینکروں سے حاصل ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ کمانا ایک ہنر ہے اور خرچ کرنا سو ہنر۔ تیسرا فائدہ: یتیم کی اصلاح لازم ہے اس کو بگاڑنا حرام۔ اسی لئے یتیم کے مال سے زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اس کا مال کسی کو ہبہ نہیں کر سکتے۔ اس کے مال میں فضول خرچی حرام ہے۔ چوتھا فائدہ: یتیم بچہ کی صرف پرورش ہی نہ کی جائے بلکہ ان کی تربیت بھی کی جائے اور تربیت کے لئے انہیں بقدر ضرورت مار پیٹ۔ ان پر سختی بھی کر سکتے ہیں۔ پرورش میں کھانا کپڑا دوا۔ گرمی سردی سے بچانا وغیرہ سب داخل ہے اور تربیت میں انہیں بری صحبت سے بچانا' تعلیم 'اخلاق کسی ہنر میں لگا دینا جس سے اپنی روزی کما سکے۔ دیندار بنانا جس سے وہ بندۂ مومن بنے سب داخل ہے۔ یہ تمام چیزیں اصلاح سے معلوم ہوئیں یعنی یتیموں کی اصلاح ضروری ہے نہ کہ محض پرورش۔

مسئلہ : ہندوستان میں عام رواج ہے کہ میت کی فاتحہ اس کے سارے مال سے کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے یتیم بچے بھی ہوتے ہیں۔ اسی مال سے عام برادری کی روٹی بھی کرتے ہیں۔ یہ حرام ہے۔ چاہئے کہ پہلے مال تقسیم ہو بعد میں بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ سب خرچ کریں۔ پانچواں فائدہ: یتیم کو علم و ادب سکھانا۔ اسے بقدر ضرورت سزا دینا اور مارنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اس کی اصلاح ہے۔ چھٹا فائدہ: یتیم کے مال کو تجارت میں لگا دینا اسے مضاربت پر دینا جائز ہے کہ یہ بھی اصلاح ہی ہے۔ ساتواں فائدہ: چند ساتھیوں کا آپس میں روٹی وغیرہ ملا کر کھانا جائز ہے کہ جب یہ کام یتیموں کے ساتھ جائز ہوا تو یہاں بھی جائز ہو گا۔ آٹھواں فائدہ: اجتہاد جائز ہے اور اجتہادی غلطی معاف کیونکہ یتیم کی اصلاح ولی کی رائے سے ہی ہو گی۔ اگر اس رائے میں غلطی بھی ہو گی تو بھی معاف ہے۔ (روح البیان) نواں فائدہ: نرمی کرنا رب تعالیٰ پر واجب نہیں یہ محض اس کا کرم ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہتے تو سخت احکام بھی نازل فرماتے۔ گزشتہ امتوں پر بہت سخت احکام تھے۔

مسئلہ : سڑنے گلنے والی چیز میں یتیم کا مال اپنے مال سے ملانا جائز مگر اس کے خرچ کا اندازہ کر کے دیگر خرچوں میں اس کا الگ حساب رکھنا ضروری ہے لہٰذا کپڑے اور زمین و مکان میں ایسی شرکت نہ کرو۔ مسئلہ: یہاں اگرچہ مسلمان یتیم کا حکم بیان ہوا مگر کفار یتیموں کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ ان کے مال وغیرہ کی اصلاح کی جائے۔ دوسری جگہ مطلق یتیم فرمایا گیا کہ **لا تقربوا**

مال الیتیم الا بالتی ھی احسن مسئلہ: کافر یتیم کو اسلام کی خوبیاں دکھا کر اسلام کی طرف مائل کرنا بہتر ہے کہ یہ بھی اس کی اصلاح ہے مگر اسے جبراً مسلمان نہیں کر سکتے کہ دین میں جبر جائز نہیں۔ مسئلہ: یتیموں کی پرورش بڑے ثواب کا کام ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا کہ جنت میں ہم اور یتیم کا پالنے والا اس طرح رہیں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی محبت سے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو اسے ہر بال کے عوض نیکی ملتی ہے۔ (روح البیان) مسئلہ: یتیم کا پالنے والا اگر غریب ہو تو اس کے مال سے حق پرورش لے سکتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خزانہ کے مال کو مال یتیم اور اپنے کو ولی یتیم سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ضرورت پڑتی ہے تو اس میں سے کھاتا ہوں ورنہ نہیں۔ مسئلہ: چند مسلمانوں کا مل کر کھانا باعث برکت ہے۔ اکیلے کھانے میں بے برکتی۔ چاہئے کہ گھر کے بال بچے یا دوست و احباب مل کر کھانا کھایا کریں۔

پہلا اعتراض: یہاں یتیموں کو بھائی کہنے سے معلوم ہوا کہ صرف مسلمان یتیموں کے ساتھ ہی سلوک کرنا چاہئے اگر یہ عام ہوتا تو انہیں بھائی نہ کہا جاتا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ چونکہ یہاں سوال مسلمان یتیموں کے لئے ہی تھا۔ اس لئے انہیں بھائی فرمادیا گیا۔ دوسری آیت میں ہر یتیم کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو چکا۔ دوسرے یہ کہ یہاں خلط سے جانی شرکت دونوں ہی مراد ہیں اور کافر یتیموں سے چونکہ نکاح جائز نہیں لہٰذا انہیں بھائی فرمایا گیا۔
دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ وعدہ خلافی پر قادر ہے۔ کیونکہ اس نے طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور یہاں فرما رہا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہیں طاقت سے زیادہ تکلیف دے دیتے۔ (امکان کذب دیوبندی) جواب: عنت کے معنی طاقت سے زیادہ تکلیف دینا نہیں بلکہ بھاری احکام مراد ہیں جیسے یتیم بچوں کا حساب کتاب الگ رکھنا اور جس کا وعدہ ہے وہ طاقت سے زائد احکام کی تکلیف نہ دینا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ خیال رہے کہ طاقت سے زیادہ کی تکلیف کسی نبی کے دین میں نہیں دی گئی۔ مثلاً کسی سے نہ کہا گیا کہ تم فرشتہ بن جاؤ یا آسمان پر پہنچ جاؤ یا رب کی خدائی سے نکل جاؤ وغیرہ ہاں بعض دینوں میں بھاری و سخت احکام تھے جیسے بنی اسرائیل پر چوتھائی مال زکوٰۃ یا نجس کپڑے کا جلانا وغیرہ اسلام میں یہ بھی نہ رہے۔ اب احکام نہایت آسان ہیں اسی لئے ہم کو اس دعا کی تعلیم دی گئی ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا

تفسیر صوفیانہ: ایمان روح کی اصل پونجی ہے۔ جو اپنے وطن سے لائی ہے اور بدن اور نفس اس کا بچا ہوا مال روح کو حکم فرمایا جارہا ہے کہ تو اس فاضل مال یعنی جسم و نفس کو راہ الٰہی میں خرچ کر ڈال تاکہ اس کے عوض آخرت میں نہ بگڑنے والا جسم اور اچھا نفس پائے۔ اور اے روح تو یہاں مسافر ہے۔ رب نے اس راستہ میں بہت سی نشانیاں قائم فرمادی ہیں۔ جس سے منزل مقصود کا پتہ لگتا ہے تو اس راستہ کو بہت سوچ سمجھ کر طے کر تاکہ منزل مقصود پر پہنچے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عوام کی خیرات بچے ہوئے مال سے ہے اور خواص کی خیرات اپنے سارے مال سے اور خاص الخاص کی خیرات مال 'اولاد جسم' اور جان سب سے ہے۔ صدیق ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک بار سارا مال راہ خدا میں دے دیا۔ غار میں جان بھی قربان کر دی۔ اولاد کو بھی حضور پر ہی قربان کر ڈالا۔ ان کے لئے یہ ساری چیزیں عفو میں ہی داخل تھیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

موسیا آداب داناں دیگر اند　　سوختہ جان و رواناں دیگر اند

سخاوت نبی کے درجہ کے مطابق ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق پر معرفت۔ عمر فاروق پر شریعت عثمان غنی پر طریقت۔ مولا علی پر حقیقت غالب تھی۔ (روح البیان)۔ ایک بار صدقہ کا حکم دیا گیا صحابہ کرام مال لا رہے تھے۔ ابو للہ باھلی بارگاہ نبوت میں بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ ارشاد نبوی ہوا کہ کیا پڑھتے ہو۔ عرض کیا کہ لوگ مال خیرات کر رہے ہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مال پر قادر نہیں۔ لہذا یہ پڑھ رہا ہوں **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے یہ کلمات سونا خیرات کرنے سے افضل ہیں روح البیان نے فرمایا کہ سب سے پہلے سبحان اللہ حضرت جبریل نے کہا عرش کی عظمت دیکھ کر۔ اور سب سے پہلے الحمد للہ آدم علیہ السلام نے کہا جب ان میں روح پھونکی گئی اور سب سے پہلے لا الہ الا اللہ نوح علیہ السلام نے کہا طوفان دیکھ اور سب سے پہلے اللہ اکبر ابراہیم علیہ السلام نے کہا حضرت اسمٰعیل کا فدیہ یعنی دنبہ دیکھ کر جو یہ کلمات کہے گا۔ ان چاروں حضرات کے سائے میں رہے گا نیز دنیا میں روح یتیم ہے اور قلب اس کا ولی۔ قلب کو حکم ہو رہا ہے کہ تو اس روح کو بیگانہ بنا کر نہ چھوڑ دے۔ اس کی پرورش کر اور اس کی اصلاح میں مشغول رہ۔ اگر اس سے مل جل کر رہے گا تو یہ تیرے لئے دنیا و آخرت میں بہترین معاون ثابت ہو گا مگر اے قلب خیال رکھ کہ اسے بگاڑنے کے لئے ساتھ نہ ملانا۔ رب تعالیٰ فسادی کو بھی جانتا ہے اور اصلاح کرنے والے کو بھی۔ نفس فسادی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو بگاڑ دے۔ اگر اللہ تم سب کی علیحدگی کا حکم دے دیتا تو تمہیں بہت دشواری ہوتی۔ رب نے اپنی حکمت سے قلب قالب روح اور نفس ان سب برے بھلوں کو جمع فرما دیا ہے تاکہ بھلوں کی صحبت سے بروں کی اصلاح ہو۔ تو اے قلب تو نفس کی بھی اصلاح کر لینا۔ اس کے ساتھ رہ کر خود نہ بگڑ جانا۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ لونڈی ایمان والی بہتر ہے مشرک
اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ
سے اگرچہ پسند آوے تمہیں اور نکاح نہ کراؤ مشرکوں سے یہاں تک کہ ایمان لے آویں اور البتہ غلام
اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ
ایمان والا بہتر ہے مشرک سے اگرچہ پسند آوے تمہیں۔ یہ لوگ بلاتے ہیں طرف آگ کے۔
مشرک سے اچھا اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ
اور اللہ بلاتا ہے طرف جنت اور بخشش کے ساتھ حکم اپنے کے اور بیان فرماتا ہے آیتیں اپنی
اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

واسطے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ۔

بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حلال و حرام مالوں کا ذکر کیا گیا اور اب حرام و حلال عورتوں کا ذکر ہے کیونکہ عورت سے بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم یتیموں کو اپنے ساتھ ملالو تو جائز ہے خواہ ان سے نکاح کرلو یا مال میں شریک بناؤ۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جانی شرکت یعنی نکاح مشرکہ یتیموں سے جائز نہ ہوگا گویا پہلے یتیموں سے نکاح کی اجازت دی گئی تھی اور اب اس میں پابندیاں لگائی جارہی ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں یتیموں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم تھا۔ اب مشرکین سے نکاح کی ممانعت کیونکہ ایسے غلط نکاح سے جو بچہ پیدا ہوگا۔ وہ یتیم ہی ہوگا کہ زنا اور باطل نکاح کا بچہ گویا حکماً یتیم ہے زانی اس کا باپ نہیں۔ اسی لئے بچہ زانی کی میراث و پرورش سے محروم ہے گویا پہلے یتیموں کی پرورش کا حکم تھا اور اب اولاد کو یتیم بنانے یعنی غلط نکاحوں سے ممانعت ہے۔

شان نزول : حضرت ابو مرثد غنوی ایک بہادر صحابی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ مکرمہ بھیجا تھا کہ وہاں سے تدبیر کے ساتھ ان ضعیف مسلمانوں کو نکال لائیں جو ہجرت نہ کر سکے۔ وہاں ایک مشرکہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا۔ اسے زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور وہ نہایت حسین اور مالدار بھی تھی۔ جب اسے ان کے مکہ آنے کی خبر ملی تو وہ ان کے پاس آئی اور وصال کی طلبگار ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے عناق! میں مسلمان ہو چکا ہوں اور اسلام زنا سے روکتا ہے تب اس نے آپ سے نکاح کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اب میں اپنے قبضے میں نہیں ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ ان سے بغیر پوچھے تجھ سے نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ جب آپ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ عرض کر کے نکاح کے متعلق دریافت کیا تب اس آیت کا پہلا جملہ **ولا تنکحوا** الخ نازل ہوا (احمدی و خزائن)۔ (2) ایک دن حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے کسی خطا پر اپنی حبشی باندی کے طمانچہ مار دیا پھر پشیمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا حضور نے اس لونڈی کے حالات دریافت کئے کہ وہ کیسی ہے آپ نے عرض کیا کہ وہ توحید و رسالت کی قائل نمازی اور روزہ دار ہے۔ تب حضور نے فرمایا کہ اے عبداللہ وہ تو مومنہ ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ رب کی قسم میں اسے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لاؤں گا۔ پھر ایسا ہی کیا۔ اس پر لوگوں نے عبداللہ کو طعنے دیئے کہ فلاں فلاں مشرکہ عورتیں جو حسین بھی تھیں اور مالدار بھی تم سے نکاح کرنے پر تیار تھیں تم نے انہیں چھوڑ کر ایک حبشی لونڈی سے کیوں نکاح کر لیا۔ تب اس آیت کا دوسرا جملہ **ولامة مومنة** نازل ہوا (احمدی و خزائن و روح المعانی)۔

تفسیر : **ولا تنکحوا المشرکٰت** تنکحوا۔ نکح سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں جمع ہونا اور ملنا' داخل ہونا اہل عرب کہتے ہیں۔ **نکح المطر الارض**۔ اور **نکح النعاس العین**۔ یعنی بارش زمین سے مل گئی اور نیند آنکھ میں آگئی اصطلاح میں جماع کو بھی نکاح کہتے ہیں اور عقد نکاح کو بھی کیونکہ نکاح سے دو قبیلے مل جاتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جہاں نکاح کا مفعول اجنبی

استعمال چار معنی میں ہے۔ بمعنی (1) مملوک یعنی غلام' من عبادکم۔ (2) مخلوق۔ (3) عبادت گزار' (4) خدمت گزار' تابعدار حدیث میں ہے تعس عبدالدینار۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ (غلام) یعنی مسلمان غلام بھی اگرچہ بظاہر حقیر ہے۔ لیکن آزاد اور مالدار کافر سے افضل ہے کہ زیور ایمان سے آراستہ ہے **ولو اعجبکم** یہاں بھی واؤ وصلیہ اور لو شرطیہ ہے۔ یعنی اگرچہ وہ کافر اپنے مال' عزت اور جاہ و جلال کی وجہ سے تمہیں اچھا معلوم ہو۔ کفار سے نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ **اولئک یدعون الی النار**' اولئک او لئک سے سارے کفار کی طرف اشارہ ہے اور یدعون سے رغبت دینا اور نار سے سبب جہنم یعنی کفر مراد ہے یعنی یہ کفار تم سے مل کر کفر کی طرف رغبت دیں گے۔ لہذا ان سے دوری ضروری۔ خصوصاً" وہ کفار جو اپنے کو مسلمان کہیں اور رہوں کافر جیسے مرزائی روافض وغیرہ کہ ان کا نقصان کھلے کفار سے زیادہ ہے کہ ان کھلوں کو تو انسان اپنا دشمن سمجھتا ہے مگر یہ دوست کی صورت میں آتے ہیں۔ کفریہ عقیدے اسلامی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں۔ جو بلادھڑک ان مرتدین کو لڑکی دے بھی دیتے ہیں اور ان کی لڑکیاں لے بھی لیتے ہیں پھر خود بھی بے دین ہو جاتے ہیں اور اولاد بھی بے دین ہوتی ہے۔ اس لئے سب کا وبال ان لوگوں پر ہی پڑتا ہے۔ **واللہ یدعو الی الجنۃ والمغفرۃ** بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ سے پہلے ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی اللہ کے دوست (مسلمان) مگر ظاہر یہ ہی ہے کہ کچھ پوشیدہ نہیں۔ یدعوا' سے یا تو بلانا مراد ہے یا رغبت دینا جنت اور مغفرت سے اس کے اسباب مراد ہیں (ایمان پر استقامت اور نیک اعمال) یعنی اللہ کے پیارے مسلمان ایمان اور نیک اعمال کی رغبت دیتے ہیں لہذا انہی سے بیاہ شادی کرو کہ ان کا میل جول رحمت ہے یا اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلا رہا ہے۔ اس لئے اس نے نکاح کفار سے تمہیں روک دیا جو جہنم کا ذریعہ ہے۔ **باذنہ** اس کا تعلق یدعوا سے ہے اور ب تلبس کی۔ اور اذن سے مراد یا ارادہ ہے یا توفیق یعنی اللہ اپنے ارادہ کرم سے یا مسلمان رب کی توفیق سے جنت کی رغبت دیتے ہیں **و یبین ایتہ للناس** یبین کے معنی ہم پہلے بتا چکے۔ آیات سے یا تو احکام کی آیتیں مراد ہیں یا ساری آیتیں۔ اور ناس سے یا صرف مسلمان مراد ہیں یا سارے لوگ یعنی رب تعالیٰ اپنی ہدایت دینے والی آیتیں لوگوں کے لئے خوب صاف صاف بیان فرماتا ہے۔ **لعلھم یتذکرون** یہ لفظ تذکر سے بنا جس کا مادہ ہے ذکر بمعنی نصیحت قبول کرنا یعنی تاکہ لوگ ان احکام میں غور کر کے نصیحت قبول کریں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کافر عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ کیونکہ نکاح محبت دائمی گھر کی آبادی اور بال بچوں کی پرورش کے لئے ہوتا ہے۔ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے یہ تینوں باتیں ناممکن ہیں۔ نہ شوہر بیوی کا دل ملے گا اور نااتفاقی کی وجہ سے گھر میں رونق بھی نہ ہوگی اور بچوں کی پرورش میں بہت جھگڑا پیدا ہوگا کہ ماں تو انہیں اپنے دین پر لانا چاہے گی اور باپ اپنی طرف کھینچے گا۔ لہذا اس صورت میں نکاح کا مقصود ہی حاصل نہ ہوگا۔ سمجھ لو کہ مسلمان عورت اگرچہ لونڈی ہو مشرکہ سے افضل ہے خواہ وہ آزاد مالدار حسینہ اور حسب نسب والی ہو اگرچہ تمہیں مشرکہ مال و جمال کی وجہ سے پسند آجائے کیونکہ صورت سے سیرت بہتر اور اے مسلمانو اپنی بچیوں کا نکاح کفار سے نہ کراؤ۔ اور نہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے ہونے دو۔ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئے۔ کیونکہ مسلمان عورت کا کافر کی بیوی بن کر رہنا سخت بے غیرتی ہے۔ خیال رکھو کہ مسلمان اگرچہ غلام ہو۔ حقیر و غریب ہو پھر بھی آزاد مالدار عزت و جاہ والے مشرک سے افضل ہے کہ دولت ایمان

سب سے بڑھ کر۔ اگرچہ وہ تمہیں اپنے مال و جمال کی وجہ سے پسند ہی آجائے۔ کفار ہمیشہ تمہیں کفر کی رغبت دیکر دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ جب تمہارا ان کا سسرالی رشتہ قائم ہو جائے گا تو ان کو تمہیں گمراہ کرنے کا اور موقع ملے گا اور اللہ اپنے کرم سے تمہیں استقامت ایمان اور نیک اعمال کی رغبت دیکر جنت اور بخشش کی طرف بلا رہا ہے۔ اس لئے نکاح کفار سے منع فرماتا ہے جو کہ جہنم کا سبب ہے۔ رب تو لوگوں کے لئے اپنے احکام اور آیت کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اس آیت میں دو حکم بیان ہوئے۔ ایک یہ کہ مسلمان مرد کافر عورت سے نکاح نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان عورت کافر مرد کے نکاح میں نہ دی جائے۔ دوسرا مسئلہ تو اپنے عموم پر ہے یعنی مسلمہ کا نکاح کسی بھی کافر سے جائز نہیں خواہ وہ کتابی ہو یا مشرک یا مرتد مگر پہلے حکم سے ایک تخصیص ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان کا نکاح اہل کتاب یعنی یہودیہ اور عیسائی سے ہو سکتا ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت میں فرمایا گیا۔ مسئلہ: جیسے کہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے نکاح ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر زوجین میں اختلاف دین پیدا ہو جائے تو پچھلا نکاح باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر مرد مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح سے عورت فوراً نکل جائے گی اور بعد عدت دوسرے سے نکاح کر سکے گی اور اگر کافر عورت مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے کافر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر وہ جگہ دار الحرب ہے تو عورت کے اسلام لاتے ہی دار الاسلام میں آتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا۔ خاوند سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی اور اگر وہ جگہ دار الاسلام ہے تو مرد پر بھی اسلام پیش کیا جائے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو نکاح قائم رہے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا۔ مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اس سے جماع حرام ہو جاتا ہے اور عورت کو اسلام لانے اور تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔ مسئلہ: اس زمانہ میں عام انگریز عورتیں جو دہریئے ہو کر خدا کی ذات، انجیل شریف اور عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہو چکے ان سے نکاح جائز نہیں کیونکہ یہ عیسائی نہیں بلکہ دہریئے ہیں۔ مسلمان سخت غلطی کرتے ہیں کہ بے تحقیق ولایت سے میمیں بیاہ لاتے ہیں۔ مجھ سے ایک عیسائی پادری نے جس کا نام پادری ایم سکاٹ تھا بیان کیا کہ عام انگریز قومی عیسائی رہ گئے ہیں دینی عیسائی نہیں۔ یہ حضرت مسیح و انجیل بلکہ رب کے منکر ہو چکے۔ مسئلہ: مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس جگہ کہا کہ جو مرد بظاہر مسلمان ہو مگر اس کے عقائد کفر تک پہنچ گئے ہوں۔ اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں اور اگر نکاح ہونے کے بعد ایسے عقائد ہو جائیں تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ پیغام و سلام کے وقت لڑکے کے عقائد کا اطمینان کر کے زبان دی جائے اور عورتوں کو چاہئے کہ اگر بعد نکاح شوہر کے ایسے عقائد ظاہر ہوں تو اس سے الگ ہو جائیں اور جس طرح ممکن ہو اسے اپنے سے صحبت نہ کرنے دیں اور سرپرستوں کو بھی اس میں عورت کی امداد واجب ہے۔ ہم اس مسئلہ میں مولوی صاحب سے بالکل متفق ہیں اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی پر زور رغبت دیتے ہیں کہ اگر شوہر نیچری قادیانی۔ توہین کرنے والا دیوبندی، چکڑالوی وغیرہ مرتد ہو تو اس سے مسلمان لڑکی کا نکاح ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر بعد میں خاوند ایسا ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ مسئلہ: جس کی بیوی عیسائن یا یہودن ہو وہ اپنے بچوں کی پرورش ماں سے نہ کرائے۔ بلکہ ان کے ہوش سنبھالتے ہی انہیں ماں سے الگ کر دے ورنہ بچوں کے ایمان کا اندیشہ ہے۔

مسئلہ: اگرچہ اہل کتاب عورتوں سے مسلمان کا نکاح جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورت سے نکاح مال پر ہوتا ہے یا جمال پر فاظفر بذات الدین' تم دیندار بیوی اختیار کرو کافرہ دیندار کہاں سے آئی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حضرت حذیفہ نے عیسائی سے نکاح کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ فوراً طلاق دے دو۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے۔ فرمایا حرام تو نہیں مگر سخت خطرناک ہے اور واقعی صحیح ہے۔ عیسائی' یہودی عورتوں نے مسلمانوں کو قومی اور دینی سخت نقصان پہنچایا۔ ضروری ہدایت۔ اپنی بچیوں کے لئے خوش اخلاق تندرست کماؤ دیندار خاوند تلاش کرو محض مال پر لڑکی نہ دے دو ورنہ بعد میں سخت پریشانی اٹھانا پڑے گی۔ بچہ کا پہلا اسکول ماں باپ کی گود ہے۔ آوارہ بد اخلاق ماں باپ کی اولاد بھی آوارہ ہی ہوتی ہے۔ فاطمہ زہرا جیسی ماں ہو تو حسین جیسے فرزند ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے کالمی ایٹ لڑکیوں کو مخاطب کر کے کیا خوب کہا۔

اگر پندے ز درویشے پذیری — جہاں میرد و لیکن تو نہ میری

بتولے باش پنہاں شو ازیں عصر — کہ در آغوش شبیرے بگیری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہراء کے لئے حضرت علی جیسے مسکین کو منتخب فرمایا جن کے گھر میں بجائے دولت کے اللہ رسول کا نام ہی تھا مگر انکا سینہ دولت ایمانی سے مالامال تھا۔ نیز شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی صفورا کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو منتخب کیا جن کے پاس اس وقت نہ گھر تھا نہ در پردیسی مسافر تھے۔ کیا دیکھا دین اور قوت ایمانی نیز گھر میں ایسی بہوئیں لاؤ جو قرآن مصلے و تسبیح ساتھ لائیں۔ ریڈیو سینما نہ لائیں۔ ان کے آنے سے گھر اللہ کے ذکر سے بھر جائے۔
دوسرا فائدہ: بدمذہبوں کی صحبت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اپنا رازداں بنانا یا انہیں اپنے گھر کے اختیارات دینا سخت ناجائز۔ دیکھو نکاح کفار سے اسی لئے منع فرمایا گیا کہ اس میں کفار کو مسلمانوں کے رازداں ہونے اور ان سے خلط ملط کا موقع ملے گا۔ زمانہ فاروقی میں حضرت امیر معاویہ نے اپنا کلرک ایک کافر رکھا تھا۔ فاروق اعظم نے پوچھا کہ یہ کیا عرض کیا کہ اس شہر میں کوئی مسلمان پڑھا لکھا نہیں ملتا۔ لہذا مجبوراً اسے رکھ لیا گیا۔ آپ نے فرمایا اگر یہ مرجائے تو کیا کرو گے۔ عرض کیا پھر کوئی اور بندوبست کرلوں گا۔ فرمایا کہ وہ بندوبست اب ہی کرلو۔ قرآن کریم نے بھی اس کی سخت تاکید فرمائی کہ فرمایا **لا تتخذوا بطانۃ من دونکم** کفار کو اپنا مشیر کار نہ بناؤ کیونکہ **لا یالونکم خبالا** تیسرا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے پر قدرت ہوتے ہوئے بھی لونڈی سے نکاح جائز ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس میں آزاد مشرکہ سے نکاح کرنے کی طاقت ہو وہ بھی اس سے نکاح نہ کرے۔ خواہ مسلمان لونڈی ہی سے کرے اور ظاہر ہے کہ جس میں آزاد مشرکہ سے نکاح کی طاقت ہوگی اس میں آزاد مومنہ سے بھی نکاح کی طاقت ہوگی کیونکہ ان میں ایمان و کفر کا فرق ہے نہ کہ مال کا۔ اس سے مذہب حنفیہ کی پوری تائید ہوئی۔ (تفسیر کبیر)۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو کفر کی رغبت دیں گے۔ جس سے ان کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا تو پھر کتابیہ عورت سے نکاح کیوں حلال رہا یہ سارے اندیشے تو اس میں بھی موجود ہیں۔ جواب: کیونکہ اہل کتاب بمقابلہ مشرکین مسلمانوں سے کچھ قریب ہیں۔ توحید' رسالت' وحی' آسمانی کتاب کے ماننے میں قریباً متفق ہیں اور عورت مرد کے ماتحت ہوتی ہے بہت ممکن ہے کہ مسلمان کی صحبت سے وہ ایمان قبول کرلے یا کم از کم

مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہے۔ مگر مشرکہ عورت دین میں مسلمان سے بہت دور ہے اور عیسائی مرد اگرچہ دین میں قریب ہے مگر شوہر ہونے کی وجہ سے عورت پر غالب رہے گا۔ اس لئے مشرکین سے تو نکاح بالکل حرام رہا اور اہل کتاب کی عورتوں سے جائز اور مردوں سے حرام۔ خیال رہے کہ جس کو اپنے ایمان کا خطرہ ہو وہ عیسائی عورت سے بھی نکاح نہ کرے۔ جیسے کہ جسے انصاف کا یقین نہ ہو وہ چند بیویاں نکاح میں نہ رکھے۔ **وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ** ۔ دوسرا اعتراض: کفار سے نکاح ہونے کی صورت میں جیسے کہ مسلمان کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے ایسے ہی کافر کے مسلمان ہو جانے کی بھی امید ہے تو چاہئے تھا کہ نکاح جائز رہے۔ جواب: خطرناک اور فائدہ مند کام سے دور رہنا ضروری ہے نیز ایمان کو عقل چاہتی ہے اور کفر کو نفس۔ شیطان نفس کی حمایت کرتا ہے۔ اکثر نفس عقل پر غالب رہتی ہے۔ من حاصل کرنے کی امید پر سانپ کے منہ میں ہاتھ نہ دو کہ اس میں تھوڑا نفع یعنی مال کی امید ہے مگر بڑے نقصان یعنی جان کا خطرہ۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح بغیر ولی جائز نہیں کیونکہ مردوں کو فرمایا گیا **ولا تنکحوا** یعنی نکاح نہ کرو اور عورتوں کے لئے فرمایا گیا **ولا تنکحوا** یعنی نکاح نہ کراؤ۔ اگر عورت بھی اپنا نکاح خود کر سکتی تو دونوں عبارتیں یکساں ہوتیں (شافعی) جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یا تو نابالغہ بچیوں کے اولیاء سے خطاب ہے جن کا نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا یا عام مسلمانوں سے کہ مسلمانوں ایسا نکاح نہ ہونے دو عورت کے ناجائز نکاح کو روکنے کا ہر مسلمان کو حق ہے اور اگر بالغ عورتوں کے اولیاء کو بھی خطاب ہو جب بھی عرف کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ عام طور پر عورتیں اپنا نکاح خود نہیں کرتیں مردوں کے ذریعہ کراتی ہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی کافر مسلمان ہو جائے۔ اس سے نکاح ہو سکتا ہے تو گیا نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہیں۔ جواب: یہاں جواز نکاح کا ذکر ہے۔ غیر کفو سے نکاح جائز ہے۔ ہاں سنت یہ ہے کہ کفو سے کیا جاوے تاکہ قبیلے اور نسلیں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ پانچواں اعتراض: اس آیت میں فرمایا کہ مسلم عورت کافرہ سے زیادہ اچھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کافرہ بھی اچھی ہے مگر مسلمہ زیادہ اچھی تو چاہئے کہ نکاح کافرہ سے بھی جائز ہو مگر مسلمہ سے بہتر۔ جواب: آیت کا مقصد یہ ہے کہ آزاد کافرہ میں بظاہر دنیاوی خوبی ہے مگر دینی خرابی اور مسلمہ لونڈی میں بظاہر دنیاوی خوبی نہیں مگر دینی بہتری۔ تم دنیاوی خوبیوں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ دینی بہتری پر نظر رکھ کر مسلمہ ہی سے نکاح کرو خیال رہے کہ کسی کافر کو اچھا کہنا جائز نہیں۔ یہ نہ کہو کہ مشرک سے عیسائی اچھے بلکہ یوں کہو کہ عیسائیوں سے مشرک بدتر۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکہ عورت جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائے اس سے نکاح جائز نہیں حالانکہ اگر مشرکہ عورت عیسائی یا یہودی دین اختیار کرے تب بھی اس سے نکاح درست ہے یہ آیت اس فقہی مسئلہ سے کیونکر مطابق ہو۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کا نزول مشرکین مکہ کے متعلق ہے۔ جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا اہل مکہ کا عیسائی یا یہودی بننا بہت ہی بعید تھا ہاں ان کے مسلمان ہو جانے کی توقع تھی اس لئے یہ ارشاد ہوا۔ دوسرے یہ کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے۔ یعنی کسی نبی پر ایمان لے آنا لہٰذا اس میں نصرانیت و یہودیت بھی داخل ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حکم استحبابی ہے۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ مشرکہ عورت سے اس وقت تک نکاح ہرگز نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے یہودی و نصرانی عورت سے نکاح اگرچہ جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ خطرناک ہے۔

تفسیر صوفیانہ : روح اور نفس گویا زوجین ہیں۔ جن کے ملنے سے اعمال پیدا ہوتے ہیں۔ نفس مطمئنہ مومن زوج اور نفس امارہ کافرہ کا حکم ہو رہا ہے کہ روح کو نفس امارہ سے نہ ملاؤ جب تک کہ یہ اپنی سرکشی چھوڑ کر مطیع نہ ہو جاوے خواہ یہ تمہیں کتنی ہی بھلی معلوم ہو مگر در حقیقت خبیث ہے کہ روح کو بدکاری کی رغبت دیکر جہنم کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔ لولا "اسے چھوڑ کر فرمانبردار بنالو۔ پھر اس سے خلط ملط کرو۔ نیز حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ ارواح مختلف لشکر ہیں۔ ہر روح اپنے ہم جنس سے محبت اور غیر جنس سے نفرت کرتی ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

چاہئے کہ پاک لوگ خبیثوں سے رشتہ محبت نہ جوڑیں کہ دھبے لگ جاتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

تلخ با تلخاں یقیں ملحق شود کے دم باطل قرین حق شود

طیبات آمد بسوئے طیبیں! مرخبیثیں راخبیثات است ہیں

حسین کاشفی کہتے ہیں۔

جاذب ہر جنس راہم جنس داں جنس برجنس است عاشق جاوداں

غیر جنس کی محبت کا انجام یا ایمان کی تباہی ہے یا جھگڑا اور لڑائی۔ قیامت میں ہر شخص اپنے پیارے کے ساتھ ہوگا۔ (از روح البیان)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ

اور پوچھتے ہیں آپ سے حیض سے متعلق - فرمادو کہ وہ گندگی ہے پس الگ رہو عورتوں سے زمانہ حیض میں

اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں اور ان

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ

اور قریب ہو ان کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جاویں تو آؤ ان کے پاس جہاں سے کہ حکم کیا

سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں پھر جب پاک ہو جاویں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں

اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

تم کو اللہ نے۔ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے توبہ والوں کو اور دوست رکھتا ہے خوب پاک ہوئے والوں کو ۝

اللہ نے حکم دیا۔ بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو ۝

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ناجائز نکاح سے ممانعت تھی اور اب ناجائز وطی سے روکا جا رہا ہے یعنی وہاں فرمایا گیا تھا کہ مشرکات سے نکاح نہ کرو۔ اور یہاں ارشاد ہے کہ حائضہ عورتوں سے صحبت نہ کرو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں نجس عورت یعنی کافرہ سے نکاح کی ممانعت تھی اور یہاں گندی عورت یعنی

حائضہ سے جماع کی ممانعت ہے گویا عقیدہ کی گندگی کے احکام بتا کر جسمانی گندگی یعنی حیض کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کافرہ عورت اگرچہ تمہیں بھلی معلوم ہو۔ مگر نکاح کے قابل نہیں۔ اب اس کو سمجھانے کے لئے فرمایا جا رہا کہ دیکھو حائضہ عورت کیسی ہی صاف و ستھری ہو جماع کے قابل نہیں۔ یقیناً کفری گندگی حیض کی گندگی سے بدتر ہے۔ لہذا ان سے بچو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے عارضی طور پر نکاح کرنا حرام ہے۔ یعنی کافرہ کہ جب تک وہ بیماری کفر سے تندرست نہ ہو جائیں نکاح کے قابل نہیں اب ان عورتوں کا ذکر ہے۔ جس سے عارضی طور پر صحبت کرنا حرام ہے یعنی حائضہ کہ جب تک وہ عارضہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں۔ ان سے صحبت کرنا حرام ہے۔

شان نزول : عرب کے یہودی اور مجوس حائضہ عورتوں سے بہت نفرت کرتے تھے کہ ان کے ساتھ کھانا پینا ایک مکان میں رہنا گوارا نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی طرف دیکھنا اور ان سے کلام کرنا بھی حرام جانتے تھے مگر وہاں کے عیسائی حائضہ عورتوں سے صحبت بھی کرتے تھے۔ مشرکین عرب یہودیوں کی چال چلتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ثابت ابن وحداح اور دیگر صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے احکام پوچھے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں مسلمانوں کو یہودیوں کی افراط اور عیسائیوں کی تفریط سے منع کر کے درمیانی راستہ بتایا گیا کہ تم حیض کے زمانہ میں جماع نہ کرو۔ اس کے سوا سارے برتاوے برتو۔ (درمنثور روح المعانی و خزائن)۔

تفسیر : **ویسئلونک عن المحیض** یہاں مسلمانوں کے چھ سوال نقل کئے گئے۔ پچھلے تین سوال بغیر واؤ کے اور اخیری تین سوال یعنی خیرات، یتیموں سے معاملات اور حیض کے احکام واؤ سے بیان ہوئے جس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے تین سوال تو مختلف وقتوں میں تھے اور یہ تین بیک وقت ہوئے۔ (کبیر و روح البیان وغیرہ)۔ سوال نقل کرنے میں صحابہ کرام کی عزت افزائی ہے کہ انہیں رب سے جواب حاصل کرنے کا فخر حاصل ہوا۔ محیض کا مادہ حیض ہے بمعنی بہنا۔ اسی لئے حوض کو حوض کہتے ہیں کہ اس میں پانی بہہ کر آتا ہے۔ اہل عرب ی کو واؤ کو ی سے بدل دیا کرتے تھے۔ شریعت میں حیض عورتوں کے ماہواری خون کا نام ہے جو رحم سے بذریعہ شرمگاہ جاری ہوتا ہے۔ اس کی مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ محیض مصدر بھی ہے اور ظرف زمان و مکان بھی۔ یہ محیض بمعنی مصدر ہے اور اگلا محیض ظرف کیونکہ سوال حیض کے متعلق تھا نہ کہ زمانہ حیض کے متعلق کہا جاتا ہے۔ حاض محیضا جیسے جاء مجیاء اور بات مبیتا" اگرچہ سوال میں اجمال ہے مگر جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سوال احکام کے متعلق تھا کہ حائضہ کے احکام کیا ہیں یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے حیض کے احکام پوچھتے ہیں۔ **قل ھو اذیٰ** ھو کا مرجع وہی محیض مصدر ہے۔ اذیٰ کے معنی ہیں گندی یا ناپسندیدہ یا تکلیف دہ چیز، سخت تکلیف کو ضرر اور معمولی کو اذیٰ کہا جاتا ہے چونکہ حیض کا خون گندا بھی ہے اور اس سے نفرت بھی آتی ہے۔ نیز اس حالت میں جماع کرنے سے عورت کو تکلیف، مرد کو آتشک اور اس جماع کی اولاد بھی کوڑھی اور بے غیرت اور بے حیاء ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔ اس لئے اسے اذیٰ کہا گیا۔ عربی میں نجاست، خباثت، اذیٰ قریب المعنی ہیں مگر اکثر نجاست ظاہری گندگی کو کہا جاتا ہے۔ خباثت اندرونی گندگی کو اور اذیٰ دونوں قسم کی گندگیوں کے مجموعہ کو بلکہ اس کو جو علاوہ گندے ہونے کے مضر و ایذا رساں بھی ہو۔ استحاضہ کا خون اور پیشاب وغیرہ نجس ہے اذیٰ نہیں مگر حیض اذیٰ ہے۔ اسی لئے یہ ہی حیض صحبت کو حرام کر دیتا ہے۔ بحالت حیض عورت کی شرم

گاہ نجس حقیقی ہے باقی سارا بدن نجس حکمی جیسے اکثر حدثوں کا حال ہے۔ یعنی فرمادو کہ یہ حیض گندگی یا پلیدی یا تکلیف دہ چیز ہے لہٰذا **فاعتزلوا النساء فی المحیض** یہ عزل سے بنا معنی کسی سے الگ ہو جانا یہاں عورتوں سے جماع نہ کرنا مراد ہے۔ جسے اردو میں کہتے ہیں عورت کے پاس نہ جانا۔ نساء جمع فرما کر یہ بتایا کہ حیض کی حالت میں نہ بیبیوں سے جماع کرو اور نہ لونڈیوں سے۔ یہاں محیض اسم ظرف ہے خواہ ظرف زمان ہو یا مکان۔ اسی لئے ضمیر نہ کہا بلکہ علیحدہ نام لیا۔ کیونکہ پہلا محیض مصدر تھا اور یہ مصدر نہیں ہے۔ یعنی زمانہ حیض میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ یا مقام حیض یعنی شرمگاہ میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ۔ (کبیر) گویا حائضہ عورتوں سے صرف جماع کرنا حرام ہے نہ کہ انہیں چھونا یا ان سے بات چیت کرنا۔ اس لئے پہلے حولاذی کہہ کر یہ بتایا گیا کہ وہ حیض پلید ہے نہ کہ عورتوں کا سارا جسم۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ مسلمان اولا" اس جملہ کا مطلب یہ سمجھے کہ عورتوں سے بالکل الگ ہو جاؤ۔ انہوں نے گھر سے نکالنا شروع کیا۔ پھر بدوی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ قرآن کریم نے حائضہ عورتوں سے بالکل الگ رہنے کا حکم دیا۔ اور ہمارے پاس کپڑے تھوڑے ہیں اور سردی سخت اگر انہیں الگ نہ کریں تو گنہگار اور اگر الگ کریں تو جاڑے کی سخت تکلیف ہے۔ تب ارشاد نبوی ہوا کہ تمہیں تو اس آیت میں صرف جماع سے روکا گیا ہے **ولا تقربوا ھن حتی یطھرن** ہم پہلے پارے میں 'ولا تقربا' کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ قرب (ر کے پیش سے) کے معنی قرب مکانی ہوتے ہیں۔ قرب (ر کے زبر سے) کے معنی قرب استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ 'ر' کے زبر سے ہے۔ لہٰذا اس سے جماع کرنا مراد ہے نہ کہ قریب ہونا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے لا تجامعوھن نہ فرمایا لا تقربوھن جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جوان آدمی بحالت حیض عورت سے بوس و کنار بھی نہ کرے یعنی اسباب صحبت سے بھی بچے ہاں وہ بوڑھا آدمی جو کسی مصرف کا نہ ہو یا وہ متقی شخص جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو بوس و کنار کر سکتا ہے۔ لہٰذا لا تقربوا کے معنی جوان کے حق میں اور ہوں گے بڈھے کے حق میں اور بہر حال اس کے معنی وہ نہیں ہیں جس پر یہود و مشرکین عامل تھے۔ یعنی حائضہ سے بالکل کنارہ کش ہو جانا کہ اس صورت میں یہ آیت یہود کی تائید بن جاوے گی حالانکہ ان کی تردید کرنے آئی ہے۔ **یطھرن** کی دو قرأتیں ہیں ایک ط اور ھ کی تشدید سے یعنی خوب پاک ہو جائیں کہ حیض کے بعد غسل بھی کر لیں۔ دوسرے ط کے جزم اور ھ کے پیش سے یعنی پاک ہو جائیں کہ حیض بند ہو جاوے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قرأتوں پر عمل کیا کہ فرمایا کہ اگر عورت دس دن میں پاک ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل بھی اس سے جماع جائز ہے۔ اور اگر دس دن سے کم میں پاک ہو تو جب تک غسل نہ کرے یا وقت نماز نہ گزر جائے اس سے جماع جائز نہیں۔ یعنی تم ان عورتوں سے جماع نہ کرو۔ جب تک کہ پاک نہ ہو جائیں یا تو اس طرح کہ خون بند ہو جاوے یا غسل بھی کر لیں۔ **فاذا تطھرن** یہاں تطہرن یا تو طہرن کے معنی میں ہے اور یا اس سے ایک حالت مراد ہے یعنی دس دن سے کم میں بند ہونا۔ روح المعانی نے کہا کہ جب عورت کی طرف طہر منسوب ہو تو اس سے غسل مراد نہیں ہوتا بلکہ فقط خون کا بند ہونا۔ یہی عبداللہ ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔ تاج البیہقی میں ہے کہ طہرت طمست کے مقابلہ میں ہے۔ شمس العلوم میں ہے کہ امرأۃ طاہرۃ' وہ عورت ہے جس کا حیض بند ہو جائے' اساس' میں ہے کہ امرأۃ طاہرۃ اور نساء طواہر کے معنی ہیں۔ حیض سے پاک ہونے والی عورتیں بلکہ ایسے مقام پر غسل طہارت کے مجازی معنی ہیں نہ کہ حقیقی (روح المعانی) امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ یہاں طہارت سے استنجاء مراد ہے۔ مسلم بخاری میں عائشہ رضی

اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کو غسل سے پہلے مشک استعمال کرنے کا حکم دیا تاکہ اس سے خون کی بدبو جاتی رہے (روح المعانی) غرضیکہ یہ کلمہ مذہب حنفیہ کے خلاف نہیں فاتوھن ظاہر یہ ہے کہ یہ امر اباحت کا ہے۔ کیونکہ ممانعت کے بعد امر اسی لئے آتا ہے۔ جیسے واذا حللتم فاصطادوا اور ممکن ہے کہ آئندہ کے لحاظ سے امر وجوبی ہو۔ یعنی پس جب کہ عورتیں خوب پاک ہو جائیں یا پاک ہو جائیں تو تم ان سے جماع کر سکتے ہو۔ یا ضرور جماع کرو من حیث امرکم اللہ حیث کے معنی جگہ ہیں عبد اللہ ابن عباس اور مجاہد و قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں جتیں (روح المعانی) یعنی ضرور اس جگہ میں جماع کرو۔ جہاں خدا کی اجازت ہے فرج میں نہ کہ دبر میں یا جائز جتوں سے جماع کرو۔ کہ اگر عورتیں روزہ دار یا احرام یا اعتکاف میں ہوں تو ہرگز جماع نہ کرو ان اللہ یحب التوابین' تواب کے معنی ہیں بکثرت یا اچھی طرح توبہ کرنے والا۔ یعنی اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ویحب المتطھرین اور بہت پاک ہونے والوں کو بھی پسند فرماتا ہے جو کہ حیض اور شرک دونوں گندگیوں سے بچیں۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے حیض کے احکام پوچھتے ہیں کہ آیا حائضہ عورت سے یہودیوں کی طرح بالکل دور رہیں یا عیسائیوں کی طرح ان سے جماع بھی کر لیا کریں۔ آپ فرما دو کہ وہ عورتیں حقیقتاً گندی نہیں تاکہ ان کو دور کر دیا جائے۔ بلکہ حیض گندگی یا گھناؤنی یا بیماریاں پیدا کرنے والی چیز ہے کہ اس سے مرد کو آتشک وغیرہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اگر اس صحبت سے حمل قائم ہو جائے تو ممکن ہے کہ بچہ کوڑھی پیدا ہو۔ حدیث میں ہے کہ حیض کی اولاد کو جذام ہو جاتا ہے۔ (درمنثور) اور خون مکمل کرنہ آنے کی وجہ سے عورت کو بھی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ لہذا حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک کہ وہ پاک نہ ہو لیں۔ صحبت نہ کرو۔ پھر جب ان کا حیض بند ہو جائے اور وہ پاک ہو لیں تو تم وہاں جماع کرو جہاں اللہ نے اجازت دی یعنی شرمگاہ میں کرو نہ کہ دبر میں اور جو لوگ غلطی میں حائضہ سے جماع کر چکے وہ خوب توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور آئندہ کافرہ اور حائضہ ہر قسم کی عورت سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب صاف ستھروں کو پسند فرماتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی حائضہ عورت سے صحبت کر بیٹھے تو وہ کچھ صدقہ کرے۔ اگر شروع حیض میں جب کہ سرخ خون آتا ہے جماع کیا ہو تو ایک دینار یعنی اڑھائی روپے خیرات کرے اور اگر اخیر حیض میں جب کہ خون پیلا آتا ہے جماع کیا ہو تو آدھا دینار یعنی سوا روپیہ خیرات کرے (مشکوۃ شریف و روح المعانی) تواّبین فرمانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ خیال رہے کہ چند عوارض وہ ہیں جن کی وجہ سے عورت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ جیسے نسب' سسرالی رشتہ' رضاعت' اختلاف زوجین فی الکفر و الاسلام' تعلق حق غیر جیسے دوسرے کی منکوحہ یا معتدہ ہونا۔ حرہ کی موجودگی نکاح میں' اپنی مملوکہ سے کرنا وغیرہ اور چند وجوہ وہ ہیں جن کی بنا پر اپنی بیوی سے صحبت حرام ہو جاتی ہے جیسے حیض نفاس' روزہ' احرام وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزارہا مسائل ہیں۔ اس آیت میں وہ وجہ بیان ہوئی جس سے اپنی بیوی سے صحبت حرام ہے۔ یہ وجوہ تو عمومی حرمت کے تھے۔ ایک خصوصی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے اگر کسی نکاح سے حضور ناراض ہیں تو وہ نکاح حرام اگر کسی کے اپنی بیوی کی صحبت سے ناراض ہیں تو وہ صحبت حرام۔ دیکھو حضرت علی کے لئے فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح حرام رہا کہ وہ حضور انور کی ایذا کا سبب تھا اور حضرت کعب ابن مالک

پر زمانہ بائیکاٹ میں ان کی بیوی حرام ہو گئیں کیوں صرف حضور انور کی ناراضی کے باعث یہ ہے۔ حضور کی سلطنت مطلقہ اور اختیار خداداد۔

حیض و نفاس : عورتوں کو تین قسم کے خون آتے ہیں۔ ایک ماہواری اسے حیض کہتے ہیں۔ یہ رحم سے آتا ہے اور اس کی مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس حالت میں عورت سے جماع کرنا حرام۔ نیز عورت پر نماز معاف۔ روزہ قضا کرے۔ اسے قرآن پاک چھونا۔ پڑھنا مسجد میں آنا طواف کرنا سب ناجائز۔ اس کا خون کبھی سرخ کبھی پیلا کبھی کالا کبھی مٹیلا ہوتا ہے۔ اس میں سخت بدبو ہوتی ہے۔ حائضہ سے صحبت کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہے اور باقی اور احکام حدیث شریف سے۔

نفاس : وہ خون ہے جو عورتوں کو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے۔ اس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے اور کم کی کوئی حد نہیں۔ چونکہ یہ خون بھی رحم سے ہی آتا ہے اس لئے اس کے احکام بھی حیض کے سے ہیں۔ بعض عورتیں بچہ پیدا کرنے کے بعد چالیس دن نماز نہیں پڑھتیں خواہ خون آئے یا نہ آئے وہ سخت غلطی کرتی ہیں۔

استحاضہ : ایک بیماری ہے۔ جس سے کوئی رگ کھل جاتی ہے اور عورت کو شرم گاہ سے خون آنے لگتا ہے یہ خون چونکہ رحم کا نہیں۔ اس لئے احکام بھی حیض و نفاس کے سے نہیں۔ اس حالت میں اس سے صحبت بھی جائز ہے اور اس پر نماز وغیرہ بھی فرض۔

مسئلہ : اگر ماہواری خون تین دن سے کم آئے تو استحاضہ ہے۔ ایسے ہی اگر دس دن میں بڑھ جائے تو زیادتی استحاضہ۔ **مسئلہ :** کچا بچہ گرنے کی صورت میں اگر بچہ کے ہاتھ پاؤں بن گئے ہیں تو وہ خون نفاس ہے ورنہ استحاضہ (ردالمختار)۔ **مسئلہ:** اگر عورت کے سانپ یا کوئی اور جانور پیدا ہو تو اس کا خون نفاس نہیں بلکہ حیض ہے کیونکہ یہ جانور اس کا بچہ ہی نہیں بلکہ یہ خراب غذا ہے اسی لئے نہ اس بچہ پر نماز جنازہ ہو اور نہ دیگر انسانی احکام جاری ہوں۔ جیسے کہ کبھی پیٹ سے کیڑے نکلتے ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی ایک کیڑا ہے۔ (ردالمختار) **مسئلہ:** تفسیر درمنثور نے عبدالرزاق کی روایت نقل کی کہ بنی اسرائیل کی عورتوں سے حیض شروع ہوا۔ مگر ہم پہلے سیپارہ میں بیان کر چکے کہ حضرت حواء سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ کہ یہ ان کے گندم کھانے اور کھلانے کا اثر تھا۔ **مسئلہ:** اگر حیض پورے دس دن پر ختم ہوا۔ تو بند ہوتے ہی اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ غسل کا انتظار ضروری نہیں۔ اور اگر دس دن سے پہلے مگر عورت کی عادت کے موافق بند ہو تو صحبت جب حلال ہو گی جب کہ عورت یا تو غسل کرے یا اس پر نماز کا وقت گزر جائے۔ **مسئلہ:** اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت کر بیٹھا تو خوب توبہ کرنا واجب ہے اور بہتر ہے کہ کچھ خیرات بھی کر دے۔ **مسئلہ:** بحالت حیض عورت حرام نہیں بلکہ اس سے صحبت کرنا حرام ہے یعنی حیضی بچہ حلالی ہو گا اگر عورت ہی حرام ہوتی تو بچہ حرامی ہوتا۔ حیض و نفاس میں آٹھ چیزیں عورت پر حرام ہو جاتی ہیں نماز روزہ 'تلاوت قرآن' قرآن کریم چھونا مسجد میں آنا' طواف 'صحبت۔ ان کے علاوہ باقی نیک اعمال کر سکتی ہے۔ کلمہ طیبہ دیگر دعائیں۔ درود شریف 'بقیہ ارکان حج سب کچھ کر سکتی ہے۔ تلاوت قرآن میں بھی یہ آسانی ہے کہ قرآن کریم کی ہجے بچوں کو کرا سکتی ہے۔ الفاظ قرآن بہ نیت دعا پڑھ سکتی ہے وغیرہ۔

پہلا اعتراض : فقہاء فرماتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں بھی فاتوھن امر ہے چاہئے کہ حیض کے بعد صحبت واجب ہو۔ جواب: ممانعت کے بعد امر اباحت کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں بھی چونکہ ولا تقربوھن کے بعد ہے۔ لہذا اباحت کے لئے نہ کہ وجوب کے لئے۔ نیز آیت کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جس طرح خدا نے حکم دیا اس طرح صحبت کرو یعنی صحبت میں شرعی حدود کا لحاظ رکھنا واجب ہے یہ وجوب اس قید کے لحاظ سے ہے۔ دوسرا اعتراض: حیض میں بھی خون ہی آتا ہے اور استحاضہ میں بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے احکام میں فرق ہے۔ جواب: حیض کا خون رحم سے آتا ہے اور استحاضہ کا رگ سے۔ حیض کی وطی سخت نقصان دہ' استحاضہ کی صحبت کچھ نقصان نہیں دیتی۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے اس لئے احکام میں فرق ہے۔ ناک سے بھی کبھی خون آجاتا ہے۔ مگر چونکہ وہ خون اور ہی قسم کا ہے اس لئے اس کے احکام ہی دوسرے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ عورتوں کے حالات مختلف ہیں کہ کبھی انہیں ظاہری حیض آتا ہے اور کبھی پاک و صاف رہتی ہیں اور حالات کے مطابق ان کے احکام بھی جداگانہ ہیں۔ ایسے ہی نفس انسانی کے مختلف حالات ہیں۔ کبھی اس پر حرص' حسد' ہوس اور دنیوی شہوتوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ گویا نفس کا باطنی حیض ہے اور کبھی نفس متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ یہ اس کی طہارت کا وقت اور جیسے کہ عورت بحالت حیض نماز و روزہ اور مسجد میں حاضر ہونے سے محروم ہے۔ ایسے ہی نفس ان حالات میں قرب الٰہی اور ترقی درجات سے محروم۔ جیسے کہ حالت حیض میں عورت سے صحبت کرنا حرام۔ ایسے ہی اس حالت میں روح کا نفس سے اختلاط ناجائز جب تک کہ قلب اس کی اصلاح نہ کر دے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حیض میں خون بہتا ہے اور اس حالت میں نفس سے حرص و ہوا بہتی ہے۔ اس ہوا کے غلبے سے صفائی مکدر ہو کر اذی یعنی گندگی غالب آجاتی ہے اس لئے کہا گیا کہ قطرہ ہوا گر صفا کو گدلا کر دیتا ہے۔ اور اس وقت نفس حقیقی روزہ اور نماز سے محروم ہوتا ہے (روح البیان) گویا یہ فرمایا جارہا ہے کہ لوگ آپ سے حیض یعنی غلبہ صفات بشری کے احکام پوچھتے ہیں۔ فرمادو کہ یہ گندگی ہے۔ جس سے صاف قلب نفرت کرتے ہیں لہذا اس وقت اپنے دل اور روح کو نفس سے بچاؤ جب تک کہ نفس قضائے حاجات سے فارغ ہو کر توبہ اور مناجات کے پانی سے غسل نہ کرلے اور حضور بارگاہ کے قابل نہ ہو جائے۔ جب نفس خوب پاک و صاف ہو جائے تب اس سے اختلاط کرو مگر حدود شریعت میں رہ کر نفس کے دھوکوں سے بچتے رہو اور اس کی اصلاح کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو جسمانی اور نفسانی اوصاف سے توبہ کرتے رہتے ہیں اور نور معرفت کے ذریعہ غبار کائنات کو دھو کر پاک و صاف رہتے ہیں۔ (روح المعانی)

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں واسطے تمہارے پس آؤ تم کھیتی میں اپنی جیسے چاہو۔ اور آگے کرو واسطے نفسوں اپنے

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو۔ اور اپنے بھلے کا کام پہلے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو کہ تحقیق تم ملنے والے ہو اس سے اور خوشخبری دو مسلمانوں کو ؟

کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور محبوب بشارت دو ایمان والوں کو؟

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں نکاح اور صحبت میں مسلمانوں پر کچھ پابندیاں لگائی گئی تھیں کہ فلاں عورتوں سے نکاح اور فلاں حالت میں جماع نہ کرو۔ اب لوگوں کی خود ساختہ پابندیوں کو دور فرمایا جارہا ہے کہ کفار نے جو بلاوجہ بعض صورتیں حرام سمجھ رکھی ہیں یہ غلط ہیں۔ گویا پچھلی آیتیں صحیح پابندی کے لئے تھیں اور یہ آیت بے جاپابندیوں کے اٹھانے کے لئے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حکم الٰہی کے مطابق عورتوں سے صحبت کرو اب اس کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صحبت کے اوقات کے ذکر تھا۔ اب اس کی کیفیات کا تذکرہ ہے۔

شان نزول : یہود عرب کہتے تھے کہ جو کوئی اپنی بیوی کے ساتھ پیچھے سے فرج میں جماع کرے تو بچہ احول (بھینگا) پیدا ہو گا عام اہل عرب کا بھی یہ ہی خیال ہو چکا تھا۔ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ میں تو ہلاک ہو گیا کہ میں اس طرح صحبت کر بیٹھا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں اس کی بلکہ ہر طرح صحبت کرنے کی اجازت دی گئی۔ بشرطیکہ فرج ہی میں ہو۔ (تفسیر کبیر وغیرہ)۔

تفسیر : **نساء وکم حرث لکم** نساء سے مراد اپنی بیبیاں اور لونڈیاں ہیں۔ نساء کم فرما کر یہ بتایا گیا کہ خبردار دوسری غیر عورتوں پر نظر نہ اٹھانا۔ تمہاری کھیتیاں صرف تمہاری اپنی بیویاں اور لونڈیاں ہیں۔ اسی ایک لفظ میں ہی تقویٰ کا سبق دے دیا گیا۔ زانی کے نطفے سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ زانی کا بچہ شرعاً" نہ مانا جائے گا کہ نہ زانی کو اس کی پرورش و نکاح وغیرہ کا حق ہو نہ میراث کا استحقاق کیونکہ یہ بچہ اس کے کھیت کی پیداوار نہیں اپنے کھیت کی پیداوار اپنی ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کھیت کی۔ حرث مصدر ہے بمعنی حراثت (کھیتی بونا) حرث اور زرع میں یہ فرق ہے کہ حرث زمین تیار کرنے اور بیج ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور زرع بیج کی حفاظت اور اگانے کو۔ اسی لئے قرآن کریم نے حرث کو بندوں کی طرف اور زرع کو رب کی طرف منسوب فرمایا کہ **افرء یتم ما تحرثون۔ ء انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون** چونکہ عورت کا ایک عضو یعنی فرج کھیت کی طرح ہے۔ لہٰذا خود عورت کو بطریق مبالغہ حرث کہہ دیا گیا پس عورت گویا کھیت ہے اور نطفہ بیج اور اولاد پیداوار۔ نیز کسان کو اپنی زمین میں تخم ریزی کا حق ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی زمین میں نیز بعض زمینیں بہت زرخیز ہوتی ہیں بعض کم اور بعض بالکل بنجر نیز کوئی زمین اچھے پھل اگاتی ہے کوئی برے پھل زمین کشمیر اور بہت گوشے پیدا کرتی ہے زمین بنگال ناریل چھالیہ وغیرہ اسی طرح ہر شخص کو اپنی بیوی سے تعلق رکھنے کا حق ہے نہ کہ دوسرے کی زوجہ سے اور بعض عورتیں زیادہ صاحب اولاد ہوتی ہیں بعض کم اور بانجھ بعض عورتیں خبیث بچے جنتی ہیں بعض طیب و صالح ان وجوہ پر عورتوں کو کھیت فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ مالک کھیت کو ملک سے نکال سکتا ہے مگر کھیت خود مالک کی ملک سے نہیں نکل سکتا اسی طرح مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے عورت خود خاوند کے نکاح سے نہیں نکل سکتی۔ غرضیکہ عورتوں کو کھیت کہنے میں بہت حکمتیں ہیں کھیت کی ہمیشہ ہر طرح نگرانی کی جاتی ہے اس طرح عورت کی نگرانی خاوند کے ذمہ لازم ہے چونکہ حرث مصدر ہے اور مصدر میں واحد جمع برابر ہیں۔ اس لئے نساء کے لئے حرث واحد لایا گیا۔ یعنی اے مسلمانوں تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں جن سے تم اولاد حاصل کرتے ہو۔ **فاتوا حرثکم** چونکہ پہلے حرث سے مجازی معنی عورت مراد تھی۔ اس لئے یہاں ضمیر نہ لائے ورنہ اس کے معنی یہ ہو جاتے کہ اپنی عورتوں کے پاس

جس طرح چاہو جاؤ فرج میں یا دبر میں یا بغل میں یا ران وغیرہ میں یہ آیت کے مقصد کے خلاف ہے اس لئے دوبارہ حرث فرمایا گیا اور اس حرث سے خاص شرمگاہ مراد ہے نہ کہ عورت یعنی جب عورتیں تمہاری کھیتیاں ہوئیں تو اپنی کھیتی یعنی شرمگاہ کو جس طرح چاہو استعمال کرو۔ **انی شئتم** تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ انی معنی این بھی آتا ہے اور کیف بھی اور متی بھی یعنی جہاں کہیں یا جس طرح یا جب کبھی مگر این کے معنی میں ہو تو اس کے پہلے من ضرور ہوتا ہے۔ خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ جیسے **انی لک هذا** اے مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آیا۔ یہاں انی کے تینوں معنی بن سکتے ہیں جب کبھی چاہو دن میں یا رات میں یا جیسے چاہو کھڑے ہو کر بیٹھ کر لیٹ کر' آگے سے' پیچھے سے یا چت بشرطیکہ صحبت فرج میں ہو یا جس جگہ سے چاہو آگے سے یا پیچھے سے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کیف یا متی کے معنی میں ہو تو بالکل ظاہر ہے اور اگر این کے معنی میں ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ جدھر سے چاہو فرج میں جماع کرو۔ آگے سے یا پیچھے سے۔ نہ یہ کہ جہاں چاہو۔ فرج یا دبر میں۔ یہی قول قتادہ اور ربیع کا ہے اور یہ ہی شان نزول کے مطابق بھی اس پر اعتراض کرنے والے اس نکتہ سے ناواقف ہیں۔ **وقدموا لانفسکم' قدموا تقدیم** سے بنا۔ جس کے معنی ہیں آگے کرنا یا آگے بھیجنا۔ یا آگے کا انتظام کرنا اس کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جماع سے پہلے کچھ کار خیر کر لیا کرو۔ وہ یہ کہ جماع کے وقت بسم اللہ پڑھ لو اور اس سے فقط شہوت پورا کرنے کی نیت نہ کرو بلکہ نیک اولاد کی نیت کرو جو تمہارے لئے صدقہ جاریہ ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر وقت جماع اور شہوانی خیالات میں مشغول نہ رہو بلکہ نیک اعمال آگے بھیجتے رہو۔ اور جماع بھی اس لئے کرو کہ اس سے سکون قلب حاصل ہو تاکہ عبادات مکمل ہوں **واتقوا اللہ** ہر کام میں رب سے ڈرتے رہو۔ **واعلموا انکم ملقوہ** دھیان رکھو کہ تمہیں رب سے ملنا ہے۔ دور دراز سفر در پیش ہے۔ توشہ کا انتظام کرو۔ ان معاملات میں مشغول ہو کر اپنا راستہ نہ کھو نا کر لو **وبشر المؤمنین** یہ حضور علیہ السلام کو خطاب ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان متقی مسلمانوں کو جو ہر وقت رب سے ڈرتے ہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے ہر کام سونا' جاگنا' کھانا' پینا بلکہ صحبت کرنا بھی عبادت اور باعث ثواب ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو یہ خیال غلط ہے کہ بعض طریقہ سے صحبت حلال ہے اور بعض طریقوں سے حرام یا اس طرح مفید ہے اور اس طرح مضر۔ عورتیں تو تمہاری کھیتی ہیں۔ جیسے کسان جس طرح بھی کھیت میں بیج ڈال دے پیداوار ہو جاتی ہے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ اسی طرح تم پر بھی کوئی پابندی نہیں جس طرح چاہو اپنے کھیت میں آؤ۔ بشرطیکہ کھیت یعنی فرج میں ہو نہ کہ دبر میں کہ وہ کھیت ہی نہیں۔ پھر ان معاملات میں مشغول ہو کر آخرت نہ بھول جاؤ۔ وہاں کے لئے اعمال بھیجے جاؤ۔ صحبت سے پہلے بھی نیک اعمال ذکر اللہ وغیرہ کر لیا کرو۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس صحبت میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔ (جس کے نتیجہ پر اولاد بے حیا ہوتی ہے) دوسری روایت میں ہے کہ انسان کی موت سے اس کے سارے عمل بند ہو جاتے ہیں سوائے تین کے۔ ایک صدقہ جاریہ یعنی کنواں مسجد وغیرہ۔ دوسرے علم نافع دینی کتاب اور دینی شاگرد وغیرہ۔ تیسرے نیک اولاد جو اس کے مرے بعد دعائے خیر سے یاد کرتی رہے لہذا تم نیک اولاد کی امید پر مجامعت کرو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقین رکھو کہ تمہیں اس کے پاس جانا ہے۔ دنیا مسافر خانہ ہے یہاں کے ہاؤ ہو بہار میں مشغول ہو کر اپنی منزل کھوٹی نہ کرو۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ متقی مسلمانوں کو خوشخبری دے دیں کہ اگر وہ نیت خیر رکھیں تو ان کے

دنیوی کام بھی باعث ثواب ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے دنیا کو بھی کھیت فرمایا ہے کیونکہ وہ آخرت کمانے کا ذریعہ ہے۔ دنیا کھیت ہے اعمال اس کا تخم قبولیت و مردودیت نرم گرم ہوائیں ہیں اور آخرت کی سزا و جزا اس کی پیداوار۔ نیز عورت کو قرآن کریم نے مرد کا لباس بھی فرمایا **هن لباس لكم وانتم لباس لهن** حدیث پاک میں بیوی کو دنیا کی بہترین متاع اور ایمان کی ڈھال قرار دیا یہ تمام صفات عورت میں موجود ہیں بشرطیکہ صالحہ ہو۔ خبیثہ عورت خاوند کو بھی خبیث بنا دیتی ہے۔ بیوی ہی کے ذریعہ اولاد ہے اور اولاد ہی سے بقاء نسل ہے اولاد ہی آخرت کا اچھا براتوشہ ہے۔ اسی لئے اسلام میں عورت کو بڑی اہمیت حاصل ہے جیسے کھیت کو سرد گرم ہوا سے بچایا جاتا ہے۔ ایسے ہی عورتوں کو نیک و بد نگاہ سے بچانا لازم ہے۔ عورت کی بڑی خوبی پردہ' نیچی نگاہ ہے۔ رب تعالیٰ جنت کی حوروں کے متعلق فرماتا ہے۔ **حور مقصورت فى الخيام** اور فرماتا ہے **قصرت الطرف لم يطمثهن انس قبلهم ولا جان** اسی لئے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے نیک و صالح بیویاں تلاش کرنی چاہئیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن کریم نازک مضامین اس تہذیب سے بیان فرماتا ہے کہ سبحان اللہ۔ عورت مرد کے تعلقات بہت نازک ہیں۔ انکو نہایت تہذیب کے ساتھ ایک ہی لفظ میں فرما دیا۔ شعرائے عرب فحش گوئی میں مشہور تھے گندے مضامین لکھ کر ان پر فخر کرتے اور مجمعوں میں فخریہ پڑھتے تھے۔ دیکھو دیوان متنبی اور امراء القیس کے قصیدے۔ ایسے ملک میں اس تہذیب کا نمونہ پیش کرنا قرآنی معجزہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** واعظ کو چاہئے کہ دنیوی باتیں بتاتے وقت آخرت کا بھی ذکر کرے تاکہ لوگ اس سے غافل نہ ہو جائیں۔ دیکھو اس آیت میں خاوندوں کو جماع کی عام اجازت دے کر نیک اعمال اور تقویٰ کا حکم دیا اور بتایا کہ تمہیں رب سے ملنا ہے۔ اس کی فکر رکھو۔ **تیسرا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے مجامعت نہ کیا کریں بلکہ نیک اولاد حاصل کرنے یا سکون قلب کے لئے تاکہ عبادت بافراغت ہو۔ اس نیت سے انشاء اللہ ثواب بھی پائیں گے۔ **چوتھا فائدہ:** جس چیز پر شریعت نے پابندی نہ لگائی ہو۔ اس میں پابندیاں کیوں لگاتے ہو۔ لہٰذا دیوبندیوں اور وہابیوں کا بعض کار خیر میں پابندیاں لگانا کہ یوں کرو جائز اور اس طرح کرو تو ناجائز سخت منع ہے۔ جب شریعت نے آزادی دی تو تم پابندی لگانے والے کون؟ ہم سے ایک دیوبندی نے کہا کہ نماز جنازہ کے بعد الگ الگ دعا مانگنا جائز اور مل کر مانگنا حرام ہم نے کہا سبحان اللہ! یہ عجیب حرام ہے کیا شراب الگ الگ پینا حلال ہے اور مل کر پینا حرام۔ دعا بعد جنازہ کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔ **پانچواں فائدہ:** بیوی کے ساتھ صرف فرج میں صحبت جائز ہے دبر میں حرام۔ چند دلائل سے ایک یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اپنی کھیتیوں میں آؤ اور فرج ہی کھیتی ہے نہ کہ دبر۔ دوسرے یہ کہ یہ مسئلہ مسئلہ حیض کے بعد بیان کیا گیا۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ چونکہ حیض پلیدی ہے لہٰذا اس میں عورتوں سے بچو اور ظاہر ہے کہ دبر حیض سے بڑھ کر پلید لہٰذا وہاں مجامعت کیوں حلال ہوگی۔ دونوں جگہ جب علت ایک ہے تو حکم بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ اس آیت کا شان نزول بتا رہا ہے کہ یہاں فرج میں مجامعت کرنا مراد ہے۔ کیونکہ سوال اس کے متعلق تھا۔ اس آیت سے دبر کی مجامعت کا جواز نکالنا شان نزول کے بالکل خلاف ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مجامعت سے پہلے بسم اللہ پڑھنی سنت ہے۔ مگر خیال رہے کہ ستر کھلنے سے پہلے پڑھی جائے۔ یہی حکم پاخانے کا ہے کہ پاخانہ میں داخل ہونے سے پیشتر اعوذ باللہ پڑھی جائے۔ (شامی)۔

مسئلہ : حرام کام پر بسم اللہ کفر ہے۔ (خطبہ شامی) لہٰذا زنا پر بسم اللہ پڑھنے والے کے کفر کا اندیشہ ہے۔ ساتواں فائدہ: دنیوی کاروبار میں مشغول ہوتے وقت بھی آخرت کا خیال رکھنا چاہئے تاکہ دل میں غفلت نہ پیدا ہو۔ اسی لئے جماعت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا گیا **وقدموا لانفسکم** آٹھواں فائدہ: اسلام بہت اعلیٰ دین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہترین معلم اور قرآن کریم مکمل ہدایت اور کامل دستور العمل کہ اسلام نے ہم کو صرف عبادات ہی نہ سکھائے بلکہ معمولی سے معمولی معاملات کے بھی تعلیم دی تاکہ مسلمان کسی قوم کی شاگردی نہ کریں اور زندگی و انسان کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہنے پائے۔ دیکھو یہاں ہم کو بیویوں سے صحبت کرنے کے طریقہ بھی سکھا دیئے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو پیشاب پاخانہ کرنے کے طریقے بھی سکھائے اجنبی شہر میں مسافر کے لئے وہی ہوٹل مفید ہوتا ہے۔ جس میں ساری ضروریات پوری کردی گئی ہوں اور اس کا معاوضہ بھی تھوڑا ہو ہم مسافر ہیں دنیا پردیس دین گویا ہوٹل ہیں۔ جن میں دین اسلام بہت بہتر ہوٹل ہے کہ یہاں زندگی کے ہر شعبہ کا انتظام ہے اور پھر اس کا معاوضہ بہت تھوڑا۔

پہلا اعتراض : عورتوں کو کھیت سے مشابہت دینا اور یہ حکم دینا کہ جس طرح چاہو ان کے پاس جاؤ۔ انسان کی شہوت بھڑکاتا ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: جیسے ماں باپ نا سمجھ بچوں کو ہر کام سکھاتے ہیں اور برائی بھلائی سمجھاتے ہیں ایسے ہی قرآن کریم ہر دنیوی اور دینی کام سکھاتا ہے تاکہ مسلمان دوسری قوم کے محتاج نہ رہیں۔ اگر یہ مسائل نہ بتائے جاتے تو یہ کہاں سے سیکھتے مگر ایسی تہذیب سے بیان فرماتا ہے کہ قربان جایئے۔ عربی زبان خود ایسی مہذب زبان ہے کہ اس میں تلوار کے چالیس نام' خرے کے اسی نام' اونٹ کے بیسیوں نام مگر اندام نہانی اور صحبت کرنے کا صریحی نام کوئی نہیں۔ کنایہ اور اشارات سے ہی کام چلایا گیا جس سے اس کی تہذیب اور شائستگی کا پتہ چلتا ہے۔ ہندی زبان میں اندام نہانی اور صحبت کے بیسیوں فحش اور مغلظ نام ہیں جو بازاری گالیوں میں سنے جاتے ہیں۔ جس سے پتہ لگا کہ ہندی نہایت گندی اور بیہودہ ہے۔ پھر قرآن کریم نے تو تہذیب کا ریکارڈ قائم کردیا۔ نہ دنیا میں ایسی مہذب کتاب کوئی ہے اور نہ ہو ہم پنڈت دیانند سرسوتی کی تہذیب دکھانے کے لئے ان کی کتاب ستیارتھ پرکاش کی کچھ عبارت نقل کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی تہذیب پر اعتراض کرنے والے آریہ لوگ غور سے پڑھیں اور شرم سے سر جھکالیں۔ ستیارتھ پرکاش چوتھا باب گربھادھان سنسکار صفحہ 122 میں صحبت کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جب ویریہ (منی) کا رحم میں گرنے کا وقت ہو۔ اس وقت عورت مرد دونوں بے حس و حرکت رہیں اور آنکھ کے سامنے آنکھ اور ناک کے سامنے ناک یعنی سیدھا جسم اور نہایت ہی دل خوش رہیں اور بے حوصلہ نہ ہوں' مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دے عورت اوپر کو کھینچے۔ اندام نہانی سکیڑ کر ویریہ (منی) آکرشن کرکے رحم میں قائم کرے۔ یہ آریوں کی تہذیب اور ان کی دینی کتاب کا حال ہے۔ مہذب آدمی ان گندی عبارتوں کو پڑھنا تو کیا لکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اسی تہذیب پر قرآن پاک پر اعتراض کرنے کا شوق ہے۔ شرم' شرم' جہاں پنڈت جی نیوگ یعنی بارہ مردوں سے زنا کرانے کا طریقہ لکھتے ہیں جو کہ آریہ دھرم میں بڑا ثواب کا کام ہے۔ وہاں اور بھی واہیات مضامین ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے ساتھ دبر میں بھی جماعت جائز ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا **انی شئتم** جہاں چاہو (بعض شیعہ) جواب: اس کا تفصیلی جواب تفسیر اور فائدوں میں گزر گیا کہ انی کے معنی یا تو ہیں جب بھی یا جیسے اور اگر این کے معنی میں تو بھی وہاں من پوشیدہ ہوگا یعنی جہاں کہیں

سے چاہو۔ آگے کی طرف سے یا پیچھے کی طرف سے فرج میں جماع کرو۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا کہ اپنی کھیتیوں کے پاس آؤ۔ سورۂ مریم میں ہے کہ **انی لک ھذا** اے مریم تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے۔ یہ ہی معنی یہاں ہیں کہ جہاں سے چاہو نہ یہ کہ جہاں چاہو۔ **تیسرا اعتراض:** تفسیر روح المعانی میں اس آیت میں ہے کہ عبد اللہ ابن عمر اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیبیوں میں دبر میں صحبت جائز ہے بتاؤ ان پر کیا فتویٰ ہے؟ **جواب:** یہ ان دونوں حضرات پر محض بہتان ہے۔ اسی روح المعانی نے اسی جگہ فرمایا کہ امام مالک کے ساتھی اس روایت کا انکار کرتے ہیں۔ عبد اللہ ابن عمر کے متعلق تفسیر کبیر نے اسی جگہ فرمایا کہ امام حضرت نافع نے ان سے یہ روایت کی مگر یہ روایت غلط ہے اور سب لوگوں نے نافع کی اس روایت کا انکار کر دیا خود حضرت نافع نے فرمایا کہ میں نے یہ روایت نہیں کی۔ لوگوں نے مجھ پر بہتان باندھ دیا۔ دیکھو تفسیر در منثور اور خود عبد اللہ ابن عمر کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ جن میں وہ اس سے سخت منع فرماتے ہیں۔ اس کی تحقیق در منثور میں ہے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ قوم لوط پر اسی وجہ سے عذاب الٰہی آیا یہ فعل خواہ لڑکے سے ہو یا عورت سے یکساں باعث عذاب ہے۔ کوئی امام اس کا قائل نہیں اس قسم کی تمام روایتیں محض غلط اور بے بنیاد ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** دبر کی طرح فرج بھی نجاست کی جگہ ہے کہ وہاں سے پیشاب آتا ہے تو چاہئے کہ فرج میں بھی صحبت نہ کی جاوے نیز حیض کی طرح استحاضہ بھی گندگی ہے اس میں صحبت کیوں حلال ہے؟ **جواب:** دبر سے ملی ہوئی آنت ہے جس میں پاخانہ رہتا ہے مگر پیشاب کا مقام یعنی مثانہ فرج سے دور ہے لہٰذا فرج میں پیشاب رہتا نہیں بلکہ وہ اسکا راستہ ہے فرج پاک جگہ ہے دبر گندی نیز استحاضہ کا خون نہ تو حیض کی طرح گندہ ہے نہ بیماری پیدا کرنے والا کیونکہ یہ رحم سے نہیں آتا نیز کبھی استحاضہ ہمیشہ رہتا ہے لہٰذا اس میں صحبت حلال اور حیض میں حرام۔

تفسیر صوفیانہ: نفس گویا بیوی اور روح اس کا شوہر۔ ازواج سے فرمایا جا رہا ہے کہ نفس تمہاری آخرت کی کھیتی ہے اس میں عمل کر کے آخرت کے لئے بیج بولو اور جس طرح چاہو اس میں کھیتی باڑی کرو مگر ایسے کام کرو جو نفس کے لئے نافع اور اسے کامل بنانے والے ہوں اور اللہ سے خوف کرو کہ اس کے ماسوا کو نہ دیکھو اور یقین رکھو کہ تم فنا فی اللہ ہو کر عنقریب رب سے ملاقات کرنے والے ہو اور مسلمانوں کو ایسے ثواب کی خوشخبری دے دو جو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی کے وہم و گمان میں آیا (روح المعانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسان کو زمین میں کھیتی باڑی کرنے کا تو حق ہے مگر اسے زمین برباد کرنے یا معطل کرنے کا حق نہیں اگر کرے گا تو مجرم ہو گا حکومت کا بھی اور عوام کا بھی اسی طرح اس نفس سے اعمال صالحہ کرانے کا تو ہم کو حق ہے لیکن اسے بدکاری کے ذریعہ برباد کر دینے یا اسے معطل و بیکار رکھنے کا حق نہیں اگر کریں گے تو پکڑے جائیں گے۔ رب فرماتا ہے **افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ان لنفسک علیک حقا** کہ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے زمین نفس میں نیک اعمال کے تخم بوتے رہو آنکھوں کے آنسوؤں سے اسے پانی دیتے رہو۔ توبہ استغفار کی ہوا سے اسے سرسبز رکھو یہ آنکھیں اس کھیت کا کنواں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

باش چوں دولاب چشم تر تا درون صحن تو روید ثمر!

نیز توبہ کی درانتی سے اس کھیت کی صفائی کرتے رہو کہ گناہ کی گھاس کوڑا اسے خراب برباد نہ کر دے پھر انشاء اللہ اس میں

بہت اچھی پیداوار ہو گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر خاوند بیوی کے اختلاط 'اولاد نا ممکن ہے۔ ایسے ہی بغیر روح و نفس کے میل کے ثواب و عذاب نہیں۔ فرشتے اعمال کرتے ہیں۔ مگر ثواب سے محروم ہیں کیونکہ ان کے پاس نفس نہیں۔

دوسری تفسیر : مسلمان تین قسم کے ہیں۔ (1) عام۔ (2) خاص اور۔ (3) خاص الخاص۔ عام مسلمان تو حقیقت سے غائب ہیں اور خاص لوگ کعبہ توحید میں پہنچے ہوئے ہیں۔ اور خلق سے علیحدہ۔ خاص الخاص عالم حقیقت تک پہنچ کر باذن الٰہی رب کے نائب ہو کر عالم پر حاکم ہیں یہ ہی لوگ اللہ کے مرد ہیں اور سارا جہان عورت کی طرح ان کا محکوم۔ ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے اللہ کے مردو! یہ تمام جہان تمہارے ماتحت ہے اور تمہاری کھیتی جس طرح چاہو۔ اس میں عمل درآمد کرو اور کیوں نہ کہا جائے۔ وہ تو اپنا ارادہ ارادہ الٰہی میں فنا کر چکے۔ ان کا ہر فعل در حقیقت رب کا فعل ہے۔ یہ تو اس کے مظہر ہیں ان ہی سے خطاب ہو رہا ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم حاضرین بارگاہ ہو اور تم ہی اللہ سے ملنے والے ہو کہ تمہارے اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں اور مسلمانوں کو بھی خبر دے دو کہ اگر وہ تمہاری راہ چلیں۔ تو وہ بھی اسی درجہ میں پہنچیں گے۔ حافظ فرماتے ہیں۔

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولے غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد!

جمال یار تو بے پردہ و بے حجاب ہے۔ راستے کا غبار اس بے پردہ یار کی آڑ بن گیا۔ اسی غبار جسم کو عشق کے پانی سے دبا دو۔ تاکہ یار نظر آئے۔ (تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا زہر ہے آخرت اس کا تریاق۔ فقط دنیا سے بچو اسے آخرت سے مخلوط کرو۔ حکیم سنکھیا مار کر اسے دوا بنا دیتے ہیں۔ کسی شیخ کامل سے دنیا ماری ہوئی استعمال کرو اس لئے فرمایا و قدموا۔ یہ دنیا صفر ہے آخرت عدد۔ اگر صفر اکیلا ہو تو کچھ نہیں لیکن اگر عدد سے مل جاوے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے ایسے ہی دنیا اکیلی ہو تو غلط ہے اور اگر آخرت سے مل جائے تو سبحان اللہ اس لئے ارشاد ہوا و قدموا لانفسکم۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا
اور نہ بناؤ تم اللہ کو نشانہ واسطے قسموں اپنی کے یہ کہ بھلائی کرو اور پرہیزگاری کرو اور درستی
اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنا لو کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح
بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾
کرو درمیان لوگوں کے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۞
کرنے کی قسم کر لو اور اللہ سنتا جانتا ہے ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں عورتوں کی عارضی حرمت یعنی حیض کا ذکر ہوا۔ چونکہ قسم سے بھی کبھی عورتیں عارضی طور پر حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مرد قسم کھا لے کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا۔ اس لئے مسئلہ حیض کے بعد مسئلہ قسم بیان فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں لوگوں کی غلط پابندیوں کی تردید

کی گئی اور فرمایا گیا کہ تم حلال چیزوں میں اپنی طرف سے پابندی نہ لگاؤ اور قسم میں بھی گویا غلط پابندی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اب بلا ضرورت قسم کھانے سے روکا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** جیسے کہ عرب میں حیض اور مجامعت کے متعلق بعض غلط باتیں مشہور تھیں۔ ایسے ہی طلاق کا بھی غلط رواج تھا کہ وہ ایلاء (صحبت سے قسم کھالینا) کو طلاق سمجھتے تھے۔ لہٰذا پچھلی آیتوں میں ان کی دو غلطیاں دور فرمائی گئیں اب تیسری غلطی یعنی ایلاء کا غلط استعمال مٹایا جارہا ہے۔ چونکہ ایلاء ایک قسم کی قسم ہے لہٰذا بطور تمہید پہلے قسم کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ پھر ایلاء کے۔

شان نزول: عبداللہ ابن رواحہ کی بہن بشیر ابن نعمان کے نکاح میں تھیں۔ ان میاں بیوی میں کچھ نا اتفاق ہو گئی جس سے ان کی بی بی اپنے بھائی عبداللہ کے گھر آبیٹھیں۔ عبداللہ ابن رواحہ نے قسم کھالی کہ نہ میں کبھی اپنے بہنوئی ابن نعمان کے گھر جاؤں اور نہ کبھی ان کی بیوی سے اتفاق کراؤں۔ کچھ روز بعد بشیر ابن نعمان نے اپنی بیوی سے صلح کرنی چاہئے۔ لوگوں نے عبداللہ سے کہا کہ آپ بیچ میں پڑ کر صلح کرادیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں قسم کھاچکا ہوں۔ اس لئے یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں نیک کام کرنے سے قسم کھالینے سے ممانعت فرمائی گئی۔ (روح المعانی و خزائن وغیرہ)۔ (2) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی مسطح غریب آدمی تھے جن کا سارا خرچ حضرت صدیق اکبر ہی اٹھاتے تھے۔ ایک دفعہ ان پر حضرت صدیق اکبر ناراض ہو گئے اور قسم کھالی کہ آئندہ انہیں خرچ نہ دوں گا کیونکہ حضرت مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگانیوالوں کی کچھ حمایت سی کی تھی اس پر صدیق اکبر ناراض ہوئے کہ میرے عطیہ سے الکا گزارہ ہے اور میری ہی بیٹی کو تہمت لگاتے ہیں میری ان کی عزت و آبرو ایک اگر میری بیٹی کو تہمت لگی تھی تو ان کی بھتیجی کو لگی تھیں یہ میرے کیسے عزیز ہیں کہ میری اولاد کے بھی ہمدرد نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (معانی)۔

تفسیر: **ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم** یہ سارے مسلمانوں کو خطاب ہے اور لفظ اللہ سے پہلے اسم پوشیدہ ہے۔ عرضہ عرض سے بنا۔ جس کے معنی ہیں آڑ، حائل اور مانع، پیش آنے والی چیز۔ اسی لئے پیش کرنے کو عرض، سوال کو اعتراض۔ چوڑائی کو عرض اور مقابلہ کو معارضہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز راستہ کے بیچ میں رکھ دی جائے تو گزرنے سے روکتی ہے۔ اعتراض و مقابلہ بھی روکنے ہی کے لئے ہوتا ہے۔ ڈھال کو بھی اسی معنی میں عرضہ کہا جاتا ہے۔ نشانہ کو بھی اسی لئے عرضہ کہتے ہیں کہ اسے سامنے رکھ کر مارا جاتا ہے۔ یہاں یا تو بمعنی آڑ ہے یا بمعنی نشانہ۔ ایمان جمع یمین کی ہے بمعنی دایاں ہاتھ۔ چونکہ دایاں ہاتھ بائیں سے قوی ہوتا ہے اور قسم سے بھی ایک جہت قوی ہو جاتی ہے اس لئے اسے یمین کہا جاتا ہے یعنی اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنالو کہ بار بار اس کی قسمیں کھایا کرو یا اللہ کے نام کو نیک کاموں کے لئے آڑ نہ بنالو کہ نیکی سے قسم کھا کر بعد میں کہہ دیا کرو کہ ہم یہ نیکی کیسے کریں ہم تو قسم کھاچکے **ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس** تبروا، بر سے بنا جس کے معنی پہلے بیان کئے جاچکے۔ یہاں بھلائی، نیکی اور احسان کے معنی میں ہے اور یہ ساری نیکیوں کو شامل ہے۔ اس کے بعد تقویٰ اور اصلاح کا ذکر گویا عام کے بعد خاص کا ذکر ہے یہ عبارت یا تو ایمان کا بیان ہے یا لا تجعلوا کی علت یعنی اللہ کے نام کو احسان کرنے پر، پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرانے کے لئے آڑ نہ بناؤ کہ قسم کھا کہ یہ نیکیاں چھوڑ دو۔ خیال رہے کہ برو تقویٰ میں کئی طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ نیکیاں کرنا بر ہے اور برائیاں چھوڑنا تقویٰ۔ دوسرے یہ کہ نیکیاں کرنا بر ہے اور نیت خیر سے یعنی محض رب

تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرنا تقویٰ ریاء کی نیکیاں برتو ہیں مگر تقویٰ نہیں۔ تیسرے یہ کہ نیکیاں کرنا بر ہے اور عدم قبولیت سے ڈرنا تقویٰ ہے کرنا اور ڈرنا دونوں کا اجتماع ہونا چاہئے۔ قابلیت کے ساتھ قبولیت بھی چاہئے قبولیت کے بغیر قابلیت محض بیکار ہے یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی قسمیں زیادہ نہ کھایا کرو تاکہ تم بھلائی کرو اور متقی ہو اور لوگوں میں صلح کراؤ یا ہم تمہیں زیادہ قسم سے اس لئے منع فرماتے ہیں تاکہ تمہیں تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل ہو۔ واللہ سمیع علیم۔ اور اللہ تمہاری قسمیں اور ساری باتیں سنتا ہے اور تمہاری نیتوں اور ارادوں سے خبردار ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تم اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ جیسے کسی چیز کو نشانہ بنا کر مشق کیلئے اس پر بار بار تیر لگاتے ہیں۔ ایسے ہی رب کی بار بار قسمیں نہ کھاؤ۔ یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ تم بھلائی کرو اور پرہیزگار رہو اور لوگوں میں صلح کراؤ۔ کیونکہ قسم نہ کھانے سے تمہیں ہر جائز کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رہے گا اور قسم کھا لینے پر خواہ مخواہ تم پر پابندی ہو جائے گی۔ جس سے تم بہت سی نیکیوں سے مجبور ہو جاؤ گے۔ ہمیشہ سوچ سمجھ کر کام کیا کرو کیونکہ اللہ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے ارادوں کو جانتا ہے۔

دوسری تفسیر : اے مسلمانو اللہ کے نام کو بھلائیوں کے لئے آڑ نہ بناؤ کہ قسم کھا کہ نیکیوں اور تقویٰ اور لوگوں میں صلح کرانے سے باز رہ جاؤ تم کو تو چاہئے کہ نیکی میں کوشش کرو نہ کہ اس سے باز رہنے میں یاد رکھو کہ اللہ تمہاری ہر بات کو سنتا اور تمہارے ارادوں کو جانتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بہت قسمیں کھانا بری بات ہے۔ اس سے رب کے نام کی ہیبت دل سے جاتی رہتی ہے نیز قسم کی دل میں کوئی عزت نہیں رہتی۔ نیز جو کوئی بھی قسمیں کھانے کا عادی ہو جائے گا وہ جھوٹی قسموں سے بھی نہ ڈرے گا (تفسیر کبیر) نیز زیادہ قسموں سے رزق گھٹتا ہے اور فقیری آتی ہے (احمدی)۔ دوسرا فائدہ: بہت قسمیں کھانے والے کی بات زیادہ قابل قبول نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ لا تطع کل حلاف مھین تیسرا فائدہ: نیکی سے باز رہنے پر قسم نہ کھاؤ۔ مسلم و ترمذی و نسائی میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جو شخص کسی بات پر قسم کھائے اور اس کے سوا میں بھلائی دیکھے تو چاہئے کہ اپنی قسم توڑ کر نیک کام کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔ چوتھا فائدہ: قسم پوری کرنا اچھی بات ہے مگر گناہ کی قسم توڑنا ضروری۔ اگر کوئی قسم کھا جائے کہ میں ماں باپ کی خدمت نہ کروں گا تو اس قسم کو توڑ کر ان کی خدمت کرے۔

مسئلہ : کفارہ قسم توڑنے سے پہلے جائز نہیں۔ پہلے قسم توڑے پھر کفارہ دے۔ کفارہ کا ذکر سورہ مائدہ میں آئیگا۔ مسئلہ: مال فروخت کرنے کے لئے قسمیں کھانا یا درود شریف پڑھنا سخت منع ہے۔ مسئلہ: سات جگہ درود شریف پڑھنا منع ہے۔ عورت سے صحبت کرتے وقت۔ استنجا کے وقت، مال بیچنے کے وقت، بھلنے، تعجب، ذبح اور چھینک پر (شامی کتاب الصلوۃ)۔ مسئلہ: غیر اختیاری کام پر قسم نہ کھائے مثلاً یہ کہ خدا کی قسم کل بارش ہوگی یا پرسوں زید آئے گا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی زیادہ قسمیں نہ کھائے۔ دوسری قسمیں خوب کھائے۔ جواب: چونکہ اللہ کے سوا اور قسموں پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ اسی لئے اس سے منع کیا گیا انشاء اللہ اس کی بحث اگلی آیت میں آئے گی

نیز اپنی جان و مال یا اولاد کی قسم کھانے میں رب کے نام کی بے توقیری نہیں مگر رب کی زیادہ قسمیں کھانے میں اس کی بے ادبی ہے۔ اس لئے اس سے بچنا زیادہ ضروری۔ دوسرا اعتراض: اگر زیادہ قسمیں کھانا برا ہے تو رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سی قسمیں کیوں ارشاد فرمائی ہیں۔ والتین والزیتون وطور سینین وغیرہ معلوم ہوا کہ زیادہ قسمیں بولنا سنت الٰہیہ ہے۔ جواب: ہماری قسموں اور رب کی قسموں میں فرق ہے۔ ہم لوگ اکثر اپنا یقین دلانے بلکہ بعض دفعہ اپنا جھوٹ چھپانے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان چیزوں یا مضمون کی عظمت ظاہر فرمانے کو قسمیں ارشاد فرمائی ہیں لہٰذا ہماری زیادہ قسموں میں اللہ کے نام کی توہین ہے اور رب تعالیٰ کی قسموں میں ان قسم کی چیزوں کی تعظیم۔ تیسرا اعتراض: بر و تقویٰ میں اصلاح بین الناس بھی داخل تھا۔ پھر اسے علیحدہ کیوں بیان فرمایا ہے۔ جواب: دو وجہ سے ایک عمل اصلاح کی اہمیت ظاہر فرمانے کیلئے کہ تمام نیکیوں سے یہ بڑی اہم نیکی ہے دوسرے اس لئے کہ نیکیاں دو قسم کی ہیں۔ عبادات، معاملات، عبادات میں صرف اپنی ذات کو فائدہ ہوتا ہے مگر معاملات میں دوسروں کو بھی معاملات کا خصوصیت سے علیحدہ ذکر فرما کر بتایا گیا کہ صرف عبادات پر قناعت نہ کرو لوگوں کو بھی درست کرو۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے مقبول بندے اگر اللہ پر قسم کھا جائیں تو رب تعالیٰ ان کی قسم پوری فرماتا ہے۔ مثلاً ولی کہے کہ قسم رب کی بارش ہوگی تو ضرور ہو جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف و روح البیان) ابو حفص ایک دن بازار میں جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک کسان سخت پریشان ہے۔ پوچھا تیرا کیا حال ہے۔ کہنے لگا میرا گدھا گم ہو گیا۔ اور اس کے سوا میرے پاس کوئی گدھا نہیں۔ آپ نے عرض کیا کہ خدایا تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک قدم نہ اٹھاؤں گا۔ جب تک تو اسے گدھا واپس نہ فرماوے۔ یہ کہتا تھا کہ گدھا سامنے سے آگیا۔ (روح البیان) ایسے لوگوں سے خطاب ہو رہا ہے کہ چونکہ تمہاری بات رب کے ہاں بہت سنی جاتی ہے۔ تمہیں بھی چاہئے کہ ہر دم اس پر قسم نہ کھایا کرو۔ تاکہ تمہاری قسم نہ ٹوٹے اور تم پریشانی سے بچو۔ لوگ بھی درست رہیں۔ ورنہ تمہاری قسموں کے گھمنڈ میں لوگ دلیر ہو جائیں گے۔ اپنی زبان اور سارے اعضاء بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرو۔ کیونکہ اللہ تمہاری بہت سنتا ہے اور تم ہر وقت اسکے محتاج رہتے ہو۔ مثنوی میں ہے۔

از پے آں گفت حق خود را سمیع! تا بندی لب ز گفتار شنیع!
از پے آں گفت حق خود را علیم! تا نیندیشی فساد تو ز بیم!

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

نہیں پکڑ فرماتا ہے تمہاری اللہ ساتھ بے قصدی کے بیچ قسموں تمہاری کے اور لیکن پکڑ فرماتا ہے

اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے

كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ساتھ اس کے کہ کمائی کی دلوں نے تمہارے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے

جو کام تمہارے دلوں نے کئے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو زیادہ قسم کھانے سے منع فرمایا گیا تھا اب قسم کے احکام بیان فرمائے جارہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قسم سے ممانعت کی گئی تھی۔ اب اس ممانعت کی تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ تمہاری کون سی قسم کا کیا نتیجہ ہے۔

تفسیر : **لا یؤاخذکم اللہ** یؤاخذ مواخذہ سے بنا۔ جس کا مادہ ہے اخذ بمعنی پکڑ اور گرفتاری۔ یہاں باب مفاعلت شرکت کے لئے نہیں۔ نیز اس جگہ پکڑ سے دنیوی اور اخروی دونوں پکڑیں مراد ہیں یعنی اللہ نہ تو تم پر دنیا میں کفارہ واجب کرتا ہے اور نہ آخرت میں گناہ۔ پکڑ تین قسم کی ہوتی ہے صرف دنیاوی سزا کہ آخرت میں اس پر گناہ کوئی نہ ہو جیسے خطاء" زخمی کر دینا یا خطاء" قتل وغیرہ کہ ان پر دنیا میں تو بدلہ دینا لازم ہے مگر آخرت میں کوئی گناہ نہیں کہ خطاء و نسیان معاف ہیں۔ دوسرے وہ جن پر آخرت میں تو پکڑ یعنی گناہ ہو مگر دنیا میں کوئی سزا مقرر نہ ہو جیسے نماز نہ پڑھنا۔ روزہ یا حج و زکوۃ ادا نہ کرنا کہ ان کی سزا دنیا میں مقرر نہیں آخرت میں سخت گناہ ہے تیسرے وہ جن پر دنیا میں بھی سزا ہو" آخرت میں بھی گناہ جیسے چوری" زنا" قتل وغیرہ کہ دنیا میں بھی ان پر سزا ہے کہ چور کا ہاتھ کٹے زانی کو رجم ہو گا اور آخرت میں بھی گناہ یہاں لا یؤاخذ فرما کر ان تینوں قسم کے مواخذوں کی نفی فرمادی کہ اگرچہ لغو قسموں سے رب راضی نہیں مگر خیر اس پر پکڑ بھی نہیں فرماتا۔ نہ دنیا میں کہ اس پر کفارہ نہیں۔ نہ آخرت میں گناہ اور غموس قسم میں دنیاوی پکڑ یعنی کفارہ نہیں مگر آخرت کی پکڑ" گناہ ہے۔ رہی قسم منعقدہ اس میں دنیا کی پکڑ یعنی کفارہ تو یقیناً ہے مگر آخرت کی پکڑ کبھی ہے کبھی نہیں بلکہ بعض دفعہ قسم توڑ دینے پر ثواب ہے۔ **باللغو فی ایمانکم** لغو کے معنی ہیں باطل اور بے اعتبار" کلام یا کام۔ اسی لئے بیہودہ باتیں اور شور و شغب کو لغو کہا جاتا ہے۔ **لا یسمعون فیھا لغوا** اور" **والغوا فیہ** شریعت میں قسم لغو وہ ہے جو کوئی شخص گزرے ہوئے واقعہ پر اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھا جائے مگر در حقیقت وہ اس کے خلاف ہو۔ مثلاً مجھے معلوم ہوا کہ زید آ گیا میں نے اس پر قسم کھالی بعد میں پتہ چلا کہ زید نہ آیا تھا مجھے غلط خبر ملی تھی یہ لغو قسم ہے کیونکہ نہ اس پر گناہ اور نہ کفارہ۔ گویا بے اعتبار چیز ہے حق کا متعلق پوشیدہ ہے۔ ایمان یمین کی جمع ہے۔ بمعنی داہنا ہاتھ یا قوت **لاخذنا منہ بالیمین**۔ چونکہ اہل عرب قسم کے وقت مصافحہ کرتے تھے اس لئے اسے یمین کہا گیا۔ بمعنی ہاتھ لاتے وقت کا کام یا چونکہ قسم کھانے والا اپنے قسم کی خوب قوت سے حفاظت کرتا ہے یا قسم کھانے والا اس قسم سے اپنا کلام مضبوط کرتا ہے اور سننے والے کو اپنا اعتبار دلاتا ہے۔ اس لئے یہ یمین کہلاتی ہے یعنی اللہ تمہاری لغو قسموں پر جو تم گزشتہ بات پر اپنے کو سچا سمجھ کر کھالو کوئی پکڑ نہیں فرماتا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں کہ نہ اس سے کفارہ نہ اس پر گناہ۔ خیال رہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک قسم لغو وہ ہے جو بطور عادت بلا ارادہ نکل جائے جیسے گفتگو والے کہتے ہیں۔ واللہ بیٹھئے۔ واللہ کھائیے انہیں واللہ کا احساس تک نہیں ہوتا مگر امام اعظم کی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ جس کی وجہ انشاء اللہ فوائد میں عرض کی جائے گی **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** مواخذہ سے مراد پکڑ یا سزا ہے اور اس میں دنیوی سزا یعنی کفارہ اور اخروی سزا یعنی گناہ دونوں شامل ہیں پھر قسم غموس جس درجہ کی ہوگی اسی درجہ کی اس پر پکڑ ہوگی۔ جس جھوٹی قسم سے کسی کا مال یا آبرو برباد کی جائے اس کی پکڑ زیادہ ہے اور جس قسم سے کسی کی جان ہلاک کی جاوے اس کی پکڑ اور زیادہ جیسے کچہری میں حکام کے سامنے جھوٹی قسمیں جن سے مالی و جانی مقدمات طے ہوتے ہیں۔ کسبت قلوبکم سے ارادہ" جھوٹ مراد ہے یعنی جس قسم میں تم جھوٹ کا دلی ارادہ کرلو

گے۔ اس پر تمہاری پکڑ فرمائے گا کہ آئندہ کی قسم پر دنیوی سزا یعنی کفارہ لازم کرے گا اور گزشتہ کی قسم پر اخروی سزا یعنی گناہ۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ یہاں مواخذہ سے صرف اخروی گناہ مراد ہے۔ اور قسم سے پچھلی بات کی جھوٹی قسم " آئندہ کی قسم اور اس کی سزا یعنی کفارہ کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہے کہ وہاں فرمایا گیا **ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان** اور پھر فرمایا **فکفارتہ اطعام عشرۃ مسکین** خلاصہ یہ ہے کہ جو قسمیں تم دیدہ دانستہ جھوٹی کھاؤ گے۔ اس پر رب پکڑ فرمائے گا **واللہ غفور حلیم** غفور غفر سے بنا بمعنی (چھپانا) اور حلیم حلم بمعنی (بردباری) سے بنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت حلم فرمانے والا ہے کہ اس نے لغوی قسم پر عام معافی کا اعلان فرمادیا۔ اگر اس پر بھی پکڑ فرماتا تو اسے روکنے والا کون تھا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو رب تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر پکڑ نہیں فرماتا۔ جو تم بے خبری میں کسی بات کو سچ سمجھ کر قسم کھا جاتے ہو۔ ہاں پکڑ ان قسموں پر فرمائے گا جو جان بوجھ کر جھوٹی کھا جاؤ۔ کہ ان میں سے بعض پر کفارہ اور بعض پر صرف گناہ لازم کرے گا۔ رب تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت حلم والا ہے اسی لئے تمہارے لئے آسان احکام جاری کئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: ہر قسم پر پکڑ نہیں بلکہ بعض پر ہے۔ اور جن پر ہے ان میں بھی بعض پر دنیوی گرفت یعنی کفارہ اور بعض پر اخروی یعنی صرف گناہ

مسئلہ : کسی چیز کے ہونے کے ارادہ پر اپنے ذمہ کچھ لازم کرلینا نذر ہے جیسے خدایا اگر میرا پیارا اچھا ہو جائے تو میں سو روپیہ خیرات کروں گا۔ کام ہو جانے پر جو کچھ عبادت کی جاوے گی وہ شکرانہ ہوگی نہ کہ سزا اور کسی کام کے نہ ہونے کے ارادہ پر اپنے ذمہ کچھ لازم کرلینا یا لازم ہو جانے کا نام یمین یا قسم ہے قسم دو طرح کی ہے لغوی اور شرعی۔ قسم لغوی وہ ہے جو اپنی جان مال اولاد وغیرہ کی قسم کھائی جائے جس پر شرعی احکام مرتب نہ ہوں صرف کلام کی توثیق کی جائے قسم شرعی وہ جو رب کی ذات یا خصوصی صفات کی کھائی جائے جس پر کفارہ وغیرہ شرعی احکام مرتب ہوں۔ قسم کی تین نوعیتیں ہیں حلال کو حرام کرلینا یہ بھی قسم ہے خدا کی ذات و صفات کی قسم کھانا یہ بھی قسم ہے۔ کسی کام پر عورت کی طلاق یا غلام کی آزادی یا مال کی خیرات کو معلق کردینا کہ اگر میں تجھ سے بولوں تو میری بیوی کو طلاق یا میرا غلام آزاد یا میرا مال صدقہ یہ بھی قسم ہے۔ مگر پہلی دو قسموں میں تو شرعی کفارہ واجب ہوگا تین روزے وغیرہ مگر آخری تیسری قسم میں وہی سزا بھگتنا پڑے گی جو اپنے پر لازم کی کہ اگر طلاق معلق کی تھی تو طلاق ہی پڑ جائے گی۔ پھر قسم کبھی اپنے کام پر ہوتی ہے۔ کبھی دوسرے بندے کے کام پر جیسے قسم خدا کی کل تو آئے گا یا رب کے کام پر جیسے قسم خدا کی کل بارش ہوگی ان تینوں قسموں میں اگر حنث ہو جائے تو کفارہ لازم ہوگا۔ وہ جو حدیث پاک میں آتا ہے کہ قسم والوں کو بری کرنا بہت ثواب ہے یا بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو رب ان کی قسم پوری فرمادے۔ اس سے یہ ہی قسمیں مراد ہیں۔ مسئلہ: قسم تین قسم کی ہے۔ لغو، غموس، منعقدہ لغو یہ ہے کہ کسی گزرے ہوئے معاملہ پر اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھائے مگر واقعہ اس کے خلاف ہو۔ یہ معاف ہے نہ اس پر کفارہ نہ گناہ۔ غموس یہ ہے کہ کسی گزرے ہوئے کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس میں گنہگار ہوگا کفارہ نہیں مثلاً کسی کو خبر ہے کہ زید نہیں آیا اور پھر قسم کھاتا ہے کہ آگیا یہ اگر واقعہ میں سچی بھی ہو۔ تب بھی ارادہ جھوٹ کی وجہ سے اس پر گناہ ہوگا کیونکہ **کسبت قلوبکم** میں داخل ہے کہ اس نے جھوٹ ہی کے

ارادے سے قسم کھائی تھی۔ منعقدہ یہ ہے کہ کسی آئندہ چیز پر قسم کھائے۔ اس قسم کو اگر توڑے تو اکثر گنہگار بھی ہے اور کفارہ بھی یقیناً لازم (خزائن العرفان)۔ مسئلہ: بے اختیاری قسم پر امام صاحب کے ہاں کفارہ واجب ہے اور امام شافعی صاحب کے ہاں نہیں مثلاً کسی کو واللہ کہنے کی عادت ہے۔ وہ اس پر بنا پر کہہ گیا کہ واللہ میں آؤں گا اور نہ آیا تو اس پر کفارہ واجب ہے اور گزری بات کو سچا سمجھ کر قسم کھا لینے میں کفارہ واجب نہیں مگر امام شافعی کے نزدیک برعکس حکم ہے۔ یعنی بے اختیاری قسم نکل جانے پر کفارہ نہیں اور گزری ہوئی بات کو سچا سمجھ کر قسم کھانے میں کفارہ ہے۔ (کبیر) عبداللہ ابن عباس، حسن، مجاہد، نخعی، زہری، سلیمان ابن یسار اور امام قتادہ و سدی، امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے موافق ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ، امام شعبی و عکرمہ، امام شافعی کے موافق رضی اللہ عنہم اجمعین۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے جو کوئی کسی کام پر قسم کھا لے اور بہتری اس کے غیر میں دیکھے۔ تو قسم کا کفارہ دے دے اور بہتر کام کرے۔ اس حدیث میں ہر قسم کا کفارہ واجب کیا خواہ ارادہ سے ہو یا بغیر ارادہ نیز قسم، طلاق و عتاق کی طرح قابل فسخ نہیں۔ لہٰذا جیسے طلاق و عتاق بہرحال ہو جاتے ہیں ارادے سے ہوں یا بغیر ارادہ ایسے ہی قسم بھی بہرحال ہونی چاہئے ارادہ ہو یا غیر ارادہ نیز قسم سے اس کا پورا کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ خواہ مخواہ توڑنا۔ اور پورا کرنا آئندہ کی بات ہی میں ممکن ہے گزری ہوئے چیز قبضہ سے باہر لہٰذا قسم غموس پر کفارہ واجب نہیں نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ دلی ارادہ کی پکڑ ہے لہٰذا جھوٹ بولنے کے ارادہ پر قسم کھانے کا گناہ ہو گا۔ (کبیر)۔ دوسرا فائدہ: چونکہ قسم لغو کے مقابل دو قسمیں تھیں۔ ایک منعقدہ، دوسری غموس اس لئے یہاں پکڑ کا بھی ذکر ہوا۔ مغفرت کا بھی یعنی منعقدہ کی پکڑ یعنی کفارہ ضروری اور قسم غموس کی معافی کی امید معلوم ہوا کہ اس پر کفارہ واجب نہیں۔ کیونکہ بخشش اخروی گناہ کی ہوتی ہے نہ کہ شرعی حقوق کی۔ تیسرا فائدہ: یہاں کسبت فرمایا گیا اور سورۂ مائدہ میں عقدتم ارشاد ہوا۔ کیونکہ یہاں دو قسم مراد ہیں جن میں دلی ارادہ کو دخل ہے۔ ایک غموس دوسری منعقدہ اور وہاں صرف منعقدہ ہی مراد۔

مسئلہ: قسم یا تو رب کے نام کی کھائی جائے یا اس کی صفت مشہور کی جس پر قسم کھانے کا رواج ہو ہندوستان میں قرآن کی قسم صحیح ہے کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے جو کہ خدا کی صفت ہے۔ اور یہاں اس قسم کا رواج بھی ہے۔ مسئلہ: غیر خدا کی قسم نہ کھائے جیسے کعبہ، پیغمبر اپنے سر یا اولاد، مال کی قسم۔ مسئلہ: بعض روایتوں میں ہے کہ غیر خدا کی قسم کھانا شرک ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کو معبود جان کر ان کے نام کی شرعی قسم کھانا شرک ہے۔ مسئلہ: اپنے پر حلال کو حرام کر لینا بھی قسم ہے مثلاً کوئی کہے کہ اگر میں تجھ سے بولوں تو مجھ پر روٹی حرام۔ اس میں کفارہ واجب ہو گا۔ مسئلہ: کفر کی قسم کھانا سخت برا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اگر میں ایسا کروں تو کافر ہو جاؤں۔ اس میں بھی کفارہ ہی واجب ہو گا کفر لازم نہ آئے گا۔ ہاں جو کفر کو ہلکا جان کر یہ کہے وہ واقعی کافر ہے یہ ہی اس حدیث اور اقوال علماء کا مطلب ہے۔ جس میں اس فعل کو کفر کہا گیا۔

پہلا اعتراض: تمہارے کلام سے معلوم ہوا کہ غیر خدا کی قسم منع ہے۔ حالانکہ رب نے انجیر، طور، سینا پہاڑ اور حضور علیہ السلام کی عمر پاک کی قسمیں فرمائی ہیں۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی بارہا فرمایا وابی میرے والد کی قسم۔ شعراء بھی ایسی قسمیں بہت استعمال کرتے ہیں۔ جواب: رب کی قسمیں ان چیزوں کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہیں نہ کہ قوت کلام کے لئے۔ نیز حضور علیہ السلام اور ان کے غلاموں کی ایسی قسمیں صرف قوت کلام کے لئے نہ کہ شرعی احکام کے لئے چونکہ یہ لغوی قسمیں

ہیں نہ کہ شرعی۔ لہذا جائز ہیں شرعی قسم کی ممانعت ہے کہ جن پر شرعی احکام مرتب ہوں۔ گویا غیر خدا کی شرعی قسم کھانا منع۔
دوسرا اعتراض: اگر خدا بیہودہ قسموں میں نہیں پکڑتا۔ تو کیوں نہ سب جھوٹ بولیں گے اور عہد توڑیں گے۔ اس طرح تو خدا لتی جھوٹ کلیان میانی ہو گا۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب: پنڈت جی کی ذہنیت کے بھی قربان جاؤ۔ انہوں نے لغو کے معنی بیہودہ کئے یعنی جو بیہودہ لوگ قسم کھالیتے ہیں۔ اس عقل پر محقق بننے کا شوق ہے پنڈت جی لغوی کے معنی ہیں بے قصدی کلام اور واقعی بے قصدی کلام پر پکڑنا شاید تمہارے پرمیشور کا دستور ہو گا۔ ہمارے رب کا دستور نہیں بتاؤ تم جو دن رات اپنے قدموں سے سینکڑوں جانور کچل ڈالتے ہو۔ یہ ہتیا ہے یا نہیں۔ تم یہ ہی کہو گے کہ نہیں کیونکہ ہم چلنے کا ارادہ کرتے ہیں نہ کہ کسی کو کچلنے کا۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لو کہ اس نے سچ کا ارادہ کیا تھا نہ کہ جھوٹ کا پھر اس پر پکڑ کیسی؟

تفسیر صوفیانہ: قلب گویا زمین ہے اور اعضا ظاہری کھیتی باڑی کے آلات اور اعمال اور اقوال گویا تخم اگر تخم کھیتی کے آلات میں رہے زمین میں نہ پہنچے تو ہرگز نہ اگے گی۔ زمین میں پہنچ کر ہی پھلے پھولے گا۔ ایسے ہی اگر عمل اور قول کا تعلق دل سے نہ ہو گا تو پھل یعنی ثواب حاصل نہ ہو گا لہذا انسان بھی جو نیکی بغیر باطنی ارادہ کے کرے اس کا زیادہ فائدہ نہیں۔ ایسے ہی بے ارادہ دل جو بات منہ سے نکل جائے اور دل اور اعضاء پر اس کا اثر نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔ رب نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ **کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون** اگرچہ یہ آیت قسم کے متعلق نہیں ہے مگر سمجھدار اس سے بیدار ہو جاتے ہیں اور اپنے قلب و قالب کی درستی کرتے ہیں۔ اگر کبھی ظاہر نیکی کا قلب پر اثر ہو جائے تو رب تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس پر پکڑ نہیں فرماتا بلکہ بخش دیتا ہے۔ کیونکہ وہ غفور بھی ہے اور حلیم بھی۔ مگر اس کے کرم پر دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ اعمال سے غافل نہ ہو جاویں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قسم تین طرح کی ہے مفید' باطل' لغو' اچھی بات اچھے کلام کی قسم کھانا مفید ہے۔ جیسے رب کی زندگی حضور کی اطاعت کی قسم کھانا کہ قسم خدا کی میں نیک بندہ بنوں گا۔ گناہوں کی قسم باطل ہے جیسے قسم خدا کی میں جواء کھیلوں گا اور عبث کلام کی قسم۔ لغو پر نہ ثواب نہ عذاب جیسے قسم رب کی میں روٹی کھاؤں گا۔ اسی طرح ہر کلام تین قسم کے ہیں مفید' باطل اور لغو بلکہ انسان کی زندگی بھی تین قسم کی ہے بعض کی زندگی اپنے لئے مفید' بعض کی ملک و قوم کیلئے مفید' بعض کی زندگی تاقیامت ساری خلق کے لئے مفید' حضور کی اور حضور کے صدقہ سے ان کے صحابہ و بعض اولیاء کی زندگی تمام مخلوق کے لئے ابدالآباد تک مفید ہے اور جو زندگی گناہوں بدکاریوں میں گزرے وہ باطل ہے اور جو غفلت میں گزرے وہ عبث یعنی لغو ہے۔ پھر باطل و مضر زندگی بعض کی تو صرف اپنے لئے مضر ہے۔ بعض کی ساری خلق کے لئے مضر' ابلیس کی زندگی تمام خلق کیلئے باطل و مضر ہے رب تعالیٰ مفید زندگی نصیب کرے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ
واسطے ان کے جو ایلاء کرتے ہیں عورتوں اپنی سے انتظار ہے چار مہینوں کا۔ پس اگر رجوع کریں
وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار ماہ کی مہلت ہے پس اگر مدت میں پھر

معنی کوتاہی کرنا۔ لا یالونکم خبالا۔ یاولا یاتل لو الفضل منکم۔ ایلاء کسی کے حق مارنے کی قسم کو کہتے ہیں شریعت میں ایلاء یہ ہے کہ شوہر اپنی بی بی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھالے۔ کیونکہ اس میں بھی عورت کے حق سے کوتاہی کی جاتی ہے۔ اس لئے ایلاء کہلاتا ہے۔ (کبیر) یہ بھی ممکن ہے کہ ایلاء ولی بمعنی قرب سے بنا۔ ہمزہ سلبی کی وجہ سے اس کے معنی ہیں ترک قرب یعنی عورت کے نزدیک نہ جانا ایلاء اپنے بعد علیٰ چاہتا ہے یہاں من آیا کیونکہ اس میں دوری کے معنی ملحوظ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس کے بعد من اور علی دونوں آسکتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ من بمعنی علی ہے۔ بعض کے نزدیک بمعنی فی ہے۔ بعض کے خیال میں زائدہ (روح المعانی) لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ نساء سے مراد بیویاں ہیں۔ کیونکہ اپنی لونڈی سے نہ ایلاء ہو نہ طلاق تربص اربعۃ اشھر تربص کے معنی ہیں انتظار کرنا اور ٹھہرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ مالی بصتہ مجھے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ار بعۃ اشہر اس کا ظرف ہے گویا یہاں ظرف کی طرف اضافت ہے۔ یعنی جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے کی قسم اٹھالیتے ہیں۔ انہیں اس معاملہ میں سوچنے اور غور کرنے کے لئے چار ماہ انتظار کا حق حاصل ہے۔ فان فاء وا یہ لفظ فی سے بنا بمعنی اصل کی طرف لوٹنا۔ اسی لئے شام کے سایہ کو فی کہتے ہیں اور صبح کے سایہ کو ظل کیونکہ شام کا سایہ دھوپ کے بعد لوٹ کر آیا۔ جنت کے سایہ کو بھی ظل ہی کہا جاتا ہے نہ کہ فی۔ وظل ممدود کہ وہاں دھوپ نہیں مال غنیمت بھی اسی لئے فی کہلاتی ہے یعنی پس اگر ایلاء کرنے والے شوہر اپنی قسم سے رجوع کر جائیں اور توڑ دیں کہ عورت سے مدت ایلاء میں صحبت کرلیں تو فان اللہ غفور رحیم اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہ صرف کفارہ ہی کا حکم دیا اور اس ایلاء کی وجہ سے جو عورت کو تکلیف پہنچی اس کی معافی فرمادی۔ وان عزموا الطلاق عزم اور عزیمت کے معنی ہیں کوئی سخت کام کر گزرنے پر دل مضبوط کرلینا اسی لئے قسم کو بھی عزم کہہ دیا جاتا ہے۔ طلاق طلق سے بنا جس کے معنی میں کھلنا اور چھوٹنا۔ اسی لئے چلنے کو اطلاق بے قید چیز کو مطلق اور تیز زبانی کو طلاقت لسان اور ہنس مکھ کو طلق الوجہ کہتے ہیں۔ شریعت میں نکاح کی بندش آزاد کرنے کو طلاق کہا جاتا ہے۔ گویا نکاح میں ملانا تھا اور اس میں علیحدہ کرنا اور چھوڑنا یعنی اور اگر یہ ایلاء والے طلاق ہی کا ارادہ کر بیٹھے کہ نہ اپنی قسم توڑیں اور نہ اس مدت میں اپنی عورت کے پاس جائیں تو فان اللہ سمیع علیم اللہ تعالیٰ شوہر کی بات کو سنتا ہے اور اس کی نیت کو جانتا ہے اس کی طلاق معتبر ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھالیں۔ انہیں اب پہلے کی سی آزادی نہ ہوگی۔ بلکہ صرف چار مہینے کی مہلت ہے تاکہ اس میں بیوی کے معاملہ میں خوب غور و خوض کرلیں۔ اگر اس مدت میں اپنی قسم سے رجوع کر جائیں کہ اس سے صحبت کرلیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔ ان کی اس حرکت پر آخرت میں کوئی پکڑ نہ کرے گا صرف کفارہ یمین کے لئے کافی ہوگا اور اگر وہ لوگ خوب سوچ سمجھ کر طلاق ہی کا ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنتا بھی ہے اور ان کے دلوں کے ارادہ کو جانتا بھی ہے۔ خیال رہے کہ مدت ایلاء کا خرچہ مکان وغیرہ عورت کو مرد یعنی اس کا خاوند ہی دیگا۔ کیونکہ نکاح اس زمانہ میں قائم رہتا ہے اور قصور مرد کا ہوتا ہے اور اگر مرد قسم توڑ دے تو کفارہ بھی مرد پر ہی ہوگا کہ اس نے قسم کھائی ہے اور اگر نہ توڑے اور چار ماہ کے بعد طلاق واقع ہو جاوے تو عدت کا خرچہ بھی مرد کے ذمہ ہوگا اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ کے ساتھ ماں کا خرچہ بھی مرد کے ذمہ ہوگا کہ بچہ رہے گا ماں کے پاس اور خرچ دیگا باپ غرضیکہ ایلاء میں ہر طرح نقصان مرد ہی کا ہے۔ ان تمام

پابندیوں کا مقصد ایلاء ورد کنایا اس کا بہت ہی کم کر دینا ہے یہ بھی اسلام کی عورتوں پر مہربانی ہے غرضیکہ اسلام نے عورتوں کو زندگی بخش دی۔

گرتے ہوؤں کو کس نے اٹھایا تیرے بغیر　　　بگڑے ہوؤں کو کس نے بنایا تیرے بغیر

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ اسلام افراط و تفریط سے خالی ہے اہل عرب کے ہاں طلاق میں بہت بے قاعدگی تھی جب چاہتے تو طلاق دے دیتے اور جب چاہتے واپس لے لیتے یہودی بھی طلاق میں کسی قدر آزاد تھے اور اس کے مقابل ہندوؤں کے دین میں طلاق کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ کیا ہوا نکاح کبھی ختم ہو سکتا ہی نہیں عیسائیوں کے ہاں بھی مسئلہ طلاق میں بہت پابندی ہے۔ انجیل متی 5-31-33 میں ہے کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے مگر یہ دونوں قانون طلاق میں رکھ دئے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے عیسائی ان کے ان الفاظ کو چھوڑ چکے اور ان کی پارلیمنٹ میں طلاق کی بے حد آزادی دی گئی کیونکہ یہ قانون ناقابل عمل تھا اسلام نے نہ ہندوؤں کی سی قید رکھی اور نہ اہل عرب کی سی آزادی۔ ضرورۃً طلاق جائز کی۔ مگر نبی اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے بڑھ کر ناپسند چیز طلاق ہے۔ دوسرا فائدہ: اسلام میں طلاق کا مسئلہ بہت اہم ہے کہ رب تعالیٰ نے دوسرے مسائل اجمالاً بیان فرمائے مگر اس مسئلہ کی بہت شرح کی کہ طلاق اور اس کے اقسام رجعی، بائنہ، مغلظہ اور ایلاء و خلع وغیرہ اسی طرح عدت اور اس کے احکام اس کی قسمیں مثلاً حائضہ، آئسہ، حاملہ، چھوٹی بچی کی عدتیں اور عدت وفات وغیرہ پر کافی روشنی ڈالی۔ نیز ان کا بیان سورہ بقرہ میں بھی اچھی طرح کیا اور پھر آخر قرآن میں طلاق کی ایک پوری سورۃ یعنی سورہ طلاق نازل فرمائی۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ طلاق میں بہت احتیاط سے کام لیں۔ تیسرا فائدہ: ایلاء میں طلاق دینا ضروری نہیں بلکہ مدت ایلاء گزرنے پر خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی نہ طلاق ہونے کی ضرورت نہ حاکم کے فیصلہ کی حاجت کیونکہ یہاں فرمایا گیا۔ وان عزموا الطلاق۔ یعنی ارادہ طلاق ہی طلاق ہے۔ (احمدی) چوتھا فائدہ: طلاق کا اختیار مرد کو ہے نہ کہ عورت کو یعنی عورت شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی۔ کیونکہ عورتیں بے عقلی سے بہت جلد غصہ میں آکر کچھ کا کچھ کر بیٹھتی ہیں۔ ان کو طلاق کا اختیار دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ تلوار دینا ہے۔ جس سے دن رات گھر بگاڑا کریں گے۔ یہاں ارشاد ہوا وان عزموا اگر مرد طلاق کا ارادہ کریں۔ پانچواں فائدہ: ایلاء میں طلاق سے رجوع بہتر۔ کیونکہ رب نے رجوع کے ساتھ اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا اور طلاق کے ساتھ اپنے سننے اور جاننے کا۔

مسئلہ: ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی عورت سے کہے کہ قسم خدا کی میں چار ماہ یا زیادہ تک تیرے پاس نہ آؤں گا یا کہے کہ اگر میں چار ماہ تک تیرے پاس آؤں تو مجھ پر حج یا خیرات یا روزہ واجب ہے یا تو مجھے طلاق ہے یا میرا غلام آزاد غرضیکہ اپنے پر چار ماہ تک دور رہنا لازم کر لے یا قسم سے یا کسی الزام سے۔ مسئلہ: ہر اس عاقل بالغ شوہر کا ایلاء صحیح ہے جس کا تصرف معتبر خواہ کافر ہو یا مسلمان۔ لہٰذا نامرد کا ایلاء صحیح ہے اور جس کا ذکر کٹا ہو اس کا ایلاء صحیح نہیں۔ (کبیر) مسئلہ: ایلاء کے لئے ضروری ہے کہ قسم اور بیان مدت ایک ہی مجلس میں ہو اور قسم بھی شرعی ہو یعنی اللہ کی یا اس کی صفات کی ہو۔ مسئلہ: ایلاء کے دو ہی نتیجے ہیں قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ اور پورا کرنے کی صورت میں طلاق بائنہ مسئلہ: ایلاء میں اگر مرد صحبت پر قادر ہو تو رجوع صحبت سے ہی ہو گا اور اگر کسی وجہ سے صحبت پر قدرت نہ ہو تو وعدہ صحبت سے بھی رجوع ہو جائیگا۔ لیکن اگر مدت ایلاء میں

صحبت پر قدرت ہو گئی تو صحبت ہی کرنی پڑے گی۔ (احمدی و خزائن)۔ **مسئلہ:** جو قسم کا کفارہ ادا نہ کر سکے وہ صرف توبہ ہی کرلے کفارہ معاف ہے۔ (روح المعانی)۔ **مسئلہ:** مرد کو چاہئے کہ کم از کم چار ماہ میں ایک بار اپنی بیوی سے ضرور صحبت کرے بلا وجہ عورت کو چھوڑ کر بہت دن سفر میں نہ رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو شب کے وقت یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر رب کا خوف نہ ہوتا تو آج میری چارپائی سے آواز آتی ہوتی تو آپ نے اپنی بیٹی یعنی حضور کی بیوی حفصہ سے پوچھا کہ عورت بغیر مرد کتنے دن صبر کر سکتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ چار ماہ۔ حد درجہ چھ ماہ۔ حضرت عمر نے قانون جاری کیا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ اس مدت میں اسے ضرور چھٹی دی جاوے۔ (درمنثور و شامی) بلکہ زمانہ فاروقی میں حضرت کعب ابن سور اسدی نے ایک عابد و زاہد مرد کو حکم دیا کہ تین دن تو شب بیداری، عبادت گزاری میں گزار۔ چوتھے دن اپنے بیوی سے تعلق رکھ اس پر حضرت عمر نے انہیں بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا اس کی پوری بحث درمنثور میں دیکھو۔

پہلا اعتراض: طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کیوں دیا عورت کو بھی چاہئے تھا یہ تو خلاف انصاف ہے۔ (آریہ)۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو وہ جو فوائد میں ذکر ہوا عورت کا غصہ اس کی عقل پر غالب ہے وہ جوش میں آکر بہت جلد سب کچھ کر گزرتی ہے اور بعد میں پچھتاتی ہے مرد کے غصہ پر قدرتی طور پر عقل غالب ہے۔ طلاق چونکہ نازک چیز ہے جس پر آئندہ زندگی کا دارومدار ہے لہٰذا وہ مرد کے ہی قبضہ میں چاہئے ہاں اگر کبھی ظلم کرے اور طلاق نہ دے تو حاکم جبراً اس سے طلاق دلوادے۔ دوسرے یہ کہ مرد عورت کا حاکم ہے کیونکہ اس کے ذمہ عورت کے سارے اخراجات ہیں اور علیحدگی حاکم کے قبضہ میں چاہئے۔ پنڈت جی پھر تو تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ صرف عورت ہی بچے کیوں دیتی ہے اور اس ہی کو حیض و نفاس کیوں آتا ہے یا تو کسی کو یہ عوارضات نہ ہوتے یا عورت مرد دونوں کو ہوتے۔ **دوسرا اعتراض:** طلاق بری چیز ہے اس سے گھر بگڑتے ہیں۔ اسلام نے اس کی اجازت ہی کیوں دی؟ **جواب:** کبھی ضرورت کی وقت بری چیز سے بھی معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ بعض صورتوں میں عورت اور مرد کی زندگی وبال ہو جاتی ہے علیحدگی میں راحت ہوتی ہے ضرورۃً اس کی اجازت دی گئی۔ پنڈت جی یہ اعتراض تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ پاخانہ بری اور گندی جگہ ہے پھر وہاں جانے کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ پنڈت جی اگر وہاں نہ جاؤ گے تو سارا گھر گندا کرو گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں ارادہ طلاق کے ساتھ اللہ کے سننے اور جاننے کا ذکر ہوا جس سے معلوم ہوا کہ ایلاء خود طلاق نہیں بلکہ مدت گزرنے پر طلاق دینا ہوگی کیونکہ کلام سنا جاتا ہے نہ کہ ارادہ (کبیر)۔ **جواب:** اکثر ارادہ طلاق کے وقت سخت باتیں بھی منہ سے نکل جاتی ہیں اور برے ارادے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے لحاظ سے یہ فرمایا گیا ورنہ اگر طلاق کی ضرورت ہوتی تو ارادہ طلاق کا ذکر نہ ہوتا۔ (احمدی)۔ **چوتھا اعتراض:** جب ایلاء عورت پر ظلم ہے تو اسلام نے کچھ فرق کر کے اسے باقی ہی کیوں رکھا اسے مٹا دیا ہوتا۔ **جواب:** کفار کا ایلا ظلم تھا اسلام کا ایلاء عورت کی اصلاح ہے۔ رب فرماتا ہے **واھجروھن فی المضاجع** نافرمان بیویوں کو ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دو یعنی ان کا بائیکاٹ کردو کہ ان سے کلام سلام بند کردو اس سے عورت خود بخود سیدھی ہو جائے گی۔ نان نفقہ بند نہ کرایا ان سے کلام سلام ترک کرایا یہ اصلاح ہوئی۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ شریعت میں ایلاء چار ماہ کا ہی ہوتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا اپنی تمام ازواج مطہرات سے۔ **جواب:** وہ لغوی ایلاء تھا نہ کہ شرعی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کی مدت پوری

فرمادی اور بعد میں نہ کفارہ دیا نہ طلاق ہوئی۔ شرعی ایلاء میں یا کفارہ ہے یا طلاق۔ **چھٹا اعتراض:** جب اسلام نے کمزوروں ضعیفوں پر اتنے احسانات کئے تو غلام و لونڈی ہونے کا قاعدہ کیوں ختم نہ فرمادیا اسے کیوں باقی رکھا۔ **جواب:** یہ مسئلہ بین الاقوامی تھا اگر دوسری قومیں بھی مسلمان قیدیوں کو غلام نہ بناتیں تو اسلام میں بھی کفار قیدیوں کو غلام نہ بنایا جاتا اگر وہ تو ہم کو غلام بناتے رہتے ہم کفار کو غلام نہ بناتے تو یہ مسلمانوں پر ظلم تھا۔ اس کے باوجود اسلام نے آزادی کو عبادت قرار دے دیا کہ ہر کفارہ میں پہلے حق رقبہ' غلام کی آزادی رکھی اور اس آزاد کرنے کو بہترین عبادت قرار دیا۔ پھر غلاموں سے اولاد جیسا برتاؤ کرنے کا حکم دیا حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین وفات کے وقت اسی غلام پروری کی وصیت فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ : کمزور اور بے نواؤں کا رب مددگار ہے کہ اس کا حق برباد نہیں فرمایا۔ دیکھو جب عورت کو شوہر سے چھوٹنے کا اختیار نہ دیا تو خود رب تعالیٰ نے اس کی طرف سے مردوں پر صدہا قوانین جاری کر دیئے۔ جب اپنے ہم جنس یعنی بیوی کے حقوق اتنے محفوظ ہیں اور ان کا لحاظ اس قدر ضروری تو چاہیے کہ رب کے حقوق کا بھی لحاظ اس قدر ضروری تو چاہیے کہ رب کے حقوق کا بھی لحاظ رہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مدت ایلاء چار ماہ مقرر کرنے میں عجیب راز ہیں۔ بچے میں چار ماہ کے بعد ہی جان پڑتی ہے پھر کاتب تقدیر فرشتہ چار ہی چیزیں اس کی پیشانی میں لکھتا ہے۔ رزق' عمر' عمل اور جنتی' جہنمی ہونا لہذا حکم ہو رہا ہے کہ جب کبھی راہ طریقت کا مسافر سفر کی حالت میں ملال یا بار محسوس کرے تو شیخ کو لازم ہے کہ اسے فوراً ہی نکال نہ دے بلکہ اس کی مدد کرے اور چار ماہ کی اسے مہلت دے اگر اس مدت میں اس کا حال بدلے اور اس میں پھر بھی طلب پیدا ہو اور اس مرید میں دوبارہ ارادہ کی روح پیدا ہو جائے تو شیخ اس کی گزشتہ خطا کو معاف کرے کیونکہ اس بہار کو مقبولین (کمزور لوگ) ہی سیراب کر سکتے ہیں۔ اور اس منزل میں معزولین (تارک الدنیا) ہی رہ سکتے ہیں۔ اس دروازہ کو گھمین یعنی اڑ جانے والے بھکاری ہی کھلوا سکتے ہیں۔ اس شراب محبت کو عارفین ہی پی سکتے ہیں اور اس گیت کی عاشقین ہی سن سکتے ہیں اور اگر چار ماہ کی مدت میں بھی اس کا حال نہ بدلے تو شیخ یہ کہہ کر اس سے جدا ہو جائے کہ **ھذا فراق بینی و بینک** وہ ان کی باتوں کو سنتا اور جانتا ہے اس راستہ کو نہ اختیار کرنا ایک محرومی ہے اور اختیار کر کے چھوڑ دینا مکمل محرومی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نہ مارا درمیاں عہد و وفا بود جفا کردی و بدعہدی نمودی

ہنوزت گر سر صلح است باز آ! کزاں محبوب تر باشی کہ بودی (روح البیان)

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

اور طلاق دی ہوئیں خود میں روکیں جانوں اپنی کو تین حیض اور نہیں حلال ہے واسطے ان کے یہ کہ چھپائیں وہ جو

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک اور انہیں حلال نہیں کہ چھپائیں وہ جو

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پیدا کیا اللہ نے بیچ رحموں ان کے اگر ہوں وہ ایمان لائیں ساتھ اللہ اور دن پچھلے کے

اللہ نے ان کے پیٹ میں پیدا کیا اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہیں

الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ
اور شوہر ان کے زیادہ حقدار ہیں ساتھ واپس کرنے ان کے بیچ اس کے اگر ارادہ کریں درستی کا اور واسطے
اور اُن کے شوہروں کو اس مدت کے اندر ان کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر ملاپ چاہیں اور عورتوں کا
مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ
ان عورتوں کے مثل اُسی کے ہے جو اوپر انکے ہے ساتھ بھلائی کے اور واسطے مردوں کے اور عورتوں
بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے
عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾
کے درجہ ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۝
اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۝

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ایلاء کا ذکر ہوا جس کا نتیجہ کبھی طلاق ہوتا ہے۔ اور اب طلاق کی عدت کا ذکر فرمایا جارہا ہے **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ ایلاء میں چار مہینے انتظار ضروری ہے۔ جس سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید یہ مدت ہی طلاق کی عدت ہو گئی ہو۔ اب فرمایا گیا کہ نہیں۔ عدت علیحدہ گزارنی ہوگی۔ **تیسرا تعلق**: طلاق چند قسم کی ہوتی ہے۔ (1) طلاق بالواسطہ ایلاء۔ (2) طلاق بلاواسطہ۔ (3) طلاق بالخلع۔ پچھلی آیت میں طلاق کی پہلی قسم کا ذکر ہوا۔ اب دوسری کا ذکر ہو رہا ہے اور خلع کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ایلاء کا ذکر ہوا جو کہ گویا شوہر کی طرف سے بدسلوکی ہے۔ اس آیت میں عورتوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ اس بدسلوکی کے عوض کوئی ناجائز کام نہ کریں۔ جیسے اپنا حمل چھپانا وغیرہ۔

شان نزول : حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ فرماتی ہیں کہ زمانہ نبوی میں مجھے میرے شوہر نے طلاق دی اور اس وقت تک عدت کے احکام اسلام میں نہ آئے تھے اور زمانہ جاہلیت میں طلاق کی عدت مقرر نہ تھی اس موقعہ میں یہ آیت کریمہ اتری اور سب سے پہلے عدت طلاق انہوں نے ہی گزاری۔ (درمنثور)۔

تفسیر : **والمطلقت** یہ لفظ طلاق سے بنا جس کے معنی ہم پہلے بیان کرچکے۔ اس میں الف لام عہدی ہے اور اس سے خاص طلاق والی عورتیں مراد ہیں۔ کیونکہ یہ عدت صرف مدخول بہا (جس سے شوہر کی خلوت ہو گئی ہو) غیر حاملہ قابل حیض آزاد عورت کے لئے ہے۔ اگر اتنی شرطیں نہ ہوں تو یہ عدت بھی لازم نہیں نیز اس سے ہر وہ عورت مراد جو نکاح میں آکر نکل جائے۔ خواہ طلاق سے یا مرد کے مرتد ہو جانے سے یا اس طرح کہ عورت اپنے سسر کو بوسہ لے لے یا اس طرح کہ شوہر اپنی ساس سے زنا کرلے غرضیکہ جس طرح بھی نکاح کے بعد جدائی ہو۔ وہ سب اس میں داخل ہیں (احمدی) اسی لئے یہاں مطلقات جمع فرمایا گیا یعنی ہر قسم کے نکاح سے نکلنے والی عورتیں خاوند کی زندگی میں نکاح ختم ہو جانے کی نو صورتیں ہیں۔ طلاق 'زوج کا ارتداد 'ایلاء '

لعان' خیار بلوغ' خیار عتق' مرد کا اپنی ساس سے زنا یا دواعی زنا عورت کا اپنے سسر یا بیٹے وغیرہ سے زنا یا دواعی زنا۔ خلع۔ ان تمام صورتوں میں یہ ہی عدت واجب ہو گی جو یہاں مذکور ہے بشرطیکہ یہ واقعات خلوت صحیحہ کے بعد ہوں بلکہ اگر مرد کے عنین۔ خصی وغیرہ ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کیا گیا اور یہ فسخ بعد خلوت ہوا تب بھی یہ ہی عدت ہے۔ **یتربصن بانفسھن** یہ خبر بمعنی امر ہے تاکہ اس پر ضرور عمل ہو۔ یہ لفظ تربص سے بنا جس کے معنی ہیں انتظار کرنا۔ مگر یہاں اگلی ب کی وجہ سے اس کے معنی ہوئے روکنا۔ انفس' نفس کی جمع ہے بمعنی جان یا ذات۔ یعنی ہر قسم کی طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو نکاح ثانی سے روکے رہیں۔ خیال رہے کہ عدت ہمیشہ عورت پر ہوتی ہے۔ مرد پر نہیں کیونکہ عورت کے حاملہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے نہ کہ مرد کے۔ ہاں چند صورتوں پر مرد کو مطلقہ عورت کی عدت کا انتظار کرنا پڑتا ہے کہ اس کی عدت کے دوران دوسری عورت نہیں کر سکتا۔ اگر مرد مطلقہ کی بہن یا خالہ یا پھوپھی یا بھانجی' بھتیجی وغیرہ ان عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہے جن کا اجتماع نکاح میں درست نہیں یا کسی کی چار بیویاں تھیں ایک کو طلاق دی وہ عدت میں تھی۔ اب پانچویں سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ عدت بھی حکماً نکاح ہے اگر اب اسی حالت میں نکاح کرے تو پانچ بیویاں نکاح میں ہو جائیں گی یا دو بہنیں یہ دونوں کام حرام ہیں۔ **ثلثۃ قروء** ثلثۃ سے پہلے وقت یا مدت پوشیدہ ہے اور وہ ہی اس فعل کا ظرف قروء' قرء کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں جمع ہونا اور وقت اور ایک حال سے نکل کر دوسری حالت میں داخل ہونا۔ (کبیر وغیرہ) اصطلاح میں اس کے معنی حیض بھی ہیں اور طہر بھی ہمارے نزدیک یہاں بمعنی حیض ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بمعنی طہر مگر ہمارا مذہب قوی ہے۔ جس کی وجہ انشاء اللہ فوائد میں بیان ہوں گی یعنی طلاق والی عورتیں تین حیض کی مدت اپنے کو دوسرے نکاح سے روکیں۔ اور دوسرے کا پیغام نکاح قبول کرنے سے رکیں نیز عدت کے زمانہ میں بناؤ سنگار کرنے اور خاوند کے گھر سے نکلنے سے رکیں کہ عدت میں یہ تمام کام حرام ہیں عدت کا سارا خرچ طلاق دینے والے مرد پر واجب ہے مطلقہ کسی وقت بھی گھر سے باہر نہ جائے۔ وفات والے کی بیوی دن میں کام کاج کرنے کے لئے جا سکتی ہے مگر رات کو واپس گھر ہی میں آوے گی۔ یوں ہی عدت میں رنگین کپڑے زیور پہننے اور خوشبو ملنے سرمہ لگانے سے باز رہے اس زمانہ میں سوگ واجب ہے یہ تمام مسائل ایک لفظ **یتربصن** سے حاصل ہوئے اس لئے قرآن کریم نے یہاں نکاح کا ذکر نہ کیا کہ اس صورت میں یہ مسائل حاصل نہ ہوتے۔ غرضیکہ یہ کلمہ بہت جامع ہے **ولا یحل لھن ان یکتمن** یحل' حلال بمعنی مباح سے بنا اور یکتمن کتم سے بمعنی چھپانا اور پردہ ڈالنا یعنی طلاق والی عورتوں کو یہ جائز نہیں چھپالیں **ما خلق اللہ فی ارحامھن** 'ما' سے مراد حمل اور حیض دونوں ہی ہیں۔ (روح البیان و معانی) ارحام رحم کی جمع بمعنی رحمت و کرم۔ عورت کی بچہ دانی کو اس لئے رحم کہتے ہیں کہ وہ ذریعہ محبت و رحمت ہے کہ اس سے رشتہ داریاں قائم ہیں۔ یہ ہی معنی یہاں مراد ہیں یعنی عورتیں عدت میں جلدی کرنے کی غرض سے اپنے حمل یا حیض کو نہ چھپائیں۔ چونکہ عدت میں عورت کا قول اکثر معتبر ہے اس پر گواہی وغیرہ لازم نہیں اس لئے **لا یکتمن** میں انہیں سے روئے سخن ہے۔ خیال رہے کہ عدت ان مسائل میں سے ہے جن میں ایک عورت کا قول بھی معتبر ہے۔ رمضان کا چاند عدت' حلالہ وغیرہ میں چونکہ نکاح سے حرام و حلال صحبت کا فرق ہے اور نکاح سے ہی آئندہ نسل وابستہ ہے۔ اگر عورت عدت میں غلط بیانی سے کام لے کر غلط نکاح پڑھوائے تو صحبتیں بھی حرام ہوں گی اور آئندہ نسل بھی خراب ہو گی۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ **ان کن یؤمن باللہ والیوم الاخر** یہ **لا یحل** کی شرط ہے مگر اس سے قید لگانا مقصود نہیں اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ مومن عورتیں تو نہ چھپائیں

اور عیسائی اور یہودی عورتیں چھپالیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چھپانا شان ایمان کے خلاف ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر تو مسلمان ہے تو باپ کو مت ایذا دے بعض نے فرمایا کہ اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے اور لا یحل اس کی علت اور مطلب یہ ہے کہ اگر ایماندار ہوں تو نہ چھپائیں۔ کیونکہ یہ حلال نہیں۔ (روح المعانی) غرضیکہ اس سے ڈرانا منظور ہے۔ **وبعولتهن احق** بولتہن بعولتہ بعل کی جمع ہے جیسے عم کی جمع عمومتہ اور فحل کی جمع فحولتہ ت زائدہ ہے۔ اس کے معنی ہیں سردار، مالک اور وہ درخت کھجور جو بارش سے پرورش پائے۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ بعال سے بنا بمعنی محبت کرنا چونکہ شوہر عورت کا سردار بھی ہے اور اس کا مالک بھی اور اس کا منتظم اور محبت کرنے والا بھی۔ لہذا اسے بعل کہا گیا۔ احق اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی میں رجوع کرنے کا اختیار صرف شوہر ہی کو ہوتا ہے۔ پھر تفضیل کے کیا معنی۔ (روح المعانی) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ احق اپنے ہی معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عورت اپنی عدت کے متعلق غلط خبر دے کر دوسرے سے نکاح کرنا چاہے یا کرلے اور اس کی غلط بیانی کا پتہ چل جائے تو بجائے اس دوسرے شوہر کے پہلا شوہر ہی عورت کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ ابھی عدت باقی ہے۔ فی ذلک اس سے یا تو طلاق رجعی میں رجوع کرنا مراد ہے۔ اور یا طلاق بائنہ میں یہ شوہر ہی دوبارہ نکاح کا حقدار ہے۔ کہ اگر وہ پھر نکاح میں لانا چاہے تو عورت کا اخلاقی فرض ہے کہ انکار نہ کرے کیونکہ اس کا تعلق پرانا ہے اور دوسرے سے نیا قائم ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجوع کرلینے کا اور طلاق بائنہ میں عورت سے عدت میں دوبارہ نکاح کرنے کا صرف اسی خاوند کو حق ہے کہ یہ عدت کے اندر بھی نکاح کر سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے نکاح عدت کے بعد ہی ہو سکے گا مگر یہ طلاق دینے والا رجوع یا دوبارہ نکاح کب کرے جب کہ **ان ارادوا اصلاحا** ارادوا کا فاعل بعول یعنی شوہر ہیں۔ اصلاح سے احسان اور دوستی مراد ہے اور یہ گنہگار نہ ہونے کی شرط ہے نہ کہ رجوع جائز ہونے کی یعنی شوہر رجوع کے حقدار جب ہوں گے جب کہ ان کی نیت عورت کے ساتھ سلوک کرنے کی ہوگی نہ کہ فقط پریشان کرنے اور عدت دراز کرنے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے کہ عورت کو طلاق دیکر عدت ختم ہوتے وقت رجوع کرکے پھر طلاق دے دیتے تھے تا کہ عدت دوبارہ شروع ہو اگر اس نیت سے یہ لوگ بھی کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے **ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف** لام نفع کا ہے اور علی الزام کا اور ھن سے عورتوں کے حقوق مراد ہیں جو شوہروں کے ذمہ ہیں اور علیہن سے وہ حقوق مراد ہیں جو شوہروں کے ان کے ذمے۔ اور مثل سے نہ تو برابری مراد ہے اور نہ کیفیت حقوق میں تشبیہ مقصود یعنی نہ تو یہ مطلب ہے کہ زوجین کے ایک دوسرے پر حق برابر ہیں کہ ایک مہینہ شوہر بیوی کو کما کر کھلائے اور دوسرے مہینے بیوی شوہر کو اور نہ یہ مطلب ہے کہ جیسے عورت شوہر کی خدمت کرتی ہے ایسے ہی شوہر بھی عورت کی خدمت کیا کرے کہ اس کے لئے کھانا تیار کیا کرے کپڑے دھوئے بلکہ فقط واجب ہونے میں تشبیہ ہے کہ جیسے کچھ حقوق مرد کے عورت پر لازم ہیں۔ ایسے ہی کچھ عورتوں کے بھی مردوں پر لازم ہے۔ کیونکہ یہ بی بی ہے نہ کہ لونڈی۔ لہذا دونوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے حق کا لحاظ رکھیں اس کو واضح کرنے کے لئے ارشاد ہوا کہ **وللرجال علیهن درجة** ظاہر یہ ہے کہ رجال سے مراد شوہر ہیں اور علیہن کا مرجع بیویاں۔ کیونکہ زوجین کا ہی ذکر ہو رہا ہے اس صورت میں درجہ سے مراد زیادتی حقوق ہے اور ممکن ہے کہ رجال سے مرد اور علیہن سے عورت مراد ہو۔ اس صورت میں درجہ سے مراد افضلیت ہوگی رجال رجل کی جمع ہے یہ رجل بسکون جیم یا رجلہ سے بنا بمعنی قوت اسی لئے پاؤں کو رجل کہتے ہیں کہ اس میں چلنے کی قوت ہے اور قوی بات کو کلام مرتجل اور دن چڑھے کو

اسلام نے عورت کو نیچے سے اوپر اٹھایا۔ اس کے حقوق بھی قائم کئے۔ مگر چونکہ بالکل برابری کرنے میں گھر کا انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ ملکی اور خانگی انتظام کے لئے کوئی افسر ضرور چاہئے۔ اگر ملک میں کوئی بادشاہ نہ ہو سب برابر ہوں تو اس کی بربادی یقینی ہے۔ ایسے ہی اگر گھر میں کوئی حاکم نہ ہو سب یکساں ہوں تو گھر کی تباہی لازمی ہے۔ اس لئے مردوں کو عورتوں کا حاکم بنایا۔ کیونکہ مرد میں قوت، شجاعت، عقل وغیرہ زیادہ۔ نیز اس کے ذمہ بیوی کا سارا خرچ بعض حقوق تو مشترک ہیں اور بعض خاص حقوق مشترکہ دو قسم کے ہیں ایک حقوق شرعی جس کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے اور جن کے ادا کرنے پر حاکم مجبور کر سکتا ہے دوسرے حقوق اخلاقی کہ جن کا ادا کرنا ضروری مگر ان کا عدالت میں دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ عورت کے حقوق شرعی مرد پر چار قسم کے ہیں۔ (1) کھانا کہ جیسا خود کھائے اسے بھی کھلائے۔ (2) کپڑا کہ جیسا خود پہنے اسے بھی پہنائے اور حسب حیثیت اسے آرام میں رکھے۔ (3) مکان کہ حسب حیثیت اسے رہنے کے لئے جگہ دے۔ (4) مجامعت۔ خیال رہے کہ عمر میں ایک بار مجامعت کرنا سخت ضروری ہے کہ اگر نہ کرے تو عورت کو طلاق لینے کا حق حاصل ہے۔ اسی لئے نامرد کی بیوی حاکم کے ذریعہ طلاق حاصل کر سکتی ہے اور ہر چار مہینے میں کم سے کم ایک دفعہ مجامعت کرنا بھی ضروری ہے۔ جیساکہ ہم پچھلی آیت میں عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بیان کر چکے۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کی بے توجہی کی شکایت کی شوہر نے عرض کیا کہ میں اس کے حقوق زوجیت ادا کرتا ہوں عورت نے عرض کیا کہ مہینے میں صرف ایک بار آپ نے مرد کو تنبیہ نہ کی بلکہ ان کے لئے دعائے محبت فرمائی۔ جس کی برکت سے ان میں بہت محبت پیدا ہو گئی ہاں ہر ہفتہ میں ایک بار صحبت ضروری ہے۔ جمعہ کی شب میں زیادہ افضل۔ حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کی شب جماع کرنے والے کو دو ثواب ملتے ہیں اپنے غسل کا اور عورت کے غسل کا بھی (درمنثور) ایسے ہی مرد کے بھی عورت پر کچھ حقوق ہیں۔ جس کے ادا نہ کرنے پر مرد عورت کا خرچہ بند کر سکتا ہے۔ (1) عورت کو ضروری ہے کہ مرد کو اپنے پر قابو دے بشرطیکہ کوئی شرعی خرابی حیض وغیرہ نہ ہو۔ (2) عورت کو لازم ہے کہ شوہر کی بے اجازت اس کے گھر سے نہ جائے۔ (3) عورت کو لازم ہے کہ شوہر کے گھر میں اسے نہ آنے دے جس کے آنے سے شوہر ناراض ہے۔ یہ حقوق شرعی تھے رہے حقوق اخلاقی وہ بے شمار ہیں عورت مرد کے لئے کھانا تیار کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس کے گھر کو آراستہ رکھے۔ اس کی رضا کے لئے بناؤ سنگار کرے اس کی بغیر اجازت نفلی روزے اور نفلی نماز میں مشغول نہ ہو۔ غرضیکہ اس کی ہو کر رہے مرد کے لئے ضروری ہے کہ بیماری میں اس کا علاج کرائے۔ کبھی کبھی اس کو میکے والوں سے ملاتا رہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے اچھا لباس پہنتا ہوں کہ جب میلے کپڑے میں وہ مجھے بری معلوم ہوتی ہے تو میں اسے کب اچھا معلوم ہوں گا۔ اور آپ نے یہ ہی آیت پڑھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم قیامت میں مجھ سے قرب چاہتے ہو تو اپنی بیویوں کو راضی رکھو۔ بلکہ عورت کی خوشنودی کے لئے اس کے میکے والوں بلکہ اس کی سہیلیوں سے بھی سلوک کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے قربانی کرتے جس کا گوشت حضرت خدیجہ کی سہیلیوں میں تقسیم فرماتے تھے لہٰذا مرد کو چاہئے کہ بیوی کے انتقال کے بعد تیجہ، دسواں، چالیسواں برسی صدقہ وغیرہ اس کے ایصال ثواب کے لئے کرے۔ یہ بھی بہتر ہے کہ زندگی میں اپنی بیوی کو جن عورتوں سے محبت و میل ہو وہ فاتحہ کا کھانا انہیں بھیجے۔ اسے بعد موت اچھائی سے یاد کرے اس کے لئے دعاء مغفرت کرے اس کے ماں باپ و اہل قرابت کا ہمیشہ احترام کرے جبکہ حضور نے

حضرت خدیجہ کی سہیلیوں سے یہ سلوک کیا تو بیوی کے ماں باپ و اہل قرابت تو زیادہ سلوک کے حقدار ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر ایک دونوں کو خوش رکھنے کی انتہائی جائز کوشش کریں۔

مرد کی فضیلت : مرد عورت سے بہت افضل ہے چند وجوں سے۔ (1) مرد ہمیشہ نماز و روزہ ادا کر سکتا ہے۔ عورت زمانہ حیض و نفاس میں ان سے مجبور۔ (2) مرد پر جہاد فرض ہے عورت پر بجز سخت ضرورت کے فرض نہیں۔ (3) مرد میراث میں عورت سے دگنے حصہ کا حقدار ہے۔ (4) مرد چار بیبیاں رکھ سکتا ہے۔ (5) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر۔ (6) بعض مقامات میں عورتوں کی گواہی بالکل قبول نہیں۔ جیسے شرعی سزاؤں رجم وغیرہ کا مقدمہ۔ (7) مرد اکیلا سفر حج کر سکتا ہے۔ عورت بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔ (8) نبوت، امامت، سلطنت، گھوڑے کی سواری مرد ہی کے لئے خاص ہے۔ (9) مرد کے ذمہ عورت کا سارا خرچ ہے عورت کے ذمہ مرد کا خرچ نہیں۔ (10) مرد کی بغیر اجازت عورت گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ مرد پر یہ پابندی نہیں۔ (11) مرد عقل میں کامل عورت ناقص اسی لئے اسے ناقص العقل کہتے ہیں۔ (12) مرد پر مہر لازم عورت پر نہیں۔ مرد کو طلاق دینے کا حق ہے نہ کہ عورت کو۔ یہ تو مرد کی شرعی افضلیت تھی۔ مرد کو تکوینی افضلیت بھی حاصل ہے کیونکہ عورت کی پیدائش مرد سے ہوئی نہ کہ مرد کی عورت سے چنانچہ حضرت حوا جناب آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں۔ حضرت آدم بی بی حوا سے پیدا نہ ہوئے۔ نیز قدرتی طور پر عورت کو ایسے عوارض رہتے ہیں جس سے وہ انتظامی کام بخوبی انجام نہیں دے سکتی۔ چنانچہ حیض و نفاس میں نہ اس کی جسمانی حالت درست ہوتی ہے نہ دماغی حالت ٹھیک مرد ہمیشہ ان عوارض سے پاک و صاف۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عدت طلاق میں سوگ ضروری ہے جیسا کہ بانفسھن سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** عدت میں نکاح کسی قدر قائم رہتا ہے اگر طلاق غلیظہ نہ ہو اسی لئے طلاق دینے والے کو بعولۃ یعنی عورت کا شوہر کہا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** طلاق کی عدت حیض سے ہے نہ کہ طہر سے چند وجہ سے۔ (1) عبداللہ ابن عباس، مجاہد، حسن، عکرمہ، عمرو ابن دینار، امام اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، سفیان ثوری کا یہی مذہب ہے۔ (کبیر و معانی)۔ (2) لفظ قرء اگرچہ اس کے معنی حیض بھی ہیں اور طہر بھی مگر شریعت میں اس کا اکثر استعمال حیض کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں ہے **دعی الصلوۃ ایام اقراءک** یعنی تم اپنے زمانہ حیض میں نماز چھوڑ دو۔ (کبیر)۔ (3) آیت میں تین قروء انتظار کرنے کا حکم ہے۔ اگر اس سے طہر مراد ہوں۔ تو کبھی پورے نہیں ہو سکتے کیونکہ جس طہر میں طلاق واقع ہو گی وہ پورا عدت میں نہ آئے گا مگر حیض پورے تین ہوں گے۔ طلاق طہر میں ہوتی ہے نہ کہ حیض میں۔ (4) حیض نہ آنے کی صورت میں عدت تین ماہ ہوتی ہے۔ رب فرماتا ہے **والٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر** جس سے معلوم ہوا کہ تین مہینے تین حیض کے قائم مقام ہیں نہ کہ تین طہر کے لہٰذا عدت حیض ہی سے ہے۔ (5) حدیث شریف میں ہے طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان (کبیر) اس سے معلوم ہوا کہ لونڈی کی عدت حیض سے ہے۔ تو حرہ کی بھی یہی عدت چاہئے۔ (6) عدت سے مقصود ہے رحم کی صفائی معلوم کرنا کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں اور حمل کا پتہ حیض سے ہی لگتا ہے نہ کہ طہر سے۔ (7) قیدی کافرہ عورتوں کی عدت فقط ایک حیض ہے کہ اس سے اس کا حاملہ ہونا یا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے تو چاہئے کہ طلاق والی کی عدت بھی حیض ہی سے ہو۔ (8) قرء کے لغوی معنی ہیں جمع ہونا اور ظاہر ہے کہ خون ہی رحم میں جمع ہوتا ہے اور وہ

ہی نکلتا ہے پس حیض ہی کو لغوی معنی سے زیادہ قرب ہے۔ چوتھا فائدہ: حمل اور حیض اور عدت کے متعلق عورت کی بات مانی جائے گی۔ کیونکہ یہاں عورت ہی کو حکم دیا کہ وہ اپنی حالت نہ چھپائے۔ (روح البیان)۔

مسئلہ : مطلقہ عورتیں چند قسم کی ہیں اور ان کی عدتیں علیحدہ۔ (1) جس کو خلوت سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ اس پر عدت واجب نہیں۔ (قرآن شریف) رب فرماتا ہے **اذا نکحتم المومنت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فمالکم علیهن من عدة تعتدونها**۔ (2) حاملہ کی عدت بچہ کی پیدائش ہے۔ رب فرماتا ہے **واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن** حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے حمل جن دیں۔ (3) چھوٹی بچی یا بوڑھی عورت جسے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ رب فرماتا ہے **والیء یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر والئی لم یحضن** لونڈی منکوحہ کی عدت دو حیض ہیں۔ آزاد بیوی جو قابل حیض ہو، حاملہ بھی نہ ہو، اسے طلاق بھی خلوت کے بعد دی گئی ہو۔ اس کی عدت تین حیض ہیں اسی کا ذکر یہاں ہے۔ پانچواں فائدہ: بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت شرط نہیں بلکہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ یہاں عورت ہی کو حکم ہے کہ وہ اپنے کو دوسرے نکاح سے روکے۔ اگر ولی نکاح کا ذمہ دار ہوتا تو یہاں اسی کو حکم ہوتا کہ تم عورتوں کو نکاح سے روکو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے تو چاہئے کہ ہم مرد حضرت فاطمہ زہرا و عائشہ صدیقہ سے افضل ہوں حالانکہ یہ غلط ہے کہ ہم کو ان کے قدم کی خاک سے کوئی نسبت نہیں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں رجال سے مراد خاوند ہیں نہ کہ عام مرد یعنی خاوند کو بیوی پر فوقیت ہے اور واقعی حضرت علی کو جناب فاطمہ پر فوقیت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ازواج پاک پر بہت ہی افضلیت ہے۔ دوسرے یہ کہ الرجال میں الف لام جنسی ہے۔ جس سے اس کی جمعیت باطل ہو گئی اور معنی یہ ہوئے کہ جنس مرد یعنی حقیقت مرد حقیقت عورت سے افضل ہے نہ کہ تمام مرد۔ تمام عورتوں سے جیسے کہا جاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوق ہے یعنی جنس انسان دوسری جنس سے افضل نہ کہ افراد افراد سے لہٰذا لازم یہ نہیں آتا کہ ابو جہل حضرت جبریل سے افضل ہو۔ دوسرا اعتراض: **یتربصن** جملہ خبریہ ہے یہاں جملہ انشائیہ یعنی امر کیوں نہ فرمایا گیا؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جلد عمل کرانے کے لئے امر کے موقعہ پر خبر بول دیتے ہیں گویا یہ کام یقینی ہونے کی وجہ سے ہو ہی چکا جس کی اب خبر دی جا رہی ہے۔ جیسے کہتے ہیں رحمک اللہ یا لعنہ اللہ یہاں بھی بجائے امر کے خبر استعمال ہوئی۔ دوسرے یہ کہ اگر یہاں امر فرمایا جاتا تو مطلب یہ ہوتا کہ طلاق والی عورتیں ارادہ سے تین حیض کا انتظار کریں اور خبر میں ارادہ بلکہ خبر کی بھی قید نہ رہی لہٰذا اگر عورت کو بہت عرصہ کے بعد طلاق کی خبر ہوئی تو اس کی عدت بے خبری میں گزر گئی۔ کیونکہ امر پر عمل بغیر خبر و ارادہ نہیں ہو سکتا اور جملہ خبریہ میں نہ ارادہ ضروری نہ خبر۔ (کبیر) تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی عدت تین طہر ہوں نہ کہ حیض کیونکہ یہاں ثلثۃ 'ت' کے ساتھ فرمایا گیا اور عربی قاعدہ ہے کہ تین سے نو تک کا عدد خلاف قیاس مذکر کے لئے مونث اور مونث کے لئے مذکر آتا ہے۔ اور حیض مونث ہے اور طہر مذکر لہٰذا اگر قرء سے حیض مراد ہوتا تو ثلث قروء بغیر ت کے فرمایا جاتا معلوم ہوا کہ یہاں طہر مراد ہے۔ (شافعی)۔ جواب: حیض اگرچہ مونث ہے مگر لفظ قروء مذکر اور عربی میں الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ معنی کا جیسے کہ **طلحة** اگرچہ مرد کا نام ہے مگر چونکہ لفظ مونث ہے

لہٰذا غیر منصرف ہوا تانیث اور علم کی وجہ سے۔ چوتھا اعتراض: دوسری جگہ ارشاد ہوا **فطلقوھن لعدتھن** یعنی تم عورتوں کو ان کی عدت میں طلاق دو۔ اور یہ سب مانتے ہیں کہ حیض میں طلاق دینا حرام صرف طہر وقت طلاق ہے۔ اور قرآن کریم میں اسی کو وقت عدت فرمایا لہٰذا عدت طہر سے ہونی چاہئے۔ گویا طلاق اور عدت کا وقت ایک ہے اور طلاق کا وقت تو طہر ہی ہے۔ پس عدت کا وقت بھی طہر ہی ہوا۔ نیز حدیث شریف میں ہے **فتلک العدۃ التی امر اللہ تعالٰی ان یطلق لھا النساء** (مسلم، بخاری) یہاں بھی قرآن کی طرح طہر کو ہی عدت فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے **اقم الصلوۃ لدلوک الشمس** نیز فرمایا **اقم الصلوۃ لذکری** جیسے کہ یہاں لام وقت کا ہے یعنی نماز پڑھو سورج ڈھلنے کے وقت۔ ایسے ہی اس آیت میں بھی لام وقت کا ہے۔ یعنی طلاق دو عدت کے وقت۔ (شافعی) جواب: **لعدتھن' ان یطلق لھا النساء** میں لام توقیت ہو سکتا ہی نہیں بلکہ لام علت کا ہے اور معنی یہ ہیں کہ ان کی عدت کی وجہ یا عدت کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں طلاق دو۔ کیونکہ طلاق عدت میں نہیں ہوتی عدت سے پہلے ہوتی ہے اور عدت بعد میں شروع ہوتی ہے۔ اور اگر توقیت مان بھی لیا جائے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وقت دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جس میں شی واقع ہو۔ جیسے **کتبتہ لغرۃ کذا** میں نے شروع چاند میں لکھا دوسرے وہ جس سے متصل کوئی شی واقع ہو۔ کچھ آگے ہو یا پیچھے۔ جیسے **خرجت للیلۃ خلت یا خرجت للیلۃ بقیت** یعنی میں گزری ہوئی رات یا آئندہ رات کے متصل گیا۔ جیسے ان دو عبارتوں میں خلت اور بقیت نے بتایا کہ جانا اس رات میں نہ ہوا بلکہ رات کے متصل۔ ایسے ہی یہاں طلاق نے بتایا کہ عدت طہر نہیں بلکہ طہر سے متصل یعنی حیض ہے۔ کیونکہ طلاق عدت میں ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ عدت سے پہلے ہوتی ہے۔ (روح المعانی) یہ نہایت نفیس جواب ہے اس پر غور لازم ہے۔ احناف کے دلائل تو نہایت واضح اور ظاہر ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے مگر دلائل میں اشارات سے کام لیا گیا اور یقیناً اشارات سے ظاہر دلائل قوی ہوتے ہیں۔ پانچواں اعتراض: **مثل الذی علیھن** سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت کے حقوق برابر ہیں حالانکہ مرد کے حقوق بہت زیادہ ہیں عورت خادمہ ہے مرد مخدوم۔ جواب: مثل کے معنی برابری نہیں بلکہ مشابہت ہیں یعنی تمہارے حقوق کی طرح ان بیویوں کے بھی تم پر حقوق ویسے ہی اسی طرح کے ہیں جیسے تمہارے ان پر کہ بعض حقوق کی باز پرس تم سے قیامت میں ہوگی اور بعض کی پکڑ قاضی کے ہاں بھی ہو سکتی ہے غرضیکہ مثلیت اور چیز ہے برابری کچھ اور چھٹا اعتراض: مرد کو عورت پر افضل کیوں قرار دیا گیا دونوں کو برابر کیوں نہ رکھا گیا جب عورت نسل اور زندگی کے کاموں میں مرد کی برابر کی شریک ہے تو اس کا درجہ بھی اس کے برابر چاہئے تھا۔ جواب: اس لئے کہ حاکم اعلیٰ ایک ہی ہونا چاہئے۔ آسمان پر سورج ایک درخت کی جڑ ایک انسان کا دل ایک ملک کا بادشاہ ایک تو چاہئے کہ گھر کا حاکم اعلیٰ بھی ایک۔ اس لئے ایک خاوند چار بیویاں کر سکتا ہے مگر عورت چار خاوند نہیں کر سکتی۔ ایک بادشاہ کے چار وزیر ہو سکتے ہیں مگر ایک وزیر کے چار بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ہاتھ میں انگلیاں چار ہیں مگر انگوٹھا ایک۔

تفسیر صوفیانہ: عورت پر شوہر کا حق صحبت ادا کرنے کے لئے عدت لازم کی گئی کہ اگر شوہر نے قطعی ہی طلاق دی ہو مگر چونکہ بیوی نے اتنا زمانہ اس کے ساتھ گزارا اب رشتہ ٹوٹ جانے پر دوسری جگہ رشتہ قائم کرنے کی جلدی نہ کرے بلکہ کچھ دن صبر کرکے اظہار غم کرے اس میں ادھر اشارہ ہے کہ بندہ عہد عبودیت پورا کرنے میں پوری کوشش کرے۔ اگر کبھی رب

تعالیٰ کی نعمتیں رک جائیں تو فوراً کسی اور دروازہ پر نہ پہنچے بلکہ صبر سے کام لے اور رو کر آنکھوں سے آنسو بہا کر رب کو راضی کرے ندامت کے ہاتھ سے توبہ کا دروازہ بجائے اور رب تعالیٰ سے رجوع کی درخواست کرے۔ دیکھو رب خالق و قادر ہے اور بندہ مخلوق و مجبور مگر رب تعالیٰ اس کے گناہ پر فوراً پکڑ نہیں فرماتا۔ بلکہ بہت مہلت دیتا ہے۔ جب وہ خالق و مالک ہو کر جلدی نہیں فرماتا تو ہم اس کے بندے ہو کر جلدی کیوں کریں یقیناً رشتہ نکاح سے تعلق عبدیت کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ مولیٰ پکار رہا ہے کہ اے دروازے بجانے والو اپنی حرص کو چھوڑ دو اور ہم سے نجات مانگو جو صبح و شام ہمارے دروازے پر آتا ہے ہم اسے نہیں نکالتے۔ (روح البیان) اسی طرح شیخ کامل اور دینی استاذ کے حقوق کا بھی لحاظ رکھے کہ ان کی بے توجہی پر فوراً ان سے بددل نہ ہو جائے۔ اور کسی اور پیر کا طالب نہ ہو۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ

طلاق دو دفعہ ہے پھر روکنا ہے ساتھ بھلائی کے یا چھوڑنا ہے ساتھ احسان کے۔ اور نہیں حلال ہے

یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہیں روا نہیں کہ جو

لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا

واسطے تمہارے یہ کہ لو تم اس میں سے جو دیا تم نے ان کو کچھ بھی مگر یہ کہ ڈریں وہ دونوں یہ کہ نہ قائم رکھیں

کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا

حدود اللہ کی۔ خوف کرو تم یہ کہ نہ قائم رکھیں حدوں کو اللہ کی پس نہیں ہے گناہ ان دونوں پر بیچ

گے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ

فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ

اس کے کہ فدیہ دے عورت اس کا یہ حدیں ہیں اللہ کی پس نہ آگے بڑھو ان سے۔ اور جو آگے بڑھے

دے کر عورت چھٹی لے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو اللہ کی حدوں سے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

حدوں سے اللہ کی پس یہ لوگ وہ ہی ظالم ہیں ۞

آگے بڑھے تو وہی ظالم لوگ ہیں ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: طلاق کی چند قسمیں ہیں جن میں سے ایلاء اور طلاق رجعی کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ اب طلاق رجعی کی حد اور خلع کا بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں طلاق رجعی کے کچھ احکام بیان ہوئے اب اس کے کچھ بقیہ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ طلاق

رجعی میں شوہروں کو رجوع کرنے کا حق ہے اب طلاق رجعی کی حد بیان ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق والی عورتوں کے احکام بیان ہوئے اب طلاق دینے کا طریقہ اور مرد کو کچھ ہدایتیں فرمائی جارہی ہیں خلاصہ یہ کہ طلاق کا تعلق عورت سے بھی ہوتا ہے مرد سے بھی۔ عورت کے متعلق احکام پہلے بیان ہو چکے مرد کو ہدایتیں اب دی جارہی ہیں۔

شان نزول : زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی بیوی کو پریشان کرنے کے لئے طلاق دے دیتے اور جب عدت قریب ختم ہوتی تو رجوع کرلیتے اس رجعت کی کوئی انتہاء نہ تھی خواہ وہ عمر بھر بھی صدہا طلاقیں دیتے رہیں اور رجوع کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے شوہر نے کہا ہے کہ میں تجھ کو طلاق دیتا اور رجوع کرتا رہوں گا کہ ہر بار جب عدت گزرنے کے قریب ہو گی رجوع کرلوں گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ یہ سن کر خاموش ہو رہیں پھر حضور علیہ السلام سے اسکے متعلق عرض کیا۔ تب اس آیت کا پہلا جملہ باحسان تک نازل ہوا۔ (درمنثور وکبیر وخزائن)۔ (2) جمیلہ بنت عبد اللہ ابن ابی حضرت ثابت ابن قیس کے نکاح میں تھیں اور اپنے شوہر سے سخت نفرت کرتی تھیں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی شکایت لائیں اور کسی طرح بھی ان کے پاس جانے پر راضی نہ ہوئیں۔ تب حضرت ثابت کو بلاکر یہ سب واقعہ کہا گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میں نے ان کو ایک باغ دیا ہے اگر یہ میرے پاس نہیں رہنا چاہتیں اور مجھ سے علیحدگی ہی چاہتی ہیں تو وہ باغ مجھ کو واپس کردیں میں انہیں آزاد کردوں جمیلہ نے کہا کہ مجھے منظور ہے بلکہ کچھ اور زیادہ بھی دوں گی۔ تب اس آیت کا پچھلا جملہ ولا یحل سے آخر تک اترا۔ آپ نے فرمایا کہ زیادتی کی ضرورت نہیں۔ صرف ان کا باغ ہی واپس کردو۔ چنانچہ انہوں نے باغ واپس کیا اور حضرت ثابت نے طلاق دے دی۔ اس طلاق کو خلع کہتے ہیں۔ (خزائن وروح البیان ودرمنثور وغیرہ) اسلام میں یہ پہلا خلع ہوا ابوداؤد شریف کتاب الطلاق باب الخلع میں ان بی بی صاحبہ کا نام حبیبہ بنت سہل بتایا اور فرمایا کہ ان کے شوہر ثابت ابن قیس نے ایسا مارا کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر طلاق کی طالبہ ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

تفسیر : الطلاق مرتن الطلاق میں الف لام عہدی ہے اور اس سے یا تو اس طلاق رجعی کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر پچھلی آیت میں اشارۃً ہو چکا احق بردھن میں۔ اس صورت میں مرتن سے دو بار مراد ہیں اور اس سے طلاق رجعی کی حد بتانا مقصود اور اس کا تعلق پچھلی آیت سے ہے یعنی وہ طلاق رجعی جس میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ وہ دو ہیں کہ تیسری کے بعد طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے اور شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا۔ یہ ہی معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ یہ آیت طلاق رجعی کے احکام کے بعد ہے چاہیے کہ رجعی کی حد بتائے۔ اس ہی پر اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ اس صورت میں طلاق عورت کی صفت ہے۔ طلاق مصدر معروف مرد کا کام ہے اور مصدر مجہول عورت کی صفت یعنی طلاق دینا مرد کا کام ہے اور طلاق پانا عورت کا حال مگر طلاق بمعنی حاصل مصدر یہ عورتوں ہی کی صفت ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس الف لام سے طلاق شرعی کی طرف اشارہ ہو۔ اور طلاق سے طلاق دینا مراد جو مرد کا کام ہے کیونکہ آگے امساک اور تسریح کا ذکر ہے اور وہ دونوں بھی مصدر ہی ہیں۔ اس صورت میں مرتن سے مراد بار بار ہو گا جیسے **فارجع البصر کرتین** اور طلاق بمعنی تطلیق ہو گا جیسے اسلام بمعنی تسلیم۔ یعنی طلاق شرعی علیحدہ علیحدہ دینا ہے نہ کہ ایک دم دو تین یہ بھی خبر بمعنی امر ہے **فامساک بمعروف** امساک مسک

سے بنا بمعنی روکنا۔ طلاق کا مقابل۔ اسی لئے بخیل کو مسک کہتے ہیں کہ وہ مال روکتا ہے یا بمعنی حفاظت کرنا۔ اسی لئے عقل و قوت کو مسکہ اور عقد و بلور کو ذو مسکہ یا میک کہا جاتا ہے کہ عقل برائیوں سے اور قوت ذلت سے روکتی ہے معروف سے اچھے تعلقات اور نیک سلوک مراد ہے۔ یعنی دو طلاقوں کے بعد تک یا تو بغرض اصلاح نہ کہ بہ نیت نقصان ان کو روکنا جائز ہے اور **تسریح باحسان** تسریح سرح سے بنا بمعنی آزاد چھوڑنا اور علیحدہ کرنا اسی لئے بالوں میں کنگھی کرنے کو تسریح الشعر (بال سلجھانا) اور جانور کو چرنے کے لئے چھوڑنے کو تسریح کہا جاتا ہے۔ (**حین تسرحون**) احسان سے عورت کا مہر اور حقوق عدت ادا کرنا اور اس کی غیبت نہ کرنا مراد ہے یعنی دو طلاق تک مردوں کو دو حق حاصل ہیں۔ بقصد اصلاح انہیں روک لینا اور طلاق سے رجوع کر لینا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ خیال رہے کہ یہاں چھوڑنے سے یا تو تیسری طلاق دینا مراد ہے۔ اس صورت میں '**فان طلقها**' اس کا بیان ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ یا چھوڑنے سے رجوع نہ کرنا مراد یہاں تک کہ عدت گزر جائے (کبیر) اب تک طلاق بلا عوض کا ذکر ہوا۔ اب طلاق بعوض مال کا ذکر ہے فرمایا گیا **ولا یحل لکم** اس میں یا تو شوہروں سے خطاب ہے کیونکہ آگے مال لینے کا ذکر ہے اور شوہر ہی مال لیتا ہے اور یا حکام سے خطاب ہے کہ آگے **فان خفتم** میں حکام ہی سے خطاب ہے **ان تاخذوا مما اتیتموهن شیئا** اگر یہ حکام سے خطاب ہے تو لینے سے مراد قبضہ کرنا ہوگا اور اگر شوہروں سے خطاب ہے تو بطور ملکیت لینا مراد۔ اتیتم میں یا تو مہر مراد ہے یا ہر دی ہوئی چیز یعنی اے حاکمو تمہیں یہ جائز نہیں کہ جو تم نے مہر وغیرہ شوہروں سے بیویوں کو دلوائے ہیں وہ طلاق کے وقت ان سے واپس لے کر شوہروں کو واپس دو یا اے شوہرو تمہیں یہ حلال نہیں کہ تم نے جو کچھ مہر وغیرہ عورتوں کو دیئے ہیں ان سے کچھ بھی واپس لو۔ **الا ان یخافا الا یقیما حدود الله** یہاں شوہر اور بیوی ہی مراد ہیں اگر خطاب شوہروں سے ہو رہا ہے تب تو غائب صیغہ لانے میں التفات ہے اور اگر حاکموں سے خطاب ہے تو بالکل ظاہر یخافا میں بطریقہ منع ظلو دونوں داخل ہیں۔ حدود اللہ سے وہ شرعی حقوق مراد ہیں جو شوہروں کے بیوی پر اور بیوی کے شوہر پر ہیں اور حدود قائم کرنے سے حقوق کا ادا کرنا مراد یعنی اس صورت میں مہر وغیرہ کی واپسی جائز ہے جب کہ میاں بیوی دونوں کو یا صرف بیوی کو یا شوہر کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ دونوں یا ان میں سے کوئی شرعی حقوق ادا نہ کریں گے غرضیکہ خاوند بیوی کے جھگڑے میں حتی الامکان ان میں صلح کرانے کی کوشش کرو یہ بہت ہی ثواب ہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها** دو طرف کے بیچ بیچ میں پڑ کر صلح کرا دیں لیکن صلح کی کوئی صورت ہی نہ ہو تو اس صورت میں **فلا جناح علیهما افتدت به** لا جناح کہنے سے مطلقاً گناہ کی نفی فرمائی گئی۔ علیہما فرما کر بتایا کہ نہ عورت مال دینے میں گنہگار اور نہ مرد لینے میں۔ افتدت۔ فدیہ سے بنا بمعنی جانی معاوضہ یعنی جو کچھ مال بطور فدیہ عورت شوہر کو دے کر اپنی جان چھڑا لے۔ تو اس میں زوجین میں سے کسی پر کچھ گناہ نہیں **تلک حدود الله** تلک سے طلاق رجعت، خلع وغیرہ سارے ہی مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔ حدود جمع حد کی ہے۔ بمعنی روکنے والی چیز کنارہ کو اسی لئے حد کہتے ہیں کہ وہ آگے بڑھنے سے روکتا ہے تلوار کی دھار اور شرعی سزاؤں کو بھی اسی لئے حد کہا جاتا ہے کہ وہ سرکشی سے روکتی ہیں یعنی وہ قوانین اللہ کی مقرر کی ہوئیں حدیں ہیں۔ **فلا تعتدوها** اس میں یا تو میاں بیویوں سے ہی خطاب ہے یا سارے مسلمانوں سے یعنی اے مسلمانو تم ان حدوں سے آگے نہ بڑھو **من یتعد حدود الله** اور جو کوئی بھی اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے گا

خواہ شوہر ہو یا بیوی یا حاکم یا عامۃ المسلمین **فاولئک ھم الظلمون** ھم سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی حد سے بڑھنے والے ہی ظالم ہیں نہ کہ حدود کے اندر رہنے والے۔

خلاصہ تفسیر : طلاق رجعی جس میں مرد کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ دو طلاقیں ہیں پھر یا تو مرد بھلائی کے ساتھ عورت کو روک لے کہ رجوع کرلے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دے یا تیسری طلاق دیکر یا رجوع نہ کرکے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ شرعی طلاق الگ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے نہ کہ ایک ساتھ اس کے بعد مرد کو دو حق ہیں بھلائی سے روکنا اور احسان سے چھوڑنا کہ تنگ کرنے کے واسطے نہ روکے اور چھوڑتے وقت عورت کے سارے حقوق ادا کردے۔ پھر اس کے عیوب بیان نہ کرے نہ عورت مرد کے عیوب کا اعلان کرتی پھرے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے عیوب چھپائیں۔ رب نے عورت و مرد کے متعلق فرمایا **ھن لباس لکم وانتم لباس لھن** بیویاں تمہارا لباس یعنی عیب پوش ہیں اور تم ان کے لباس عیب پوش ہو یہ صفت بہر حال رہنی چاہئے اگرچہ اب نکاح ختم ہو گیا مگر اتنے روز ساتھ رہنے کا حق یہ ہی ہے کہ دونوں میں سے کوئی کسی کی پردہ دری نہ کرے۔ اور اے شوہرو! تمہیں یہ جائز نہیں کہ تم عورتوں سے مہر وغیرہ دی ہوئی چیز واپس کرلو۔ ہاں جب یہ خوف ہو کہ میاں بیوی آپس کے شرعی حقوق ادا نہ کر سکیں گے۔ اس صورت میں خلع کرنے پر کوئی گناہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کو بطور فدیہ کچھ مال دے کر طلاق حاصل کرلے۔ اس طرح کہ عورت تو مرد کو مال دے اور مرد عورت کو طلاق دے۔ یہ بھی آپس کے تصفیہ سے ہوگا یہ مطلب نہیں کہ خلع میں عورت نے مال دے دیا خاوند راضی ہو یا نہ ہو طلاق ہو گئی یا عورت نے خود اپنے پر طلاق واقع کرلی جیسے آج بعض نادانوں نے سمجھا ہے کہ روپیہ عدالت میں داخل کردیا اور طلاق ہو گئی۔ معاذ اللہ۔ نہ یہ مال دینا گناہ اور نہ شوہر کو لینا گناہ۔ یہ اللہ کی قائم فرمائی ہوئی حدیں ہیں۔ ان کے اندر رہو آگے نہ بڑھو۔ جو لوگ اللہ کی حدوں کو توڑ کر آگے نکل جاتے ہیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اپنی مطلقہ بیوی کی غیبت نہ کرے اور نہ اس کے ظاہری یا پوشیدہ عیب ظاہر کرے۔ بعض لوگ طلاق نامے میں طلاق دینے کی وجہیں بیان کرتے ہیں کہ یہ عورت سخت زبان دراز نافرمان ہے یا بد چلن ہے یا مجھے اس عورت سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ یہ خالہ ہے شاید مجھے زہر دیکر مار دے یا کسی اور سے مروا دے وغیرہ وغیرہ سخت ناجائز ہے وجہ لکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں صرف طلاق کے الفاظ لکھو سوچو کہ تم نے تو اس کے عیوب گنوا دیئے اس نے تمہارے عیوب کس کاغذ پر لکھے۔

حکایت : ایک بزرگ کے گھر میں اکثر جنگ رہتی تھی۔ لوگوں نے اس لڑائی کی وجہ پوچھی۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے خانگی معاملات سے تمہیں کیا تعلق۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے طلاق دے دی۔ لوگوں نے پوچھا اب تو بتاؤ۔ تم میں لڑائی کیوں ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ غیر عورت کی عیب جوئی کا مجھے کیا حق ہے۔ دوسرا فائدہ: لڑنے میں بھی شرعی حدود کا لحاظ چاہئے۔ دیکھو یہاں چھوڑنے پر بھی احسان کی پابندی لگا دی۔ تیسرا فائدہ: سخت ضروری ہے کہ طلاقیں علیحدہ علیحدہ دے ایک دم دو یا تین طلاقیں دے دینا حرام ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا۔ **الطلاق مرتن** جس سے معلوم ہوا کہ طلاق رجعی الگ الگ ہوں۔ تیسری کے بارے میں آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ **فان طلقھا** (روح البیان و کبیر) چوتھا فائدہ: اگرچہ چند طلاقیں

ایک دم دینا حرام ہے۔ لیکن اگر کسی نے ایک دم دے دیں تو تمام واقع ہو جائیں گی۔ جس پر قرآنی آیت اور حدیث صحیحہ اور اقوال علماء گواہ ہیں۔ رب فرماتا ہے **ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا** اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی طلاق دینے والا طلاق دیکر شرمندہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ اگر ایک دم تین دینے سے ایک ہی واقع ہوئی تو ندامت کے کیا معنی (نووی کتاب الطلاق)۔ اس جگہ بھی یہ ہی ارشاد ہوا کہ اللہ کی حدیں توڑنے والا یعنی طلاقیں ایک دم دینے والا ظالم ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ اس کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ اگر ایک طلاق واقع ہوتی تو یہ ظالم کیونکر ہوتا۔ (2) طبرانی و بیہقی نے روایت کی کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں بعد میں خبر ملی کہ وہ بہت روتی ہیں تو فرمایا کہ اگر میرے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت بغیر حلالہ کئے اسے جائز نہیں تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (3) ابن ماجہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو ان کو شوہر نے تین طلاقیں دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو جائز رکھا۔ (4) مالک و شافعی، ابوداؤد اور بیہقی نے معاویہ ابن ابی عیاش سے روایت کی کہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس کی خدمت میں ایک سوال ہوا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کر دیں گی کہ بغیر حلالہ نکاح ثانی درست نہ ہو گا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تائید فرمائی۔ (5) بیہقی نے بسام صیرفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (6) اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمسی سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی تین طلاقیں ایک دم دے اسے ایک ہی ہو گی۔ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا جو تین دے گا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ (7) مسلم کتاب الطلاق میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ (8) اس کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام نے اس پر اجماع کیا اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط اجماع نہیں کر سکتے۔ (9) نیز جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ تین دے اور ایک پڑے مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے۔ (10) فعل کے حرام ہونے سے قانون نہیں بدلتا۔ تین طلاقیں ایک دم دینا بے شک سخت منع ہے مگر جب وہ دے دے طلاق واقع کیوں نہ ہوں چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو جانور یقیناً حلال ہو جائے گا۔ اس کی پوری بحث تفسیر روح المعانی میں اسی جگہ اور نووی شرح مسلم کتاب الطلاق میں دیکھو۔ (11) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام، امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے کہ ایک دم تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ لہذا موجودہ وہابیوں کا اس کی مخالفت کرنا گمراہی ہے۔ پانچواں فائدہ: یوں تو ہبہ یعنی کسی کو کچھ دے کر لوٹا لینا ہمیشہ ہی منع ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی کسی کو کچھ دیکر واپس لے۔ وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لے (بخاری و مشکوۃ) مگر شوہر بیوی میں سے جو کوئی دوسرے کو کچھ دے دے وہ ہرگز واپس نہیں کر سکتا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شوہر بیوی کو دیکر کچھ نہ لے سوائے خلع کے۔

مسئلہ : چند چیزیں ہبہ کی واپسی ناجائز کر دیتی ہیں۔ (1) زیادتی۔ (2) موت۔ (3) عوض۔ (4) ملک سے نکل جانا۔ (5)

زوجیت۔ (6) قرابت داری جس کو مع خزنہ میں جمع کردیا گیا اس مسئلہ کا ماخذ کہ زوجین آپس کا ہبہ واپس نہیں کرسکتے یہ ہی آیت ہے کہ یہاں فرمایا گیا ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتم مسئلہ: کسی کو کچھ دینے کی چند صورتیں ہیں۔ مال کے عوض مال دینا یہ تجارت ہے کام کے عوض مال دینا یہ اجارہ ہے۔ بلا معاوضہ کچھ دینا محض رضاء الٰہی کے لئے یہ صدقہ ہے بلا عوض دینا اسے راضی کرنے کو ہبہ ہے پہلے تین قسم میں واپس لینا جائز نہیں یعنی تجارت 'اجارہ' صدقہ واپس نہیں لے سکتا مگر چوتھی صورت یعنی ہبہ کی واپسی جائز ہے لالان منع مانع۔ پھر ہبہ کی تین قسمیں ہیں۔ نذرانہ 'عطیہ' ہدیہ چھوٹے کا بڑے کو کچھ دینا نذرانہ ہے جیسے مرید کا پیر کو شاگرد کا استاد کو اولاد کا ماں باپ کو کچھ دینا اور بڑے کا چھوٹے کو دینا عطیہ جیسے پیر کا مرید کو استاد کا شاگرد کو ماں باپ کا اولاد کو کچھ دینا' برابر والے کا اپنے برابر والے کو کچھ دینا ہدیہ ہے جیسے بھائی کا بھائی کو کچھ دینا (عینی شرح کنز)۔ چھٹا فائدہ: دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز (شامی) دیکھو مظلومہ عورت شوہر کے ظلم سے بچنے کے لئے خلع کر سکتی ہے جو کہ گویا رشوت لینا حرام ہے۔ مسئلہ: اگر مرد ظالم ہو تو اسے خلع کا پیسہ لینا سخت منع ہے۔ ہاں اگر عورت ظالم ہو تو لے سکتا ہے کیونکہ اس نے عورت پر بہت مال خرچ کیا ہے اور اب وہ اپنے قصور سے نکل رہی ہے۔ (روح البیان و قرآن کریم) ساتواں فائدہ: چاہئے یہ کہ مہر سے زیادہ پر خلع نہ کیا جائے کہ ہم جمیلہ کا واقعہ نقل کرچکے کہ انہوں نے اپنے شوہر کو باغ کے علاوہ اور مال بھی دینا چاہا مگر حضور علیہ السلام نے صرف باغ ہی دلوایا۔ اس آیت میں بھی مما اتیتموھن فرما کر اسی طرف اشارہ کیا گیا۔ مسئلہ: اگر شوہر خلع میں عورت سے دیئے ہوئے مال سے زیادہ بھی لے لے تو بھی لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں فدیہ عام رکھا گیا کسی قسم کی قید نہ لگائی گئی مگر بہتر نہیں۔ آٹھواں فائدہ خلع بھی طلاق ہے نہ کہ فسخ نکاح کیونکہ یہاں رب نے دو رجعی طلاقوں کے ساتھ خلع کا ذکر فرمایا۔ پھر آگے ارشاد فرمایا فان طلقھا جس میں ف سے معلوم ہوا کہ وہ تیسری طلاق 'طلاق رجعی یا خلع کے بعد ہی ہے۔ اگر خلع فسخ نکاح ہوتا تو اس کے بعد طلاق واقع نہ ہو سکتی۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں اور بصورت خوف خلع بھی جائز ہے پھر اگر ان دو طلاقوں پر' خلع کے بعد شوہر تیسری طلاق بھی دے دے تو بغیر حلالہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ خیال رہے کہ فسخ نکاح کا اصل سے اٹھ جاتا ہے۔ جس کے بعد طلاق نہیں ہو سکتی اور طلاق نکاح کا ٹوٹ جانا ہے جس کے بعد عدت کے اندر اور طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے۔ مسئلہ: خلع طلاق بائنہ ہے۔ مسئلہ: خلع یہ ہے کہ عورت کچھ مال دے کر اپنے حقوق زوجیت کے عوض شوہر سے طلاق حاصل کرے مگر اس میں خلع کا لفظ بولنا ضروری ہے۔ مثلاً عورت کہے کہ تو مجھ سے ہزار روپے کے عوض خلع کرلے اگر مال کا ذکر تو ہوا خلع کا ذکر نہ آیا تو وہ طلاق بالمال کہلائے گی نہ کہ خلع (احمدی) مسئلہ: جو چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ خلع کا عوض بھی بن سکتی ہے مہر کم از کم دس درم یعنی تقریباً اڑھائی روپیہ ہو سکتا ہے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ (احمدی)۔

پہلا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ مرد پر طلاق دینے میں کوئی پابندی نہیں اور عورت پر طلاق لینے میں مال کی پابندی ہے انصاف تو یہ تھا کہ دونوں کا یکساں حال ہوتا۔ (آریہ) جواب: اس لئے کہ نکاح کے وقت مرد سے عورت کو مہر دلوایا گیا نہ کہ عورت سے مرد کو۔ پھر عورت کا سارا خرچہ مرد کے ذمہ ہوا نہ کہ عورت کے ذمہ مرد کا۔ اب جب کہ عورت بلاوجہ مرد سے بے وفائی کرکے نکاح سے نکلنا چاہتی ہے تو اس کا خرچہ واپس دے۔ عورت کا نکاح پر خرچ ہی کیا ہوا تھا کہ مرد سے دلوایا جائے مسئلہ

خلع میں انصاف ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ دی جائیں لہٰذا جو کوئی چند طلاقیں ایک دم دے دے تو چاہئے کہ ایک ہی طلاق واقع ہو۔ (2) مسلم کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو تین طلاقیں قرار دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان طلاقوں کو تین ماننا صحابہ کرام کا قیاس ہے جو کہ حدیث مرفوع کے مقابل معتبر نہیں نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا نیز عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض میں تین طلاقیں دی تھیں جو حکم نبوی سے واپس لی گئیں تو اگر تین طلاقیں واقع ہو جائیں تو رجوع کیسا نیز جو کوئی لعان میں چاروں قسمیں ایک بار کھالے تو وہ ایک ہی قسم مانی جاتی ہے یا جمرہ پر ساتوں کنکر ایک دم مار دے تو وہ ایک ہی رمی مانی جائے گی اور چھ کنکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ نیز جو کوئی درود شریف اس طرح پڑھ دے **اللھم صل علی سیدنا محمد الف مرۃ** تو اس کا درود ایک ہی ہو گا نہ کہ ہزار تو چاہئے کہ اگر تینوں طلاقیں ایک دم ہی دے دی جائیں تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہوں گی۔ (غیر مقلد) انشاء اللہ اس تفصیل سے غیر مقلد بھی اعتراض نہیں کر سکتے۔ جیسے ہم نے ان کی وکالت میں بیان کر دیا۔ **جواب:** (۱) اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاقیں ایک ہوں گی اولاً "الطلاق مرتن" کے معنی ہی میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ طلاقیں رجعی دو تک ہیں پھر پہلے معنی کی بنا پر بھی حکم یہ ہو گا کہ طلاق الگ الگ دی جائے۔ یہ مطلب کہاں سے نکلے گا کہ ایک دم چند طلاقیں دی ہوئی ایک ہی ہوں گی مسلم کی روایت صحیح ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جو لوگ طلاق اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ ان پچھلی دو طلاقوں سے پہلی ہی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ الگ طلاق کی نیت نہ کرتے تھے لہٰذا طلاق ایک ہی واقع ہوتی تھی۔ اب بھی اگر کوئی ایسے ہی اس نیت سے طلاق دے تو بھی ایک واقع ہو گی۔ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ اور مسئلہ کی صورت بدل گئی۔ لہٰذا آپ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں یہ حکم دیا کہ اب طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی ورنہ صحابہ کرام کا خلاف حدیث پر اجماع کیسا۔ دیکھو نووی و روح المعانی وغیرہ نیز ابوداؤد میں انہیں عبداللہ ابن عباس کی روایت اس طرح ہے کہ جو کوئی خلوت سے پہلے اپنی بی بی کو طلاقیں تین دے تو ایک ہی طلاق واقع ہو گی اور اب بھی یہ ہی حکم ہے کہ جو کوئی خلوت سے پہلے یوں کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے تو طلاق ایک ہی واقع ہو گی۔ کیونکہ اس عورت کی عدت نہیں۔ پہلی طلاق بولتے ہی وہ نکاح سے بالکل ہی خارج ہو گئی۔ اب طلاق کس پر پڑے۔ طلاق کے لئے قیام نکاح چاہئے۔ مسلم کی حدیث کا بھی یہ ہی مطلب ہو سکتا ہے نیز ہم اس آیت کے فوائد میں بتا چکے کہ عبداللہ ابن عباس کا اپنا مذہب یہ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ اور جب راوی کا مذہب اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہو گا کہ وہ روایت اس کے نزدیک منسوخ ہے نیز رکانہ اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کی صحیح روایت یہ ہی ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو ایک ہی طلاق دی تھی۔ تین کی روایتیں بالکل ضعیف ہیں۔ دیکھو نووی شرح مسلم کتاب الطلاق۔ نیز طلاق کو لعان کی گواہیوں اور رمی کے پتھروں اور درود شریف پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ وہاں فعل مقصود ہے نہ کہ فعل کا اثر لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب زنا میں گواہ چار چاہئیں تو اس کا قائم مقام یعنی قسمیں بھی چار ہی ہوں۔ ایسے ہی جمروں کے پتھر میں سنت کی پیروی ہے اور چونکہ حضور علیہ السلام نے ایک ایک کر کے سات بار مارے ہیں تو چاہئے کہ ہم بھی

ایسا ہی مارین۔ درود شریف میں بھی ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ ہزار بار درود شریف پڑھنے میں زیادہ محنت ہے اور ایک دفعہ الف مرۃ کہہ دینے میں اتنی محنت نہیں لہٰذا اس کا اثر بھی مختلف اور طلاق میں فعل مقصود نہیں نہ اس پر کوئی ثواب ہے پھر اسے ان مسئلوں پر قیاس کیوں کرتے ہو۔ نیز طلاق میں احتیاط یہ ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں۔ حلال سے بچنے میں اندیشہ نہیں مگر حرام کرنے میں سخت اندیشہ ہے اگر تین طلاقیں ایک ہی ہوں اور ہم عورت کو علیحدہ کر دیں۔ تو اسمیں کیا حرج ہوا۔ لیکن اگر طلاق تین ہو چکی ہوں۔ اور ہم اسے رکھ لیں تو ہم حرام کار ہیں لہٰذا اس سے علیحدگی ہی بہتر۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنا دیا ہوا مال بیوی سے واپس نہیں لے سکتا کہ فرمایا یحل لکم ان لا تاخذوا مما اتیتموھن شیئا تو چاہیئے کہ اور کوئی مال عورت کے پاس ہو تو لے سکتا ہے یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ جواب: آیت کا مقصد یہ ہے کہ جو تم بیویوں کو دے چکے ہو وہ بھی واپس نہ لو چہ جائیکہ انکا دوسرا مال جو پہلے ہی سے ان کا ہے کہ اس کے لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خیال رہے کہ عورت کی ملکیت چار قسم کے مال ہوتے ہیں ایک تو اس کا مال جو اسے میراث یا اپنی جائز کمائی سے ملا۔ دوسرا اس کے میکے کا مال جہیز وغیرہ۔ تیسرا اس کے ساس سسر کا دیا ہوا مال، جو بوقت نکاح زیور وغیرہ دیا جاتا ہے۔ جسے چڑھاوا کہتے ہیں۔ چوتھے خود خاوند کا دیا ہوا مال مہر وغیرہ خاوند ان میں سے کوئی مال اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد اپنا دیا ہوا مال عورت سے بھی اور کسی طرح نہ لے تو چاہیئے کہ اس کے مرے بعد میراث بھی نہ لے اور اگر وہ اپنا مہر وغیرہ بخوشی دیں وہ بھی نہ لے کیونکہ لا یحل مطلق ہے۔ جواب: یہاں جبراً مال واپس لینا مراد ہے۔ میراث کی صورت میں خاوند نے خود مال واپس نہ لیا۔ بلکہ شریعت نے دلایا اور بخوشی دینے کے متعلق وہ آیت کریمہ ہے فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا" اگر بیویاں بخوشی تمہیں کچھ دے دیں وہ تم کھاؤ پیو رچتا پچتا سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ مال مبارک ہے اوس میں شفا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ والے ایک یا دو جرموں پر اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہیں چھوڑتے بلکہ چشم پوشی کرتے ہیں اور جب بار بار خطا دیکھتے ہیں اور ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو بھی نیکی اور بھلائی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرتے ہیں گویا ان کا ساتھ رہنا بھی معروف سے ہوتا ہے اور علیحدگی بھی احسان سے۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے دو بار موسیٰ علیہ السلام سے درگذر کی اور تیسری بار میں جب علیحدگی اختیار کی تو یہ فرمایا ھذا فراق بینی و بینک یہ ہماری تمہاری جدائی ہے اور حق صحبت ادا کرنے کے لئے ان کے سوالات کے جوابات دیکر واپس کیا۔ یہاں بھی حکم فرمایا جا رہا ہے کہ اے روح اپنی زوجہ یعنی نفس امارہ کو آہستگی سے چھوڑ کہ اولاً اس سے درگزر کر کہ عارضی علیحدگی اختیار کر۔ اور جب نفس اپنے جرم سے باز آجائے تو رجوع کرلے مگر جب نفس امارہ کی سرکشی اس قدر بڑھ جائے کہ اس کے ساتھ شرعی حقوق ادا نہ ہو سکیں تو پھر اس سے گزشتہ گناہوں کا فدیہ لے کر اور اس کے حقوق ادا کر کے اس سے علیحدگی اختیار کرلے یعنی اسے اپنے خانہ دل میں نہ رکھ کیونکہ ناموافق بیوی سے مکان کی آبادی نہیں بلکہ بربادی ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر پاک دامن بیوی اپنی طبیعت کے خلاف ہو تو اس کے ساتھ نباہ کرنا بڑا جہاد ہے کسی نے کیا خوب کہا۔

ہر کہ زن نفس شوم را داد طلاق ‏ ‏ جفتش نہ بود بزیر ایں نیلی طاق
از مزبلہ نفس قدم بیروں نہ ‏ ‏ تا روحت کند نسیم وصل استشاق

حکایت : ایک بزرگ کی بیوی بہت ظالمہ تھی مگر وہ اس کے ظلم پر صبر کرتے اور اس کی خدمت کرتے تھے جب وہ مرگئی تو لوگوں نے انہیں دوسرے نکاح کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا خدا کر کے میں اس مصیبت سے چھوٹا ہوں۔ اب مجھے معاف کرو۔ ایک ہفتہ بعد خواب میں دیکھا کہ آسمان سے کچھ لوگ اتر رہے ہیں اور ان کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ منحوس ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تم مجھے منحوس کیوں کہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک ہفتہ پہلے تمہارے اعمال مجاہدین کے ساتھ جاتے تھے۔ اس ہفتہ میں تم اس سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے اٹھتے ہی کہا کہ دوستو میرا جلد نکاح کراؤ چنانچہ اس کے بعد وہ ہمیشہ دو یا تین بیویاں رکھتے تھے۔ (روح البیان)۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ
پس اگر طلاق دے اس کو تو نہیں حلال ہے واسطے شوہر کے اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے عورت شوہر سے سوا اس
پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے پھر وہ دوسرا
طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ
کے پس اگر طلاق دے پس نہیں ہے گناہ اوپر ان دونوں کے یہ کہ رجوع کرلیں اگر گمان کریں یہ کہ قائم رکھیں حدیں
اگر طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے اور یہ
اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝
اللہ کی اور یہ حدیں ہیں اللہ کی فرماتا ہے واسطے اس قوم کے کہ جانتی ہے ۔
اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لئے ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں طلاق رجعی اور بائنہ کے احکام بیان ہوئے۔ رجعی کے احکام تو پہلے جملہ میں اور بائنہ کے احکام خلع کے ضمن میں دوسرے جملہ میں۔ اب طلاق کی تیسری قسم یعنی طلاق مغلظہ کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ دو طلاق تک شوہر کو روکنے اور چھوڑنے کا حق ہے۔ اب چھوڑنے کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں طلاق پر کچھ پابندیاں لگائی گئی تھیں کہ فرمایا گیا تھا کہ صرف دو طلاقوں تک شوہر کو رجوع کا حق ہے۔ اب اسی مسئلہ طلاق پر ایک اور بڑی پابندی لگائی جارہی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد عورت نکاح سے بالکل ہی علیحدہ ہو جائے گی زمانہ جاہلیت کی طرح مرد طلاق میں

آزاد نہ ہوں گے کہ جتنی چاہیں دیتے رہیں اور رجوع کرتے رہیں۔

شان نزول : عائشہ بنت عبدالرحمان رفاعہ ابن وہب کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے تین طلاقیں دیں انہوں نے عدت گزار کر عبدالرحمان ابن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا۔ وہ کچھ دن حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دوسرے شوہر کی شکایت کرنے لگیں کہ وہ نامرد ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں تب یہ آیت اتری۔ اور حضور علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ جب تک کہ دوسرا شوہر صحبت نہ کر لے تب تک تم پہلے شوہر کے پاس نہیں جا سکتیں۔ اور چونکہ بقول تمہارے یہ نامرد ہیں لہٰذا تم ابھی رفاعہ کے لئے حلال نہیں۔ (در منثور و روح المعانی)۔

تفسیر : **فان طلقها** اس کا تعلق رجعی اور خلع کی دو طلاقوں سے ہے اور ف تعقیبیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ تسریح باحسان کا بیان ہو یعنی پس اگر شوہر نے دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی خواہ وہ دو طلاقیں بعوض مال ہوں (خلع) یا بلا مال یعنی رجعی۔ ف' سے اشارہ اس جانب ہے کہ پچھلی دو طلاقوں کی طرح یہ تیسری بھی علیحدہ ہی ہونی چاہئے نہ کہ ایک دم **فلا تحل لہ من بعد** اس کا فاعل طلاق والی عورت ہے اور لہ کا مرجع اس کا شوہر بعد کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے یعنی پھر تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس شوہر کو کسی طرح حلال نہیں نہ تو رجوع سے اور نہ دوسرے نکاح سے **حتی تنکح زوجا غیرہ** حتی حرمت کی حد ہے۔ تنکح کا مادہ نکح ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں صحبت اور شرعی معنی ہیں عقد جب اس کا مفعول اجنبی ہو تو بمعنی نکاح ہوتا ہے۔ اور جب اس کا مفعول زوج یا زوجہ ہو تو بمعنی صحبت۔ نکح امراۃ کے معنی ہیں عورت سے نکاح کیا نکح زوجتہ کے معنی ہیں اپنی بیوی سے جماع کیا۔ یہاں چونکہ زوجا مذکور ہے۔ اس لئے صحبت کے معنی میں ہے۔ (کبیر) اگرچہ وہ دوسرا شخص ابھی شوہر نہ بنا مگر چونکہ آئندہ بننے والا تھا اس لئے اسے زوج کہہ دیا گیا اور اگرچہ صحبت کرنا شوہر کا کام ہے نہ کہ عورت کا اس کا کام تو صحبت کرانا ہے مگر چونکہ عورت اپنے پر شوہر کو قابو دیتی ہے اس لئے یہاں نکاح کو اس کی طرف نسبت کیا گیا اور ممکن ہے کہ تنکح بمعنی نکاح ہی ہو اور صحبت کی قید حدیث شریف سے لگائی جائے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ شان نزول کے مطابق ہیں یعنی طلاق والی عورت اس شوہر کو اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ دوسرے شوہر سے صحبت نہ کر لے۔ **فان طلقها** یہاں طلق کا فاعل دوسرا شوہر ہے۔ ان فرما کر ادھر اشارہ کیا کہ اس کی طلاق مشکوک چاہئے نہ کہ یقینی **فلا جناح علیهما ان یتراجعا** علیهما کا مرجع یہ عورت اور اس کا پہلا شوہر ہے۔ اور یتراجعا کا مادہ رجع ہے بمعنی لوٹنا۔ یہاں عورت کا مرد کی طرف اور مرد کا عورت کی طرف نئے نکاح سے لوٹنا مراد ہے۔ یعنی اگر شوہر ثانی بھی بعد صحبت اسے طلاق دے دے تو اب شوہر اول اور اس عورت کو دوبارہ گناہ نہیں مگر بشرطیکہ **ان ظنا ان یقیما حدود اللہ** ظن کے حقیقی معنی ہیں گمان کرنا اور کبھی بمعنی علم بھی آتا ہے یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہیں کیونکہ آئندہ کا کسی کو یقین نہیں۔ حدود اللہ سے زوجیت کے شرعی حقوق مراد ہیں۔ یعنی اگر وہ دونوں یہ گمان کریں کہ آئندہ شرعی حقوق ادا کر سکیں گے۔ خیال رہے کہ یہ جواز رجوع کی شرط نہیں بلکہ گناہ سے بچنے کی شرط ہے کہ اگر بدنیتی سے بھی رجوع کیا تو نکاح تو ہو ہی جائے گا مگر بدنیت گنہگار ہو گا **وتلک حدود اللہ** ظاہر یہ ہے کہ تلک سے ان سارے احکام کی طرف اشارہ ہے جو اب تک بیان ہوئے اور حدود سے یا تو شرعی احکام مراد ہیں یا حد بندی۔ یعنی یہ تمام احکام اللہ کے احکام ہیں ان کو بدلنے والا سخت مجرم ہے یا یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو انہیں توڑے

اس کی خیر نہیں ہر چیز کی خیر اسی میں ہے کہ ہر چیز اپنی حد میں رہے۔ دریا حد میں ہے تو خیر ہے حد سے باہر ہوا کہ طوفان آیا آگ چولہے کی حد میں رہے تو خیر ہے اس حد سے نکلی کہ گھر جلا اگر چور نے مکان کی حد پار کی تو چوری ہوئی دشمن کی فوج اپنے باڑہ میں گھسی کہ جنگ ہوئی یوں ہی اگر بندہ نے حلال و حرام کی حد توڑی کہ شامت آئی آج مسلمانوں پر اسی کا وبال ہے کہ وہ حدیں توڑ چکے ہیں تلک حدود اللہ بہت دھمکی کا لفظ ہے **یبینها لقوم یعلمون یبین۔** تبیین سے بنا۔ جس کے معنی ہیں خوب بیان کرنا یا آہستہ آہستہ بیان کرنا۔ واقعی طلاق کے احکام خوب وضاحت سے بیان ہوئے اور آہستگی سے آئے تاکہ لوگوں کو دشواری نہ ہو کیونکہ عرب عورتوں کے معاملہ میں بہت آزاد واقع ہوئے تھے وہ ایک دم پوری پابندی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے طلاق کے احکام بہت آہستگی سے آئے نیز جتنی تفصیل سے طلاق و نکاح کے احکام بیان ہوئے۔ اتنی تفصیل سے دوسرے احکام بیان نہیں ہوئے کہ نکاح و طلاق پر نسل انسانی کا بقا ہے۔ لقوم "کلام نفع کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ صلہ کا ہو اور یعلمون سے علماء یا سمجھدار لوگ یا مسلمان مراد ہیں کیونکہ احکام سمجھنا علماء کا ہی کام ہے لہٰذا عوام مسلمان صرف قرآنی آیات سے خود مسائل نہ معلوم کریں بلکہ علماء سے پوچھ کر عمل کریں مسئلہ قرآن و حدیث کا ہی ہو گا مگر اس پر عمل علماء کی ہدایت سے ہو گا۔ طب یونانی کی کتب دیکھ کر خود علاج نہ کرو بلکہ کسی طبیب حاذق کے مشورہ سے عمل کرو تو قرآن و حدیث تو طب ایمانی کی کتابیں ہیں یہ تو ضرور کسی کے مشورہ سے قابل عمل ہیں سمندر میں موتی نکالنے کے لئے خود چھلانگ نہ لگاؤ بلکہ سمندر کے موتی کسی جوہری کی دوکان سے خریدو۔ نیز مسلمانوں پر ہی یہ احکام جاری ہوں گے نہ کہ کفار پر۔ ان کو مذہبی آزادی دی جائے گی ان کے نکاح طلاق پر ہم جبراً شرعی قانون جاری نہ کریں گے۔ خیال رہے کہ قوم لفظاً "واحد اور معنیٰ" جمع ہے۔ اسی لئے یعلمون جمع فرمایا گیا یعنی رب تعالیٰ ان قوانین یا احکام کو صاف صاف مسلمانوں یا سمجھداریا اہل علم کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ اس پر عمل کریں۔

خلاصہ تفسیر : اگر خاوند اپنی بیوی کو دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق بھی دے دے خواہ دو طلاقیں بعوض مال ہوں یا بلا معاوضہ تو یہ عورت اسے کسی طرح حلال نہیں۔ جب تک کہ دوسرے شوہر سے صحبت نہ کرے پھر اگر دوسرا شوہر بھی صحبت کر کے اسے طلاق دے دے تو اب پہلی حالت کی طرف لوٹ جانے میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ انہیں یہ گمان غالب ہو کہ آئندہ زوجیت کے شرعی حقوق یہ دونوں ادا کریں گے اگر جھگڑے اور فساد کی نیت سے دوبارہ نکاح کیا تو سخت گنہگار ہوئے۔ یہ سارے کلام اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں کہ سمجھداروں کے لئے اسے خوب واضح طور پر بیان فرمادیا۔ جو ان سے آگے بڑھے گا وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** طلاقیں الگ الگ چاہئیں نہ کہ ایک دم جیسا کہ ف سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حلالہ دوسرے شوہر کی صحبت سے ہو گا نہ کہ مولیٰ کی صحبت سے۔ جیسا کہ زوجاً غیرہ سے معلوم ہوا۔ یعنی اگر لونڈی کو طلاق مغلظہ دی گئی اور اس کے بعد مولیٰ نے صحبت کرلی تو اس سے شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی۔ **تیسرا فائدہ:** اگر طلاق دینے والا شوہر طلاق مغلظہ کے بعد اپنی بیوی کو خرید لے تو اس سے بحق ملک بھی صحبت نہیں کر سکتا جیسا کہ لا تحل کے عموم سے معلوم ہوا۔ (روح المعانی) **چوتھا فائدہ:** بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی شرط نہیں کیونکہ یہاں نکاح کا فاعل عورت ہے۔ اگر بالغہ عورت کا نکاح ولی ہی کراتا تو یہاں یوں فرمایا جاتا کہ تین طلاق کے بعد پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں

حتی کہ اس کے اولیاء دوسرے خاوند سے نکاح کرادیں نسبت نکاح عورت کی طرف کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ عورت خود بھی نکاح کر سکتی ہے لہذا یہ آیت احناف کی دلیل ہے۔ پانچواں فائدہ: نکاح بشرط طلاق سخت مکروہ ہے بلکہ امام واحمد کے نزدیک فاسد ہے جیسا کہ **فان طلق** کے ان سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: حلالہ میں دوسرے شوہر کا وطی کرنا بھی شرط ہے۔ جیسا کہ تنکح کے بعد زوجا" فرمانے سے معلوم ہوا۔

مسئلہ : طلاقیں تین طرح کی ہیں۔(۱) رجعی۔(۲) بائنہ۔(3) مغلظہ ایک یا دو طلاقیں رجعی ہیں کہ عدت میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں مبہم طلاق (کنایہ) طلاق بائنہ ہے ایسے ہی بائنہ کہنے سے بھی طلاق بائنہ ہو جاتی ہے کہ اس میں رجوع جائز نہیں۔ دوبارہ نکاح لازم ہے حلالہ کی شرط نہیں۔ تین طلاقیں مغلظہ ہیں کہ اس میں حلالہ میں ضروری مسئلہ: حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گزار کر دوسرے بالغ یا قریب بلوغ مرد سے نکاح کرے۔ پھر وہ بھی صحبت کر کے طلاق دے پھر اس طلاق کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے پاس آئے۔ صحبت سے وہ صحبت مراد ہے جس سے غسل واجب ہو جائے۔ مسئلہ: #لونڈی کی دو طلاقیں ہی مغلظہ ہیں۔ مسئلہ: بشرط حلالہ نکاح کرنا سخت برا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حلالہ کرنے اور کرانے پر لعنت فرمائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حلالہ کرنے والا مانگے ہوئے بکرے کی طرح ہے مگر اس سے بھی حلالہ ہو جائے گا کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ لعن اللہ المحلل والمحلل لہ لعنت تو فرمائی مگر محلل کہہ کر اگر یہ حلالہ درست ہی نہ ہوتا تو اسے محلل کیوں فرمایا جاتا۔ مسئلہ: یہ لعنت اس صورت میں ہے جہاں طلاق کی شرط لگائی جائے یا زبان سے حلالہ کہہ کر نکاح کیا جائے اگر دوسرے نکاح میں حلالہ کی صرف نیت ہو زبان سے کچھ نہ کہا جائے۔ تو حرج نہیں۔ مسئلہ: متعہ یعنی کچھ مدت کے لئے عارضی نکاح باطل ہے کہ نہ اس سے حلالہ ہو اور نہ دوسرے شخص کو صحبت حلال ہو کیونکہ وہ متعہ والا خاوند شرعاً" زوج ہی نہ بنا اور یہاں زوج سے صحبت کی قید ہے۔ اسی طرح تمام فاسد و باطل نکاح سے حلالہ درست نہیں کہ ان نکاحوں سے خاوند شرعاً" صحیح زوج نہیں بنتا۔ اس طرح نابالغ بچے کی صحبت سے جو قریب بلوغ بھی نہ ہو حلالہ درست نہیں کہ اگرچہ وہ زوج تو صحیح ہو گیا مگر اس سے صحبت مکمل صحبت نہیں یہاں زوج بھی مکمل چاہئے اور صحبت بھی کامل کیونکہ مطلق فرد کامل پر محمول ہوتا ہے۔ ساتواں فائدہ: حلالہ کے بعد جب عورت پہلے شوہر کے پاس آئے گی تو مثل نکاح اول کے پھر شوہر کو تین طلاقوں کا حق ہو گا۔ جیسا کہ **یتراجعا** سے معلوم ہوا۔ نیز حدیث شریف میں ارشاد ہوا **ان تعودی الی رفاعۃ** اور رجوع اور عود پچھلی حالت پر لوٹ جانے کو کہتے ہیں اور پچھلی حالت یعنی پہلے نکاح میں تو خاوند تین طلاقوں کا مالک تھا لہذا اب بھی تین ہی طلاقوں کا مالک ہو گا تاکہ عود اور رجوع کے معنی درست ہوں۔ مسئلہ: اگر شوہر نے دو طلاقیں دے کر رجوع کر لیا تو اب ایک ہی طلاق کا اختیار رہے گا یعنی اب ایک طلاق ہی مغلظہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس صورت میں بھی عورت دوسرے شوہر سے نکاح کر کے پھر اس کی طرف لوٹی تو نئے سرے سے تین طلاق کا ہی حق ملے گا۔ مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ صرف ایک ہی طلاق دی جائے اور اگر تین طلاقیں دینا ہو تو ہر طہر میں ایک دے۔ عدت پہلی طلاق سے شروع ہو گی ایکدم تین طلاقیں دے دینا سخت گناہ ہے بلا وجہ طلاق دینا بھی بہت برا ہے۔ مسلمانوں نے طلاق کا بہت غلط استعمال شروع کر دیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے اگر طلاق ہو تو طلاقیں چار ہوتیں۔ دو طلاقیں چار ہو جاتیں۔ دو طلاقیں تو الطلاق مرتن والی اور تیسری خلع والی اور چوتھی فان طلق کی حالانکہ طلاقیں تین ہی ہیں نہ کہ چار۔ (شافعی) جواب: خلع کی طلاق ان دو طلاقوں کے علاوہ نہیں بلکہ اس کی ایک صورت ہے اور مطلب یہ ہے کہ دو طلاقوں کے بعد خواہ وہ بلا عوض رجعیہ ہوں یا بطریقہ خلع بائنہ ہوں تیسری طلاق دی تو بغیر حلالہ نکاح درست نہیں اگر خلع فسخ ہو تو کلام بگڑ جائے گا کہ طلاقوں کے درمیان میں اجنبی چیز کا ذکر فصاحت کے خلاف ہے۔ دوسرا اعتراض: حدیث شریف میں حلالہ کرنیوالے کو لعنت کی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حلالہ کرنے والے سنگسار کروں گا بیہقی میں ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حلالہ کا مقدمہ پیش ہوا ایک شخص نے حلالہ کرا کر دوبارہ نکاح کر لیا تھا۔ آپ نے دونوں میاں بیوی کو علیحدہ کر دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح حلالہ ناجائز ہوا (روح المعانی از امام مالک) جواب: واقعی بشرط طلاق نکاح کرنا یا زبان سے حلالہ کہہ کر نکاح کرنا سخت گناہ ہے اور بے غیرتی ہے۔ ان صحابہ کرام کا یہ سختی فرمانا یہ کام بند کرنے کے لئے تھا۔ مگر اس سے لازم یہ نہیں کہ نکاح حلال نہ ہو کبھی مکروہ چیزوں سے بھی روکا جاتا ہے اور حرام کام پر بھی احکام جاری ہو جاتے ہیں جس کی مثالیں ہم پچھلی آیت میں دے چکے بلکہ تفسیر احمدی نے فرمایا کہ حلالہ کی نیت کرنا بھی بہتر نہیں۔ نکاح ہمیشگی کے لئے چاہئے نہ کہ چند روزہ۔ تیسرا اعتراض: حلالہ بڑی بے غیرتی ہے پھر اسلام نے اس کی اجازت ہی کیوں دی۔ (آریہ)۔ جواب: طلاقیں روکنے کے لئے۔ کوئی شریف آدمی یہ گوارا نہیں کرتا کہ میری عورت دوسرے کے پاس جائے اس لئے دوسرے شوہر کی وطی کی قید لگا دی گئی تاکہ نہ دوسرا طلاق دینے پر راضی ہو اور نہ پہلا اسے اپنے پاس رکھنے پر۔ پنڈت جی اپنے نیوگ پر بھی غور کرو کہ آپ کے رگ وید اور ستیارتھ پرکاش باب چہارم میں ہے کہ شوہر خود اپنی بی بی سے کہے کہ تو میرے علاوہ دوسرے آدمی سے اولاد حاصل کر۔ اس سے بڑھ کر دیوثی کیا ہوگی کہ اپنی بیوی کو دوسرے کے حوالہ کیا جائے۔ اسلام میں طلاق کے بعد حلالہ ہے۔ جب کہ وہ اس کی بیوی ہی نہیں رہتی۔ چوتھا اعتراض: حلالہ اور متعہ میں کیا فرق ہے کہ متعہ بھی چند روز کے لئے ہوتا ہے اور حلالہ بھی۔ پھر تم متعہ کو کیوں حرام کہتے ہو۔ (رافضی) جواب: بڑا فرق ہے متعہ وقتی نکاح ہے۔ اس میں یہ ہی کہا جاتا ہے کہ میں پندرہ دن کیلئے نکاح کرتا ہوں کہ اس مدت کے بعد خود بخود علیحدگی ہو جاتی ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ نکاح باطل اور محض زنا ہے۔ حلالہ میں یہ نہیں۔ یہاں نکاح دائمی ہوتا ہے پھر اگر شوہر بخوشی طلاق دیدے تب علیحدگی ہوتی ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت میں حلالہ کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرنے کے لئے یہ قید لگائی کہ دونوں خاوند و بیوی کو حدود الٰہی قائم رکھنے کی امید قوی ہو تو چاہئے کہ اگر یہ امید نہ ہو تو رجوع جائز ہی نہ ہو اور اسی رجوع کے بعد صحبت زنا ہو۔ حالانکہ شریعت میں نکاح درست ہوتا ہے۔ جواب یہ قید رجوع کے لئے نہیں بلکہ لا جناح کے لئے ہے یعنی اگر نبھاؤ کا گمان غالب ہو تو رجوع میں گناہ نہیں اور اگر فساد کا گمان غالب ہو تو رجوع کرنے میں دونوں یا جو بد نیت ہو وہ گنہگار ہو گا۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: شیخ طریقت کو چاہئے کہ مریدین کی ایک دو غلطیاں معاف کریں مگر جب محسوس کرے کہ یہ مرید جرم کا عادی ہو چکا تو اس سے بالکل قطع تعلق کرے اور پھر وہ کتنی ہی عاجزی زاری کرے مگر اسے اپنے سے نہ ملائے بلکہ اس سے کہے کہ کچھ دن مجرموں کے ساتھ رہ کر ان کا انجام دیکھ پھر جب تمہیں ان کی حرکات سے پوری نفرت ہو جائے تب میرے پاس آنا کہ تمہیں

ہماری محبت کی قدر ہو اور پھر جرم سے باز رہو۔ کبھی فراق بھی ذریعہ وصل دائمی ہو جاتا ہے اور ہجر سے وصل کی قدر ہوتی ہے۔ (از روح البیان)۔

حکایت : ایک لڑکا گھر سے بھاگنے کا عادی ہو چکا تھا۔ باربار بھاگتا اور ماں باپ اس کی تلاش کرتے پھرتے آخر کار ماں باپ نے کسی مرد کامل سے شکایت کی۔ اس نے کہا تمہاری زیادتی محبت نے اسے بھگوڑا بنا دیا۔ اب اگر بھاگے تو تم پرواہ نہ کرو خود پریشان ہو کر جب آئے گا تو کبھی نہ بھاگے گا ایسے ہی کیا گیا۔ لڑکا ٹھوکریں کھا کر لوٹ آیا اور پھر ہمیشہ کے لئے اسکی اصلاح ہو گئی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ "قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبت گرفتار آید"۔ خیال رہے کہ اولاً کچھ غلطیوں پر پکڑ نہیں ہوتی۔ خضر علیہ السلام نے تیسرے سوال پر ہی موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ھذا فراق بینی و بینک یہ جدائی کی باری ہے یہ بھی خیال رہے کہ مسلمانوں کے لئے بھول چوک معاف ہے مگر شریعت میں نہ کہ طریقت میں اس میں تو غلطی پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے خطاءً گندم کھالیا۔ خود رب نے فرمایا کہ وہ بھول گئے مگر عتاب آگیا۔ یہ بھی لحاظ رہے کہ شیخ پر اعتراض محرومی کی علامت ہے۔ اس کے افعال نکتہ چینی کیلئے نہ دیکھو بلکہ پیروی کے لئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو!
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن گرچہ طفلے راکشد تو مومکن

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تین کا عدد جماعت ہے اور اچھی جماعت پر اللہ کی رحمت ہے۔ بری جماعت پر اللہ کا عذاب اسی لئے اکثر اوراد و ظیفوں میں تین بار دعائیں پڑھوائی جاتی ہیں کہ فلاں دعا آیت تین بار پڑھو تاکہ اس جماعت پر اللہ کی رحمت ہو یوں ہی تین بار گناہ پر اللہ کی پکڑ ہے ایک دو طلاقوں میں گنجائش رہی۔ جب تین طلاقیں ہو گئیں اور ان کی جماعت بن گئی تو رب کی پکڑ میں بندہ آگیا کہ اب رجوع و نکاح کی گنجائش نہ رہی۔ بندے کو چاہیئے کہ اسی طرح جرموں کی جماعت نہ بننے دے ایک دو جرم پر ہی توبہ کرلے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ

اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچ جائیں وہ معیاد کو اپنی تو روک لو انہیں ساتھ بھلائی کے یا چھوڑ دو
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی معیاد آ لگے تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو

انہیں ساتھ بھلائی کے اور نہ روکو انہیں ضرر کے لئے تاکہ ظلم کرو تم اور جو کرے گا یہ پس بے شک ظلم
یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لئے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور جو ایسا

کیا اس نے جان پر اپنی اور نہ بناؤ تم آیتوں کو اللہ کی ٹھٹھا اور یاد کرو نعمت اللہ کی
کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بنا لو اور یاد کرو اللہ کا احسان

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

جو اوپر تمہارے ہے اور اس کو جو اتاری اوپر تمہارے کتاب اور حکمت نصیحت کرتا ہے تم کو ساتھ

جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اس کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو تم کہ تحقیق اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے ؀

رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے ؀

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق رجعی دینے کا طریقہ اور اس کی کیفیت بیان ہوئی۔ اب رجوع کرنے کی کیفیت بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق کے احکام بیان ہوئے اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر طلاق کے یہ احکام ہیں۔ خواہ جان بوجھ کر ہو یا ایسے ہی دل لگی کے طریقہ سے۔ **تیسرا تعلق:** یہ آیت پچھلی آیتوں کا تتمہ ہے جس میں مردوں کو بتایا جا رہا ہے کہ عورتوں کی حق تلفی درحقیقت اپنی جان پر ظلم ہے کیونکہ رب ان کا والی اور حافظ ہے۔

شان نزول : ثابت ابن یسار انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ جب ان کی عدت کے دو تین دن باقی رہ گئے تو ان سے رجوع کر کے پھر طلاق دے دی تاکہ ان کی عدت دوبارہ شروع ہو۔ اور وہ بہت عرصہ تک لٹکی رہیں کہ کسی سے نکاح نہ کر سکیں۔ یہاں تک کہ انہیں اس مخمصہ میں نو ماہ گزر گئے تب اس آیت کریمہ کا پہلا جملہ "ظلم نفسہ" تک نازل ہوا۔ (2) عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کسی سے کہہ دیتے تھے کہ میں نے اپنی بیٹی تیرے نکاح میں دی وہ کہتا تھا کہ میں نے قبول کی۔ بعد میں کہتے کہ ہم نے تو دل لگی سے کہا تھا ایسے ہی کچھ لوگ اپنے غلاموں کو آزاد کر کے یا بیویوں کو طلاق دے کر دل لگی کا بہانہ کرتے تھے۔ تب اس آیت کریمہ کا دوسرا جملہ **ولا تتخذوا** سے اخیر تک نازل ہوا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین چیزیں طلاق، نکاح اور غلام کی آزادی ہر حال ہو جائیں گے خواہ کوئی جان بوجھ کر کرے یا دل لگی سے۔ (درمنثور)۔

تفسیر : **واذا طلقتم النساء** طلقتم سے طلاق رجعی مراد ہے اور النساء میں الف لام مضاف الیہ کا عوض ہے۔ یعنی جب تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی دو۔ **فبلغن اجلھن** بلغن۔ بلوغ یا بلاغ سے بنا جس کے معنی میں انتہاء کو پہنچ جانا مگر کبھی قریب پہنچ جانے پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد معنی ہیں۔ اجل کے معنی مدت اور وقت مقررہ کے ہیں اور یہاں عدت کا اخیر جز مراد ہے یعنی اور پھر وہ طلاق والی عورتیں اپنی اخیری عدت کے قریب پہنچیں کہ ان کی عدت ختم ہونے لگے۔ **فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف** یہاں بھی امساک سے رجوع کرنا مراد ہے۔ معروف کے معنی ہیں۔ مشہور یا پہچانی ہوئی چیز۔ مگر قرآن پاک میں اس لفظ سے اچھا طریقہ مراد ہوتا ہے جو عقلاً، شرعاً، عرفاً، عادۃً پسندیدہ ہو۔ تسریح سے مراد رجوع نہ کرنا ہے۔ یعنی تب تمہیں دو اختیار ہیں یا تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو کہ رجوع کر لو۔ مگر نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ یا نیکی کے ساتھ اسے جانے دو کہ وہ عدت پوری کر کے جہاں چاہے نکاح کر لے۔ رجوع میں بھلائی یہ ہے کہ خوش خلقی اور نیک ارادہ سے رجوع کرو اور

چھوڑنے میں بھلائی یہ کہ اس کا مہر، خرچہ عدت اور دوسرے حقوق ادا کردو اور اس کو عیوب لگا کر لوگوں کو اس سے متنفر نہ کرو۔ **ولا تمسکوھن ضرارا** یہ جملہ یا تو امسکوھن کی تاکید ہے یا آئندہ کے لئے نیا حکم' ضرار اور مضارۃ باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنی نقصان دینا کبھی نقصان دہ چیز کو بھی ضرار کہہ دیتے ہیں جیسے مسجد ضرار' یہ **لا تمسکو** کا مفعول لہ ہے اور اس سے یا تو عورت کی عدت دراز کرنا مراد ہے یا اس کے ساتھ برا برتاؤ کرنا یا مال حاصل کرنے کے لئے اسے تنگ کرنا مراد یعنی اسے نقصان دینے کے لئے نہ روک رکھو۔ **لتعتدوا** یہ ضرار کا متعلق ہے اس کے معنی ہیں حد سے بڑھنا خیال رہے کہ یہاں یا تو ضرار سے درازی عدت مراد ہے اور تعتدوا سے اسے مال دینے پر مجبور کرنا یا ضرار سے موجودہ نقصان مراد ہے اور لتعتدوا سے آئندہ کی ایذاء بعض علماء نے فرمایا کہ اس کا تعلق لا تمسکو سے ہے اور لام عاقبت کا ہے اور اس سے اپنے پر ظلم کرنا مراد ہے یعنی تم انہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہ روکو تاکہ گنہگار ہو کر اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھو اس کا بیان اس جملہ میں ہے کہ **ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ فلک سے ظلما**" روکنے یا عورت پر زیادتی کرنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ اپنی جان پر ظلم کرنے سے یا اخروی عذاب مراد ہے یا دنیوی بدنامی یعنی جو کوئی ایسی نامعقول حرکتیں کرے گا۔ وہ درحقیقت اپنی ہی جان پر ظلم کریگا کہ دنیا میں بدنام ہو کر آئندہ بیوی نہ پائے گا۔ اور آخرت میں سخت سزا کا مستحق ہو گا **ولا تتخذوا ایت اللہ ھزوا**' آیات اللہ سے یا طلاق کی آیتیں مراد ہیں یا سارے احکام کی آیتیں یا ساری قرآنی آیتیں ھزو بمعنی ھزء کا بمقابل مصدر ہے بمعنی مفعول' جد کوشش کرنا اور ھزو سستی کرنا یا جد رعایت کرنا ھزو' رعایت نہ کرنا یا جد عمل کرنا اور ھزو عمل نہ کرنا یا جد اہتمام کرنا اور ھزو ٹھٹھا کرنا ظاہر ہے کہ یہاں مسلمانوں سے خطاب ہے لہٰذا ھزو سے بے عملی سستی یا عملی ٹھٹھا کرنا مراد ہے نہ کہ قولی یعنی اے مسلمانوں تم اللہ کی ان آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ کہ پڑھ کر ان پر عمل نہ کرو یا اس طرح کہ ان سے سستی نہ کرو یا منہ سے کوئی بات نکال کر کہہ دو کہ دل لگی میں کہی تھی نیز کسی چیز کو اس کے مقصد میں استعمال نہ کرنا غیر مقصد میں استعمال کرنا عملی مذاق اڑانا ہے نکاح تو عورت کے بسانے کے لئے قائم کیا ہے اور طلاق آزاد کردینے کے لئے اب جو شخص ان دونوں یا ان میں سے کسی کو ظلم و تعدی کے لئے استعمال کرے وہ عملی طور پر نکاح و طلاق بلکہ ان کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔ خیال رہے کہ احکام شرعیہ کا دلی یا قولی مذاق اڑانا کفر ہے۔ اور عملی مذاق فسق **واذکروا نعمت اللہ علیکم** ذکر سے یا تو بیان کرنا یا یاد کرنا یا شکر کرنا مراد ہے۔ نعمت اللہ سے یا تو عام نعمتیں مراد ہیں یا خاص وہ نعمتیں جو مردوں کو ملیں یا خاص وہ جو مسلمانوں کو عطا ہوئیں یعنی تم اللہ کا وہ احسان بھی یاد کرو جو تم پر ہے کہ تمہیں انسان بنایا۔ مسلمان کیا۔ مرد بنایا' تمہیں طلاق و رجوع کا اختیار دیا۔ تمہیں آرام و سکون کے لئے بیویاں عطا فرمائیں۔ پچھلی امتوں کی طرح تم پر ایک بیوی کی پابندی نہ لگائی بلکہ چار نکاح تک کی اجازت دی (روح البیان و احمدی) اس کا شکر یہ تم پر لازم ہے۔ خیال رہے کہ مال کے عوض مال قیمت ہے اور کام کے عوض مال اجرت اور بغیر کسی معاوضہ کے کچھ دینا نعمت قیمت و اجرت کا شکریہ واجب نہیں کہ وہ تو اپنا حق ہے مگر نعمت کا شکریہ لازم ہے کہ منعم کا محض فضل ہے۔ اللہ کے عطیے نہ قیمت ہیں نہ اجرت محض فضل ہیں اگر ہم میں شرافت و انسانیت کی کچھ بھی بو ہے تو ہمیشہ اس کا شکر کیا کریں۔ خیال رہے کہ رب کی ساری نعمتوں سے اعلیٰ نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ رب نے اس کے متعلق فرمایا **لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا** اور جیسی نعمت ویسا شکر۔ **وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ** اگرچہ کتاب و سنت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری اصل امت حضور کی فرع

حضور امام ہیں، تمام لوگ مقتدی۔ لہٰذا حضور پر اترنا گویا ہم سب پر اترنا ہے نیز نزول قرآن و حدیث ہمارے ہی لئے ہوا ہے یہ دونوں چیزیں ہمارے ہی لئے ہدایت ہیں نہ کہ حضور کے لئے حضور تو پہلے ہی ہدایت یافتہ پیدا ہوئے اس لئے یہاں علیکم فرمایا گیا کہ تم سب پر قرآن و حدیث اترے لہٰذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ اے محبوب تم پر قرآن حدیث اتارے گئے اگر وہاں نعمت سے عام نعمت مراد تھی تو یہ عام کے بعد خاص نعمت کا ذکر ہے اور اگر اس سے خاص اسلامی نعمتیں مراد تھیں تو یہ اسی کا بیان ہے کتاب سے قرآن کریم اور حکمت سے سنت اور حدیث مراد ہے یا کتاب سے قرآن کی عبارت اور حکمت سے اس کے اشارات و اسرار مراد ہیں یعنی اسے بھی یاد کرو کہ اللہ نے تمہیں کتاب اور سنت عطا فرمائی۔ جو تمام نعمتوں کی اصل ہے **یعظکم بہ** یا تو یہ انزل کے فاعل کا حال ہے یا مفعول کا یا اس کا مفعول لہ ہے یا انزل مبتداء اور یہ اس کی خبر ہے یعنی تمہیں نصیحت دیتے ہوئے یا نصیحت دینے کے لئے کتاب اور حکمت اتاری یا کتاب و حکمت وہ نعمتیں ہیں جس سے رب تمہیں نصیحت فرماتا ہے۔ **واتقو اللہ** یا تو تقویٰ سے بچنا مراد ہے یا ڈرنا یعنی اللہ کے عذاب سے بچو یا ڈرو۔ اس طرح کہ اس کی اطاعت کرو اور بیویوں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ **واعلموا ان اللہ بکل شیء علیم** جان لو کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ تمہاری باتیں تمہارا ارادہ تمہاری عورتوں پر زیادتی اور ظلم یا اچھا سلوک اس پر مخفی نہیں لہٰذا اس سے ڈرتے رہو یا اس نے جو کچھ حکم دیئے ان میں صدہا حکمتیں ہیں جو جسے دیا حکمت سے دیا لہٰذا اس کے احکام پر عمل کرنے میں کچھ دغدغہ یا پس و پیش نہ کرو۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی دو اور ان کی عدت ختم ہونے لگے تو تم انہیں یا نیک ارادہ اور اچھے طریقے سے روک لو کہ رجوع کر کے نکاح سے نہ نکلنے دو یا بھلائی اور خوبی کے ساتھ انہیں جانے دو کہ ان کے مہر، خرچہ عدت وغیرہ ادا کر دو بلکہ مہر سے کچھ زائد بھی دے دو کہ اس نے تمہاری بہت خدمت کی ہے۔ (احمدی) اور لوگوں سے اس کے عیوب بیان نہ کرو۔ یہ خیال رہے کہ نقصان پہنچانے کی نیت سے اسے ہرگز نہ روکنا۔ جو کوئی ایسا کرے گا وہ عورت پر تو کیا خود اپنی جان پر ظلم کرے گا کہ دنیا میں ظلم میں مشہور ہو جائے گا اور آئندہ کوئی اسے اپنی بیٹی نہ دے گا بلکہ اس کی اولاد کو بھی بیویاں ملنا مشکل ہوں گی کہ بدنام خاندان کو رشتہ مشکل سے ملتا ہے اور آخرت میں اپنی بے بس بیوی کو ستانے کی وجہ سے سخت عذاب کا مستحق ہو گا۔ اور اللہ کے احکام کو ٹھٹھا نہ بناؤ اور ان کو بطور دل لگی استعمال نہ کرو کہ طلاق یا نکاح استعمال کر کے دل لگی کا بہانہ کر دو یاد رکھو کہ تم پر خدا کے بہت احسانات ہیں۔ تمہیں انسان بنایا نہ کہ بے زبان جانور۔ مرد بنایا نہ کہ بے بس عورت مسلمان کیا نہ کہ جہنم کا ایندھن یعنی کافر تم پر اپنی کتاب قرآن کریم اور اپنی نبی کی سنت اتاری تاکہ اس کے ذریعے تمہیں نصیحت فرمائے جو ساری نعمتوں سے بڑی نعمت ہے تمہیں چاہئے کہ رب سے ڈرو اور یہ خوب جان رکھو کہ اللہ بڑا علم والا ہے۔ اس کا کوئی قانون حکمت کے خلاف نہیں۔ اس کی اطاعت ہی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ احکام کی آیات کو یا تو اپنے انعام کے ذکر پر ختم فرماتا ہے یا اپنے عذاب کے ذکر پر یا اپنے اوصاف حمیدہ کے تذکرہ پر کیونکہ بعض انسان لالچ سے اطاعت کرتے ہیں بعض ڈر سے اور بعض عشق الٰہی و محبت مصطفوی سے لالچ والوں کے لئے انعام کا ذکر ہے۔ ڈر سے اطاعت کرنے والوں کے لئے اپناذکر یہاں رب تعالیٰ نے اس آیت کو اپنی نعمت اور اپنی حمد پر ختم فرمایا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے عشق و محبت اور اس کی نعمت کے شکریہ میں عورتوں پر رحم کرو طلاق و نکاح میں زیادتی نہ کرو رب نے اپنے محبوب کی سنتوں کو حکمت فرمایا کہ حکمت کے معنی

ہیں فائدہ مند چیز اس لئے طبیب کو حکیم کہتے ہیں اور علم طب کو حکمت کہ ان سے بیماروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ ہمارے کام و کلام فائدہ مند بھی ہوتے ہیں بیکار بھی اور نقصان دہ بھی مگر حضور کا ہر کلام و کام تمام مخلوق کے لئے فائدہ مند ہے کہ ہر شخص ان سے اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ انبیاء کی لغزش بھی مفید ان کی زندگی و وفات بھی فائدہ مند ہے یا حکمت کے معنی ہیں مضبوط چیز حضور کی احادیث کو زمانہ نہ مٹا سکا تا ابد قائم ہیں اور لوگ ان سے فائدے اٹھاتے ہیں اور اٹھاتے رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بیوی کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اور عورتوں کے حقوق نہایت سخت کہ رب تعالیٰ بار بار ڈرا دھمکا کر اپنے احسان یاد دلا کر مردوں کو ان کے حقوق ادا کرنے پر مائل فرماتا ہے۔ غالباً" جس قدر تفصیل عورتوں کے حقوق اور طلاق کے احکام کی گئی۔ اتنی دیگر چیزوں کی نہ فرمائی گئی۔ دوسرا فائدہ: طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجوع کا اختیار ہو گا نہ کہ اس کے بعد جیسا کہ فبلغن اجلھن سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: رجوع کرنے میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں۔ صرف مرد ہی رجوع کر سکتا ہے جیسا کہ فامسکو اور سرحوا سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: رجوع میں کلام کی قید نہیں منہ سے بول کر یا وطی یا بوس و کنار سے بھی رجوع ہو سکتا ہے کیونکہ فامسکوا میں کوئی قید نہیں سرحوھن کی طرح یہ بھی مطلق ہے۔

مسئلہ : مگر بہتر یہ ہے کہ رجوع کلام سے کرے اور اس پر گواہ بھی بنالے۔ پانچواں فائدہ: ظالم در حقیقت اپنے پر ظلم کرتا ہے کیونکہ مظلوم کو معمولی تکلیف ہوگی مگر ظالم کو سخت عذاب۔ ع

پنداشت ستمگر کہ ستم برما کرد   برگردن او بماند و برما بگذشت

چھٹا فائدہ: طلاق دینے کا حق صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں نہ دونوں کے مشورہ پر موقوف کیونکہ یہاں فرمایا گیا واذا طلقتموھن طلاق کا فاعل تو مرد کو قرار دیا اور مفعول عورت کو اگر عورت کو بھی حق ہوتا تو کسی جگہ یہ بھی ہونا چاہیے تھا کہ تم کو عورتیں طلاق دیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح معلوم ہوا کہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ بہر حال نکاح کے وقت عورت و مرد دونوں کا مشورہ ضروری ہے مگر طلاق میں مرد مستقل ہے ہاں فسخ نکاح کبھی عورت کی طرف سے بھی ہو جاتا ہے جیسے خیار بلوغ یا خیار عتق وغیرہ کے موقعہ پر ہوتا ہے اس فسخ میں عورت مستقل ہے کہ مرد راضی ہو یا نہ ہو فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ ساتواں فائدہ: مجبور اور معذور کو ستانا بہت بڑا جرم ہے۔ جس قدر مجبور کی معذوری زیادہ اسی قدر اس کے ستانے میں عذاب بھی سخت بی بی پر ظلم گناہ حاجتمند اور بوڑھے ماں باپ پر ظلم اور زیادہ گناہ۔ لونڈی غلاموں کو ستانا اور بھی زیادہ گناہ بے زبان جانوروں کو ستانا بہت ہی بڑا گناہ کیونکہ وہ بے زبان ہیں کسی سے ظلم کی داستان بھی نہیں کہہ سکتے۔ ان کا خدا کے سوا کوئی مدد گار نہیں۔ (از شامی کتاب الکراہیت)۔ آٹھواں فائدہ: طلاق' نکاح' آزادی کے الفاظ مذاق یا دل لگی یا بھول چوک سے جیسے بھی ادا ہو جائیں یہ چیزیں واقع ہو جائیں گی۔ (حدیث شریف)۔ نواں فائدہ: عورتوں کو دکھ دینے کے لئے روک رکھنا بھی احکام الیہ کی ہنسی کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ بیویوں پر جتنا ظلم مسلمان کر رہے ہیں غالباً" کوئی قوم نہ کرتی ہوگی۔ جیسا کہ دن رات دیکھا جا رہا ہے ظالم شوہروں کو چاہیے کہ اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ اسی لئے شریعت نے بعض صورتوں میں عورت کو اختیار دیا ہے کہ ظالم شوہر سے حاکم کے ذریعے نجات حاصل کرے مگر عورت کی اتنی آزادی بھی نہیں ہے جتنی انہوں نے اب

حاصل کریں۔ دسواں فائدہ: اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرنا رضائے رب کا ذریعہ ہے لہٰذا محفل میلاد شریف وغیرہ بھی جائز ہے کہ اس میں رب کی نعمت یعنی حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہے۔ گیارہواں فائدہ: حدیث بھی قرآن پاک کی طرح رب کی اتاری ہوئی ہے کیونکہ یہاں کتاب وسنت دونوں کے اتارنے کا ذکر ہوا۔ فرق اتنا ہے کہ حدیث کا مضمون رب کا ہے اور الفاظ نبی علیہ السلام کے اور قرآن کے الفاظ ومضمون سب رب کا۔ اس لئے نماز میں حدیث کی تلاوت نہیں ہوتی مگر عمل میں دونوں یکساں۔

پہلا اعتراض: رجوع طلاق کا مسئلہ دو دفعہ کیوں بیان ہوا۔ ابھی دو آیت پہلے بیان ہو چکا تھا۔ اب پھر اس کا ذکر ہوا۔ جواب: پہلے یہ فرمایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کا حق ہے اور اب یہ ارشاد ہوا کہ رجوع کس نیت سے اور کس طرح کیا جائے گویا وہاں طلاق دینے کا طریقہ بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ کتنی طلاقیں رجعی ہیں اور یہاں رجوع کی نوعیت بیان ہوئی نیز ایک بات کو چند دفعہ بیان کرنے سے تاکید ہوتی ہے۔ دوسرا اعتراض: ضرار اور تعتدوا کے ایک ہی معنی ہیں اسی طرح امسکوھن بمعروف اور لا تمسکوھن ضرارا کا ایک ہی مطلب ہے پھر انہیں الگ الگ کیوں بیان کیا گیا۔ جواب: تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ضرار سے عورت کو نقصان پہنچانا مراد ہے اور تعتدوا سے اپنا گنہگار ہونا مراد یا ضرار سے رجوع جب کہ وقت کا نقصان اور تعتدوا سے آئندہ کی تکلیف مراد ہے نیز کسی کام کا حکم دیکر اس کے نہ کرنے سے روکنا تاکید کے لئے ہوتا ہے۔ طبیب کہتا ہے کہ پرہیز کرنا' بدپرہیزی ہرگز نہ کرنا ایسے ہی یہاں ارشاد ہوا کہ بھلائی سے روکنا' نقصان کے لئے ہرگز نہ روکنا۔ تیسرا اعتراض: اسلام نے طلاق کا حق صرف مرد کو کیوں دیا عورت کو بھی کیوں نہ دیا یہ تو عورت پر ظلم ہے اور آج اسی اختیار نہ ہونے سے عورتوں پر بڑی مصیبتیں ہیں۔ جواب: اگر عورتوں کو طلاق کا حق دیا جاتا تو موجودہ مصیبتوں سے صدہا گنا زیادہ مصیبتیں ہوتیں جیسا کہ ان لوگوں کے حال سے معلوم ہے جن کے ہاں دو طرفہ طلاق کا حق ہے کہ وہاں نہ کوئی گھر صحیح معنی میں آباد ہے نہ کوئی دل شاد نہ کسی کو اپنے گھر کی طرف سے اطمینان فی منٹ تین طلاق کا اوسط ہے دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار نہ دو ورنہ ہلاک کر دے گا۔ چوتھا اعتراض: تو پھر چاہئے کہ طلاق دو طرفہ کی رضامندی سے ہوا کرے۔ جیسے نکاح ہوتا ہے۔ طلاق نکاح کی طرح کیوں نہیں۔ جواب: طلاق و نکاح میں بڑا فرق ہے نکاح میں مرد و عورت دونوں کے حق ایک دوسرے پر لازم ہوتے ہیں تو اپنے پر کسی کا حق لازم کر لینے کا ہر شخص کو اختیار ہے کہ لازم کرے یا نہ کرے اس لئے وہاں عورت و مرد دونوں کی رضامندی ہے اسی لئے نکاح میں تو فریقین کی رضا لازم ہے مگر خریدتے وقت لونڈی سے اجازت کی ضرورت نہیں اور طلاق میں حق کا اٹھانا ہے رفع حق میں فریقین کی رضا کی ضرورت نہیں ہوتی قرض لینا دینا اس میں فریقین کی رضا ضروری ہے مگر قرض معاف کرنے میں فریق آخر کی رضامندی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: یوں تو کسی کو بھی ایذا دینا اسلام و ایمان کے خلاف اور مسلمان کی شان کے بعید ہے مومن وہ جس سے لوگ امن میں رہیں۔ سچا مسلم وہ جس کے زبان و ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں مگر شوہر بیوی کو آپس میں ہمراہی اور قرب حاصل ہے۔ اس لئے ان کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا سخت خطرناک ہے ایسے ہی نفس و روح زوجین کی طرح ایک ہی گھر یعنی بدن کو آباد کرنے والے ہیں۔ اور عرصہ کے ساتھی۔ اس لئے ان کا بگاڑ سخت نقصان دہ ہے۔ جو کسی کو ایذا پہنچائے وہ در حقیقت اپنے ہی پر

ظلم کرتا ہے کہ قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں مظلوم کو اور مظلوم کے گناہ ظالم کو دیئے جائیں گے اے مسلمانو تم اللہ کی آیتوں کو ٹھٹا اور دل لگی نہ بنالو کہ ان کے ظاہری الفاظ تو پڑھو اور ان کے معنی میں غور نہ کرو اور اس کے اسرار نہ سمجھو اور ان کی حقیقتیں تلاش نہ کرو۔ ان کے نور سے منور نہ ہوؤ اور ان کے وعظ نصیحت سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے اشارات میں غور نہ کرو۔ سچا قرآن خواں وہ ہے جس کی زبان پر قرآن کے الفاظ ہوں ذہن میں اس کے اشارات دل اس کے نور سے منور اور تمام بدن پر خوف وخشیت کے آثار نمودار ہوں۔ خیال رکھو کہ جیسے شاہین زندے شکار پر ہی گرتا ہے مرے ہوئے جانور پر توجہ نہیں کرتا۔ اسی طرح وعظ و نصیحت زندہ دل پر ہی اثر کرتی ہے۔ مردہ دل اس کا اثر نہیں لیتے پہلے کسی کی نظر سے اپنا دل زندہ کرو پھر وعظ نصیحت کا فائدہ ہوگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دیگر عبادتوں کی طرح اللہ کی نعمتوں کا ذکر بھی اہم عبادت ہے۔ جس کا جگہ جگہ تاکیدی حکم دیا گیا۔ یہ ذکر تین قسم کا ہے ذکر جنانی ذکر لسانی ذکر ارکانی۔ دل سے رب کی نعمتوں کا اقرار واعتراف کہ ہم نہ پہلے کچھ تھے مشت خاک تھے نہ آئندہ کچھ رہیں گے کہ نہ معلوم ہماری مٹی کہاں برباد ہوگی اور ہم غبار بن کر نہ معلوم کہاں اور کس گندگی پر اڑتے پھریں گے اس کی مہربانی ہے کہ اس نے لاشی کو سب کچھ کر دیا اس خیال سے انشاء اللہ کبھی تکبر و غرور نہ پیدا ہوگا۔ زبان سے اس کی نعمتوں کا چرچا ذکر لسانی ہے اور رب کی اطاعت ذکر ارکانی۔ فرمایا گیا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو اور بیویوں پر ظلم نہ کرو نہ تو عارضی بیوی یعنی زوجہ پر نہ دائمی بیوی یعنی اپنے نفس پر نہ سب کو ان کا حق دو۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ

اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچ جائیں وہ میعاد اپنی کو تو نہ روکو انہیں اس سے کہ نکاح کریں

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہو جاوے تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے

اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ

شوہروں اپنے سے جبکہ آپس میں راضی ہوں ساتھ بھلائی کے۔ یہ نصیحت کی جاتی ہے ساتھ اس کے اس کو

کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جبکہ آپس میں موافق شرع رضامند ہو جاویں۔ یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم

مِنْكُمْ يُؤْمِنُ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ بِاللّٰهِ

جو ہو تم میں سے ایمان رکھتا ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے یہ بہت ستھرا ہے واسطے تمہارے اور بہت

میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ

وَالْيَوْمِ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

پاکیزہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ؀

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ؀

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں عدت کے احکام بیان ہوئے اب بعد عدت احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق دینے والے شوہروں کا اختیار بیان ہوا کہ وہ عدت میں رجوع کر سکتے ہیں۔ اب عدت کے بعد عورتوں کا اختیار بیان ہو رہا ہے وہ اپنے نفس کی مالک ہیں جس سے چاہیں نکاح کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق دینے والے شوہروں کو عورتوں پر ظلم کرنے سے روکا گیا۔ اب عورتوں کے ولی اور وارثوں کو ظلم سے روکا جا رہا ہے کہ انہیں نکاح ثانی سے نہ روکیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق دینے والے شوہروں کو ہدایات دی گئیں اب دوسرے شوہروں کو ہدایت دی جا رہی ہیں جن سے انہوں نے حلالہ کیا۔ خیال رہے کہ اس آیت کی مختلف تفسیریں ہیں۔ تفسیروں ہی کے لحاظ سے یہ تعلقات بیان ہوئے۔

شان نزول : حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن جمیلہ کا نکاح اپنے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عاصم کر دیا عبداللہ بہت نیک آدمی تھے اتفاقاً" شوہر بیوی کی آپس میں نااتفاقی ہو گئی۔ اور عبداللہ نے جمیلہ کو طلاق دے دی۔ معقل کو بہت رنج ہوا عدت گزرنے کے بعد عبداللہ ابن عاصم نے پھر انہی جمیلہ سے نکاح کرنا چاہا جس پر حضرت معقل نے قسم کھالی کہ میں اب جمیلہ کا تم سے نکاح نہ کروں گا مگر جمیلہ کی بھی مرضی تھی کہ وہ عبداللہ سے نکاح کرلیں تب یہ آیت نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل کو بلا کر یہ آیت سنائی۔ انہوں نے کہا اپنے نفس کی نہ مانوں گا۔ رب کی اطاعت کروں گا اور جمیلہ کا نکاح ابن عاصم سے کر دوں گا۔ چنانچہ نکاح کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (احمدی و معانی و روح و خزائن و کبیر)۔ (2) ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جابر ابن عبداللہ کی چچازاد بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دی اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرنا چاہا وہ بیوی تو راضی تھیں مگر حضرت جابر نے انکار کیا تب یہ آیت اتری (کبیر و احمدی وغیرہ) ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعے ایک ہی وقت میں ہوئے ہوں تب یہ آیت آئی ہو۔ خیال رہے کہ عرب میں اسلام سے پہلے عالی نسب اور شریف گھرانے والے تو اکثر لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے تاکہ ہمارا کوئی داماد نہ بنے اور ہم کسی کے سسر نہ کہلائیں اس میں ہماری توہین ہے رہے غریب لوگ وہ اپنی ساری اولاد کو ہی مار دیتے تھے کہ ہمیں کھانے کو ملتا نہیں انہیں کہاں سے کھلائیں۔ جن کے متعلق رب نے فرمایا **لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم** اور جو لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ رکھتے بھی تھے تو آمدنی کے لئے کہ ان کے جوان ہو جانے پر ہم بھاری رقمیں لے کر ان کے نکاح کریں گے غرضیکہ لڑکیاں ان کی دوکانوں کے سودے تھے پھر جو لوگ رقم دیکر ان سے نکاح کرتے وہ بھی انہیں اپنی زر خرید لونڈی باندیاں ہی سمجھتے تھے کہ بعد طلاق جب دوسرے سے نکاح کراتے تو ان سے رقمیں وصول کرتے غرضیکہ عورت کیا تھی ایک کاروبار کا سامان تھا ان آیات میں اس ظلم کو بھی روکا گیا ہے۔

تفسیر : **واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن** ظاہر یہ ہے کہ طلقتم میں خطاب طلاق دینے والے شوہروں سے ہے اور طلاق سے طلاق رجعی یا بائنہ مراد ہے۔ جس میں حلالہ کی ضرورت نہیں النساء سے اپنی بیویاں اور بلوغ سے انتہا کو پہنچ جانا مراد ہے اور اجل سے عدت یعنی اے شوہرو جب کہ تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی یا بائنہ دو۔ اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو **فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن**' **تعضلوا** عضل سے بنا معنی تنگی اور روکنا۔ پٹھے کے سخت گوشت کو اسی لئے عضلہ کہتے ہیں کہ وہ سخت اور تنگ ہوتا ہے۔ جس عورت کے بچہ دشواری سے پیدا ہوا سے معضلہ کہا جاتا ہے یہاں اس کے معنی ہیں سختی

کے ساتھ روکنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ خطاب عورت کے ولی وارثوں کو ہے اور ازواج سے ان کے پہلے شوہر مراد ہیں جنہوں نے طلاق دی تھی کیونکہ یہ ہی مطلب شان نزول کے مطابق ہے۔ یعنی اے عورت کے وارثو! ان عورتوں کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرلیں چونکہ ساری مخلوق رب کے علم میں حاضر ہے۔ اس لئے ایک ہی جملہ میں مختلف لوگوں سے خطاب فرمانا اس کے لئے درست ہے۔ جیسے کہ حاکم اپنے سامنے والے خدام کو علیحدہ علیحدہ حکم دیتا ہے کہ ایک بات کسی سے کسی دوسری دوسرے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ طلقتم اور لا تعضلوا دونوں جگہ پچھلے شوہروں سے ہی خطاب ہے۔ اور ازواج سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے نکاح کرنے کا عورت نے ارادہ کرلیا ہو یعنی اے طلاق دینے والے شوہرو! جب تم طلاق دے دو اور ان کی عدت بھی گزر جاوے تو عورتوں کو دوسرے نکاح سے نہ روکو کیونکہ عرب میں یہ ظلم بھی تھا کہ پہلا شوہر طلاق دیکر بھی عورت کو دوسرے سے نکاح نہ کرنے دیتا تھا بلکہ رشوت لے کر نکاح کی اجازت دیتا یہاں اس ظلم کا بند کرنا مقصود ہے۔ تفسیر احمدی میں ایک اور بھی لطیف بات فرمائی کہ طلقتم اور لا تعضلوا دونوں میں دوسرے شوہروں سے خطاب ہے۔ جس سے بطور حلالہ عورت نے نکاح کرلیا تھا اور ازواج سے پہلے شوہر مراد یعنی اے دوسرے شوہرو! جب تم طلاق والی عورتوں سے نکاح کرکے انہیں طلاق دے دی تو اب انہیں پہلے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو کیونکہ وہ انہیں حلال ہو چکیں اگرچہ ان اخیری دو تفسیروں میں کلام میں انتشار تو نہ ہو گا مگر پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ وہ ہی شان نزول کے مطابق بھی ہے اور اس پر زیادہ مفسرین کا اتفاق **اذا تراضوا بینھم بالمعروف** یہ لا تعضلوا کا ظرف ہے یا ان ینکحن کا اور تراضوا کا فاعل عورت و مرد ہیں تغلیبا" مذکر کا صیغہ ارشاد ہوا۔ بالمعروف یا تراضوا کا متعلق ہے یا اس کی ضمیر سے حال 'معروف' بمعنی مشہور و معلوم ہے گویا معروف وہ کام ہے جو شرعا" و عادۃ" مشہور ہو اور جس کی بھلائی معلوم ہو اور یہاں معروف سے جائز نکاح 'پورا مہر اور عمدہ برتاوا مراد ہے۔ یعنی جب کہ وہ عورت و مرد آپس میں جائز باتوں پر راضی ہو چکے ہوں تو تم منع نہ کرو یا رضامندی کے جائز نکاح سے انہیں نہ روکو **ذلک یوعظ بہ من کان منکم یومن باللہ والیوم الاخر** ذلک سے مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے اگرچہ وہ احکام بہت ہیں مگر چند چیزوں کی طرف واحد یا تثنیہ کا اشارہ استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسے ذلکما مما علمنی ربی کی ذلکما تثنیہ ہے مگر اس تثنیہ اشارے سے بہت سے مذکورہ بالا احکام کی طرف اشارہ ہو رہا ہے 'یوعظ' وعظ سے بنا بمعنی حکم اور ممانعت کرنا (نصیحت) اگرچہ یہ احکام تمام نیک کار و بدکار لوگوں کیلئے ہیں مگر چونکہ اطاعت صرف نیک کاری کرتے ہیں اس لئے انہیں کا ذکر ہوا اور ممکن ہے کہ یہ احکام صرف مسلمانوں کے لئے ہی ہوں کہ کفار پر دنیا میں احکام شرعیہ جاری نہیں یعنی ان احکام سے ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ اور قیامت کے ایمان میں سب ایمانیات داخل ہیں ابتداء و انتہاء کے درمیان میں تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ **ذلکم ازکی لکم واطھر** ذلکم سے نصیحت قبول کرنے اور عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ جو کہ یوعظ کے ضمن میں معلوم ہو چکے۔ ازکی 'زکوۃ' سے بنا بمعنی بڑھنا کہا جاتا ہے۔ زکی الزرع۔ کھیتی بڑھ گئی۔ چونکہ نیک اعمال کا ثواب بڑھتا ہے۔ اس لئے ازکی فرمایا گیا (معانی و روح و کبیر) ہو سکتا ہے کہ ازکی زکوۃ بمعنی طہارت و پاکیزگی سے بنا ہو (خلاصۃ کبیر) اس صورت میں زکوۃ سے پوشیدہ پاکیزگی اور اطہر سے ظاہری پاکی یا اس کے برعکس مراد ہوں گے یعنی یہ اعمال تمہارے لئے بہت باعث برکت اور نفع بخش اور بہت پاکیزہ اور گناہوں سے صاف کرنے والے ہیں یا یہ کام تمہارے لئے ظاہر و باطن ہر طرح پاک و صاف ہیں کہ عورت کی مرضی کے خلاف نکاح کرنے کا انجام اچھا

نہیں ہوتا جب ان کا دلی رجحان پہلے شوہر کی طرف ہے اور اس نکاح میں کوئی شرعی خرابی بھی نہیں تو اگرچہ تم اس سے راضی نہ ہو مگر بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کیونکہ **واللہ یعلم وانتم لا تعلمون** ان رازوں کو اللہ جانتا ہے تم پورے پورے واقف نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ احکام کے اسرار بندوں کو نہیں معلوم بلکہ تفصیل وار پورے پورے انہیں نہیں معلوم۔ بندوں کی نگاہ اجمالاً "چند فوائد تک پہنچ سکتی ہے اور در حقیقت رب کے احکام میں صدہا فوائد اور بے شمار مصلحتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے شوہرو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی دے دو اور ان کی عدت بھی گزر جائے تو اے عورتوں کے ولی وارثو! تم انہیں پہلے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے جبراً نہ روکو۔ جب کہ وہ آپس میں جائز کاموں پر راضی ہو گئے ہوں کہ عورت بھی پہلے شوہر ہی سے راضی ہو اور وہ بھی اسی بیوی سے رضامند اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو انہیں نکاح کر لینے دو۔ یہ نصیحت ہر اس شخص کو ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ ان باتوں پر عمل کرنا باعث برکت بھی ہے اور باعث طہارت بھی۔ احکام الٰہی کے راز کماحقہ رب ہی جانتا ہے۔ اس کی طرح تم کو خبر نہیں۔

دوسری تفسیر : اے شوہرو! جب تم اپنی بیویوں کو کوئی سی طلاق دے دو رجعی یا بائنہ یا مغلظہ اور ان کی عدت بھی پوری ہو جاوے تو انہیں اپنے تجویز کردہ شوہروں سے نکاح کر لینے سے نہ روکو کہ یہ ظلم ہے۔ جب وہ آپس میں بھلائی پر راضی ہو گئے تو تم نیک کاموں سے کیوں روکتے ہو۔ یہ نصیحت ہر ایمان رکھنے والے شخص کو ہے۔ الخ۔

تیسری تفسیر : اے وہ شوہرو! جنہوں نے طلاق مغلظہ والی عورتوں سے نکاح کیا جب تم بھی کسی وجہ سے ان عورتوں کو طلاق دے دو۔ تو اب انہیں پہلے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے نہ روکو اب جب کہ اس نکاح میں کوئی خرابی نہ رہی اور وہ آپس میں راضی بھی ہیں تو تم نیک کام میں کیوں آڑ بنتے ہو۔ الخ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: بالغہ عورت اپنے نکاح میں خود مختار ہے۔ ولی کی اجازت شرط نہیں کیونکہ ینکحن میں نکاح کو خود عورتوں کی طرف نسبت فرمایا گیا۔ نیز رب نے فرمایا **وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی** جس سے معلوم ہوا کہ عورت خود اپنا نفس کسی کو بخش سکتی ہے۔ دوسرا فائدہ: اگر عورت شرعی یا عرفی قانون شکنی کرنا چاہے تو اس کے ولی وارث نکاح سے روک سکتے ہیں مثلاً مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں یا چھپ کر بغیر گواہوں کے نکاح کرنا چاہے تو اس کو روکا جا سکتا ہے شرعی غلطی میں تو نکاح ہو گا ہی نہیں۔ اور ہر مسلمان کو منع کا حق ہو گا عرفی غلطی میں اولیاء کو حق منع ہے نہ کہ دوسروں کو۔ بلکہ در مختار نے فرمایا کہ اگر عورت غیر کفو میں اپنا نکاح خود کر لے تو وہ ہو گا ہی نہیں اس پر فتویٰ ہے یہ تمام مسائل بالمعروف سے مستنبط ہوئے۔ تیسرا فائدہ: نکاح میں زوجین کی رضامندی ضروری ہے اگر بغیر اذن نکاح کر دیا گیا تو ان کی اجازت پر موقوف ہو گا جیسا کہ اذا تراضوا سے معلوم ہوا۔ مگر طلاق میں مرد مستقل ہے کہ نہ عورت مرد کو طلاق دے سکے اور نہ طلاق عورت کی رضا پر موقوف ہو جیسا کہ واذا طلقتم النساء سے معلوم ہوا کہ طلاق کا فاعل مرد کو قرار دیا اور مفعول عورت کو۔ نہ باب تفاعل سے یہ صیغہ ارشاد ہوا تاکہ اشتراک معلوم ہو اور نہ طلاق کو عورت کی رضا پر موقوف رکھا گیا۔ چوتھا فائدہ: کفار پر دنیا میں یہ احکام شرعیہ جاری نہیں۔ ان کو ان معاملات میں آزادی ہو گی جیسا کہ **من کان منکم یؤمن باللہ** سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ سیاسی احکام اور بعض معاملاتی قوانین کفار پر بھی جاری ہوں گے۔ اگر کسی بددین کے دین

میں چوری، زنا یا کشت و خون جائز ہو تو اسے اس سے روکا جاوے گا۔ اسی طرح اگر کافر مسلمان سے سود کا لین دین یا شراب کی خرید و فروخت کرنا چاہے تو نہ کرنے دی جاوے گی۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی آئندہ یا گزشتہ صفات سے موصوف کر دیا جاتا ہے دیکھو اس آیت میں پچھلے یا آئندہ ہونے والے شوہر کو ازواج کہہ دیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** لڑکی پر پیسہ لینا حرام ہے کہ یہ رشوت ہے (شامی) نیز لا تعضلوھن میں داخل ہے اس طرح امیر شوہر کی تلاش میں کبھی نکاح نہ کرنا سخت جرم ہے۔ **ساتواں فائدہ:** جہاں نکاح کرنے کی خود لڑکی کی منشاء ہو اور اس میں کوئی خرابی نہ ہو وہاں نکاح نہ ہونے دینا منع ہے۔ جیسا کہ لا تعضلوھن سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نکاح و طلاق کے مسائل میں ذمی کفار مذہبی آزاد ہیں کہ ان پر ان ہی کے مذہب کے احکام جاری ہوں گے حتی کہ اگر ان کے زوجین کے جھگڑے مسلمان حکام کے ہاں پیش ہوں تو ان ہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ کیا جاوے گا جیسا کہ **ذلک یوعظ بہ من کان منکم یؤمن باللہ** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اگر اس آیت میں طلقتم سے شوہروں کو اور لا تعضلوھن سے عورت کے ورثاء کو خطاب ہو تو آیت کا نظم بگڑ جاوے گا اور ایک عبارت میں مختلف لوگوں سے خطاب کرنا خلاف فصاحت ہے۔ **جواب:** اگر متکلم کے سامنے تمام مخاطب موجود ہوں۔ اور وہ سب سے یکے بعد دیگرے خطاب کرے تو کیا حرج ہے۔ زلیخا کے شوہر نے کہا تھا کہ **یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک** دیکھو اعرض میں یوسف علیہ السلام سے خطاب ہے اور استغفری میں زلیخا سے۔ مگر چونکہ یہ دونوں اس کے سامنے موجود تھے لہٰذا درست ہوا کوئی مخلوق رب سے غائب نہیں تو اس کا اس طرح کلام فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح بغیر اجازت ولی درست نہیں۔ دیکھو یہاں وارثوں سے خطاب ہے کہ لا تعضلوھن عورتوں کو نکاح سے نہ روکو۔ اگر انہیں نکاح سے روکنے کا اختیار نہ تھا تو یہ ممانعت کیسی؟ (شافعی) **جواب:** یہ ممانعت عرفی لحاظ سے ہے۔ چونکہ عام طور پر عورتیں اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی، وارث کے سپرد کر دیتی ہیں اور ان کی بغیر رائے کوئی کام نہیں کرتیں لہٰذا ان کو یہ ممانعت کر دی گئی۔ اگر آپ کا یہ استنباط صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ عورت کا دوسرا نکاح پہلے شوہر کی اجازت پر موقوف ہو کیونکہ بعض مفسرین کے نزدیک لا تعضلوا پہلے شوہروں سے ہی خطاب ہے پھر لطف یہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا کہ عورتوں کو نکاح کر لینے سے نہ روکو۔ معلوم ہوا کہ نکاح کرنا تو عورتوں کا اپنا ہی کام ہے وہ اس میں خود مختار ہیں۔ تم اس میں رکاوٹ نہ پیدا کرو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نکاح میں رضامندی زوجین ضروری ہے تو جبراً نکاح کیوں کیا جاتا ہے۔ وہاں رضا تو نہیں (حضرات شافعی)۔ **جواب:** جبر کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لڑکی انکار کرتی رہے یا پوچھنے پر خاموش رہے اور نکاح کر دیا جائے۔ اس صورت میں نکاح نہ ہو گا دوسرے یہ کہ لڑکی سے جبراً اذن لے لیا جائے یعنی اسے اجازت دینے پر مجبور کیا جائے اس صورت میں نکاح ہو جائے گا کیونکہ اس کا مار پیٹ کے مقابلہ میں نکاح کی اجازت دینا اس پر راضی ہونا ہے۔ یہاں رضا خوشی سے عام ہے۔ طلاق نکاح وغیرہ میں خوشی ضروری نہیں۔ دیکھو دل لگی اور مذاق سے بھی نکاح و طلاق ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہاں خوشی نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں آیا کہ **"ثلث جدھن جد وھزلھن جد"** یعنی تین چیزوں نکاح، طلاق، آزادی غلام میں ارادہ بھی ارادہ ہے۔ اور دل لگی بھی ارادہ نیز طلاق و نکاح کے الفاظ ان عقود کے اسباب ہیں اور اسباب کی تاثیر نیت پر موقوف نہیں زہر سے موت ہو جاتی ہے خواہ خوشی سے کھائے یا جبراً۔ **چوتھا اعتراض:** حنفیوں کا مسئلہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کر کے جھوٹے گواہ کھڑے کر دے اور قاضی نکاح کا فیصلہ کر دے تو اسے صحبت

حلال ہے۔ یہاں تو نہ نکاح ہوا اور نہ اس کی رضامندی اور صحبت حلال ہو گئی اور رب فرمارہا ہے کہ نکاح میں رضامندی زوجین ضروری ہے۔ (غیر مقلد) جواب: اس کا تفصیلی جواب انشاء اللہ ففہمنہا سلیمن کی تفسیر میں آئے گا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ مالی معاملات میں حاکم کا فیصلہ فقط ظاہر پر ہوتا ہے نہ کہ حقیقت پر۔ اگر کوئی کسی کے مال پر دعویٰ ملکیت کرکے جھوٹی گواہی کے ذریعہ قاضی کا غلط فیصلہ لے لے تو یہ مال اس پر حرام ہی رہے گا لیکن بعض معاملات میں قاضی کا حکم ظاہر و باطن ہر طرح جاری ہے جیسے نکاح۔ اگر غلط گواہی پر قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اس سے وہ فعل درست ہوں گے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک نکاح کا مقدمہ پیش ہوا جس میں مرد نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کرکے دو گواہ پیش کر دیئے آپ نے نکاح کا فیصلہ دے دیا۔ عورت نے عرض کیا کہ یہ جھوٹا ہے اب آپ برا و مہربانی میرا اس سے نکاح ہی پڑھا دیجئے۔ تاکہ آئندہ زنا نہ ہو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ جھوٹا ہے تب بھی میرا فیصلہ ہی تیرا نکاح ہے۔ دیکھو عینی شرح بخاری کتاب الحیل اور حاشیہ بخاری دفع الوسواس فی تشریح قال بعض الناس۔

تفسیر صوفیانہ : فساد کی کوشش کرنا یا مسلمانوں کی صلح میں رکاوٹ ڈالنا مسلمان کی شان نہیں اس سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ صلح کی کوشش کرنا باعث ثواب ہے خصوصاً" شوہر بیوی میں صلح کرانا بہترین عبادت ہے اور ان میں صلح نہ ہونے دینا سخت وبال کیونکہ ان کی صلح سے ایک خاندان کی دنیوی زندگی متعلق ہے۔ ایسے ہی نفس و روح کی اصلاح شیخ و مرید کی صلح امتی کا پیغمبر سے معافی حاصل کرانا بہت بڑا کام ہے کہ اسی پر اخروی زندگی کا دارو مدار ہے۔ شفاعت کی بنا بھی اسی پر ہے کہ شفیع المذنبین مجرم بندے کو معافی دلا کر رب کی رحمت کو متوجہ کرتے ہیں۔ نیز والد اولاد کو مضر غذا سے بچاتا اور اس کی اصلاح کرتا ہے اولاد کو چاہئے کہ بلا چون وچرا باپ کے فرمان پر عمل کریں ایسے ہی رب تعالیٰ اپنے بندوں کو برائیوں سے بچاتا ہے اور کار خیر کا حکم فرماتا ہے ہم کو لازم ہے کہ اس کے احکام بلا تامل قبول کرلیں رحمت الٰہی کی پہچان یہ ہے کہ بندے کو اپنی اطاعت کی توفیق دے اور اس کی ناراضی کی یہ علامت ہے کہ بندے کو دنیاوی مشاغل سے ذکر اللہ کا موقع نہ ملے۔ رب تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری زندگی نیک کاموں میں گزارے۔ انسان گناہ کرکے رب سے ناامید نہ ہو جاوے اس کی رحمت بہت وسیع ہے جب اس نے طلاق والی عورتوں کے لئے رجوع کے بہت سے ذریعے پیدا فرما دیئے تو مجرم بندوں کے لئے بھی توبہ کی بہت سے راہیں کھول دیں ہیں۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ
اور مائیں دودھ پلائیں اولاد اپنی کو دو سال پورے واسطے اس کے جو ارادہ کرے یہ کہ پورا کرے شیر خوارگی
اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس اس کے لئے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہیے
الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
کو اور اوپر اس کے جنا گیا واسطے اس کے رزق ہے عورتوں کا اور لباس ان کا ساتھ بھلائی کے
اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا حسب دستور کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ
نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی نفس مگر طاقت بھر اس کی ۔ نہ نقصان دیا جاوے ماں کو بوجہ
مقدور بھر ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچے سے اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے یا ماں ضرر نہ
بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ
بچہ اس کے اور نہ بچہ والے باپ کو بوجہ بچہ اس کے اور اوپر وارث کے مثل
دے اپنے بچے کو اور نہ اولاد والا اپنی اولاد سے اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر
ذٰلِكَ ۚ
اس کے ہے ۞
بھی ایسا ہی واجب ہے ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق :** پچھلی آیت میں طلاق کے احکام بیان ہوئے۔ چونکہ طلاق کی صورت میں بچہ کی پرورش میں بھی جھگڑا پڑتا ہے کہ باپ چھیننا چاہتا ہے اور ماں دینا نہیں چاہتی اور کبھی ماں بچہ کو باپ پر پھینکتی ہے اور باپ لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے اب رضاعت یعنی بچے کو دودھ پلانے کے احکام بیان ہوئے۔ **دوسرا تعلق :** پچھلی آیتوں میں طلاق والی عورتوں پر مہربانی کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ عدت میں دوسرے نکاح سے مجبور ہیں اور اب ان بچوں کی پرورش کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ہر طرح ماں باپ کے محتاج ہیں۔ **تیسرا تعلق :** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ طلاق والی عورتوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور تکلیف دو قسم کی ہے جسمانی اور روحانی جسمانی تکلیف کے بعد اب روحانی ایذا کی ممانعت کی گئی کہ ان سے ان کے دودھ پیتے بچے نہ چھینو۔ کہ اس میں ان کو روحانی ایذا پہنچے گی۔ اسلام سے پہلے عرب میں عورتوں پر ایک ظلم یہ بھی تھا کہ ان کے شیر خوار بچے ان سے چھڑا دیئے جاتے تھے کبھی تو اس طرح کہ طلاق دیکر عورتوں کو نکال دیا اس کے بچے چھین لئے اور کبھی اس طرح کہ ان کے بچے خصوصاً لڑکیاں ان کی گود سے چھین کر زندہ دفن کر دیتے تھے اس ظلم کو روکنے کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو لونڈی غلاموں کے بچوں بلکہ دو چھوٹے بھائی غلاموں کے الگ کرنے سے منع فرما دیا بلکہ چڑیوں اور دوسرے جانوروں کے شیر خوار یا بہت چھوٹے بچوں کو الگ کرنا ممنوع قرار دیا غرضیکہ یہ آیت بھی ان ظلموں کو روکنے کے لئے ہے جو عرب میں اسلام سے پہلے عورتوں پر توڑے جاتے تھے۔

تفسیر : **والوالدت یرضعن اولادھن** والوالدات سے یا تو طلاق والی عورتیں مراد ہیں کہ اس سے پہلے طلاق ہی کا ذکر ہو چکا ہے۔ نیز آئندہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان عورتوں کا کھانا کپڑا بچے کے باپ پر واجب ہے۔ اگر صرف بیوی مراد ہوتی تو اس کا خرچہ تو بہر حال شوہر کے ذمہ ہے۔ دودھ پلائے یا نہ پلائے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے ساری ہی مائیں مراد ہوں خواہ طلاق والی ہوں یا اپنی بیویاں۔ کیونکہ آنے والے احکام سب کو عام ہیں۔ انہیں والدات فرما کر اپنے بچوں کی پرورش پر مائل کیا گیا عربی میں ام بھی ماں کو

کہتے ہیں اور والدہ بھی یوں ہی اب بھی باپ کو کہتے ہیں اور والد بھی مگر ان دونوں لفظوں میں فرق یہ ہے کہ ام عام ہے کہ اس میں بھی سوتیلی ماں' دادی' نانی' خالہ بلکہ استاذوین کی بیویاں بھی شامل ہوتی ہیں فرماتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** دیکھو اس میں سگی' سوتیلی مائیں' دادی' نانی سب داخل ہیں۔ اور فرماتا ہے **وازواجہ امھاتھم** مگر والدہ صرف سگی ماں کو ہی کہا جاوے گا۔ فرماتا ہے **ان امھاتھم الا الئی ولدنھم** یہاں والدہ فرما کر بتایا کہ صرف سگی ماں دودھ پلائے گی نہ سوتیلی اور نہ دادی' نانی وغیرہ قرآن کریم میراث کے بیان میں فرماتا ہے **مما ترک الوالدن والاقربون** وہاں بھی والدہ سے مراد صرف سگے ماں باپ ہیں نہ سوتیلے ماں باپ اور نہ دادا نانا لہٰذا دادا اور نانا اقربون میں داخل ہے اور بیٹے کے ہوتے پوتے کو میراث نہیں مل سکتی یہ بات بہت خیال میں رکھنی چاہئے یرضعن رضع سے بنا جس کے معنی ہیں دودھ کے لئے پستان چوسنا اور باب افعال میں آکر چوسانے کے معنی پیدا ہوئے یعنی دودھ پلانا اور یرضعن خبر بمعنی امر ہے۔ یہ امر بھی استحبابی ہے کیونکہ بچوں کی پرورش اور انہیں دودھ دینا ماں پر واجب نہیں صرف مستحب ہے باپ پر پرورش لازم چونکہ ماں کا دودھ بچوں کو زیادہ موافق ہے اور وہ ہی زیادہ مہربان بھی ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ خود ہی پالے ہاں اگر باپ میں دائی رکھنے کی طاقت نہ ہو یا دائی ملتی نہ ہو یا بچہ ماں کے سوا کسی کا دودھ قبول نہ کرتا ہو تو ماں پر واجب ہے (احمدی وغیرہ) اولادھن ولد کی جمع ہے بمعنی مولود (بچہ) لڑکی ہو یا لڑکا اولادھن' فرما کہ یہ بتا دیا کہ عورت کے ذمہ اپنے پیٹ کے بچہ کی پرورش ہے نہ کہ سوکن کے بچہ کی یعنی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ مطلقہ بیویوں کو والدات فرما کر اور بچوں کو اولادھن کہہ کر لطیف اشارہ اسی جانب کیا گیا کہ بعد طلاق اگرچہ وہ عورتیں تمہاری بیویاں نہ رہیں اور تم ان کے خاوند نہ رہے مگر وہ اپنے بچوں کی تو بدستور مائیں ہیں اور بچے ان کے بیٹے بیٹی پھر طلاق سے ان کے حق پرورش اور دودھ پر کیسے اثر پڑے گا وہ ہی بچوں کو دودھ دیں گی اور وہ بچوں کو پالیں گی خیال رہے کہ زوجیت وہ رشتہ ہے جسے ہم بذریعہ نکاح قائم کرتے ہیں تو بذریعہ طلاق توڑ بھی دیتے ہیں مگر نسب وہ رشتہ ہے جو رب نے قائم فرمایا کسی کے توڑے ٹوٹ نہیں سکتا۔ جسے انسان جوڑ سکتا ہے اسے توڑ بھی سکتا ہے جسے جوڑ نہیں سکتا اسے توڑ بھی نہیں سکتا۔ **حولین کاملین** حول کے معنی ہیں بدلنا چونکہ سال اور برس پلٹ پلٹ کر آتے ہیں یا سال بھر میں عالم میں ایک انقلاب سا ہو جاتا ہے یا سال کے اندر چند موسم تبدیل ہوتے ہیں اس لئے اسے حول کہا جاتا ہے حولین کے بعد کاملین فرما کر یہ بتایا کہ اس سے تقریبی مدت مراد نہیں بلکہ پورے دو سال مراد ہیں یعنی مائیں بچہ اور بچی کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ **لمن اراد ان یتم الرضاعۃ** یہ جملہ پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے اور گزشتہ حکم کا بیان اور ارادے یا تو خود مائیں مراد ہیں یا بچہ کے باپ یا ماں باپ دونوں اور یتم سے شیر خوارگی کی مدت پورا کرنا مراد ہے۔ یعنی دو سال کا حکم ان ماں باپ کے لئے ہے جو کامل رضاعت چاہئیں اور ہو سکتا ہے کہ من' کا متعلق یرضعن ہو یعنی ماں بچہ کو اس باپ کے لئے دودھ پلائے۔ جو شیر خوارگی پورا کرنا چاہتا ہے گویا یہ باپ پر لازم تھا ماں اس کا کام کرتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو سال ہی دودھ پلانا لازم نہیں بلکہ جو پوری مدت پلانا چاہے اتنا پلائے اور جو اس سے پہلے ہی چھڑانا چاہے چھوڑا دے بشرطیکہ اس میں بچہ کو خطرہ نہ ہو۔ **وعلی المولود لہ رزقھن و کسوتھن بالمعروف** علی لازم کرنے کے لئے ہے اور چونکہ بچہ باپ کے لئے جنا جاتا ہے اور اسی کا ہوتا ہے۔ ماں تو اس کا برتن ہے اس لئے اسے مولود لہ کہا گیا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ماں بچے سے بالکل لا دعویٰ ہے بلکہ ماں کا حق خدمت اولاد پر باپ سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے اس آیت میں ایک جگہ تو بچہ کو ماں کی طرف مضاف کیا گیا کہ فرمایا گیا **بولدھا** اور دوسری جگہ باپ کی طرف کہ ارشاد ہوا **بولدہ** تاکہ معلوم ہو کہ

بچہ ماں کا بھی ہے اور باپ کا بھی کہ بچے کی ہڈیاں باپ کے نطفے سے ہیں اور گوشت پوست ماں کے نطفے سے رزق سے۔ غذا اور کسوت سے لباس مراد ہے اگر یہاں طلاق والی عورتیں مراد تھیں تب تو اس کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ طلاق والیوں کا کھانا کپڑا دودھ پلانے کی مدت پر باپ پر واجب ہے اور اگر عام عورتیں مراد ہیں تو یہ مطلب ہے کہ اگرچہ بچے کی ماں اس کی پرورش کی وجہ سے شوہر کی خدمت نہ کر سکے۔ تب بھی اس کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے کیونکہ بچہ کی پرورش بھی شوہر کی خدمت ہے۔ روح المعانی نے اس جگہ ایک عجیب بات کہی وہ یہ کہ یہاں مولودلہ فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ اگر بچہ باپ کے قبضہ میں نہ ہو تو اس کی ماں کا خرچہ بھی اس پر واجب نہیں۔ لہٰذا لونڈی کا شوہر زمانہ پرورش میں اپنی بیوی کو خرچ نہ دے گا۔ بلکہ اس کا مالک دے گا کیونکہ یہ بچہ اس کا غلام ہے۔ **بالمعروف** سے حسب طاقت خرچہ مراد ہے کہ نہ تو بیوی بڑھیا غذائیں اور اعلیٰ لباس مانگے اور نہ شوہر اپنی حیثیت سے کم دے یا یہ مطلب ہے کہ بچہ کی شیر خوارگی و پرورش کے زمانہ میں جس قسم کا کھانا دینے کا رواج ہے اس قسم کا کھانا دیا جاوے یعنی معروف بمعنی مشہور فی العرف و مروج شیر خوارگی کے زمانہ میں عموماً ایسے کھانے دیئے جاتے ہیں جس سے دودھ زیادہ ہو کیونکہ **لا تکلف نفس الا وسعہا** تکلف کلف سے بنا جس کے معنی ہیں چہرہ کی سیاہی۔ اصطلاح میں مشقت میں ڈالنے یا لازم کرنے کے لئے آتا ہے چونکہ اس کا اثر بھی چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اس لئے اسے تکلف کہا جاتا ہے وسع کے معنی ہیں گنجائش اور چوڑائی۔ اصطلاح میں طاقت اور قدرت کے لئے آتا ہے کیونکہ اس میں بھی اعمال کی گنجائش ہوتی ہے یعنی کسی نفس کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ خیال رہے کہ یہاں وسع یا تو لا تکلف کا دوسرا مفعول ہے اور یا اس سے پہلے بقدر پوشیدہ ہے۔ **لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ** لا تضار باب مفاعلۃ کا نہی ہے معروف بھی ہو سکتا ہے اور مجہول بھی معروف ہونے کی صورت میں بولدھا کی ب یا تعدیہ کی ہے یا استعانت کی اور مفعول پوشیدہ اور مجہول ہونے کی صورت میں ب استعانت ہی کی ہوگی یعنی نہ نقصان پہنچائے ماں اپنے بچہ کو کہ اس کی پرورش میں کوتاہی کرے یا نہ نقصان پہنچائی جائے ماں اپنے بچہ کی وجہ سے کہ وہ اسے پالنا نہ چاہے اور باپ میں دائی رکھنے کی گنجائش بھی ہو مگر نہ رکھے ماں کو ہی مجبور کرے ایسے ہی نہ باپ نقصان پہنچائے اپنے بچے کو کہ اس کی پرورش میں کوتاہی کرے یا باپ نہ نقصان پہنچائے ماں کو اپنے بچہ کی وجہ سے یا باپ اپنے بچہ کے ذریعہ نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ سارے احکام جب ہیں کہ باپ زندہ ہو لیکن اگر نہ ہو تو **وعلی الوارث مثل ذلک** یہ علی بھی الزام کے لئے ہے اور الوارث میں الف لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے اور اس سے بچہ کا وارث مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ باپ کا وارث مراد وارث سے ذی رحم محرم مراد ہیں یعنی وہ قرابت دار جن سے نکاح ہمیشہ حرام ہے ذلک میں سارے گزشتہ احکام کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر باپ زندہ نہ ہو بچہ یتیم ہو تو اس کے ذی رحم قرابت داروں پر اس کا خرچہ واجب ہے نیز اگر بچے کی ماں نہ ہو تو اس کی نانی' خالہ وغیرہ اس کی پرورش کریں اور پرورش کا بھی خاوند پر بعد عدت سارا خرچہ دوسرے خاوند پر اگر لڑکی کسی وجہ سے دوسری شادی نہ کر سکے تو پھر خرچہ باپ بھائی وغیرہ پر ورنہ مسلم قوم یا حکومت وقت پر کہ وہ یتیموں بیوگان کی پرورش کے انتظام کریں۔ کیونکہ عورتوں کے ذمہ اندرونی زندگی سنبھالنا ہے۔ مردوں کے ذمہ بیرونی زندگی کا انتظام اگر عورتوں پر بھی مردوں کی طرح کمانا لازم کر دیا جائے تو بچہ کون جنے اور کون پالے کون سنبھالے۔ گاڑی کے دونوں پہیے ایک ہی طرف نہ لگاؤ دو طرفہ لگاؤ لڑکیوں کا ہنر سینا پرونا' گھر سنبھالنا' مردوں کا ہنر کمائی کرنا رکھا گیا جیسا ذمہ میں کام ویسا ہی انتظام۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ماں کے ذمے اپنے حقیقی بچے کی پرورش ہے نہ کہ سوتیلے کی۔ کیونکہ یہاں اولادھن فرمایا گیا نہ کہ لولاد الازواج۔

مسئلہ : ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے جب کہ باپ میں دائی سے دودھ پلوانے کی قدرت نہ ہو یا دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دودھ قبول نہ کرتا ہو۔ اور جب بچے کی پرورش ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ (خزائن و احمدی)۔ مسئلہ: بحالت نکاح اور بحالت عدت ماں کو شوہر سے دودھ پلانے کی اجرت لینا جائز نہیں۔ ہاں بعد عدت جائز ہے۔ مسئلہ: ماں کے مقابلہ میں دوسری عورت کو بچے کی پرورش کا حق نہیں یعنی باپ ماں سے بچے کو نہیں چھین سکتا۔ ہاں اگر طلاق والی بیوی زیادہ اجرت مانگتی ہے یا کسی اجنبی سے اس نے نکاح کر لیا تو اب اس کا حق پرورش جاتا رہا۔ مسئلہ: اگر ماں بچہ کے ذی رحم سے نکاح کر لے تو اس کا حق پرورش باقی ہے

دوسرا فائدہ: دودھ کی مدت امام صاحب کے ہاں ڈھائی سال اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں مگر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ دو سال پر دودھ چھوڑا دیا جائے مگر جو بچہ ڈھائی سال کے عمر میں کسی عورت کا دودھ پی لے وہ اس کا رضاعی بیٹا ہوگا۔ تیسرا فائدہ: یہ آیت بظاہر صا   اکے قول کی تائید کرتی ہے کہ اس میں مدت رضاعت دو سال فرمائی گئی اور ساتھ ہی اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ اس کی پوری مدت ہے نیز دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا** یعنی بچہ کا حمل اور شیر خوارگی تیس مہینے یعنی ڈھائی سال ہیں جس میں چھ ماہ حمل کی ادنیٰ مدت ہے اور دو سال شیر خوارگی کی نیز عورت کا دودھ بدن انسانی کا جز ہے جس کا استعمال بلا ضرورت ناجائز اور چونکہ دو سال کے بعد بچہ کو اس کی ضرورت نہیں رہتی لہٰذا اس کا استعمال ناجائز ہونا چاہئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت دودھ پلانے کی اجرت کے حق کے لئے ہے یعنی طلاق والی بیوی کو دو سال تک شوہر سے دودھ کی اجرت لینے کا حق ہے۔ اس کے بعد باپ پر جبر نہ ہوگا نیز اسی آیت کے اگلے جملہ میں ارشاد ہوتا ہے **فان ارادا فصالا** کہ اگر ماں باپ دو سال کے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں۔ اگر دو سال ہی دودھ کی مدت ہوتی تو ان ارادا کے کیا معنی دودھ چھڑانا واجب ہونا چاہئے نیز رب فرماتا ہے۔ **حملہ وفصالہ ثلثون شھرا** بچہ کا حمل اور اس کی شیر خوارگی کی مدت ڈھائی سال ہے یہاں تقسیم مراد نہیں بلکہ حمل اور شیر خوارگی ہر ایک کی یہ مدت ہے کہ حمل کی انتہائی مدت ڈھائی سال اور شیر خوارگی کی بھی اتنی مگر چونکہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ حمل کی انتہائی مدت دو سال ہے اور آیت دلالت میں قطعی نہیں۔ لہٰذا حمل کی انتہائی مدت دو سال رہی اور دودھ کی ڈھائی سال۔ چوتھا فائدہ: اگر خاوند اپنی بیوی کو خرچہ نہ دے تو وہ حکومت یا پنچائت یا برادری کے زور سے حاصل کرے یا اگر موقعہ لگے تو اس کی جیب سے نکال لے جیسا کہ حضور نے بی بی ہندہ کو ابو سفیان کی جیب سے اپنا خرچ نکال لینے کی اجازت دی۔ (حدیث) اگر خاوند غائب ہو جائے تو اس کی اشیاء فروخت کر کے خرچ کرے۔ (کتب فقہ) یہ علی المولودلہ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: بچہ باپ کا ہے کہ اس سے نسب ہے نہ کہ ماں سے کیونکہ یہاں باپ کا مولودلہ فرمایا گیا لہٰذا جس کا باپ سید اور ماں غیر سید ہو وہ بچہ سید ہے۔ اور جس کی ماں سیدانی اور باپ غیر سید ہو تو بچہ سید نہیں کہ اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ چھٹا فائدہ: باپ اپنی اولاد کے مال کا مالک ہے کہ اسے خرچ کرنا جائز۔ کیونکہ یہاں باپ کو مولودلہ فرمایا گیا جب وہ بچہ کا مالک ہوا تو اس کے مال کا بدرجہ اولیٰ (احمدی) لہٰذا اگر کوئی اپنے بیٹے کی لونڈی سے صحبت کر لے اس کا مال خرچ کر لے تو اس پر کوئی تاوان نہیں نیز قاتل باپ پر قصاص نہیں۔ ساتواں فائدہ: اولاد کا خرچہ صرف باپ کے ذمہ ہے نہ کہ

ماں پر نہ کسی اور پر جیسا کہ علی المولود لہ سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: حاجت مند باپ کا خرچ صرف اولاد پر ہے نہ کہ کسی اور پر مگر ان پر بقدر میراث ہو گا مثلاً ایک غریب آدمی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی مالدار ہیں تو اس کا تہائی خرچہ صرف بیٹی کے ذمہ ہے اور دو تہائی بیٹے کے ذمے۔ کیونکہ ان کی میراث بھی ایسے ہی ہے۔ نواں فائدہ: صرف کھانے کپڑے کے عوض دائی رکھنا جائز ہے۔ اگرچہ یہ خبر نہ ہو کہ وہ کتنا کھائے پہنے گی۔ دسواں فائدہ: چھوٹے بچوں کا خرچہ بہر حال باپ پر ہے خواہ ان کے پاس اپنا مال ہو یا نہ ہو کیونکہ یہاں دائی کا معاوضہ بہر صورت باپ پر لازم کیا گیا۔ گیارہواں فائدہ: ماں باپ اور اولاد کے سوا بوقت ضرورت دوسروں کا خرچہ بھی دینا واجب ہے۔ بیمار بھائی بہن بے دست و پا چچا ماموں کا خرچہ دینا ضروری کیونکہ یہاں فرمایا گیا وعلی الوارث مثل ذلک۔ نیز ارشاد ہوا وات ذا القربی حقہ۔

مسئلہ: جوان بے دست و پا بیٹا اور حاجتمند جوان بیٹی کا خرچ بھی باپ پر لازم ہے کیونکہ وہ مولود لہ ہے۔ بارہواں فائدہ: اگر بچے کی ماں مر جائے تو اس کی نانی یا پھر خالہ پھر دادی وغیرہ پرورش کریں اور اگر باپ فوت ہو جائے تو پرورش کا خرچ دادا پھر بھائی پھر چچا وغیرہ برداشت کریں جیسا کہ و علی الوارث مثل ذلک سے معلوم ہوا ان وارثوں کی ذمہ داریاں وہی ہوں گی جو اصل ماں باپ کی ذمہ داریاں تھیں قرآن کریم کی اس ایک مختصر سی آیت نے کہ وعلی الوارث مثل ذلک ہزارہا احکام بتا دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو بچپن میں وفات دے کر اس آیت کریمہ کی پہلے ہی تفسیر کرا دی تھی۔ تیرہواں فائدہ: نہ تو ماں بچہ کا بہانہ بنا کر باپ کو ستائے کہ دوسری جگہ نکاح کرے اور خرچہ اس خاوند سے وصول کرے یا کسی سیر و تفریح کو چلی جائے اور بچے کے بہانہ سے خرچ باپ سے لے اور نہ باپ بچے کے بہانہ سے عورت کو پریشان کرے کہ پرورش کے بہانہ سے اسے اور جگہ نکاح نہ کرنے دے یوں ہی ماں باپ نہ تو بچہ کو بھوکا رکھیں نہ بعض بچوں کو زیادہ پیار کریں بعض کو کم بعض کو چیز زیادہ دیں بعض کو کم یہ سب لا تضار میں داخل ہیں اس کا بہت خیال چاہیے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بچہ باپ کا ہے اور اسی سے نسب ہے تو چاہیے کہ سید حضور کی اولاد نہ ہوں۔ کیونکہ ان کا رشتہ حضور سے بذریعہ ماں ہے بلکہ وہ علوی کہلائے جائیں جیسے محمد ابن حنفیہ اور ان کی اولاد کہ یہ علی مرتضیٰ کی اولاد ہیں مگر سید نہیں۔ (بعض خارجی)۔ جواب: یہ نسب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ بیٹی سے ہی چلا۔ اس کی صریح حدیث بھی آتی ہے قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نوح علیہ السلام کی ذریت فرمایا (سورہ انعام آیت 75) حالانکہ ان کا رشتہ نوح علیہ السلام سے بذریعہ والدہ ہی ہے۔ دوسرا اعتراض: تو چاہیے کہ اب بھی جس کی ماں سیدانی ہو سید مانا جائے۔ جواب: یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب بذریعہ بیٹی چلا۔ فاطمہ زہرا کا نسب بذریعہ بیٹی نہیں چلے گا۔ لہٰذا ان کے بیٹوں کی اولاد کا نسب تو ان سے ہو گا نہ کہ بیٹیوں کا دیکھو حضرت زید ابن عمر جو عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا کے شکم سے ہیں سید نہیں۔ تیسرا اعتراض: اجارہ میں اجرت کا مقرر ہونا ضروری ہے اور کھانا کپڑا مقرر نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک کی خوراک مختلف ہے تو چاہیے کہ اس پر اجارہ بھی ناجائز ہو۔ جواب: یہ قیاس قرآن کے خلاف ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں نیز ضرورۃ" خلاف قیاس بھی احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ حمام کی اجرت جائز ہے حالانکہ پانی مقرر نہیں ہوتا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت میں بچہ کو ماں کی طرف بھی نسبت دی گئی کہ فرمایا گیا بولدھا تو اگر بیٹا

باپ ہی کا ہوتا ہے۔ تو یہ نسبت کیسی۔ جواب: بچہ ماں کا جز تو ہے اسی لئے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ یہاں ماں سے نسب نہیں چونکہ ابھی آیت مکمل نہیں ہوئی۔ لہٰذا تفسیر صوفیانہ آئندہ بیان ہوگی۔ پانچواں اعتراض: یہاں تو رب نے فرمایا کہ عورتوں کا رزق خاوندوں پر ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** ہر جاندار کا رزق اللہ پر ہے اور دونوں آیتیں متعارض ہیں اور اگر خاوندوں پر عورتوں کا رزق ہو تو وہ عورتوں کے رزاق ہوئے۔ جواب: وہاں حقیقت کا ذکر ہے یہاں سبب و مجاز کا یعنی حقیقی روزی رساں رب تعالیٰ ہی ہے مگر سبب کے لحاظ سے مجازاً بیوی کے لئے خاوند اولاد کے لئے باپ ہے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ
پس اگر چاہیں دونوں دودھ چھڑانا رضامندی سے انکی اور مشورہ سے پس نہیں ہے گناہ اوپر ان کے
پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضا اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر گناہ نہیں اور اگر
عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اور اگر چاہو تم یہ کہ دودھ پلواؤ اولاد اپنی کو پس نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے جب کہ
تم چاہو کہ دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو بھی تم پر مضائقہ نہیں جب کہ جو دینا ٹھہرا تھا
إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ
سونپ دو تم وہ جو دو تم ساتھ بھلائی کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو کہ تحقیق اللہ ساتھ اس کے
بھلائی کے ساتھ انہیں ادا کر دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ
اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾
جو کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے
اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے

تعلق: اس جملہ کا پچھلے جملوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلے جملہ میں بچوں کے دودھ پلانے کا ذکر تھا اب ان کے دودھ چھڑانے کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں خود ماں کے دودھ پلانے اور پرورش کرنے کا ذکر تھا اب دائی سے دودھ پلوانے کے احکام ارشاد ہوئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ دودھ کے لئے دو سال ہی پورے کرنا لازم نہیں بلکہ ماں باپ کو اس میں کچھ اختیارات بھی ہیں۔ اب انہی اختیارات کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر: **فان ارادا فصالا** ارادا کا فاعل ماں باپ دونوں ہیں چونکہ بچہ سے باپ کی نسبت ہے اور ماں کو شفقت۔ اس لئے دودھ چھڑانا دونوں ہی کی رائے پر موقوف رکھا گیا۔ نیز کبھی باپ اجرت سے بچنے کے لئے دودھ جلد چھڑانا چاہتا ہے اور کبھی طلاق

والی ماں دوسرا نکاح کرنے کے لئے اس میں جلدی کرتی ہے۔ لہٰذا یہ کام دونوں کی رائے پر موقوف رکھا گیا تاکہ بچہ کا نقصان نہ ہو
فصال ' فصل سے بنا بمعنی جدائی اسی لئے شہر پناہ کو فصیل اور اونٹ کے بچہ کو فصال کہتے ہیں کہ وہ بھی اپنی ماں سے جدا کر دیا جاتا
ہے نیز مسافر کے شہر سے نکل جانے کو بھی فصل کہا جاتا ہے۔ **فلما فصل طالوت** اور راستہ کی مسافت کو فاصلہ کہہ دیا کرتے ہیں
یہاں اس سے دودھ چھڑانا مراد ہے کہ دودھ چھوٹ کر بچہ ماں سے الگ ہو جاتا ہے فطام بھی اسی معنی میں ہے اس سے فاطمہ بنا
یعنی تارک الدنیا بیوی چنانچہ شیر خوارگی کی مدت پہلے جملہ میں بیان ہو چکی کہ فرمایا گیا حولین کاملین لہٰذا اس فصال سے کچھ اور
مقصود ہونا چاہئے سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے دو سال سے پیشتر یا دو سال پر یا اس کے بعد بھی دودھ چھڑانا مراد
ہے اور یہ امام صاحب کی قوی دلیل (کبیر) اگر دودھ کی مدت دو سال ہوتی تو دو سال گزرنے پر دودھ چھڑانا واجب ہو جاتا کسی
مشورہ وغیرہ کی ضرورت نہ ہوتی اور یہاں مشورہ و رضامندی کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ دو سال سے دودھ چھڑانا واجب نہیں بلکہ
والدین کی رضا و مشورہ پر موقوف ہے چاہیں چھوڑائیں یا نہ چھوڑائیں ڈھائی سال پورے کرلیں یعنی اگر ماں باپ دو سال سے
پہلے ہی یا دو سال پر یا اس کے بعد اپنے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں مگر جبراً نہیں **عن تراض منهما و تشاور** تراض رضا سے بنا
باب تفاعل میں آکر آپس کی رضامندی کے معنی میں ہوا ایسے ہی تشاور مشورہ سے بنا جیسے معونتہ سے تعاون ' بمعنی نکالنا۔ اس
لئے گھر کے سامان کو شوار کہتے ہیں کہ وہ بھی نکالا جاتا ہے۔ اصطلاح میں چند رائیں جمع کرنے کو مشورہ یا تشاور کہا جاتا ہے یعنی ماں
باپ آپس کی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو چھڑا سکتے ہیں۔ **و ان اردتم ان تسترضعوا اولادكم** ظاہر
یہ ہے کہ اس میں صرف باپ سے خطاب ہے کیونکہ دائی سے دودھ پلوانے کا تعلق باپ ہی سے ہے اور اسی کے ذمے دائی کی
اجرت غرضیکہ ماں کا دودھ چھڑانے میں چونکہ باپ پر کوئی بوجھ نہیں بلکہ اس کا تعلق صرف بچے سے ہے اس لئے وہاں **فان اراد**
فرما کر ماں باپ دونوں کے مشورہ پر موقوف رکھا گیا اور دائی سے پرورش کرانے میں باپ پر دائی کے خرچ کا بوجھ ہے ماں پر کوئی
بوجھ نہیں بلکہ اسے تو راحت ہے کہ وہ بچے پرورش کی محنت سے بچ جاوے گی اس لئے یہاں اردتم فرما کر صرف باپ سے خطاب
ہوا کہ دائی رکھنے میں باپ مستقل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں اردتم میں بھی ماں باپ دونوں سے ہی خطاب ہو۔ جیسے
اقيموا الصلوة وغیرہ میں مردوں عورتوں دونوں سے خطاب ہے مرد اشرف ہے اس لئے مذکر صیغہ استعمال ہوا۔ بعض علماء نے
فرمایا کہ تسترضعوا کا پہلا مفعول پوشیدہ ہے یعنی دائیاں اور اولادکم دوسرا مفعول اور بعض نے کہا کہ اولاد سے پہلے لام پوشیدہ ہے
اور استرضاع کے معنی ہیں دائی تلاش کرنا یعنی اے والدو! اگر تم دائیوں سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو یا اس کے لئے کوئی دائی
تلاش کرو تو **فلا جناح عليكم** تم پر کوئی گناہ نہیں۔ **اذا سلمتم ما اتيتم بالمعروف** ' سلمتم تسلیم سے بنا۔ اسلام کی
طرح اس کا مادہ بھی سلم ہے بمعنی آفات سے محفوظ رہنا پوری فرمانبرداری۔ راضی برضا رہنے کو بھی تسلیم کہہ دیتے ہیں جیسے
ويسلموا تسليما ' سلام کرنے کو بھی تسلیم کہا جاتا ہے **فسلموا على انفسكم** یہاں پورا پورا سونپنا اور سپرد کر دینا مراد ہے ما
اتیتم سے دینے کا ارادہ کرنا یا اجرت طے کرنا مراد ہے یعنی جب کہ تم دائیوں کو ان کی طے شدہ اجرت دے دو جیسے **فاذا قرات
القران فاستعذ بالله** کہ یہاں قرآن پڑھنے سے پڑھنے کا ارادہ مراد ہے۔ خیال رہے کہ یہ جواز کی شرط نہیں بلکہ بیان
استحباب ہے کہ بہتر یہ ہی کہ دائی کی اجرت دینے میں جلدی کی جائے تاکہ وہ بچہ کی پرورش میں دل لگا کر محنت کرے۔
بالمعروف یہ سلمتم کے متعلق ہے اور اس سے خوش معاملگی اور بھلائی مراد ہے یعنی تم ان کی اجرت بھلائی سے بغیر ڈھیل کے

دے دو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ معروف سے رزق حلال مراد ہے یعنی دائی کو حلال کمائی کھلاؤ تاکہ اس کا دودھ بچہ کو نفع دے کیونکہ ماں کی غذا کا بچہ کی صحت اور اخلاق پر اثر پڑتا ہے۔ (روح البیان) **واتقوا اللہ** ان تمام احکام میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ اپنی بیوی اور بچوں اور دائی کے حقوق نہ مارو **واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر** یہ بھی دھیان رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس سے انتہائی خوف دلانا منظور ہے کیونکہ جب غلام کو اپنے مولیٰ کی نگرانی کا خیال ہو تو وہ نافرمانی کی ہمت نہیں کرتا۔

خلاصہ تفسیر : شیر خوارگی کی مدت تو دو سال ہی ہیں پھر اگر ماں باپ اپنے آپس کی رضامندی اور مشورہ سے اس سے کچھ آگے پیچھے بھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان کے مشورہ سے معلوم ہوگا کہ اب بچہ ماں کے دودھ سے بے نیاز ہو چکا اور اے والدو! اگر تم چاہو کہ اپنی اولاد کو بجائے ان کی ماں کے دائیوں سے دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کی طے شدہ اجرت خوش معاملگی سے ادا کر دو کہ تنخواہ دینے میں حیل و حجت اور ٹال مٹول نہ کرو۔ اور ان سارے احکام میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ خوب جان رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ خیال رہے کہ باپ کی عقل محبت عقل پر ہے اور ماں کی محبت عقل پر غالب ہے اس لئے شریعت نے پرورش و شیر خوارگی میں ماں باپ دونوں کی رائے معتبر مانی تاکہ ماں کی محبت باپ کی عقل مگر بچہ کے لئے مفید تجویزیں سوچ سکیں مگر تعلیم و تربیت اور نکاح میں صرف باپ کو اختیار دیا گیا۔ باپ کے ہوتے ماں کو اس سے تعلق نہیں کیونکہ ان دونوں کاموں میں عقل کی زیادہ ضرورت ہے ماں بچہ کا آرام ہی چاہتی ہے انجام نہیں دیکھتی مگر باپ آرام و انجام دونوں پر نظر رکھتا ہے۔ اس لئے باپ ہی شادی بیاہ تربیت و تعلیم کا کفیل ہے۔ شریعت کے قوانین میں بہت حکمتیں ہوتی ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: صاحبین کے قول پر ماں باپ کی رضامندی سے دو سال سے پہلے دودھ چھڑایا جا سکتا ہے مگر دو سال پورے ہونے پر دودھ چھڑانا اب کسی کے مشورہ کی حاجت نہیں امام صاحب کے نزدیک اس سے پہلے بھی اور اس وقت بھی بلکہ اس کے بعد دودھ چھڑانا مشورہ سے ہو گا ہاں ڈھائی سال پورے ہونے پر واجب۔ **دوسرا فائدہ**: ماں کی بغیر رضا کے بچہ کی پرورش کسی سے نہیں کرائی جا سکتی کیونکہ یہ ماں کا بھی حق ہے۔ ہاں جب ماں کے دودھ نہ ہو یا ہو مگر نقصان دے یا ماں اس سے عاجز ہے یا وہ خود نہ چاہے تو دائی کو دیا جائے (احمدی)۔ ان تسترضعوا سے یہ ہی مراد ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **والوالدت یرضعن اولادھن**۔ **تیسرا فائدہ**: کام میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ کر لینا چاہئے دیکھو بیوی شوہر سے درجہ میں چھوٹی ہے مگر اس سے مشورہ کا حکم دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ**: بچہ کے لئے بہترین دائی اور دائی کے لئے بہترین غذا تجویز کی جائے کیونکہ ماں کے اخلاق اور دودھ کا اثر بچہ میں ضرور ہوتا ہے۔ دیوانی اور خبیث دائی کا دودھ بچہ کو بھی ایسا ہی کر دیتا ہے۔

حکایت : شیخ ابن محمد جوینی اپنے گھر میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے بچہ امام ابو المعالی کو کوئی دوسری عورت دودھ پلا رہی ہے۔ آپ نے اس سے بچہ چھین لیا اور بچے کے منہ میں انگلی ڈال کر تمام دودھ قے کرا دیا اور فرمانے لگے اچھے دودھ سے شرافت پیدا ہوتی ہے اور جان کنی میں آسانی جب امام ابو المعالی جوان ہوئے تو کبھی مناظرہ میں دل تنگ ہو جاتے تھے اور فرماتے

تھے کہ شائد اس دودھ کا کچھ اثر میرے پیٹ میں رہ گیا ہو جس کا یہ نتیجہ ہے۔ (روح البیان)

ہدایت : بہتر یہ ہے کہ بچہ کی تحنیک کرادی جائے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بزرگ خرمہ چبا کر اپنی زبان سے بچے کے تالو میں لگادے تاکہ سب سے پہلے بچے کے پیٹ میں اللہ والے کا لعاب پہنچے۔ نیز غسل دیتے ہی اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہہ دی جائے یہ سارے کام سنت ہیں تاکہ بچے کی ابتداء اچھی ہو۔ نام بھی اچھے رکھے جائیں کہ غذا کی طرح نام کا بھی اثر ہوتا ہے۔ پانچواں فائدہ: معاملات میں خوش اسلوبی نہایت ضروری ہے ساری چیزیں پہلے طے ہو جائیں اور وقت پر ادا کردی جائیں۔ جیسا کہ بالمعروف سے معلوم ہوا۔ ہدایت: عورتوں کو چاہئے کہ بلا ضرورت ہر بچہ کو دودھ نہ پلا دیا کریں۔ ضرورۃً پلائیں اور پھر سب میں ظاہر بھی کردیں کہ دودھ پر بہت احکام شرعی جاری ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ باپ بغیر ماں کی مرضی کے بھی اپنی اولاد کو دائی کے حوالے کرسکتا ہے کیونکہ اس حکم میں عورت کے مشورہ کی قید نہیں لگائی گئی۔ جیسے کہ دودھ چھڑانے میں تھی۔ جواب: نہیں پرورش ماں کا حق ہے جیسا کہ پچھلی آیت سے معلوم ہو چکا چونکہ دودھ پلوانے کا سارا بوجھ باپ پر پڑتا ہے اور کبھی ماں کی بغیر رضامندی بھی بچہ دائی کے حوالہ کیا جاسکتا ہے مثلاً ماں کا دودھ بچہ کو مضر ہو اور پھر بھی ماں اپنا ہی دودھ پلانے پر ضد کرے۔ تو باپ جبراً دائی رکھ سکتا ہے۔ اس لئے یہاں فقط باپ کا ذکر ہوا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دائی رکھنا جب ہی جائز ہے جب کہ اس کا حق پورا دے دیا جائے کیونکہ یہاں اس کی قید لگائی گئی۔ جواب: اذا سلمتم لاجناح کی قید ہے نہ کہ تسترضعوا کی۔ یعنی دائی کا حق مارنا سخت گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : طریقت میں قدم رکھنے والا مرید گویا نو مولود بچہ ہے دنیا اس کی ماں شیخ کامل گویا والد جیسے کہ بچہ کو اولاً دودھ پلانا ضروری ہے اور کچھ دن بعد چھڑانا لازم۔ جب ایسے ہی شیخ کامل کو چاہئے کہ پہلے ہی مرید کو بالکل تارک دنیا نہ بنادے بلکہ نئے بچہ کی طرح دنیوی نفع حاصل کرنے دے اور پھر آہستگی سے اس کو دنیا سے ایسے نکال لے کہ اسے محسوس بھی نہ ہو۔ اور جیسے کہ بعض قوی بچے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھوڑ سکتے ہیں اور کمزور بچے دو سال تک دودھ پیتے ہیں۔ ایسے ہی بعض مریدین بہت جلد دنیا سے بے رغبت ہو جاتے ہیں اور بعض کچھ دیر سے لہٰذا یہ معاملہ شیخ کی رائے پر ہے اور جیسے کہ دودھ چھڑاتے ہی قوی غذائیں نہیں دیتے۔ اولاً نرم پھر آہستہ آہستہ قوی ایسے ہی شیخ کو لازم ہے کہ طالب پر ریاضات کا ایکدم بوجھ نہ ڈالے بلکہ آہستگی سے ترقی دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے گویا والد ہیں اور سارا جہان گویا حضور کی اولاد کیونکہ باپ سے اولاد ہے ایسے ہی حضور سے سارا جہان ہے وکل الخلق من نوری۔ اور اولاد باپ کے لئے ہوتی ہے اسی لئے یہاں مولودلہ فرمایا گیا سارا جہان حضور کے لئے بنا لولاک لما خلقت الافلاک اور علماء و اولیاء جن کے سینوں میں شریعت و طریقت کا دودھ ہے وہ امت رسول اللہ کی دینی پرورش کرنے والی گویا مائیں دائیاں ہیں اور دائی کا رزق ولباس باپ کے ذمہ ہوتا ہے ایسے ہی ان علماء و اولیاء کی روزیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہیں کہ وہاں سے ان کی پرورش ہوتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ماں باپ کا رزق کھا کر بچہ کو دودھ دیتی ہے۔ بچہ کی یہ پرورش باپ ہی سے ہے مگر ماں کے ذریعہ یوں ہی علماء و صوفیاء حضور ہی سے فیض لے کر اپنے ذریعہ امت کو دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث گویا روحانی رزق ہے جو حضور کی سرکار سے علماء میں تقسیم ہو رہا ہے

فقہ گویا ماں کا دودھ ہے جو ہم عوام کے لئے پرورش کا باعث ہے اگر بچہ بغیر ماں کے ذریعہ بلاواسطہ باپ کی دی ہوئی غذا کھائے گا تو بیمار ہو جاوے گا۔ اگر ہم عوام بلاواسطہ علماء و مشائخ خود قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کریں گے ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ و علی المولود لہ رزقھن و کسوتھن کی تفسیر صوفیانہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اور وہ جو وفات دیئے جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں روکیں وہ بیویاں چار مہینے اور
اور تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ چار مہینے اور دس دن اپنے
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
دس دن پس جب کہ پہنچ جائیں میعاد کو اپنی پس نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے بیچ
آپ کو روکے رہیں تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو
فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾
اس کے کریں بیچ جانوں اپنی کے ساتھ بھلائی کے اور اللہ ساتھ اس کے جو کرتے ہو تم خبردار ہے ۞
عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں طلاق کے احکام اور اس کی عدت کا ذکر تھا۔ اب ان عورتوں کی عدت کا ذکر ہے۔ جن کے شوہر مرجاتے ہیں کیونکہ طلاق کی طرح شوہر کی موت سے بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے اور عدت واجب ہوتی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں جملہ معترضہ کے طریقہ پر عدت طلاق کے بعد دودھ پلانے کا ذکر تھا اب عدت کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ اس میں بھی عورت کو بچہ کا دودھ پلانا واجب ہے مگر شوہر پر معاوضہ نہیں۔

تفسیر : **والذین یتوفون منکم**' **الذین** مبتداء ہے اور **یتربصن** خبر یا تو اس سے پہلے ازواج پوشیدہ ہے۔ یا **یتربصن** سے پہلے **ازواجھم** **یتوفون** توفی سے بنا بمعنی پورا لے لینا۔ اس کا مادہ وفی یا وفا ہے۔ وعدہ پورا کرنے کو وفاء عہد اور حق لینے کو استیفاء حق کہتے ہیں اور موت و نیند پر بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ انسان اپنی عمر پوری کرکے اور پورا رزق کھا کر ہی مرتا ہے اور نیند میں بھی ایک روح نکل جاتی ہے۔ اس مناسبت سے اسے بھی وفات کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں بمعنی موت ہے۔ **منکم** میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کے یہ احکام نہیں نیز یہ احکام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں حضور کی وفات شریف کے بعد ان کی ازواج پاک کسی سے بھی نکاح نہیں کر سکتیں کیوں کریں کہ حضور حیات النبی ہیں۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا** نہ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں وہ بیویاں احترام میں ماؤں سے بڑھ کر ہیں مگر احکام میں مائیں نہیں اسی لئے ان سے پردہ فرض ان کی اولاد سے امت کا نکاح درست ان کی میراث امت کو نہیں ملتی۔ یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جو بھی وفات دیئے جائیں یعنی مرجائیں **و یذرون ازواجا**' **یذرون** نیز **یدرون** 'وذر' سے بنا بمعنی چھوڑنا مگر

رفض کی طرح اس کا بھی ماضی و مصدر و اسم فاعل وغیرہ نہیں آتا صرف مضارع اور امر مستعمل ہے ازواج زوج کی جمع ہے بمعنی جوڑا بیوی کو بھی زوج کہتے ہیں اور شوہر کو بھی اگرچہ ازواج مذکر کی جمع ہے مگر یہاں بیبیاں مراد ہیں کیونکہ انہیں کے احکام آ رہے ہیں اور پہلے شوہروں کا ہی ذکر ہوا **یتربصن بانفسھن** ان دو لفظوں کی تحقیق ہم پچھلی آیت میں کر چکے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ اس جگہ اس سے اپنے آپ کو دوسرے نکاح کی تیاری کرنے یا نکاح و زینت اور سنگار سے روکنا مراد ہے کہ یہ عدت موت میں زوجہ پر واجب ہے مگر طلاق بائنہ میں تو واجب اور طلاق رجعی میں بناؤ سنگار کرنا مستحب تاکہ شوہر راغب ہو کر رجوع کر لے خیال رہے کہ یہاں ازواج سے آزاد اور غیر حاملہ بیویاں مراد ہیں **اربعۃ اشھر و عشرا** یہ **یتربصن** کا ظرف ہے عشر کی تمیز یعنی ایام پوشیدہ ہے اگرچہ شہر کی طرح یوم بھی مذکر ہے مگر پھر بھی اربعۃ کو ت سے لانا اور عشر کو بغیر ت لانے میں کچھ راز ہے جو ہم سوال و جواب میں عرض کریں گے یعنی ان کی بیویاں چار مہینے دس دن اپنے کو دوسرے نکاح اور تیاری نکاح اور زینت اور بلا ضرورت باہر جانے سے روکیں **فاذا بلغن اجلھن** اجل سے انتہائی عدت اور بلوغ سے اس تک پہنچنا مراد ہے یعنی پس جب کہ عورتیں اپنی انتہائی عدت کو پہنچ جائیں کہ عدت پوری ہو جائے **فلا جناح علیکم** یا تو عورتوں کے وارثوں سے خطاب ہے یا حکام سے اور یا سارے مسلمانوں سے کیونکہ عدت والی کو ان باتوں سے روکنا سب پر ہی ضروری ہے **فیما فعلن فی انفسھن** فیما ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہے اور فی انفسھن فعلن سے اور ما سے ساری وہ چیزیں مراد ہیں جو عدت میں عورتوں پر حرام ہو گئیں تھیں یعنی عدت پوری ہو چکنے پر عورتیں بناؤ سنگار یا دوسرا نکاح گھر سے نکلنا وغیرہ جو کچھ بھی کریں اس میں اے حاکمو! تم پر کوئی گناہ نہیں مگر **بالمعروف** یہ فعلن کے فاعل کا حال ہے اور اس سے جائز کام مراد ہیں یعنی جو جائز چیزیں عدت کی وجہ سے ان پر حرام ہو گئیں تھیں وہ سب کر سکتی ہیں۔ ناجائز کام جو عدت سے پہلے بھی حرام تھے وہ اب بھی حرام ہیں جیسے کوشیوں کر غیروں میں جانا وغیرہ **واللہ بما تعملون خبیر** یہ سارے عورتوں مردوں سے خطاب ہے اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی یعنی اے عورتو اور مردو اللہ تمہارے ہر نیک و بد عمل سے خبردار ہے لہٰذا اس کے احکام کی پابندی کرو اور مخالفت سے بچو تاکہ عذاب سے نجات پا کر ثواب دارین پاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیبیاں چھوڑ جائیں۔ تو ان کی بیویاں چار ماہ دس دن تک اپنے کو بناؤ سنگار اور نکاح و تیاری نکاح وغیرہ سے روکیں اور جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے مسلمانو! اب ان پر یہ پابندیاں نہیں۔ انہیں اپنے نفس کے معاملہ پر ہر جائز کام کرنے دو تم پر کوئی گناہ نہیں اور اے مسلمانو! خوب یاد رکھو کہ اللہ تمہارے سارے کاموں سے خبردار ہے۔ خیال رہے کہ پہلے موت کی عدت ایک سال تھی جس کا ذکر کچھ آگے آ رہا ہے۔ پھر اس آیت سے چار ماہ دس دن رہ گئی اور اس کے بعد حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل اور غیر حاملہ کی چار ماہ دس دن رہ گئی لہٰذا یہ آیت ناسخ بھی ہے اور وصفاً منسوخ بھی اسے نسخ وصفی کہتے ہیں۔ مسلمانو اس آیت کریمہ نے بتایا کہ اگر وفات والی عورتیں عدت کے اندر نکاح کریں یا نکاح کی تیاری کریں یا خاوند کے گھر سے نکل کر آزاد پھریں یا عدت میں سوگ نہ کریں تو خاوند کے وارث، محلہ والے مسلمان اور اسلامی حکام بھی سخت گناہگار ہوں گے جنہیں یہ خبر لگ جاوے اور روکنے پر قادر بھی ہوں مگر عورت کو نہ روکیں کیونکہ آیت میں علیکم مردوں سے خطاب ہے یعنی عدت گزارنے کے بعد اگر عورتیں نکاح وغیرہ کریں تو اے وارثو! اے محلے کے چودھریو! اے حاکمو! تم گنہگار نہیں لہٰذا اگر عدت کے اندر ایسی حرکتیں کریں تو تم سب گنہگار ہو ان کو

زبان یا ہاتھ سے روکو جس طرح روکنے پر قادر ہو روکو بادشاہ اسلام پر لازم ہے کہ جیسے اپنے ملکی قوانین پر جبراً رعایا سے عمل کراتا ہے کہ اگر تانگے والا بائیں ہاتھ نہ چلے تو چالان کر دیا جاتا ہے ایسے ہی رعایا سے اسلامی قوانین پر بھی عمل کرائے رب توفیق دے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عدت کے احکام صرف مسلمانوں کے لئے ہیں کفار پر جاری نہیں جیساکہ منکم سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اگر کفار بغیر عدت ہی نکاح کرلیں اور یہ ان کے دین میں جائز ہو اور پھر اسلام لائیں تو ان کا پچھلا نکاح باقی رہے گا۔

مسئلہ : مسلمان کی عیسائی بیوی پر عدت واجب ہے۔ (احمدی) کیونکہ یہ مرد کا حق نکاح ہے اور وہ مسلمان تھا۔ دوسرا فائدہ: موت کی عدت بیوی پر واجب ہوگی نہ کہ لونڈی پر جیساکہ ازواجا سے معلوم ہوا۔ لہٰذا مولیٰ کے مرنے پر لونڈی عدت نہ گزارے۔ تیسرا فائدہ: موت کی عدت عورت پر واجب ہے نہ کہ مرد پر جیساکہ یتربصن سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: عدت میں علم ضروری نہیں لہٰذا اگر عورت کو کچھ مدت کے بعد شوہر کی موت کی خبر لگے تو اس کی عدت بھی گزر گئی جیساکہ یتربصن کے عموم سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: شوہر کی موت سے نکاح بالکل نہیں ٹوٹ جاتا مگر عورت کی موت سے بالکل جاتا رہتا ہے لہٰذا عورت اپنے میت خاوند کو بوقت ضرورت غسل بھی دے سکتی ہے اور چھو بھی سکتی ہے کیونکہ کسی قدر نکاح باقی ہے مگر شوہر مردہ بیوی کو نہ چھو سکے نہ غسل دے سکے بلکہ اگر غسال نہ ملے تو ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر تیمم کرا دے۔ مسئلہ یہ جو مشہور ہے کہ مرد بیوی کی لاش کو کندھا بھی نہ دے اور قبر میں بھی نہ اتارے غلط ہے جب دوسرے اجنبی لوگ یہ کام کرسکتے ہیں تو اسے بھی جائز ہے۔ چھٹا فائدہ: عدت موت ہر بیوی پر یکساں لازم ہے کہ حاملہ اور لونڈی کے سوا باقی سب عورتیں بچی ہوں یا بڈھی خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ چار ماہ دس دن یہ ہی عدت گزاریں گی۔ عدت طلاق میں بہت تفصیل ہے جیساکہ ازواجا کے عموم سے معلوم ہوا۔ مسئلہ حاملہ کی عدت موت بچہ کی پیدائش ہے اور لونڈی کی عدت دو ماہ پانچ دن۔ ساتواں فائدہ: موت کی عدت میں بہرحال سوگ واجب ہے کہ عورت نہ تو سرمہ لگائے نہ تیل نہ خوشبو ملے نہ رنگین یا ریشمی کپڑے پہنے نہ مہندی لگائے نہ دوسرے نکاح کا پیغام و سلام کرے جیساکہ یتربصن سے معلوم ہوا۔ طلاق بائنہ کی عدت کا بھی یہ ہی حکم ہے۔

مسئلہ : شوہر کے سوا اور کسی قرابت دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے۔ مسئلہ میت پر پیٹنا اور نوحہ کرنا بھی حرام ہے بے صبری کے الفاظ بولنا یا میت کی غلط تعریف کرنا نوحہ ہے۔ مسئلہ: محرم کے مہینہ میں ماتم کرنا سر پیٹنا کالے کپڑے پہننا سوگ کی نیت سے چارپائی پر نہ سونا ناجائز اور روافض سے مشابہت ہے بلکہ صواعق محرقہ میں ہے کہ رونے پیٹنے کی نیت سے مجلس کرنا بھی ناجائز ہے ہاں مجلس ذکر شہید کربلا کے لئے ہو اور رونا آجائے تو گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ آٹھواں فائدہ: بالغہ عورت اپنے نکاح میں خود مختار ہے ولی شرط نہیں۔ کیونکہ یہاں ارشاد ہوا فیما فعلن فی انفسھن اس فعلن میں زیب و زینت نکاح ثانی وغیرہ سب داخل ہیں۔

پہلا اعتراض : عدت صرف عورت پر کیوں واجب ہے مرد پر کیوں نہیں اور سوگ کی کیا وجہ ہے۔ جواب: مرد کی موت عورت کے لئے مصیبتوں کا باعث ہے کہ اس کا والی سر سے اٹھ گیا۔ نکاح کی نعمت سے محروم ہوگئی۔ شوہر سے بے سایہ ہوگئی اگرچہ مرد کو بھی عورت کی موت سے مصیبت پڑ جاتی ہے۔ مگر عورت اس کی والی نہ تھی اور نہ شوہر کا خرچہ عورت کے ذمہ تھا نیز

عورت میں حمل کا احتمال ہے مرد میں نہیں لہذا اسے کچھ دن نکاح سے روک دینے سے یہ معاملہ بھی صاف ہو جائیگا۔ نواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے عمومی احکام جاری نہیں اور نہ حضور عام خطابات میں داخل ہیں دیکھو سال سکم میں صرف ہم مسلمان داخل ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا رب فرماتا ہے **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع** ہم کو صرف چار بیویاں نکاح میں رکھنی درست ہیں مگر حضور انور کو جتنی وہ چاہیں۔ رب فرماتا ہے **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** مگر ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں حضور انور پر چھ یعنی تہجد بھی ہم پر جانور ' زمین کی پیداوار ' سونے چاندی کی زکوتیں الگ الگ حساب سے فرض ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ مطلقاً فرض نہیں۔ بہر حال عام خطابوں اور عام حکموں میں حضور انور داخل نہیں ہوتے اسی طرح چار ماہ دس دن کے بعد تیاری نکاح کرنے کی اجازت سے حضور انور کی ازواج پاک علیحدہ ہیں وہ بیبیاں تو حضور انور کی وفات شریف کے بعد قریباً "تارک الدنیا ہو چکی تھیں۔ حتی کہ انہوں نے ترک زینت کے لئے سروں کے بال کٹوا دیئے تھے۔ (مسلم شریف باب الغسل) یہ بال کٹوانا فیشن کے لئے نہ تھا بلکہ ترک زینت کے لئے اور انہیں کے لئے خاص تھا۔ دوسرا اعتراض: وفات کی عدت چار ماہ دس دن کیوں رکھی گئی۔ جواب اس لئے کہ پیٹ کا بچہ اگر لڑکا ہے تو تین ماہ میں اور اگر لڑکی ہے تو چار ماہ میں پھڑکنے لگتا ہے۔ احتیاطاً" چار ماہ رکھے گئے پھر دن دس اور بڑھا دیئے تاکہ حمل کا پورا پتہ لگ جائے پورا پتہ بچہ کی حرکت ہی سے لگتا ہے۔ پیٹ کا بڑھنا یا حیض کا رکنا اور وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ مرد مردہ بیوی کو غسل نہ دے اور نہ بیوی بلا ضرورت مردہ شوہر کو۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ زہرا کو غسل دیا اور حضور کی بیبیوں نے حضور علیہ السلام کو غسل دینے میں حضرت علی کا ہاتھ بٹایا اس کی کیا وجہ؟ جواب: یہ ان کی خصوصیات ہیں کہ ان کا نکاح وفات سے نہیں ٹوٹا بلکہ ویسے ہی قائم رہا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کی بیویاں دوسرا نکاح نہیں کر سکتیں۔ سیدنا علی سے فرمایا گیا تھا کہ فاطمہ تمہاری دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

چوتھا اعتراض: اگر نوحہ کرنا حرام ہے تو حضرت خاتون جنت نے حضور علیہ السلام کی وفات پر کیوں کیا کہ آپ روئی بھی ہیں اور کچھ الفاظ بھی فرمائے۔ جواب: نہ آنسوؤں سے رونا نوحہ ہے اور سچے اوصاف بیان کرنا حضرت خاتون جنت نے یہ ہی تو کہا تھا کہ سرکار آپ جنت کو تشریف لے گئے اب وحی بند ہو گئی اے انس تم نے کس طرح اس مدنی چاند کو زیر خاک چھپایا یہ نوحہ نہیں۔ پانچواں اعتراض: اگر طلاق کے بعد شوہر مر جائے تو اس کی عدت کیا ہو گی۔ جواب: تین حیض اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت دراز ہو وہ ہی اس کی مدت ہے کیونکہ یہ طلاق والی بھی ہے اور وفات والی بھی لہذا دونوں عدتوں کا لحاظ کرے۔ چھٹا اعتراض: عربی میں شہر بھی مذکر ہے اور یوم بھی لہذا ایسا ل اربعتہ کی طرح عشرۃ' ت کے ساتھ آنا چاہیے تھا پھر اربعتہ کو ت سے اور عشر بغیر' ت کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ عدد کو مذکر یا مونث لانے کی پابندی جب ہے جب کہ معدود مذکور ہو اور جب معدود پوشیدہ ہو تو عدد کا استعمال ہر طرح جائز ہے چونکہ اربعتہ کا معدود یعنی اشہر موجود تھا لہذا وہ ت کے ساتھ استعمال ہوا اور عشر کا معدود یعنی ایام پوشیدہ تھا۔ لہذا اس کا استعمال ہر طرح جائز ہوا (معانی) اہل عرب کہتے ہیں صمنا خمسا اور کہتے ہیں صمنا خمستہ ایام (کبیر) دوسرے یہ کہ چونکہ دس دن کے ساتھ دس راتیں بھی ہیں اور رات ہے مونث

لہذا عشر بغیرت ارشاد ہوا۔ تیسرے یہ کہ دس دن بھی ایک مدت ہے اور مدت مونث ہے چوتھے یہ کہ یہ زمانہ رنج و غم کا ہے۔ گویا مثل رات کے ہے۔ اس لئے عشر بغیرت لایا گیا۔ (کبیر)

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ نعمت الٰہی پر شکر کرنا عبادت ہے ایسے ہی نعمت چھن جانے پر افسوس و غم بھی۔ اطاعت نکاح ازواج چونکہ نعمت الٰہی ہے اس سے محروم ہو جانے پر غم کا حکم دیا گیا ایسے ہی جو عارف کہ اپنے درجہ سے گر جائے یا جو مومن کسی نیکی سے محروم رہ جائے اور اس پر غم کرے تو مستحق اجر ہو گا حضرت آدم علیہ السلام نے جنت چھوٹنے پر بہت گریہ زاری کی جس کا انجام بلندی درجات ہوا حضرت امیر معاویہ ایک نماز قضا ہونے پر بہت روئے۔ جس سے پانسو کا ثواب پایا عقل کہتی ہے کہ مصیبت پر صبر بہتر مگر عشق کہتا ہے کہ دینی مصیبت پر بے قراری اور تڑپ افضل بشرطیکہ شرعی حدود کے اندر رہو۔ روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ مسلمان کی موت اپنی محبوب زوجہ سے فراق اضطراری ہے۔ جس کے لئے اتنی دراز عدت مقرر ہوئی۔ ایسے ہی اگر طالب مولیٰ کو فراق اضطراری پیش آجائے تو رب کا کرم اختیاری اس کی دستگیری کرتا ہے اسی لئے جو کوئی راہ حج یا راستہ ہجرت میں مرجائے تو رب تعالیٰ کے نزدیک وہ حاجی اور مہاجر ہی ہے۔ اس آیت میں طالبین مولیٰ کو تسلی ہے کہ راہ طلب میں چل پڑو چلنا تمہارا کام ہے اودھر سے جذب تمہارے اختیار سے باہر اگر تم اس میں کامیاب نہ بھی ہوئے تو بھی گویا کامیاب ہو۔ اگر محبوب کو پانا اختیاری نہیں تو طلب میں مرجانا تو اختیاری ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ

اور نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے بیچ اس کے کہ کنایہ کرو ساتھ اس کے پیغام سے عورتوں کے یا چھپاؤ تم بیچ

اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں

فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ

دلوں اپنے کے جانا اللہ نے کہ تحقیق تم عنقریب ذکر کرو گے ان کا اور لیکن نہ وعدہ کر رکھو ان سے در پردہ

چھپا رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ

سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ

مگر یہ کہ کہو بات درست اور نہ ارادہ کرو عقد نکاح کا یہاں تک

اتنی ہی بات کہو جو شرع میں معروف ہے اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی

النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

کہ پہنچ جائے لکھا ہوا حکم میعاد اپنی کو۔ اور جانو کہ تحقیق اللہ جانتا ہے وہ جو بیچ دلوں تمہارے

میعاد کو نہ پہنچ لے اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے۔

اَنۡفُسِكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ

کے ہے پس ڈرو اس سے اور جانو کہ تحقیق اللہ بخشنے والا حلیم والا ہے

تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں عدت میں نکاح سے ممانعت کی گئی تھی۔ اب نکاح کے پیغام و سلام کی بھی ممانعت فرمائی جارہی ہے اس زمانہ میں نکاح تو کیا نکاح کا صریح ذکر بھی نہ کرو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بیوہ کو عدت کے کچھ احکام سنائے گئے کہ اس زمانہ میں نکاح یا تیاری نکاح نہ کریں۔ اب مردوں کو ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہارے لئے بھی یہ حکم ہے کہ تم ان سے نکاح کا صریح ذکر نہ کرو کیونکہ پھر انہیں بھی صاف اقرار و انکار کرنا پڑے گا جو حرام ہے گویا تمہارا پیام و سلام ذریعہ گناہ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بیوہ عورتوں کو تربص یعنی انتظار کا اجمالی حکم دیا گیا تھا اب اس کی کسی قدر تفصیل فرمائی جارہی ہے۔

تفسیر : ولا جناح علیکم یہ ان اجنبی مردوں کو خطاب ہے جو بیوہ سے نکاح کا ارادہ کریں۔ اس میں خود بیوگان داخل نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بیوہ کے ولی وارثوں سے بھی خطاب ہو یعنی اے بیوی تلاش کرنے والو تم پر گناہ نہیں۔ یا اے بیوہ کے ولی وارثو خواہ میکے والے ہو جیسے والد، بھائی، چچا وغیرہ یا سسرال والے جیسے دیور، جیٹھ وغیرہ مثلاً ان سے کوئی بیوہ کے سامنے دوسرے کسی گھر والے سے کہے کہ فلاں شخص بہت اچھا ہے یا اس کے ہاں عورت بہت ہی خوش رہے گی بیوہ سن رہی ہو اس تذکرہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں غرضیکہ یہ جملہ بہت سی صورتوں پر حاوی ہے۔ فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء نامے مراد بات چیت ہے۔ عرضتم تعریض سے بنا جو تصریح کا مقابل ہے بمعنی اشارۃً بات کرنا۔ اس کا مادہ عرض بمعنی کنارہ ہے تعریض کے معنی ہوئے مقصد کے آس پاس گھومنا اور صاف ظاہر نہ کرنا جیسے کوئی فقیر دولت مند سے کہے کہ آپ کو سلام کرنے آیا ہوں۔ تعریض کو تلویح بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سے مقصد جھلکتا ہے۔ خیال رہے کہ کنایہ اور تعریض میں یہ فرق ہے کہ کنایہ لوازم بول کر ملزوم مراد لینے کو کہتے ہیں۔ جیسے مہمان نواز کو کہا جاتا ہے کہ اس کے چولہے میں راکھ بہت ہے اور تعریض مقصود کے قرینہ قائم کر دینے کا نام ہے۔ (کبیر) ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ ہے (معانی) خطبہ خطب سے بنا جس کے معنی ہیں شان قال فما خطبکم اب خ کے کسرہ سے بمعنی پیغام ہوتا ہے۔ اور خ کے پیش سے بمعنی وعظ و نصیحت اسی سے خطاب اور خاطبہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ النساء سے عدت موت گزارنے والی بیوگان مراد ہیں کیونکہ انہیں کا ذکر چلا آرہا ہے اور انہیں کے یہ احکام بھی ہیں۔ عدت طلاق میں بہت تفصیل ہے یعنی اشارۃً "در پردہ ان بیوگان کو پیغام نکاح دینے میں کوئی گناہ نہیں خواہ قول تعریض و اشارہ ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے یا عملی جیسے بعض لوگ بیوہ کو عدت کے زمانہ میں کھانا کپڑا وغیرہ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں۔ بظاہر تو یہ بیوہ کی مدد ہوتی ہے مگر درحقیقت پیام نکاح منہ سے اگرچہ کچھ نہیں کہتے مگر بیوہ خود سمجھ لیتی ہے یہ عمل بھی اسی تعریض میں داخل ہے۔ او اکننتم فی انفسکم اکننتم اکنان سے بنا بمعنی چھپانا۔ اس کا مادہ کن ہے بمعنی پردہ۔ وما تکن صدورھم یا جیسے لؤلؤ مکنون۔ یا کتاب مکنون۔ خس پوش (چھپر) کو بھی کنہ کہتے ہیں اس کی جمع اکنان یا اکنہ ہے جیسے من

الجبال اکناناً اور وجعلنا علی قلوبھم اکنتہ اس کا مفعول پوشیدہ ضمیر ہے۔ جو کہ ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ انفس نفس کی جمع بمعنی قلب یعنی اس میں بھی گناہ نہیں کہ تم پیام و سلام کا ارادہ اپنے دل میں رکھو کسی پر ظاہر نہ کرو گویا نہ ارادہ نکاح گناہ ہے اور نہ اشارہ نکاح کیونکہ **علم اللہ انکم ستذکرونھن** اللہ جانتا ہے کہ تم خاموش نہ رہ سکو گے ضرور ان سے نکاح کی بات چیت کرو گے اسی لئے تمہیں کسی قدر اجازت دے دی مگر بالکل ڈھیل بھی نہیں دی۔ لہذا ان سے بات کرو۔ **ولکن لا تواعدوھن سرا** اس سے پہلے فلاکروھن پوشیدہ ہے۔ لاتواعدوا۔ وعد سے بنا۔ باب تفاعل میں آ کر شرکت کے معنی پیدا ہوئے یعنی ایک دوسرے سے وعدہ کرنا سرا یا تو اس کا ظرف ہے اور یا مفعول بہ۔ سر اعلان کا مقابل ہے۔ بمعنی خفیہ۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے نکاح مراد ہے کیونکہ نکاح کا مقصد یعنی وطی پوشیدہ ہی ہوتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے ذکر جماع مراد ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے درپردہ نکاح کا معاہدہ مقصود یعنی ان سے درپردہ نکاح کا معاہدہ نہ کرلو کہ بعد عدت ہم سے ہی نکاح کرنا نہ کسی اور سے یا ان سے نکاح کی خاص بات نہ کہو **الا ان تقولوا قولا معروفا** یہ پچھلی ممانعت سے استثناء ہے اور قول معروف سے جائز بات یعنی نکاح کے اشارے مراد ہیں یعنی تم ان سے جائز بات چیت کر سکتے ہو کہ اشارۃً اپنی رغبت ظاہر کرو صاف صاف نہ کہو ولا **تعزموا عقدۃ النکاح** تعزموا عزم سے بنا بمعنی پختہ ارادہ اس کے بعد علی آتا ہے۔ جو کہ یہاں پوشیدہ ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ قلبی خیالات کے چند درجے ہیں اولاً خاطر پھر فکر پھر ارادہ پھر ہمت پھر عزم۔ ہمت تو کسی کام کی تیاری کرنا ہے اور عزم اس کے کر گزرنے پر تیار ہو جانا عقدہ عقد سے بنا بمعنی گرہ باندھنا معاملات منعقد کرنے کو بھی اسی لئے عقد کہتے ہیں کہ اس سے جانبین گویا بندھ جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے عقد بیع' عقد نکاح **حتی یبلغ الکتب اجلہ** حتی لاتعزموا کی انتہاء ہے۔ یبلغ بلوغ سے بنا' بمعنی پہنچ جانا کتاب مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے فرض بمعنی مفروض۔ اجل سے میعاد کی انتہاء مراد ہے یعنی جب تک کہ عدت مفروضہ ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح کر لینے کا ارادہ نہ کرو **واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم** اس میں ارادہ نکاح سے سختی کے ساتھ روکا جا رہا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تمہارے دلی خطرات بھی جانتا ہے اگر تم نے ارادہ نکاح تو کر لیا مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے تب بھی گناہ گار ہو جاؤ گے لہذا **فاحذروہ** حذر کے معنی ڈرنا بھی ہیں اور بچنا بھی لہذا ضمیر کا مرجع یا اللہ ہے یا ارادہ نکاح یعنی پس اللہ سے ڈرو یا ارادہ نکاح سے بچو۔ **واعلموا ان اللہ غفور حلیم** یہ جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا بھی ہے لہذا جو کوئی ارادہ کر چکنے کے بعد خوف الٰہی کی وجہ سے نکاح سے باز رہے تو اسے بخش دیگا اور حلم والا بھی ہے کہ گناہ پر جلدی پکڑ نہیں فرماتا لہذا کسی بدکاری پر فوراً عذاب نہ آنا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں۔

خلاصہ تفسیر : شریعت کا قاعدہ ہے کہ واجب کے اسباب بلکہ مقدمات کو واجب فرما دیتی ہے۔ جیسے نماز فرض ہے تو اس کے لئے وضو، غسل' کپڑے کی طہارت' وقت کی پہچان وغیرہ فرض کہ ان پر بھی ثواب ہے یہ تمام فرض کے شرائط اور وغیرہ ہیں بلکہ نماز جمعہ کے لئے اس کے مقدمات جیسے کاروبار بند کر دینا' اذان سنتے ہی تیاری نماز میں مشغول ہونا فرض قرار دیتی ہے ایسے ہی حرام کے اسباب بلکہ مقدمات بھی حرام کر دیتی ہے زنا حرام ہے تو عورتوں کی بے پردگی' گانا بجانا اجنبی مرد و عورت کا اختلاط وغیرہ سب کچھ حرام ہے اس طرح شراب حرام ہے تو شراب بنانا' فروخت کرنا' شراب خانہ کی نوکری وغیرہ سب حرام ہے کہ یہ مقدمات شراب خوری ہیں اسی قاعدہ سے جب عدت میں نکاح حرام ہے تو بیوہ سے صراحۃً ذکر نکاح بھی حرام کہ ذکر نکاح بھی سبب نکاح یا کم از کم مقدمہ نکاح ہے مگر چونکہ تعریض نکاح نہ تو نکاح کا سبب ہے نہ مقدمہ ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دی اور

ارشاد فرمایا گیا کہ اے مسلمانو اے عورت کے وارثو تم پر اس میں گناہ نہیں کہ بیوہ عورتوں کی عدت کی حالت میں اشارۃ "کنایۃ" نکاح کا پیغام دے دو۔ مثلاً یوں کہہ دو کہ میرا ارادہ نکاح کا ہے یا تجھے بہت لوگ چاہتے ہیں یا میں اس بیوی کا طلب گار ہوں جس میں یہ خوبیاں ہوں یا یہ کہ میں اپنی بیویوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتا ہوں یا یہ کہ تیرے لئے شوہر نایاب نہیں۔ صاف یہ نہ کہو کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ تم دل میں ارادہ نکاح رکھو کسی پر ظاہر نہ کرو رب جانتا ہے کہ تم صبر نہ کر سکو گے۔ ضرور ان سے نکاح کا تذکرہ کرو گے۔ اسی لئے اس نے تمہیں کچھ آزادی دے دی۔ لہٰذا ان سے نکاح کا ذکر تو کرو لیکن صاف صاف وعدہ نہ لے لو کہ بعد عدت مجھ سے ہی نکاح کرنا یا میرے سوا کسی اور سے نہ کرنا ہاں بھلی باتیں کرو کہ انہیں اشارۃ" سمجھا دو نیز یہ بھی خیال رکھو کہ جب تک عدت پوری نہ ہو جائے تب تک نکاح کا قصد ہرگز مت کرو۔ خیال رکھو کہ اللہ تمہارے دل کے ارادوں کو بھی جانتا ہے کہ اس پر بھی پکڑ فرمائے گا اگرچہ تم اس میں کامیاب نہ ہو۔ لہٰذا اس سے ڈرتے رہو اور یہ بھی عقیدہ رکھو کہ اللہ بخشنے والا بھی ہے اگر تم اس ارادہ سے باز آجاؤ تو تمہیں بخش دیگا اور حلم والا بھی ہے کہ گنہگاروں کو جلد نہیں پکڑتا لہٰذا تاخیر عذاب سے دھوکا نہ کھاؤ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مرد عورت کو پیغام نکاح دے نہ کہ عورت مرد کو جیسا کہ عرضتم اور من خطبۃ النساء سے معلوم ہوا۔ مرد خاطب یعنی پیغام دینے والا ہے اور عورت مخطوبہ یہ حکم استحبابی ہے۔ ورنہ اس کا عکس بھی جائز ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ان تبتغوا باموالکم جس سے معلوم ہوا کہ شوہر بیوی کو تلاش کرے نہ کہ بیوی شوہر کو ہندوؤں میں لڑکی والے لڑکے کو تلاش بھی کرتے ہیں اور پیغام نکاح بھی دیتے ہیں۔ یہ عقل کے بھی خلاف جب برات لڑکی کے گھر جاتی ہے اور لڑکا بیوی کو بیاہ کر لاتا ہے تو چاہئے کہ پیغام بھی لڑکے کی طرف سے لڑکی کے گھر جاوے۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے کہ عدت میں مرد کو اشارۃ" پیغام دینا جائز ہے۔ ایسے ہی عورت کو بھی اشارۃ" اس کا جواب دینا درست ہے۔ صاف صاف کہنا نہ مرد کو جائز نہ عورت کو جیسا کہ **لاتواعدوھن** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** عورت کے ورثاء کو بھی جائز ہے کہ کسی کا پیغام اشارۃ پیش کردیں کہ فلاں آدمی بہت اچھا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لاجناح علیکم میں پچھلی آیت کی طرح عورت کے اولیاء سے خطاب ہو۔ **چوتھا فائدہ:** عدت والی بیوہ کو پیغام نکاح دینا بہر حال حرام ہے۔ مگر طلاق کی عدت کا اور حکم ہے۔ پیغام نکاح کی تفصیل یہ ہے کہ۔ (۱) کنواری یا عدت سے فارغ ہو چکنے والی عورت کو صراحتہ" یا اشارۃ" پیغام اس کے والدین یا ولی وارثوں کو دے کہ بلاواسطہ لڑکی کو پیغام دینا معیوب ہے پھر وہ ولی و وارث بھی اس نکاح کردینے میں مستقل نہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ لڑکی کی رائے معلوم کرلیں حتیٰ کہ بوقت نکاح پھر اس سے اجازت لے کر نکاح کریں یہ گفتگو بالغہ لڑکی کے متعلق ہے نابالغہ بچی کے نکاح کا پیغام بھی والدین یا وارثوں کو ہی دیا جاویگا اور وہ لوگ اس نکاح میں مستقل مختار ہوں گے لڑکی سے اجازت لینے کے حاجتمند نہ ہوں گے ہاں لڑکی بالغہ ہو کر دیگر وارثوں کا کیا ہوا نکاح فسخ کرسکتی ہے۔ باپ دادوں کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کر سکتی اس مسئلہ کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔ (2) جس عورت کو کسی نے پیغام دے دیا ہو اور اس سے رضامندی بھی ہو چکی ہو اسے پیغام دینا منع۔ یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ مسلمان کے پیغام پر پیغام نہ دو لیکن اگر رضامندی نہیں ہوئی ہے تو دوسرے شخص کا پیغام نکاح دینا بلا کراہتہ درست ہے یہ ہی حکم بیع کا ہے کہ جس کسی نے دوکاندار سے کوئی نرخ طے کرلیا تو بھاؤ بڑھا کر نہ خریدو۔ لیکن اگر ابھی صرف گفتگو ہی ہو رہی تو بھاؤ بڑھا دینا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا پیالہ و

کمیل نیلام فرمایا تھا نیلام میں بولی پر بولی دی جاتی ہے اور قیمت بڑھادی جاتی ہے۔ (2) تین طلاق والی اور ایسے ہی وہ عورت جو اپنے شوہر پر لعان یا رضاعت کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکی ہو۔ اس کی عدت میں بیوہ کی طرح اشارۃ "پیغام دینا جائز اور صراحۃ" منع۔ (4) طلاق بائنہ و خلع و فسخ نکاح جن میں اپنے شوہر سے نکاح ثانی جائز ہے ان عورتوں کو بحالت عدت پیغام نکاح صراحۃ "دینا بھی منع اور اشارۃ بھی۔ ہاں پہلا شوہر ہر طرح پیغام دے سکتا ہے کیونکہ اسے عدت میں نکاح ہی جائز ہے۔ (5) طلاق رجعی کی عدت میں ہر قسم کا پیغام منع ہے کیونکہ ابھی وہ پہلے شوہر کی بیوی ہی ہے۔ (6) کسی کی بیوی کو بحالت نکاح اشارۃ" کنایۃ" صراحۃ "پیغام دینا سخت حرام ہے کہ اس سے اس کا گھر بگڑے گا۔ ممکن ہے کہ بے وقوف عورت اس سے راغب ہو کر اپنے شوہر سے طلاق لینے کی کوشش کرے۔ (روح البیان وکبیر) پانچواں فائدہ: اجنبی عورت سے ضرورۃ" بات چیت کرنا یا اسے دیکھنا جائز ہے کیونکہ عدت والی بیوہ کو پیغام دینے کی اجازت دی گئی اور ظاہر ہے کہ پیغام کلام ہی سے ہو گا۔ چھٹا فائدہ: ارادہ گناہ بھی گناہ ہے جیسا کہ ولا تعزموا کے بعد یعلم ما فی انفسکم فرمانے سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: جو کوئی ارادۂ گناہ کے بعد محض رب سے ڈر کر گناہ سے باز آجائے وہ مستحق ثواب ہے جیسا کہ غفور حلیم سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: جس سے نکاح کرنا ہو اس کو دیکھ لینا سنت ہے۔ (مشکوۃ باب النظر الی المخطوبہ) مگر چھپ کر یا بہانہ سے دیکھنا چاہئے نہ کہ ظاہر طور۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں کچھ تعارض معلوم ہوتا ہے کہ او اکننتم فی انفسکم سے ثابت ہوا کہ ارادہ نکاح گناہ نہیں۔ اور ولا تعزموا سے پتہ لگا کہ یہ ارادہ بھی گناہ ہے۔ جواب: اکننتم سے ارادہ پیام یا بعد عدت قصد نکاح کی اجازت ملی۔ اور لا تعزموا میں عدت کے اندر نکاح کرنے کی ممانعت یعنی زمانہ عدت میں یہ ارادہ کر لینا کہ ہم بعد عدت نکاح کریں گے یا پیام نکاح دیں گے جائز ہے مگر عدت میں نکاح کر لینے کا ارادہ جرم اسی لئے لا تعزموا عقدۃ النکاح فرمایا گیا۔ دوسرا اعتراض: حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نیکی کا ارادہ نیکی ہے مگر ارادہ گناہ گناہ نہیں۔ قرآن کریم میں بھی ہے کہ **لا یکلف اللہ نفسا" الا وسعھا** اور اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ارادۂ گناہ بھی گناہ ہے ان میں مطابقت کیسے؟ جواب: اس کی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ گناہ کا خیال یا تفکر یا معمولی ارادہ گناہ نہیں بلکہ عزم گناہ یا ہمت گناہ جرم ہے اور نیکی کا خیال بھی نیکی ہے۔ چور چوری کے لئے نکلا۔ کسی گھر میں نقب لگایا مگر اتفاقا" چوری نہ کر سکا تو وہ گناہ گار ہو گیا حدیث پاک میں ہے کہ جب دو مسلمان جنگ کریں اور ان میں سے ایک مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں قاتل تو قتل کی وجہ سے اور مقتول ارادۂ قتل سے نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ارادۂ نیکی میں خود نیکی ہی کا ثواب ملتا ہے مگر ارادہ گناہ میں اس گناہ کا عذاب نہیں بلکہ ارادہ گناہ کا۔ جو کوئی عالم بننے کا ارادہ کر لے مگر کامیاب نہ ہو۔ وہ انشاء اللہ علماء کے ساتھ اٹھے گا۔ مگر جو زنا کا ارادہ کر کے اس میں کامیاب نہ ہو تو نہ دنیا میں اس کو رجم کیا جائے اور نہ آخرت میں اس کا حشر زانیوں کے زمرہ میں ہو۔ ہاں چونکہ یہ ارادہ بھی گناہ تھا لہذا اس ارادہ کا مجرم ہوا۔ تیسرا اعتراض: جب لڑکے والے پیغام نکاح دیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے خود موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لڑکی کے نکاح کا پیغام کیوں دیا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم استحبابی ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا وہ عمل جواز پر تھا دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والدین مدین میں تھے نہیں مصر میں تھے جہاں تک یہاں کے لوگوں کی پہنچ بہت مشکل تھی کہ وہ علاقہ غیر تھا اب حضرت شعیب موسیٰ علیہ السلام کے مثل والی وارث کے تھے اس مجبوری سے یہ عمل ہوا

ضروریات تو محذورات کو مباح کر دیتی ہیں یہ تو صرف خلاف استحباب تھا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ دو نکاح کے درمیان عدت کا فاصلہ ضروری ہے۔ ایسے ہی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے میں کچھ فاصلہ لازم ہے۔ عالم ارواح سے عالم اجسام کی طرف منتقل ہونے میں زمانہ حمل کا فاصلہ ہے۔ دنیا سے آخرت کی طرف پہنچنے میں عالم برزخ کا طے کرنا ضروری۔ ایسے ہی دنیادار کے دیندار بننے میں زمانہ طلب کا فاصلہ ہے۔ یعنی اولاً دنیا سے چلو پھر راہ طلب طے کرو تب مقصود کو پہنچو اور جیسے زمانہ عدت میں دوسرے نکاح کا ارادہ جائز مگر کر گزرنا منع بلکہ صریحی ذکر بھی جرم ہے ایسے ہی زمانہ طلب میں ایک دم منزل تک پہنچ جانے کا ارادہ خیال خام ہے۔ جو طالب علم اول ہی سے عالم بن جانا چاہے وہ علم سے محروم ہے۔ اور جو طالب صوفی شروع ہی سے شیخ بننے کی کوشش کرے وہ بد نصیب ہے گدر ہونے سے پہلے کوئی پھل نہیں پکتا۔ لہٰذا جب تک راہ طریقت کا اخیری کنارہ نظر نہ آ جائے تب تک تم خدا رس ہونے کا وہم بھی نہ کرو۔ یہ عمل ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیا سے دین کی طرف منتقل ہوں جو دنیا سے آزاد ہو کر اس کے جھگڑوں سے چھوٹ کر مولیٰ کی طرف چلیں جیسے عورت پہلے خاوند کے نکاح سے چھوٹ کر دوسرے کے نکاح میں جاتی ہے بعض وہ خوش نصیب بھی ہیں جن کا نفس کبھی دنیا کے نکاح میں آتا ہی نہیں وہ اول ہی سے اللہ والے ہوتے ہیں انہیں صوفیاء کی اصطلاح میں ارباب نہایت کہتے ہیں ان ارباب نہایت کا کچھ اور ہی حال ہے اوروں کی انتہا ان کی ابتدا ہے وہ 'روز الست' سے مشاہدہ یار میں سرشار ہیں ان کا شمار اغیار میں ہے ہی نہیں وہ عالم ظلمات میں بھی انوار ہی دیکھتے ہیں۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

و وقتی قبل قلبی قد صفالی

وہ اغیار میں رہ کر بھی بے کار نہیں رہتے۔ ان کی محبت دنیا بھی ذریعہ وصل یار ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میرے قلب میں اپنی بیویوں اور خوشبو اور نماز کی محبت ڈال دی گئی۔ ان کی محبت میں بھی صدہا اسرار ہیں۔ اسی لئے بعض اولیاء اللہ دنیا سے کنارہ کش رہتے ہیں اور بعض اس میں مشغول۔ اس مضمون کی انتہا نہیں 'دریا ناپیدا کنار' ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم اللہ انکم میں یا اللہ کا علم ازلی مراد ہے یا علم لوح محفوظ یا علم ظہور یعنی ہم ازل سے جانتے تھے یا لوح محفوظ کی تحریر سے ہی جانتے تھے یا ہم نے تمہاری حالت دیکھ کر علم ظہور جان لیا کہ تمہارے دلوں میں فطری طور پر عورتوں کی طرف میلان ہے کیوں نہ ہو کہ عورت کی پیدائش مرد سے ہے اور کل جز کی طرف مائل ہے فطرت کو بدلنا یا رب کی دی ہوئی طاقت کو معطل کرنا فطرت کا مقابلہ کرنا ہے ہاں اس پر کنٹرول کرنا عین حکمت کے مطابق ہے لہٰذا ہم تمہارے میلان کو روکتے نہیں اس پر کنٹرول کرتے ہیں کہ صراحۃً ذکر نکاح نہ کرو اشارۃً کرو گھوڑے کو بھاگنے سے نہ روکو بلکہ اس کے منہ میں لگام دے کر اسے صحیح چلاؤ۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا
نہیں ہے مواخذہ اوپر تمہارے اگر طلاق دو تم عورتوں کو جبکہ نہ چھوا ہو تم نے انہیں اور نہ مقرر کیا ہو
تم پر کچھ مطالبہ نہیں اگر تم عورت کو طلاق دو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا کوئی مہر مقرر نہ کر لیا ہو

لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ

واسطے ان کے مہر اور جوڑا دو ان کو اوپر وسعت والے کے موافق حیثیت اس کی ہے اور

اور ان کو کچھ برتنے کو دو مقدور والے اس کے لائق اور تنگ دست پر اس کے لائق

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

اوپر تنگدست کے موافق اس کے جوڑا دینا ساتھ بھلائی کے واجب ہے اوپر احسان والوں کے

حسب دستور کچھ برتنے کی چیز یہ واجب ہے بھلائی والوں پر

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں ان طلاق والی عورتوں کا ذکر ہوا جن پر عدت واجب ہے چونکہ بیوہ عورت بھی انہیں کے حکم میں تھی لہٰذا اس کا بھی ذکر ساتھ ہی کر دیا گیا۔ اب ان طلاق والیوں کا ذکر ہے۔ جن پر عدت واجب نہیں یعنی خلوت سے پہلے طلاق حاصل کرنے والیاں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ طلاق والیوں کو ان کا مہر اور خرچہ عدت دو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بعض وہ عورتیں بھی ہیں۔ جن کا تمہارے ذمہ نہ مہر ہے نہ خرچہ عدت یعنی وہ جن سے بغیر مہر نکاح ہوا ہو اور بغیر خلوت طلاق دے دی گئی ہو۔ تیسرا تعلق: طلاق کی چند قسمیں ہیں اور ان کے جدا گانہ احکام جن میں سے بعض کے احکام پچھلی آیتوں میں بیان ہوئے اور بعض کے اب بیان ہو رہے ہیں۔

شان نزول : ایک انصاری نے قبیلہ بنی حنیفہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور کچھ مہر مقرر نہ کیا۔ پھر بغیر ہاتھ لگائے اسے طلاق دے دی چونکہ اس قسم کی طلاق اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی لہٰذا اس کے احکام میں حیرت ہوئی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (خزائن العرفان)۔

تفسیر : **لا جناح علیکم** جناح کے معنی ہیں جھکنا اور مائل ہونا **فان جنحوا للسلم** بوجھ کو بھی اسی لئے جناح کہتے ہیں کہ اس سے آدمی جھک جاتا ہے گناہ بھی چونکہ اخروی بوجھ ہے اس لئے اسے بھی جناح کہنے لگے چونکہ مطالبات' مواخذے اور ذمہ داریاں بھی حکماً بوجھ ہیں لہٰذا ان سب کو جناح کہتے ہیں۔ **ولیحملن اثقالھم** (از کبیر) یہاں جناح سے یا تو گناہ مراد ہے یا حق مہر یا مہر اور خرچہ عدت کا مطالبہ یا دنیوی مواخذہ (طلب) علیکم میں طلاق دینے والے شوہروں سے خطاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ عورت کے سسرال یا میکے والے' والیوں سے خطاب ہو یا حکام اسلام سے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے خاوندو اگر تم ان مطلقہ بیویوں کو عدت کا خرچہ نہ دو تو تم پر گناہ نہیں کیونکہ ان پر عدت ہے ہی نہیں یا اے ایسی مطلقہ کے ولیو وارثو! یا اے حکام یا اے مسلمانو اگر ایسی مطلقہ عورتیں طلاق ہوتے ہی دوسرا نکاح کر لیں یا نکاح کی تیاری کر لیں یا ان شوہروں کے گھر سے نکل جاویں یا بناؤ سنگار کریں تو تم پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان عورتوں پر نہ عدت ہے نہ سوگ اور مذکورہ بالا احکام عدت کے تھے۔ **ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن** یہ لاجناح کی شرط مؤخر ہے اور نساء سے بیویاں مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ما مصدریہ ہے اور اس سے پہلے زمان یا وقت پوشیدہ ہے یعنی انہیں صحبت نہ کرنے کے زمانہ میں طلاق دو یا یہ کہ ایسے وقت میں طلاق دے دو جب کہ تم

نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور بعض کے نزدیک ما بمعنی مادام۔ تمسوا تمس سے بنا بمعنی چھونا اور ہاتھ لگانا مگر یہاں صحبت کرنا مراد ہے۔ **او تفرضوا لهن فريضة** او یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی واؤ۔ اور تفرضوا لم تمسوھن پر معطوف کی وجہ سے اس کا نون گر گیا۔ یا یہ او بمعنی حتیٰ یا بمعنی الیٰ ان یا الا ان ہے فریضہ بروزن فعیلہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔ اور اس میں ۃ انتقال کی ہے۔ فرض کے لفظی معنی قطع کرنا یا لازم کرنا ہیں۔ یہاں اس سے مہر مراد ہے یعنی اگر تم بغیر جماع اور بغیر مہر مقرر کئے عورتوں کو طلاق دے دو تو تم پر مہر کا مطالبہ مہر نہیں یا اگر تم جماع نہ کرکے عورتوں کو طلاق دو تو تم پر مطالبہ مہر نہیں یہاں تک کہ یا مگر جب کہ تم نے ان کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو یا تمہارا عورتوں کو بغیر خلوت اور بغیر مہر مقرر کئے ہوئے طلاق دے دینا بہرحال گناہ نہیں کہ جس وقت جس طرح چاہو طلاق دے دو (از کبیر و احمدی) یا جب تک کہ تم نے عورتوں سے صحبت نہ کرلی ہو یا ان کا مہر مقرر نہ کر دیا ہو تب تک طلاق دینے میں مہر لازم نہیں۔ **ومتعوهن** یہ ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے یعنی فطلقوھن و متعوھن متعہ اور متاع فانی نافع چیز کو کہا جاتا ہے۔ قل متاع الدنیا قلیل۔ یہاں اس سے وہ چیز مراد ہے جس سے مطلقہ فائدہ اٹھائے۔ احناف کے یہاں اس سے کپڑوں کا جوڑا مراد ہے ایک قمیص ایک دوپٹہ اور ایک سر سے پیر تک لمبی چادر (احمدی و کبیر) یہ ہی عبداللہ ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (احمدی) یعنی تم انہیں طلاق دو اور ساتھ ہی ایک جوڑا بھی دو۔ **على الموسع قدره وعلى المقتر قدره** علی وجوب کے لئے ہے۔ موسع وسع یا وسعۃ سے بنا بمعنی فراخی گنجائش۔ اس سے زیادتی مال اور کمال قدرت بھی مراد ہوتی ہے وانا لموسعون۔ یہاں مالدار مراد ہوتا ہے قدر سکون دال اور بفتح دال کے ایک ہی معنی ہیں اندازہ یا تنگی یا قدردانی یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ قدر سکون دال مصدر ہے اور بفتح دال اسم مصدر جیسے غد اور عد اور رد اور ردد۔ مقتر قتر سے بنا جو اسراف کا مقابل ہے۔ بمعنی تھوڑا خرچ کرنا لم یسرفوا ولم یقتروا نیز مقتر تنگ دست کو بھی کہتے ہیں۔ وہ ہی یہاں مراد ہے۔ بھنے ہوئے گوشت کی بھاپ یا بجھی ہوئی لکڑی سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو بھی قتر کہتے ہیں کہ وہ تھوڑا بھی ہے اور غیر نافع بھی۔ یعنی مالدار پر اس کی گنجائش کے بقدر اور غریب پر اس کی طاقت کے موافق جوڑا واجب ہے کہ مالدار تو قیمتی اور غریب معمولی جوڑا دے۔ **متاعا بالمعروف** یہ اسم مصدر ہے یا تو متعوا کا مفعول بہ ہے یا مفعول مطلق۔ بالمعروف یا تو متاع کے متعلق ہے یا اس کی صفت یعنی دستور کے مطابق یا خوش اسلوبی سے یا بھلائی کے ساتھ انہیں جوڑا دو **حقا على المحسنين** یا تو یہ حق فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے یا متاعا کی صفت حق بمعنی واجب محسنین سے متقی پرہیزگار مراد ہیں جو نیک اعمال کرکے اپنی جانوں پر احسان کرتے ہیں یعنی یہ جوڑا ان متقیوں پر واجب ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو اگر تم اپنی بیبیوں کو بغیر صحبت اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دو تو تم پر مہر واجب نہیں ہاں اس صورت میں تم انہیں کپڑے کا ایک جوڑا دے دو۔ مالدار پر تو اپنی حیثیت کے موافق قیمتی جوڑا واجب ہے اور تنگدست پر اس کے لائق معمولی جوڑا خوش دلی کے ساتھ اچھے طریقہ سے دو نہ کہ تنگ دل ہو کر اور لڑائی جھگڑے سے بھلائی والوں پر یہ واجب ہے۔

دوسری تفسیر : اگر تم عورتوں کو اس صورت میں طلاق دو کہ تم نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو تو تم پر مہر کا مطالبہ نہیں مگر جب کہ بوقت نکاح تم نے مہر مقرر کرلیا ہو تب دینا پڑے گا۔

تیسری تفسیر : جب تک کہ تم نے عورتوں سے صحبت نہ کی ہو یا ان کے لئے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ تب تک تمہیں طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں جس حالت میں چاہو طلاق دے دو الخ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بغیر مہر یا مہر نہ ہونے کی شرط سے بھی نکاح جائز ہے جیسا کہ 'او تفرضوا لہن' سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: جس عورت سے صحبت نہ ہوا سے ہر طرح طلاق دینا جائز ہے۔ البتہ صحبت شدہ عورت میں یہ پابندی ہے کہ حیض میں 'صحبت والے طہر میں طلاق نہ دی جائے۔ تیسرا فائدہ: جسے بغیر صحبت طلاق دی جائے جوڑا دینا واجب ہے جیسا کہ متعوھن سے معلوم ہوا۔ اور صحبت والی عورت کو پورا مہر دینا واجب اور جوڑا مستحب۔ رب نے حضور علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے فرمادو فتعالین امتعکن چوتھا فائدہ: جوڑے میں شوہر کی وسعت کا اعتبار ہو گا نہ کہ بیوی کی۔ جیسا کہ علی الموسع سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: مالدار اور غریب دونوں شوہروں پر صرف جوڑا ہی واجب ہے۔ ہاں شوہر کے لحاظ سے اس کی قیمت میں فرق ہو گا جوڑے کے سوا اور کچھ واجب نہیں۔

مسئلہ : طلاق والی عورتیں چار قسم کی ہیں ایک وہ جن کا مہر بھی مقرر ہوا ہو' اور بعد صحبت طلاق دی گئی ہو۔ انہیں مہر دینا واجب اور جوڑا مستحب۔ جس کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا۔ (2) دوسری وہ جس کا مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور بغیر صحبت طلاق دی گئی ہو۔ اس کا مہر کچھ نہیں صرف جوڑا دینا واجب اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ (3) تیسری وہ جن کا مہر مقرر ہوا ہو۔ مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔ انہیں آدھا مہر دیا جائے۔ جس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ (4) چوتھی وہ جس کا مہر تو مقرر نہ ہوا ہو۔ مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔ اسے مہر مثل ملے گا۔ یعنی جو اس کے خاندان میں بندھتا ہو۔ مسئلہ: عورت کا جوڑا قیمت میں پانچ درم یعنی تقریباً "ڈیڑھ روپیہ سے کم نہ ہو۔ اور مہر مثل کے آدھے سے زائد نہ ہو۔ مسئلہ: جسے صحبت سے پہلے طلاق دی جائے اس پر عدت واجب نہیں۔ ہاں عدت وفات لازم ہے۔ مسئلہ: خلوت صحیحہ صحبت ہی کے حکم میں ہے خلوت صحیحہ وہ ہے جس میں تین شرطیں ہوں۔ (1) مرد عورت کا تنہا مکان میں جمع ہو جانا۔ (2) مرد کو معلوم ہونا کہ یہ میری بیوی ہے۔ (3) عورت میں کوئی شرعی یا حسی مانع صحبت نہ ہونا۔ لہٰذا حائضہ یا فرضی روزہ دار اور جس کی فرج جڑی ہو اس کی خلوت صحیحہ نہیں۔ اس کی دلیل انشاء اللہ اعتراض و جواب میں آئے گی۔ خیال رہے کہ عدت واجب ہونے کے لئے خلوت اور قسم کی معتبر ہے اور پورا مہر واجب ہونے کے لئے دوسری قسم کی خلوت ضروری۔ اگر عورت میں کوئی مانع موجود ہو۔ جس سے صحبت نہ ہو سکے عدت واجب کر دے گی مگر مہر پورا واجب نہ کریگی لیکن اگر مرد میں کوئی نقص تھا جس کی وجہ سے صحبت نہ ہو سکی تو عدت بھی واجب ہو گی اور مہر بھی پورا کہ یہاں عورت کی طرف سے قصور نہیں بلکہ مرد کی طرف سے ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ مسئلہ: موت سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے خواہ عورت مرے یا مرد اور موت خواہ خلوت سے پہلے ہی ہو جائے۔ یا بعد میں (روح)۔ مسئلہ: بغیر مہر والے نکاح میں موت سے پورا مہر مثل واجب ہو گا۔ (روح) جیسا کہ ان طلقتم سے معلوم ہوا کہ یہ احکام صرف طلاق کے ہیں نہ کہ موت کے۔

پہلا اعتراض : لاجناح کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ وطی سے پہلے طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ طلاق بدترین مباحات ہے ان میں مطابقت کیونکہ ہو۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وطی کے بعد

طلاق دینے میں بہت پابندیاں ہیں کہ طلاق حیض میں نہ ہو۔ جس طہر میں ہو وہ وطی سے خالی ہو۔ چند طلاقیں ایک دم نہ ہوں وغیرہ اگر ان پابندیوں پر عمل نہ ہوا تو شوہر سخت گنہ گار ہے۔ لیکن صحبت سے پہلے طلاق میں کوئی پابندی نہیں تو گویا لاجناح میں ان پابندیوں کی نفی کی گئی جو دوسری قسم کی طلاق میں ہیں دوسرے یہ کہ اگرچہ طلاق بد ترین مباحات ہے مگر ہے تو مباح پھر اس میں گناہ کیسا۔ واقعی بلاوجہ طلاق اچھی نہیں مگر حرام بھی نہیں اس آیت سے طلاق کا جواز اور تمہاری پیش کردہ حدیث سے اس کا بہتر نہ ہونا معلوم ہوا لہذا ان میں کوئی مخالفت نہیں تیسرے یہ کہ یہاں جناح سے مہر یا مطالبہ مہر مراد ہے۔ دوسرا اعتراض: صحبت سے پہلے طلاق دینے میں مہر کیوں نہیں واجب اور موت میں کیوں واجب ہے۔ جواب: اس لئے کہ اس طلاق میں عورت پر عدت نہیں اور موت میں عدت ہے وہاں اس پابندی کی وجہ سے مہر واجب کردیا گیا نیز چونکہ شوہر نے اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا اور زندہ رہتے ہوئے نفع سے محروم بھی ہوگیا۔ اب جو کچھ دلوایا گیا یہ شریعت کا کرم ہے۔ تیسرا اعتراض: حقا" علی المحسنین سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ یعنی جوڑا واجب نہیں صرف مستحب ہے کیونکہ اسے ایک قسم کا احسان قرار دیا۔ ادائے واجب احسان نہیں ہوتا۔ اسی لئے ادائے قرض مقروض کا احسان نہیں۔ رب فرماتا ہے کہ ما علی المحسنین من سبیل۔ جس سے معلوم ہوا کہ محسن پر وجوب نہیں ہوتا۔ (حضرات مالکی)۔ جواب: متعوا امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے نیز حقا" علی المحسنین میں علی سے بھی وجوب ہی کا پتہ چلتا ہے۔ حق علی فلان سے وجوب سمجھ میں آتا ہے نہ کہ استحباب۔ محسنین فرمانا محض اس لئے ہے کہ یہ جوڑا بغیر نفع دلوایا گیا گویا یہ اصل میں احسان ہے۔ چوتھا اعتراض: متاع نفع کے سامان کو کہتے ہیں خواہ کچھ ہو تم نے جوڑے کی پابندی کہاں سے لگائی۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ اعلیٰ متاع ایک غلام ہے اور ادنیٰ ایک چونی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جوڑے کی پابندی نہیں نیز علی الموسع قدرہ سے پتہ لگا کہ متاع مقرر نہیں۔ حسب حیثیت دینا چاہئے اور تم نے مقرر کردیا کہ نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جن انصاری نے اپنی حنفیہ بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دی تھی ان کو حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اسے کچھ دے دو اگر کچھ نہ ہو تو اپنی ٹوپی ہی اتار دو۔ اس سے بھی یہ ہی معلوم ہوا کہ جوڑا مقرر نہیں۔ (حضرات شافعی از تفسیر کبیر) جواب: خود صحابہ کرام میں متعہ کے متعلق اختلاف ہے۔ عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ادنیٰ متعہ تیس درہم ہیں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایتیں مختلف ہیں ایک تو وہ ہی ہے جو تم نے نقل کی دوسری یہ ہے کہ اعلیٰ متعہ خادم ہے۔ اور اس سے کچھ کم چاندی اور اس سے کم کچھ کپڑے۔ (معانی) تیسری روایت یہ ہے کہ متع تین کپڑے ہیں چونکہ اس روایت کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہوتی ہے اور اس تقرر سے جھگڑا بھی نہ بڑھے گا لہذا احناف نے اسی کو اختیار کیا غیر معین کے واجب ہونے میں جھگڑا پڑ سکتا ہے۔ علی الموسع او علی المقتر کا یہ ہی مطلب ہے کہ کپڑوں کا جوڑا شوہر کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے ٹوپی والی روایت صحیح نہیں۔ حافظ ولی الدین عراقی نے اس کا انکار کیا (معانی) اور اگر صحیح بھی ہو تو اس کی وجہ معذوری ہے۔ کیونکہ اس روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے اسے متعہ دے دیا عرض کیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کیا دوں تب فرمایا اپنی ٹوپی ہی دے دو۔ (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ یہ ان انصاری کی خصوصیات میں سے ہو جیسے کہ ایک صحابی کے روزہ کا کفارہ خود انہیں کو کھلوا دیا گیا۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مس سے پہلے طلاق کا یہ حکم ہے سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں مس سے صحبت کرنا مراد ہے۔ احناف نے خلوت پر صحبت کے احکام جاری کردیئے خلوت تو نہ حقیقتہ" مس ہے نہ مجازا"۔

نہ تو وہاں ہاتھ سے چھونا نہ صحبت صرف ایک جگہ اجتماع ہے (حضرات شافعی) جواب: بیشک یہاں مس سے صحبت ہی مراد ہے خلوت سے یہاں سکوت دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تم ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری سے نکاح کرنا چاہو اور تم نے اسے بہت مال دیا ہو تو واپس نہ لو اور کیسے لے سکتے ہو وقد افضی بعضکم الی بعض وہاں مہر واپس نہ لینے کی وجہ مجامعت نہیں بلکہ افضا قرار دی گئی اور افضا فضاء سے بنا بمعنی خالی جگہ۔ جس سے معلوم ہوا کہ شوہر و بیوی کا خالی جگہ میں پہنچ جانا بھی صحبت ہی کا حکم رکھتا ہے۔ (از کبیر) نیز اسباب پر اصل کے احکام جاری ہوتے ہیں بوسہ سے سسرالی رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ بوسہ مجامعت کا سبب ہے۔ سونے سے وضو جاتا رہتا ہے کیونکہ نیند ریح نکلنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی خلوت صحیحہ سے مہر واجب ہونا چاہئے کیونکہ یہ مجامعت کا ذریعہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : کسی سے فیض لینے کے دو ذریعہ ہیں اس سے نسبت اور اس فیض دینے والے کی خدمت نسبت سے عظمت اور خدمت سے نعمت ملتی ہے دیکھو رخصتی سے پہلے طلاق والی عورت نے اگرچہ خاوند کی خدمت بالکل نہ کی بلکہ اس کی شکل بھی نہ دیکھی مگر چونکہ اسے خاوند سے نسبت ہو گئی تو وہ جوڑے یا نصف مہر کی مستحق ہو گئی اور خاوند کو حکم دیا گیا کہ وہ عورت کی عیب پوشی کرے اسی طرح جو طالب فیض مرید یا حضور کا امتی حضور کی نسبت رکھے تو انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ضرور پالے گا اور اس کی عیب پوشی بھی ہو گی پھر اگر نسبت و خدمت دونوں کسی کو میسر ہو جاویں تو زہے نصیب ورنہ فقط نسبت بھی کافی ہوتی ہے بعض صحابہ وہ ہیں۔ جنہیں حضور سے نسبت بھی حاصل ہے اور خدمت کا بھی موقع ملا وہ بہت اعلیٰ رتبے والے ہیں رب فرماتا ہے اولئک اعظم درجۃ اور بعض وہ ہیں جنہیں صرف نسبت تو میسر ہوئی خدمت نصیب نہ ہوئی وہ بھی پار لگ گئے رب فرماتا ہے وکلا وعد اللہ الحسنی بلکہ ابو طالب کو خدمت میسر ہوئی نسبت اسلام نصیب نہ ہوئی انہیں بھی یہ فائدہ پہنچ گیا کہ دوزخ سے نکل کر اس کے جھیرے میں رکھے گئے۔ بارات میں مولانا کے نسبتی اور خدمت گار سب ہی کھانا ملکہ جوڑے پا لیتے ہیں۔ اسی لئے حضور نے فرمایا کہ جو مرتے وقت کلمہ پڑھے اور کلمہ پر مرے وہ جنتی ہے اگرچہ فاسق و فاجر ہو کیوں اس لئے کہ اسے نسبت تو حاصل ہے موسیٰ علیہ السلام کے جادوگر بعد اسلام آپ کی کوئی خدمت یا کلام سلام نہ کر سکے فوراً سولی پر چڑھا دیئے گئے مگر نسبت کلیمی کی وجہ سے پار لگ گئے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دینے میں شوہر پر ذمہ داری و پابندی کم ہے اور صحبت کے بعد زیادہ۔ جس سے پتہ لگا کہ قوی تعلق کا توڑنا مشکل ہے اور ضعیف کا توڑنا آسان۔ تارک الدنیا کا واصل الی اللہ ہونا آسان ہے۔ دنیادار کا دشوار اور جتنی دشواری زیادہ اسی قدر مراتب بلند۔ اسی لئے ولایت عیسوی سے ولایت مصطفوی افضل ہے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وکل ولی لہ قدم و انی   علی قدم النبی بدر الکمال

یعنی میرے بلندی درجات کی وجہ یہ ہے کہ ہر ولی کسی خاص پیغمبر کا مظہر ہوتا ہے کسی کو ولایت عیسوی حاصل ہے کسی کو موسوی لیکن میں سید الانبیاء علیہ السلام کے قدم بقدم ہوں اور ولایت مصطفوی کا مظہر لہذا سید الاولیاء ہوں نیز جیسے کہ دنیوی ضرورت پر بیوی کو صحبت سے پہلے یا بعد طلاق دی جا سکتی ہے۔ ایسے ہی دینی ضرورت پر دنیا کو بعد استعمال یا قبل استعمال طلاق

ذی جاسکتی ہے زیارت بیت اللہ کے لئے وطن 'اولاد' احباب کو چھوڑو بلکہ احرام باندھ کر آرام سے منہ موڑو۔ ایسے ہی زیارت ذات اللہ کے لئے نفس 'بدن' قلب 'قالب بلکہ سب چیز سے منہ موڑو۔ خودی کو مٹاؤ تو خدا پاؤ۔ قل اللہ ثم ذرھم 'نیز جیسے کہ طلاق دی ہوئی بیوی کو بقدر صحبت دینا واجب بیت اللہ جاتے وقت بال بچوں کے لئے خرچ چھوڑنا ضروری۔ ایسے ہی دنیا کو طلاق دیتے وقت دنیوی قرابت داروں کو بقدر صحبت کچھ دینا ضروری اس لئے واصلین کے تاجدار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لہمنک علیک حقا اور جیسے کہ بچہ کا دودھ چھڑا کر اسے خاطر خواہ نرم غذائیں دیتے ہیں ایسے ہی جب طفل نفس کو دایہ دنیا سے جدا کرو تو کچھ دوسری لذیذ غذائیں دو۔ اسی لئے سرکاری حکم ہے کہ و لنفسک علیک حق۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

اور اگر طلاق دو تم انہیں پہلے سے اس کے کہ چھوؤ انہیں حالانکہ بے شک مقرر کر دیا ہو تم نے واسطے ان کے

اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا

فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ

مہر پس آدھا ہے اس کا جو مقرر کیا تم نے مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ یا معاف کرے وہ شخص کہ بیچ

اس کا آدھا واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا وہ زیادہ دیں جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے

عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ

[illegible]

ہاتھ اس کے گرہ نکاح کی ہے اور یہ کہ معاف کرو تم زیادہ قریب ہے واسطے پرہیزگاری کے اور نہ بھولو احسان کو

اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو

بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

احسان کو درمیان اپنے۔ تحقیق اللہ ساتھ اس کے کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

بھلا دو بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے

تعلق : پچھلی آیت میں صحبت سے پہلے طلاق دینے کا ذکر ہوا۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ کیا گیا ہو۔ پہلی صورت پچھلی آیت میں بیان ہوئی۔ دوسری صورت اور اس کے احکام اب بیان ہو رہے ہیں۔

تفسیر : **وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن** یہاں بھی شوہروں سے خطاب ہے۔ اور مس سے صحبت مقصود۔ اگرچہ اتنا مضمون گزشتہ آیت ہی کی طرح ہے۔ مگر طریقہ بیان مختلف ہونے سے عبارت بہت لطیف ہو گئی کہ وہاں لاجناح سے مضمون شروع ہوا تھا کیونکہ مہر بالکل واجب نہ تھا اور یہاں وان طلقتموھن سے کیونکہ آدھا واجب ہے اور طلاق سے مراد طلاق

بائنہ یا مغلظہ ہے کیونکہ ایسی عورت کو طلاق رجعی پڑ ہی نہیں سکتی۔ طلاق رجعی وہ ہے جس میں عدت کے اندر بغیر تجدید نکاح
رجوع ہو سکے اور اس مطلقہ پر عدت ہے ہی نہیں تو اب رجوع کی کیا صورت ہو لہذا غیر مدخولہ بیوی کو طلاق ہمیشہ بائنہ ہوگی یا
مغلظہ۔ **وقد فرضتم لهن فريضة** ظاہر یہ ہے کہ یہ واؤ حالیہ ہے۔ کہ اگرچہ مہر کا مقرر کرنا طلاق سے پہلے ہے مگر اس کا تقرر تو
اب بھی باقی ہے لہذا حال ہونا درست۔ اور ہو سکتا ہے کہ واؤ عاطفہ ہو اور فرضتم، طلقتم پر معطوف اور یہ دونوں جملے
شرطیہ ہوں اور آئندہ عبارت جزا یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو جماع سے پہلے طلاق دے دو حالانکہ ان کے لئے بوقت نکاح مہر مقرر کر
چکے تھے تو **فنصف ما فرضتم** اس سے پہلے یا تو لہن پوشیدہ ہے یا علیکم یعنی تو ان عورتوں کے لئے مقرر مہر کا آدھا ہے اور باقی
آدھا تمہارے لئے یا تم پر صرف آدھا واجب ہے اور آدھا معاف **الا ان يعفون** اسی مجموعی حکم سے استثناء ہے اور يعفون
کا فاعل طلاق والی عورتیں ہیں۔ یہ لفظ عفو سے بنا بمعنی معاف۔ معاف کو بھی اسی لئے عفو کہا جاتا ہے کہ اس سے حق یا مطالبہ
مٹ جاتا ہے **او يعفو الذي بيده عقدة النكاح** یہ يعفون پر معطوف ہے اور دوسرا استثناء اور الذی سے شوہر مراد ہے۔
ید بمعنی قبضہ چونکہ نکاح میں زوجین بندھے ہوتے ہیں اس لئے اسے نکاح کا قابض قرار دیا گیا یہی سعید ابن مسیب و علی ابن
ابی طالب اور بہت سے صحابہ کرام کا قول ہے رضی اللہ عنہم۔ حدیث میں بھی الذی کی تفسیر زوج سے کی گئی۔ اس صورت میں
عفو سے یا تو پورا دیا ہوا مہر واپس نہ لینا مراد ہے یا بطور مہربانی سارا دے دینا یعنی واجب سے زیادہ ادا کرو جیسا رب فرماتا ہے
یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو یعنی اسی طلاق میں آدھا مہر واجب ہے۔ لیکن اگر عورتیں اپنا آدھا معاف کردیں تو
بھی جائز ہے اور اگر مالک نکاح یعنی شوہر بطور مہربانی زائد دے یا کل دیئے ہوئے میں سے کچھ واپس نہ لے۔ تب بھی جائز **وان
تعفوا اقرب للتقوى** ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب صرف شوہروں سے ہے۔ اقرب تفضیل ہے اور لام بمعنی الی روح المعانی میں
ہے کہ تفضیل و تعجب کے بعد وہی حرف آتا ہے جو فعل کے بعد آتا ہے چونکہ قرب سے قریب کے بعد لام بھی آتا ہے۔ لہذا اقرب
کے بعد بھی لام آ گیا روح البیان نے فرمایا کہ یہ لام تعدیہ کا نہیں بلکہ علت کا ہے۔ یعنی اے مردو! بمقابلہ عورتوں کے تمہارا
معاف کرنا اور پورا مہر دے دینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے یا عفو اور مہربانی تمہیں زیادہ لائق ہے "تقویٰ کیلئے" کیونکہ تم
مخدوم ہو۔ بیویاں ہیں تمہاری خادم۔ مخدوم کو چاہئے کہ خادم پر کرم کرے۔ (احمدی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان تعفوا میں
شوہر بیویوں دونوں ہی سے خطاب ہے اور تغلیباً بصیغہ جمع مذکر آیا یعنی اے عورت و مرد چشم پوشی اور معافی تقویٰ سے قریب
تر ہے۔ **ولا تنسوا الفضل بينكم** لا تنسوا میں زوجین سے خطاب ہے جیسا کہ بینکم سے معلوم ہوتا ہے اور یہ نسیان
سے بنا بمعنی بھولنا مگر یہاں ترک کرم مراد ہے۔ کیونکہ بھول چوک قبضہ میں نہیں۔ فضل سے احسان مہربانی اور خوش معاملگی
مراد ہے۔ بینکم لا تنسوا کا ظرف ہے بعض نے فرمایا کہ یہ ایک پوشیدہ لفظ کا ظرف ہو کر فضل کی صفت ہے خیال رہے کہ یا تو
فضل سے آئندہ کا احسان مراد ہے یا گزشتہ نیکیاں۔ یعنی اے شوہرو اور بیویو! تم ایک دوسرے کے گزشتہ احسانات نہ بھولو انہیں یاد
رکھ کر ایک دوسرے کے احسان مند رہو مرد تو یہ خیال رکھے کہ عورت اتنے عرصہ میں میری پابند ہی بیٹھی رہی اور ہم نے اسے
طلاق دے دی۔ اس کا مجھ پر احسان ہے بلکہ حدیث پاک میں تو ارشاد ہوا کہ اپنے سسر کو اپنے والد کی مثل سمجھو۔ لہذا اس کا
احسان مانو کہ اس نے اپنی لڑکی تمہارے عقد میں دی یا آئندہ خوش خلقی اور مہر و کرم نہ چھوڑو اور ہو سکتا ہے کہ شوہر و بیوی کے
قبیلوں سے خطاب ہو کہ تم لوگ اس طلاق کی وجہ سے آپس میں لڑ نہ جاؤ بلکہ گزشتہ محبت اور احسان کو یاد رکھو۔ اور آئندہ بھی

ایک دوسرے سے اچھے سلوک کرو کیونکہ ان اللہ بما تعملون بصیر اللہ تمہارے سارے کام دیکھ رہا ہے انہیں کے مطابق جزا سزا دیگا۔

خلاصہ تفسیر : اے شوہرو! اگر تم اپنی بیویوں کو صحبت سے پہلے طلاق دو اور اس سے پہلے تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو تم پر مقرر شدہ مہر کا آدھا واجب ہے لیکن عورت وہ آدھا بھی معاف کر دے تو اسے اختیار ہے یا وہ خاوند جس کے قبضہ میں نکاح کی باگ ڈور ہے وہ پورا ہی دیدے یا پورے دیئے ہوئے میں سے کچھ واپس نہ لے تو اسے بھی اختیار ہے ہاں بہتر اور تقویٰ سے قریب تر یہ ہی ہے کہ مرد زائد دے دے کہ وہ مالک نکاح اور عورت کا حاکم ہے۔ حاکم ہو کر محکوم سے مانگنا مالک ہو کر مملوک سے کرم کی درخواست کرنا کچھ مناسب نہیں اور اے شوہرو اور طلاق والی بیویو یا اے شوہرو اور ان بیویوں کے قبیلہ والو آپس کے گزشتہ احسانات بھلا نہ دو اور نہ آئندہ کے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لو کیونکہ نکاح و طلاق کی وجہ سے محبت ایمانی اور رشتہ اسلامی نہیں ٹوٹ جاتا مرد تو یہ سمجھ کر کہ اگرچہ میں نے عورت سے نفع حاصل نہ کیا مگر یہ میری پابند تو رہی نصف مہر دینے میں کوتاہی نہ کرے اور عورت یہ سمجھ کر کہ میں بغیر خدمت اس سے یہ مال لے رہی ہوں آدھا لینے میں منہ نہ بگاڑے بلکہ اگر دل میں گنجائش ہو تو یا تو مرد سارا ہی دے دے یا عورت بخوشی آدھا بھی معاف کر دے۔ خوب خیال رکھو کہ رب تعالیٰ تمہارے ہر برے بھلے کام کو دیکھتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مہر بندے کا حق ہے اسی لئے معافی سے معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ ان یعفون سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: شوہر مالک نکاح ہے کہ نکاح کا باقی رکھنا اس کے قبضہ میں ہے جیسا کہ بیدہ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: مالک کا مملوک پر احسان کرنا زیادہ بہتر ہے نہ کہ مملوک سے احسان کی درخواست کرنا جیسا کہ وان تعفوا سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: طلاق کو ذریعہ جنگ بنانا سخت گناہ ہے چاہیئے کہ گزشتہ محبت و سلوک باقی رہے جیسا کہ لا تنسوا الفضل سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: خلق پر مہربانی کرنا باعث ثواب ہے جیسا کہ بصیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: وقت نکاح کا مقرر کردہ مہر آدھا ہو سکتا ہے نہ کہ بعد کا یعنی اگر کوئی نکاح تو بغیر مہر کرے پھر بعد میں کچھ مقرر کرے اور پھر خلوت سے پہلے طلاق دے دے تو اس صورت میں اس پر صرف کپڑوں کا جوڑا ہی واجب ہو گا کہ اس کے بعد والے مہر کا آدھا کہ یہ بھی مہر مثل کے طرح نصف نہیں ہو سکتا۔ پورا ہی واجب ہوتا ہے جیسا کہ فرضتم سے معلوم ہوا کیونکہ بعد کا مقرر کردہ مہر تو زوجین کی ذاتی رضامندی ہے نہ کہ حق نکاح۔ (در مختار باب المہر)۔

مسئلہ : مہر کم از کم دس درم ہے اور درم ساڑھے چار آنہ کا۔ تو مہر تقریباً پونے تین روپیہ ہے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں جو بھی مقرر ہو جاوے۔ مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر پانسو درم تھا تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ اگر کوئی سنت کی نیت سے یہ ہی مہر مقرر کرے تو بہتر ہے ورنہ اسے اختیار ہے۔ ساتواں فائدہ: تمام معاملات میں چشم پوشی سے کام لینا باعث ثواب ہے جیسا کہ لا تنسوا الفضل سے معلوم ہوا۔ مگر افسوس کہ مسلمان یہ اصول بھول گئے۔ آٹھواں فائدہ: مس اور تمس دونوں کے معنی چھونا ہیں مگر کبھی اس سے مراد صحبت بھی ہوتی ہے۔ دیکھو ان دونوں آیتوں میں تمسوھن سے مراد صرف چھو لینا نہیں کیونکہ کسی امام کے ہاں عورت کو صرف

چھو لینے سے نہ تو عدت واجب ہوتی ہے نہ پورا مہر بلکہ یہ دونوں چیزیں صحبت حقیقی یا صحبت حکمی یعنی خلوت سے واجب ہوتی ہیں۔ لہٰذا آیت کریمہ او لٰمستم النساء میں بھی عورت سے صحبت یا مباشرت فاحشہ مراد ہو گی نہ کہ صرف چھونا لہٰذا عورت کو چھو لینے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ایسے ہی حدیث من مس مراۃ فلیتوضا مس سے مراد مباشرت ہے نہ کہ صرف چھو لینا جیسے کہ اس آیت او لٰمستم النساء میں۔ آگے ہے او جاء احد منکم من الغائط میں صرف پاخانہ سے آجانا مراد نہیں بلکہ پاخانہ سے فراغت مراد ہے اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ بوقت تہجد میں حضور کے آگے لیٹی ہوتی تھی سرکار جب سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ سے اشارۃً "چھو دیتے" میں پاؤں سمیٹ لیتی آپ سجدہ کر لیتے بعد میں پھر پاؤں پھیلا لیتی تھی اگر مطلقاً عورت کو چھو لینے سے وضو جاتا رہتا تو آپ نماز تہجد کیسے پوری کرتے غرضیکہ مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی دو طرفہ کوئی حد نہیں خواہ زوجین ایک پیسہ مقرر کر لیں یا لاکھ روپیہ جیساکہ فرضتم سے معلوم ہوا پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ دس درم سے کم جائز نہیں۔ جواب: زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں جیساکہ یہاں فرضتم سے اور دوسری آیت میں' قنطارا سے معلوم ہوا مگر کم کی حد ہے جیساکہ آیت 'قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں رب نے فرض کو اپنی طرف نسبت فرمایا اور اس کی تفسیر حدیث نے فرمائی کہ دس درم سے کم مہر جائز نہیں۔ جن احادیث میں اس سے کم مہر کا ذکر ہے اس سے مہر معجل مراد ہے۔ دوسرا اعتراض: بیدہ عقدۃ النکاح' سے بیوی کا ولی مراد ہونا چاہئے نہ کہ شوہر چند وجوں سے۔ (1) نکاح کی باگ ڈور ولی زوجہ کے ہاتھ میں ہے کہ وہ چاہے نکاح کرائے یا نہ کرائے شوہر اس معاملہ میں مستقل نہیں بغیر مرضی جانبین نکاح نہیں ہوتا۔ (2) اگر شوہر مراد ہوتا تو لو یعفوا صیغہ خطاب کا آتا جیساکہ طلقتموھن وغیرہ میں ہوا۔ (3) نیز پھر اتنی لمبی عبارت نہ لائی جاتی صرف لو یعفوا کافی تھا۔ (4) نیز اس صورت میں اگلی عبارت وان یعفوا بیکار ہو گی۔ (5) نیز شوہر نصف مہر معاف نہیں کرتا بلکہ ہبہ کرتا ہے زائد دینے کو عفو نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا آیت کا یہ مطلب ہونا چاہئے کہ نصف مہر یا تو خود عورتیں ہی معاف کر دیں یا ان کا ولی (حضرات شافعی)۔ جواب: تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضرت علی اور بے شمار صحابہ کرام کا یہی فرمان ہے کہ اس سے شوہر مراد ہے چنانچہ حضرت جبیر ابن مطعم نے اپنی بیوی کو بغیر خلوت طلاق دے کر پورا مہر دیا اور فرمایا کہ عفو کا زیادہ مستحق ہوں (کبیر و درمنثور) اور نکاح کے بعد اس کی بقاء کی ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے کہ خواہ باقی رکھے یا طلاق دے دے عورت کے ولی کے ہاتھ میں یہ ڈور کبھی نہیں آئی کہ نہ تو وہ بروقت نکاح اس کا پورا مالک تھا نہ بعد میں۔ (3) خطاب و غائب کے صیغوں سے ایک شخص کو تعبیر کرنا التفات کہلاتا ہے جو فصاحت و بلاغت کا بہترین اصول ہے۔ (4) اتنی لمبی عبارت لانے میں شوہر کو پورا مہر دینے پر مائل کرنا مقصود ہے کہ چونکہ وہ مالک نکاح ہے لہٰذا وہی کرم بھی کرے۔ (5) وان یعفوا اسی کی تفسیر ہے۔ (6) عفو کے معنی ہمیشہ معافی ہی نہیں ہوتے بلکہ کبھی اس سے نرمی' زیادتی بھی مراد ہوتی ہے جیسے فمن عفی لہ من اخیہ شئی' عفو بمعنی نرمی یا ویسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو' نیز کبھی شوہر پورا مہر نکاح کے وقت ہی دے دیتا ہے۔ اب اگر خلوت سے پہلے طلاق ہو جائے تو آدھے کی واپسی کا حق دار ہے واپس نہ لینا اس کی طرف سے معافی ہے۔ نیز عورت کے ولی کو مہر معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ نابالغ لڑکی کا وہ نقصان نہیں کر سکتا اور بالغہ اپنے مہر کی خود مالک ہے۔ تیسرا اعتراض: نکاح توڑنے کا حق تو عورت کو بھی ہے کہ اگر وہ اپنے سسر وغیرہ سے زنا کرا لے نکاح جاتا رہے پھر نکاح کا مالک شوہر کہاں رہا۔ جواب: طلاق کا حق صرف مرد ہی کو ہے نہ کہ عورت

کو۔ عورت کی بعض ناجائز حرکتوں پر نکاح ٹوٹتا نہیں بلکہ فسخ ہوتا ہے اور پھر بھی عورت نکاح فسخ نہیں کرتی۔ وہ تو ایک جرم کرتی ہے جس سے نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا مالک شوہر ہی ہوا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے خلوت سے پہلے طلاق دینے پر مہر مقررہ کا نصف دینا ضروری ہے کہ اگرچہ شوہر نے بیوی سے کچھ نفع حاصل نہ کیا مگر عقد نکاح کا یہ اثر ضرور ہوا ایسے ہی جو مرد خدا ماسوا اللہ کو چھوڑ کر متوجہ الی اللہ ہو تو وہ نفس وغیرہ سے کچھ نفع حاصل کرے یا نہ کرے۔ اس کا حق محبت کچھ نہ کچھ ضرور ادا کرے اور خیال رہے کہ عفو یعنی ماسوا اللہ کو چھوڑنا تقویٰ حقیقی سے زیادہ قرب ہے کیونکہ جس قدر غیر سے دوری ہو گی اسی قدر رب سے قرب۔ دنیا میں نیک اعمال ضرور کرے۔ مگر فضل الٰہی پر نظر رکھے کہ جنت کا داخلہ اس کے فضل سے ہو گا نہ کہ محض اپنی کوشش سے رب کو ہمیشہ بصیر سمجھو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رب کو سمیع و بصیر جاننے والا گناہ پر جرات نہیں کر سکتا جو بندوں سے چھپ کر جرم کرے وہ در حقیقت رب کے بصر کی اہانت کرتا ہے اگر خدا کو بصیر جان کر گناہ کرتا ہے تو بہت دلیر ہے۔ اور اگر اسے بصیر نہیں مانتا تو کافر ہے کسی نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں کوئی آپ جیسا بھی ہے تو فرمایا کہ جس کی نظر عبرت ہو اور خاموشی فکر اور کلام ذکر وہ مجھ جیسا ہے۔ قلب منور ہو کر کھل جاتا ہے قلب کی نورانیت کی علامت دنیا سے بے رغبتی آخرت سے محبت اور موت کی تیاری ہے۔ (از روح البیان)۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ

حفاظت کرو اوپر نمازوں کے اور نماز بیچ والی کے اور کھڑے ہو واسطے اللہ کے اطاعت کرنے والے ۞ پس

نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے ۞ پھر

خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا

اگر خوف کرو تم پس پیدل یا سوار پس جبکہ امن میں ہو جاؤ پس ذکر کرو اللہ کا جیسے کہ سکھایا اس نے

اگر خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے پھر جب اطمینان ہو تو اللہ کی یاد کرو جیسا

لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

وہ جو نہ تھے تم جانتے ۞

اس نے سکھایا جو تم نہ جانتے تھے ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : اولاً ۱۴ اصل ذکر جنگ کا تھا اور طلاق کے مسائل اس کے ضمن میں آ گئے تھے۔ اب بالخصوص نماز خوف یعنی جنگ کی نماز کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق** : طلاق کی آیتوں میں بھی بار بار تقویٰ کی ہدایت کی گئی اور چونکہ نماز تقویٰ کی کنجی ہے۔ اس لئے مضمون طلاق کو ختم کرنے سے پیشتر اس کی طرف خاص

توجہ دلائی۔ **تیسرا تعلق:** بہت دور سے طلاق کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ اب عوام کو بتایا جارہا ہے کہ یہ مسائل فروعی ہیں۔ نیکیوں کی جڑ نماز ہے لہٰذا دنیوی جھگڑوں میں پھنس کر اس سے غافل نہ ہو جانا۔ اور علماء کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم معاملات کے مسائل میں پھنس کر اپنے فرائض یعنی نماز کو نہ بھول جانا۔ حضرت امام محمد غزالی بڑے پایہ کے عالم تھے اور ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی بڑے پائے کے ولی ایک بار امام احمد نے امام محمد غزالی کے پیچھے نماز شروع کی مگر درمیان سے چھوڑ دی۔ نیت توڑ کر چلے گئے۔ امام غزالی نے اپنی والدہ سے اس کی شکایت کی ماں نے امام احمد سے وجہ پوچھی وہ بولے میرے بھائی نماز میں کھڑے ہو کر طلاق و نکاح کے مسائل سوچتے ہیں اور جو آیت پڑھتے ہیں اس سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں یہ محراب مسجد ہے یا دار الافتاء والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ پھر تم اپنے بھائی سے بدتر ہو کہ وہ تو نماز میں مسائل تلاش کرتے ہیں اور تم ان کے عیوب ڈھونڈتے ہو اگر تم نماز میں مشغول ہوتے تو تمہیں پتہ کیسے چلتا کہ اس وقت میرے بھائی کے دل میں کیا خیال گزر رہا ہے پہلے تم اپنی اصلاح کرو بعد میں دوسروں پر اعتراض کرنا۔ سبحان اللہ ماں نے کیا پیارا جواب دیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں طلاق' عدت و مہر وغیرہ کے بہت سے مسائل بیان ہوئے جن کی پابندی بظاہر دشوار معلوم ہوتی تھی۔ لہٰذا اب نماز کی پابندی کا حکم فرمایا جس سے دل کی اصلاح اور اصلاح قلب سے سارے معاملات درست ہوتے ہیں لہٰذا تم پابندی نماز کی کرو تا کہ تمہیں یہ بھی اور دیگر معاملات بھی آسان ہوں۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ طلاق کے بعد بھی آپس کے احسانات نہ بھولو۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ خالق کے احسان بھی نہ بھولو۔ اس کی اطاعت میں سرگرم رہو اور نمازوں کی پابندی کرو۔

شان نزول : ایک قوم عمارات بنانے اور مکانات آراستہ کرنے میں مشغول ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنی مسجدوں کو بے آباد کر دیا تھا۔ ان کے حق میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (احمدی)۔

تفسیر : حفظوا علی الصلوت حافظوا محافظت سے بنا جس میں شرکت بھی ہے اور مبالغہ بھی یہاں دونوں معنی ہی بن سکتے ہیں۔ مبالغہ یہ کہ اسے ہمیشہ پڑھنا۔ وقت پر پڑھنا فرائض و واجبات کا خیال رکھنا۔ سنت و مستحبات کا لحاظ رکھنا۔ حضور قلبی سے ادا کرنا مراد ہو۔ اور شرکت یہ کہ انسان نماز کی حفاظت کرے کہ اسے قضا نہ ہونے دے اور نماز انسان کی حفاظت کرے کہ اسے گناہوں سے' بلاؤں سے' عذاب آخرت سے بچائے۔ اس طرح نماز کی برکت سے انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے مرتے وقت خاتمہ بالخیر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن' حدیث سے ثابت ہے قبر میں حساب نہیں ہونے دیتی کہ بندہ وہاں اٹھتے ہی کہتا ہے عصر جاری ہے مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ حشر میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا۔ اگر اس میں پاس ہو گیا تو پھر آگے خیریت ہے۔ تقریری امتحانات میں پہلے سوالات ہی سخت ہوتے ہیں اگر ان میں پاس ہو اتو آئندہ آسانی ہے یا انسان نماز کی حفاظت کرے اور رب اس کی (تفسیر کبیر) یا اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو نماز کا محافظ و پابند بناؤ کہ ہر دوست دوسرے کو' خاوند بیوی کو' بیوی خاوند کو' ہر مسلمان ایک دوسرے کو نماز کا پابند بنائے۔ خیال رکھو کہ رب تعالیٰ نے دوسری عبادتوں کے ادا کرنے کا حکم دیا۔ زکوٰۃ' روزہ' حج وغیرہ مگر نماز ادا کرنے کا کہیں حکم نہ دیا بلکہ یا اس کے قائم کرنے کا حکم دیا یا اس کی حفاظت کا کہیں فرمایا **اقیموا الصلوٰۃ** اور کہیں فرمایا حافظوا علی الصلوات کیونکہ نفس پر نماز ہی گراں ہے۔ اکثر مسلمان نماز پر ہی آکر فیل ہوتے ہیں۔ رب

فرماتا ہے **وانها لكبيرة الا على الخشعين** مسلمانوں کے چھوٹے بچے ضد کرکے روزے رکھتے ہیں مگر نماز سے بڑے بوڑھے بھی دل چراتے ہیں۔ اس لئے نمازہی کا حکم بہت جگہ دیا گیا اور ا تیمو' حافظو' سے تاکیدی حکم دیا گیا۔ صلوات سے فرض نمازیں مراد ہیں (روح) یعنی اے مسلمانو! تم نمازوں کی خوب پابندی کرو یا نماز کی تم حفاظت کرو اور وہ تمہاری یا تم نمازوں کی پابندی کرو اور رب تمہاری حفاظت۔ **والصلوة الوسطى** وسطی اوسط کا مونث ہے اوسط کے معنی بیچ والی کے بھی ہیں اور افضل کے بھی جیسے **قال اوسطهم** یعنی افضلهم یا است وسطا' یہاں دونوں ہی معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی بیچ والی نماز یا سب سے افضل' بعضوں نے کہا کہ اس سے نماز فجر مراد ہے۔ بعض کے نزدیک ظہر بعض کے نزدیک مغرب اور بعض کے خیال میں عشاء بعض کے نزدیک جمعہ۔ بعض کے خیال میں نماز پنجگانہ بعض کے نزدیک یہ بھی اسم اعظم اور ساعت اجابت کی طرح نامعلوم ہے۔ ان سب کے دلائل تفسیر کبیر میں ملاحظہ کرو۔ مگر حق یہ ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔ چند وجوں سے۔(1) خندق کے دن حضور علیہ السلام کی نماز عصر قضا ہو گئی تو فرمایا کہ ان کفار نے ہم کو نماز وسطی سے روک دیا۔(2) عائشہ صدیقہ کی قرات میں اس کے بعد و صلوة العصر بھی ہے وہ قرات اس کی تائید کرتی ہے۔(3) حضرت علی و ابن مسعود ابن عباس و ابو ہریرہ و امام نخعی و قتادہ وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے۔ غرضیکہ جمہور صحابہ کا یہی فرمان ہے۔ یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔(4) رب نے عصر کے وقت کی قسم فرمائی والعصر ان الانسان لفی خسر۔(5) حدیث شریف میں ہے کہ جس کی نماز عصر رہ گئی تو گویا اس کا مال و گھربار برباد ہو گیا معلوم ہوا کہ اس کی بہت تاکید ہے۔(6) نماز عصر میں دن رات کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں کہ دن کے جانے نہیں پاتے اور رات کے آجاتے ہیں۔(7) یہی وقت تجارت کے فروغ' سیرو تفریح اور کھیل تماشہ کا ہے اسی نماز سے غفلت کا قوی اندیشہ تھا لہٰذا اس کی تاکید کی گئی۔(8) عصر ہی کی نماز حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہ گئی تھی کہ آپ گھوڑوں میں مشغول ہو کر یہ نماز نہ پڑھ سکے۔(احمدی)(9) عصر سے پہلے دن کی دو نمازیں ہیں ایک ناقابل قصر یعنی فجر اور دوسری قصری یعنی ظہر اور اس کے بعد رات کی دو نمازیں ہیں ایک غیر قصری یعنی مغرب دوسری قصری یعنی عشاء تو گویا یہ نماز بالکل بیچ میں ہے۔(10) مولیٰ علی کی عصر کے لئے ڈوبا ہوا سورج واپس کیا گیا۔(شامی)(11) قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت مردہ کو وقت عصر محسوس ہوتا ہے عرض کرتا ہے کہ مجھے پہلے عصر پڑھ لینے دو پھر سوالات کرنا گویا اس نماز کی پابندی اس آخری امتحان میں مدد دے گی۔(12) نمازوں کے اوقات محسوس ہیں عصر کا وقت غیر محسوس لہٰذا اس کی پابندی ضروری۔ دیکھو پو پھٹنے سے فجر۔ سورج ڈھلنے سے ظہر۔ آفتاب ڈوبنے سے مغرب اور شفق غائب ہونے سے عشاء کا وقت آتا ہے مگر عصر کے وقت کی کوئی نشانی نہیں۔ علمی قواعد سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کی تاکید چاہئے **وقوموا لله قنتين** قوموا سے نماز کا قیام مراد ہے اور قانتین قنوت سے بنا جس کے معنی ہیں خاموشی' سکون' خشوع و خضوع اور اطاعت۔ رب فرماتا ہے۔ **ومن يقنت منكن لله و رسوله** نیز فرماتا ہے **فالصلحت قنتت** یہاں سارے معنی درست ہیں حضرت زید ابن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم پہلے نماز میں بات چیت کر لیا کرتے تھے اس آیت کے آنے سے خاموشی کا حکم ہوا۔ (مسلم بخاری) اس کے بعد صحابہ نماز میں حضور کے پیچھے سورة فاتحہ پڑھتے تھے جب حکم ہوا کہ **و اذا قرات القران فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون** تو اس سے قراۃ خلف الامام سے بھی روک دیا گیا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق جلد دوم میں مطالعہ فرماؤ۔ بعض اہل حدیث کہتے ہیں کہ وانصتوا سے نماز میں کلام منسوخ ہوا غلط ہے۔ مسلم بخاری کی احادیث کے خلاف ہے بعض نے فرمایا کہ قنوت بمعنی دعا ہے **امن هو قانت**

انا ء الیل یعنی نماز میں اللہ کے حضور باادب خاموشی 'عاجزی' زاری کرتے ہوئے کھڑے ہو۔ چونکہ بعض صورتوں میں نماز میں قیام فرض نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا **فان خفتم فرجالا او رکبانا** خوف سے دشمن یا درندے وغیرہ کا وہ ڈر مراد ہے جس سے قبلہ رو کھڑے ہو کر نماز ادانہ کی جاسکے۔ رجال رجل کی جمع ہے۔ جیسے تاجر کی جمع تجار اور صاحب کی صحاب۔ اس کے معنی ہیں پیروں پر رہنے والا خواہ چلتا ہو یا کھڑا ہو (کبیر) یہ ایک پوشیدہ فعل کے فاعل سے حال ہے رکبان راکب کی جمع ہے جیسے فرسان فارس کی یہ رجال پر معطوف ہو کر اسی ذوالحال کا حال ہے یعنی اگر تمہیں سخت خوف وڈر کی وجہ سے قیام ناممکن ہو تو چلتے ہوئے یا سواری پر ہی نماز پڑھ لو۔ خوف بہت قسم کے ہیں بعض خوف وہ ہیں جن سے تیمم جائز ہو جاتا ہے جیسے پانی پر دشمن یا درندہ ہو جیسے کربلا میں امام حسین کو کہ سامنے دریائے فرات تھا مگر آپ تیمم سے نمازیں پڑھتے تھے یا پانی کے استعمال سے موت یا بیماری کا خوف۔ بعض خوف وہ ہیں جن میں نماز خوف پڑھی جاتی ہے۔ جس کا ذکر سورۂ نساء میں ہے **واذا کنت فیهم فا قمت لهم الصلوة فلتقم طائفة منهم معک** اور بعض خوف وہ ہیں اس میں چلتے پھرتے سواری پر نماز ہوتی ہے۔ **فاذا امنتم فاذکروا الله کما علمکم** امن سے خوف اٹھ جانا اور ذکر اللہ سے نماز مراد ہے اور کما علکم سے اس کا باقاعدہ ادا کرنا یعنی جب کہ تم امن میں آجاؤ اور خوف جاتا رہے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح رب نے تمہیں بواسطہ پیغمبر سکھائی **ما لم تکونوا تعلمون** یہ علم کا مفعول ہے یعنی رب نے تم کو سارے وہ باتیں سکھائیں جو تم نہ جانتے تھے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! ساری فرض نمازوں اور بیچ والی نماز (نماز عصر) کو خوب پابندی اور نگہبانی کرو اور اللہ کے حضور ادب سے خاموش ہو کر عاجزی کرتے ہوئے کھڑے ہو۔ ہاں اگر کبھی تم درندے یا دشمن کے خوف میں پھنس کر نماز باقاعدہ قیام وغیرہ کے ساتھ ادانہ کر سکو تو پیدل یا سوار جیسے بن پڑے پڑھ لو۔ کیونکہ نماز کسی وقت معاف نہیں۔ پھر جب خوف جاتا رہے اور تم مطمئن ہو جاؤ تم اللہ کی یاد ایسے ہی کرنا جیسے کہ اس نے تم کو ساری وہ باتیں سکھائیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ علم بڑی نعمت ہے۔ جس کا شکریہ واجب۔ خیال رہے کہ نماز کی بہت قسمیں ہیں۔ (1) نماز پنجگانہ۔ (2) جمعہ (3) عیدین۔ (4) وتر۔ (5) نماز سنت۔ (6) نماز منت۔ (7) نماز نفل۔ (8) صلوۃ التسبیح۔ (9) نماز حاجت۔ (10) نماز اوابین۔ (11) صلواۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ۔ (12) نماز توبہ۔ (13) نماز تراویح۔ (15) نماز قضاء عمری۔ (16) نماز کسوف وغیرہ اس کے مسائل و فضائل شامی باب النوافل اور بہار شریعت میں دیکھو۔ نماز قضاء عمری کا طریقہ و ثبوت ہماری کتاب جاء الحق میں ملاحظہ کرو۔ پھر نماز پنجگانہ میں بھی کچھ رکعتیں فرض ہیں کچھ واجب کچھ سنت کچھ نفل ان وجوہ سے یہاں الصلوات جمع فرمائی گئی۔ خیال رہے کہ نماز پنجگانہ کی محافظت فرض ہے اور باقی کی کہیں واجب کہیں مستحب۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نماز کی محافظت ضروری ہے۔ اس محافظت میں بڑی گنجائش ہے ہمیشہ پڑھنا' صحیح وقت پر پڑھنا۔ اس کے فرائض و واجبات 'سنن و مستحبات کا لحاظ رکھنا' اخلاص اور حضور قلب سے ادا کرنا سب اس میں داخل ہے۔ دوسرا فائدہ: نمازیں پانچ ہیں۔ اس لئے کہ یہاں پہلے تو صلوات جمع فرمایا گیا جس سے کم سے کم تین نمازیں چاہئیں۔ پھر ان تین کے علاوہ ایک نماز وہ بھی ضروری ہے جو بیچ کی کہلائی جائے گی اور چار میں بیچ نہیں بنتا۔ لہذا کم سے کم پانچ ضروری ہیں۔ (کبیر) نیز وسطی یعنی بیچ کی نماز وہ ہے جس کے آس پاس برابر عدد ہوں اور یہ پانچ ہی میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تین میں آس پاس ایک ایک ہوگا اور ایک عدد نہیں۔ عدد وہ جو اپنے جانبین کے مجموعہ کا آدھا ہو مثلاً دو کہ اس سے

پہلے ایک ہے اور اس کے بعد تین۔ جس کا مجموعہ چار ہوا۔ جس کا آدھا دو ہے اور چونکہ ایک سے پہلے صفر ہے لہٰذا ایک عددی نہیں (روح البیان) نیز پانچ نمازیں دوسری آیتوں اور بے شمار احادیث سے بھی ثابت ہیں اسی پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ تیسرا فائدہ: نماز میں قیام فرض ہے۔ جیسا کہ قوموا صیغہ امر سے معلوم ہوا۔ مگر نوافل بیٹھ کر بھی جائز کہ وہاں بیٹھنا قیام کا نائب ہے۔ چوتھا فائدہ: نماز کے لئے جماعت سخت ضروری ہے جیسا کہ قوموا جمع سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: نماز کا قیام دوسرے ارکان سے اعلیٰ ہے کہ رب تعالیٰ نے خصوصیت سے اس کا حکم دیا ورنہ نماز میں قیام بھی آگیا اس لئے امام اعظم فرماتے ہیں کہ زیادتی سجود سے دراز قیام افضل چنانچہ زیادہ نوافل پڑھنے سے یہ افضل ہے کہ تھوڑے نفل پڑھے مگر دراز قیام کر لے یہ ہی احناف کا مذہب ہے یہ آیت امام صاحب کی دلیل بن سکتی ہے۔

مسئلہ: نماز جمعہ و عیدین میں جماعت شرط نماز پنجگانہ میں واجب نوافل میں منع جبکہ لوگوں کو بلا کر اہتمام سے کی جائے تراویح و نماز کسوف میں سنت۔ مسئلہ: نماز پنجگانہ کی جماعت شعائر میں سے ہے کہ اگر تمام لوگ چھوڑ دیں تو ان سے جنگ بھی کی جاسکتی ہے۔ (روح البیان) چھٹا فائدہ: نماز میں سلام و کلام، کھانا پینا، ادھر ادھر دیکھنا سب حرام ہیں جیسا کہ قانتین سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ قانتین سے نماز میں کلام منع ہوا اور وانصتوا سے امام کے پیچھے قرات ناجائز ہوئی۔ مسئلہ: نماز فجر میں قنوت نازلہ ناجائز ہے یہاں قانتین سے وہ قنوت مراد نہیں۔ ساتواں فائدہ: سخت خوف کی حالت میں نہ تو نماز میں قیام فرض ہے اور نہ قبلہ رخ ہونا بلکہ پیادہ یا سوار جس طرح ممکن ہو ادا کرلی جائے مگر یہ جب ہی ہے کہ جب نماز کے لئے ٹھہرنا ناممکن ہو جائے۔ (احمدی) مسئلہ: مسافر فرض و واجب کے علاوہ دیگر نمازیں سواری پر بھی پڑھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ تکبیر تحریمہ کے وقت کعبہ کو رخ کرلیا ہو۔ لہٰذا چلتی ریل میں سوائے فرائض و وتر سب نمازیں جائز ہیں۔ مسئلہ: جہاز میں ہر نماز جائز۔ آٹھواں فائدہ: امن کی حالت میں قیام وغیرہ سارے ارکان باقاعدہ ادا کرے جیسا کہ کما علمکم سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس نماز میں اللہ کے مقبول بندے کثرت سے شریک ہوں وہ زیادہ قابل قبول ہے اگرچہ تلاوت قرآن، رکوع، سجود وغیرہ تمام نمازوں میں یکساں ہیں دیکھو نماز وسطیٰ یعنی نماز عصر کی افضلیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نماز میں رات دن کے محافظ فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ نماز فجر کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **قران الفجر ان قران الفجر کان مشہودا**۔ تو حضرات صحابہ کرام کی نمازیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تمام مہاجرین و انصار کے ساتھ ہوئیں ایسے ہی نماز معراج جس میں حضور امام اور فرشتے موذن و مکبر اور تمام انبیاء مقتدی تھے یقیناً عام نمازوں سے افضل تھیں۔ جیسے نماز اعلیٰ وقت اعلیٰ جگہ میں اعلیٰ ہوتی ہے ایسے ہی اعلیٰ درجہ کے امام اعلیٰ ساتھیوں کے ساتھ اعلیٰ ہے اگرچہ قرآن ایک ہے مگر قاریوں میں فرق تخم ایک ہے مگر مختلف زمینوں، مختلف زمانوں میں بونے سے اس کی پیداوار مختلف ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ نماز فجر میں کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھنی چاہئے کیونکہ یہاں قوموا کے ساتھ قانتین فرمایا گیا۔ اور قنوت بمعنی دعا بھی آتا ہے۔ **امن ھو قانت اناء الیل** نیز حضور علیہ السلام سے فجر میں دعائے قنوت ثابت ہے۔ (حضرات شافعی) جواب: یہاں قنوت کے معنی دعائے قنوت کسی نے نہ کئے بلکہ یا تو اس سے اطاعت مراد

ہے یا خاموشی اگر دعائے قنوت مراد ہوتی تو ہر نماز میں قنوت پڑھنی چاہئے کہ یہاں کچھ قید نہیں ہے نیز احادیث ہی سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیر معونہ پر قنوت نازلہ پڑھی پھر لیس لک من الامر شیء الخ آیت نازل ہونے پر چھوڑ دی صرف ایک ماہ پڑھی صحابہ کرام نے اسے بدعت فرمایا۔ (مشکوٰۃ باب القنوت) اس کا نام ہی بتا رہا ہے کہ یہ ہمیشہ نہ پڑھی جائے کہ نازلہ آنے والی مصیبت کو کہتے ہیں۔ **مسئلہ:** ہمارے ہاں بھی خاص مصیبت اور بلا کے وقت نماز فجر با جماعت کی دوسری رکعت میں بعد رکوع چند روز قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے مگر آج کل بعض دیوبندیوں نے غیر مقلدوں کو راضی کرنے کے لئے ہمیشہ پڑھنی شروع کردی اور اس کے لئے کچھ بہانے تراش لئے کہ ترکوں کو جنگ کا خطرہ ہے۔ ایران میں فلاں عیسائی داخل ہو گئے افسوس کہ جب حرمین شریف میں نجدیوں نے بے پناہ ظلم کئے تو کسی دیوبندی کو قنوت نازلہ کی نہ سوجھی۔ بلکہ انہیں مبارکباد کے تار دیئے گئے۔ اب ترکوں پر فرضی مصیبت گھڑ کے قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے شروع کردی الحمد اللہ ترک آج کل بہت قوی ہیں اللہ ہر اسلامی حکومت کو دائم قائم رکھے امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے موقعہ پر بھی قنوت نازلہ نہ پڑھی۔ خیال رہے کہ اسلام پر سخت مصیبت پڑ جانے پر چند روز قنوت نازلہ پڑھی جائے پھر بھی خارج نماز پڑھنا بہتر ہے تاکہ اختلاف آئمہ سے بچا رہے اور اگر نماز ہی میں پڑھے تو صرف نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد پڑھے مگر آہستہ پڑھے بلند آواز سے ہرگز نہ پڑھے۔ فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں پڑھنا نماز کو فاسد کردیگا کیونکہ اس میں تاخیر سجدہ بلا ضرورت ہے اور تاخیر رکن ترک واجب ہے جو سہواً ہو تو سجدہ سہو واجب کرتا ہے اور اگر عمداً ہو تو نماز فاسد کردیتا ہے۔ قنوت نازلہ کی نفیس تحقیق ہمارے فتاویٰ نعیمیہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مطلقاً خوف پر نماز پیدل یا سواری پر پڑھی جاسکتی ہے لہذا جنگ میں بہر حال جائز ہونی چاہئے۔ (حضرات شافعی) **جواب:** کلام کی روش بتا رہی ہے کہ اس سے سخت خوف مراد ہے جب کہ ٹھہرنا ممکن ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن بھی چلتے پھرتے نہ پڑھی بلکہ چند نمازیں قضا فرمائیں۔ حالانکہ یہ آیت اس سے پہلے آچکی تھی اگر آیت کے بالکل ظاہری معنی کئے جائیں تو چاہئے کہ ہر مسلمان ہمیشہ نماز خوف ہی پڑھا کرے کہ رب کا خوف تو ہر وقت ہے۔

مسئلہ: اس نماز خوف میں قیام کی طرح رکوع و سجدہ بھی معاف ہے اس کے لئے اشارے ہی کئے جائیں گے۔ **تیسرا اعتراض:** **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** سے معلوم ہوا کہ صرف احکام شرعیہ رب نے مسلمانوں کو سکھائے نہ کہ سارے علوم غیبیہ اور قرآن شریف نے دوسری جگہ حضور کے متعلق فرمایا **وعلمک مالم تکن تعلم** تو چاہئے کہ وہاں بھی علوم شرعیہ مراد ہوں نہ کہ سارے علم غیب۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ایک ہی لفظ کے مختلف موقعوں پر قرآن کے لحاظ سے مختلف معانی ہوتے ہیں۔ دیکھو رب نے سورہ سبا میں فرمایا **واوتیت من کل شیء** وہاں مملکت کی چیزیں مراد ہیں اور اپنے لئے فرمایا خالق کل شیء یہاں تمام مخلوق مراد ہے ایسے ہی وہاں حضور کے لئے مالم اپنے عموم مطلق پر ہوگا اور یہاں ہمارے لئے مالم عموم شرعی پر ہوگا دوسرے یہ کہ واقعی حضور نے سارے واقعات صحابہ کو بتائے مگر وہ سب کو یاد نہ رہے۔

تفسیر صوفیانہ: نماز رب کی دعوت ہے جیسے کہ دعوت والا مہمان کے لئے دستر خوان پر قسم قسم کے کھانے جمع فرماتا ہے۔ ایسے ہی رب نے نماز میں مختلف ارکان جمع فرمادیئے۔ جن میں مختلف لذتیں ہیں بعض میں گناہوں کی معافی ہے بعض میں

نیکیوں کی زیادتی۔ بعض میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں بعض میں رب سے قرب حاصل ہوتا ہے مگر یہ فوائد نماز کی حفاظت کرنیوالا حاصل کر سکتا ہے۔ حفاظت یہ ہے کہ سر تو سوئے حرم جھکے اور دل روئے یار کی طرف سجدہ کرے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

محراب ابروئے تو اگر قبلہ ام نبود کے برفلک برند ملائک نماز من

اس لئے فرمایا گیا کہ حافظوا تم نمازکی حفاظت کرو۔ نماز اور خالق نماز تمہاری نگرانی فرمائے گا کہ تم نماز میں صدق اخلاص' حضور' خضوع' مناجات' تذلل' انکسار' استعانت' طلب ہدایت' سکون و وقار' ہیبت' تعظیم کا لحاظ رکھو تو رب تمہیں توفیق' اجابت' قبولیت انابت' (ثواب) اور انابت (رجوع) عطا فرمائے گا۔ دل کی نماز نماز وسطیٰ ہے کیونکہ دل بدن انسان کے بیچ میں ہے۔ نیز دل' روح و جسم کے درمیان واسطہ ہے۔ بدن کی نماز تو سلام پر ختم ہو جاتی ہے مگر دل کی نماز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ دل والوں کی یہ شان ہے کہ انہم فی صلاتہم دائمون۔ مہد (گہوارہ) سے لحد تک ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں۔ سالکین کو چاہئے کہ قبور میں جانے سے پہلے حرم حضور میں پہنچیں۔ کیونکہ فتور کی نماز اللہ غیور کے ہاں قبول نہیں۔ نماز کا کمال یہ ہے کہ نمازی کائنات سے بے خبر ہو جائے اللہ ایسی ہی نماز نصیب فرمائے۔ (از روح البیان)۔

دوسری تفسیر : نمازیں پانچ ہیں۔ (1) نماز سر جس میں مشاہدہ غیب ہے۔ (2) نماز نفس جس سے نفس کی خواہشات بجھ جائیں۔ (3) نماز قلب جس میں انوار کشف ظاہر ہوں۔ (4) نماز روح جس میں وصال ہو۔ (5) نماز بدن جس میں حواس کی حفاظت ہو۔ ان پانچوں نمازوں کو قائم رکھو۔ مگر بیچ کی نماز یعنی دل کی نماز کی بہت پابندی کرو۔ اس میں ماسوی اللہ سے پاکی شرط ہے اور توجہ الی اللہ اس کا رکن۔ یہ نماز خطرات اور کعبہ ذات سے پھر جانے پر فاسد ہو جاتی ہے اور رب کے سامنے ظاہری و باطنی اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو۔ اگر تمہیں راہ طریقت میں صدمات جلالی سے ڈر لگے تو صدق و یقین کے قدم یا عزم و ارادہ کی سواری پر نماز قلب ادا کرتے ہوئے جاؤ اور جب مقصود پر پہنچ کر یہ خوف دور ہو جائے تو پھر فنا کی نماز حسب ہدایت پڑھو۔ جس میں تم ہی تم ہو۔ کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ لیلیٰ تمہاری ہے بولا کہ میں خود لیلیٰ ہوں۔ (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز بدن کی حالت میں بدن کو دنیاوی مشاغل' کھانے پینے' کلام سلام سے بچایا جاتا ہے اور نماز نفس میں نفس کو دنیاوی خواہشات سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور نماز دل میں دل کی محبت ماسوی اللہ سے اور نماز روح میں جان کو ماسوی اللہ سے اور نماز سر میں اپنے ہستی کو ختم کر دیا جاتا ہے نماز بدن تو تکبیر تحریمہ پر شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتی ہے مگر دوسری نمازیں دل و نفس وغیرہ کی زندگی ختم ہونے پر اور نماز روح کبھی ختم نہیں ہوتی نہ روح کو فنا ہے نہ اس کی نماز کی انتہا۔

پینا حرام ہے نہ پلانا حرام ہے البتہ پی کے ہوش میں آنا حرام ہے

یہ کوچہ حبیب ہے صحن حرم نہیں! سجدہ کیا تو سر کا اٹھانا حرام ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز سر ادا کرنے والا اپنی ہستی کو فنا کر کے واصل باللہ ہو جاتا ہے جسکا نتیجہ بقاباللہ ہوتا ہے۔ قطرہ اپنے کو دریا میں فنا کر کے دریا بن جاتا ہے پھر اس میں روانی طغیانی موج لہر وغیرہ سب کچھ پیدا ہو جاتی ہے بندہ واصل باللہ ہو کر نوکا عدو بن جاتا ہے جسے کبھی فنا نہیں۔

تری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے نو کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

اس شعر کی نفیس تحقیق ہماری کتاب دیوان سالک میں ملاحظہ کرو۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَا

اور وہ جو وفات دیئے جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑتے ہیں بیویاں کر جائیں وصیت واسطے بیویوں اپنی

اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر تک

عًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ

کے خرچ کی ایک سال تک بغیر نکالے۔ پس اگر وہ خود نکل جائیں تو نہیں ہے کوئی گناہ اوپر تمہارے

نان نفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں جو انہوں نے اپنے

فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ

بیچ اس کے کہ کیا انہوں نے بیچ نفسوں اپنے کے لئے کوئی مناسب بات اور اللہ غالب حکمت والا ہے

معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان و

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ۝ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور واسطے طلاق والیوں کے سامان ہے ساتھ بھلائی کے ضروری ہے اوپر پرہیزگاروں کے۔ اسی طرح بیان فرماتا

نفقہ ہے یہ واجب پرہیزگاروں پر۔ اللہ یونہی بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتیں کہ کہیں

تَعْقِلُوْنَ ۝

ہے اللہ واسطے تمہارے آیتیں تاکہ تم سمجھو۔

تمہیں سمجھ ہو۔

پہلا تعلق: پہلے سے طلاق، وفات کی عدتوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ درمیان میں پابندی نماز کا ذکر ہوا۔ اب پھر اسی کے بقیہ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں عدت کے نان و نفقہ کا ذکر ہوا۔ اب بیوہ عورتوں کو بحالت عدت مکان دینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بحالت جنگ نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ جس سے نماز کی اہمیت کا پتہ لگا۔ چونکہ جنگ میں کبھی موت بھی ہو جاتی ہے اسی لئے اب بوقت موت بیبیوں کے لئے وصیت کر جانے کا حکم دیا جا رہا ہے تاکہ بی بی کے حقوق کی اہمیت معلوم ہو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا فاذکروا اللہ کما علمکم یعنی بحالت امن بھی نماز و اللہ کا ذکر کرتے رہو یہ نہ کرنا کہ خوف میں نماز پڑھ لی امن میں چھوڑ دی جیسے کہ رب نے تم کو نعمت علم سے نوازا

ہے تم بھی شکریہ میں ذکر اللہ کرتے۔ اب اپنے ذکر کے بعد بیویوں کے حقوق کی ادائی کا ذکر ہے کہ جیسے تم پر مرتے جیتے سوتے جاگتے ذکر اللہ ضروری ہے ایسے ہی مرتے جیتے اپنی بیویوں کے حقوق کی ادائیگی بھی لازم ہے کہ جیتے جی اسے نان نفقہ دو بعد مرے اس کے لئے اچھی وصیت کر جاؤ کیونکہ ذکر اللہ عبادات سے ہے اور زوجہ کے حق کی ادائیگی معاملات سے پرندہ دو پروں سے اڑتا ہے اور گاڑی دو پہیوں سے چلتی ہے تم بھی عبادات و معاملات دونوں پروں پر پرواز کر سکتے ہو جیسے کہ رب نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے احسان کا حکم دیا فرمایا **وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا**○

شان نزول : طائف میں ایک صاحب رہتے تھے حکیم ابن حارث۔ جب انہیں حضور علیہ السلام کے مدینہ پاک پہنچ جانے کی خبر ملی۔ تو یہ بھی مع اپنے بچوں اور ماں باپ کے وہاں سے ہجرت کر کے چل دیئے یا تو راستہ ہی میں یا مدینہ منورہ پہنچ کر ان کی وفات ہو گئی چونکہ یہ بہت مالدار تھے لہٰذا ان کے مال کا معاملہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا تب یہ آیت کریمہ اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کے مطابق ان کے مال باپ اور اولاد کو میراث دی اور ان کی بیوی کو محروم کیا اور سب وارثوں کو حکم دیا کہ ایک سال تک حکیم کی بیوی کو نان و نفقہ اور مکان دیں۔ (روح و احمدی)۔ (2) جب آیت **ومتعوھن حقا علی المحسنین** تک نازل ہوئی تو کسی نے کہا کہ طلاق کا جوڑا ایک احسان ہے خواہ میں کروں یا نہ کروں تب **وللمطلقت** الخ نازل ہوئی۔ (کبیر)۔

تفسیر : **والذین یتوفون منکم** یتوفون سے قریب وفات اور علامات موت کے ظہور کا وقت مراد ہے جسے مجاز اشارقت کہتے ہیں۔ منکم سے سارے مسلمان مراد ہیں۔ یعنی جو تم سے مرنے لگیں یا قریب موت ہو جائیں۔ **ویذرون ازواجا** واؤ یا تو حالیہ ہے یا عاطفہ اور یتوفون کی طرح یذرون میں بھی قرب ہی مراد ہے۔ ازواج سے خود مرنے والوں کی بیویاں مراد ہیں تاکہ لونڈیاں نکل جائیں۔ کیونکہ مولیٰ کی موت سے لونڈی پر عدت واجب نہیں یعنی اور بیبیاں چھوڑنے لگیں۔ **وصیۃ لازواجھم** اس سے پہلے یوصون فعل پوشیدہ ہے۔ وصیۃ اس کا مفعول ہے۔ **متاعا الی الحول** یہ یا تو اسی فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہے اور الی الحول متاعا کے متعلق اور یا متعوا پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے اور الی الحول اس فعل کا متعلق۔ اس صورت میں یہ ورثائے میت کو خطاب ہے۔ یعنی اپنی بیبیوں کو ایک سال تک نان و نفقہ دینے کی وصیت کر جائیں یا شوہر تو وصیت کر جائیں اور اے شوہر کے وارثو! تم وصیت پوری کرتے ہوئے ان کی بیوگان کو ایک سال تک خرچ دو۔ **غیر اخراج** یہ یا تو متاعا کا بدل اشتمال ہے یا بدل البعض کیونکہ اگر متاع سے صرف کپڑوں کا جوڑا مراد ہے تو مکان اس کے متعلقات میں سے ہے اور اگر پورا نان نفقہ مراد ہے تو مکان اس کا جز اور ہو سکتا ہے کہ ازواج کا حال ہو اور اخراج بمعنی مفعول۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ متاع کا بدل الکل ہو۔ (روح البیان و معانی) یعنی ایک سال تک بغیر نکالے ہوئے یا ایک سال تک اپنے شوہر کے گھر سے نہ نکالی جائیں۔ **فان خرجن فلا جناح علیکم** یہاں علیکم میں میت کے ورثاء یا حکام یا سارے مسلمانوں سے خطاب ہے اور خرجن سے ایک سال کے اندر عورتوں کا اپنی خوشی سے نکل جانا مراد ہے۔ یعنی اگر عورتیں اس مدت میں خود بخود ہی نکل جائیں تو اے ورثائے میت یا اے حکام اس کا تم پر الزام نہیں انہیں نکل جانے دو کیونکہ تمہارا ان کا نکالنا حرام تھا نہ کہ ان کا نکلنا۔ **فی ما فعلن فی انفسھن من معروف** فیما کا تعلق جناح سے ہے اور ما سے زینت خوشبو لگانا سوگ چھوڑنا اور دوسرے نکاح کی

تیاری مراد ہے معروف فرما کر اشارۃً یہ بتادیا کہ عورتوں کو صرف جائز زیب و زینت کی اجازت ہے نہ کہ ناجائز کی بھی یعنی وہ عورتیں اپنے معاملہ میں مناسب طور پر جو کچھ کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں **واللہ عزیز حکیم** اللہ غالب حکمت والا ہے۔ جس وقت جو چاہے احکام جاری فرمادے اور جس وقت جو حکم چاہے منسوخ کردے۔ بیوہ کا تو یہ حکم ہوا۔ اب طلاق والی کا حال بھی سنو۔ **وللمطلقت متاع بالمعروف** ظاہر یہ ہے کہ مطلقات سے ساری معتدہ طلاق صورتیں مراد ہیں خواہ ان کا مہر نکاح میں مقرر ہو یا نہ ہو اور متاع سے عدت کا خرچہ مراد ہے اور یہ حکم وجوبی ہے لہٰذا نہ تو یہ آیت منسوخ ہے اور نہ پچھلی آیت کے خلاف اور ممکن ہے کہ مطلقات سے عدت اور غیر عدت والی مطلقہ بیویاں مراد ہوں اور متاع سے جوڑا مقصود اور حکم وجوبی و استحبابی کو شامل ہو تب بھی آیت منسوخ نہیں یعنی ہر طلاق والی کے لئے متاع بھلائی کے ساتھ واجب ہے یا مستحب ہے کیونکہ عدت والی مطلقہ کو پورا مہر یا مہر مثل ملے گا اور عدت ختم ہونے پر اسے جوڑا دینا مستحب ہو گا اور غیر عدت والی مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہوا تھا اسے مہر نہ ملے گا مگر اسے جوڑا دینا واجب ہے یہ حکم اب بھی باقی ہے اور اگر مطلقات سے طلاق والی عورتیں مراد ہیں اور متاع سے جوڑا مراد اور حکم وجوبی ہے تو یہ حکم اب منسوخ ہے **حقا علی المتقین** یہ حق فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے اور متقین سے سارے مسلمان یعنی کفر سے بچنے والے مراد ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوبی ہے یعنی متاع سارے مسلمانوں پر واجب ہے **کذلک یبین اللہ لکم ایتہ** ذلک سے یا تو طلاق عدت وغیرہ احکام کی طرف اشارہ ہے یا اس طریقہ بیان کی طرف کہ معاملات کے ساتھ عبادات کا بھی ذکر ہوتا ہے یا قرآن کریم احکام کو بہت اجمال سے بیان فرماتا ہے۔ دیکھو **وللمطلقت متاع** میں نہ تو یہ بتایا کہ مطلقہ عورتیں کتنی قسم کی ہیں اور نہ یہ کہ متاع سے کیا سامان مراد ہے کس مطلقہ کو کیا سامان دینا ہے تاکہ تم قرآن کے ساتھ حدیث کے بھی محتاج رہو حضور سے مستغنی نہ ہو جاؤ۔ **یبین** تبیین سے بنا۔ جس کے معنی یا تو آہستگی سے بیان فرمانا ہیں یا خوب واضح طور پر صاف صاف لکم میں لام نفع کا ہے۔ آیات سے یا احکام کی آیتیں مراد ہیں یا ساری آیتیں یعنی ان گزشتہ احکام کی طرح یا اس طریقہ بیان کی طرح اللہ تمہارے نفع کے لئے اپنے احکام کی آیتیں تدریجاً بیان فرماتا ہے تاکہ تم پر احکام کا ایک دم بوجھ نہ پڑ جائے یا اپنے احکام خوب واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے **لعلکم تعقلون** تاکہ تم خوب سمجھ کر ان پر عمل کرو اور ان میں کسی قسم کا خطرہ نہ رہے۔

خلاصہ تفسیر: اسلام سے پہلے اہل عرب اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا کسی اور سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے اور اسے عار جانتے تھے بلکہ یا تو اپنے ساتھ نکاح کر لیتے اور یا اسے یوں ہی معلق رکھتے تھے اور بعض لوگوں میں یہ رواج تھا کہ بیوہ ایک سال تک اپنے شوہر کے گھر میں بیٹھتی پھر ایک سال بعد اونٹ یا بکری کی مینگنیاں پھینکتی۔ یہ مینگنیاں پھینکنا گویا عدت ختم ہونے کی علامت تھی ارادہ الٰہی ہوا کہ یہ دونوں رواج مٹا کر بیوگان پر آسانی کی جائے لیکن اگر ایک دم چار ماہ دس دن عدت مقرر کردی جاتی تو انہیں بھاری پڑتا۔ لہٰذا آہستگی سے انہیں راہ پر لایا گیا اور پہلے بیوہ کے لئے ایک سال ہی کی عدت مقرر کی گئی مگر کچھ فرق سے کہ انہیں اس کے پورا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا اس وقت کی یہ آیت ہے۔ جس میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو تم میں سے جو مرنے لگیں اور اپنی بیویاں چھوڑنے لگیں۔ ان پر لازم ہے کہ اپنے قرابت داروں کو اپنی بیویوں کے متعلق ایک سال تک بغیر نکالے نان نفقہ دینے کی وصیت کر جائیں۔ لیکن اگر وہ اس درمیان میں خود ہی تمہارے گھروں سے چلی جائیں تو وہ جو کچھ بھی اپنے ذاتی معاملہ میں بناؤ سنگار، دوسرے نکاح کی تیاری وغیرہ کریں تو انہیں نہ روکو کہ وہ مختار ہیں اور تم پر

اس کا کوئی گناہ نہیں۔ اس کے علاوہ طلاق والیوں کو بھی عدت طلاق میں مناسب طور پر نان نفقہ دو یہ چیزیں ہر اس شخص پر واجب ہیں جس کے دل میں خوف الٰہی ہو اور کفر سے بچتا ہو۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے یہ احکام واضح طور پر بیان فرمادیئے ایسے ہی اپنے سارے احکام تفصیل وار اور آہستگی سے بیان فرماتا ہے تاکہ سمجھو اور عمل کرو۔ علماء کرام نے 'وصیۃ لازواجہم کے متعلق فرمایا کہ اب جواز وصیت کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ مال قابل میراث ہو جس مال کی میراث نہیں بٹ سکتی اس کی وصیت بھی نہیں ہو سکتی جیسے میت کے پاس کسی کی امانت 'رہن' قرض کا مال نہ قابل میراث نہ لائق وصیت دوسرے یہ کہ وارث کو وصیت نہیں ہو سکتی جسے میراث کا ایک پیسہ ملے گا اس کے لئے وصیت درست نہیں گویا مال میں وصیت میراث کا لازم ہے اور شخص میں میراث کی دشمن اس وقت چونکہ عورت کو میراث ملتی ہی نہ تھی اس لئے ان کے لئے وصیت درست تھی اب بیویوں کا حصہ میراث میں ہو گیا لہٰذا ان کے لئے وصیت درست نہیں چونکہ وصیت و میراث مال میں لازم و ملزوم ہیں اس لئے نبی کسی کو مالی وصیت نہیں کر سکتے کہ ان کا مال قابل میراث نہیں لہٰذا جو کہے علی وصی رسول اللہ ہیں جھوٹا ہے ہاں ان کا کمال و اعمال لائق میراث بھی اور قابل وصیت بھی علماء دین کو وارثین رسول کہا جاتا ہے ہر مسلمان کو تقویٰ و طہارت کی وصیت ہے **اوصکم بتقوی اللہ الخ**۔

فائدے : پہلی آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بیوہ عورت کی عدت ایک سال ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بیوہ عورت اپنے شوہر کے مال کی وارث نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کیلئے ایک سال نان نفقہ دینے کی اہل قرابت کو وصیت کر جائے۔ **چوتھا فائدہ:** بیوہ کو نان نفقہ کے علاوہ ایک سال تک شوہر کی طرف سے مکان بھی ملے گا۔ **پانچواں فائدہ:** بیوہ پر یہ عدت گزارنا واجب نہیں ہے اس سے پہلے بھی وہ نکاح کر سکتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** یہ احکام اب منسوخ ہو گئے ایک سال کی عدت تو اربعۃ اشہر و عشرا والی آیت سے منسوخ ہوئی اور اب عدت موت صرف چار ماہ دس دن رہ گئی کہ وہ آیت اگرچہ تلاوت میں اس سے پہلے ہے مگر نزول اس کے بعد جیسے سورۂ علق نزول میں سب سے پہلے مگر اخیر قرآن میں آتی ہے عدت کا نان و نفقہ اور بیوی کا میراث نہ پانا آیت میراث سے منسوخ ہوا کہ اب انہیں چوتھائی یا آٹھواں حصہ میراث ملے گی۔ حدیث مشہور سے حکم سکنیٰ منسوخ ہوا یعنی بیوہ اپنی عدت کے لئے مکان کی مستحق نہیں کیونکہ اب یہ مکان میت کا نہ رہا ورثاء کا ہو گیا جب بیوہ نفقہ اور مکان کی مستحق نہ رہی تو اسے بوقت ضرورت دن میں نکلنا بھی جائز ہوا۔ اسی آیت میراث سے حکم وصیت بھی جاتا رہا کیونکہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اربعۃ اشہر و عشرا سے ہی عدت کا اختیار بھی منسوخ ہو چکا کیونکہ وہاں یتربصن معنی امر ہے نیز وہاں عدت کے بعد زیب و زینت کی اجازت دی گئی۔ لہٰذا یہ آیت ہر طرح منسوخ ہے بعض لوگوں نے بہت کھینچ تان کر اس کو غیر منسوخ قرار دیا مگر وہ صحیح نہیں۔

فائدے : غرضیکہ اس آیت کے چار احکام منسوخ ہو گئے۔ بیوہ کی عدت ایک سال ہونا عدت میں اختیار ہونا بعد موت خاوند کے مال سے ایک سال خرچ ملنا بیوی کے لئے وصیت کرنا۔ اب کسی حال میں بھی ایک سال عدت نہیں اب عدتیں کل چار قسم کی ہیں۔ تین ماہ تین حیض 'چار ماہ دس دن۔ اور بچہ کا جن دینا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں وہ اس آیت کو غیر منسوخ کیسے مانیں گے اور جو کہتے ہیں کہ قرآنی آیتہ حدیث سے منسوخ نہیں وہ بیویوں کے لئے وصیت کس آیت

سے منسوخ مانیں گے۔ حدیث شریف میں ہے لاوصیۃ للوارث اس حدیث سے تمام وہ آیات منسوخ ہیں جن میں وارثوں کے لئے وصیت کا حکم ہے۔ آیت کے فائدے۔ پہلا فائدہ: عدت طلاق میں عدت کا سارا خرچہ اور مکان شوہر کے ذمہ ہے جیسا کہ للمطلقت اور متاع کے عموم سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: یہ خرچہ حسب حیثیت واجب ہوگا جیسا کہ بالمعروف سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: یہ خرچہ ہر طلاق دینے والے مسلمان پر واجب ہے جیسا کہ حقا" سے وجوب اور علی المتقین سے عموم معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: جس عورت پر عدت واجب نہ ہو یعنی خلوت سے پہلے طلاق پانے والی اسے صرف ایک جوڑا دیا جائے مگر جس کو مہر بالکل نہ ملے۔ اسے دینا واجب ہے اور جسے مہر مقرر کا آدھا ملے اسے مستحب جیسا کہ للمطلقت اور متاع کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ پہلی صورت میں اس آیت میں نیا حکم ہے اور دوسری صورت میں یہ آیت پچھلی آیت کی تاکید ہے۔ مگر ان دونوں صورتوں میں یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ ہاں اگر مطلقت سے ساری طلاق والی عورتیں مراد ہوں اور متاع کے معنی جوڑا ہوں اور یہ حکم وجوبی ہو تو بعض کے حق میں منسوخ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ آیت کا بلاوجہ منسوخ ماننا بہتر نہیں۔ اسی لئے تفسیرات احمدیہ شریف نے اسے محکم مانا۔ پانچواں فائدہ: احکام الٰہی آہستہ آہستہ بقدر ضرورت آتے ہیں اور بعض بعض سے منسوخ بھی ہو جاتے ہیں جیسا کہ یہیں سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: ہر مطلقہ بیوی خاوند سے بعد طلاق کچھ نہ کچھ وصول کرے کوئی تو عدت کا خرچہ بھی اور جوڑا بھی اور پورا مقرر کردہ یا مثل مہر جیسے وہ عورت جسے بعد خلوت طلاق ہو یا صرف آدھا مہر جیسے وہ عورت جسے خلوت سے پہلے طلاق ہو اور مہر مقرر کیا گیا ہو یا صرف جوڑا جیسے وہ عورت جسے خلوت سے پہلے طلاق ہو مگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اگر عورت نے خلع یا کسی طرح فسخ نکاح کیا ہو جیسے خیار عتق، خیار بلوغ یا خود عورت کے قصور سے نکاح ختم ہوا ہو تب بھی ان مذکورہ چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ پائے گی۔ اس لئے مطلقت جمع اور متاع مطلق فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض: اگر پہلی آیت منسوخ ہے تو قرآن کریم میں باقی کیوں رکھی گئی۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب پارہ الم ما ننسخ من ایۃ کی تفسیر میں دیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم صرف عمل ہی کے لئے نہ آیا بلکہ جاننے ماننے تلاوت اور عمل کرنے کے لئے اترا۔ منسوخ آیت پر اگرچہ عمل ناممکن ہو گیا مگر دوسرے فائدے تو باقی رہے اس کی تلاوت میں ثواب ملے گا اس سے یہ مانا جائے گا اولاً" اسلام میں بھی عدت ایک سال تھی اور حق تھی اس جگہ در منثور میں ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے عثمان غنی سے عرض کیا کہ جب یہ آیت منسوخ ہے تو آپ نے قرآن میں کیوں لکھی جواب دیا کہ اے میرے بچے ہم کسی آیت میں اپنی طرف سے کچھ بھی فرق نہیں کر سکتے۔ دوسرا اعتراض: دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ عدت طلاق میں شوہر کے ذمہ مطلقہ کا نفقہ اور مکان واجب ہے اور فاطمہ بنت قیس صحابیہ فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مکان دلوایا اور نہ عدت کا خرچہ۔ لہٰذا طلاق بائنہ کی عدت کا خرچہ شوہر پر واجب نہ ہونا چاہئے (حضرات شافعی)
جواب: حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت حضرت عمر ابن زید ابن ثابت واسامہ ابن زید وجابر اور عائشہ رضی اللہ عنہم نے رد کردی۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ فقط ایک بیوی کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھوڑ سکتے کیا خبر کہ یہ بھول گئی ہوں (احمدی) رب فرماتا ہے واسکنوھن من حیث سکنتم یعنی جہاں تم رہو وہاں ان عورتوں کو بھی رکھو جس سے مکان کا استحقاق ثابت ہوا۔ نیز فرماتا ہے وللمطلقت متاع بالمعروف۔ طلاق والی عورتوں کو مناسب خرچہ دو اس سے نفقہ کا استحقاق معلوم ہوا خود عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین طلاق والی کیلئے خرچہ

بھی ہے اور مکان بھی (احمدی) **تیسرا اعتراض:** عدت طلاق میں جوڑے کا ثبوت گزشتہ آیت میں 'و متعوھن سے ہو چکا تھا دوبارہ کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یا تو یہاں مطلقت سے عدت والی بیویاں مراد ہیں اور متاع سے ان کا سارا خرچہ اور وہاں مطلقات سے غیر عدت والیاں بیویاں مراد تھیں اور متاع سے کپڑوں کا جوڑا وہاں 'حقا علی المحسنین فرمانے سے شبہ ہو تا تھا کہ شائد جوڑا واجب نہیں صرف مستحب ہے لہٰذا یہ حقا علی المتقین فرما کر اس کا وجوب واضح کر دیا یا وہاں غیر عدت والی عورتوں کے لئے جوڑے کا ذکر تھا اور یہاں ہر مطلقہ کے لئے اسکا حکم دیا گیا کسی کے لئے وجوبی اور کسی کے لئے استحبابی اور اگر یہ فرق نہ بھی ہوں تو بھی اس آیت سے پہلے حکم کی تاکید ہو گی اور تاکید بھی ایک فائدہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ رب نے بیوہ اور مطلقہ عورت کا غم غلط کرنے اور اس کا ٹوٹا ہوا دل جوڑنے کے لئے نان نفقہ وغیرہ واجب کر دیا ایسے ہی جب رب تعالیٰ کسی طالب صادق سے راہ محبت طے کراتا ہے اس حالت میں اسے اپنے اہل قرابت عزیزوں 'دوستوں سے چھڑاتا ہے۔ دنیوی مال و عزت سے نکالتا ہے اور وطن چھڑا کر اہل اللہ کی ملاقات کے لئے سفر کراتا ہے اور طلب کی مشقتوں میں مبتلا کرتا ہے تو اس پر اپنے احسانات کی بارش فرما کر اسکا ٹوٹا ہوا دل جوڑتا ہے اور ایسے طالب کو کامیابی کی متاع بالمعروف عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ دنیا اور اسباب دنیا میں نہ پھنسے۔ بلکہ اس سے گزر کر اصل مقصود کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ خیال رکھو کہ کوئی شریف آدمی بھی مزدور کی اجرت نہیں روکتا تو کیونکر ممکن ہے کہ رب تمہاری اجرت تمہیں نہ دے۔ وہ بڑا ہی غافل ہے جو یاد الٰہی کیلئے دنیا سے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ یہاں کے رنج و غم تو ایسے ہی رہیں گے۔ اسی حالت میں جو کچھ ہو سکے کر لو۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

گہ اندر نعمتی مغرور و غافل	گہے از تنگدستی خستہ و ریش
چو در سرا و ضرا حالت اینست	ندانم کے بحق پردازی از خویش

نیز اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ع

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے	اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

دوسری تفسیر صوفیانہ : دنیا میں عورت و مرد کا نکاح جسمانی ہوتا ہے۔ اور میثاق کے دن تمام روحوں کا حقیقتہ محمدیہ سے نکاح روحانی ہوا۔ رب فرماتا ہے **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** تمام ارواح لینے والی حضور انور دینے والے۔ دنیا میں آکر مومنین روحیں تو اس نکاح میں رہیں ان کا سارا روحانی نان نفقہ 'عبادات' ریاضات 'عرفان وغیرہ حضور کے ثمرہ کرم پر ہے کہ اسی آستانہ سے انہیں یہ سب کچھ ملتا رہے گا مگر جو روحیں دنیا میں کسی قسم کی مطلقہ ہو گئیں کہ یا خدا کا انکار کر کے یا حضور کا یا قیامت کا انکار کر کے کافر ہو گئیں اور اس روزی سے تو محروم ہو گئیں مگر **للمطلقت متاع بالمعروف** کے ماتحت اپنی زمانہ عدت یعنی وقت موت تک دنیاوی منافع روزی جسمانی حضور کے ذریعہ پائیں گی اور آخرت میں بھی ایک قسم کی شفاعت سے نفع اٹھائیں گی پھر دوزخ میں پھینک دی جائیں گی۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مطلقہ روحوں کو بھی کچھ متاع دیئے جاؤ کہ تم رحمتہ اللعالمین ہو صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور چاند ہیں کفار چاند پر بھونکنے والے کتے جب کتا چاند پر بھونکتا ہے تو چاند اس کے پھیلے منہ میں بھی چاندنی ڈال دیتا ہے۔ حضور سایہ دار بار دار درخت ہیں تو لوگ ایسے درخت سے سایہ لیتے ہیں چلتے

وقت چار پتھر اس پر مارتے ہیں تو وہ پھل دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ جو تیرے پاس ہے وہ تو پھینکتا ہے اور جو میرے پاس ہے تو وہ مجھ سے لیتا جا۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں! سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں!

صوفیاء کرام لعلکم تعقلون کے متعلق فرماتے ہیں کہ انسان کی تمام قوتیں سمع بصر وغیرہ خصوصاً" عقل تین قسم کی ہیں۔ شیطانی، نفسانی، رحمانی۔ جس عقل وہوش وگوش سے حرام کام کئے جاویں وہ شیطانی ہے۔ جس سے محض دنیاوی کام کئے جاویں وہ نفسانی اور جو عقل دین کی رہنمائی کرے وہ رحمانی ہے۔

عقل زیر حکم دل رحمانی است چوں ز دل آزلو شد شیطانی است

یعنی اے مسلمانوں ہم اس لئے اس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم میں عقل رحمانی پیدا ہو۔ جس سے ہماری آیتوں کی حکمتیں معلوم ہوں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
کیا نہ دیکھا تم نے طرف اُن لوگوں کے جو نکلے گھروں سے اپنے حالانکہ وہ ہزاروں تھے ڈر سے
اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے
فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
موت کے پس فرمایا واسطے اُن کے اللہ نے کہ مرجاؤ پھر زندہ کیا اُن کو تحقیق اللہ البتہ
تو اللہ نے اُن سے فرمایا مرجاؤ پھر انہیں زندہ فرما دیا بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنیوالا
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾
فضل والا ہے اوپر لوگوں کے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں شکر کرتے ۞
ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: یہاں تک مختلف قسموں کے پینتیس حکم مسلمانوں کو دیئے گئے جن میں سے بعض سیاسی تھے جیسے قصاص جہاد وغیرہ بعض معاشرتی جیسے نکاح و رضاعی و طلاق اور بعض معاملات کے جیسے کہ سود قرض و گواہی و رہن وغیرہ چونکہ یہ تمام احکام سلطنت اسلامی پر موقوف ہیں اور اس کا ذریعہ جہاد ہے لہذا جہاد کی تمہید کے لئے اولاً مسلمانوں کو موت سے بے خوف کر کے پھر گزشتہ امتوں کے جہادوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں عدت وفات کے احکام بیان ہوئے جس کا تعلق شوہر کی موت سے ہے اب طاعون کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو کہ ذریعہ موت ہے۔

شان نزول : ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے پیچھے دو یہودی آپس میں کچھ باتیں کرتے تھے۔ عمر رضی اللہ نے نماز کے بعد ان سے پوچھا کہ تم کیا گفتگو کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم حزقیل علیہ السلام اور ان کے مردے زندہ کرنے کے معجزے کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ رب نے ان کی دعا سے مردے زندہ فرما دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن شریف میں نہ تو حزقیل علیہ السلام کا ذکر پایا نہ ان کے مردہ زندہ کرنے کا۔ صرف عیسیٰ علیہ السلام نے ہی مردے زندہ کئے ہیں وہ بولے کہ کیا قرآن پاک میں یہ آیت نہیں ہے کہ ورسلا لم نقصصھم علیک کہ ہم نے بہت سے پیغمبروں کے قصے بیان نہ فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں انہوں نے عرض کیا کہ یہ پیغمبر بھی انہیں میں سے ہیں۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں یہ پورا واقعہ بیان کیا گیا (در منثور)۔ خیال رہے کہ چند پیغمبروں کے ذریعہ مردے زندہ ہوئے ہیں ایک تو یہی پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کہ ان کے ذریعہ ہزارہا مردے زندہ ہوئے دوسرے ابراہیم علیہ السلام جن کے ذریعہ چار جانور ذبح اور قیمہ کر دینے کے بعد زندہ ہوئے۔ تیسرے حضرت عزیر علیہ السلام جن کے ذریعہ مردہ گدھا زندہ کیا گیا۔ چوتھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہوں نے کئی بار مردے زندہ فرمائے ہیں۔ چاروں رسولوں کا مردہ زندہ فرمانا قرآن مجید میں صراحۃً مذکور ہے۔ پانچویں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن سرکار نے اپنے والدین آمنہ خاتون و عبداللہ رضی اللہ عنہما اور بہت سے مردوں کو زندہ فرمایا جس کا ذکر احادیث شریفہ اور کتب تواریخ اور شامی شریف اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ہے یہ بھی خیال رہے کہ یہود یا عیسائیوں سے توریت یا انجیل کے تاریخی واقعات سن کر جلد تردید نہ کر دینا چاہئے بلکہ بہتر یہ ہے کہ نہ تائید کرو نہ تردید جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔ دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کی تردید کی مگر قرآن نے تائید فرما دی۔

الم تر الی الذین خرجوا ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب نبی صلی اللہ سے ہے تر رؤیۃ سے بنا جس کے معنی آنکھ سے دیکھنا بھی ہیں اور قلب سے جاننا بھی۔ جیسے **وارنا مناسکنا** مگر جب اس کے بعد الیٰ ہو تو معنی نظر یا آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے۔ لہذا یہاں اسی معنی میں ہے علم نے تر میں انتہی کے معنی پیدا کر دیئے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تر بمعنی علم ہے اور سارے تاریخ دان لوگوں سے خطاب۔ اور چونکہ اس میں وصول کے معنی بھی ہیں۔ اس لئے اس کے بعد الیٰ آیا (روح المعانی) مگر پہلے معنی صحیح ہیں۔ دوسرے میں بلاوجہ تکلف ہے۔ الذین سے اہل داوردان مراد ہیں۔ جس کا ذکر انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ دیار دار کی جمع ہے بمعنی گھر و منزل یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے پہلے انہیں نہ دیکھا تھا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے **وھم الوف حذر الموت** واؤ یا تو حالیہ ہے اور یہ جملہ خرجو کے فاعل سے حال اور یا عاطفہ ہے ظاہر یہ ہے کہ الوف الف کی جمع کثرت ہے بمعنی ہزارہا اور حذر خرجوا کا مفعول لہ اور الموت سے طاعون کی موت مراد ہے یعنی ہزاروں کی تعداد میں طاعون کی موت کے خوف سے یہ لوگ نکل گئے۔ یا موت سے بچنے کے لئے نکل گئے۔ موت سے بچنے کی تدبیر کرنا منع ہے ہاں موت سے ڈر کر نیک اعمال کرنا اچھا ہے یہاں پہلی صورت مراد ہے۔ الوف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دس ہزار سے زائد تھے۔ بعض نے فرمایا کہ تیس ہزار تھے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ چالیس ہزار تھے۔ عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ ستر ہزار تھے واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے کہا کہ الوف الف کی جمع ہے۔ جیسے قاعد کی جمع قعود اور شاہد کی جمع شہود الف الفۃ سے بنا بمعنی الفت و محبت و بکثرت اجتماع۔ ہزار کو بھی اس لئے الف کہتے ہیں کہ یہ بہت سے عدد کا مجمع ہے تو اب معنی یہ ہوئے کہ وہ

متفق ہو کر ایک ہی طرف نکلے **فقال لھم اللہ موتوا** یا تو قال اپنے ہی معنی میں ہے اور لفظ اللہ سے پہلے ملائکہ پوشیدہ یعنی اللہ نے ان کی موت کا ارادہ کیا اور حکم دیا یا فرشتوں نے چیخ کر کہا کہ **موتوا**۔ **ثم احیاھم** اس سے پہلے ایک عبارت یعنی فما توا پوشیدہ ہے اور ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ کرنے کا واقعہ موت سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔ احیا سے ایک پیغمبر کی دعا سے زندہ فرمانا منظور ہے یعنی پس وہ مر گئے پھر کچھ مدت کے بعد حزقیل علیہ السلام کی دعا سے رب نے ان سب کو زندہ فرمایا۔ **ان اللہ لذو فضل علی الناس** فضل کی تنوین تعظیم کی ہے اور الناس سے یا تو وہ ہی مر کر دوبارہ زندہ ہونے والے مراد ہیں اور یا اس زمانہ کے سارے لوگ جنہوں نے یہ واقعہ دیکھا یا تمام جہان کیونکہ اس قصہ سے سب ہی کو عبرت حاصل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے کہ مردے جلا کر انہیں اپنی قدرت دکھاتا ہے۔ **ولکن اکثر الناس لا یشکرون** اس کا مفعول پوشیدہ ہے اور اکثر الناس سے یا تو کفار مراد ہیں اور یا سارے عبرت نہ پکڑنے والے لوگ یعنی بہت سے لوگ اللہ کا یا اس کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے فضل و عدل ظلم کا مقابل ہے۔ کسی کا حق اسے دینا عدل ہے حق مار لینا ظلم اور بغیر حق دینا فضل رب نے جسے جو کچھ دیا اپنی مہربانی سے دیا اس پر حق کسی کا کچھ نہیں مگر چونکہ انسان کی ضروریات زیادہ ہیں کہ یہ کھانے پینے کپڑے مکان پھر کھانے میں دواؤں۔ غذاؤں وغیرہ سب کا ہی حاجتمند ہے۔ اسی لئے اس پر رب کا فضل بھی زیادہ پھر ایمان 'عرفان' ولایت 'نبوت انسان ہی کو دی گئی آخرت میں بہشت بھی اسی کے لئے ہے ان واقعات مذکورہ کا قرآن شریف میں ذکر انسانوں پر ہی فضل ہے۔ ان وجوہ سے اللہ کا انسان پر بڑا فضل ہے اور زبانی 'جنانی' ارکانی شکر بقدر فضل چاہئے تو انسان پر شکر رب زیادہ لازم مگر انسان ہی ناشکرا زیادہ ہے۔ رب تعالیٰ اپنے محبوب سے انسانوں کی ناشکری کا شکوہ کر رہا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اپنے نور نبوت سے ان لوگوں کو نہ دیکھا تھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکل گئے تھے پس رب نے بزبان ملائکہ انہیں فرمایا کہ مر جاؤ وہ مر گئے پھر کچھ مدت بعد انہیں بدعائے پیغمبر زندہ فرما دیا تاکہ انہیں اور دوسروں کو پتہ چل جائے کہ بھاگنا موت سے نہیں بچاتا اور تدبیر سے تقدیر نہیں پلٹتی اللہ تو لوگوں پر بڑا ہی فضل فرماتا ہے کہ ان کی عبرت کے لئے ایسی مثالیں قائم فرما دیتا ہے لیکن بہت سے لوگ اس کا شکر نہیں کرتے اور ایسے واقعات سے عبرت نہیں پکڑتے۔

اصل واقعہ

علاقہ واسط میں ایک بستی تھی۔ داوردان جہاں ایک بار طاعون پڑا۔ مالدار تو شہر چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ غرباء وہیں رہے۔ رب کی شان کہ بھاگنے والے بچے رہے اور نہ بھاگنے والے بہت سے ہلاک ہو گئے۔ جب طاعون جاتا رہا اور وہ مالدار صحیح سلامت لوٹے۔ تو ان غرباء نے کہا یہ لوگ بڑے عقلمند تھے جنہوں نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں آئندہ ایسی مصیبت میں ہم بھی یہ کریں گے اتفاقاً اگلے سال پھر طاعون آگیا اب سارے ہی شہر والے بھاگ کر کسی پہاڑی علاقے میں چلے گئے۔ جب وہاں پہنچ گئے تو بحکم الٰہی ایک فرشتہ نے چیخ ماری کہ سب مر جاؤ آناً فاناً سب ہلاک ہو گئے۔ آٹھ دن تک ان کی لاشیں

ویسی ہی پڑی رہیں یہاں تک کہ پھول پھٹ کر چو طرفہ سخت بدبو پھیلی۔ آس پاس کے لوگ پریشان ہو کر ادھر آئے اور چاہا کہ انہیں دفن کردیں۔ مگر اتنے آدمیوں کا دفن ناممکن تھا اس لئے انہوں نے ان مردوں کے آس پاس اونچی چار دیواری کھینچ دی تا کہ کوئی درندہ یہاں نہ پہنچے اور وہ بھی بدبو سے محفوظ رہیں یہاں تک کہ یہ لاشیں بالکل سڑ گل گئیں اور ان کی ہڈیاں بکھر گئیں اتفاقاً وہاں حضرت حزقیل ابن بوزی علیہ السلام گزرے جنہیں ذوالکفل بھی کہتے ہیں چونکہ انہوں نے ایک دفعہ ستر پیغمبروں کو ضامن بن کر قتل سے بچایا تھا۔ اس لئے آپ کا لقب ذوالکفل ہوا یعنی ضمانت والے آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع ابن نون ان کے خلیفہ کالب ابن یوحنا ان کے خلیفہ حضرت حزقیل علیہ السلام ان کی کنیت ابن عجوز ہے کیونکہ ان کی ماں نے انہیں بڑھاپے میں پایا غرضیکہ یہ وہاں سے گزرے اور ان ہڈیوں کو پڑا ہوا دیکھ کر تعجب سے کھڑے ہو گئے پھر عرض کی کہ مولیٰ ان سب کو زندہ کردے وحی آئی کہ آپ انہیں پکاریئے چنانچہ آپ نے پکارا کہ اے ہڈیو! بحکم الٰہی جمع ہو جاؤ وہ تمام جمع ہو گئیں اور ہر جسم میں قرینہ سے لگ گئیں۔ پھر آواز دی کہ اے گلے ہوئے جسمو! بحکم پروردگار گوشت اور کھال پہن لو آواز دیتے ہی ایسا ہی ہو گیا پھر آواز دی کہ اے مردو! میرے رب کے حکم سے اٹھ کھڑے ہو۔ وہ سارے کہتے ہوئے اٹھے کہ **سبحانک اللھم ربنا و بحمدک لا الہ الا انت** پھر یہ لوگ کئی سال زندہ رہے مگر ان کے چہرے مردوں کے سے تھے۔ ان سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ اولاد میں کچھ خفیف سی بو تھی۔ (روح البیان و معانی و کبیر) اس ہی کا اس آیت میں ذکر ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنور نبوت عالم کے سارے اگلے پچھلے واقعات ملاحظہ فرمائے کیونکہ اتنے پرانے واقعہ کو الم تر استفہام انکاری سے بیان فرمایا گیا۔ تر کیا آپ نے یہ نہ دیکھا تھا یعنی ضرور دیکھا تھا۔ جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کرچکے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ رویت بمعنی نظر چشم ہے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ واقعات کی دیکھ کر خبر دی۔ جس کی بکثرت روایتیں ہیں۔ خرجوا من دیارھم سے اشارۃً دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ طاعون کے زمانہ میں گھر چھوڑ دینا منع ہے۔ خواہ شہر بھی چھوڑ دیا جاوے یا صرف محلہ تبدیل کیا جاوے جب کہ وبا سے بھاگنا مقصود ہو۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس عالم میں رہ کر ہر چیز کو دیکھتی بھی تھی اور پہچانتی بھی تھی ہماری آنکھیں بیک وقت بڑے مجمع کو دیکھ کر ہر ایک کو پہچان نہیں سکتیں ہماری ناک بہت سی خوشبوئیں صحیح محسوس نہیں کرسکتی ہمارے کان بیک وقت بہت سی آوازیں سن نہیں سکتے۔ مگر حضور کے حواس ان کمزوریوں سے محفوظ۔ حضور انور آج لاکھوں کا سلام بیک وقت سن کر سب کو علیحدہ علیحدہ جواب دیتے ہیں قیامت میں بیک وقت ساری امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لیں گے پھر ہر امتی کے ہر حال کو جانیں گے ورنہ شفاعت ناممکن ہے حضور نعمت الٰہیہ کے قاسم ہیں اور قاسم ہر حصہ اور ہر حصہ دار کو پہچانتا ہے جیسے ڈپو والا یا ڈاک تقسیم کرنے والا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **و انبئکم بما تا کلون و ما تدخرون فی بیوتکم** معلوم ہوا کہ ہر دانہ اور اس کے کھانے والے سے خبردار ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: انبیائے کرام کی بارگاہ الٰہی میں وہ عزت ہے کہ اگر وہ کسی بات پر بطریقہ ناز ضد کر جائیں یا قسم کھالیں تو رب پوری فرماتا ہے۔ دیکھو حزقیل علیہ السلام کی عرض معروض پر ان سب کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ والوں کی پھونک یا آواز صور

اسرائیل کا اثر رکھتی ہے کہ حضرت حزقیل کی پکار سے نفخ صور کی طرح اتنی بڑی جماعت زندہ ہو گئی عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک بھی یہ ہی اثر کرتی تھی جیسے عالم اجسام میں بعض چیزیں رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہیں کہ رب نے ان میں تاثیریں رکھی ہیں جیسے سانپ کا زہر وغیرہ صفت مجت کے مظہر ہیں اور دوائیں جڑی بوٹیاں رب کی صفت شافی الامراض کی مظہر ہیں ایسے ہی عالم ارواح میں حضرات اولیاء رب کی صفات کے مظہر ہیں اور جیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ سانپ یا زہر مارتا ہے بنفشہ نزلہ کو شفا دیتا ہے ایسے ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور رب کی رحمتیں دیتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: کوئی بھی تدبیر سے تقدیر نہیں بدل سکتا اور نہ آنے والی موت کو ٹال سکتا ہے لہذا اے مسلمانوں جلانہ چھوڑو۔ جب اپنے وقت پر موت آئے ہی گی تو بہتر ہے کہ راہ مولیٰ میں آئے۔ پانچواں فائدہ: طاعون سے بھاگنا منع ہے۔ دیکھو یہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے عتاب الٰہی میں گرفتار ہوئے ساری وبائی بیماریوں کا یہی حکم ہے۔

مسئلہ: جہاں وباء پھیلی ہو وہاں نہ جاؤ۔ رب فرماتا ہے **لا تلقوا بایدکم الی التہلکۃ** اور جہاں تم ہو اور وہاں پھیل جائے تو وہاں سے نہ بھاگو طاعون کے پورے مسائل ہم پارہ الم رجزا من السماء کی تفسیر میں بیان کر چکے۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی ضد پوری فرماتا ہے کہ ان کی ضد پر اپنے قانون بدل دیتا ہے۔ دیکھو قانون یہ کہ مردہ قیامت سے پہلے زندہ نہ ہو مگر اللہ والوں کی دعا سے پہلے ہی زندہ ہوئے پھر زندہ رہے رب فرماتا ہے **و حرام علی قریۃ اھلکنہا انہم لا یرجعون**۔ وہ قانون کا بیان ہے اور یہاں قدرت کا ذکر ہے مگر ان مقبولوں کی یہ ضد حونس یا زوری کی نہیں ہوتی۔ ناز محبوبانہ ہوتا ہے جیسے ہمارے بچے ضد کر کے اپنے ماں باپ سے کام کرا لیتے ہیں دیکھو حضرت حزقیل کی محبوبانہ ضد سے یہ مردے زندہ ہوئے حضور کی مرضی پر قبلہ تبدیل ہوا۔ حضرت آدم کی مرضی پر داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے چالیس سال کے سو سال ہوئی یہ سب ان پیاروں کی پیاری ضدیں ہیں۔ ساتواں فائدہ: اگرچہ تمام رب ہی کے حکم و ارادہ سے ہوتے ہیں مگر بسا اوقات مقبول بندوں کے دم، آواز وغیرہ کو ان کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھوون شفا بنایا گیا۔ (قرآن کریم) حضرت مریم کے ہاتھ لگنے سے خشک کھجور کو سبز و بار دار کیا گیا اور اس کے پھل سے ولادت کو آسان کیا۔

پہلا اعتراض: ان مرنے والوں کی عمر باقی تھی یا نہیں اگر باقی تھی تو انہیں موت کیوں آئی اور ختم ہو چکی تھی تو دوبارہ زندگی کیوں ملی۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب ہم پارہ الم **ثم بعثنکم من بعد موتکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یا تو ان کی عمر باقی تھی اور موت عارضی طور پر طاری ہو گئی جیسے چراغ میں تیل و بتی ہو مگر ہوا سے گل ہو جائے حزقیل علیہ السلام کی دعا نے دیا سلائی کی طرح ان کی شمع زندگی کو دوبارہ روشن کر دیا یا ان کی عمر ختم ہو چکی تھی ان پیغمبر کی دعا سے نئی عمر ملی۔ جیسے کہ آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کو چالیس اور دیئے گئے۔ (مشکوٰۃ باب القدر) صوفیائے فرماتے ہیں کہ موت دو قسم کی ہے "سزاء" و "قضاء" "سزاء" موت کے بعد زندہ کر دیا جاتا ہے جیسے وہ ستر بنی اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر گئے اور ایک گستاخی کی وجہ سے مار دیئے گئے۔ "قضاء" موت کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جاتا ان لوگوں کی یہ موت "سزاء" تھی "قضاء" نہ تھی لہذا زندہ کئے گئے۔ دوسرا اعتراض: احادیث سے ثابت ہے کہ کسی کو دوبارہ موت نہیں آتی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کی وفات کے بعد عرض کیا کہ خدا آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا (مشکوٰۃ باب وفات النبی علیہ السلام) شہداء دوبارہ دنیا میں

آنے کی خواہش کرتے ہیں مگر اس ہی لئے نہیں بھیجے جاتے۔ (مشکوۃ باب الشہید) پھر ان لوگوں کی یا تو پہلی موت بغیر شدت کے ہوئی تھی یا اگلی موت ایسی ہی ہوگی۔ **تیسرا اعتراض:** یہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر شرعی احکام کے مکلف تھے یا نہیں کیونکہ موت کے بعد والی زندگی میں شرعی تکلیف نہیں۔ نیز یہ لوگ نزع کے وقت ملائکہ اور آخرت کے سارے حالات کو دیکھ چکے پھر اب عمل کی کیا ضرورت۔ عمل تو غیب پر ایمان لا کر چاہئے۔ **جواب:** اس کا نہایت مکمل جواب بھی وہاں ہی عرض کر دیا گیا کہ یا تو انہیں اس بار جانکنی ہوئی نہ تھی۔ ان کی روح ایسے نکل گئی تھی جیسے نیند میں روح سلطانی نکل جاتی ہے یا یہ واقعات موت انہیں یاد نہ رہے۔ جس کی وجہ سے وہ سب چیزیں پھر ان کے لئے غیب بن گئیں۔ ہم نے میثاق کے دن سب کچھ دیکھا تھا رب سے کلام بھی کیا مگر یہاں آ کر سب بھول گئے اور اب ان باتوں کو ماننا ایمان بالغیب کہلایا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ مرے نہ تھے بلکہ بے ہوش ہو گئے تھے حضرت حزقیل کی آواز سے ہوش میں آ گئے مگر یہ باطل محض ہے کہ اس آیت کے بھی خلاف اور مقصد آیت کے بھی مخالف موتوا اور احیاھم کو حقیقی معنی سے کیوں پھیرا جائے۔ ہماری تحقیق سے انشاء اللہ سارے اعتراض اٹھ گئے۔ اگر یہاں بیہوشی مان لی جائے تو حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام کے معجزات کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ **پانچواں اعتراض:** موت سے خوف تو اچھی چیز ہے پھر اسے یہاں ان لوگوں کی برائی کے سلسلہ میں کیوں بیان کیا گیا کہ فرمایا حذر الموت۔ **جواب:** اگر موت سے خوف گناہ چھوڑا دے نیکیوں میں لگا دے وہ واقعی اچھا ہے کہ موت کے ڈر سے نمازی بن جاوے وغیرہ اور اگر یہ خوف نیکیوں سے روک دے تو برا ہے جیسے موت کے ڈر سے حج نہ کرنا۔ جہاد سے دور بھاگنا یہاں دوسرا خوف مراد ہے۔ **چھٹا اعتراض:** تم نے فوائد میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کو نور نبوت سے پہچانیں گے یہ غلط ہے حدیث شریف میں ہے کہ مومنوں کے وضو کے پانی کا اثر ان کی پہچان ہوگی۔ **جواب:** یہ پہچان عام محشر والوں کے لئے ہوگی حضور کی پہچان اس علامت پر موقوف نہیں۔ کیونکہ اس امت میں تو وہ لوگ بھی ہوں گے جنہیں نہ نماز میسر ہوئی نہ وضو جیسے ماں کے پیٹ یا لڑکپن میں فوت ہو جانے والے یا وہ لوگ جو فرضیت نماز سے پہلے فوت ہو گئے یا وہ جو مسلمان ہوتے ہی شہید ہو گئے۔ بعض بے نمازی بھی ہوں گے بعض نمازی ہوں گے مگر بے ایمان جیسے منافقین اور قادیانی ان تمام کو حضور ضرور پہچانیں گے پھر نمازی مسلمانوں میں بھی ہر ایک کے ایمانی درجہ کو حضور پہچانیں گے۔ بہرحال حضور کی پہچان اپنے نور نبوت سے ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا جسم کا وطن ہے اور اللہ والوں کا طلب الٰہی میں نکلنا یہاں سے ہجرت ہے یہاں کی جہالت گویا موت اضطراری ہے اور تجلی ذات میں فنا ہونا موت اختیاری اور اس فنا کے بعد بقا گویا دوسری نئی زندگی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان مقبولین بارگاہ کو نہ دیکھا جو جہالت اور غیر اللہ میں مشغول ہونے کے ڈر سے دنیا اور لذات دنیا سے ہزارہا کی تعداد میں ہجرت کر گئے۔ رب نے ان کی طلب صادق ملاحظہ فرما کر حکم دیا کہ موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق بن کر بموت اختیاری مر جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے تجلی ذات میں اپنے کو فنا کر دیا۔ پھر رب نے انہیں وجود حقانی بخش کر حیات حقیقی اور بقا بعد فنا عطا فرمائی کیونکہ وہ بڑا فضل و کرم والا ہے کہ اپنی طرف آنے والوں کی مدد فرماتا ہے۔ ان کا وجود خلق کے لئے رحمت ہے۔ مگر بہت سے جہلا اس نعمت کا شکر نہیں کرتے کہ اولیاء اللہ کا انکار ہی کئے جاتے ہیں اور ان کو بے کار جانتے ہیں (از روح المعانی و ابن عربی) ہم گناہوں کے سمندر میں غوطے لگا رہے ہیں۔ جس کے کنارے پر حفاظت کے لئے انبیاء اور اولیاء تشریف فرما ہیں۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ
اور قتال کرو بیچ راستہ اللہ کے اور جانو کہ تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے ۔ کون ہے وہ جو
اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ سنتا جانتا ہے ۔ ہے کوئی جو قرض اللہ کو
ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً
قرض دے اللہ کو قرضہ اچھا پس بڑھائے اُسے واسطے اس کے حصے بہت اور
قرض حسن دے تو اللہ اُس کے لئے بہت گنا بڑھا دے اور اللہ تنگی اور کشائش
وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾
اللہ سمیٹتا ہے اور پھیلاتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔
کرتا ہے اور تمہیں اُسی کی طرف پھر جانا ۔

تعلق : اس آیت کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق :** پچھلی آیت میں وبائی امراض سے نہ بھاگنے کی رغبت دی گئی اب جہاد فی سبیل اللہ سے نہ گھبرانے کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق :** پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ موت سے بچنا بیکار ہے کہ وہ تو اپنے وقت پر آکر رہتی ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ لہٰذا جہاد فی سبیل اللہ سے گریز کرنا سخت غلطی کہ جب جان جانی ہی ہے تو بہتر ہے کہ رب کی راہ میں جائے۔ گویا پچھلی آیت حکم جہاد کی تمہید تھی اور اس آیت میں اس کی تصریح ہے اور چونکہ جہاد میں بدن بھی خرچ کی جاتی ہے اور مال بھی اور جان خرچ کرنا بہت دشوار ہے لہٰذا اس آیت میں دونوں چیزوں کا ذکر کیا گیا۔ مشکل کا پہلے اور آسان یعنی سخاوت مال کا پیچھے۔ **تیسرا تعلق :** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اس کے فضل دو قسم کے ہیں بعض وہ جو ظاہر میں بھی مہر ہیں اور حقیقت میں بھی مہر اور بعض وہ جو بظاہر قہر میں درحقیقت مہر اس آیت میں دوسرے قسم کے فضل یعنی جہاد کا ذکر ہے۔ جو بظاہر قہر ہے حقیقت میں مہر۔ طبیب کا میٹھی دوا دینا بھی فضل ہے اور کڑوی دوائیں آپریشن بھی مہربانی ہیں۔

شان نزول : حضرت ابو الدحداح رضی اللہ عنہ نے ایک بار بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میرے دو باغ ہیں۔ اگر میں ان میں ایک صدقہ کردوں تو کیا مجھے اس جیسا باغ جنت میں ملے گا۔ فرمایا ہاں تو عرض کیا کہ میرے ساتھ میری بیوی ام الدحداح بھی اس باغ میں ہوں گی۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا کہ کیا میرے بچے بھی میرے ساتھ ہوں گے فرمایا ہاں۔ پس آپ نے ان میں سے بہترین باغ کو جس کا نام حنینیہ تھا خیرات کردیا ان کے بال بچے اسی باغ میں رہتے تھے۔ آپ اس باغ پر پہنچے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی کہ اے ام الدحداح یہاں سے نکل چلو میں نے یہ رب کے ہاتھ بیچ دیا۔ اب یہ باغ ہمارا نہ رہا۔ اس پاک بیوی نے کہا کہ مبارک ہو کہ تم نے بہترین گاہک کے ہاتھ بڑے ہی نفع کا سودا کیا۔ اس پر من ذا الذی سے ترجعون تک آیت نازل ہوئی۔ (کبیر اور منثور نے فرمایا کہ اس میں چھ سو درخت تھے دوسری روایت ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب آیت کریمہ مثل حبۃ انبتت نازل ہوئی جس میں خبر دی گئی کہ

مسلمانوں کو صدقات کا بدلہ سات سو گنا یا اس سے زیادہ ملے گا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے میرے مولی میری امت کو اور زائد دے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں بتایا گیا کہ بہت زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر آپ نے دعا کی کہ مولی میری امت کو اور زائد دے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب (در منثور) یہ دونوں شان نزول جمع ہو سکتے ہیں ان میں تعارض نہیں۔

تفسیر : **وقاتلوا فی سبیل اللہ** ظاہر یہ ہے کہ یہ نئی آیت ہے اور اس میں مسلمانوں سے ہی خطاب ہے اور فی سبیل اللہ سے اشاعت اسلام اور کلمۃ اللہ بلند کرنے کی نیت سے کفار سے لڑنا مراد ہے یعنی اے مسلمانو اللہ کی راہ میں کفار سے جہاد کرو۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیت پچھلی آیت پر معطوف معنوی ہے (معانی) اور مسلمانوں سے ہی خطاب یعنی اے مسلمانو ان طاعون سے بھاگنے والے یہودیوں کے قصہ میں غور کرو موت سے نہ گھبراؤ۔ اٹھو اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ قاتلو قتال سے بنا ہے قتل مار ڈالنے کو کہتے ہیں اور قتال ایک دوسرے سے جنگ کرنے کو جس میں لڑنا زخمی کرنا مقابلہ کی تدبیریں کرنا سب ہی داخل ہیں۔ قتل چند مقام میں ہو گا مرتد' قاتل' زانی محصن کو قتل کیا جاوے گا اور قتال کے بھی چند مقامات ہیں کفار سے قتال بشرطیکہ وہ حربی ہوں مرتدین کی جماعت سے قتال' باغیوں سے قتال' خارجیوں سے قتال ان کے علاوہ اور قتل بھی حرام ہیں اور قتال بھی حرام۔ قاتلوں میں چار تحقیقیں ہیں کون قتال کرے' کس سے قتال کرے' کب قتال کرے' کیوں قتال کرے۔ وہ مسلمان جو جہاد پر قادر ہوں وہ قتال و جہاد کریں۔ اندھے یا بے دست و پا یا جن کے پاس سامان جہاد نہ ہو ان پر جہاد فرض نہیں۔ صرف حربی کفار خوارج یا بغات سے قتال ہو گا مستامن ذمی کفار سے جہاد نہیں۔ جب کفار ہمارے دین میں رکاوٹ ڈالیں یا کفر کا زور ہو تو جہاد کیا جاوے۔ صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے جہاد ہو۔ ملک گیری یا قوم یا وطن کی خدمت کے لئے جنگ جہاد فی سبیل اللہ نہیں یہ تمام تفصیلیں حدیث شریف سے معلوم ہوئیں اگر حدیث کا انکار ہے تو ہر وقت ہر شخص سے لڑنا چاہئے اور بہن بھائی برادر سے لڑتے ہی رہنا چاہئے کیونکہ یہاں قاتلوا عام یا مطلق ہے۔ ظاہر یہ ہی ہے کہ یہاں قاتلوا میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ مگر ان مسلمانوں سے جو قتال پر قادر ہوں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ انہیں اسرائیلیوں سے خطاب ہے جنہیں بعد موت زندہ کیا گیا وہ طاعون سے نہیں بلکہ جہاد سے بھاگے تھے۔ جس پر انہیں موت دے دی گئی اور پھر زندہ کر کے فرمایا گیا کہ جاؤ راہ مولی میں جہاد کرو (کبیر) مگر تفسیر اول زیادہ صحیح ہے کہ ان دونوں تفسیروں میں بہت تکلف ہے اور اس سے پہلے کچھ عبارت بھی پوشیدہ ماننی پڑتی ہے۔ (روح البیان وغیرہ)۔ خیال رہے کہ راستہ یا سبیل وہ مسافت ہے۔ جس پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا جاتا ہے اور سبیل اللہ وہ عقائد یا اعمال' میں جنہیں اختیار کر کے رضاء الٰہی حاصل کی جاتی ہے۔ اسلام کے کسی عقیدے' کسی دینی کام پر جب کفار کی طرف سے رکاوٹ پیدا کی جاوے تو اس آڑ کو پھاڑنے کے لئے ان سے لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے جیسے رب کو راضی کرنے کے لئے خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ لہذا قربانی' اذان' نماز وغیرہ کسی دینی مسئلہ پر اگر رکاوٹ ہو اس کے لئے لڑنا جہاد فی سبیل اللہ۔ زمانہ نبوی اور خلافت فاروقی میں صرف کفار سے جہاد ہوئے۔ خلافت صدیقی میں مرتدین سے بھی جہاد کئے گئے۔ جیسے مانعین زکوۃ پر فوج کشی اور مسیلمہ کذاب کے ماننے والے مرتدین سے جہاد۔ زمانہ مرتضوی میں یا تو باغی جماعتوں سے جنگ ہوئی ہے یا خوارج سے مگر یہ تمام جنگیں قتال فی سبیل اللہ تھیں اگرچہ ان کی نوعیتیں مختلف تھیں **واعلموا ان اللہ سمیع علیم** یہاں علم سے عملی یقین مراد ہے۔ کیونکہ خدا کی صفات پر ہر مسلمان کا پہلے ہی سے عقیدہ ہے۔ سمیع کا مفعول

گھبرانے والوں کی گھبراہٹ کی باتیں اور بہادروں کے ولولہ انگیز اشعار اور پر جوش تقریریں ہیں۔ **علیم** کا مفعول ان دونوں کی نیتیں اور غرضیں اور قلبی حالات ہیں یعنی یقین سے جان رکھو کہ اللہ بزدلوں کی ہمت ہاری باتیں بھی سنتا ہے اور بہادروں کی پر جوش تقریریں بھی اور جہاد میں جانیوالے دنیا پرست منافقوں کے نفاق کو بھی جانتا ہے اور **مخلصین** کے اخلاص کو بھی نیت کے مطابق پھل دے گا **من ذا الذی** من استفہامیہ مبتدا ہے اور ذا اسم اشارہ ہے اور مبتداء کی خبر۔ **الذی** ذا کی صفت ہے یا اس کا بدل اس طرح کلام فرمانے میں مسلمانوں کو راہ الہی میں خرچ کرنے کی رغبت دینا منظور ہے۔ **یقرض اللہ قرضا حسنا** **یقرض** قرض سے بنا جس کے معنی ہیں کاٹنا اسی لئے قینچی کو مقراض (کاٹنے کا ہتھیار) اور انتہائے مدت کو انقراض کہتے ہیں ادھار میں بھی اپنا مال نکال کر دوسرے کو دیا جاتا ہے یا بسا اوقات اس سے محبت ٹوٹ جاتی ہے لہٰذا قرض کہلاتا ہے کسی نے کہا ہے۔

قرض احباب کو دینے سے محبت ٹوٹے گانٹھ سے جائے رقم ہاتھ سے گاہک چھوٹے

رب فرماتا ہے کہ تقرضہم ذات الشمال۔ اصطلاح عرب میں ہر وہ کام قرض کہلاتا ہے جو بدلہ کی نیت سے کیا جائے لہٰذا اس کے معنی موقعہ کے مطابق کیے جاتے ہیں۔ امیہ کہتا ہے۔

کل امرءٍ سوف یجزی قرضہ حسنا او سیئا و مدینا مثل ما دانا !!!!

یہاں اس قرض سے یا تو ہر نیکی مراد ہے جو ثواب کی نیت سے کی جائے لہٰذا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب اس میں داخل ہیں یا صدقات نفلیہ یا واجبہ یا قرض حسن سے مراد وہ مالی اخراجات ہیں جو رب کو راضی کرنے کیلئے کیے جاویں۔ جہاد میں خرچ ہوں۔ بچوں کا نان نفقہ اگر رضاء الہی کے لئے ہو تو۔ صدقہ تعالیٰ قرض حسن ہے چونکہ اس کا ثواب ملنا ایسا یقینی ہے جیسے مقروض بادشاہ سے قرض کا وصول ہونا لہٰذا اسے قرض سے تعبیر کیا گیا اس سے ادھار مراد نہیں۔ کیونکہ ادھار تو محتاج لیتے ہیں اور رب محتاجی سے پاک (کبیر) قرضا یا تو مصدر ہے اور یقرض کا مفعول مطلق یا بمعنی اسم مفعول ہے اور اس کا مفعول بہ حسنا قرض کی صفت ہے اگر قرض سے قرض دینا مراد ہے تو حسنا سے اخلاص خوش دلی وغیرہ مراد ہوگی اور اگر اس سے قرضہ مراد ہے تو حسن سے طیب اور حلال مال مراد ہیں یعنی کیا کوئی ایسی شان والا ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض دے یا اچھا قرض دے۔

نکتہ : قرض اور دین میں فرق یہ ہے کہ تجارتی ادھار کو دین اور دست گردان ادھار کو قرض کہتے ہیں کوئی چیز ادھار خریدی تو اس کی قیمت دین کہلائے گی اور اگر کچھ رقم ادھار لی تو یہ قرض ہے نیز دین کی میعاد مقرر ہوتی ہے قرض کی نہیں کہ تاجر وقت مقرر سے پہلے ادھار قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا مگر قرض خواہ میعاد مقرر سے پہلے بھی جب چاہے قرض لے لے یہاں قرض فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا معاوضہ قیامت پر ہی موقوف نہیں دنیا میں بھی ملے گا۔ قبر میں بھی اور آخرت میں بھی نیز یہ دین نہیں ہے قرض حسن ہے۔ جس سے ہماری محبت کرم اور بھی زیادہ ہو گا نیز اسے قرض فرمایا امانت نہ کہا کیونکہ امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اگر امین کے پاس سے امانت جاتی رہے تو تاوان نہیں لہٰذا فرماتا ہے کہ یہ ہمارے ذمہ قرض ہے۔ بہر حال تمہیں ملے گا نیز یہ قرض وہ نہیں جن کا سود حرام ہے بلکہ **فیضعفہ لہ اضعافا کثیرۃ** ف من استفہامیہ کا جواب ہے اسی لئے اس کے بعد ان پوشیدہ ہے۔ جس نے یضعف کو نصب دیا یضعف ضعف سے بنا کسی چیز کا وہ حصہ جو مل کر دو گنا کر دے ضعف کہلاتا ہے تضعیف مضاعف اور اضعاف ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ خیال رہے کہ ضعف ض کے کسرہ سے دگنا

کیا کرے اور قرض حسن یہ ہے کہ حلال مال 'خوشدلی سے اچھے مقام پر خرچ کرے جس قدر مصرف اعلیٰ اسی قدر برکت زیادہ جس قدر زمین بہتر اسی قدر پیداوار زیادہ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکام الٰہی اپنی رائے سے بدلتے نہیں۔ ہاں دعا کر کے رب سے بدلوا دیتے ہیں جیسا کہ اس آیت کے دوسرے شان نزول سے معلوم ہوا کہ پہلے ایک نیکی کا بدلہ دس گنا مقرر ہوا۔ پھر سات سو پھر حضور کی دعا پر بہت زیادہ پھر آپ ہی کے عرض کرنے پر بغیر حساب۔ دوسرا فائدہ: غنی شاکر سے فقیر صابر افضل ہے دیکھو رب نے فقراء کے لئے اغنیاء سے قرض طلب فرمایا۔

لطیفہ : ایک بار اغنیاء نے فقراء سے کہا کہ ہم خدا کے بڑے پیارے ہیں کہ اس نے ہم سے قرض طلب فرمایا فقراء نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم اس کے محبوب قرض غیروں سے بھی لے لیا جاتا ہے مگر اپنوں کے لئے نہ کہ غیروں کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی تو آپ پر ایک یہودی کے کچھ جو قرض تھے جو آپ نے اپنے اہل و عیال کے لئے لئے تھے۔ غور کرلو کہ کس سے لئے اور کس کے لئے۔ (روح البیان)۔ تیسرا فائدہ: قرض حسن کا بدلہ ملے گا نہ کہ خبیث کا قرض حسنہ میں چند شرطیں ہیں۔ (1) دینے والے میں اخلاص ہو۔ (2) خوش دلی سے ادا کرے۔ (3) مال حلال خرچ کرے۔ (4) اس کے بدلے میں جلدی نہ کرے اردو میں قرض حسن وہ کہلاتا ہے جس کا مقروض پر تقاضہ نہ ہو۔ اگر دیدے فبہا ورنہ معاف کبھی خیرات کو بھی قرض حسنہ کہہ دیتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: مالداری چلتا پھرتا سایہ ہے نہ اپنی کوشش سے حاصل ہو۔ نہ خیرات سے جاتی رہے بلکہ خیرات تو اس کی میخ ہے۔ جیسا کہ ۔قبض اور بسط سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : خدا نے سارے جہان کو بنایا اسے قرض مانگنے کی کیا ضرورت کیا خدا کو خسارہ پڑ گیا تھا کہ قرض کی نوبت پہنچی (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: یہ اعتراض نہیں بلکہ دیوانہ کی بڑ ہے۔ پنڈت جی قرض کی بہت سے نوعیتیں ہیں۔ حکومتیں اپنے ملازمین کی تنخواہ کا کچھ حصہ بطور فنڈ جمع کرتی رہتی ہیں۔ جو ریٹائرڈ ہونے پر مع سود دیا جاتا ہے۔ بینک پبلک کا روپیہ لے کر مع سود واپس دیتے ہیں بیمہ کمپنی روپیہ لے کر بوقت ضرورت مع نفع کے واپس دیتی ہے۔ ان سب قرضوں سے محتاجوں کو نفع پہنچانا اور پبلک کو اپنی طرف راغب کرنا منظور ہوتا ہے۔ حکومت یا بینک ان کے پیسے کے محتاج نہیں۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ غریب مسافر محتاج طلباء کے لئے کوئی مالدار دو کاندار سے کہہ دیتا ہے کہ تم اسے ہمیشہ کھانا کھلاتے رہو۔ اس کی قیمت مجھ پر قرض ہے یعنی کھلا فقیر کو قیمت مجھ پر قرض اسی طرح رب فرماتا ہے کہ اپنے مال سے فقیروں کو دو اس کا بدلہ مجھ پر قرض ہے یہ حقیقت میں کرم کا اظہار ہے اولاد کی شادی بیاہ میں خویش 'اقرباء نیوتہ بلکہ کمیوں کو انعام دے جاتے ہیں یہ گھر والے پر قرض ہوتا ہے جسے وہ دوسرے موقعہ پر زیادتی کے ساتھ لوٹا کرتا ہے ان سب صورتوں میں قرض لینے والا محتاج نہیں یہ نہ غور کیا کہ رب خود کیا لیتا ہے ہم سے ہمارے ہی بھائی برادروں کو دلوا کر فرماتا ہے کہ یہ ہم پر قرض کی طرح واجب الادا ہے۔ اس قرض کو محتاجی کی دلیل بنانا پنڈت جی جیسے عقلمندوں کا کام ہے نیز عربی میں بلکہ اردو میں بھی ہر واجب الادا چیز کو قرض یا لوعار کہہ دیتے ہیں۔ جس سے نہ محتاجی ظاہر ہوتی ہے اور نہ روپے کا لین دین۔ دنیا کمائی کرنے کی جگہ ہے اور آخرت نفع حاصل کرنے کی پردیسی مسافر کے لئے ایسے بینک کی ضرورت ہے جس سے اس کا پیسہ بخیریت وطن پہنچ جائے اور اس پر سلطانی ہاتھ بھی ہو کہ ضائع نہ ہو۔ مسجدیں '

مدرسے جہاد کے میدان بلکہ تمام کار خیر کے مصرف رب کے شاہی بینک ہیں۔ جن کی شرح سود مختلف ہے اصل رقم ضائع ہونے کا اندیشہ ہی نہیں۔ دوسرا اعتراض: اتنی نیکیوں کا بندہ کیا کرے گا جب اس کا بدلہ بیس لاکھ ملا اور اس نے لاکھوں نیکیاں کیں تو اسکا اجر شمار سے باہر ہوا کہاں رکھے گا۔ (نیچری) جواب: یہ سوچو کہ اس کے پاس حساب کے بعد بچے گا کیا جیسے بے شمار نیکیاں ملتی ہیں۔ ایسے ہی بیشمار بندہ ظلم و گناہ بھی کر لیتا ہے اور قیامت میں تمام حقوق کے عوض حقداروں کو ظالم کی نیکیاں ہی دی جائینگی یہاں تک کہ تین پیسہ قرض کے عوض مقروض کی سات سو نمازیں، جماعت والی قرض خواہ کو دلوائی جائینگی (شامی کتاب الصلوۃ) اب حساب لگاؤ کہ غیبت "قتل" "ظلم" مار پیٹ کے عوض کتنی نیکیاں چھن جائیں گی اگر یہ زیادتی نہ ہو تو ٹوٹل کیسے پورا ہو غنیمت جانو کہ اصل نیکیاں ہی بچ جائیں نیکیوں کی ہری کھیتی پر صد ہا آفتیں آتی رہتی ہیں۔ نہ معلوم کٹائی کے وقت کیا بچے۔

مسئلہ: حقوق العباد میں اصل نیکی نہ دی جائے گی بلکہ فضل کی زیادتی (روح البیان) اور روزہ کی نہ اصل دی جائے اور نہ زیادتی۔ تیسرا اعتراض: تمہاری نقل کردہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب بیس لاکھ ہے اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ مکہ معظمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ اور مدینہ منورہ کی پچاس ہزار تو کیا ثواب میں یہاں کی نیکیاں وہاں سے بڑھ گئیں۔

جواب: وہاں کی نیکی ایک لاکھ ہے جن میں سے ہر ایک کا ثواب بیس بیس لاکھ ہم حساب بھی نہیں کر سکتے۔ چوتھا اعتراض: جب سود حرام ہے تو رب نے کیوں دیا۔ جواب: بندوں کے لئے حرام ہے۔ کیونکہ اس سے مقروض تباہ ہو جاتا ہے۔ رب کے خزانے کبھی خالی نہیں ہوتے وہ دے تو کیا مضائقہ ہے۔ نیز مالک اور غلام میں سود جائز لہٰذا رب بھی بندہ کو دے تو کیا حرج ہے۔ یہ لینا تو برائے نام ہے ورنہ جو لیا وہ اس کا اور جو دیا وہ بھی اس کا خود اس نے اپنا ہی مال لیا اپنا ہی دیا۔

تفسیر صوفیانہ: اے راہ طلب کے مجاہدو! اللہ کا راستہ طے کرتے ہوئے نفس اور شیطان سے جنگ کرو جو راہزنی کے لئے راستہ پر ہیں اور جان رکھو کہ اس جہاد کے وقت جو کچھ تمہارے دل میں خطرات آئیں گے یا جو کچھ تم کہو گے ہمیں سب کی خبر ہے لہٰذا اپنے ظاہر و باطن درست رکھو مسافر خطرناک راستہ کسی طاقتور کے سایہ میں طے کرتے ہیں اور خود بھی ہتھیار بند و چوکنے رہتے ہیں تاکہ چور "ڈاکو" رہزن ڈکیتی نہ کر لیں تم بھی راہ خدا طے کر رہے ہو نفس و شیطان کا خطرہ لگا ہوا ہے نبی و اولیاء کے زیر سایہ راستہ طے کرو اور ایمان و نماز کے ہتھیار روزے کی ڈھال زکوۃ و صدقات کے تیر و تفنگ سے لیس رہو ان ہتھیاروں کے ذریعہ ان چوروں "ڈاکوؤں سے جنگ کرتے ہوئے یہ رستہ طے کرو۔ مال تو بہت لوگ خرچ کرتے ہیں کیا کوئی ایسا بھی ہے جو رب کو قرض حسن یعنی جان کی قربانی دے تو رب تعالیٰ اسے تجلیات انوار اور صفات جلال و جمال کے بے شمار حصے عطا فرمائے۔ رب تعالیٰ موحدین کی ارواح قبض فرماتا اور عارفین کے اسرار وسیع کرتا ہے نیز وہ مریدین کے لئے قبض اور مرادین کے لئے بسط یا مشتاقین کے لئے قبض اور عارفین کے لئے بسط فرماتا ہے یا کبھی بندہ پر خوف طاری کر کے قبض اور امید دلا کر بسط فرماتا ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ رب قابض بھی ہے اور باسط بھی کہ موت کے وقت تو قبض روح اور زندگی دے کر بسط روح فرماتا ہے نیز اغنیاء سے لیتا ہے فقراء کو دیتا ہے نیز کبھی دلوں کو قبض فرماتا ہے تاکہ اس کی ہیبت کا تصور رہے۔ اور کبھی بسط فرماتا ہے کہ اس کے کرم پر سب کی نظر رہے یا کبھی اپنے عذاب سے ڈرا کر دلوں کو تنگ کرتا ہے اور کبھی اپنی نعمتیں بتا کر بسط (روح البیان)۔

خیال رہے کہ قبض و بسط یعنی تنگی اور کشادگی ہر طبقہ کو ہوتی ہے۔ دنیادار "دیندار علماء فضلاء" واعظین "عابدین" عاملین بلکہ صحابہ کرام اور اولیاء و صوفیاء بلکہ انبیاء کرام پر بھی یہ حالات طاری ہوتے ہیں۔ ایک بار صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ

گھر میں پہنچ کر ہمارے دلوں کا وہ حال نہیں رہتا جو مجلس پاک میں ہوتا ہے وہاں بیوی بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں فرمایا جو تمہارا حال ہماری مجلس میں ہوتا ہے اگر وہی رہتا تو تم سے ملائکہ مصافحہ کرتے یہ ہے قبض و بسط شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں۔

گے با حفصہ و زینب پر داختے   گے باجبرائیل و میکائیل نہ ساختے

کبھی ازواج مطہرات کے ساتھ مشغول رہتے اور کبھی جبرائیل و میکائیل بھی ان سے کلام کرنے کی جرات نہ کرتے وہ قبض تھا اور یہ بسط۔ یعقوب علیہ السلام نے چاہ کنعان سے اپنے فرزند کی طرف توجہ نہ فرمائی یہ ہوا قبض اور ایک دن مصر سے پیراہن یوسف کی خوشبو محسوس فرمائی یہ ہوا بسط۔ کسی نے ان سے دریافت کیا۔

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی   چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی!

تو جواب دیا۔

بگفت احوال ما برق جہان است   دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
اگر درویش برحالے بماندے   دو دست از ہر دو عالم برفشاندے

ایک ہی شخص کبھی عالم متبحر ہو جاتا ہے یہ ہوا بسط اور پھر وہی کبھی ایک مسئلہ بھی نہیں جانتا یہ ہوا قبض کبھی واعظ مجلس کو تڑپا دیتا ہے یہ ہے بسط۔ کبھی خطبہ وعظ بھی صحیح نہیں پڑھتا یہ ہوا قبض۔ کبھی بادشاہ ممالک فتح کرتا ہے یہ ہے بسط کبھی اپنا گھر بھی چھن جاتا ہے یہ ہے قبض۔ پاک ہے وہ جسے قبض و بسط نہیں رب کا کرم تو دیکھو کہ خود ہر چیز کا مالک **لہ ما فی السموت وما فی الارض** اور پھر خود ہی مسلمانوں کی جان و مال کا خریدار **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم** پھر خرید کر اور عاریتہً سب کچھ دے کر خود ہی ان سے قرض طلب فرمایا **من ذا الذی یقرض اللہ** اور پھر اس پر بہت سود کا وعدہ کیا اضعافاً کثیرۃ دینے والا تو بڑا کریم ہے لینے والے میں ہمت چاہئے کوئی اس سے جنت مانگتا ہے کوئی حور و قصور مگر عاشق جانباز خود اس کی ذات کا طالب صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ فقراء اغنیاء کی زینت ہیں اور قبض ' بسط کا آئینہ اگر فقراء نہ ہوں تو اغنیاء کی آب و تاب جاتی رہے اور بغیر قبض کے بسط کا بازار سرد ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

روئے خوباں ز آئنہ زیبا شود   روئے احسان از گدا پیدا شود
چوں گدا آئینہ جو دست ہاں   دم بود بر روئے آئینہ زیاں
پس ازیں فرمود حق در والضحیٰ   بانگ کم زن اے محمد بر گدا

صرف گدا ہی کریم کا عاشق نہیں بلکہ کریم بھی گدا کا چاہنے والا ہے کیونکہ فقراء سے کریم کے بازار کی رونق ہے (از روح البیان و ابن عربی) بعض عشاق کہتے ہیں کہ گنہ گاروں سے شفاعت کے بازار کی رونق ہے اور سیہ کاروں سے بخشش کی دوکان کی زینت معصوم فرشتے کروڑوں سال سے مشغول عبادت تھے پھر محبوب کے بازار حسن میں رونق گنہ گار انسان کی پیدائش سے ہی آئی جب فرشتوں نے عرض کیا کہ مولیٰ اس فسادی خونریز کو کیوں پیدا کرتا ہے ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کے لئے حاضر ہیں تو فرمایا **انی اعلم ما لا تعلمون** تم اس راز کو نہیں جانتے۔ اس گنہگار کی پیدائش پر میری صفات کا ظہور موقوف ہے اور اس ہی کے دم قدم سے بازار عالم کی رونق وابستہ ہے وہ جو حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ اگر تم گناہ کرنا چھوڑ دو تو رب تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمادے جو گناہ کرے اس کا مقصد بھی یہ ہی ہے نیک اعمال کی توفیق بسط ہے اور ہمارا گناہوں کی طرف میلان قبض '

واللہ یقبض و یبسط خیال رہے کہ وہابی جہل اور قبض میں فرق نہیں کرتے انبیاء کرام اگر کسی وقت کسی چیز کو نہ جانیں یا نہ پہچانیں تو اس کی وجہ بے علمی نہیں بلکہ یہ ہی قبض ہے۔ ایک دفعہ سرکار کو غسل فرمانا یاد نہ رہا مصلی پر تشریف لے آئے پھر یاد آیا تو غسل فرمایا پھر نماز پڑھائی یہ ہوا قبض پھر وہی محبوب فرماتے ہیں کہ لوگو نمازیں درست پڑھا کرو واللہ مجھ پر تمہارے رکوع سجود بلکہ حضور سے خشوع و خضوع تک پوشیدہ نہیں یہ ہے بسط

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ

کیا نہ دیکھا تم نے طرف گروہ بنی اسرائیل کے پیچھے سے موسیٰ کے جبکہ کہا انہوں نے واسطے نبی اپنے

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا جب اپنے ایک پیغمبر سے

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ

مقرر کردو واسطے ہمارے بادشاہ جہاد کریں ہم بیچ راستے اللہ کے فرمایا کیا قریب ہو تم کہ اگر فرض کیا

بولے ہمارے لئے کھڑا کردو ایک بادشاہ کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں۔ نبی نے فرمایا کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر

الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا

جاوے اوپر تمہارے جہاد یہ کہ نہ جہاد کرو تو وہ بولے اور کیا ہے واسطے ہمارے یہ کہ نہ جہاد کریں ہم راستے

جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں

مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىٕنَاؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْؕ

اللہ کے حالانکہ بے شک نکالے گئے ہم گھروں سے اپنے اور بچوں سے اپنے پس جب فرض کیا گیا اوپر ان کے

اپنے وطن اور اپنی اولاد سے تو پھر ان پر جہاد فرض کیا گیا۔ منہ پھیر گئے ان میں سے مگر تھوڑے

وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ۝

جہاد تو پھر گئے دوسرا تھوڑوں کے ان میں سے اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کا

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد اور صدقہ کا حکم ہوا اب ان بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے وعدہ جہاد کرکے پورا نہ کیا اور عتاب الٰہی میں آگئے تاکہ مسلمان اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور ہمیشہ اطاعت الٰہی میں مشغول رہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں قتل فی سبیل اللہ کا اجمالی حکم

تھا جس میں کوئی شرط نہ لگائی گئی تھی اب بنی اسرائیل کا ایک واقعہ سنا کر شرائط جہاد کی طرف اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ اس کے لئے بادشاہ لشکر اور اطاعت پیغمبر ضروری ہے جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو گا۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم تھا اب اس کی شرح فرمائی جارہی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ وہ ہے، جس میں دنیوی انتقام کی نیت 'ملک گیری کی ہوس نہ ہو محض کلمتہ اللہ بلند کرنے کے لئے کیا جائے ورنہ کامیابی نہ ہو گی دیکھو ان بنی اسرائیلیوں نے جوش انتقام میں کفار سے جنگ کرنا چاہی مگر نہ کر سکے۔ محض مخلصین نے یہ کام انجام دیا۔

تفسیر: **الم تر الی الملا من بنی اسرائیل** یہ استفہام بھی انکاری ہے اور الی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی بمعنی نظر ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ ملاء کے معنی ہیں بھرنا۔ **ملء الارض ذھبا** اصطلاح میں اس متفق جماعت کو ملاء کہتے ہیں۔ جن کی ہیبت سے آنکھیں بھر جائیں اور رونق سے مجلس یہ بھی قوم کی طرح جمع ہے اس کا واحد کوئی نہیں۔ فرق یہ ہے کہ قوم ہر جماعت کو کہہ دیتے ہیں اور ملاء بڑوں کی متفق جماعت کو جیسے اہل اور آل قریباً" ہم معنی ہیں یعنی والا مگر اہل کی نسبت تو شاندار و غیر شاندار سب کی طرف ہو سکتی ہے کہا جاتا ہے اہل خانہ اور زید کے اہل و عیال مگر آل کی نسبت صرف شاندار انسانوں ہی کی طرف ہو گی خواہ دنیاوی شاندار ہو جیسے آل فرعون یا دینی شاندار جیسے آل رسول اللہ آل بیت آل زید نہیں کہا جاتا کہ بیت شاندار نہیں اور زید شاندار نہیں چونکہ حضرت شموئیل علیہ السلام کی خدمت میں بنی اسرائیل کے نمبردار چودھری اور وہ چوٹی کے لوگ یہ درخواست لے گئے تھے جو ساری قوم کے نمائندے تھے اس لئے یہاں الی الملاء من بنی اسرائیل فرمایا۔ الی قوم یا الی جماعۃ من بنی اسرائیل نہ فرمایا۔ من بنی اسرائیل میں من تبعیضیہ ہے اور پوشیدہ لفظ کے متعلق ہو کر ملاء کا حال یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بنی اسرائیل کی اس جماعت کو نہ دیکھا **من بعد موسی** یہ من ابتدائیہ ہے اور اس کے متعلق ہے جس کے متعلق پہلا من تھا اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام سے کئی سو برس بعد ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے گیارہ سو برس پہلے۔ لفظ موسیٰ سے پہلے وفات پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد **اذ قالوا لنبی لھم** بعض علماء کرام نے فرمایا کہ وہ نبی حضرت یوشع بن نون ابن افراثیم ابن یوسف علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ ہی خلیفہ ہوئے۔ بعض نے فرمایا کہ وہ شمعون علیہ السلام' جو لاوی ابن یعقوب کی اولاد سے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شموئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں بادشاہ کا انتخاب کثرت رائے سے نہ ہوتا تھا بلکہ وحی کے ذریعہ نبی کی معرفت اس لئے ان نمائندوں نے جو ساری قوم کی طرف سے حاضر ہوئے تھے کسی کا نام پیش نہ کیا کہ فلاں شخص کو قوم چاہتی ہے اسے ہمارا بادشاہ بنا دیجئے۔ بلکہ اس وقت کے نبی کی خدمت میں عرض کیا کہ **ابعث لنا ملکا** ابعث بعث سے بنا جس کے معنی ہیں اٹھانا" سامنے لانا" بھیجنا اور کسی کو کسی کام پر مقرر کرنا قرآن شریف میں ہر معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں آخری معنی میں ہے لنا میں لام یا نفع کا ہے یا بمعنی علیٰ یعنی ہمارے نفع یا انتظام کے لئے یا ہم پر مقرر کیجئے۔ ملک اور مالک ملک یا ملکیتہ سے بنا۔ مگر ملک وہ ہے جو لوگوں پر سیاسی احکام جاری کرنے میں خود مختار ہو اور مالک ہر ملکیت والا کہلاتا ہے۔ اس لئے ملک الناس کہا جاتا ہے نہ کہ ملک الاشیاء لیکن ملک یعنی بادشاہ کا تصرف مالک سے کم ہے۔ ہم ملک' مالک کے بہت سے فرق مالک یوم الدین کی تفسیر میں عرض کر چکے یعنی اے نبی ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دو تاکہ **نقاتل فی سبیل اللہ** یہ ابعث کا جواب ہے اسی لئے ساکن ہے۔ یعنی تاکہ ہم اللہ کی راہ میں کفار سے جنگ کریں **قال ھل عسیتم ان**

کتب علیکم القتال الا تقاتلوا عسیتم فعل مقاربہ ہے خواہش اور امید، طمع اور خطرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں خطرہ کے لئے ہے ھل یا تو بمعنی استفہام ہے یا بمعنی قد لا تقاتلوا، عسیتم کی خبر ہے کہ جس کے درمیان شرط حائل ہو گئی۔ اصل عبارت یوں تھی کہ ان کتب علیکم القتال ھل عسیتم الا تقاتلوا یعنی اگر تم پر جہاد فرض ہو گیا تو خطرہ یہ ہے کہ تم نہ کرو جیساکہ تمہاری گزشتہ نافرمانیاں اور موجودہ اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بذریعہ وحی معلوم ہوا ہو۔ قالو وما لنا ان لا نقاتل فی سبیل اللہ یہ قوم کا جواب ہے ما استفہامیہ ہے بمعنی ای اور لا سے پہلے فی یا الی پوشیدہ ہے۔ ما مبتدا ہے اور الذین اس کی خبر یعنی ایسی کون سی وجہ ہے کہ ہم راہ الٰہی میں جہاد نہ کریں وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ نقاتل کے فاعل سے حال۔ ابناء سے مراد ساری اولاد ہے نہ کہ صرف لڑکے۔ مگر چونکہ لڑکے زیادہ پیارے ہوتے ہیں اور انہیں کا فراق ماں باپ کو بہت تکلیف دیتا ہے لہذا انہیں کا ذکر بھی کیا گیا یعنی ہم کیوں نہ جنگ کریں ہم تو ان کفار کے ہاتھوں اپنے وطن اور اولاد سے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے ہمیں جلاوطن کیا اور ہمارے بچوں کو گرفتار فلما کتب علیھم القتال تولوا یہاں بہت سے واقعہ کو چھوڑ دیا گیا۔ تولوا تولی سے بنا بمعنی منہ پھیرنا یا پیٹھ دکھانا یعنی جب قول و قرار کے بعد ان پر بادشاہ بھی مقرر ہوا۔ اور جہاد بھی فرض ہوا اور یہ اس کے ساتھ چل بھی دیئے تو اپنی بعض نافرمانیوں کی وجہ سے بزدل ہو کر جہاد سے منہ پھیر گئے جس کی پوری تفصیل اگلی آیت میں آ رہی ہے الا قلیلا منھم یہ تولوا کے فاعل سے استثنا ہے اور یہ تھوڑے وہی ہیں جو طالوت کے ساتھ نہر کو پار کر گئے یہ اصحاب بدر کی طرح 313 تھے واللہ علیم بالظلمین ظالمین سے یا تو یہی جہاد سے بھاگنے والے مراد ہیں یا سارے گناہ گار یعنی اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بنی اسرائیل کی وہ جماعت نہ دیکھی جو موسیٰ علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئی جب کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے عرض کیا کہ ہمارے واسطے آپ کوئی بادشاہ مقرر کر دیں۔ جس کے سایہ میں ہم اللہ کی راہ میں کفار سے لڑیں پیغمبر نے فرمایا کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اندیشہ یہ ہے کہ اس وقت تم جہاد نہ کرو خوب سوچ سمجھ کر منہ سے بات نکالو وہ سب بولے کہ اب جہاد نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔ کس ظلم کا انتظار ہے ہم پر تو انتہائی مظالم ہو چکے اپنے وطن سے ہم نکالے گئے اپنی اولاد سے ہم چھوٹے کہ کافر بادشاہ نے ہمیں جلاوطن کیا ہماری اولاد ان میں سے کچھ کو قید کیا اور کچھ کو نکال دیا۔ انہوں نے وعدے وعید تو اتنے کئے مگر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو بجز چند لوگوں کے سارے ہی منہ پھیر گئے اللہ وعدہ خلافوں، بزدلوں، سارے ظالموں کو خوب جانتا ہے سب کو مناسب سزا دیگا۔ یوں تو وعدہ خلافی بہر حال بری ہے مگر جو نبی سے اور نبی کی معرفت اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا جاوے اس کے خلاف کرنا تو بڑا ہی ظلم ہے۔ ان اسرائیلیوں نے اس موقعہ پر رب سے کئے ہوئے وعدے توڑے یہ بڑے ظالم ہیں ہم ظالموں کو خوب جانتے ہیں۔

اصل واقعہ : موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام ان کے بعد حضرت کالب ابن یوقنا ان کے بعد حضرت حزقیل خلیفہ ہوئے یہ حضرات اپنے اپنے زمانوں میں توریت شریف کے احکام جاری فرماتے اور یہود کی اصلاح کرتے تھے۔ حزقیل ابن بوزی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کا حال بہت خراب ہو گیا انہوں نے کھلم کھلا بت پرستی شروع کر دی تب حضرت الیاس ابن نسی ابن فنحاس ابن عیزار ابن ہارون علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ جان کی مدد سے کچھ اصلاح

کی نگرانی کے بعد پھر بنی اسرائیل کا حال خراب ہوا۔ تب حضرت یسع علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے توریت کے احکام جاری فرمائے۔ خیال رہے کہ حزقیل علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی ایک نسل میں تو خلافت و سلطنت تھی اور دوسری میں نبوت یعنی آل لاوی ابن یعقوب میں نبوت اور آل یہودا ابن یعقوب میں سلطنت۔ یسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ گئی جس کا انجام یہ ہوا کہ ان سے سلطنت بھی چھن گئی اور انبیاء کی آمد بھی بند ہو گئی اور ان پر فرعون کی طرح جالوت بادشاہ مسلط ہو گیا جو کہ عملیق ابن عاد کی اولاد سے ایک نہایت ظالم بادشاہ تھا اور قوم عمالقہ نے تبلیوں کی طرح بنی اسرائیل پر ظلم ڈھانا شروع کر دیئے کہ ان کے شہر چھین لئے ان کے آدمی گرفتار کر لئے ان پر بہت سختیاں شروع کر دیں۔ یہ جالوتی لوگ مصر اور فلسطین کے درمیان، بحر روم کے کنارے پر رہتے تھے۔ بنی اسرائیل میں اس وقت خاندان نبوت سے صرف ایک بیوی باقی تھی جو حاملہ تھی بنی اسرائیل دعا کرتے تھے کہ خداوند ان کے بطن سے کوئی نبی پیدا فرما۔ جن سے ہمارا بگڑا حال سنبھل جائے۔ چنانچہ ان کے بطن شریف سے حضرت اسمویل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ خیال رہے کہ یہ لفظ اشمو اور ایل سے بنا ہے عبرانی میں اشمو کے معنی ہیں سن لی اور ایل اللہ کا نام ہے۔ ان کی والدہ بیٹے کی بہت دعا مانگتی تھیں جب یہ پیدا ہوئے تو بولیں اشموایل یعنی رب نے میری دعا سن لی۔ یہ ہی ان کا نام ہوا جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کے لئے بہت دعائیں کیں اور ہمیشہ دعا کے آخر میں عرض کرتے تھے اسمع یا ایل یا اللہ میری سن لے جب فرزند پیدا ہوئے تو اس دعا کی یادگار میں اپنے فرزند کا نام اسمٰعیل جیسے آج دعا کے آخر میں آمین کہا جاتا ہے ایسے ہی اس زمانے میں اسمع ایل کہا جاتا تھا جب یہ بڑے ہوئے تو انہیں بیت المقدس میں ایک عالم کے سپرد کیا گیا انہوں نے انہیں اپنا متبنی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا۔ اور آپ سے بہت محبت کرنے لگے۔ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک رات وہ عالم کے پاس آرام کر رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس عالم کی آواز میں پکارا یا اشموایل آپ جھٹ پٹ اٹھے اور شیخ سے بولے۔ اے بابا جان کیا ہے کیوں بلایا۔ شیخ نے خیال کیا کہ اگر میں کہہ دوں کہ میں نے نہیں بلایا تو ڈر جائیں گے کہا جاؤ سو جاؤ یہ سو گئے پھر وہی آواز سنی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ کیا ارشاد ہے فرمایا جاؤ سو جاؤ اگر اب ہم تمہیں بلائیں تو نہ بولنا آپ جا کر سو گئے۔ تیسری بار جبریل علیہ السلام ظاہر ہو کر آپ کے سامنے آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا۔ اپنی قوم کے پاس جاؤ اور تبلیغ احکام فرماؤ۔ چنانچہ آپ اپنی قوم کے پاس آئے بنی اسرائیل چونکہ پیغمبروں کے قتل کرنے اور سخت نافرمانی کے عادی ہو چکے تھے انہیں جھٹلانے لگے اور بولے کہ آپ اتنی جلدی نبی بن گئے اچھا اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے واسطے کوئی بادشاہ مقرر کیجئے۔ جس کے ساتھ ہم کفار سے جہاد کریں۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں انبیاء کا فتویٰ ہوتا تھا اور سلاطین جاری کرتے تھے گویا خلق کے حاکم سلطان اور سلطان کے حاکم نبی ہوتے تھے بلکہ بادشاہ کا انتخاب بھی نبی ہی فرماتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ خواہش کی (در منثور و روح البیان و خزائن العرفان و خازن وغیرہ) باقی قصہ آئندہ آ رہا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مسلمان پچھلی امتوں سے افضل ہیں کہ وہ لوگ تعلیم انبیاء بہت جلد بھول جاتے تھے۔ اور یہ الحمد للہ باوجود نبوت ختم ہو جانے کے بعد اب تک دین حق پر قائم ہیں کہ سب گمراہ نہیں ہوئے۔ دوسرا فائدہ: اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں کہ دین سے فساد دور کرتے اور احکام شرعیہ کی تبلیغ فرماتے ہیں۔ تیسرا فائدہ: جہاد کیلئے امام و سلطان شرط ہے دیکھو بنی اسرائیل نے بادشاہ پر جہاد موقوف رکھا۔ چونکہ

فائدہ: سلطنت و امامت میراث نہیں اگر میراث ہوتی تو یہود وابن یعقوب کی اولاد میں بطریق میراث ہمیشہ بادشاہت رہتی۔ پانچواں فائدہ: جہاد میں انتقام' بدلہ اور اپنے سے دنیوی تکلیف دور کرنے کی نیت نہ چاہئے بلکہ اشاعت دین کا ارادہ کیا جائے۔ دیکھو چونکہ یہ لوگ بدلہ کی نیت سے اٹھے تھے بزدل ہو گئے۔ چھٹا فائدہ: رب تعالیٰ انبیاء کرام کو علم غیب عطا فرماتا ہے کہ اتنے پچھلے واقعہ کے متعلق حضور سے فرمایا **الم تر** اور حضرت اشمویل علیہ السلام نے ان کی درخواست سنتے ہی فرمایا کہ تم یہ کام شائد نہ کر سکو اور ایسا ہی ہوا شاید فرمانا ایسا ہی ہے جیسے رب لعل فرماتا ہے ان حضرات کی شائد بھی کچھ معنی رکھتی ہے۔ بزرگوں کی لعل یا عسی بھی یقینی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** اور حضور فرماتے ہیں **ارجو ان اکون انا** کھو دینے والا فرماتا ہے عسی اور لینے والے محبوب فرماتے ہیں ارجو یعنی میں امید کرتا ہوں کہ مقام محمود مجھے ہی ملے مگر مقام محمود حضور ہی کے لئے یقینا ہے۔ ساتواں فائدہ: جیسے کہ بنی اسرائیل میں اولاً نبوت مع سلطنت رہی کہ یوشع علیہ السلام وغیرہ نبی بھی تھے اور سلطان بھی اور بعد میں علیحدہ ہو گئی۔ ایسے ہی اسلام میں خلفاء راشدین تک حضور علیہ السلام کے تیس سال بعد تک خلافت مع سلطنت رہی اسی لئے ان کی بیعت بیعت سلطنت بھی تھی اور بیعت ارادت بھی کہ وہ حضرات سلطان بھی تھے اور مرشد کامل بھی پھر یہ دونوں علیحدہ ہو گئیں کہ بنی امیہ میں سلطنت آ گئی اور بنی ہاشم میں خلافت نبوی کہ یہ حضرات حضور علیہ السلام کے جانشین ہوئے جیسے اشمویل علیہ السلام کے ہوتے ہوئے طالوت کی سلطنت حق تھی۔ ایسے ہی بنی ہاشم کے ہوتے ہوئے دیگر لوگوں کی سلطنت صحیح ہے۔ چنانچہ حضرات حسنین و دیگر بنی ہاشم نے امیر معاویہ سے جنگ نہ کی ان کی سلطنت مان لی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ امامت کے لئے نبوی انتخاب چاہئے کہ بنی اسرائیل نے حضرت اشمویل سے اس کے متعلق عرض کیا۔ چونکہ خلفاء ثلثہ کی امامت حضور علیہ السلام کے انتخاب سے نہ تھی۔ لہٰذا قابل قبول نہیں۔ (شیعہ)

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام نے ان سب حضرات کا کلی طور پر انتخاب فرمایا کہ اس کا قانون ہی یہ ہے کہ جسے مسلمان اپنا خلیفہ چن لیں وہ خلیفہ ہے۔ مسلمانوں کا انتخاب درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی انتخاب ہے کیونکہ انہیں حضور ہی کی طرف سے انتخاب خلیفہ کا حق ہوا۔ دوسرے یہ کہ جیسے بنی اسرائیل پر اور بہت سی پابندیاں تھیں جو ہم پر نہیں۔ نماز کے لئے جگہ مقرر وغیرہ ایسے ہی یہ بھی ان پر پابندی تھی کہ بادشاہ صرف نبی ہی کے انتخاب سے ہو اس امت مسلمہ پر رب کا کرم ہے کہ ان کا انتخاب معتبر تیسرے یہ کہ اگر انتخاب نبوی خلافت کے لئے ضروری ہے تو حضرت علی مرتضیٰ و دیگر ائمہ اطہار کی خلافت بھی صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ نبی علیہ السلام سے منتخب نہ ہوئی۔ اگر بہت کھینچ تان سے حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت ثابت بھی کر لو گے تو دیگر گیارہ اماموں کی خلافت کیسے ثابت ہو گی جن میں سے بعض کا تو حضور علیہ السلام نے ذکر بھی نہیں کیا حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق کا عملی انتخاب فرما بھی دیا کہ پہلے تو فتح مکہ کے بعد اور حجۃ الوداع سے قبل حضرت صدیق اکبر کو امیر اور حضرت علی کو ماسور بنا کر مکہ معظمہ اپنی طرف سے بھیجا کہ اعلان کرو آئندہ سے کوئی مشرک اور برہنہ طواف نہ کرے پھر بوقت وفات حضرت صدیق کو یہ کہہ کر اپنے مصلی پر امام بنا کر کھڑا کیا کہ جہاں ابوبکر ہوں وہاں کسی کی امامت کا حق نہیں بعد میں انتخاب اجراء قانون کے لئے تھا ایک عورت حضور سے کچھ فیصلہ کرانے آئی فرمایا کل آ کر فیصلہ کرا لینا وہ بولی کہ اگر آپ کل سے پہلے وفات پا جائیں فرمایا کہ تو ابوبکر سے فیصلہ کرا لینا یہ تمام

چیزیں عملی انتخاب ہیں۔ دوسرا اعتراض: جہاد میں سلطان کیوں ضروری ہے دیگر عبادات کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہونا چاہئے۔ (بعض بے دین) جواب: جن عبادات میں جماعت شرط ہے ان میں امام بھی شرط جیسے نماز جمعہ و عیدین وغیرہ جہاد میں جماعت یعنی لشکر بھی ضروری اور ان کا انتظام، ہتھیار وغیرہ بھی لابدی۔ لہذا اس کے لئے طاقتور امام یعنی سلطان چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ ان اسرائیلیوں نے ارادہ کے خلاف ظاہر کیا۔ اور زبان سے وہ بات نکالی جو دل میں نہ تھی لہذا ان کا دعویٰ معنی کی کسوٹی پر کسا گیا۔ وہ بوقت امتحان برحان سے عاجز رہے اور فیل ہوئے یہ ہی حال اہل سلوک مدعین کا ہے۔ یہ راہ وہ طے کر سکتا ہے کہ جس کے پاس الفاظ کم ہوں معنی زیادہ اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے جہاد کی وجہ دنیوی منافع قرار دی اور اپنا بدلہ چاہا نیز انہوں نے اپنے اعتکو پر وعدہ کیا رب تعالیٰ کا نام تک نہ لیا اس لئے کامیاب نہ رہے اگر وہ یہ کہتے کہ ہم کیوں نہ جہاد کریں ان کفار نے تو رب کی نافرمانی کی۔ اللہ کی شہروں پر ان کئے۔ اللہ کے بندوں کو پریشان کیا اور انشاء اللہ ہم ضرور جہاد کریں گے۔ تو ضرور فتح پاتے۔ دیکھو اسماعیل علیہ السلام نے حضرت خلیل اللہ سے عرض کیا تھا۔ **ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین** اپنے بھروسہ پر وعدہ نہیں رب کے بھروسہ پر ہے۔ کامیاب ہو گئے ایسے ہی جو کوئی راہ سلوک طے کرنے کا اس لئے ارادہ کرے کہ دنیا والوں پر غالب رہے وہ ناکام رہے گا اور جیسے کہ اس گروہ بنی اسرائیل میں اللہ کے خاص بندے تھوڑے تھے اگرچہ جہاد کے لئے جانے والے بہت ایسے ہی ہر جماعت میں اور ہر زمانہ میں ہے کہ اعلیٰ چیز تھوڑی مگر رونق میں زیادہ درختوں پر بور بہت آتا ہے مگر ان میں سے پھل تھوڑا بنتا ہے اور خراب زیادہ۔ اس راستہ پر چل پڑنے والے بہت ہیں لیکن منزل تک پہنچنے والے تھوڑے مگر وہ تھوڑے ان بہت سے زیادہ حدیث شریف میں ہے کہ بڑے گروہ کے ساتھ رہو بڑا گروہ وہ ہی ہے جو حق پر قائم رہے۔ اگرچہ شمار میں تھوڑا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بغیر مشقت منزل تک پہنچنا چاہے وہ بوالہوس ہے اور جو صرف مشقت ہی کو ذریعہ کامیابی جانے وہ سخت دھوکہ میں مشقت ضرور کرے مگر اس طرف کے جذبہ کو ذریعہ کامیابی جانے رب تعالیٰ اپنے فضل کی بارش فرمائے تو یہ کچی کھیتی پھل لائے۔ (از روح البیان)۔

پانی بھرن پنہاریاں اور رنگ برنگے گھڑے　　　بھریا اس کا جانئے جس کا توڑ چڑھے

جیسے طالوت کے ساتھ چلے تھے بہت سے اسرائیلی۔ مگر ایک نہر نے مخلص و منافق کو چھانٹ دیا جس سے صرف تین سو تیرہ ہی آگے بڑھ سکے ایسے ہی کلمہ پڑھنے والے کروڑوں ہیں۔ مگر نزع و خاتمہ کی نہر سامنے ہے اس نہر سے جو بخیریت گزر جاوے وہ خوش نصیب ہے وہ ہی گزرے گا جس پر اللہ کا کرم ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ

اور کہا واسطے ان کے نبی نے ان کے کہ تحقیق اللہ نے بیشک مقرر کیا واسطے تمہارے طالوت کو بادشاہ وہ بولے کیونکر

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے بولے

يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً

ہوگا واسطے اس کے ملک اوپر ہمارے اور ہم زیادہ حق دار ہیں ساتھ ملک کے اس سے اور نہیں دیا گیا وہ

اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت

مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ

فراخی مال کی فرمایا کہ تحقیق اللہ نے چن لیا اس کو اوپر تمہارے اور زیادہ دی اس کو کشادگی بیچ علم اور جسم

نہیں دی گئی فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا

الْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

کے اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے وہاں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑوں کے باقی سب منہ پھیر گئے۔ اب اس کی تفصیل ہو رہی ہے کہ جہاد کیونکر فرض ہوا اور ان پر بادشاہ کون مقرر ہوا اور وہ کیوں بزدل ہو گئے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان اسرائیلیوں نے جہاد سے منہ پھیرا۔ اب منہ پھیرنے کی بڑی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اس کا باعث یہ ہوا کہ انہوں نے پہلے ہی معاملہ میں نبی کی مخالفت کی اور مقرر کردہ بادشاہ کو نظر حقارت سے دیکھا ربانی انتخاب کی حقارت در اصل رب کی ہی اہانت ہے۔ یہ ہی تمام ناکامیوں کی جڑ ہے۔

تفسیر: — **وقال لھم نبیھم** ظاہر یہ ہے کہ اس سے پہلے کچھ واقعہ پوشیدہ ہے کہ ان پیغمبر نے اس کے متعلق رب سے دعا کی۔ بذریعہ وحی ان کے لئے بادشاہ کی نشانی مقرر کی گئی۔ جس کے ذریعہ پیغمبر نے بادشاہ چھانٹا اس طرح کہ بادشاہ کے تقرر کی تاریخ مقرر کی پھر اس تاریخ پر بیت المقدس کے تیل کے جوش مارنے اور لاٹھی کی پیمائش کی علامتوں سے طالوت کی سلطنت معلوم کی۔ تب ان سے فرمایا کہ **ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا** یہاں بھی بعث معنی مقرر کرنا ہے یا بھیجنا اگرچہ یہ تقرر خود ان پیغمبر نے کیا تھا مگر چونکہ وحی اور ربانی نشانی سے کیا۔ اس لئے بعثت کو رب کی طرف ہی نسبت کر دیا گیا۔ لکم میں لام نفع کا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ طالوت بھی داؤد و جالوت کی طرح عبرانی لفظ ہے۔ عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ عربی ہے طول معنی درازی و لمبائی سے بنا۔ رہبوت و جبوت کی طرح یہ بھی طولوت تھا۔ واؤ الف سے بدلا مشابہ عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہوا۔ چونکہ یہ بہت دراز قد کے تھے آدمی ہاتھ اٹھا کر ان کا سر چھو سکتا تھا اس لئے انہیں طالوت کہا گیا۔ (کبیر و معانی) در منثور نے فرمایا کہ ان کا نام شاول ابن قیس ابن اشل ابن ضرار ابن یحرب ابن الیحو ابن انس ابن بنیامین ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام تھا۔ درازی قد کی وجہ سے ان کا لقب طالوت تھا جیسے کہ خرباق کو ذوالیدین

کہتے ہیں ملکہ طالوت کا مال ہے یعنی رب نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا۔ اس کا پورا واقعہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا اس زمانہ میں سلطنت صرف ملوکیت کی حیثیت رکھتی تھی جس میں جمہوریت کو دخل نہ تھا اور آج کل کے عرف میں صرف جمہوریت ہے۔ جس میں ہر تین چار سال بعد نیا انتخاب ہوتا ہے۔ ہمارے اسلام میں جمہوریت بھی ہے اور ملوکیت یعنی خلافت بھی کہ بادشاہ کا انتخاب جمہوریت سے ہو گا مگر تقرر کے بعد پھر آخر تک بادشاہ وہی رہے گا۔ بار بار انتخابات نہ ہوں گے کہ یہ انتخابات ہزار ہا فتنوں کی جڑ ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا۔

گریز از طرز جمہوری غلام مرد کامل شو   کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

قالوا انی یکون لہ الملک علینا غالب یہ ہے کہ قالوا کا فاعل ان تین سو تیرہ اسرائیل کے سوا باقی لوگ ہیں جو نہر پار کر گئے تھے اور جنہوں نے جنگ جیتی کیونکہ اگر وہ بھی اسی اعتراض میں شریک ہوتے تو کبھی جہاد میں کامیاب نہ ہو سکتے یا تو یہ قول تعجب کا ہے جیسے کہ ملائکہ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت کی خبر سن کر تعجب کیا تھا۔ اور یا فرمان نبی کا انکار ہے۔ دوسری صورت میں یہ لوگ کافر ہو چکے بعد میں توبہ کر کے شریک جہاد ہوئے۔ (روح البیان) انی یا بمعنی کیف ہے یا بمعنی من این۔ علی یا تو مقابلہ کا ہے اور یا فوقیت کے لئے یعنی وہ بولے کہ یہ طالوت ہم پر کیونکہ بادشاہ بن سکتے ہیں یا ہمارے مقابل یہ بادشاہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس انکار کی چند وجہیں بیان کیں۔ ایک یہ کہ **ونحن احق بالملک منہ نحن** سے مراد ان کی اپنی جماعت کا ہر ایک آدمی تھا نہ کہ سب لوگ کیونکہ بادشاہ ایک ہی ہو سکتا ہے اور احق یا تو تفضیلی معنی میں ہے یا بمعنی مطلقاً حقدار۔ ملک سے مراد سلطنت و حکومت ہے یعنی ہم بمقابلہ طالوت کے سلطنت کے زیادہ حقدار ہیں یا سلطنت کے حقدار ہم ہی ہیں نہ کہ وہ کیونکہ اس زمانہ میں نبوت تو لاوی ابن یعقوب علیہ السلام کی نسل میں تھی اور سلطنت یہودا ابن یعقوب کی نسل میں اور طالوت ان میں سے کسی سبط سے نہ تھے بلکہ وہ تو بنیامین ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اس لئے وہ کہنے لگے کہ چونکہ ہم لوگ نسل سلاطین ہیں لہٰذا بادشاہ بھی ہم میں سے ہی ہونا چاہئے دوسری وجہ یہ بیان کی کہ **ولم یوت سعۃ من المال سعۃ** وسع سے بنا بمعنی گنجائش و فراخی۔ جیسے وعدے سے عدۃ چونکہ اس کے بعد عین حرف حلقی آ رہا ہے اس لئے اس کو زیر نہ دیا گیا یعنی حضرت طالوت کو وسعت مالی اور غنا بھی نہیں دی گئی ہے جو بادشاہ کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ بغیر لشکر اور ہتھیار کے سلطنت کے کام انجام نہیں پاتے اور یہ چیزیں مال ہی سے حاصل ہوتی ہیں یا ان کا یہ مطلب تھا کہ اگر طالوت میں نسبی شرافت نہ تھی تو کم سے کم مالی شرافت تو ہونی چاہئے تھی تاکہ لوگوں میں ان کا وقار قائم ہوتا جب ان میں یہ دونوں صفتیں نہیں تو بادشاہ کیسے ہو سکتے ہیں حضرت شموئیل علیہ السلام نے جواباً طالوت کی سلطنت پر بہت سے قوی دلائل قائم فرمائے ایک یہ کہ **ان اللہ اصطفٰہ علیکم** اصطفی صفو سے بنا بمعنی خالص و صاف و نکھرا ہوا باب افتعال میں آ کر اس میں صاف صاف لے لینے کے معنی پیدا ہوئے۔ یعنی چن لینا اور اچھوں کو چن لینا اس کی پوری تفصیل ہم پارہ الم میں ان اللہ اصطفی کی تفسیر میں کر چکے۔ علی مقابلہ کے لئے ہے یعنی رب تعالیٰ نے بمقابلہ تمہارے طالوت کو سلطنت کے لئے چن لیا رب کے چناؤ کے مقابل کوئی صفت نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ لفظ اصطفاء بی بی مریم کے لئے بھی قرآن کریم میں ارشاد ہوا اصطفاک اور دیگر رسل بشر و رسل ملائکہ کے لئے بھی **اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس** اور ساؤل طالوت کے لئے بھی مگر مصطفیٰ صرف ہمارے حضور ہی کا لقب ہے کسی دوسرے پر یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ ان بزرگوں کا چناؤ خصوصی تھا مگر ہمارے حضور کا چناؤ عمومی ہے

کہ آپ کی ذات 'صفات' حالات 'افعال سب رب کے چنے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کسی پر اعتراض رب تعالیٰ کے چناؤ پر اعتراض ہے۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب ۔۔۔ نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود

دوسرے یہ کہ **وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم**۔ بسط کے معنی وسعت یا فراخی ہیں۔ اس کی تحقیق ہم کچھ پہلے بقبض و بسط کی تفسیر میں کرچکے علم سے شریعت یا سیاسیات کا علم یا ہر علم مراد ہے اور ہو سکتا ہے کہ دونوں علم مراد ہوں کیونکہ دینی سیاست علم شریعت میں آجاتی ہے حق یہ ہے کہ سیاست رب تعالیٰ کی خاص عطاء ہے جو کسی کسی کو ملتی ہے یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا **اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم**۔ حالانکہ آپ نے اس سے پہلے نہ حکمرانی کی تھی نہ کاشتکاری وغیرہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کا لوہا آج دنیا مان رہی ہے یہ سیاست کون سے مدرسے میں سیکھی وہی مدرسہ مصطفوی تھا اور رب تعالیٰ کی عطاء خاص اور جسم کی وسعت سے یا تو درازی قد یا حسن و جمال یا قوت و طاقت مراد ہے۔ جس کا دشمن پر رعب پڑے۔ چونکہ وسعت علم قوت جسمانی پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس لئے پہلے اس کا ذکر فرمایا گیا یعنی رب نے طالوت کو علمی و جسمانی وسعت عطا فرمائی ہے کہ وہ تم سب میں بڑے عالم بھی ہیں اور قد آور' طاقت ور' حسین و جمیل جوان بھی۔ اور سلطنت کے لئے علم' عقل اور قوت زیادہ ضروری ہیں نہ کہ محض مال تیسرے یہ کہ **واللہ یؤتی ملکہ من یشاء** رب مالک الملک ہے جسے چاہے اپنا ملک دے نسب و حسب کی اس کے ہاں قید نہیں۔ تم ان پر نسبی الزام کیوں لگاتے ہو۔ چوتھے یہ کہ **واللہ واسع علیم** رب تعالیٰ وسعت دینے والا ہے کہ فقیر کو غنی کردے تم ان کی غریبی سے کیوں ڈرتے ہو جب اس نے انہیں سلطنت دی تو مال بھی عطا فرمائے گا اور وہ ہی ہر شخص کا حال جانتا ہے کہ کون قابل سلطنت ہے اور کون نہیں گویا پہلے جملے تو سلطنت طالوت کے دلائل تھے اور واللہ یؤتی میں بنی اسرائیل کے نسبی اعتراض کا جواب اور واللہ واسع میں مالی شبہ کی تردید ہے۔ غرضیکہ دلائل اور دفع اعتراضات کے ذریعہ ان کی پوری تسلی کرنے کی کوشش کی گئی۔

خلاصہ تفسیر : بنی اسرائیل کے جواب میں اشمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ رب نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو تم اس کے ساتھ جالوت سے جنگ کرو۔ بنی اسرائیل نے بجائے اطاعت کے کج بحثی شروع کردی اور طالوت کی سلطنت پر دو اعتراض کئے۔ ایک یہ کہ وہ شاہی خاندان سے نہیں۔ کیونکہ شاہی خاندان تو یہودا ابن یعقوب کی اولاد ہے۔ لہٰذا ہمیں سلطنت ملنی چاہئے۔ نیز ان کے پاس مالی گنجائش بھی نہیں۔ وہ ہم سب میں زیادہ غریب ہیں اور بغیر مال سلطنت چل نہیں سکتی۔ نیز جب ان میں خاندانی اور مالی شرافت نہیں تو رعایا پر ان کا وقار قائم نہیں ہو سکتا جو کہ سلطان کے لئے بڑی ضروری چیز ہے۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے جواباً" فرمایا کہ اے بنی اسرائیلیو انہیں رب نے سلطنت کیلئے منتخب کرلیا۔ پھر تمہاری عیب جوئی بیکار ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ حکومت کے لئے علم و جسمانی طاقت ضروری ہے اور طالوت تم سب سے علم میں بڑھ کر ہیں اور طاقت میں بھی زیادہ لہٰذا سلطنت کے لئے وہی موزوں ہیں۔ رہا تمہارا یہ اعتراض کہ وہ شاہی خاندان سے نہیں۔ یہ محض بے کار ہے۔ رب مالک الملک ہے۔ جس خاندان کو چاہے سلطنت عطا فرمائے۔ دینے والا تو پابندی لگانے والے تم کون اور تمہارا دوسرا اعتراض کہ یہ غریب ہیں یہ بھی لغو کیونکہ اللہ واسع ہے۔ اسے فقیر کو مالدار بنانا کوئی مشکل نہیں۔ اور وہ ہی علیم بھی ہے لائق اور نالائق کو خوب جانتا ہے لہٰذا بے چون و چرا ان کی سلطنت مان لو۔ خیال رہے کہ جیسے بنی اسرائیل نے طالوت کی سلطنت کا اس لئے

انکار کیا کہ وہ شاہی خاندان یعنی یہودا کی اولاد سے نہیں ہیں۔ اسی طرح انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اس لئے انکار کیا کہ حضور خاندان نبوی یعنی بنی اسرائیل سے نہیں ہیں بلکہ بنی اسمٰعیل سے ہیں وہ سلطنت و نبوت کو خاندانوں سے مخصوص مانتے تھے ایسے ہی آج لوگ حضرت صدیق و فاروق کی خلافت کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ آپ خاندان خلافت سے نہیں یعنی بنی ہاشم سے نہیں نبوت و سلطنت و خلافت کو خاندانوں سے مخصوص ماننے کی یہ بیماری آج کی نہیں بڑی پرانی ہے۔ ہمارے ہاں خلافت قریش سے خاص ہے کہ حضور نے فرمایا الخلافۃ فی القریش مگر اسلامی سلطنت کسی جماعت یا خاندان سے خاص نہیں۔

اصل واقعہ : بنی اسرائیل کے عرض کرنے پر حضرت اشمویل علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ وہ مولیٰ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کردے تو انہیں ایک لاٹھی عطا ہوئی اور فرمایا گیا کہ اس سے اسرائیلیوں کو ناپو جس کا قد اس کے برابر ہو وہی بادشاہ ہے۔ نیز بیت المقدس میں سے ایک شیشی تیل بھر لو اور کاگ لگا کر رکھو جس شخص کے داخل ہونے پر تیل جوش مارے اور کاگ نکل پڑے وہ ہی بادشاہ ہے اسی نشانی سے سب کو آزمایا گیا کوئی نظر نہ آیا۔ طالوت کے والد چمڑے کی تجارت کرتے تھے بعض نے کہا ہے کہ وہ پانی پلاتے تھے۔ اتفاقاً ان کا ایک گدھا کھو گیا تھا انہوں نے طالوت اور اپنے ایک غلام کو تلاش کے لئے بھیجا۔ راستہ میں حضرت اشمویل علیہ السلام کا مکان پڑا۔ غلام نے طالوت سے کہا کہ آؤ ان نبی سے پوچھ لیں کہ ہمارا گدھا کہاں ہے کیونکہ پیغمبر پر کوئی بات چھپی نہیں۔ انہوں نے کہا چلو۔ یہ دونوں اندر پہنچے اور اپنے گدھے کے متعلق عرض کرنے لگے کہ اچانک تیل نے جوش مارا اور شیشی کا کاگ دور جا پڑا۔ آپ نے ان دونوں کو عصا سے ناپا۔ طالوت کا قد اس کے برابر نکلا۔ تو آپ نے وہ تیل ان کے سر میں ملا اور فرمایا کہ اے طالوت میں بحکم پروردگار تمہیں بنی اسرائیل کا بادشاہ بناتا ہوں۔ جاؤ لشکر تیار کر کے قوم عمالقہ کا مقابلہ کرو۔ سبحان اللہ موسیٰ علیہ السلام طور پر نار لینے گئے تو نور یعنی نبوت لائے اور طالوت خچر لینے آئے تو سلطنت لے کر چلے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال ۔۔۔ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

انہوں نے عرض کیا کہ میں شاہی خاندان سے نہیں بلحاظ قوم و پیشہ بنی اسرائیل مجھے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے فرمایا کہ تم رب کے انتخاب میں آچکے۔ عرض کیا اس کی نشانی کیا فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ تم جا کر دیکھو کہ تمہارے گدھے بغیر ڈھونڈے گھر پہنچ گئے۔ پھر آپ نے انکی سلطنت کا بنی اسرائیل میں اعلان فرمایا جس پر اسرائیلیوں نے وہ جرم کیا جس کا ذکر اسی آیت کریمہ میں ہے۔ (در منثور و خزائن و معانی)۔ خیال رہے کہ حضرت طالوت اگرچہ مال اور نسب میں بنی اسرائیل میں اعلیٰ نہ سمجھے جاتے تھے علم و فضل اور جسم میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بعض نے فرمایا کہ اشمویل علیہ السلام کے بعد انہیں کا علم و عمل تھا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** انبیائے کرام کی زبان رب کا قلم ہے۔ کہ ان کے منہ کی نکلی ہوئی بات ٹلتی نہیں دیکھو اشمویل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ شاید تم قتال نہ کر سکو۔ اس کی تمہید ابھی سے شروع ہو گئی۔ **دوسرا فائدہ:** مصیبت کے وقت محبوبان خدا سے مدد لینا جائز ہے۔ جب بنی اسرائیل پر قوم عمالقہ نے بہت ظلم کیا تو داد رسی کے لئے حضرت اشمویل علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** متبرک جگہ رہنے سے نہ صرف انسان بلکہ بے جان چیزوں کا بھی درجہ بلند ہو جاتا ہے۔ بیت المقدس کے تیل میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی کہ وہ طالوت کی سلطنت کی نشانی بنا۔

ہمارے مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رضی اللہ عنہ کے مزار کا چراغ اور وہاں کے تیل میں یہ تاثیر ہے کہ چند دن آسیب زدہ کے پاس جلانے سے جن خود بخود حاضر ہو جاتا ہے اور جل بھی جاتا ہے اور وہاں کا چراغ ہر جگہ ہی کام آتا ہے اور دور دور جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ: حکومت و امامت میراث نہیں بلکہ فضل خداوندی ہے۔ بنی اسرائیل میں اس کے لئے نبی کا انتخاب اور دیگر نشانیاں ہوتی تھیں جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا اسلام میں اس کے تین طریقے ہیں۔ (1) پہلا خلیفہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جائے جیسے خلافت فاروقی کہ صدیق اکبر کے انتخاب سے عمل میں آئی۔ (2) عام مسلمانوں کا انتخاب جیسے خلافت صدیقی کہ حضور علیہ السلام نے صراحۃً کسی کو خلافت نہ دی اجماع مسلمین سے صدیق اکبر خلیفہ ہوئے۔ (3) ارکان دولت کا انتخاب جیسے خلافت عثمانی و مرتضوی و خلافت امام حسن۔ خیال رہے کہ کسی بادشاہ کا دوسرے کو سلطنت دے دینا بھی حکومت کا ذریعہ ہے جیسے امیر معاویہ کی سلطنت کہ اولاً یہ سلطنت مرتضوی کے باغی تھے۔ پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلح کر لینے اور سلطنت دے دینے اور وظیفہ منظور کر لینے پر یہ اسلام کے سلطان برحق قرار پائے۔ وہ خلافتیں بھی برحق تھیں اور یہ سلطنت بھی صحیح۔ اس کی تحقیقات کے لئے شرح فقہ اکبر اور شامی کتاب الجہاد اور شرح مسلم الثبوت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ پانچواں فائدہ: امامت کیلئے علم ضروری ہے نہ کہ نسب مال موجودہ دور میں ممبروں کے لئے اکثر مالداری دیکھی جاتی ہے کہ ممبری کے لئے وہ کھڑا ہو سکتا ہے جو اتنی زمین کا مالک ہو اور اتنا ٹیکس ادا کرتا ہو یہ طریقہ غلط بھی اور نقصان دہ بھی ممبری کے لئے لیاقت اور سیاسی قابلیت معیار ہونی چاہئے نہ کہ محض مال۔ چھٹا فائدہ: عالم کا مرتبہ جاہل زاہد اور بے علم عالی نسب سے زیادہ ہے کہ فرشتوں نے بذریعہ عبادت اپنا استحقاق خلافت ظاہر کیا تھا اور ان اسرائیلیوں نے نسب پیش کیا۔ مگر وہاں تو آدم علیہ السلام خلیفہ ہوئے اور یہاں طالوت۔ ساتواں فائدہ: بادشاہ کے لئے رعب و وقار بھی ضروری ہے اور جرات، دلیری، شجاعت، جوانمردی بھی لازم کیونکہ یہاں علم کے ساتھ جسم کا ذکر بھی ہوا۔ آٹھواں فائدہ: خلیفہ اور بادشاہ زندہ لوگوں کے سامنے ظاہر چاہئے مردہ یا چھپے ہوئے کی بادشاہت و خلافت درست نہیں کیونکہ ملکی انتظام اور مقصد خلافت اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر گئے اور عارضی طور پر اپنے ملک سے غائب اور لوگوں کی نگاہ سے چھپ گئے تو جناب ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے اگر غائب کی خلافت و سلطنت درست ہوتی تو آپ خلیفہ کیوں مقرر کرتے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں مگر آپ کے خلفاء مقرر ہوئے لہذا بارھویں امام حضرت مہدی غائب کو خلیفہ ماننا اصولاً غلط ہے۔ یہاں علم و جسم فرما کر اس طرف اشارہ ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلیفہ وہ ہی ہو سکتا ہے کہ جو علم و طاقت میں سب سے بڑھ کر ہو۔ لہذا چاہئے تھا کہ حضرت علی ہی خلیفہ ہوتے نہ کہ صدیق و فاروق کیونکہ آپ علم میں تو نبوت کا دروازہ ہیں حضرت عمر بھی فرماتے تھے کہ لولا علی لہلک عمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے اور جوانمردی اور شجاعت میں آپ مشہور ہی ہیں۔ اسد اللہ آپ کا لقب' آپ ہی خیبر شکن' آپ کی یہ شان ہے۔

شاہ مرد شیر یزداں قوت پروردگار لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

پھر ان کی موجودگی میں صدیق یا فاروق کا امام بننا درست نہ رہا۔ (رافضی) جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ علم اور قوت جسمانی میں تمام سے افضل تھے اگرچہ زیادہ شہرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میدان جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو بکر صدیق ہی کھڑے ہوتے تھے۔ ہجرت کی رات صدیق اکبر ہی حضور علیہ السلام کو اپنے کندھے پر غار ثور تک لے گئے اور خود شیعہ مانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کو اپنے کاندھے پر نہ لے سکے۔ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے گھیر لیا تو ابو بکر صدیق ہی نے ان سب کو دفع کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا جانشین یعنی امام نماز مقرر کیا بلکہ فرمایا کہ ابو بکر کی موجودگی میں کسی کو حق امامت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بڑے عالم ہی کو امام بنایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نگاہ مصطفوی میں ابو بکر صدیق سیدنا علی سے بھی بڑھ کر علم والے تھے ورنہ امامت کے لئے علی مرتضٰی کا انتخاب ہوتا۔ دوسرے یہ کہ امامت کے لئے ضروری ہے کہ علوم شرعیہ واحکام سیاسیہ کا امام پورا ماہر ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام دنیا سے افضل ہو۔ تمام خلفائے راشدین اس قدر علم رکھتے تھے اور قابل امامت تھے۔ مسلمانوں کی رائے سے جس کو ترجیح ہوگئی وہ ہی امام ہوا۔ جیسے کہ جماعت کے وقت چند علماء موجود ہوں اور ان میں سے ایک کو امام بنالیا جائے کہ لائق امامت سب تھے مگر چنا تو ایک کا ہوا۔ اگر امام کا سب سے بڑا عالم ہونا ضروری ہو تا تو حضرت اشمویل کی موجودگی میں طالوت امام نہ ہوتے کیونکہ علم میں حضرت اشمویل زائد تھے اور اگر امام کا سب سے بڑھ کر قد آور اور طاقت ور ہونا ضروری ہو تا تو ملائکہ کی موجودگی میں آدم علیہ السلام خلیفہ نہ ہوتے۔ کیونکہ ملائکہ کا جسم کہیں بڑا ہے نیز عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں نہ ابو بکر صدیق خلیفہ ہو سکتے نہ مولیٰ علی کہ فاروق اعظم کا قد سب سے بڑا تھا ان کے چار انگل ہماری بالشت کے برابر تھے۔ درازی قد خلیفہ کے لئے کمال نہیں ورنہ حضور علیہ السلام کا قد شریف درمیانہ نہ ہوتا۔ چونکہ جالوت بہت دراز قد تھا کہ اس کا سایہ ایک میل تھا۔ (روح المعانی) اس لئے طالوت دراز قد کو خلیفہ بنایا یہ صحیح ہے کہ عمر فاروق کو علی رضی اللہ عنہ نے بعض دفعہ مسائل فقیہ بتائے اور غلطی سے بچایا اور حضرت عمر نے ان کا شکریہ ادا کیا مگر اس سے حضرت فاروق اعظم کی کم علمی ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس زمانہ میں مسائل تھے بلکہ احادیث بھی جمع نہ ہو سکنے کی وجہ سے بڑے اہل علم سے بھی خطا ہو جاتی تھی۔ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کچھ شیعوں کو آگ میں زندہ جلوا دیا۔ جس پر عبداللہ ابن عباس نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے زندہ کو جلانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ **لا یعذب بالنار الا رب النار** "آگ کا عذاب تو آگ کا پیدا فرمانے والا رب ہی دے سکتا ہے اگر میں حضرت علی کے پاس ہوتا اور میرے سامنے ان روافض کا مقدمہ پیش ہوتا تو میں زندہ جلانے نہ دیتا بلکہ قتل کراتا کیونکہ مرتد کی سزا قتل ہے اور علی رضی اللہ عنہ نے اسے تسلیم کیا کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا علی مرتضٰی کم علم تھے۔ (مشکوٰۃ باب قتل المرتدین و لمعات) **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نسبی عظمت کوئی چیز نہیں۔ دیکھو خاندانی اسرائیلیوں کے ہوتے ہوئے طالوت بادشاہ ہوئے۔ جن کا پیشہ رنگریزی یا چمڑا پکانا تھا۔ پھر سیدوں کو افضل کیوں کہا جاتا ہے۔ (خارجی) **جواب:** اس آیت سے اتنا معلوم ہوا کہ امامت نسب پر موقوف نہیں رہی۔ نسبی عظمت' وہ ضرور معتبر ہے۔ روح البیان و تفسیر کبیر نے سولھویں سیپارہ کے شروع میں کان ابو ھما صالحا کی تفسیر میں فرمایا کہ خضر علیہ السلام نے دو یتیموں کے خزانے کی حفاظت کی کیونکہ ان کا ساتواں ہو دادا نیک مرد تھا۔ جب ساتویں دادا کی نیکی ان پوتوں کے کام آگئی تو کیا حضور علیہ السلام کی عظمت سیدوں کے کام نہ آئے گی۔ حرم کے کبوتر قابل عزت ہیں کیونکہ یہ اسی کبوتر کی اولاد میں ہیں۔ جس نے ہجرت کی رات غار ثور پر انڈے دیئے تھے تو کیا صاحب غار اور

یارِ غار کی اولاد قابل حرمت نہ ہو گی ضرور ہو گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ سید بد عقیدہ نہ ہو ورنہ وہ سید ہی نہیں۔ نیکوں کے کافر بیٹے کو خضر علیہ السلام نے بھی قتل کر دیا تھا۔ کافر اولاد کے لئے والدین کا صالح ہونا اللہ کا فضل کے معنی کہتا ہے۔ دیکھو جب تک بنی اسرائیل سیدھے رہے تو ان سے فرمایا گیا وانی فضلتکم علی العلمین میں نے تم کو تمام جہانوں پر برتری دی تھی۔ کیوں صرف اس لئے کہ وہ اولاد انبیاء تھے مگر جب بنی اسرائیل نافرمان ہو گئے تو دنیا میں انہیں ذلیل و خوار کر دیا گیا ساجزادے اگر ٹھیک رہیں تو سب کے سردار اور اگر ٹیڑھے چلیں تو خوار جو زیادہ اونچے سے گرتا ہے وہ بہت چوٹ کھاتا ہے۔ خیال رہے کہ اسلام میں عظمت چار چیزوں سے ملتی ہے نسبت، خدمت، حکمت (علم)، حسنت (نیک اعمال)۔ سنبدی کا پتھر اور صفا مروہ پہاڑ کعبہ اور بی بی ہاجرہ کی برکت سے شعائر اللہ بن گئے اور شعائر اللہ کی تعظیم واجب فی الدین ہے یہ ہے نسبت کی بہار۔

تفسیر صوفیانہ : تکبر و بڑائی انسان کے ذاتی جوہر کھو دیتی ہے۔ علم و فضل تقویٰ و پرہیزگاری نیچوں کو اونچا کر دیتی ہے۔ دیکھو خاندانی بنی اسرائیل نے اپنے کو بڑا دوسروں کو حقیر جانا تو سلطنت سے محروم ہو گئے۔ غیر خاندانی طالوت علم و فضل کی وجہ سے صاحب تخت و تاج اور ان بڑوں کے افسر ہوئے کہ ان کے پاس کمال روحانی یعنی علم اور کمال جسمانی یعنی تقویٰ تھا ایسے ہی راہ سلوک طے کرنے والے کے لئے علم و عمل کے دو بازو ضروری ہیں۔ فخر و تکبر حسب و نسب پر پھولنا محرومی کا باعث ہے تیز بارش گلی کوچوں میں بہتی ہے مگر ناچیز قطرہ سیپ میں پڑ کر موتی بنتا ہے کیونکہ اس نے اپنے کو حقیر جانا سیپ نے اسے رحمت سے پالا اور موتی بنا کر بادشاہوں کے تاج میں لگایا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بلندی ازاں یافت کو پست شد — درِ نیستی کوفت تا ہست شد

یہ مت سمجھو کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ والے کی نگاہ سے ادنیٰ اعلیٰ بن جاتے ہیں اور اونچے لوگ بندگان خدا کی نگاہ سے گر کر نیچے ہو جاتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کی پشت سے قابیل اور آزر بت پرست کے خاندان میں خلیل پیدا ہوتے ہیں۔ اچھی غذا پاخانہ بنتی ہے اور گندا نطفہ انسان۔ گوبر و خون کے درمیان سے دودھ نکلتا ہے۔ لہٰذا سلوک کی شرط اول سکوت ہے اور تواضع و انکساری اس کے ارکان۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ

اور فرمایا واسطے ان کے نبی نے ان کے کہ تحقیق نشانی اس کے ملک کی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس صندوق کہ

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ

بیچ اس کے تسکین ہے طرف سے رب تمہارے کے اور باقی تبرکات اس سے کہ چھوڑے حضرت موسیٰ و حضرت

تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ

الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۴۸﴾

ہارون نے اٹھائے ہونگے اُسے فرشتے تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانی ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے ☆

کی اُٹھاتے لائیں گے اُسے فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو ☆

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں طالوت کی سلطنت دلائل سے ثابت کی گئی۔ اب اس کی کھلی نشانی بتائی جارہی ہے۔ جس سے ہر شخص ماننے پر مجبور ہو جائے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل علم کو طالوت کی سلطنت منوائی گئی۔ اور اب ان عوام کو منوائی جارہی ہے۔ جن میں دلائل پر غور کرنے کی قابلیت نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارۃً وہ نشانیاں موجود تھیں جو سب نے نہ دیکھیں مثلاً طالوت کا قد عصا کے برابر ہونا اور بیت المقدس کے روغن کا جوش مارنا۔ اب ان نشانیوں کا ذکر ہے جو سب کو نظر آئیں اور جس کے بعد سب لوگ انہیں بادشاہ ماننے پر مجبور ہو گئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہ ذکر تھا کہ حضرت اشمویل نے بنی اسرائیل کو سلطنت طالوتی دلائل سے بتائی اور ثابت کی جس سے ان میں سے اکثر کی تسلی نہ ہوئی اب اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ نے طالوت کی سلطنت مشاہدہ سے گویا دکھادی جس کے بعد کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں رہی بتانے کے بعد دکھانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ عالم بتاتا ہے جس میں شک وشبہ ہو سکتا ہے شیخ دکھاتا ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی لئے دنیا میں اللہ کی ذات وصفات وغیرہ کے لاکھوں منکر موجود ہیں کہ یہاں بتایا گیا ہے مرتے وقت سب مان لیں گے کہ وہاں سب کچھ دکھایا دیا جاوے گا پھر بعض بدبخت دیکھ کر بھی نہیں جھکتے۔ رب نے حضرت آدم کی عظمت دکھادی مگر شیطان نہ جھکا۔

تفسیر : **وقال لھم نبیھم** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے جس پر یہ معطوف ہے یعنی ان اسرائیلیوں نے طالوت کی سلطنت پر کھلی ہوئی نشانی طلب کی۔ اور اس کے جواب میں ان کے نبی نے فرمایا۔ اسی لئے یہ عبارت دوبارہ ارشاد ہوئی ورنہ فقط واؤ عاطفہ کافی تھا۔ یہ عبارت پچھلی آیت میں آچکی ہے نیز وہاں دلائل بتائے گئے تھے اور اب نشانات دکھائے جارہے ہیں۔ اس لئے **وقال لھم نبیھم** دوبارہ ارشاد ہوا۔ **ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت** آیت کے معنی اور اقسام ہم پارہ الم میں بیان کر چکے ہیں یہاں بمعنی نشانی ہے ملک کے معنی مملکت بھی ہیں اور سلطنت بھی یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ تابوت کا مادہ توب ہے بمعنی رجوع کرنا اور لوٹنا گناہ سے رجوع کرنے کو بھی توبہ کہا جاتا ہے یہ اصل میں توبوت تھا واؤ الف سے بدلا بروزن رھبوت ورحموت۔ صندوق اور پیٹی کو بھی اسی لئے تابوت کہتے ہیں کہ اس میں بار بار کپڑے وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ یہاں یہ ہی مراد ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تبت سے بنا بروزن فاعول ہے۔ دوسری ت مادہ کی ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ فا اور لام کلمہ کا ایک جنس سے ہونا خلاف اصل ہے۔ اس کی تاریخی تحقیق انشاء اللہ خلاصہ ء تفسیر میں ہوگی چونکہ اس صندوق کی طرف بنی اسرائیل ہر دعا ہر مصیبت ہر حاجت ہر جنگ میں رجوع کرتے تھے کہ اس کی برکت سے دعائیں کرتے تھے مصیبتیں دفع کرتے تھے جنگ میں اسے آگے رکھتے تھے اس لئے اسے تابوت یعنی بار بار لوٹنے کی جگہ کہتے تھے۔ اگرچہ یہ صندوق طالوت کے پاس آیا تھا مگر چونکہ بنی اسرائیل بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں کا اطمینان مقصود تھا اسی لئے یاتیکم فرمایا گیا۔ یعنی طالوت کے

بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا۔ **فیہ سکینۃ من ربکم** ضمیر کا مرجع یا تو تابوت ہے یا تابوت کا آنا سکینۃ سکن سے بنا بمعنی حرکت کے بعد ٹھہر جانا۔ اس کو سکون بھی کہتے ہیں یہ بروزن فعلیتہ ہے۔ جیسے قضیۃ بقیۃ و عزیمۃ یہاں سکون قلبی اور چین و اطمینان مراد ہے یعنی اس تابوت میں تمہارے قلبوں کو چین و سکون حاصل ہو گیا اس میں قرار قلب کا سامان ہو گا۔ **وبقیۃ مما ترک ال موسیٰ و ال ھرون** اگر پچھلے جملہ میں سکینۃ سے سکون کے اسباب مراد ہو تو یہ عطف تفسیری ہے ورنہ علیحدہ چیز یہاں آل یا تو بمعنی متبعین ہے جیسے آل فرعون اور اس سے وہ انبیاء بنی اسرائیل مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے یا خود ان کی ذات شریف مراد۔ جیسے حضور علیہ السلام نے ابو موسیٰ اشعری کے لئے فرمایا کہ ان کو آل داؤد کی آواز دی گئی یعنی خود داؤد علیہ السلام کی۔ اور ہو سکتا ہے کہ آل زائدہ ہو مگر دوسری تفسیر زیادہ قوی (کبیر و معانی و روح وغیرہ) یعنی اس صندوق میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے چھوڑے ہوئے کچھ تبرکات بھی ہوں گے۔ مگر وہ صندوق خود نہ آئے گا۔ بلکہ **تحملہ الملئکۃ** یہ جملہ تابوت کا حال ہے اور ملائکہ سے فرشتوں کی ایک خاص جماعت مراد ہے یا تو سب ہی فرشتے اٹھا کر لائے تھے اور یا ایک ہی فرشتہ اٹھائے ہوئے تھا اور باقی اس کے ساتھ جلوس کی شکل میں تھے یا یہ صندوق کسی اور چیز پر آیا تھا اور تعظیم کے لئے فرشتے اس کے ساتھ تھے بہرحال فرشتوں کا ساتھ ہونا اظہار عظمت کے لئے ہے یعنی اس صندوق کو فرشتوں کی جماعت اٹھائے گی۔ **ان فی ذلک لایۃ لکم** ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی انہیں پیغمبر کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ رب کا فرمان ہو۔ ذالک سے یا تو صندوق کی طرف یا اس کے آنے کی طرف یا سارے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے لایۃ کی تنوین تعظیمی ہے یعنی اے اسرائیلیو اس تابوت کے آنے میں طالوت کی سلطنت کی تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔ **ان کنتم مؤمنین** ظاہر یہ ہے کہ ایمان سے اصطلاحی ایمان مراد ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی تصدیق ہو یعنی اگر تم ایماندار ہو تو اس معجزہ کو مان لو یا اگر تم میں تصدیق کا مادہ ہے تو یہ صندوق کی نشانی دیکھ کر طالوت کی سلطنت کا اقرار کر لو اور اگر رب کا کلام ہے جس میں سارے مسلمانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم میں ایمان کا نور ہے تو اس واقعہ تابوت میں تمہارے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جن سے تم متعدد ایمانی مسائل ثابت کر سکتے ہو اور اگر ایمان کے نور سے دل دماغ خالی ہے تو تاویلیں اور تحریفیں ہی کرو گے۔ اس آیت کے مسائل انشاء اللہ فوائد میں عرض ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر : بنی اسرائیل نے حضرت اشمویل علیہ السلام کی تمام تقریر سن کر عرض کیا کہ طالوت کی سلطنت کا کوئی ظاہر تمغہ بھی دکھایئے۔ جس سے سب کے دل کو اطمینان ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ تمہارے سامنے طالوت کے پاس ایک صندوق آئے گا جس کے آنے سے قدرتی طور پر تمہاری گھبراہٹ جاتی رہے گی اور دلوں کو چین اور سکون حاصل ہو گا اور اس وقت جو تم کو طالوت کی سلطنت کی طرف سے کچھ تردد ہے وہ جاتا رہے گا۔ یا آئندہ ہر گھبراہٹ کے موقعوں پر تمہیں اس کے سبب سکون قلبی نصیب ہوا کرے گا جنگ میں اس کی برکت سے فتح میسر ہو گی لڑائی میں فتح کا راز سکون قلبی ہے۔ جس لشکر کے اوسان بگڑ جائیں وہ مار کھا جاتا ہے یا تمہیں آزمائش ہے کہ گزشتہ زمانہ میں اس تابوت میں تمہارے لئے سکون رہا ہے کہ تم ہر موقعہ پر اس کی برکت سے چین و سکون پاتے تھے مگر دوسری تفسیر قوی ہے کہ آئندہ سکونوں کی اس میں پیش گوئی ہے۔ غرضیکہ فیہ سکینۃ میں تین تفسیریں ہیں سکون ہے' سکون تھا' سکون ہو گا۔ اس میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہم

السلام کے چھوڑے ہوئے کچھ تبرکات ہیں کچھ تو خود ان کی اپنی چیزیں جیسے عصا و عمامہ وغیرہ اور کچھ وہ چیزیں جنہیں موسیٰ علیہ السلام بھی برکت کے لئے اپنے پاس رکھتے تھے جیسے انبیاء کرام کی تصاویر۔ اور تعظیم کے لئے ملائکہ بھی بشکل جلوس اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اے اسرائیلیو! اس سے بڑھ کر اب کون سی نشانی چاہتے ہو۔ اگر تم میں ماننے کا مادہ ہے تو یہ تو بہت بڑی نشانی ہے۔ خیال رہے کہ تابوت لانے والے فرشتے ان بنی اسرائیلو کو نظر نہ آتے تھے صرف حضرت شمویل نے انہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ کوئی شخص فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتا اور اگر انسانی شکل میں آتے تو بنی اسرائیل جیسی سرکش قوم پھر الزام لگا دیتی کہ ان آدمیوں سے طالوت کی کوئی سازش ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نبی کی آنکھ غیب کی چیز دیکھ لے اور حاضرین مجلس نہ دیکھ سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھاتے ہوئے جنت دوزخ کو دیوار قبلہ میں ملاحظہ فرمایا مگر کوئی مقتدی نہ دیکھ سکا۔

تابوت سکینہ : تابوت کے متعلق کہ وہ کیسا تھا اور کب سے ہے اور اس میں کیا چیزیں تھیں۔ مفسرین کے چند قول ہیں جن میں سے ہم تحقیقی بات عرض کرتے ہیں۔ جس پر تفسیر کبیر وغیرہ نے اعتماد کیا اور احادیث سے اس کی تائید ہوئی اور خزائن العرفان نے اسی کو لیا۔ وہ یہ ہے کہ یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس پر سونے کی چادر چڑھی ہوتی تھی جس کا طول تین ہاتھ اور عرض دو ہاتھ تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں انبیاء کرام اور ان کے مکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دولت خانہ کی تصویر ایک سرخ یاقوت میں تھی کہ حضور بحالت نماز قیام میں ہیں اور آپ کے گرد صحابہ کرام ہیں یہ صندوق آدم علیہ السلام سے وراثۃً انبیاء کرام کو منتقل ہوتا ہوا موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ اس میں توریت شریف بھی رکھتے تھے اور اپنا خاص سامان بھی چنانچہ اس میں توریت کی تختیوں کے کچھ ٹکڑے اور آپ کے عصا اور آپ کے کپڑے اور نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کا عصا اور تھوڑا سا من جو بنی اسرائیل پر اترتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے اور اس کی برکت سے فتح حاصل کرتے تھے اس سے بنی اسرائیل کو تسکین بھی رہتی تھی۔ آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا ہوا چلا آیا جب انہیں کوئی مشکل درپیش ہوتی تو وہ اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعا کرتے اور کامیاب ہوتے اسی کی برکت سے دشمنوں کے مقابلہ میں فتح پاتے۔ جب ان کی بدعملی حد سے بڑھ گئی تو ان پر قوم عمالقہ مسلط ہو گئی جو اسرائیلیوں سے یہ تابوت بھی چھین کر لے گئی اور اس کو بے حرمتی سے گندی جگہ پر رکھا۔ اس گستاخی کی وجہ سے عمالقہ سخت بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ جو اس کے پاس پیشاب کرتا یا تھوکتا بواسیر میں مبتلا ہو جاتا عمالقہ کی پانچ بستیاں بھی تباہ ہو گئیں۔ تب انہیں یقین ہوا کہ یہ مصیبتیں تابوت کی بے ادبی کی وجہ سے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہ تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا ادھر تو یہ واقعہ ہو رہا تھا۔ ادھر حضرت اشمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خبر دی کہ طالوت کے پاس تابوت آ رہا ہے فرشتے بیلوں کو ہانکتے ہوئے طالوت کے پاس لے آئے۔ بنی اسرائیل تابوت دیکھ کر بہت خوش ہو گئے اور انہیں اپنی فتحمندی کا یقین ہوا اب نے طالوت سے بیعت کر کے انہیں بادشاہ مان لیا۔ یہ ہی واقعہ اس آیت میں مذکور ہوا۔ (خزائن، کبیر، معانی، روح، جمل، خازن وغیرہ)

لطیفہ : محمد علی لاہوری نے تابوت کے معنی دل کئے ہیں اور آیت کا مطلب یہ بتایا کہ طالوت کا دل بدل جائے گا اور اس میں حضرت موسیٰ و ہارون کی سی شجاعت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ صندوق کا بیل گاڑی میں لد کر آنا خلاف عقل ہے۔ یہ تفسیر نہیں

بلکہ تحریف ہے جب مزاجی کے پاس پیچی فرشتہ دولت کی تھیلی لا سکتا ہے تو اگر تابوت آجائے تو کیا حرج ہے تابوت کا آنا تو آپ کے عقل میں نہ آیا۔ اور سینہ میں سے دل نکل کر موسیٰ علیہ السلام کا دل اس میں پڑ جانا آپ کی عقل میں سما گیا۔ اگر اس میں دل مراد ہے تو اس میں تبرکات انبیاء سکون و وقار کا ہونا فرشتوں کا اٹھانا کیا معنی اور پھر یہ بات بنی اسرائیل کے لئے بڑی نشانی کیونکر بنی دنیا میں بہادر بہت سے ہوتے ہیں۔ اور کس حدیث یا قول صحابی سے یہ تفسیر کی گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بزرگوں کے تبرکات سے برکت لینا سنت انبیاء ہے۔ حضرت خالد کی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کا بال شریف تھا جسے اوڑھ کر وہ جنگ کرتے تھے۔ دوسرا فائدہ: بزرگوں کے تبرکات سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور دلوں کو چین حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حضور کا جبہ مبارک تھا جسے دھو کر بیماروں کو دواء" پلاتی تھیں۔ بادشاہ روم نے عمر رضی اللہ عنہ سے درد سر کی شکایت کی آپ نے حضور کا بال شریف ایک ٹوپی میں سی کر بھیج دیا جس سے اس کا درد سر جاتا رہا۔ امیر معاویہ نے وصیت فرمائی کہ حضور کے تبرکات یعنی بال' ناخن وغیرہ میرے ہونٹوں پر رکھ دینا اور حضور کا تہبند شریف سر پر۔ اس قسم کی بہت سی روایتیں اگر مع ثبوت دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب "جاء الحق" کا مطالعہ کرو۔ تیسرا فائدہ: تبرکات شریف کا جلوس نکالنا سنت ملائکہ ہے جیسا کہ تحملہ الملائکہ سے ثابت ہوا۔ ایک فرشتہ ساری زمین اٹھا سکتا ہے۔ اس صندوق کا اتنے فرشتوں کا اٹھانا جلوس ہی تھا۔ چوتھا فائدہ: تبرکات کی زیارت کرنا سنت بزرگان دین ہے جیسے آج کل بال شریف کی زیارت وغیرہ ہوتی ہے۔ پانچواں فائدہ: تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں شہرت ہونا ہی کافی ہے اس کے لئے بخاری کی حدیث ضروری نہیں کیونکہ پچھلے اسرائیلی ان تبرکات کی فقط شہرت سے ہی تعظیم کرتے تھے۔ اشمویل علیہ السلام نے بعد میں تصدیق کی۔ چھٹا فائدہ: تبرکات کی بے حرمتی کفار کا طریقہ ہے موجودہ وہابی' دیوبندی اس زمانہ کی قوم عمالقہ ہیں۔ جنہوں نے تبرکات کی بے حرمتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مگر خیال رہے کہ یہ بے حرمتی ہلاکت کا سبب ہے۔ رب کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ساتواں فائدہ: تبرکات کا گم ہو جانا مصیبتوں اور بلاؤں کی علامت ہے کہ تابوت گم ہوتے ہی بنی اسرائیل پر مصیبتیں آئیں۔ عثمان غنی کے ہاتھ سے حضور کی انگوٹھی گم ہو جانے پر حکومت میں گڑبڑ مچی۔ حضرت سلیمان کی انگشتری کا غائب ہونا تکلیف کا باعث ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جس چیز کو بزرگوں سے نسبت ہو جاوے وہ متبرک ہے اور اس سے فیض پہنچتا ہے کہ پیغمبروں کی تصویروں کو تو پیغمبروں سے صرف نقل و حکایت کی نسبت تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے عمامہ نعلین شریف وغیرہ کو کچھ مدت ان بزرگوں کے ساتھ رہنے کی نسبت حاصل ہوئی۔ جس سے ان چیزوں میں سکون قلب بخشنے کی تاثیر پیدا ہو گئی۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص میں نابینا آنکھ میں روشنی دے دینے کی تاثیر تھی۔ رب فرماتا ہے **اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا**۔

پہلا اعتراض : اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ تابوت سکینہ میں انبیاء کرام کی تصویریں تھیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: وہ تصویریں قدرتی تھیں نہ کہ کسی انسان کی بنائی ہوئیں۔ انسانوں کو تصویر کھینچنا حرام ہے۔ خالق کے یہ احکام نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نکیرین قبر میں حضور علیہ السلام کی تصویر دکھا کر سوال کرتے ہیں وہ بھی قدرتی ہی ہوتی ہے۔ بلکہ پچھلی شریعتوں میں تصویر سازی جائز تھی۔ صرف ہمارے اسلام میں

حرام ہوئی حضرت سلیمان نے جنات سے جانداروں کے مجسمے تیار کرائے تھے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور سمت** عہد فاروقی میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو آپ نے وہ مجسمے وہاں سے نہ مٹائے کہ ایک پیغمبر کے زمانہ کے ہیں اور اس وقت یہ جائز تھے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تابوت سکینہ فرشتے اٹھا کر لائے تھے اور تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ بیل گاڑی پر آیا تھا مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہ اسناد مجازی ہے جیسے کہتے ہیں کہ میرا سامان فلاں شخص دہلی اٹھا کر لے گیا۔ سامان تو ریل نے اٹھایا۔ مگر چونکہ لے جانے والا آدمی تھا اس لئے اسی کی طرف نسبت کردی گئی۔ یوں ہی تابوت کو اٹھانے والے اگرچہ بیل تھے مگر ان کو لانے والے فرشتے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قوم عمالقہ سے اٹھا کر تابوت آسمان پر پہنچا دیا گیا۔ طالوت کے پاس فرشتے آسمان سے ہی لائے۔ اس صورت میں اسناد حقیقی ہے۔ تیسرا اعتراض: جب تابوت تین ہاتھ لمبا تھا تو اس میں عصاء موسوی کیونکر سما گیا وہ تو دس ہاتھ کا تھا۔ جواب: اس میں عصا کا ٹکڑا ہو گا نہ کہ پورا عصا جیسے کہ توریت کی تختیوں کے ٹکڑے تھے یا کوئی دوسرا ڈنڈا ہو گا نہ کہ وہ عصا مشہور وہاں عصاء ہارون بھی تھا یہ عصا بھی کوئی دوسری ہی لاٹھی تھی یا یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہو گا کہ چھوٹے صندوق میں بڑی لاٹھی سما گئی۔ چوتھا اعتراض: تابوت سکینہ طالوت کے بادشاہ بننے سے پہلے ہی آگیا تھا جیسا کہ توریت سے معلوم ہوتا ہے۔ جواب: کتاب شموئیل میں خود تعارض ہے کہ کہیں تابوت کا آنا ان کی سلطنت کے بعد مذکور ہے کہیں پہلے۔ لہٰذا پہلے والا واقعہ غلط ہے موجودہ توریت کا اعتبار نہیں۔ (تفسیر حقانی)۔ پانچواں اعتراض: اگر تابوت سکینہ میں موسیٰ علیہ السلام کے نعلین شریف بھی ہوں تو اس میں انبیاء کرام کی تصویروں اور توریت کی سخت توہین ہے کہ ایک ہی جگہ جوتے بھی اور توریت بھی۔ جواب: اگر جوتوں کی روایت درست ہے تو تابوت کے چند خانے ہوں گے اور نیچے کے خانہ میں نعلین شریف ہوگی کسی خانہ میں تصاویر کسی میں توریت شریف اسی خانوں کی صورت میں اہانت نہیں ہوتی۔ جیسے الماری کے نیچے کے خانہ میں جوتے ہوں اوپر کے خانہ میں قرآن شریف ہو کہ اسی میں علیحدہ علیحدہ جگہ ہو جس گھر میں قرآن شریف ہو اس کی چھت پر چلنا جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ کے پیارے ملک الٰہی میں خلیفۃ اللہ ہیں اور ان کا دل تابوت جسے رب نے ایمانی سکون اور عرفانی قرار عطا فرمایا۔ جس میں لاالٰہ الا اللہ کا عصا ہے۔ یہ عصا فرعون نفس کے صفاتی جادوگروں کو فنا کردیتا ہے۔ اس تابوت سکینہ سے تو دشمنوں پر غلبہ تھا اس تابوت قلبی میں تمام جنات و شیاطین پر غلبہ ہے اس تابوت سکینہ میں توریت کا کچھ حصہ تھا۔ اس تابوت قلب میں لوح محفوظ کی طرح سارا قرآن محفوظ ہے۔ اس تابوت میں انبیاء کی صورتیں تھیں۔ اس تابوت قلبی میں انبیاء کی سیرتیں اور ان کے اخلاق ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جب طالوت روح کو تابوت قلب مل جائے تو اسے خلافت الٰہی اور تخت و سلطنت عطا ہو جاتا ہے پھر وہ اس دنیا سے بچ کر اپنے تمام صفات ایمانی کے لشکر کے ساتھ جالوت نفس پر حملہ کر کے تباہ و برباد کر ڈالتا ہے۔ کیونکہ بدن انسانی میں طالوت روح اور جالوت نفس جمع ہو کر سلطنت نہیں کرسکتے۔ کسی نے بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ معرفت کی علامت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ رب فرماتا ہے کہ **ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا** بادشاہ شہروں میں داخل ہو کر انہیں بگاڑ ڈالتے ہیں۔ سلطان عشق بھی عاشق کے دل میں داخل ہو کر اس کے تمام صفات نفسانی اور لشکر شیطانی کو نکال کر قلب کو منقلب کردیتا ہے۔ (روح البیان) حضرت صدر الافاضل نے کیا خوب فرمایا۔

کھول دو سینہ میرا فاتح مکہ آ کر ! کعبہ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر
آپ آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا (اعلٰحضرت)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور بزرگوں سے ان کے تبرکات سے دل و جان کو سکون میسر ہوتا ہے فیہ سکینۃ من ربکم' سکون اور اطمینان میں فرق ہے نیز یہاں دل کی قید نہیں کہ دل کو ہی سکون ہے بلکہ دل' جان' دماغ' ایمان سب میں ہی سکون میسر ہوتا ہے۔ یہ حضرات ان کے تبرکات سب ذکر اللہ ہیں کہ ان سے اللہ تعالٰی یاد آتا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ
پس جب جدا ہوئے طالوت ساتھ لشکروں کے تو فرمایا تحقیق اللہ امتحان فرمانے والا ہے تمہارے ساتھ نہر کے
پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا بولا بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ اِلَّا مَنِ
پس جو کہ پیئے اس سے پس نہیں ہے وہ مجھ سے اور جو نہ چکھے اسے پس تحقیق وہ مجھ سے ہے مگر وہ
تو جو اس کا پانی پیئے وہ میرا نہیں اور جو نہ پیئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو
اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ
جو چلو لے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پس پیا انہوں نے اس سے سوا تھوڑوں کے ان میں سے
اپنے ہاتھ سے لے لے تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں طالوت کی سلطنت تسلیم کرانے کا واقعہ بیان ہوا۔ اب سلطنت کے مقصد کا ذکر ہے یعنی لوگوں کا طالوت کے ماتحت جمع ہو کر جالوت کی طرف چل پڑنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کی سرکشی اور کج بحثی کا ذکر تھا۔ اب اس کے نتیجے یعنی بد عملی اور مخالفت امام کا تذکرہ ہے کہ جنہوں نے ان کی سلطنت پر شبہات کئے۔ ان سے کچھ ہو بھی نہ سکا۔

تفسیر : **فلما فصل طالوت بالجنود'** ف تفصیلیہ ہے۔ اس سے پہلے ایک پوری عبارت پوشیدہ ہے فصل فصل سے بنا' جس کے معنی ہیں 'توڑنا' جدا کرنا اور نکالنا' اسی لئے کلام قاطع کو فیصلہ اور بچہ کے دودھ چھڑانے کو فصال اور قریہ سے نکل جانے کو فصل کہتے ہیں۔ **ولما فصلت العیر**۔ یہ متعدی ہے مگر اس کا مفعول اور متعلق پوشیدہ' جنود' جمع جند کی ہے معنی سخت زمین لشکر کو بھی اس کی سختی کی وجہ سے جند کہا جاتا ہے کبھی مددگاروں کو بھی جند کہہ دیتے ہیں چونکہ لشکر میں مختلف جماعتیں ہوتی ہیں اور ہر جماعت کے متعلق علیحدہ خدمت۔ اس لئے جمع لایا گیا۔ فوج' عسکر' جند ان سب کے معنی ہیں لشکر مگر جند بہت بڑے اور عظیم الشان کو کہا جاتا ہے اور فوج و عسکر مطلقاً لشکر کو رب تعالٰی فرماتا ہے وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ یہاں جنود

فرماکر اشارۃً کہا گیا کہ وہ اتنے بڑے لشکر جرار کو لے کر نکلے کہ اسی کی ہر جماعت ' کھانا پکانے والے ' جانوروں کی خدمت کرنے والے ' مرہم پٹی کرنے والے ' لڑنے والے غرضیکہ ہر جماعت والے مستقل جند یعنی لشکر تھے اور یہ مجموعہ گویا بہت سے لشکروں کا مجموعہ تھا۔ یعنی جب بنی اسرائیل نے تابوت سکینہ دیکھ لیا تو سب طالوت کی سلطنت سے متفق ہو گئے اور اس کے ساتھ لشکروں کی شکل میں چل پڑے اور جب طالوت اپنے لشکروں کے ساتھ شہر سے جدا ہوئے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کبھی بڑے لشکر کو بھی جنود کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے ٹڈی دل کو جنود اللہ کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا الارواح جنود مجندۃ۔ یہاں بھی بڑے لشکر کو جنود کہہ دیا **قال ان اللہ مبتلیکم بنھر** مبتلی 'ابتلاء' سے بنا جس کا مادہ بلو ہے بمعنی امتحان۔ اس کی پوری تحقیق ہم ولنبلونکم کی تفسیر میں کر چکے۔ قال کا فاعل طالوت ہیں۔ انہوں نے حضرت اشمویل علیہ السلام کے حکم سے یہ اعلان فرمایا۔ بعض نے فرمایا کہ اس کا فاعل خود اشمویل علیہ السلام ہیں کہ اس لشکر میں وہ بھی موجود تھے۔ نہر کے معنی چیرنا' فراخی اور چوڑائی ہیں۔ یہاں اس سے پانی کی نہر مراد ہے۔ یہ یا تو نہر اردن تھی یا نہر فلسطین یعنی بحکم اشمویل علیہ السلام طالوت نے یا خود اشمویل علیہ السلام نے ہی اعلان فرمایا کہ اے سپاہیو! عنقریب رب تعالیٰ ایک نہر سے تمہارا امتحان لینے والا ہے **فمن شرب منہ فلیس منی** یہ امتحان کی تفصیل ہے یعنی جو بھی اس نہر سے پی لیگا وہ میری جماعت اور میرے دین سے نہ ہو گا خیال رہے کہ نہر سے پینے کا مطلب اس کا پانی پینا ہے خواہ نہر سے منہ لگا کر ہو یا برتن وغیرہ میں لیکر روح البیان وغیرہ نے فرمایا کہ اس سے منہ لگا کر پانی پینا مراد ہے اور اس کی ممانعت تھی۔ چلو یا برتن سے پینے کی اجازت تھی مگر یہ معنی منشاء آیت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں وہاں تو صابرین کی آزمائش منظور تھی کہ کون پیاس پر صبر کرتا ہے برتن سے پی لینے میں صبر کہاں رہا۔ نیز آیت کا اگلا جملہ بھی اس کے مخالف معلوم ہوتا ہے کہ فرمایا گیا **ومن لم یطعمہ فانہ منی** یطعم طعم سے بنا بمعنی چکھنا خواہ خشک چیز چکھی جائے یا تلی یعنی جو پانی کو چکھے بھی نہیں وہ مجھ سے ہے نہ برتن میں لے کر نہ چلو سے نہ منہ لگا کر بلکہ کلی بھی نہ کرے کیونکہ اس سے پانی کی لذت محسوس ہو جاتی ہے اور پیاس میں تخفیف (کبیر) **الا من اغترف غرفۃ بیدہ** یہ شرب کے فاعل سے استثناء ہے۔ غرف کے معنی کاٹنا ہے۔ کھڑکی کو اس لئے غرفہ کہتے ہیں کہ وہ دیوار سے کاٹ کر بنائی جاتی ہے۔ اس کی جمع غرفات ہے **وھم فی الغرفات امنون**۔ ایک چلو پانی یا خود چلو کو بھی غرفہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ مجازاً تھوڑے پانی کو غرفہ اور تھوڑے کھانے کو لقمہ کہہ دیتے ہیں۔ اس وہم کو دور کرنے کیلئے 'بیدہ' فرمایا یعنی سوا اس کے جو اپنے ایک ہاتھ کا چلو بھر کر پی لے۔ روح البیان نے فرمایا کہ بالکل نہ چکھنا عزیمت تھا اور ایک چلو پینا رخصت اور اس سے زیادہ حرام۔ خیال رہے کہ جیسے اسلام میں بد عملی کفر نہیں بلکہ بد عقیدگی کفر ہے مگر بعض گناہ علامت کفر ہونے کی وجہ سے کفر ہیں جیسے چوٹی اور زنار یا قرآن کریم کی عمداً بے ادبی ایسے ہی اس دن نہر سے پانی پینا علامت کفر قرار دیا گیا تھا اور فرمایا گیا تھا کہ جو نہر سے پانی پئے گا وہ میرے دین سے خارج ہو کر کافر ہو گا **فشربو منہ الا قلیلا منھم** یہاں بھی ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ شربوا کا فاعل سارے لشکر والے ہیں اور الا قلیلا ان سے مستثنیٰ یعنی باوجود ممانعت کے تھوڑوں کے سوا سب نے نہر سے خوب پانی پیا۔ بعض نے منہ لگا کر بعض نے برتنوں سے بلکہ بعض اس میں کود ہی گئے۔ حکم پر عمل کرنے والے 313 تھے جن میں سے بعض نے بالکل نہ پی کر عزیمت پر عمل کیا اور بعض نے چلو پی کر رخصت پر۔

خلاصہ تفسیر : جب بنی اسرائیلیوں کو طالوت کی امامت میں کچھ شک و شبہ نہ رہا اور سب نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ تب طالوت نے ان سب کو جنگل لشکر جمع کیا اور جب اس عظیم الشان لشکر کو لے کر شہر سے جدا ہوئے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اے سپاہیو! تمہارا ایک نہر سے امتحان ہونے والا ہے گرمی سخت ہے تم پر پیاس کا غلبہ ہے۔ نہر سامنے آرہی ہے جو اس سے پی لے گا وہ میری جماعت سے نہ ہوگا یعنی میری فوج میں نہ رہ سکے گا بلکہ نکال دیا جاوے گا میرے ساتھ نہر سے آگے نہ بڑھ سکے گا اور جہاد نہ کرسکے گا۔ اس میں غیبی خبر ہے یا ہمارے دین سے خارج ہو جاوے گا کہ مسلمان نہ رہے گا کیونکہ یہ عمل کفر قرار دیا گیا ہے اور جو اسے چکھے بھی نہیں وہ میرا ہے۔ ہاں ایک چلو پانی کی اجازت ہے کہ ہتھیلی بھر پی لیا جائے یہ سب چلے۔ گرمی کی شدت اور پیاس کے غلبہ سے نڈھال ہو گئے کہ اچانک ٹھنڈے اور صاف پانی کی نہر سامنے آئی۔ اس سے سب نے خوب پانی پیا اور کوئی حد پر قائم نہ رہا سواء تھوڑی سی جماعت کے۔

اصل واقعہ : بنی اسرائیل نے اپنا اطمینان کرکے فوراً جہاد کی تیاری کردی۔ طالوت نے اعلان کیا کہ میرے ساتھ بڈھا بیمار اور وہ شخص جس کا دل دنیا سے لگا ہو نہ جائے لہٰذا جس کا مکان بن رہا ہو جو تجارتی کاروبار میں مشغول ہو یا جس پر قرض ہو یا وہ جس نے نکاح کیا ہو اور ابھی اس کی رخصت نہ ہوئی ہو۔ ہرگز جہاد میں شریک نہ ہو۔ صرف فارغ البال تندرست نوجوان فوج میں بھرتی ہوں تاکہ جنگ کا کام خوب کریں۔ چنانچہ آپ نے ایسے لوگ چھانٹے۔ روح البیان وغیرہ نے فرمایا کہ اسی ہزار 80000 کا لشکر تیار کیا گیا۔ مگر درمنثور نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ تین لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ (303313) کا لشکر تیار ہوا۔ ان سب کو لے کر روانہ ہوئے۔ چونکہ آپ چاہتے تھے کہ میرے ساتھ صرف صابرین ہی جائیں بزدلوں اور بے صبروں کی بھیڑ نہ ہو کہ کبھی یہ بھیڑ شکست کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لئے بحکم الٰہی اعلان فرمایا کہ آگے ٹھنڈے پانی کی نہر آرہی ہے۔ ایک چلو کے سوا زیادہ کوئی نہ پئے۔ اتفاقاً موسم سخت گرم تھا اور لوگ پیاس سے بے قرار تھے۔ اس حالت میں عین دوپہر کے وقت نہر سے گزرے تین سو تیرہ جوانوں کے سوا باقی سب خوب پی گئے جنہوں نے صرف ایک چلو پہ قناعت کی۔ ان کا ایک چلو انہیں اور ان کے گھوڑوں کو کافی ہو گیا اور ان کی پیاس بجھ گئی اور بے صبرے لوگ جتنا پیتے تھے اتنی ہی پیاس بڑھتی تھی۔ ان کے ہونٹ کالے پڑ گئے۔ پیٹ پھول گیا۔ (معانی و کبیر)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** پیغمبر پر جرح کرنا محرومی کا سبب ہے حضرت اشمویل پر جرح کرنے والے آئندہ صبر بھی نہ کرسکے اور سر تسلیم خم کرنے والے کامیاب رہے۔ **دوسرا فائدہ:** اطاعت انبیاء میں راحت ہے اور ان کی مخالفت میں سخت تکلیف۔ دیکھو تھوڑا پانی پینے والے سیر ہو گئے اور مخالفت کرنے والے پیاسے بھی رہے۔ مصیبت میں بھی پڑے اور درگاہ الٰہی سے نکالے بھی گئے۔ **تیسرا فائدہ:** صبر میں برکت ہے اور بے صبری میں بے برکتی صابر کا تھوڑا مال بے صبرے کے بہت سے مال سے بہتر ہے۔ دیکھو صابر کا ایک چلو سوار اور سواری دونوں کو کافی ہو گیا اور بے صبروں کا بہت سا پانی کافی نہ ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بعض اعمال علامت انکار ہیں کہ ان کا کرنے والا کافر۔ دیکھو بہت سا پانی پینا یہاں کفر قرار دیا گیا کہ فرمایا فمن شرب منه فلیس منی۔ اب بھی جنیو باندھنا قرآن کی بے ادبی کرنا کفر ہے کہ یہ علامات انکار ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** پیغمبر کے حکم سے کبھی حلال چیزیں حرام اور حرام حلال ہو جاتی ہیں۔ دیکھو پانی کا چلو حلال رہا مگر زیادہ حرام۔ حضرت علی

کے لئے فاطمۃ الزہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام اور بحالت جنابت مسجد میں آنا حلال ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمام انبیاء کرام کے صحابہ سے افضل اور باوفا ہیں۔ دیکھو ان اسرائیلوں میں لاکھوں میں سے صرف تین سو تیرہ باوفا نکلے باقی بے وفا اور ایک معمولی پیاس برداشت نہ کر سکے مگر بدر، تبوک اور خندق میں حضور کے تمام صحابہ نے جس جانبازی اور جان نثاری کا ثبوت دیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی جگہ جگہ تعریف فرمائی فرمایا۔ **اولئک هم الصدقون** یہ سب سچے ہیں کہیں فرمایا **اولئک هم المومنون حقا** یہ سب سچے مومن ہیں کہیں فرمایا **اولئک هم المتقون** یہ سب پرہیزگار ہیں۔

پہلا اعتراض: جنگ کے موقعہ پر لشکر کو کھانے پینے کا آرام دیا جاتا ہے وہاں پانی سے بھی کیوں روک دیا گیا یہ فعل خلاف مصلحت تھا۔ جواب: چند وجوہ سے ایک یہ کہ بنی اسرائیل نے بدلہ لینے کے لئے بادشاہ مانگا تھا اور کہا تھا کہ چونکہ جالوت نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے لہٰذا ہم بھی اس سے جنگ کریں گے اس میں للیت نہ تھی اور باعث ثواب وہ ہی جہاد ہے جو اللہ کے لئے ہو۔ اس لئے آپ نے **مخلصین** کو چھانٹنے کا یہ معیار مقرر کیا کہ اس نہر سے دیندار و دنیادار سے علیحدہ ہو جائیں تاکہ ہمارا جہاد خالص اللہ کے لئے ہو۔ دوسرے یہ کہ اس لشکر میں صابرین اور جوشیلے سب ہی تھے۔ جنگ میں صابر ہی ٹھہر سکتے ہیں نہ کہ محض جوش والے آپ نے صبر کا معیار یہ قرار دیا۔ تیسرے یہ کہ اس امتحان سے بہت تھوڑے سے لوگ جنگ میں گئے۔ اور بڑی قوم کے مقابل فتح پا کر آئے۔ جس سے ان پیغمبر کا معجزہ ظاہر ہوا۔ دوسرا اعتراض: ومن لم یطعم سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی چکھنے کی بھی اجازت نہ تھی اور الا سے پتہ لگتا ہے کہ ایک چلو کی اجازت تھی اس میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: یا تو بالکل نہ چکھنا مستحب اور ایک چلو پی لینا جائز تھا اور یا نہ چکھنے سے چلو سے زیادہ نہ چکھنا مراد ہے۔ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی لہٰذا اس کی تفسیر صوفیانہ آئندہ کی جائے گی۔ تیسرا اعتراض: جب قوم طالوت نہر کا پانی پی کر کافر ہو گئے کیونکہ پانی پینا ان پر حرام تھا تو چاہئے کہ آج بے روزہ مسلمان جو ماہ رمضان کے دن میں کھائیں پئیں وہ سب کافر ہونے چاہئیں حالانکہ تم کسی بے روزہ کو کافر نہیں کہتے فرق کیا ہے۔ جواب: فرق یہ ہے کہ اس دن یہ پانی پینا علامت کفر قرار دیا گیا تھا۔ علامت کفر اختیار کرنا کفر ہے اور اختیار کرنے والا کافر ہے۔ اسلام میں بے روزہ ہونا حرام تو ہے علامت کفر نہیں۔ خیال رہے کہ علامت کفار حرام ہیں اور کفر نہیں جیسے آج مسلمان کیلئے دھوتی پینٹ وغیرہ اور علامت کفر اختیار کرنا کفر ہے۔ کفار کے قومی شعار اور دینی شعار میں فرق ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم کا یہی مطلب ہے یعنی جو کافر قوم کی مذہبی مشابہت رکھے گا وہ کافر ہوگا۔

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

پس جب آگے بڑھے اس نہر سے وہ اور جو ایمان لائے ساتھ انکے بولے کہ نہیں ہے طاقت واسطے ہمارے

پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے

بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۚ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ

آج جالوت اور لشکر اس کے کی۔ بولے وہ جو یقین رکھتے تھے کہ تحقیق وہ ملنے والے ہیں اللہ سے کہ بہت سی

لشکروں کی بولے وہ جنہیں اللہ سے ملنے کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر

فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿۲۴۹﴾

دفعہ جماعتیں تھوڑی غالب آئیں جماعت بہت پر ساتھ حکم اللہ کے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ؁

اللہ کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے ؁

تعلق : پچھلے جملہ میں لشکر طالوت سے نافرمانوں اور کم ہمتوں کے رہ جانے کا ذکر ہوا اب مخلصین اطاعت شعار شکر گزار لشکریوں کے آگے بڑھنے کا ذکر ہے۔

تفسیر : **فلما جاوزہ ھو والذین امنو معہ** جاوز' جوز یا جواز سے بنا بمعنی قطع کرنا۔ طے کرنا اور آگے بڑھ جانا۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ ہ کا مرجع وہی نہر اردن یا نہر فلسطین ہے۔ جس کا ذکر پچھلے جملہ میں ہوا۔ ھو سے مراد حضرت طالوت ہیں۔ واؤ یا عاطفہ ہے اور الذین ھو پر معطوف اور مع جاوز کا ظرف یا واؤ حالیہ اور الذین مبتداء معہ اسکی خبر یعنی جبکہ نہر اردن سے طالوت مع مومنین گزر گئے یا جب نہر اردن سے طالوت گزرے حالانکہ مسلمان بھی ان کے ساتھ تھے۔ (معانی) خیال رہے کہ مع امنوا کا ظرف نہیں کہ اس میں معنی فاسد ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ مومنین ایمان لانے میں طالوت کے ساتھ نہیں تھے بلکہ نہر سے گزرنے میں ان کے ساتھ لہٰذا معہ جاوز کا ظرف ہے۔ خیال رہے کہ یہاں والمومنون نہ فرمایا بلکہ والذین امنو' معہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی کیونکہ ان کی ایمان پر استقامت آج کھلی یا ان کا اخلاص معلوم ہوا تھی جو آج ایمان لائے استقامت کے اعتبار سے یا ظہور کے لحاظ سے جیسے رب فرماتا ہے **یا ایھا الذین امنوا امنوا** **قالو'** اس کا فاعل خود نہر پار کر جانے والے مومنین میں سے بعض لوگ ہیں کیونکہ نافرمان تو نہر پر ہی رہ گئے یا وہاں سے ہی لوٹ گئے۔ آگے نہ بڑھے جیسا کہ فلما جاوز سے معلوم ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا فاعل نہر پر نہ جانے والے ہوں اور انہوں نے ادھر سے پکار کر صابرین سے خطاب کیا ہو کیونکہ نہر اتنی وسیع نہ تھی کہ ادھر والے پار والوں سے کلام نہ کر سکتے۔ **لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ** طاقت اسم مصدر اور اطاقت مصدر ہے۔ جیسے طاعت اور اطاعت بمعنی قوت۔ جالوت' طالوت کی طرح بروزن فعلوت ہے یہ جول سے بنا بمعنی حملہ کرنا اہل عرب کہتے ہیں بک اصول وبک اجول چونکہ اس بادشاہ کا حملہ بہت سخت ہوتا تھا کہ اس کے للکارنے پر بھی دشمن سامنے آنے کی ہمت نہ کرتا اس لئے اسے جالوت کہتے تھے یعنی سخت حملہ آور۔ جنود' جند کی جمع ہے اگر کہنے والے بعض مومنین ہوں تب تو انہوں نے جالوت اس کا لشکر اور اس کی طمطراق دیکھ کر کہا۔ کیونکہ یہ لوگ صرف تین سو تیرہ تھے اور جالوتی لشکر ایک لاکھ بلکہ تین لاکھ (معانی) پھر یہ بے سروسامان اور ان کے ساتھ سازوسامان بے انتہا اور اگر کہنے والے بزدل لوگ ہیں تو نہر پار کرتے وقت کا یہ قول ہے یعنی ان اہل ایمان کے دو حصے ہو گئے ایک وہ جن پر طالوتی لشکر سے ہیبت طاری ہو گئی اور بولے کہ ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کو فتح کرنے کی طاقت نہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ موت کے لئے تیار ہو کر آگے بڑھیں نہ کہ فتح کی امید پر۔ ان کی یہ بات بزدلی سے نہیں بلکہ تیاری شہادت کے لئے تھی یا نہر کا پانی پی کا بزدل لوگوں کے دلوں میں جالوت کی ہیبت چھائی اور مخلصین سے پکار کر بولے کہ ہم میں جالوت کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہم آگے نہ جائیں گے۔ (کبیر) بلکہ تم بھی نہ جاؤ۔ ہم لاکھوں مجاہد بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تم مٹھی بھر جماعت اس کے مقابلہ میں کیسے ٹھہر سکو گے اس صورت میں یہ

ان مجاہدین کی تعریف ہے انہیں بہکانے والے بہکاتے رہے مگر یہ ڈٹے رہے۔ یا وہ رہ جانے والے آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ یہ بے وقوف ہیں۔ جو ایسی جابر قوم کے مقابل جارہے ہم لوگ بہت عقلمند ہیں کہ یہاں ہی ٹھہر گئے۔ ہم نے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالا علماء فرماتے ہیں کہ دل کی بیماری کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ گنہگار اپنے کو عقلمند جانے اور نیکوں کو بے وقوف سمجھے۔ یہ رہ جانے والے اس بیماری میں مبتلا تھے۔ **قال الذین یظنون انھم ملقوا اللہ** اگر پہلا قول بزدلوں کا تھا تو یہ جواب سارے مومنین کا ہے اور ظن بمعنی یقین۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مرتد ہو چکے تھے اور یہ لوگ ایمان پر قائم رہے اور اگر پہلا کلام مرعوب مسلمانوں کا تھا تو یہ جواب قوی دل مومنین کا ہے اور ظن سے کمال ایمان مراد یا ملقوا اللہ میں لفظ وعد پوشیدہ ہے یعنی بزدلوں کو ان مسلمانوں نے جواب دیا جنہیں قیامت میں رب سے ملنے کا یقین کامل تھا اور جن کی نگاہ میں دنیا فانی تھی یا مرعوب مسلمانوں کو ان کامل ایمان حضرات نے جواب دیا جنہیں رب سے ملنے کا یقین کامل تھا یا جنہیں وعدہ الٰہی پورا ہونے پر اعتماد تام تھا کہ **کم من فئۃ قلیلۃ** کم خبریہ ہے کیونکہ اس کی تمیز پر من داخل ہے فئۃ یا تو فیئی سے بنا بمعنی رجوع کرنا جس کی ی گرادی گئی یا فوء سے بمعنی چیر نا در اصل فیوۃ تھا۔ لام کلمہ کی واؤ گرا کر ی ہمزہ سے بدل دی گئی۔ لشکر کو فئۃ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی پلٹ پلٹ کر ایک دوسرے کی امداد کرتے تھے یا وہ بھی انسانوں سے جدا ایک ٹکڑا ہے **قلیلۃ** فئۃ کی صفت ہے خیال رہے کہ چھوٹی بڑی دونوں جماعتوں کو فئۃ کہا جاتا ہے۔ **غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ** غلبہ سے فتح مراد ہے۔ اذن اللہ سے ارادہ الٰہی یا اس کی توفیق یا مدد مراد یعنی بہت سی چھوٹی جماعتیں رب کے حکم سے بڑے لشکروں پر غالب آجاتی ہیں۔ قلت کے لئے ذلت لازم نہیں اور نہ کثرت کے لئے عظمت ضروری یہ چیزیں رب کی عطا ہیں۔ **واللہ مع الصبرین** یا تو یہ کلام بھی ان مومنین ہی کا ہے یا رب کا یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے کہ انہیں کی مدد فرماتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: نہر پر پہنچ کر لشکر طالوت میں سے **مخلصین** مجرمین سے چھٹ گئے کہ مجرمین تو پانی پی کر وہاں ہی رہے یا واپس لوٹ گئے اور **مخلصین** آگے بڑھ گئے لیکن جب ان تھوڑے بے سروسامان لوگوں نے جالوت اور اس کا سازو سامان والا لشکر دیکھا تو ان میں دو جماعتیں بن گئیں۔ کچھ وہ جن پر رعب چھا گیا اور کہنے لگے کہ اس لشکر پر فتح حاصل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں جو بھی جائے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر شہادت کے لئے جائے اور اپنی شکست پر غم نہ کھائے کیونکہ یہ بہت اور ہم تھوڑے ان کے پاس سامان جنگ بے شمار ہمارے پاس کچھ بھی نہیں وہ پہلوان ہم کمزور چونکہ ان کی اس بات سے لوگوں کی ہمت ٹوٹنے کا اندیشہ تھا اس لئے ان کے بہادر بولے جنہیں رب کے ثواب یا اس کی مدد کا یقین کامل تھا کہ تم نے یہ کیا کہہ دیا۔ بارہا چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑے سے بڑے جرار لشکر پر غالب آجاتی ہیں۔ غلبہ رب کے کرم سے ہے نہ کہ کثرت اور سازو سامان کی زیادتی سے صابرین کے ساتھ رب ہے۔ ان کی مدد کرتا ہے۔

دوسری تفسیر: جب نہر اردن سے طالوت اور ان کے ساتھ تین سو تیرہ **مخلصین** پار ہو گئے تو یہ نافرمان بزدل پکار کر کہنے لگے ہمیں تو جالوت کے مقابلہ کی طاقت نہیں کہاں وہ اور کہاں ہم چونکہ تم بہت ہی تھوڑے رہ گئے اور بے سامان بھی ہو لہٰذا اپنے کو کیوں موت کے منہ میں دیتے ہو مگر یہ پار ہو جانے والے مسلمان جنہیں دنیا کی فنا اور اپنی موت کا یقین تھا اور جو سمجھتے تھے کہ موت تو بہر صورت آئیگی تو پھر کیوں نہ خدا کی راہ میں آئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بہت سی تھوڑی جماعتیں بڑے

لشکروں پر بحکم الٰہی غالب آجاتی ہیں۔ انشاء اللہ ہم بھی غالب آئیں گے کیونکہ ہم صابر ہیں اور اللہ صابرین کے ساتھ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جیسے رب تعالیٰ نے کھرے کھوٹے سونے خالص ناخالص دودھ وغیرہ میں فرق کرنے کے لئے بہت آلات بنادیئے ہیں۔ ایسے ہی کھرے کھوٹے مومن مخلص منافق میں فرق کرنے کے لئے بہت سے روحانی آلے پیدا فرمادیئے ہیں اس دن یہ نہر اردن کھرے کھوٹے مومنوں میں فرق کا ذریعہ تھی۔ جیسے آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام وعشق کھرے کھوٹے مسلمان میں فرق کا ذریعہ ہے۔ شکل میں سارے انسان یکساں ہیں مگر دل ودین میں مختلف ان میں چھانٹ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس قسم کی چیزیں پیدا فرماتا رہے گا۔ **دوسرا فائدہ:** اگرچہ ایمان انسان کی ایک صفت ہے مگر اس کے مرتبے مختلف جس قدر ایمان قوی اس قدر مومن میں جرات وہمت زیادہ جیسا کہ پچھلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گناہ اور بے دینی سے بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ عبادت سے ہمت جیسا کہ دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** فتح وشکست کی زیادتی یا ساز وسامان پر موقوف نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی پر ہے۔ لہٰذا کبھی مشکل کام سے بھی ہمت نہ ہارنی چاہئے۔ تھوڑی جماعت کے بہت سوں پر غالب آنے کا نقشہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک میں نظر آتا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہمیشہ مسلمان تھوڑے اور دشمن زیادہ رہے مگر مسلمانوں کو قوت ایمانی' استقلال وصبر نے انہیں نصرت الٰہی کا حقدار ٹھہرلیا۔ آج ہماری مغلوبیت قوت ایمانی اور صبر کی کمی کا نتیجہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جو لوگ نہر سے آگے نہ بڑھ سکے وہ کافر و مرتد ہو گئے اور جو آگے بڑھ گئے وہ مومن رہے جیسا کہ والذین امنوا سے معلوم ہوا۔ ان رہ جانے والوں نے اپنے کو عقل مند اور اپنے گناہ کو عقلمندی جانا اور مؤمنین صالحین کو بے وقوف سمجھا کہ یہ لوگ اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ یہ کفر میں اور زیادتی ہوئی گناہ کو ہنر سمجھنا نیکی کو بیوقوفی جاننا کفر ہے۔ رب تعالیٰ نے منافقوں کا ایک کفر یہ بیان کیا کہ **قالوا انومن کما امن السفھاء** **پانچواں فائدہ:** معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ان لوگوں سے پہلے بھی جہاد کرچکے تھے یہ آج نیا جہاد نہ تھا کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر باذن الٰہی غالب آجاتی ہیں۔

پہلا اعتراض : پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ جالوت کو دیکھ کر بعض مسلمان بھی بزدل ہو گئے۔ وہ مومن رہے یا نہ رہے اگر رہے تو نہر کا پانی پی لینے والوں میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ نہ تو ان لوگوں نے امام کی مخالفت کی اور نہ جہاد سے جان چرائی۔ صرف ان کے قلب میں غیر اختیاری رعب آگیا۔ جس سے وہ کہہ بیٹھے کہ لاطاقۃ لنا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جنگ نہ کریں گے۔ مطلب صرف یہ تھا کہ جنگ تو کریں گے مگر شہادت کے لئے نہ کہ فتح کے ارادہ سے لہٰذا ان کی یہ بات قوت ایمانی کی دلیل ہے نہ کہ کفر کی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فتح و شکست دنیوی سامان پر موقوف نہیں رب کی رحمت سے ہے۔ پھر اسلام میں جہاد کے لئے امیر و لشکر وغیرہ کی شرائط کیوں رکھی گئیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ رب پر توکل کرکے چل کھڑے ہوں اور کفار سے جہاد کریں رب فتح دے گا۔ **جواب:** آیت کا مطلب یہ ہے کہ سامان پر فتح موقوف نہیں نہ یہ کہ سامان کی ضرورت بھی نہیں۔ انہیں اسرائیلیوں کو اولاً بادشاہ پھر لشکر و تابوت سکینہ پیغمبری دعا اور دیگر ظاہری سامان عطا فرماکر جہاد کیلئے روانہ کیا۔ توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرکے مسبب الاسباب کے کرم کا انتظار

کرے۔ بیشک رزاق رب ہے مگر کھیتی باڑی شرط۔ اسباب سے منہ موڑنے والا متوکل نہیں نکما ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا نہر اردن ہے اور یہاں کی لذتیں اس کا پانی دنیا میں آنے والے لوگ طالوتی لشکر ہے۔ جو کہ شیطان جالوت کے مقابلہ میں آیا جیسے کہ طالوت نے اعلان فرمایا تھا کہ جو یہ پانی سیر ہو کر پئے گا وہ مجھ سے نہیں اور جو چلو پر قناعت کرے وہ میرا ہے ایسے ہی انبیاء کرام نے اعلان فرمایا کہ جو دنیا میں بقدر ضرورت مشغول رہے گا۔ وہ ہمارا ہے اور جو حریص ہو کر اس میں پھنس جائے گا وہ ہمارا نہیں۔ اور جیسے طالوتی لوگ بے صبری سے بزدل ہو گئے کہ وہاں ہی رہ گئے اور صابرین سب کچھ کر گزرے۔ ایسے ہی دنیا کو بقدر ضرورت حاصل کرنے والے سب کچھ کر گزریں گے اور اس میں پھنسنے والے ایسے بے دست و پا ہو جائیں گے۔ جیسے شہد میں مکھی یا حریص گائے جو بے تحاشہ کھا کر اولاً بیمار پڑتی ہے پھر ہلاک ہو جاتی ہے نہ دودھ دے نہ بچے دے اطمینان سے کھانے والی گائے خود بھی تندرست رہتی ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان مٹی سے بنا اور مٹی طبعاً خشک ہے۔ یہ خشکی جب ہی دور ہو سکتی ہے کہ رب تعالیٰ اس پر توفیق کی بارش برسائے عاقل وہ ہی ہے جو طلب دنیا میں اپنے کو ہلکان نہ کرے۔ رزق مقسوم ہے اپنا نصیبہ ضرور ملے گا۔ رب نے داؤد علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اے داؤد تم بھی چاہتے ہو اور میں بھی اگر تم میرے چاہے پر راضی ہو تو میں تمہارے لئے کافی ہو۔ اور اگر اس پر راضی نہیں تو اپنے کو مصیبت پر ڈال دیکھو ہو گا وہ ہی جو ہم چاہیں۔ اہل حقیقت وہ ہی ہے جو بقدر ضرورت کھانے پینے اور لباس و مکان پر قناعت کرے اور مجبوراً ہی مخلوق سے تعلق رکھے۔ اس سے زیادہ کا طلبگار حریص ہے۔ صابرین وہ لوگ ہیں جن کی برکت سے بارشیں آتی ہیں۔ انہیں کی وجہ سے دنیا عذاب سے محفوظ رہتی ہے مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ چھپے ہوئے۔ حضرت شیخ عطار نے کیا خوب فرمایا۔

دررہ تو مردانند از خویش نہاں ماندہ ۔ بے جسم و بہت گشتہ بے نام و نشان ماندہ
تن شاں بشریعت ہم دلشاں بحقیقت ہم ۔ ہم دل شدہ و ہم جاں نہ ایں و نہ آں ماندہ

یہ لوگ اگرچہ تھوڑے ہیں مگر نصرت الہٰی انہیں کے ساتھ ہے اور جالوت شیطان اور نفس و صفات کے لشکر پر یہ ہی غالب کیونکہ ان کے پاس شریعت کی ڈھال ہے اور حقیقت کے ہتھیار۔ (روح البیان)۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

اور جب سامنے آئے وہ جالوت اور لشکر اس کے تو بولے کہ اے رب ہمارے ڈال دے اوپر ہمارے صبر اور

پھر جب سامنے آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے عرض کی اے رب ہمارے ہم پر صبر انڈیل اور ہمارے

وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ

ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد فرما ہماری اوپر قوم کافروں کے ۔ پس بھگا دیا انہوں نے ان کفار کو

پاؤں جمائے رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد کر ۔ تو انہوں نے ان کو بھگا دیا اللہ کے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ

ساتھ حکم اللہ کے ۔ اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور دیا اس کو اللہ نے ملک اور حکمت اور سکھایا

حکم سے ۔ اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اُسے سلطنت دی اور حکومت عطا

مِمَّا یَشَآءُ ؕ

انہیں اُس سے جو چاہتا ہے ۔

فرمائی اور اُسے جو چاہا سکھایا ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کی تیاری جہاد کا ذکر تھا اب ان کے جہاد کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین بنی اسرائیل کے دو گروہ ہو گئے ایک مرعوبین دوسرے صابرین۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ صابرین کی تسکین سے مرعوبین بھی ہمت میں آگئے اور جالوت کے مقابل حوصلے سے جم گئے۔

تفسیر : **ولما برزوا لجالوت و جنوده** برزوا ' براز سے بنا بمعنی کھلا میدان برز کے معنی ہیں کھلے میدان میں آگیا یا کسی کے سامنے ہو گیا۔ کبھی چھپی حالت ظاہر ہونے کو بھی براز کہا جاتا ہے۔ جیسے **برزوا للہ جمیعا** یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اس سے مبارزت بنا یعنی جنگ میں اپنا مقابل طلب کرنا۔ اس کا فاعل سارے مومن ہیں جو نہر پار کر آئے تھے۔ لام یا صلہ کا ہے یا تعلیلیہ۔ یعنی جب یہ سارے لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے میدان میں آئے یا جبکہ یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کی وجہ سے میدان میں اترے تو **قالوا ربنا افرغ علینا صبرا** قالوا کا فاعل بھی سارے مومنین ہیں کیونکہ صابرین کی تسکین دینے سے مرعوبین کے دل بھی قوی ہو چکے تھے چونکہ یہ دعائے فتح و نصرت تھی اس لئے ربنا عرض کیا گیا کیونکہ دعا کے وقت رب کو پکارنا اور اس کے جمالی ناموں سے پکارنا خصوصاً" اللھم یا ربنا کہہ کر پکارنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔ اللھم میں اللہ کے ذاتی نام اللہ اور تمام اس کے میم والے صفاتی نام سے پکارنا ہے اور ربنا میں یہ عرض کرنا ہے کہ تو ہے ہمارا پالنے والا ہم ہیں تیرے پالے ہوئے پالنے والے پالے کی لاج رکھتا ہے۔ خدایا ہماری لاج تیرے ہاتھ ہے۔ افرغ 'افراغ سے بنا بمعنی فارغ یا خالی کر دینا۔ بماوینا ' فراغ کرو بنایہ شغل کا مقابل ہے۔ خیال رہے کہ انڈیلنے کو صب کہا جاتا ہے اور بالکل برتن اوندھا دینے کو افراغ۔ لہذا افراغ میں مبالغہ ہے یعنی برتن کو بالکل خالی کر دینا یہاں بہتات کے ساتھ صبر دینا مراد ہے صبر کے معنی ہیں روکنا یہ رب تعالیٰ کی بھی صفت ہے اسی لئے اس کا نام صبور ہے یعنی بروں سے عذاب روکنے والا انہیں نافرمانیوں پر جلد سزا نہ دینا اور بندوں کی بھی صفت ہے۔ بندوں کا صبر تین قسم کا ہے۔ گناہوں سے صبر کہ نفس کو گناہوں سے روکنا۔ عبادات ' طاعات پر صبر کہ نفس کو عبادات پر روکنا قائم رکھنا مصیبت میں صبر یعنی نفس کو گھبراہٹ سے روکنا یہاں تیسری قسم کا صبر مراد ہے یعنی جنگ کی حالت میں دل کا گھبرانہ جانا دل کا قائم رہنا لہذا صبر سے جنگ میں استقلال مقصود ہے نہ کہ شکست پر صبر کہ یہ دعا ہے نہ کہ بددعا یعنی اے مولا ہمیں خوب استقلال عطا فرما **وثبت اقدامنا** ثبت ' تثبیت سے بنا جس کا مادہ ثبت ہے بمعنی ٹھہرنا۔ زل بمعنی پھسلنے کا مقابل

اور یہاں ثابت قدم رکھنے سے قلبی قوت دلی جرات اور دشمن کے دل میں رعب ڈال دینا مراد ہے نہ کہ ایک ہی جگہ کھڑا رہ جانا۔ جنبش نہ کر سکنا۔ یعنی اے مولیٰ ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوت قلبی ہمت، جرات عطا فرما **وانصرنا علی القوم الکفرین** نصر بمعنی مدد بھی آتا ہے اور فتح بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں علی مقابلہ کا ہے۔ دعا میں زیادہ اہتمام کرنے کے لئے علیہم نہ کہا گیا بلکہ صاف نام لیا یعنی اے مولا ہمیں اس کافر قوم پر فتح دے یا ان پر ہماری مدد فرما۔ خیال رہے کہ علی نقصان کیلئے آتا ہے۔ اور لام فائدہ کیلئے نصر لہ یا نصرہ کے معنی ہیں اس کی مدد کی۔ نصر علیہ کے معنی ہیں اس کے خلاف دشمن کی مدد کی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ **فھزموھم باذن اللہ** ہزم کے معنی ہیں توڑنا۔ پھٹے مشکیزہ کو سقائے منزم پتھر کے سوراخ کو ہزمہ کہا جاتا ہے چاہ زمزم کو ہزمہ جبریل بولتے ہیں۔ شکست کو ہزیمت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے قوت ٹوٹ جاتی ہے اور شکست خوردہ کی فوج میں رخنہ پڑ جاتا ہے یعنی ان تھوڑے مسلمانوں نے ان بہت سے کافروں کو آن کی آن میں بحکم الٰہی شکست دے دی۔ ف سے معلوم ہوا کہ دعا اور فتح میں کچھ فاصلہ نہ تھا (روح) روح المعانی نے فرمایا کہ یہ ف فصیحہ ہے یعنی رب نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ تو انہوں نے جالوتیوں کو شکست دی **وقتل داء ود جالوت** چونکہ واؤ ترتیب نہیں چاہتا لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ قتل جالوت شکست کے بعد ہوا۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ پہلے جالوت مارا گیا پھر کفار کو شکست ہوئی۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ یعنی داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا **واتہ اللہ الملک والحکمۃ** ضمیر کا مرجع داؤد ہیں اور ملک سے مراد سلطنت اور حکمت سے مراد نبوت یا زبور شریف ہے یعنی رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ارض مقدسہ کی سلطنت بھی دی نبوت بھی عطا فرمائی۔ زبور بھی عنایت کی ان سے پہلے نبوت اور نسل میں تھی۔ سلطنت دوسری نسل میں آپ میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوئیں۔ زبور شریف میں چار سو بیس سورتیں تھی اور اس کے مختلف حصے۔ اس ہی لئے اسے زبور کہتے ہیں بمعنی حصے والی کتاب، **وانہ لفی زبر الاولین** آپ بڑے فصیح و بلیغ تھے سب سے پہلے آپ ہی نے اما بعد فرمایا۔ آپ کو فصل خطاب عطا ہوا (روح)۔ **وعلمہ مما یشاء** رب نے انہیں اس کے سوا اور بھی جو چاہا سکھایا۔ چنانچہ زرہ بنانا۔ پرندوں کی بولی۔ پہاڑوں کی تسبیح۔ چیونٹی کا کلام سمجھنا اور اچھی آواز وغیرہ آپ کو عطا ہوئیں۔ آپ کے ہاتھ مبارک میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ آپ باوجود بادشاہ ہونے کے اپنے کسب سے کھاتے تھے کہ زرہ بنا کر فروخت کرتے اس پر گزر اوقات فرماتے۔ خوش الحانی کا یہ حال تھا کہ جب زبور شریف کی تلاوت فرماتے تو جنگلی جانور اور پرندے آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ بہتا پانی رک جاتا۔ ہوا ٹھہر جاتی (روح) غرضیکہ رب تعالیٰ نے انہیں بہت نعمتیں عطا فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ نعمتیں قتل جالوت کے انعام و صلے میں عطا کی گئی ہوں۔

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

خلاصہ تفسیر : جب مومنین جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میدان میں آئے اور مقابلہ میں صفیں درست کیں تو انہوں نے رب سے تین دعائیں مانگیں۔ ایک یہ کہ اے مولیٰ ہمیں جنگ میں استقلال اور صبر عطا فرما۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دل میں جرات پیدا کر جس سے ہم ثابت قدم رہیں۔ تیسرے یہ کہ ہمیں ان کفار پر فتح عطا فرما۔ لہٰذا ان تھوڑوں نے بحکم الٰہی ان بہت سے کافروں کو آناً فاناً شکست دے دی اور داؤد علیہ السلام نے جو بہت کم سن تھے جالوت جیسے جابر بادشاہ کو قتل کر دیا اور رب نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت، نبوت، کتاب سب ہی کچھ عطا فرمایا اس کے علاوہ اور جو چاہا سکھایا۔ خیال رہے کہ اس دعا میں

نہایت نفیس ترتیب ہے۔ اور بہت نکات۔ (۱) حق تعالیٰ کو رب کہہ کے پکارا کیونکہ پالنے والا اپنے پالے کی امداد فرماتا ہے۔ (2) افرغ فرمایا یعنی بیشمار استقامت عطا فرما کہ کبھی ہم نہ گھبرائیں۔ (3) علیٰ کہہ کر یہ اشارہ کیا کہ آسمانی صبر اور استقامت ہم پر بھیج۔ (4) میدان جنگ کو پھسلنی زمین قرار دیا ایسے موقعہ پر لاٹھی وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے عرض کیا کہ ہمیں توفیق کے عصا سے اس میدان میں ثابت قدم رکھ کہ پھسل نہ جائیں۔ چونکہ جنگ کے وقت پہلے استقامت پھر ثابت قدمی ضروری ہے اور اس سے مقصود فتح ہے۔ اس ترتیب سے انہوں نے دعا کہ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے مگر اس کے نام بہت کیونکہ لوگوں کی حاجتیں بہت ہیں۔ جیسی حاجت والا آوے ویسے ہی نام سے رب کو پکارے اور دعا کرے۔ محتاج اسے یا غنی کہہ کر پکارے۔ بیمار اسے یا شافی الامراض کہہ کر ندا کرے دشمنوں میں گھرا ہوا اسے یا قہار یا جبار کہہ کر پکارے۔ اس کے ناموں کی کثرت بھی رحمت سے ہے مگر رونا کہہ کر دعا کرنا بہت محبوب ہے۔

قتل جالوت : جالوت عملیق ابن عاد کی اولاد سے تھا۔ بہت قد آور جوان تھا کہ اس کا سایہ ایک میل تک جاتا تھا۔ بدبخت جابر، ظالم، بہادر تھا۔ 300 رطل کا خود پہنتا اور اکیلا لشکروں کو بھگاتا تھا۔ اسی لئے اسے جالوت کہتے تھے۔ بڑا جنگجو بہادر۔ لشکر اسلام میں حضرت داؤد ابن ایشا بھی تھے جو کہ خصرون ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ (در منثور) ایشا کے سات بیٹے تھے جن میں سے داؤد علیہ السلام سب سے چھوٹے بکریاں چراتے تھے ایشا اور ان کے چھ بیٹے بھی نہر اردن پار کر کے جالوت کے مقابل آگئے تھے۔ اس وقت داؤد علیہ السلام بیمار تھے آپ کا رنگ زرد تھا۔ جالوت نے بنی اسرائیل سے اپنا مقابل طلب کیا مگر یہ لوگ اس کی قوت جسامت شہزوری دیکھ کر گھبرا گئے۔ طالوت نے اعلان کیا کہ جو کوئی جالوت کو قتل کرے۔ میں اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا ملک بھی اسے بخش دونگا کہ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ تب طالوت نے اشمویل علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب سے دعا فرمایئے۔ آپ نے دعا کی تو وحی آئی کہ داؤد علیہ السلام جالوت کو قتل کریں گے طالوت نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ جالوت کو قتل کریں تو میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دوں اور آدھا ملک پیش کروں آپ نے قبول فرمایا اور طالوت نے زرہ پہنا کر گھوڑا و ہتھیار دے کر روانہ کیا۔ آپ کچھ دور گئے اور پھر خیال آیا کہ اگر رب مدد فرمائے تو بغیر ہتھیار بھی کام ہو سکتا ہے۔ خیال آتے ہی لوٹ پڑے۔ جالوت اپنے ساتھیوں سے بولا دیکھو لڑکے پر میرا رعب چھا گیا اس لئے وہ لوٹ گیا۔ آپ نے طالوت سے کہا کہ یہ سامان جنگ اپنے پاس رکھو۔ میں جیسے چاہوں جنگ کروں۔ چنانچہ گھوڑا جوڑا وغیرہ چھوڑ کر صرف گوپھن ہاتھ میں لیا راستے سے تین پتھر اٹھائے۔ جن میں سے ایک سنگ موسیٰ دوسرا سنگ ہارون تھا آپ گوپھن مارنے میں بہت مشاق تھے کہ اس سے بھیڑیا، چیتے اور شیر کا شکار کر لیتے تھے۔ جب جالوت کے مقابل پہنچے وہ بولا کہ تم تو میرے مقابل ایسے پتھر لئے آرہے ہو جیسے کتا مارنے آئے ہو۔ آپ نے فرمایا تو کتے سے بدتر ہے۔ وہ بولا کہ عنقریب تمہارا گوشت چیل کوے کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا بلکہ تیرا اس ہمت اور جرأت سے وہ قدرتی طور پر مرعوب ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے نونہال مجھے تیری نو عمری پر رحم آتا ہے تم واپس جاؤ۔ کسی اور کو میرے مقابل بھیجو آپ نے فرمایا کہ اب بات کا موقعہ نہیں عمل کا وقت ہے۔ لے سنبھل جا تجھ پر وار کرتا ہوں چنانچہ وہ تینوں پتھر گوپھن میں رکھ کر گھما کر جو مارے تو اس کی پیشانی پر پڑے۔ رب جانے کہ وہ گوپھن کے پتھر تھے یا ابابیل کے کنکر کہ اسکے خود کو توڑتے دماغ کو پھوڑتے ہوئے پیچھے نکل گئے اور پیچھے والوں میں سے تیس آدمی قتل کئے۔ آن کی آن میں جالوت گھوڑے سے گر پڑا۔ لشکر کفار میں بھاگڑ پڑ گئی۔ داؤد علیہ السلام جالوت کو کتے کی

طرح گھسیٹتے ہوئے لائے اور طالوت کے سامنے ڈال دیا۔ مسلمانوں کی خوشی کا کوئی اندازہ نہ تھا سب مسلمان صحیح سلامت فتح پاکر لوٹے طالوت نے حسب وعدہ اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی اور آدھی سلطنت کا مالک کر دیا حضرت نے اپنی مملکت کا ایسا نفیس انتظام فرمایا کہ تمام لوگ آپ پر جان دینے لگے۔ طالوت کے دل میں یہ رجوع خلق دیکھ کر حسد پیدا ہوا اور در پردہ داؤد علیہ السلام کے قتل کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ پھر اس پر نادم ہو کر توبہ کی اور وفات پائی۔ ان کے بعد داؤد علیہ السلام سارے ملک کے سلطان ہوئے۔ خیال رہے کہ طالوت قتل جالوت کے بعد چالیس سال زندہ رہے اور ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے طالوت کے سارے خزانے بخوشی داؤد علیہ السلام کے حوالے کر دیئے اور آپ نے طالوت کے بعد ستر سال سلطنت کی (روح البیان وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ قتل جالوت کے سات سال بعد آپ کو نبوت ملی۔ طالوت کی موت کے متعلق اور بہت سی روایتیں ہیں۔ لیکن یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ (خزائن العرفان' روح' در منثور و معانی)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جنگ کے وقت فتح و نصرت کی دعا کرنا سنت انبیاء ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ جہاد یا تیاری جہاد کے وقت مسلمان کھیل تماشہ' ناچ رنگ میں مشغول نہ ہوں بلکہ عبادات میں زیادتی کر دیں اور دعاؤں میں مشغول رہیں اگر شہادت کی موت آوے تو اس حال میں آئے کہ غازی کے ہاتھ میں تلوار ہو منہ میں ذکر یار۔ یہ دعا مانگنا بے صبری نہیں۔ افسوس کہ آج مسلمان یہ سبق بھول گئے اب اسلامی فوجوں کے دل بہلانے کے لئے سینما گانے وغیرہ ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** داؤد علیہ السلام صاحب کتاب پیغمبر ہیں۔ جنہیں رب نے نبوت کے علاوہ اور بھی نعمتیں عطا فرمائیں۔ **تیسرا فائدہ:** جب رب کا کرم ہو جاتا ہے تو کم عمر بچوں سے بڑے بڑے بہادروں کو ہلاک کرا دیتا ہے۔ دیکھو داؤد علیہ السلام سے جالوت کو مروا دیا اور گیارہ برس کے نو عمر بچے معاذ ابن عفرہ کے ہاتھوں ابو جہل جیسے سرکش لعین کو قتل کرا دیا۔ غرضیکہ ابابیل سے فیل مروا دیتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** گوپھن چلانا سنت داؤدی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** نیک کام پر کبھی معاوضہ قبول کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ داؤد علیہ السلام نے قتل جالوت کے عوض نصف ملک قبول فرمایا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر کسی نیکی کے ذریعے دنیوی مال بھی مل جائے تو اس سے ثواب میں کوئی فرق نہیں آتا۔ دیکھو داؤد علیہ السلام کو اس جہاد کے ذریعہ بڑی سلطنت ہاتھ آئی مگر آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہ آئی۔ لہذا اگر تنخواہ پر امامت' دینی مدرس' جہاد وغیرہ مقرر کئے جاویں تو انشاء اللہ ثواب بھی پورا ملے گا بشرطیکہ نیت درست ہو۔ سواء حضرت عثمان کے باقی تمام خلفاء راشدین نے خلافت پر تنخواہ لی ہے حالانکہ خلافت بھی عبادت ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مصیبت یا بلا یا آزمائش آجانے پر صبر کی دعا مانگنا بھی جائز ہے اور اس بلا کے ٹل جانے کی دعا کرنا بھی جائز یعنی الہی جب تک مصیبت رہے ہم کو صبر کی توفیق دے کہ اس سے گھبرا نہ جائیں اور اپنے کرم سے اسے ٹال دے دیکھو ان حضرات نے صبر کی بھی دعا کی اور فتح مندی کی بھی یعنی جب تک جنگ رہے ہمیں صبر ملے اور آخر کار ہماری فتح ہو یہ فتح کیا ہے اس آفت کا ٹل جانا۔ **آٹھواں فائدہ:** بادشاہ بوقت جہاد انعام وغیرہ بھی مقرر کر سکتا ہے۔ **نواں فائدہ:** حضور علیہ السلام کو تمام زبانیں آتی تھیں کیونکہ داؤد علیہ السلام کو جانوروں تک کی بولی آتی تھی۔ اور حضور کا علم سب سے زیادہ لامحالہ آپ کو بھی یہ علم لازمی ہے۔ حضور نے اونٹ' ہرن' لکڑیوں پتھروں سے کلام کیا اب بھی ہر زبان میں نعت پڑھی جاتی ہے جو بغیر ترجمہ بارگاہ میں پہنچتی ہے۔ **دسواں فائدہ:** انبیاء کرام جیسے کہ گھنونے امراض سے معصوم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی دلی عیوب سے پاک ہوتے ہیں۔ بخل' بزدلی' حسد' کینہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ دیکھو داؤد علیہ

السلام چونکہ نبی ہونے والے تھے تو ابتداء ہی سے بہادر دلیر تھے مرزا قادیانی پٹھانوں کے ڈر سے حج نہ کرسکے۔ **گیارھواں فائدہ:** سنت بزرگاں یہ ہے کہ داماد کا مال دیکھ کر بیٹی نہ دو بلکہ کمال دیکھ کر دو۔ دیکھو طالوت نے اپنی بیٹی داؤد علیہ السلام کو کمال دیکھ کر دی۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کیا محض کمال دیکھ کر۔

پہلا اعتراض : نبوت سلطنت سے اعلیٰ ہے پھر یہاں ملک کا ذکر حکمت سے پہلے کیوں ہوا۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ آپ کو پہلے سلطنت ہی ملی پھر نبوت۔ یہ ترتیب واقع کے لحاظ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے کہ داؤد علیہ السلام کو رب نے ترقی اتنی دی کہ بادشاہ بنا کر نبی بھی بنادیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل جالوت کے انعام میں رب نے انہیں سلطنت اور نبوت دی حالانکہ نبوت کسی فعل کی اجرت نہیں بن سکتی۔ رب فرماتا ہے۔ **اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا ومن الناس۔ جواب:** یہ اس فعل کی اجرت نہ تھی۔ بلکہ اس شجاعت میں ان کی استحقاق نبوت کا اظہار تھا۔ جیسے کہ آدم علیہ السلام کا علم ملائکہ پر ظاہر فرما کر ان سے سجدہ کرایا گیا تو یہ سجدہ علم کی اجرت نہ تھی (کبیر) **تیسرا اعتراض:** اس واقعہ سے پتہ لگا کہ انبیائے کرام وارث ہوتے ہیں دیکھو طالوت کی بیٹی آپ کے نکاح میں تھی۔ طالوت کے انتقال کے بعد اس کا آدھا ملک بطور میراث بیٹی کو ملا۔ اور اس کے ذریعہ سے آپ نے پایا نیز رب فرماتا ہے۔ **وورث سلیمن داود** جب نبی وارث بن سکتے ہیں تو ان کی میراث بھی بٹنی چاہئے لہٰذا حضور علیہ السلام کی میراث فاطمہ زہرا کو ملنی چاہئے تھی (رافضی)۔ **جواب:** اس واقعہ سے ہی معلوم ہوا کہ آپ کو یہ ملک میراث میں نہ ملا بلکہ آدھا تو انعام میں اور باقی آدھا رعایا کے انتخاب سے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ سلطنت یا تو دینے سے ملتی ہے یا رعایا کے چناؤ سے۔ اگر میراث ملتی تو طالوت کی ساری اولاد ان کا ملک تقسیم کرلیتی۔ اس لئے رب نے فرمایا **واتہ اللہ الملک۔** اور **وورث سلیمن** میں علمی میراث مراد ہے نہ کہ مالی کیونکہ داؤد علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ صرف حضرت سلیمان کے وارث ہونے کے کیا معنی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں صبر کی دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے اور حدیث شریف میں صبر کی دعا مانگنے سے ممانعت آئی ہے تو حدیث و قرآن میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** راحت کے زمانہ میں صبر کی دعا منع ہے کہ اس دعا کا مقصد یہ ہوگا کہ خدایا ہم پر مصیبت بھیج اور اس مصیبت میں ہم کو صبر کی توفیق دے یہ گویا مصیبت مانگنا ہے۔ رب سے مصیبت نہ مانگو عافیت مانگو اور جب مصیبت آپڑے بلکہ آجانے کا قوی اندیشہ ہو جائے تو صبر مانگو۔ حدیث شریف میں پہلی صورت مراد ہے اور قرآن شریف میں دوسری صورت مراد بلکہ حضور صلی اللہ علیہ السلام نے واقعہ کربلا کی خبر دیکر فرمایا کہ الٰہی میرے حسین کو صبر و اجر دے کر معلوم ہو چکا تھا کہ مصیبت ضرور آکر رہے گی۔

تفسیر صوفیانہ : روح طالوت ہے اور قلب گویا داؤد۔ نفس امارہ جالوت اور شیطانی خیالات و نفسانی خواہشات اس جالوت کا لشکر گویا روح نے اس جہاد نفس کے وقت رب سے دعا کی کہ مولیٰ مجھے اطاعت پر استقامت اور خواہشات کے ترک پر صبر عطا فرما اور دنیوی مصیبتوں کے ہجوم کے وقت ثابت قدم رکھ اور اس کافر قوم یعنی نفس امارہ اور اس کے مددگاروں پر فتح کامل نصیب فرما کیونکہ اس مار آستین پر غالب آنا بغیر تیری مدد ناممکن ہے۔ رب نے اس کی دعا قبول کی کہ داؤد قلب نے شریعت کے گوپھن میں ترک دنیا میلان عقبیٰ اور ترک ماسوائے اللہ کے تین پتھر رکھ کر تسلیم و رضا کے بازو سے اس گوپھن کو گھما کر نفس کو مارا جس سے

نفس اور اس کے ساتھی یعنی گندے اخلاق اور خواہشات و شیاطین کو ہلاک کر دیا۔ پھر رب نے اس دل و قلب کو اپنے نیابت کا ملک اور السلطنت کی حکمت عطا فرمائی اور اسے قرآنی اسرار اور رموز میں سے جو چاہا سکھایا غرضیکہ جو کوئی ربانی انعام چاہتا ہے وہ پہلے نفسانی دشمن کو قتل کرے۔ (روح البیان)

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
اور اگر نہ ہوتا دفع فرمانا اللہ کا لوگوں کو بعض ان کے کو ساتھ بعض کے تو البتہ بگڑ جاتی زمین اور لیکن اللہ
اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جاوے مگر اللہ
ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ
فضل والا ہے اوپر جہاں والوں کے ۞ یہ آیتیں ہیں اللہ کی کہ تلاوت کرتے ہیں ہم اوپر آپکے ساتھ حق
سارے جہان پر فضل کرنے والا ۞ یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم اے محبوب تم پر ٹھیک ٹھیک
وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞
کے اور تحقیق آپ البتہ مرسلین میں سے ہیں ۞
پڑھتے ہیں اور تم بے شک رسولوں میں سے ہو ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک عظیم الشان جنگ کا ذکر ہوا اب جہاد کی حکمتیں ارشاد ہو رہی ہیں کہ جہاد ہی کی وجہ سے زمین میں امن و امان قائم ہے اگر یہ نہ ہو تو عالم ویران ہو جائے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان ہوئے۔ اب اس کا نتیجہ نکالا جا رہا ہے کہ اے عقل والو اس سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے قائل ہو جاؤ کہ وہ غیبی باتیں بچی بچی بیان فرماتے ہیں۔

تفسیر: **ولولا دفع الله الناس** لولا نفی شی بوجہ ثبوت شی کے لئے آتا ہے۔ کہا جاتا ہے اگر نہ ہوتے علی تو ہلاک ہو جاتے عمر۔ کبھی مجازاً صلا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے **ولولا نفر من كل فرقة** دفع کے معنی ہیں الازالۃ بقوۃ۔ کسی چیز کو بزور ہٹا دینا یا ہٹا دینا۔ مگر جب اس کا صلہ الی ہو تو معنی پہنچانا ہوتا ہے جیسے فادفعوا الیہم اموالہم اور اگر اس کے بعد عن آئے تو معنی حمایت ہوتا ہے۔ جیسے **ان الله يدافع عن الذين امنوا** چونکہ یہاں اس کے بعد نہ الی ہے نہ عن لہٰذا اپنے حقیقی معنی میں ہے اس کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔ اس میں چار چیزیں چاہئیں۔ دافع، مدفوع، مدفوع بہ یہاں تین کا ذکر ہے اور ایک کا نہیں دفع کرنے والا اللہ اور مدفوع شریر لوگ اور مدفوع بہ۔ یعنی جن کے ذریعہ سے کفار دفع کئے گئے مومنین ہیں اور مدفوع عنہ پوشیدہ ہے یعنی دنیا و زمین (کبیر) اگرچہ جنات و جانور بھی آپس میں لڑتے رہتے ہیں مگر انسان کی جنگ ان سب میں زیادہ اہم ہے اس لئے خصوصیت سے انسان ہی کا ذکر کیا۔ جنات و جانوروں میں جہاد نہیں فرشتے بھی اگر جہاد کریں تو انسانوں کے ساتھ مل کر نیز انسان کی جنگ بڑی خطرناک ہے۔ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، ہوائی جہاز، راکٹ بنا کر انسان ہی جنگ کرتے ہیں اور انسان ہی کی جنگ

زمین کے فساد کا باعث ہے انسان ہی کی جنگ سے آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں۔ اس لئے خصوصیت سے انسان ہی کا ذکر ہوا۔ بعضھم ببعض بعضھم' الناس کا بدل البعض ہے اور اس سے شریر فسادی لوگ مراد ہیں۔ ببعض یہ دفع کا متعلق ہے اور اس سے مومنین مصالحین مراد یعنی اگر رب تعالیٰ مومنین اور مصلحین کے ذریعہ فتنہ گر اور فسادی لوگوں کو زمین سے دور نہ کرتا تو لفسدت الارض فساد اصلاح کا مقابل ہے معنی اصل حالت سے نکل جانا اور بگڑ جانا الارض سے ساری آباد زمین مراد ہے یعنی ساری آبادی بگڑ جاتی اور اس میں فساد برپا ہو جاتا کہ زمین پر نہ آبادیاں رہتیں نہ شریف چین سے گزارہ کر سکتے۔ ولکن اللہ ذوفضل علی العلمین فضل کی تنوین تعظیمی ہے چونکہ انسان کے بگڑنے سے سارا عالم ہی بگڑ جاتا ہے اور انسان کی اصلاح سے سارے جہان کی اصلاح ہے اس لئے یہاں عالمین فرمایا گیا یعنی اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل و کرم فرمانے والا ہے۔ اس لئے اس نے مجاہدین پیدا فرما کہ ان کے ذریعہ عالم میں امن قائم رکھا۔ تلک ایت اللہ' تلک سے یا تو قصہ طالوت کی طرف اشارہ ہے۔ یا احکام و قصص کی ساری آیتوں کی طرف۔ یعنی یہ سب چیزیں طالوت کے پاس 'تابوت آنا' تھوڑوں کا بہت سوں پر غالب آ جانا' داؤد علیہ السلام کا اتنے بڑے جابر جالوت کو قتل کر دینا قدرت الٰہی کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں نتلوھا علیک بالحق یہ آیات کی صفت ہے یا اس کا حال اور ہو سکتا ہے کہ مستقل جملہ ہو۔ بالحق' ھا ضمیر کا حال ہے۔ یعنی ان آیتوں کو بواسطہ جبریل آپ کے سامنے ہم ٹھیک ٹھیک اور ضرورت حقہ کیلئے بقدر ضرورت بیان فرماتے ہیں۔ وانک لمن المرسلین یا تو مرسلین لغوی معنی میں ہے یعنی رسول یا اصطلاحی معنی میں یعنی نئی کتاب اور نئے دین والے پیغمبر یعنی تحقیق آپ پیغمبروں میں سے ہیں آپ کو خلق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے بھیجا گیا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں اسلامی جہاد شر و فساد نہیں بلکہ دافع فساد ہے کیونکہ انسان اچھے برے ہر طرح کے ہیں اگر رب تعالیٰ اچھوں کے ذریعہ بروں کو دفع نہ فرماتا رہے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے لوگوں کو کشت و خون سے ہی فرصت نہ ملے نہ جانور زندہ رہیں نہ کھیتی باڑی ہو نہ نسل انسانی پھلے پھولے غرضیکہ کسی قسم کی آبادی نہ ہو سکے۔ جہاد سے مفسدین دبے رہیں گے جس سے امن قائم رہ کر زمین آباد ہو گی اور اس سے تمام عالم والے فائدہ اٹھائیں گے۔ اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے جہاد بھی اس کا فضل ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ دفع دو قسم کا ہے ظاہری اور باطنی دفع ظاہری چار گروہوں سے ہے۔ پیغمبروں سے' بادشاہ سے' علماء اور اولیاء سے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے منصب کے لائق فساد دفع فرماتے ہیں۔ دفع خفی بذریعہ عقل ہے کہ عقل ہی وہمی فسادات دور کرتی ہے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہر فساد کو ظاہری اور باطنی طور پر دفع فرمانے والے آپ ہی سلطان الملوک اور گویا مرکز عالم ہیں (روح) اسی لئے آپ کا اسم شریف دافع البلاء بھی ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ گزشتہ واقعات رب کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جو ہم وقتاً "فوقتاً" سچے سچے بیان کرتے رہتے ہیں۔ جن میں اہل کتاب اور تواریخ داں لوگ کچھ شک نہیں کر سکتے آپ سچے پیغمبروں میں سے ہیں جب پچھلے پیغمبروں نے جہاد کئے تو آپ کے جہاد پر اہل کتاب کیوں بھڑکتے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حکومت و سلطنت رب کی بڑی نعمت ہے کہ اس کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا یوں سمجھو کہ دین امن کی بنیاد ہے اور سلطنت محافظ بغیر بنیاد عمارت کمزور ہے اور بغیر محافظ ہر وقت

خطرہ ایسے ہی بغیر دین کی تنظیم بے جڑ کا درخت ہے اور بغیر حکومت ہر نعمت خطرہ میں ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جہاد اور دنیوی انتظامات نبوت یا ولایت کے خلاف نہیں بلکہ یہ چیزیں انبیاء کرام کا فرض منصبی ہیں جو لوگ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کرام کو تارک الدنیا ہونا چاہئے انہیں دنیوی بکھیڑوں سے کیا مطلب وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں یہ حضرات دنیوی بکھیڑے چکانے کے لئے ہی تو آتے ہیں لوگوں کو زندگی کے ہر شعبہ اور ہر چیز کا صحیح استعمال بتاجاتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** مصیبتیں بھی خدا کی رحمت ہیں کہ چھوٹی مصیبتوں کے ذریعہ بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ دیکھو جہاد بظاہر تکلیف دہ چیز ہے مگر اسے فضل فرمایا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** نبی کا علم غیب انکی نبوت کی دلیل ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضور کے ان علوم کو آپ کی نبوت کی دلیل قرار دیا جیسے دلیل پر اعتراض کرنے والا در حقیقت دعویٰ کا منکر ہے ایسے ہی نبی کے علم غیب کا منکر در پردہ ان کی نبوت کا انکاری ہے۔ رب تعالیٰ انکار سے بچائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت میں فرمایا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو بتا سکتا ہوں جو کچھ تم گھروں میں کھاکر اور بچاکر آتے ہو یعنی میری نبوت کا ثبوت یہ ہے کہ میں تمہارے گھر کے اندرونی حالات جانتا ہوں۔ یہ علم غیب میری نبوت کا ثبوت ہے۔ نبی کے معنی ہی ہیں غیب کی خبر رکھنے والا یا غیب کی خبریں دینے والا۔ **پانچواں فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت ہے دیکھو عیسائی وغیرہ حضور کے جہاد پر اعتراض کرتے تھے کہ قتل کفار نبوت کے خلاف ہے۔ حضور کی طرف سے رب نے جواب دیا کہ بتاؤ داؤد علیہ السلام نبی تھے کہ نہیں تم انہیں نبی مانتے ہو وہ بڑے مجاہد تھے اگر ہمارے یہ محبوب بھی جہاد کریں تو کیا اعتراض ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اگرچہ ہر کام کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے مگر قانون یہ ہے کہ رب کے کام بندے کریں اور بندے وسیلہ بنیں بروں کو نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر نیکوں کے ذریعہ سے مجاہدین غازی لوگوں کے ذریعہ نکلتا ہے۔ یہ ہی توسل رب تعالیٰ کے تمام کاموں میں ہے ماں باپ کے وسیلہ سے پیدائش نبی کے وسیلہ سے ہدایت بادلوں کے ذریعہ رزق وغیرہ جب وہ غنی ہو کر وسیلہ اختیار کرتا ہے تو ہم محتاج ہو کر وسیلہ سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے رب نے فرمایا **وابتغوا الیہ الوسیلۃ**

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے فسادی لوگ پیدا ہی کیوں کئے جن پر جہاد کرنا پڑا (آریہ) **جواب:** اس کا جواب بارہا دیا جا چکا کہ تمام عالم کا نظام اسی طرح قائم ہے کہ اس میں بری بھلی چیزیں ہوں اور بھلائی سے برائی مٹائی جائے۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ رب نے بھوک پیدا ہی کیوں فرمائی جس کے لئے غذا کی حاجت ہوئی یا رب نے بیماریاں کیوں بنائیں کہ ہمیں دوا کی ضرورت پڑی اگر بھوک و بیماری نہ ہوتی تو عالم قائم نہ رہتا۔ **دوسرا اعتراض:** جنگ میں زمین بگڑتی ہے۔ مگر یہاں فرمایا گیا کہ جنگ نہ ہوتی تو بگڑ جاتی یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی ڈاکٹر کہے کہ اگر میں بیمار کا گلا ہوا ہاتھ نہ کاٹ دیتا تو سارا ہاتھ خراب ہو جاتا۔ فسادی لوگ نوع انسان کا گلا ہوا عضو ہیں ان کا رہنا سب کا بگڑنا ہے جسم سے میل کچیل ناخن و بال دور کرتے رہو تاکہ تندرستی قائم رہے۔ **تیسرا اعتراض:** جہاد کے فوائد دکھا کر یہ کیوں فرمایا کہ اللہ عالمین پر فضل فرمانے والا ہے جہاد کا نفع حد درجہ انسانوں کو پہنچ سکتا ہے نہ کہ ساری مخلوقات کو۔ **جواب:** ساری مخلوق انسان کے لئے بنی اور اسی کی خاطر باقی ہے۔ دولہا کے لئے برات کی ساری ٹیپ ٹاپ ہے اس لئے انسان ساری چیزوں سے کام لیتا ہے۔ اگر جہاد نہ ہوتا انسان نہ رہتا اور جب انسان نہ رہتا جہان نہ رہتا۔ انسان کے بقا سے جہان کی بقا ہے لہٰذا اس پر فضل سب پر فضل ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں آیات کے ساتھ بالحق کہنے میں کیا فائدہ کیا بعض آیتیں باطل بھی ہیں۔ **جواب:** رب جانتا تھا کہ بعض عیسائی ان آیتوں کے

غلط ہونے کا پروپیگنڈا کریں گے اور کہیں گے کہ تاریخی لحاظ سے یہ واقعہ صحیح نہیں طالوت کی سلطنت سے پہلے تابوت آیا تھا نہ کہ بعد میں اور لشکر کی آزمائش نہر سے نہیں ہوئی تھی اور نہ طالوتیوں نے بروقت مقابلہ کی تھی وغیرہ وغیرہ اس لئے فرمایا گیا کہ جو قصہ ہم نے بیان کیا وہ ہی سچ ہے۔ عیسائیوں کی تاریخ غلط سبحان اللہ بالحق کہنے پر قربان۔ غور تو کرو کہ عیسائی اس واقعہ کی مخالفت میں کتاب شمویل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ اس میں یہ واقعہ اور طرح مذکور ہے لہذا قرآن کی آیتیں غلط۔ اور اب ذرا کتاب شمویل کا حال دیکھو کہ اولا" تو یہ ہی خبر نہیں کہ یہ کتاب ہے کس کی۔ کوئی عیسائی کہتا ہے کہ خود شمویل کی ہے کوئی کہتا ہے یا تن نبی کی کوئی یرمیاہ کی۔ دوئم خود عیسائی مورخ کہتے ہیں کہ اس کے کچھ باب الحاق ہیں جو بعد میں ملا دیئے گئے۔ سوئم: اس کتاب میں خود تعارض ہے۔ چنانچہ انیسویں باب کے پندرھویں درس میں ہے کہ خدا پچھتانے سے پاک ہے اور پھر اسی باب کے پینتیسویں درس میں ہے کہ خدا اساول کو بادشاہ بنا کر پچھتایا۔ اسی کتاب کے سولہویں باب کے اکیسویں درس میں ہے کہ ساول داؤد سے واقف بھی نہ تھا جس پر عیسائی بھی چکرا کر کہتے ہیں کہ اس کتاب میں ملاوٹ ہوئی ہے۔ (تفسیر حقانی) اس لئے رب نے فرمایا کہ کتاب شمویل وغیرہ پر بھروسہ نہ کرو۔ **نتلوھا علیک بالحق** سچے واقعات تمہیں ہم سناتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : مشائخ و اولیاء مصلحین ہیں وہم اور وہمانی باتیں مفسد لوگ ہیں انسان کی استعداد گویا روح کی زمین اور اس کا ملک ہے ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر رب تعالیٰ مشائخ اور اولیاء کرام کے ذریعہ وہم اور وہمانیات کو دفع نہ فرماتا اور جالوت نفس کو ہلاک نہ کرتا تو روح کی زمین یعنی طالبین کی استعداد بگڑ جاتی۔ ان کے اخلاق تبدیل ہو جاتے قلب کی صفائی جاتی رہتی لیکن اللہ سب پر فضل فرماتا ہے کہ طالبین کے دل میں طلب کا جوش دیکر انہیں کاملین کے دروازہ پر پہنچاتا ہے پھر ان کاملین کو ان پر مہربان بناتا ہے کہ وہ انہیں فیض دیں اور طالبین کو ریاضات و مجاہدات کی مشقتیں برداشت کرنے کی قوت دیتا ہے اگر یہ کرم نہ ہوتے تو ان کے نفوس کبھی پاک صاف نہ ہوتے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے ضمن میں اللہ کے اسرار اور دقائق ہیں جن کو ہم حقیقتہ" آپ پر ظاہر کرتے ہیں آپ ہی ان مرسلین میں سے ہیں جنہوں نے یہ سارے مقامات طے کئے اور ان حالات و کمالات کا مشاہدہ فرمایا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے زمین پر کبھی دن کا راج ہے' کبھی رات کا' کبھی گرمی کا' کبھی برسات" کا کبھی خزاں کا' کبھی بہار کا' مسلمانوں کا' کبھی کفار کا' ہر راج کے آثار مختلف ایسے ہی دل کی دنیا میں کبھی نفس و شیطان کا راج ہوتا ہے کبھی روح اور سر کا نفس کے راج میں دل میں فسق و فجور' اندھیری ہوتے ہیں اور روح کے راج میں خوف و عشق' گریہ زاری' بے قراری ہوتی ہے اگر دل پر ہمیشہ شیطان کا ہی راج رہے تو یہ بگڑ جائے۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے دل پر نفس و شیطان کبھی راج نہیں کر سکتے کعبہ معظمہ جو بیت اللہ ہے وہاں بھی تین سو سال بت راج کر گئے۔ حضور کے ہاتھوں ان کا راج ختم ہوا۔

دوسری تفسیر : دنیا میں برے انسان بھی ہیں اور اچھے بھی بدکار عذاب الٰہی کے سزاوار مگر نیکوں کی برکت سے امن میں رہتے ہیں۔ عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک نیک مسلمان کی برکت سے اس کے آس پاس سو گھر والوں سے بلا دور رہتی ہے۔ (خزائن و شامی و مشکوۃ شریف) ذکر یمن و شام میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شام میں چالیس ابدال رہیں گے جب کبھی ان میں سے کسی کی وفات ہو جائے گی تو دوسرا اس جگہ قائم ہو گا۔ انہیں کی برکت سے بارش ہو گی انہیں کی طفیل فتح و نصرت نصیب ہو گی اور اہل شام سے عذاب دور رہے گا۔ اس کی شرح مرقات میں عبداللہ

ابن مسعود سے مروی ہے کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ تین سو ولی رہیں گے جن کے دل آدم علیہ السلام کے قلب پاک کی طرح ہوں گے اور چالیس قلب موسیٰ پر اور سات قلب ابراہیم پر اور پانچ قلب جبریل پر تین قلب میکائیل پر اور ایک قلب اسرافیل پر علیہم السلام جب اس ایک کی وفات ہوگی تو ان تین میں سے ایک یہاں قائم ہو جائیگا اور ان پانچوں میں سے ایک تین میں اور سات میں سے پانچ میں اور چالیس میں سے سات میں اور تین سو میں سے ایک چالیس میں اور عامۃ المسلمین میں سے ایک ان تین سو میں داخل ہو کر یہ شمار پوری رکھیں گے ان کے طفیل بلائیں دفع ہوں گی۔ تفسیر در منثور میں ہے کہ یہ حضرات اوتاد ارض یعنی زمین کی میخیں ہیں کہ انہیں کی برکت سے زمین قائم ہے تفسیر روح البیان نے چھٹے پارہ سورۂ مائدہ قال اللہ انی معکم کی تفسیر میں فرمایا کہ امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چالیس ابدال اور سات امنا اور تین خلفاء ایک قطب عالم ہوگا حضرت شیخ الاکبر محی الدین فرماتے ہیں کہ قطب عالم کے مرکز کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا ولیاں وزیر عالم ارواح کی اور بایاں وزیر عالم اجسام کی اور چاروں اوتاد مشرق مغرب جنوب و شمال کی اور سات ابدال سات ولایتوں کے محافظ ہیں۔ خیال رہے کہ ان میں دایاں تو بایاں ہے اور بایاں دایاں۔ بایاں جلالی اور فانی فی اللہ ہے اور دایاں جمالی باقی باللہ (روح) غرضیکہ عالم کا بقاان حضرات سے ہے وہ ہی یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ بعض لوگوں یعنی کاملین کی برکت سے مفسدین کی بلاؤں کو دفع نہ فرماتا تو زمین کبھی کی برباد ہو جاتی مگر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ان فضل والوں کو پیدا فرمایا۔ خیال رہے کہ بعض مخلوق دینے والی ہے اور بعض لینے والی سورج و بادل دینے والی مخلوق ہے زمین لینے والی۔ کبھی لینے والا دینے والے کے برابر نہیں ہو سکتا اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے افضل ہے۔ یوں ہی ہم لوگ لینے والے ہیں حضرات انبیاء اولیاء دینے والے رب نے ہم میں سے کسی کو کوئی نعمت بغیر واسطہ نہیں دی۔ قرآن، کلمہ، ایمان، روزہ، نماز وغیرہ رب نے ہم کو براہ راست نہ دیا جو کچھ دیا حضور کے واسطے سے دیا۔ ہم بھی کسی طرح حضور سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

الحمد للہ کہ یہ جلد دوم ذیقعدہ 1363ھ یوم پنج شنبہ کو شروع ہو کر 26 جمادی الاول 1364ھ یوم چہار شنبہ کو ختم ہوئی۔ رب تعالیٰ بقیہ جلدیں پوری کرنے کی طاقت عطا فرمائے اور قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ اور توشہ آخرت بنائے **وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و شفیعنا و حبیبنا و مولانا محمد وعلی الہ واصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین ○**

ناچیز احمد یار خان نعیمی اشرفی اوجھانوی غفرلہ وعفی عنہ وعن والدیہ

21 جون 1965ء